تاریخِ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر
تک ملّتِ اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ، ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر

تاریخِ ملّت

تالیف

جناب مُفتی زین العابدین سجّاد میرٹھی — جناب مُفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

جلدِ اوّل

نبیِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
خلافتِ راشدہ
خلافتِ بنی اُمیّہ
خلافتِ ہسپانیہ

ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

تاریخِ ملّت

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ، ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب جو تاریخ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے، سلیس زبان، عام فہم اور آسان طرز بیان۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے

تالیف

جناب مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی ○ جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

جلدِ اوّل

① نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
② خلافتِ راشدہ
③ خلافت بنی اُمیہ
④ خلافتِ ہسپانیہ

① نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
② خلافت راشدہ
③ خلافت بنی اُمیہ
④ خلافت ہسپانیہ
⑤ خلافت عباسیہ: اول
⑥ خلافت عباسیہ: دوم
⑦ تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ
⑧ خلافت عثمانیہ
⑨ تاریخ صقلیہ
⑩ سلاطین ہند: اوّل
⑪ سلاطین ہند: دوم

ادارۂ اسلامیات ○ انارکلی لاہور



نام کتاب ——— "تاریخ ملت" جلد ۱
اوّل طباعت ——— فروری ۱۹۹۱ء بمطابق ۱۴۱۱ھ
باہتمام ——— اشرف برادران سلمہم الرحمٰن
ناشر ——— ادارۂ اسلامیات - لاہور ۲
طباعت ———
کتابت ——— مُشتاق احمد، جلالپوری
قیمت

ادارۂ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ — دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور فون ۳۲۴۳۴۱۲، ۳۲۳۴۸۵ فیکس ۹۲-۴۲-۳۲۳۴۸۵	★ — ۱۹۰، انار کلی، لاہور، پاکستان فون — ۷۲۳۲۹۹۱، ۷۵۳۲۵۵	★ — موہن روڈ چوک اُردو بازار، کراچی فون ۷۲۲۴۰۱

ملنے کے پتے
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور ۲
دارالاشاعت اُردو بازار کراچی ۱
ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم، ڈاکخانہ دارالعلوم، کراچی ۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

تاریخ نویسی انسانی عہد کی ابتدائی داستان گوئی سے دورِ حاضر کی اکتشافی تحقیقات تک آ پہنچی ہے۔ صدہا صدیوں کی اس مسافت کو دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ نویسی کی تاریخ خود اصل تاریخ سے کچھ کم دلچسپ نہیں ہے۔ تاریخ کے کتنے ہی مصنف ایسے ہیں جن کے محض نام اب اوراق کی زینت ہیں اور کتنے ہی مؤرخ خود تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئے۔

تاریخ نویسی کے اسی تسلسل میں ایک اہم واقعہ ظہورِ اسلام ہے۔ اسلام کا یہ احسان مؤرخین کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ اس نے تاریخ کو اس وقت ایک علم اور فن کی حیثیت دی جب اس کی وقعت دیو مالائی داستانوں، تخیلاتی قصوں اور توہماتی کہانیوں سے زیادہ نہ تھی۔ علمِ حدیث کی سائنس نے جہانِ علم کے دوسرے گوشوں کے ساتھ ساتھ تاریخ کو بھی منور کیا اور روایات میں اسناد شامل کر کے نہ صرف علمِ تاریخ کو مربوط و مستحکم کیا بلکہ کھرے اور کھوٹے کی تمیز بھی آسان کر دی۔

مسلمانوں نے تاریخ بھی بنائی اور فنِ تاریخ بھی۔ اور ان دونوں کے ساتھ ساتھ مؤرخین کی فہرست میں ایسے جلیل القدر ناموں کا بھی اضافہ کیا جن کے بیان کردہ فلسفۂ تاریخ، اس کے اصول و ضوابط اور اقوام و افراد کے عروج و زوال کے تجزیے گویا علمِ تاریخ کا قانون بن گئے۔ انہیں نصاب کے طور پر پڑھا اور پڑھایا جانے لگا اور زمانہ صدیوں سے ان نظریات میں کسی لفظ کا اضافہ نہیں کر سکا۔

ایک عمدہ تاریخ نویس کے اسلوب کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ قاری کو اپنے ہمراہ اس حیرت خانۂ ایام میں لے جاتا ہے جس کا نام ماضی ہے۔ زمان، مکان اور زبان کا بُعد اُن کے سیر تماشا میں حائل نہیں ہوتا۔ وہ کرداروں کو اپنی اچھائیوں، بُرائیوں سمیت اور پس و پیش منظر کو اپنی جزئیات کے ساتھ طلوع و غروب ہوتے دیکھتے ہیں۔ وہاں لمحے متحرک اور ساعتیں فعال ہیں۔ سیالِ وقت اُن کے سامنے پیمانۂ ایام میں لمحہ لمحہ ٹپکتا اور منجمد ہوتا رہتا ہے۔ واقعات اپنے تاریخی تسلسل کے ساتھ بتدریج اُبھرتے اور ڈوبتے چلے جاتے ہیں اور قاری تاریخ نویس کی انگلی تھامے تجسّس کی راہیں بدلتے ہوئے گلیوں، محلوں، مکانوں، درباروں، لشکروں اور لشکریوں کے درمیان گھومتا پھرتا چلا جاتا ہے۔

ع ایک اک کر کے ہوئے جاتے ہیں منظر روشن

زیرِ نظر کتاب "تاریخِ ملت" اسی اسلوبِ بیان کی ایک نمائندہ کتاب ہے۔ یوں تو تاریخِ اسلام پر بیشمار کتب لکھی گئی ہیں لیکن وہ عموماً عباسی دورِ حکومت سے آگے کی تفصیل پیش نہیں کرتیں۔ یا پھر سرسری سے انداز میں باقی سنین کے اہم واقعات کا خلاصہ چند صفحات میں دیدیا گیا ہے۔ "تاریخِ ملت" کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ یکساں تفصیل کیساتھ تاریخ قبل از اسلام سے ہندوستان میں آخری تاجدارِ مغلیہ بہادر شاہ ظفر تک کے واقعات مستند حوالوں سے پیش کرتی ہے۔ یہ اور اسی طرح کی دیگر نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں :-

چند نمایاں اور منفرد خصوصیات

- تاریخِ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک اسلام کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ۔ اڑھائی ہزار سے زائد صفحات پر۔
- ہر حکمران کی سیرت، سوانح، کردار اور عہدِ سلطنت کے واقعات۔
- اہم حکمرانوں کے نظامِ سلطنت اور ملک کی عمومی حالت کا سیرِ حاصل تجزیہ۔
- سلطنتوں اور افراد کی کامیابیوں اور ناکامیوں کے اسباب۔
- ہر عہدِ حکومت کے دلچسپ، نادر اور نایاب واقعات۔
- ہر دور کے ممتاز علماء، فقہاء، محدثین، شعراء اور دیگر فنون کے ماہرین کا تعارف، کارنامے اور مختصر حالاتِ زندگی۔
- مملکتوں کے نقشے، چارٹ اور بادشاہوں کے شجرہ ہائے نسب۔
- مختلف ادوار میں علمی ترقی کا احوال اور ضمناً علوم وفنون کی تاریخ۔
- مستند اور معروف تاریخی کتب کے مکمل حوالے طلباء اور اساتذہ کی نصابی ضروریات سے مطابقت۔
- سلیس، سادہ، آسان اور عام فہم اندازِ بیان۔
- ابواب کی تقسیم، ذیلی سرخیاں، مکمل اور جامع فہرست، کسی موضوع کی تلاش انتہائی سہل۔

یہ ہمارے لئے بہت بڑا شرف ہے کہ ہم ندوۃ المصنفین ہندوستان کی یہ شاہکار کتاب اپنے ادارہ سے قارئین اور اہلِ علم حضرات کے سامنے پہلے سے کہیں بہتر انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے مصنفین اور ناشرین کے لئے باعثِ اجر و برکت بنائے۔ آمین!

اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

فہرست مضامین

جلد اوّل



نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم

دیباچہ

(طبع اوّل)

اسلام کا ماضی اس قدر شاندار ہے کہ دُنیا کی کوئی ملّت اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔ تاریخ اسلام کے ایک ایک باب میں حق پرستی، جاں سپاری، صداقت شعاری، عدل گستری اور معارف پروری کی ہزاروں داستانیں پنہاں ہیں۔ مسلمان بچّوں کو اگر بچپن ہی سے اپنے اسلاف کے ان زرّیں کارناموں سے واقف کرا دیا جائے تو وہ اپنے لئے اور مُلک وملّت کے لئے بہت کچھ مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

بنابریں محترم مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین دہلی نے یہ خدمت میرے سپرد کی کہ مَیں ہندوستان کے مُسلمان بچّوں کے لئے تاریخ اسلام کا ایک مختصر نصاب مرتب کروں۔

ہر چند کہ مَیں اپنی نا قابلیت اور مصروفیت کے سبب اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے موزوں نہ تھا مگر تعمیلِ حکم اور تحصیلِ سعادت کے شوق میں اس بارِ گراں کو قبول کر لیا۔ چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا حصّہ نبی عربی جو سیّد المرسلین رحمۃ للعٰلمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃِ طیبہ پر مشتمل ہے ہدیۂ ناظرین ہے۔

اس حصّہ کی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ سیرتِ طیبہ سے متعلق تمام اہم واقعات اختصار کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۲۔ واقعات کے بیان میں تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مگر ربط و تسلسل کا دامن بھی کسی صورت ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا۔

۳۔ جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی ہے وہاں واقعات کے اسباب وعلل سے بھی سہل انداز میں بحث کی گئی ہے۔

۴۔ زبان آسان وسلیس لکھی گئی ہے اور بیان میں سادگی وشگفتگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۵۔ تمام مضامین عربی کی بعض قدیم اور بیشتر جدید سیرت کی معتبر ومستند کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ سیرت کی جدید کتابوں میں سے یہ چار کتابیں تو اس تالیف کے لئے اساطینِ اربعہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نور الیقین[۱] فی سیرۃ سید المرسلین (للشیخ محمد الخضری بک)

دروس[۲] التاریخ الاسلامی (لمحی الدین الخیاط)

محمد[۳] رسول اللہ (لمحمد رضا)

حیات[۴] سید العرب (لحسین عبداللہ باسلامہ)

جہاں کہیں ضرورت سمجھی گئی ہے مآخذ کے حوالے بھی دیدیئے گئے ہیں۔

اُمید ہے کہ یہ حصہ مسلمان بچوں کے علاوہ ان بڑوں کے لئے بھی جو قلیل وقت میں سیرت طیبہ کی کثیر برکات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں، مفید ثابت ہوگا۔

زین العابدین کان اللہ لہٗ



قاضی منزل میرٹھ۔ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ جمعۃ المبارک



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد ن المصطفیٰ وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین اصطفیٰ ۔

مقدّمہ

علم تاریخ تاریخ ایک ضروری اور مفید علم ہے اس سے ہم کو دُنیا کی تمام نئی اور پرانی قوموں کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور ہم اُن کی ترقی اور تنزلی کے اسباب سے واقف ہو جاتے ہیں۔ ہم جان جاتے ہیں کہ کس طرح ایک قوم عزت کے آسمان کا ستارہ بن کر چمکی اور دوسری قوم ذِلّت کے میدان کی گرد بن کر منتشر ہو گئی۔ اس طرح ہمارا تجربہ بڑھتا ہے۔ ہماری معلومات میں زیادتی ہوتی ہے اور ہم اپنی اور اپنی قوم کی زندگی کو بہتر اور شاندار بنا سکتے ہیں۔

تاریخ کی ابتداء انسان کی عادت ہے کہ جب اس کی زندگی میں کوئی بڑا اور خاص واقعہ پیش آتا ہے تو وہ اسے ہمیشہ یاد رکھتا ہے بلکہ روزمرہ پیش آنے والے چھوٹے موٹے واقعات کو بھی اس سے نسبت دے کر یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

مثلاً حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانے میں جو طوفان آیا وہ ایک بڑا واقعہ تھا اب لوگوں نے اُس واقعہ کی طرف نسبت دے کر کہنا شروع کیا کہ فلاں شخص طوفانِ نوحؑ سے سو برس پہلے پیدا ہوا تھا یا فلاں لڑائی طوفانِ نوحؑ سے پانچ سو برس بعد ہوئی تھی۔ بس اِس طرح چھوٹے واقعات کو بڑے واقعات کی طرف نسبت دینے سے تاریخ کی بنیاد پڑ گئی اور آہستہ آہستہ بڑے ملکوں اور قوموں کی تاریخ تیار ہو گئی۔

تاریخ کے بُنیادی پتھر یوں تو دُنیا میں بہت سے بڑے بڑے واقعات پیش آئے جن کی طرف نسبت دے کر دُنیا کی قوموں نے اپنے حالات کو محفوظ رکھا۔ مگر یہ تین واقعات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن پر تاریخ کی بُنیادیں اُٹھیں۔ دُنیا کی ابتداء۔ ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہجرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

معتبر تاریخ دنیا میں انسانی زندگی کی پوری تاریخ باوجود لگاتار اور انتھک کوششوں کے اب تک نہیں معلوم ہو سکی۔ جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ اس کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے اور اس تھوڑے سے حصہ میں سے بھی تحریری صورت میں تقریباً تین ہزار سال کے واقعات ملتے ہیں۔

تاریخ کی قسمیں انسانی تاریخ کی دو قسمیں ہیں۔ تاریخ عام اور تاریخ خاص۔ تاریخ عام میں تمام دُنیا کے انسانوں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں اور تاریخ خاص میں کسی خاص قوم یا کسی خاص گروہ یا کسی خاص سلطنت کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

تاریخِ اسلام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ دُنیا میں مذہب اسلام کی ابتداء انسان کی پیدائش کے ساتھ ہوئی۔ دُنیا میں جس قدر پیغمبر آئے اُن سب نے اپنی اُمت کو اسلام ہی کا پیغام سُنایا۔ یہ ضرور ہے کہ خدا کا یہ پیغام دُنیا کے ابتدائی زمانہ میں اس وقت کی ضرورتوں ہی کے مطابق تھا۔ جب دنیا نے ترقی کی منزل میں قدم رکھا اور اُس کی ضرورتوں میں اضافہ ہُوا تو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پیغام کو مکمل صورت میں لے کر آئے۔ عام طور پر خدا کے اس مکمل پیغام کو ہی اسلام کہا جاتا ہے۔ اس لئے تاریخِ اسلام سے اس گروہ کی تاریخ مراد لی جاتی ہے جس نے خدا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس مکمل پیغام اسلام کو قبول کیا اور جو آج کل دُنیا کے ہر حصہ میں تقریباً ستر کروڑ[1] کی تعداد میں پھیلے ہُوئے ہیں۔

---

[1] بلکہ اب نوے کروڑ تک پہنچ چکے ہیں۔

تاریخِ اسلام کی خصوصیت

دنیا کی اکثر قوموں کی تاریخ، کہانیوں اور قصّوں کی صورت میں ملتی ہے۔ مگر اسلام کی تاریخ میں یہ بات نہیں ہے۔ مسلمانوں نے شروع ہی سے اپنی تاریخ کو مستند طور پر لکھا ہے اور ہر بات کا حوالہ دے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں "تاریخِ اسلام" ایک خاص امتیاز رکھتی ہے۔

دُنیا کی ابتداء

دُنیا کی ابتداء کے متعلق تاریخ کے عالموں میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرّخین کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش سے صرف چار ہزار سال پہلے انسان پیدا ہوئے۔ بعض کا بیان ہے کہ چھ ہزار سال پہلے اور بعض کا خیال ہے کہ لاکھوں سال پہلے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ دُنیا کی اس سب سے پرانی بات کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں یہ سب مانتے ہیں کہ دنیا کی سب سے پرانی قومیں چینی، ہندوستانی اور مصری ہیں اور یہ دنیا میں آج سے چھ ہزار یا دس ہزار سال پہلے سے پائی جاتی ہیں۔[1]

انسان نے کس طرح ترقی کی

دُنیا کے ابتدائی زمانہ میں انسان بالکل انجان تھا۔ انبیاء کرام علیہم السّلام کی تعلیمات کی روشنی میں پہلے اُس نے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا سامان کیا۔ پھر کنبے اور خاندان بنائے پھر شہر بسائے اور سلطنتیں قائم کیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ ترقی کر کے انسان موجودہ تہذیب کی بلند منزل پر پہنچ گیا۔

زبان

جب انسان اکٹھے زندگی بسر کرنے لگے تو اُنھیں اپنی کہنے اور دوسرے کی سُننے کے لئے بول چال کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ انھوں نے اس مطلب کے لئے کچھ الفاظ مقرر کر لئے۔ یہی زبان کی ابتدا ہے۔ جب تک انسان دنیا میں ایک جگہ رہے زبان بھی ایک رہی۔ لیکن جب آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے وہ مختلف قوموں

---

[1] دروس التاریخ

اور گروہوں میں بٹ گئے تو ان کی زبانیں بھی مختلف ہو گئیں۔

عرب

علمائے تاریخ نے نسلِ انسانی کو تین جنسوں میں تقسیم کیا ہے:۔

۱۔ جنسِ ابیض

یہ وہ قوم ہے جو ایران میں پیدا ہوئی۔ پھر وہاں سے نکل کر ہندوستان مغربی ایشیا اور پھر تمام یورپ میں پھیل گئی۔

۲۔ جنسِ اصفر

یہ وہ قوم ہے جو چین میں پیدا ہوئی۔ پھر وہاں سے نکل کر شمالی ایشیا اور جزائر ملاکا تک پہنچی۔

۳۔ جنسِ اسود

یہ وہ قوم ہے جو افریقہ اور آسٹریلیا میں پیدا ہوئی۔

نسلِ انسانی کی ان تین جنسوں کے میل ملاپ سے اور بہت سی درمیانی جنسیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ عرب اس درمیانی جنس سے ہیں جو جنسِ ابیض اور جنسِ اسود کے میل ملاپ سے پیدا ہوئی اور جسے "جنسِ اسمر" بھی کہا جاتا ہے[1]

ملکِ عرب عرب کا ملک ایک جزیرہ نما ہے جو بحرِ احمر، بحرِ ہند، خلیجِ عمان اور دریائے فرات سے اس طرح گھرا ہوا ہے کہ ایک جزیرہ معلوم ہوتا ہے لیکن خود ملک کی اندرونی حصہ میں پانی کی بڑی کمی ہے اور خشک پہاڑوں اور پہاڑیوں کی کثرت ہے۔

طبعی لحاظ سے اس ملک کے پانچ حصے ہیں:۔

---

[1] دروس التاریخ ۱۲

تہامہ :- یہ وہ حصہ ہے جو بحرِ قلزم کے کنارے سے جبلِ سرات تک پھیلا ہوا ہے۔

حجاز :- یہ جبل سرات کا کوہستانی سلسلہ ہے جو یمن سے شام تک پھیلا ہوا ہے۔

نجد :- یہ اس کوہستان کا مشرقی حصہ ہے جو یمن سے سماوہ، عروض اور عراق تک پھیلا ہوا ہے۔

یمن :- یہ وہ ٹکڑا ہے جو نجد کے جنوب سے بحرِ ہند کے ساحل تک، اور مشرق میں حضرموت، شحر اور عمان تک پھیلا ہوا ہے۔

عروض :- یہ وہ قطعہ ہے جس میں یمامہ، بحرین وغیرہ واقع ہیں۔

آب و ہوا ملک عرب کے اکثر حصوں کی آب و ہوا گرم و خشک ہے۔ یہاں کے بلند حصوں میں گرمیوں کے زمانہ میں رات معتدل ہوتی ہے۔ اور جاڑوں میں پانی جم جاتا ہے۔ مشرقی ہوا یہاں سب سے بہتر سمجھی جاتی ہے جسے صبا کہتے ہیں۔ یہاں کے بہت سے شاعروں نے صبا کی تعریف میں شعر لکھے ہیں۔ بادِ سموم اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ جھلسا دینے والی گرم ہوا ہوتی ہے۔ یہاں کا سب سے اچھا موسم موسم ربیع ہے۔ یہ موسم بارشوں کے بعد آتا ہے۔ اس موسم میں گھاس اُگ آتی ہے جس سے خشک زمینیں لہلہا اٹھتی ہیں اور مویشیوں کے چارہ کا انتظام ہو جاتا ہے۔

عرب اسلام سے پہلے

تمدنی حالت خشک ملکوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے کسی ایک مقام پر مکان بنا کر نہیں رہتے بلکہ اکثر خانہ بدوش ہوتے ہیں چنانچہ ملک عرب کے لوگ بھی اپنے اور اپنے مویشیوں کے لئے گھاس اور پانی کی

تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے تھے۔ ان کی بسر اوقات زیادہ تر اُونٹوں اور بکریوں کی پرورش پر تھی۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کی گزربسر صرف جانوروں کی پرورش پر ہو اُسے خوشحالی میسّر نہیں ہو سکتی اور جب خوشحالی نہ ہو تو امن و امان کہاں۔ اسی وجہ سے یہ لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ایک قبیلہ دُوسرے قبیلہ پر حملہ کر کے اُس کے مویشی چھین لیتا تھا اور یوں لڑائی جھگڑوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ہاں کچھ لوگوں کا پیشہ تجارت بھی تھا۔ یہ لوگ سوداگری کا سامان لے کر یمن اور شام جایا کرتے تھے۔ مگر راستوں کی خرابی اور بدامنی کی وجہ سے اُن کی تجارت ترقی نہ کر سکی۔

مذہبی حالت

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے عرب والوں کی مذہبی حالت بھی ابتر تھی۔ کہنے کو تو وہ حضرت ابراہیمؑ کے پیرو تھے۔ مگر سچ یہ ہے کہ انہیں حضرت ابراہیمؑ کے دین سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اکثر قبیلے بڑے پکے بُت پرست تھے۔ خدا کے پاک گھر کعبہ میں جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے نئے سرے سے بنایا تھا یہاں ۳۶۰ بُت رکھے ہوئے تھے۔

سیاسی حالت

عرب کے لوگ بہت سے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر قبیلہ کا سردار الگ الگ ہوتا تھا۔ یہ سردار اگرچہ بادشاہ نہیں ہوتے تھے مگر اپنے قبیلہ میں انہیں وہی رتبہ اور اختیارات حاصل ہوتے تھے جو بادشاہوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت مکہ معظمہ کے سردار ان کے دادا عبدالمطلب تھے۔ اس کے علاوہ روم اور ایران کی سرحدوں پر بسنے والے بعض عرب قبیلوں میں باقاعدہ ریاستیں بھی قائم تھیں۔ مگر اُن کے رئیس روم اور ایران کے بادشاہوں کے ماتحت ہوتے تھے۔

اخلاقی حالت عرب والوں کی اخلاقی حالت بھی بہت خراب تھی ۔ یہ لوگ ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے ۔بعض دفعہ معمولی معمولی باتوں پر لڑائی چھڑ جاتی تھی اور برسوں تک جاری رہتی تھی ۔ جُوا کھیلنے کا عام رواج تھا اور شراب پینے کو فخر کی بات سمجھتے تھے ۔ بعض خاندانوں میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا بھی دستور تھا ۔ ہاں بعض باتیں اُن میں اچھی بھی تھیں ۔ یہ لوگ تلوار کے دھنی اور بات کے پکّے ہوتے تھے ۔ مہمان نوازی اور بخشش کا بھی اُن میں رواج تھا ۔

عرب کے خاندان علمائے تاریخ نے عرب کے رہنے والوں کو جو حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد ہیں ۔ تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے :-

عرب بائدہ ۔ عرب عاربہ ۔ عرب مستعربہ ۔

۱ ۔ **عربِ بائدہ** :- یہ عرب کے وہ پرانے باشندے ہیں جن کا اب نام و نشان نہیں رہا ۔ ان میں عاد ، ثمود ، جدیس ، طسم ، عملاق ، اُمیم ، جُرہم اور جاسم شامل ہیں ان میں سے اکثر خدا کے عذاب کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے ۔

۲ ۔ **عربِ عاربہ** :- یہ یمن اور اُس کے قرب و جوار کے باشندے ہیں اور بنو قحطان کہلاتے ہیں ۔ بنو جرہم اور بنو یعرب انہی کی شاخیں ہیں ۔ بنو یعرب میں سے عبدِ شمس جو سباء کے نام سے مشہور ہے یمن کے تمام قبیلوں کا جدِّ امجد (بڑا دادا) ہے ۔ اسی نے یمن کا مشہور شہر "مآرب" بسایا تھا اور وہاں تین پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا بند باندھا تھا ۔ اس بند میں بہت سے چشموں کا پانی آکر جمع ہوتا تھا جس سے بلند مقامات کے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کیا جاتا تھا ۔

یہ بند کچھ مُدت بعد کمزور ہو کر ٹوٹ گیا تھا جس سے سارے مُلک میں بہت بڑا سیلاب آگیا تھا ۔ اس سیلاب کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور عرب کی کہانیوں اور شعروں میں بھی جابجا موجود ہے ۔ اس سیلاب سے تباہ ہو کر یمن کے اکثر خاندان دوسرے مختلف مقامات پر جا بسے تھے ۔

۳ ۔ **عربِ مستعربہ** :- یہ حجاز اور نجد وغیرہ کے باشندے ہیں اور حضرت

اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ ان میں بہت سے قبیلے ہیں جن میں "ربیعہ" اور "مضر" مشہور ہیں۔ "مضر" ہی کی ایک شاخ "قریش" بھی ہے جس سے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔ عرب مستعربہ کو "بنو عدنان" بھی کہتے ہیں [۱]

قریش عرب کے تمام قبیلوں میں خاندانِ قریش کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ کعبہ جو تمام عرب کا دینی مرکز تھا اس کے متولی یہی قریش تھے اور مکہ معظمہ کی ریاست بھی انہی سے متعلق تھی۔ قبیلہ قریش کی بڑی بڑی شاخیں یہ تھیں :-

ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم

مکہ معظمہ کے تمام ذمہ داری کے عہدے انہی شاخوں میں بٹے ہوئے تھے ان عہدوں اور ان کے متعلقین کی تفصیل یہ ہے :-

۱- سدانہ یعنی کعبہ کی حفاظت اور اُس کی خدمت۔ محافظ کعبہ ہی کے پاس کعبہ کی کُنجی رہتی تھی اور وہی لوگوں کو اس کی زیارت کراتا تھا۔ یہ عہدہ بنی ہاشم کے خاندان میں تھا اور نبی عربیؐ کی پیدائش کے زمانے میں آپ کے دادا عبدالمطلب اس عہدے پر مقرر تھے۔

۲- سقایہ یعنی پانی کا انتظام۔ مکہ معظمہ میں پانی کی قلت تھی اور موسمِ حج میں ہزار ہا زائرین کے جمع ہو جانے کی وجہ سے پانی کا خاص انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ چمڑے کے حوض بنوا کر انہیں صحنِ کعبہ میں رکھ دیا جاتا تھا اور آس پاس کے پانی کے چشموں سے پانی منگوا کر انہیں بھر دیا جاتا تھا۔ جب تک چاہِ زمزم دوبارہ صاف نہ ہو گیا۔ یہ دستور جاری رہا۔ سقایہ کی خدمت بنی ہاشم سے متعلق تھی۔

۳- رفادہ زائرین کعبہ کی مہمانداری کے لئے قریش کے تمام خاندان ایک قسم کا چندہ ادا کرتے تھے۔ اس چندہ سے غریب زائرین کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ یہ خدمت پہلے بنی نوفل سے متعلق تھی۔ پھر بنی ہاشم کے حصہ میں آئی۔

---

[۱] دروس التاریخ ۱۲

۴۔ عُقاب :۔ یہ قریش کے قومی جھنڈے کا نام تھا۔ جب لڑائی کا زمانہ ہوتا تھا تو اسے نکالا جاتا تھا۔ اگر اتفاق رائے سے کوئی معزز شخص جھنڈا اُٹھانے کے لئے تجویز ہو گیا تب تو اُسے دیدیا جاتا تھا۔ ورنہ جھنڈے کا محافظ جو بنی اُمیہ کے خاندان میں سے ہوتا تھا یہ خدمت انجام دیتا تھا۔

۵۔ ندوہ :۔ یہ مکہ کی قومی اسمبلی تھی۔ قریش مشورہ کرنے کے لئے یہیں جمع ہوتے تھے۔ یہیں جنگ و صلح اور دُوسرے بڑے بڑے معاملات کے فیصلے ہوتے تھے۔ اور قریش کی شادیاں بھی یہیں ہوتی تھیں۔ "ندوہ" کا انتظام بنی عبدالدار سے متعلق تھا۔

۶۔ قیادہ :۔ یعنی قافلہ کی راہنمائی جس شخص سے یہ منصب متعلق تھا وہ تجارت اور لڑائی کے سفروں میں قافلہ کی رہنمائی کرتا تھا۔ یہ منصب بنی امیہ کے پاس تھا اور ابتدائے اسلام میں حضرت معاویہؓ کے والد ابو سفیانؓ اس منصب پر مقرر تھے۔

۷۔ مشورہ :۔ جس شخص سے یہ منصب متعلق ہوتا تھا اس سے خاص معاملات میں مشورہ لیا جاتا تھا۔ قریش کسی معاملہ کا آخری فیصلہ کرنے سے پہلے مشیر کی رائے ضرور حاصل کر لیتے تھے۔ یہ منصب بنی اسد سے متعلق تھا۔

۸۔ قبہ :۔ جب مکہ والے لڑائی کے لئے نکلنے کا ارادہ کرتے تو ایک خیمہ نصب کیا جاتا۔ اس خیمہ میں لڑائی کا سامان جمع کر دیا جاتا تھا۔ یہ ذمہ داری بھی قریش کے کسی خاندان سے متعلق ہوتی تھی۔

۹۔ حکومۃ :۔ یعنی آپس کے لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔

۱۰۔ سفارۃ :۔ یعنی ایلچی گری۔ جب کسی دشمن قبیلہ سے صلح کی بات چیت ہوتی تو کسی سمجھدار آدمی کو اس کام کے لئے مقرر کیا جاتا۔ ابتداء اسلام میں قریش کے آخری سفیر حضرت عمرؓ بن خطاب تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ "قریش" عرب کا سب سے زیادہ معزز قبیلہ تھا۔

پھر قریش میں بھی بنی ہاشم کا خاندان سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ کیونکہ اکثر بڑے بڑے عہدے اُن ہی سے متعلق تھے[1]

عرب کے میلے عرب میں میلوں کا بھی دستور تھا۔ رجب۔ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ اور محرم کے چار مہینے میلوں کے لئے مخصوص تھے۔ ان میلوں میں تمام عرب کے لوگ جمع ہوتے تھے اس لئے ان چار مہینوں میں لڑائی موقوف رہتی تھی۔

ان میلوں میں سب سے بڑا میلہ "عکاظ" کا تھا جو مضافاتِ مکہ میں طائف کے قریب لگتا تھا۔ عرب کے تمام قبیلوں کے خیموں سے میدان پٹ جاتا تھا اور بیس دن تک خرید و فروخت مشاعروں اور جلسوں کی ہماہمی رہتی تھی۔ بڑے بڑے چوٹی کے شاعر یہاں آکر اپنا اپنا کمال دکھلاتے تھے اور اپنی محنت کی داد پاتے تھے۔ اس میلہ میں چونکہ تمام عرب کے قبیلے جمع ہوتے تھے اس لئے یہیں مختلف قبیلوں کے جھگڑوں کا بھی فیصلہ ہوتا تھا۔

واقعۂ فیل اسلام سے پہلے کا ایک واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ چھٹی صدی عیسوی کے درمیان یمن کا رئیس ایک شخص ابرہہ نامی تھا۔ ابرہہ عیسائی مذہب کا ماننے والا تھا اور حبش کی عیسائی سلطنت کے ماتحت تھا۔ ابرہہ کو عیسائی مذہب کی اشاعت کا بڑا خیال تھا چنانچہ اُس نے اپنے دارالسلطنت "صنعاء" میں ایک عالیشان گرجا تعمیر کرایا اور عرب والوں کو ترغیب دی کہ وہ خانہ کعبہ کا حج اور طواف کرنے کی بجائے اس گرجا کا حج اور طواف کیا کریں۔ ابرہہ کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح عرب کے لوگوں کو عیسائی بنا لیا جائے۔

عرب کے اکثر قبیلوں نے ابرہہ کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس سے وہ جل گیا اور اُس نے سوچا کہ خانہ کعبہ کو مسمار کر کے قصہ ہی پاک کر دے۔ چنانچہ وہ بہت

---

[1] دروس التاریخ۔ ۱۲

بڑے لشکر کے ساتھ جس میں تیرہ ہاتھی تھے کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے چلا۔ ابرہہ کا لشکر جب مکّہ کے قریب پہنچا تو لشکر والوں نے مکّہ والوں کا بہت سا سامان لوٹ لیا جس میں ہمارے نبی عربی کے دادا سردارِ مکّہ حضرت عبدالمطلب کے دوسو اونٹ بھی تھے۔ عبدالمطلب لشکر گاہ میں ابرہہ کے پاس پہنچے۔ ابرہہ نے اُن کی بڑی تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا۔ اور پھر آنے کی وجہ پوچھی۔ عبدالمطلب نے کہا آپ کے سپاہی میرے دوسو اونٹ ہنکالائے انہیں واپس دلا دیجئے۔ ابرہہ نے کہا اے سردارِ مکّہ مجھے تعجب ہے کہ تم نے اپنے اُونٹوں کے متعلق تو سوال کر دیا مگر کعبہ کے متعلق کچھ نہ کہا جسے میں گرانے آیا ہوں۔

عبدالمطلب نے جواب دیا اے بادشاہ! میں تو اُونٹوں کا مالک ہوں۔ لہٰذا مجھے اُن کی فکر ہوئی جو "کعبہ" کا مالک ہے وہ اس کا انتظام کرلے گا۔ ابرہہ اس جواب کو سُن کر چپ ہوگیا اور حضرت عبدالمطلب کے اونٹ واپس کرنے کا حکم دیا۔

ابرہہ کے پاس سے لوٹ کر حضرت عبدالمطلب کعبہ میں گئے اور اس کا حلقہ پکڑ کر اللہ تعالےٰ سے اس کی حفاظت کی دُعا مانگی اور پھر سب مکّہ والوں کو لے کر آس پاس کی پہاڑیوں میں چھُپ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کی دُعا قبول فرمائی۔ جونہی ابرہہ نے مکّہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ ہزارہا پرندفضا میں چھا گئے جن کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ یہ کنکریاں اُنھوں نے ابرہہ کی فوج پر برسانی شروع کر دیں کنکریاں کیا تھیں خدا کا عذاب تھیں جس کے سر پر پڑیں اُسے زندہ نہ چھوڑا۔

ابرہہ کی ساری فوج تتر بتر ہوگئی۔ خود اُس کے ہاتھیوں نے اس کی فوج کو کچل ڈالا۔ ابرہہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کر یمن پہنچا جہاں کچھ عرصہ بعد وہ مر گیا۔

مکّہ والوں نے اس غیبی فتح کی بڑی خوشی منائی اور اُسے کسی آنے والے مبارک واقعہ کا نیک شگون قرار دیا۔



ولادت باسعادت

واقعۂ فیل کے کچھ ہی عرصہ بعد اسی سال مکّہ کے مقدس شہر اور قریش کے معزز خاندان میں اُن کے محترم سردار حضرت عبدالمطلب کے بیٹے حضرت عبداللہ کے گھر ہمارے تمہارے آقا محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم پیدا ہوئے۔

آپؐ کی تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاوّل "سنہ فیل" مطابق ۲۰ راپریل ۵۷۱ء یوم دوشنبہ ہے۔

آپ کی پیدائش اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی پیدائش کا درمیانی حصہ ۵۷۱ سال ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی پیدائش کا موسیٰ علیہ السّلام کا درمیانی زمانہ ۱۷۱۶ سال ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا درمیانی زمانہ ۵۴۵ سال ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور طوفانِ نوح کا درمیانی زمانہ ۱۰۸۱ سال ہے اور طوفانِ نوح اور حضرت آدم علیہ السلام کا درمیانی زمانہ ۲۲۴۲ سال ہے۔ اس حساب سے آپ کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السّلام کے درمیان ۶۱۵۵ سال کی مدّت ہوتی ہے۔

نسب نامہ

والدِ محترم کی طرف سے آپؐ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :-

حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم

بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن

کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن

قریش بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن

مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن

عدنان۔

عدنان کے بعد سلسلۂ نسب مبارک کی کڑیوں میں مورخین کا اختلاف ہے۔

مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ کڑیاں حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام سے جاملتی ہیں۔

والدۂ محترمہ کی طرف سے آپؐ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :-

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن

آمنہؓ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب

کلاب کے بعد کی کڑیاں وہی ہیں جو اوپر مذکور ہو چکیں۔

یتیمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ولادت سے دو مہینے پہلے ہی باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے تھے۔ آپؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ تجارت کے سلسلہ میں ملک شام کی طرف گئے تھے۔ راستہ میں بیمار ہو گئے اور مدینہ میں اپنی ننھیال قبیلہ بنی نجار میں اُتر گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ اُنھوں نے اپنے بعد پانچ اُونٹ اور ایک باندی ترکہ میں چھوڑی۔

رضاعت عرب کے شرفاء کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دیہات کی دائیوں کے سپرد کر دیتے تھے تاکہ وہاں کی صاف و تازہ ہوائیں اُن کی صحت بھی اچھی رہے اور اُن کے اخلاق بھی درست رہیں۔ چنانچہ اس دستور کے مطابق عبدالمطلب نے اپنے پیارے پوتے کو قبیلہ بنو سعد کی ایک بی بی حضرت حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت حلیمہ نے آپؐ کو چار سال تک اپنے گھر کی رونق بنائے رکھا۔ اور اس زمانے میں ان کے گھر میں عجیب عجیب برکتوں کا ظہور ہوا۔

شقِ صدر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چوتھے سال میں تھے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن آپؐ بستی کے پچھواڑے اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے۔ یکایک دو شخص سفید لباس پہنے ہوئے آپؐ کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ انھوں نے آپؐ کو زمین پر لٹا دیا اور سینۂ مبارک چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی۔ پھر سینہ اسی طرح جوڑ دیا اور دونوں کاندھوں کے درمیان مہرِ نبوت لگا کر غائب ہو گئے۔

یہ عجیب واقعہ دیکھ کر آپؐ کے بھائی بھاگے ہوئے گھر گئے اور اپنے ماں باپ کو سارا قصہ سنایا۔ دونوں میاں بیوی یہ قصہ سن کر ہانپتے کانپتے چراگاہ پہنچے۔ دیکھا تو حضورؐ کا رنگ فق پڑا ہوا ہے۔

اُنھوں نے فوراً سینہ سے لگا لیا اور پوچھنے لگے۔ لال کیا بات ہوئی خوف زدہ کیوں ہو؟ حضورؐ نے بھی وہی قصہ دُہرایا۔ حضرت حلیمہ اور اُن کے شوہر نے آپؐ کو تسلی دی اور گھر لے آئے۔[1]

لیکن اس واقعہ کے بعد حلیمہ فکر میں پڑ گئیں کہ اس دفعہ تو اللہ تعالیٰ نے خیر کر دی۔ پھر کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا تو کیا ہو گا۔ اس لئے اگرچہ دل نہ چاہتا تھا مگر مجبوراً حضورؐ کو لے کر مکہ روانہ ہو گئیں اور حضرت آمنہ کی امانت ان کو واپس کر دی۔

یتیمی سرکار دو عالم کی عمر چھ سال کی تھی کہ آپؐ کی والدہ محترمہ آپؐ کو آپؐ کے والد ماجد کی ننھیال مدینہ منورہ لے گئیں۔ واپسی میں راستہ ہی میں بیمار ہوئیں اور مقام "ابواء" میں انتقال فرمایا۔ اب آپ کی پرورش کی سعادت آپ کی باندی اُمّ ایمن کے حصّہ میں آئی اور سرپرستی کا فخر آپ کے دادا عبدالمطلب کو حاصل رہا۔

عبدالمطلب اپنے ہونہار پوتے سے بڑی محبت کرتے تھے اور اکثر کہا کرتے۔ "میرے اس فرزند کی بڑی شان ہے"

دادا کا انتقال دو سال بعد آپؐ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۰ سال کی تھی۔ عبدالمطلب کے انتقال پر ان کے بیٹے اور حضورؐ کے چچا ابوطالب کے حصّہ میں یہ دولت آئی اور وہ آپؐ کی سرپرستی فرماتے رہے۔

ابوطالب بھی اپنے بھتیجے سے بڑی محبت کا برتاؤ کرتے تھے جہاں جاتے اپنے

---

[1] حیات سید العرب ۱۲

ساتھ لے کر جاتے اور جب سوتے تو اپنے پہلو میں سُلاتے۔ غرض کسی وقت آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔

مگر انہوں نے آپ کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ کیا۔ اس زمانے میں پڑھنے لکھنے کا کچھ ایسا دستور بھی نہ تھا۔ پھر خدا کو منظور بھی یہ تھا کہ وہ ایک اُمّی (غیر تعلیمیافتہ) کو دُنیا بھر کی قوموں کا اُستاد بنائے اور اپنی قدرت کا تماشا دکھلائے۔

شام کا سفر حضورؐ کی عمر مبارک تیرہ سال کی ہُوئی تو آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا پہلا سفر کیا۔ جب قافلہ شہر بصریٰ پہنچا تو وہاں ایک عیسائی راہب بحیرا نے آپؐ کو دیکھا۔ بحیرا نے آپؐ میں نبوت کی علامتیں پا کر آپؐ کے چچا ابو طالب کو مشورہ دیا کہ وہ آپؐ کو لے کر واپس لوٹ جائیں۔ کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہیں یہودی آپؐ کو قتل نہ کر دیں۔ چنانچہ ابو طالب آپؐ کو لے کر مکّہ واپس لوٹ آئے۔

حلف فضول حضورؐ کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ آپؐ کے دوسرے چچا حضرت زُبیر کی تحریک پر قریش کے قبیلوں نے ایک معاہدہ کیا کہ "اگر مکّہ میں کوئی مظلوم آئے تو وہ اپنا ہو یا غیر ہم اُس کی حمایت کریں گے"۔

حضورِ پُرنور نے بھی اس معاہدہ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

شام کا دُوسرا سفر پچیس سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا سفر دوسری مرتبہ کیا۔ اس مرتبہ آپؐ مکّہ کی ایک ممتاز مالدار عورت حضرت خدیجہ رضؓ کی طرف سے تجارت کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں آپؐ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ بھی تھے۔

اس سفر میں آپؐ کی ملاقات پھر ایک راہب سے ہُوئی جس کا نام "نسطورا" تھا بحیرا کی طرح نسطورا نے بھی آپؐ میں نبوت کی علامتیں دیکھیں اور آپؐ کی رسالت کی پیشین گوئی کی۔ آپؐ کو اس سفر میں بڑا نفع حاصل ہُوا۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح تجارت میں حضورؐ کی شاندار کامیابی دیکھ کر اور میسرہ سے آپؐ کے عمدہ اخلاق و عادات

کا تذکرہ سن کر حضرت خدیجہؓ سرکارؐ کی گرویدہ ہو گئیں۔ انہوں نے خود آپؐ کے پاس اپنی لونڈی بھیج کر آپؐ سے نکاح کی درخواست کی جسے آپؐ نے منظور فرما لیا اور حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کا پہلا نکاح ہو گیا۔

نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں اور اُن کی عمر چالیس سال کی تھی اور حضورؐ کی عمر مبارک ۲۵ سال کی۔ حضرت خدیجہؓ آخری وقت تک حضورؐ کی وفادار اور اطاعت گزار بیوی رہیں اور آپؐ نے جب تک وہ زندہ رہیں دوسری شادی نہ کی۔ حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ صاحبزادے تو بچپن ہی میں خدا کو پیارے ہوئے۔ مگر چاروں صاحبزادیاں پروان چڑھیں اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے باپ کی عظمت و جلال کو دیکھا۔ ان میں سے سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تھیں جن کی شادی آپؐ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ہوئی۔

ایک مدبرانہ فیصلہ

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۳۵ سال کی تھی کہ قریش نے خانہ کعبہ کی عمارت کو جو بہت پرانی ہو گئی تھی نئے سرے سے بنایا۔ عمارت تو خیر بن گئی۔ مگر جب حجرِ اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ فخر اُسے حاصل ہو۔ آخر کار یہ طے ہُوا کہ کل جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرے۔

دوسرے دن سب سے پہلے حرم میں داخل ہونے والے سرکارِ نامدارؐ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ حجرِ اسود کو ایک چادر میں رکھا جائے اور ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک ممتاز شخص اس کے کنارے کو تھامے اور اس طرح سب مل جل کر اس کو اٹھائیں۔

حضورؐ کے اس فیصلہ سے سب خوش ہو گئے۔ سب نے اتحاد و اتفاق کے ساتھ اُسے مل جل کر اُٹھایا اور جب وہ اپنی جگہ پہنچ گیا تو رسول اللہؐ نے اسے چادر میں سے اُٹھا کر اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب کر دیا۔

قبل از نبوت آپؐ کی سیرت

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کی پہلی منزل ہی اعلیٰ اخلاق اور عمدہ اوصاف سے بھرپور تھی۔ آپؐ نے کبھی بے ہودہ کھیلوں میں حصہ نہیں لیا۔ مشرکوں کے میلوں میں قدم نہیں رکھا، نہ کبھی شراب مُنہ کو لگائی اور نہ بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت ہی چکھا۔

سچائی، ایمانداری، خوش معاملگی آپؐ کے کردار کی ایسی خوبیاں تھیں جنہیں دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے آپؐ اپنی قوم میں "امین" کے لقب سے مشہور تھے۔

یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ یہ اوصاف آپؐ میں خداداد تھے۔ آپؐ نے انہیں کتابیں پڑھ کر حاصل نہیں کیا تھا۔ کیونکہ آپؐ پڑھے لکھے نہ تھے اور نہ آپؐ نے اُنہیں اپنی سوسائٹی سے سیکھا۔ کیونکہ جس سوسائٹی میں آپؐ پیدا ہوئے تھے اسے ان کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔

غارِ حرا

نبوت سے پہلے آپؐ میں تنہا پسندی کی عادت تھی جہاں تک ممکن ہوتا آپؐ دنیا اور اس کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتے۔ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر حرا ایک غار ہے۔ اکثر آپؐ وہاں تشریف لے جاتے اور غار کی تنہائی اور رات کی خاموشی میں دُنیا کی اصلیت اور اس کی بنانے والے کی عظمت اور غور فرمایا کرتے اور لمبی لمبی راتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے۔

اپنی قوم کی بُری حالت کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت کڑھتے اور سوچا کرتے کہ کس طرح انہیں برائی کی دلدلوں سے نکال کر نیکی کے سیدھے اور صاف راستہ پر ڈالا جائے۔

جوں جوں نبوت کا زمانہ قریب آتا گیا آپؐ کی یہ غور و فکر کی عادت ترقی ہی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ آپؐ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مخلوقِ خدا کی ہدایت کی فکر میں غرق رہنے لگے۔

شرفِ نبوّت

جب سرکارِ نامدارؐ نے اپنی عمر کی چالیس منزلیں طے کرلیں تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبوت کا بلند مرتبہ بخشا۔ آپؐ ایک دن غارِ حراء میں خداوند تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھے کہ حضرت جبریلِ امین آپؐ کے نام اللہ تعالیٰ کا پہلا پیغام لے کر تشریف لائے۔

وہ پیغام یہ تھا:-

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي	"اپنے اس رب کا نام لے کر جس نے
خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْإِنْسَانَ	سب کچھ پیدا کیا جس نے انسان کو گوشت
مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ	کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھو اور جان لو
الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ	کہ تمہارا رب بڑا بزرگ ہے وہ جس نے قلم
بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ	کے ذریعہ علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا
مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ	جو وہ نہ جانتا تھا۔"

سرکارِ نامدار اس عجیب و غریب واقعہ سے خوف زدہ ہو گئے۔ لرزتے کانپتے گھر آئے اور لیٹ گئے۔ حضرت خدیجہؓ سے کہا مجھے چادر اوڑھا دو۔ اور پھر سارا واقعہ بیان کیا۔

حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسلی دی اور کہا آپؐ نیکی کرتے ہیں۔ صدقہ دیتے ہیں محتاجوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ آپ کا بال بیکا نہ ہونے دیگا۔ آپ ہراساں نہ ہوں۔

پھر حضرت خدیجہؓ "ورقہ بن نوفل" کے پاس گئیں۔ یہ اُن کے چچا زاد بھائی تھے اور بہت بوڑھے تھے۔ انہوں نے سب آسمانی کتابیں پڑھی تھیں اور مختلف دینوں کے متعلق اچھی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے اُن سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا:

"اے خدیجہ! واللہ یہ فرشتہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا وہی ناموسِ اکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا اور یہ اس وقت کے نبی ہیں۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔ جب اُن کی قوم انہیں دُکھ دے گی اور وطن سے نکالے گی اور اُن کی پوری پوری مدد کرتا۔"

دعوتِ اسلام عرب والے اپنے عقیدہ کے پکّے اور اپنے بُتوں کے دیوانے تھے وہ آسانی سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جُھکانے والے نہ تھے اس لئے انہیں سیدھے راستے پر لانے کے لئے بڑی ہوشیاری اور تدبیر سے کام لینے کی ضرورت تھی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے خاموشی کے ساتھ اُن لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچایا جن کے دل پہلے سے نیکی کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے مردوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کو، بچوں میں حضرت علیؓ کو اور غلاموں میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔

کچھ عرصہ بعد جب آہستہ آہستہ مسلمانوں کی تعداد کافی ہوگئی تو آپ کو کُھلم کُھلا اسلام کا پیغام سنانے کا حکم دیا گیا۔

مخالفت مکہ والوں نے جب اپنے خیالات اور رسم ورواج کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں سُنیں تو وہ آپؐ کے سخت مخالف ہوگئے۔ اور طرح طرح سے آپؐ کو تکلیفیں دینی شروع کردیں۔ آپؐ کو بُرا بھلا کہتے۔ آپؐ پر پتھر پھینکتے اور گندگی اُچھالتے۔ مگر آپؐ نے ان تکلیفوں کی ذرا پرواہ نہ کی اور صبر و تحمّل کے ساتھ اپنے فرض کو انجام دیتے رہے۔

قرآن کا جادو جب ڈرانے دھمکانے سے کام چلتا نظر نہ آیا تو کفارِ مکہ نے لالچ دے کر کام نکالنا چاہا۔ چنانچہ آپس میں مشورہ کرکے عتبہ بن ربیعہ کو جو اپنی قوم کا سردار تھا حضورؐ کے پاس بھیجا۔ اُس نے کہا:

"اے محمدؐ! تم نے اپنی قوم کو بڑی مصیبت میں ڈالا ہے۔ تم نے ان کی جماعت

کو پراگندہ کر دیا ہے۔ ان کی عقلوں کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ ان کے معبودوں کو بُرا بھلا کہا ہے اور اُن کے دین کی مذمت کی ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے ابوالولید! تو پھر تمہارا کیا مقصد ہے؟"

عتبہ نے کہا۔

"اے محمدؐ! تم نے جو ڈھونگ رچایا ہے اگر اس سے مقصد دولت حاصل کرنا ہے تو ہم تمہارے لئے روپیہ جمع کر دیں۔ اگر عزت کی خواہش ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیں اور اگر تم پر کوئی آدپری اثر ہے تو ہم اس کا علاج کر دیں"

آپؐ نے عتبہ کی اس بکواس کا کچھ جواب نہ دیا بلکہ سورۂ سجدہ کی کچھ آیتیں سنائیں۔ قرآن کی یہ آیتیں سن کر عتبہ کی حالت کچھ اور ہی ہوگئی اور اسی حالت کے ساتھ وہ اپنی قوم کے پاس واپس گیا۔ کفارِ مکہ نے پوچھا۔

"کیوں ابوالولید کیا بات ہوئی؟"

عتبہ نے کہا۔

"کچھ نہ پوچھو! میں نے ایسا کلام سنا ہے جو نہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت[1] ہے۔ اے قوم قریش! تم میری بات مانو اور اس شخص کے پیچھے نہ پڑو۔ واللہ اس شخص کا یہ کلام بے اثر نہ ہوگا"

کفارِ مکہ نے جب ولید کی زبان سے خلافِ امید یہ باتیں سنیں تو یک زبان ہو کر کہنے لگے ابوالولید معلوم ہوتا ہے تم پر بھی جادو کر دیا ہے۔

معجزۂ شق القمر

جب کفار کی یہ تدبیر بھی نہ چلی تو انہوں نے ایک اور چال کھیلی۔ ایک دن بہت سے کافر جمع ہو کر آپؐ کے پاس پہنچے اور بولے اے محمدؐ! تم اپنے آپ کو خدا کا سچا نبی بتلاتے ہو۔ اگر یہ سچ ہے تو ہمیں کوئی ایسی

---

[1] نجومیوں کے کلام کو کہانت کہتے ہیں۔

بات دکھاؤ جس سے ہم تمہیں خدا کا سچا نبی ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کیا اور فوراً اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

یہ عظیم الشان معجزہ دیکھ کر بھی اُن کافروں کے دل کی آنکھیں نہ کُھلیں اور یہ کہتے ہُوئے لَوٹ گئے کہ آج تو محمدؐ نے ہم سب پر جادُو کر دیا۔

ہجرتِ حبشہ

ان تمام تدبیروں کے ناکام ہونے سے کافر اور زیادہ بھڑک اُٹھے اور اُنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اور زیادہ تکلیفیں دینا شروع کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کرنے کے لئے تیار تھے لیکن آپؐ سے اپنے ساتھیوں کی تکلیفیں نہ دیکھی جاتی تھیں۔ چنانچہ آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مکّہ کو چھوڑ کر حبشہ چلے جائیں جہاں کا حاکم ایک نیکدل عیسائی "نجاشی" تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نبوّت کے پانچویں سال دس مردوں اور پانچ عورتوں کا ایک مختصر قافلہ خدا کے راستے میں اپنا وطن اپنا گھر بار اور اپنا مال و متاع چھوڑ کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مہاجرین کے اس قافلہ کے سردار حضرت جعفر بن ابی طالب تھے۔

حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے نہایت آرام کے ساتھ ان لوگوں کو اپنے مُلک میں رکھا مگر چونکہ یہ لوگ تعداد میں بہت کم تھے اس لئے تنہائی اور بیگانگی محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ تین مہینے ٹھہرنے کے بعد واپس مکّہ آ گئے۔

دو سال بعد جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے دوبارہ مسلمانوں کو حبشہ کی ہجرت کا حکم دیا۔ اس مرتبہ ایک بڑا قافلہ روانہ ہُوا جس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں۔ ان کے علاوہ یمن سے بھی کچھ مسلمان جن میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے اُن کے ساتھ آکر مل گئے۔ اب کی مرتبہ ان کو کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ تمام مسلمان ایک "خدائی کنبہ" بن کر نجاشی کی حمایت میں امن و اطمینان کے ساتھ اپنے مذہبی احکام کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔

ایک اور چال

مسلمانوں کو اپنے گھروں سے بے گھر کر کے بھی کفارِ مکہ کو صبر نہ آیا۔ اُنہیں جب یہ خبر ملی کہ حبشہ کے بادشاہ نے مسلمانوں کو پناہ دے دی ہے اور وہ اُن کے ساتھ شرافت اور نیکی سے پیش آتا ہے اور اُن کے مذہب میں رخنہ اندازی نہیں کرتا تو اُنہیں یہ بات بہت ناگوار گزری۔ چنانچہ انہوں نے بہت سے تحفے تحائف دے کر عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید کو وفد کی صورت میں نجاشی کے دربار میں بھیجا۔

ان لوگوں نے تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد نجاشی سے کہا "اے بادشاہ! ہماری قوم کے کچھ نادان لوگ آپ کے مُلک میں آبسے ہیں۔ یہ لوگ بہت خطرناک ہیں انہوں نے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ یہ لوگ دوسروں کو بھی اس نئے دین میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ انہیں اپنے مُلک میں پناہ نہ دیجئے بلکہ ہمارے حوالے کر دیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ یہاں بھی فتنہ پھیلائیں۔

نجاشی نے کہا۔ میں جب تک ان لوگوں کو بُلا کر ان کا جواب نہ سُن لوں انہیں تمہارے سپرد نہیں کر سکتا۔ پھر نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور ان سے وفد کے الزامات کا جواب دینے کے لئے کہا۔

مُسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ آگے بڑھے اور انہوں نے یہ تقریر کی:

"اے بادشاہ! ہم پہلے جہالت میں پھنسے ہُوئے تھے بُتوں کی پوجا کرتے تھے مُردار جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ بے حیائیوں کا ارتکاب کرتے

تھے۔ آپس میں لڑتے مرتے تھے۔ پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتے تھے اور کمزوروں کو ستاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری حالت پر رحم آیا اور اُس نے ہمارے پاس اپنا ایک پیغمبر بھیجا۔

ہم اللہ تعالیٰ کے اس مقدس نبی کی شرافت، سچائی، ایمانداری اور پارسائی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس نے ہمیں تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جانو۔ بُتوں کی پُوجا نہ کرو۔ سچ بولو آپس میں میل ملاپ سے رہو، پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کرو۔ فساد نہ پھیلاؤ۔ بے حیائی اختیار نہ کرو۔ بدکلامی سے بچو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ صدقہ دو اور حج کرو۔

اے بادشاہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبرؐ کی اس تعلیم کو قبول کر لیا اور ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بس یہ ہمارا سارا قصور ہے۔"

نجاشی پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا۔ اُس نے کہا کہ تمہارے نبی پر خدا کا جو پیغام اُترا ہے اُس میں سے کچھ سناؤ۔

حضرت جعفرؓ نے موقعہ کی مناسبت سے سورۂ مریمؑ کا کچھ حصّہ سُنایا۔ قرآن کریم کی یہ سورت سُن کر نجاشی نے کہا۔" یہ کلام اور حضرت عیسٰیؑ کا کلام دونوں ایک ہی چراغ کی دو روشنیاں ہیں" اور مسلمان ہو گیا۔

اس نے قریش کے تمام تحفے تحائف واپس کر دیئے۔ قریش کا وفد ناکام و نادم واپس آیا اور مسلمان پہلے سے بھی زیادہ امن و چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔[1]

حضرت عمرؓ سے اسلام کی قوت

ادھر مکہ میں کافروں کی ہر قسم کی مخالفت اور ایذاء کے باوجود روز بروز اسلام ترقی پکڑتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت حمزہؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) اور حضرت عمرؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

---

[1] دروس التاریخ و نور الیقین ۱۴

حضرت عمر بن الخطاب بہت بہادر اور بہت معزز آدمی سمجھے جاتے تھے۔ سرکار نامدارؐ نے خدا سے دُعا مانگی۔

"اے اللہ! عمرؓ بن خطاب یا ابوجہل میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق بخش کر اسلام کو قوت دے"

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کی یہ دُعا قبول کی اور حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی طاقت بہت بڑھ گئی۔

اس وقت تک مُسلمان خفیہ طور پر اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اسلام لاتے ہی حضورؐ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! اب ہم کعبہ میں نماز پڑھیں گے۔ کافر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ چنانچہ حضورؐ نے ان کے کہنے پر مسلمانوں کو ساتھ لے کر پہلی مرتبہ کعبہ میں نماز باجماعت ادا کی۔

بائیکاٹ

مکہ کے کافر اسلام کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر پریشان ہو گئے اور انھوں نے طے کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ قریش کے تمام قبیلے جمع ہوئے۔ اور انھوں نے ایک معاہدہ کیا۔

"معاہدہ کا خلاصہ یہ تھا کہ بنی ہاشم (رسول اللہ کے خاندان) سے کہا جائے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ کر دیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو پھر بنی ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ نہ کوئی اُن سے ملے جُلے نہ کوئی اُن سے بیاہ شادی کرے اور نہ کوئی ان کے ہاتھ خرید و فرخت کرے۔

یہ معاہدہ لکھ کر اطلاع عام کے لئے خانہ کعبہ کی دیوار میں لٹکا دیا گیا۔ بنی ہاشم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کرنے سے انکار کر دیا اور سوائے ابولہب کے سارا خاندان شہر کو چھوڑ کر ایک پہاڑ کے درہ میں جسے شعب ابی طالب کہتے ہیں جا بسا۔ یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال کا ہے۔

بنی ہاشم تین سال سے زیادہ جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس مُدت میں انہیں بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔ کھانے پینے کی اتنی تنگی تھی کہ کسی کسی دن

درختوں کے پتے چبا کر پیٹ بھرنا پڑتا تھا۔

آخر کار قریش کے چند لوگوں کو خود ہی اپنے ظلم کا احساس ہوا۔ ان میں سے چار آدمی کھڑے ہوئے اور باوجود دوسروں کی مخالفت کے انھوں نے اس عہد نامہ کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔

رسول اکرمؐ کی پیش گوئی

خداوند جلّ وعلیٰ نے پہلے ہی اپنے پیارے رسولؐ کو خبر دی تھی کہ قریش کے معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے اور اس میں سوائے اللہ کے نام کے کوئی لفظ باقی نہیں رہا اور اب بہت جلد اس دیمک کھائے ہوئے معاہدہ کو چاک کر دیا جائے گا۔ سرکار نے اپنے چچا ابوطالب کو یہ خوشخبری سنادی تھی۔

چنانچہ یہ معاہدہ چاک کر دیا گیا اور جب مطعم بن عدی نے اسے چاک کرنے کے لئے اُتارا تو اس میں سوائے اللہ کے نام کے اور کوئی حرف باقی نہ رہا تھا۔

اب بنی ہاشم پھر مکہ میں آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور اپنے فرض کو انجام دینے میں مشغول ہو گئے۔

دو حادثے

نبوت کا دسواں سال تھا کہ سردار نامدار کے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ اگرچہ انھوں نے اپنی قوم کے کہنے سننے کی شرم سے اسلام قبول نہ کیا تھا مگر وہ اپنی ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و حمایت میں کمربستہ رہے۔ انھوں نے سارے خاندان، بلکہ تمام عرب سے دشمنی مول لی مگر اپنے عزیز بھتیجے کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کی حمایت کی وجہ سے ان کے جیتے جی کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ حضورؐ کو کوئی سخت تکلیف پہنچاتے۔

چچا کے انتقال کے چند ہی روز بعد حضور پُرنور کی پہلی رفیقۂ زندگی ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بھی خدا کو پیاری ہوئیں۔ یہ بڑی ہمدرد و غمگسار بیوی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو ان کی وجہ سے بڑی ڈھارس تھی۔ ان دونوں واقعات کو حضور پُرنور نے بہت محسوس فرمایا اور آپؐ نے اس سال کا نام "غم کا سال" رکھا۔

طائف کا سفر

ابو طالب کے انتقال سے کافروں نے فائدہ اُٹھایا اور خدا کے پیارے نبی کو وہ اور زیادہ پریشان کرنے لگے۔ راستہ چلتے ہوئے آپؐ کے سر مبارک پر خاک بکھیرتے تھے۔ سجدہ کی حالت میں بکرے کی اوجھڑی کمر پر رکھ دیتے تھے اور بعض اوقات آپ کا دامن پکڑ پکڑ کر گھسیٹتے تھے اور کہتے تھے کیا تم ہی ہمارے بہت سے خداؤں کا ایک خدا بنانا چاہتے ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے اور کہتے اے لوگو! کیا تم ایک خدا کے بندہ کو اس جُرم میں قتل کرتے ہو کہ وہ خدا کو ایک سمجھتا ہے۔

جب حضور پُرنورؐ نے دیکھا کہ مکہ میں کامیابی کی اُمید نہیں تو آپؐ نے طائف کا قصد کیا تاکہ وہاں خدا کے دین کی تبلیغ کریں۔ طائف میں ثقیف کے قبیلے آباد تھے جن سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور کی کچھ قرابت بھی تھی۔ ان قبیلوں کے سرداروں سے حضورؐ نے ملاقات کی اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ان کم بختوں نے اللہ تعالیٰ کی اس دولت کو نہایت بے پروائی سے ٹھکرا دیا اور اسی پر بس نہ کی بلکہ اپنی قوم کے غنڈوں کو بھڑکا کر حضور پُرنور کے پیچھے لگا دیا۔ ان غنڈوں نے خدا کے پیارے نبی پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ آپؐ کے خادم زید بن حارثہؓ آپؐ کے ساتھ تھے۔ وہ اگرچہ پتھروں کی بوچھاڑ کو اپنے اوپر لینے کی کوشش کرتے تھے مگر پھر بھی سرورِ کائنات کے قدم مبارک لہولہان ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستی سے نکل کر زخموں سے چُور، تھکن سے نڈھال ایک باغ کے قریب انگور کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ اس باغ کے مالک نے آپؐ پر ترس کھا کر انگوروں کا ایک خوشہ آپ کو بھیجا۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اسے تناول فرمایا۔

آپؐ نے یہاں بیٹھ کر دُعا مانگی کہ :-

"اے اللہ! میں تجھ سے ہی اپنی کمزوری اور اپنی بے بسی کا شکوہ کرتا ہوں تُو کمزوروں کا مددگار ہے تُو مجھے کس کے بھروسہ پر چھوڑتا ہے اگر تو

مجھ سے راضی ہے تو مجھے کسی کی ناراضی کی پرواہ نہیں ۔"

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا ۔
"اے خدا کے نبی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جس طرح آپ فرمائیں آپ کی ظالم قوم سے اس وحشیانہ حرکت کا بدلہ لوں ۔"

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہا
"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ ناواقف ہیں ۔"[1]

معراج

اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کو اپنے دربار میں حضوری کی عزت بخشی ۔ یہ وہ عزت ہے جو جیتے جی کسی پیغمبر کو میسر نہ ہوئی ۔

آپؐ ایک رات حضرت اُمّ ہانیؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ جبرائیل امینؑ حاضر ہوئے اور "غیبی دُنیا" کے سفر کی آپؐ کو دعوت دی ۔ حضرت جبرائیلؑ اپنے ساتھ ایک سواری "براق" لے کر آئے تھے ۔ یہ سواری اس قدر تیز تھی کہ نگاہ کی تیزی اس کے آگے مات تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو کر پہلے بیت المقدس آئے ۔ یہاں تمام دوسرے انبیاء کرام بھی موجود تھے ۔ آپؐ اُن کے امام بنے اور سب نبیوں نے آپؐ کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی ۔

اس کے بعد آپؐ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور ہر ہر منزل پر اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے آپؐ کا استقبال کیا ۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچے ۔ اُس کے حُسن کا جلوہ دیکھا ، اس کا کلام سُنا ۔ اس کی قدرت کے عجائبات دیکھے اور یہ سب کچھ راتوں رات ہو گیا ۔

---

[1] نور الیقین ۱۲

صُبح کو جب آپؐ نے اس عجیب وغریب واقعہ کا ذکر کیا تو کافروں کو مذاق اُڑانے اور فقرے کسنے کا ایک اور موقعہ مل گیا۔ ابوجہل ہمیشہ مخالفت میں آگے آگے رہتا تھا۔ جونہی اس کے کانوں میں یہ بات پڑی مکہ میں اِس سِرے سے اُس سِرے تک گھُوم گیا۔ ہر شخص سے کہتا :-

"تم نے کچھ سُنا وہ صاحب جن کے پاس پہلے خدا کا پیام آتا تھا اب خدا سے بات بھی کر آئے ہیں"۔

کافروں میں سے جو کوئی یہ سُنتا وہ بھی ٹھٹھا لگاتا۔

امتحان چند کافر جو بیت المقدس کا سفر کر چکے تھے امتحان کے لئے حضورؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے وہاں کی کیفیت پُوچھنی شروع کی۔ آپؐ نے اُن کے سامنے سارا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا۔ مگر چونکہ ان کا مقصد ہی شرارت تھا اس لئے اب وہ کہنے لگے :

"یہ بتائیے فلاں عمارت کی چھت میں کڑیاں کتنی ہیں اور فلاں دیوار میں طاق کس قدر ہیں"؟

ظاہر بات ہے کہ جو شخص کسی عمارت کو دیکھے وہ ایسی معمولی معمولی چیزوں کی طرف توجہ نہیں کیا کرتا لیکن کافروں کو ذلیل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس حضورؐ کی نگاہوں کے سامنے کر دیا اور آپؐ نے کافروں کے ایک ایک سوال کا صحیح جواب دیا۔ مگر وہ کم بخت اب بھی نہ مانے۔ کہنے لگے اچھا صاحب یہ تو بتائیے کہ ہمارا تجارتی قافلہ جو شام سے لوٹ رہا ہے وہ اس وقت کہاں ہے اور اس میں کتنے اونٹ ہیں اور ان پر کیا کیا سامان ہے؟

حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان کو قافلہ کی بھی پوری کیفیت بتا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ فلاں دن سُورج نکلتے ہی مکہ میں داخل ہو گا اور سب سے آگے ایک خاکی رنگ کا اُونٹ ہو گا۔

کافر یہ کہہ کر چلے گئے کہ قافلہ کو آنے دیجئے پھر ہم آپؐ کے سچ جھوٹ کے

متعلق فیصلہ کریں گے۔ مگر جب حضورؐ کی پیشگوئی کے مطابق اسی دن، اسی وقت اسی کیفیت سے قافلہ مکہ میں پہنچا اور قافلہ والوں نے آپؐ کی ایک ایک بات کی تصدیق کر دی تو وہ شرمندہ ہو کر کہنے لگے "محمدؐ تم تو جادوگر ہو۔"

صدیق

انہی کافروں کی کہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی ملاقات ہو گئی سوچا کہ محمدؐ سے بدگمان کرنے کا یہ اچھا موقع ہے۔ کہنے لگے ابوبکر خبر بھی ہے تمہارے دوست محمدؐ کہتے ہیں کہ انھوں نے کل کی رات آسمانوں کی سیر کی ہے۔ بھلا کوئی اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔

"اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں تو ضرور صحیح فرماتے ہیں"۔

کافر بولے "میاں ایسی عجیب بات کی بھی تم تصدیق کرتے ہو"۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کر رہا ہوں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق" کا لقب دیا۔ صدیق کے معنی ہیں تصدیق کرنے والا [1]

یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۲۷ رجب دوشنبہ کی رات کا ہے۔[2]

قبائل عرب میں تبلیغ

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم جب قریش کی طرف سے ناامید ہو گئے تو آپؐ نے عرب کے دوسرے قبیلوں میں تبلیغ شروع کر دی۔ حج کے موسم میں سارے عرب کے قبیلے مکہ آتے تھے۔ آپؐ ان قبیلوں میں جاتے اور انھیں اسلام کی طرف بلاتے کوئی ایمان

---

[1] نور الیقین [2] محمد رسول اللہ ۱۲

لاتا اور کوئی نہ لاتا۔

مدینہ میں اشاعتِ اسلام

مدینہ میں "عرب عاربہ" کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ ان کا اصلی وطن تو یمن تھا۔ مگر یمن کے مشہور سیلاب کے بعد یہ مدینہ چلے آئے تھے اور یہاں کے پرانے باشندوں کو جو یہودی تھے مغلوب کر کے یہ مدینہ میں بس گئے تھے۔ ان دونوں قبیلوں کی آپس میں بھی چلتی رہتی تھی اور یہودیوں سے بھی لڑائی رہتی تھی۔ یہ مشرک تھے اور یہودی "اہلِ کتاب" تھے۔ یہودیوں کو "توریت" سے نبی عربیؐ کے تشریف لانے کا حال معلوم ہو چکا تھا اس لئے وہ اکثر اوس و خزرج سے کہا کرتے کہ "اب نبی آخرالزمان کا زمانہ قریب آ لگا ہے۔ ہم اُن کی مدد سے پھر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لینگے۔

ایک مرتبہ مدینہ کے قبیلہ خزرج کے کچھ آدمی حج کے لئے آئے۔ حسبِ معمول حضورؐ اُن کے پاس اسلام کا پیام لے کر تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے سوچا کہ یہ وہی نبی آخرالزمان معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہودی ان پر ایمان لا کر ہم کو مغلوب کر دیں۔ چنانچہ ان میں سے چھ آدمی مسلمان ہو گئے۔

ان لوگوں نے واپس آکر مدینہ میں تبلیغِ اسلام شروع کی۔ چنانچہ اگلے سال بارہ[۱۲] آدمی خزرج اور اوس کے قبیلوں کے مدینہ سے مکہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضورؐ نے حضرت مُصعب ابن عمیرؓ کو ان کے ساتھ کر دیا تاکہ اُنہیں قرآن کی تعلیم دیں۔ ان لوگوں کی تبلیغ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تعلیم کا یہ اثر ہُوا کہ کثرت کے ساتھ وہاں کے لوگ اسلام قبول کرنے لگے اور گھر گھر نبی آخرالزماںؐ کا چرچا ہو گیا۔

چنانچہ اگلے سال جو نبوت کا تیرھواں[۱۳] سال تھا مدینہ کے ۷۳ مردوں اور عورتوں نے مقام "عقبہ" میں کفارِ مکہ سے پوشیدہ حضور پُرنورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضورؐ سے مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ اس موقعہ پر حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ آپؐ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ حضرت عباسؓ نے ایک مختصر تقریر میں کہا:-

"اے اہلِ مدینہ! محمدؐ اپنے کنبہ میں عزت اور حفاظت کے ساتھ ہیں ہم نے اب تک انہیں دشمنوں سے بچایا۔ اب تم انہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو تو اچھی طرح سمجھ لو۔ اگر تم اپنے عہد کو پورا کر سکو اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کر سکو تو تم لے جا سکتے ہو ورنہ انہیں یہیں رہنے دو۔"

یہ سُن کر براء بن معرور (سردارِ خزرج) کھڑے ہوئے اور انہوں نے جواب دیا "ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہمارے دل میں کچھ بدی ہوتی تو ہم اُسے ضرور ظاہر کر دیتے لیکن ہم نے تو وفاداری اور سچائی پر قائم رہنے اور رسول اللہ پر اپنی جانیں قربان کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

اس کے بعد یک زبان ہو کر بولے "یا رسول اللہ! ہم سے آپؐ جو وعدہ لینا چاہتے ہیں شوق سے لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "میں تم سے اپنے اللہ کے لئے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور اپنے لئے یہ کہ تم اپنے گھر والوں کی طرح میری بھی حمایت کرو۔

یہ سن کر براء نے کہا "یا رسول اللہ! ہم اس کا وعدہ کرتے ہیں۔

ابوالہیثم ابن یتہان ایک دوسرے سردار نے کہا "یا رسول اللہ! اس بیعت کے بعد دوسرے قبیلوں سے ہمارے معاہدے ٹوٹ جائیں گے۔ یہ تو نہ ہو گا کہ جب آپؐ کو غلبہ حاصل ہو جائے تو آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں تشریف لے آئیں"۔

یہ سُن کر حضورؐ مسکرائے اور فرمایا۔

"نہیں اب میرا خون اور تمہارا خون ایک ہے۔"[1]

اس بیعت کے بعد جسے "بیعتِ عقبہ ثانیہ" کہتے ہیں سرکارِ نامدارؐ نے مرکزِ اسلام مکہ سے مدینہ منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں مسلمانوں کو مدینہ منورہ روانہ فرماتے رہے اور خود اپنی روانگی کے لئے حکمِ خداوندی کے منتظر رہے۔

---

[1] محمد رسول اللہ - ۱۲

ہجرتِ مدینہ

آخر کار وہ وقت آ گیا کہ خدا کا پیارا نبی خدا کے پیغام کو مخلوق میں عام کرنے کے لئے اپنا وطن اپنا خاندان اور اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل جائے۔ چنانچہ ایک رات جب کفارِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ آپؐ خدا کے حکم کے مطابق مکہ سے مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ آپؐ نے اپنے دو سب سے پرانے رفیقوں میں سے ایک (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کو اپنے ساتھ لیا اور دوسرے رفیق (حضرت علیؓ) کو اپنی جگہ اپنے بستر پر لٹا دیا تاکہ کافروں کو حضورؐ کے تشریف لے جانے کی خبر بھی نہ ہو اور حضورؐ کے پاس جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں انہیں واپس بھی کر دیں۔

مکہ سے نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک "غارِ ثور" میں قیام فرمایا اور پھر آپؐ نے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیوں پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف کوچ کیا۔

صبح ہونے کے بعد جب کافروں کو جو رات بھر تلواریں لئے ہوئے حضورؐ کے مکان کے چاروں طرف ٹہلتے رہے تھے معلوم ہوا کہ آپؐ مکہ سے رخصت ہو گئے تو وہ اپنی ناکامی پر بہت جھنجھلائے۔ انہوں نے چاروں طرف سواروں کو دوڑایا کہ جہاں حضورؐ ملیں پکڑ لائیں اور آپؐ کو گرفتار کرنے والے کے لئے سو اونٹ کا انعام بھی مقرر کیا۔ مگر خدا کی تدبیر کے آگے ان کی کوئی تدبیر نہ چل سکی۔

خدا کی قدرت دیکھئے کہ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے پاؤں کے نشانوں کی مدد سے غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ گئے اور ان میں سے ایک نے کہا بھی کہ شاید محمدؐ اس غار میں ہوں۔ لیکن دوسرے نے جواب دیا کہ محمدؐ اس غار میں نہیں ہو سکتے۔ اس کے منہ پر مکڑیوں نے جالا تن رکھا ہے اور کبوتروں کے گھونسلے بنے ہوئے ہیں۔"

جب کافر آپس میں یہ گفتگو کر رہے تھے تو حضرت ابوبکرؓ کو کچھ پریشانی ہوئی لیکن آپؐ نے بڑے اطمینان سے انہیں تسلی دی کہ فکر نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔" چنانچہ خدا کی مدد شاملِ حال رہی اور کافر سر پر پہنچ کر بھی ناکام لوٹ گئے۔

"قباء" میں نزول

مدینہ والوں کو جب سے یہ خبر ملی تھی کہ خدا کا پیارا نبی محمد عربی ان کی بستی کی رونق اور اُن کی آنکھوں کے نور میں اضافہ کرنے والا ہے تو خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ روزانہ کئی کئی میل تک بستی سے باہر نکل کر انتظار کرتے تھے کہ وہ نظر آئیں تو اپنی مشتاق نگاہیں پیروں تلے بچھائیں۔ مگر دن چڑھے تک انتظار کر کے واپس لوٹ آتے تھے۔

ایک دن حسبِ معمول مدنی پروانوں کا ہجوم، شمعِ نبوت کی روشنی کا انتظار کر کے واپس لوٹ چکا تھا کہ ایک یہودی یکایک چیخ اُٹھا۔

"لوگو! تمہیں جن کا انتظار تھا وہ آ گئے"

یہ آواز سُنتے ہی ساری بستی میں خوشی کا طوفان لہریں مارنے لگا۔ نعرہ ہائے مسرت سے فضا گونج اُٹھی اور لوگ بے تحاشہ مکّہ کی سڑک کی طرف دوڑ پڑے۔

سرکار نامدار کو پہلے "قُبا ء" میں جو مدینہ کے قریب ایک چھوٹی سے بستی ہے اُتارا گیا۔ یہاں آپؐ نے چار روز قیام فرمایا۔ حضرت علیؓ جو پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی یہیں آ ملے۔

سرکارِ نامدارؐ نے یہاں تاریخِ اسلام میں سب سے پہلی مسجد کی بنیاد ڈالی اور یہیں مُسلمانوں کے مجمع میں سب سے پہلے خطبہ دیا۔

مکّہ کے "چاند" کا طلوع

۱۲ ربیع الاوّل، جمعہ مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء بھی مدینہ والوں کے لئے ایک یادگار کا دن تھا۔ سڑکوں اور بازاروں میں کھوے سے کھوا چھلتا تھا اور کوٹھے اور چھتیں عورتوں اور بچّوں سے پٹی پڑی تھیں۔ یکایک مکّہ کا چاند، مدنی ستاروں کی جھُرمٹ میں نمودار ہُوا اور مدینہ کی فضا اس نغمہ سے گونج اُٹھی۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ

"وداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہو گیا ہے جب تک دُعا مانگنے والے دُعا مانگیں ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔"

مدنی پروانوں کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ ہر شخص حضورؐ کی ناقہ کی مہار کو اپنے قبضہ میں کرنے کی کوشش کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح نبیؐ کی مہمانی کی دولت اس کے حصّہ میں آجائے۔

حضورؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا:

"اُونٹنی کی مہار چھوڑ دو اور اسے چلنے دو جہاں خدا کو مجھے اُتارنا ہے وہاں یہ اپنے آپ رُک جائے گی۔"

چنانچہ بنی مالک بن نجار کے محلّہ میں پہنچ کر اونٹنی خود بخود حضرت ایوبؓ انصاری کے مکان کے سامنے بیٹھ گئی اور یہ سعادت اُن کو نصیب ہوئی۔

اپنے محلّہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُترتے دیکھ کر بنی نجار کے بچے خوشی میں مست ہو گئے اور چند بچیوں نے وارفتگی کے عالم میں یہ شعر پڑھنا شروع کیا [1]

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

"ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں آہا محمدؐ کیسے اچھے ہمارے پڑوسی ہیں۔"

حضورؐ نے معصوم بچیوں کے اس محبّت بھرے نغمے کو سنا تو آپؐ فرمانے لگے "بچو! کیا تم مجھ سے محبّت کرتے ہو؟" بچیوں نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ! یہ جواب سن کر حضورؐ نے فرمایا۔ خدا جانتا ہے کہ میرا دل بھی تمہاری محبّت سے لبریز ہے۔" [1]

---

[1] نور الیقین ۱۲

بھائی چارہ مدینہ منورہ میں تشریف لے آنے کے بعد سرکارؐ نے ایک شخص کو مکہ بھیج کر اپنے سب گھر والوں کو بھی بلوا لیا اور جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے وہ بھی ایک ایک کر کے مدینہ میں آ گئے۔

مکہ سے آنے والے مسلمان چونکہ اسلام کی خاطر اپنا گھر بار اور مال و دولت چھوڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں آئے تھے اس لئے ان کی امداد کی ضرورت تھی۔ سرکارِ نامدارؐ نے ہر مہاجر (مکہ سے ہجرت کرنے والے) کو ایک انصاری (مددگار مدینہ والے) کا بھائی بنا کر اس کے سپرد کر دیا۔ مدینہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے اس رشتہ کو سگے رشتہ سے زیادہ سمجھا اور اپنی ہر چیز کے دو حصے کر کے ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیا اور دوسرا حصہ اپنے مہاجر بھائی کے لئے پیش کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک انصاری بھائی کے دو بیویاں تھیں تو انہوں نے اپنے مہاجر بھائی سے کہا کہ میں ایک بیوی کو طلاق دیئے دیتا ہوں۔ آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔

مسجدِ نبویؐ اب تک مدینہ طیبہ میں کوئی مسجد نہ تھی۔ مسلمان جہاں جگہ دیکھتے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضورؐ نے تشریف لانے کے کچھ ہی عرصہ بعد مسجد کی تعمیر شروع کرا دی۔ اس مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی بنائی گئیں۔ کھجور کی لکڑی کے ستون قائم کئے گئے اور کھجور کی پتوں اور شاخوں سے چھت پاٹی گئی۔ اس مسجد کا فرش بھی کچا تھا اور چھت بھی کچی تھی۔ اس لئے جب مینہ برستا تو ہر طرف کیچڑ ہو جاتی۔

مسجد کے ساتھ حضورؐ کی ازواجِ مطہراتؓ کے لئے بھی حجرے بنائے۔ یہ حجرے بھی کچے تھے۔ اس مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ نے مزدور بن کر کام کیا۔ خود سرورِ عالمؐ بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔

نئے مخالفین مدینہ منورہ میں اور اس کے آس پاس کی بستیوں میں بہت سے یہودی خاندان بھی آباد تھے۔ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ان

کی عرب قبیلوں سے مخالفت رہتی تھی۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ اسلام کے قبول کرنے کے بعد مدینہ کے دونوں عرب قبیلے اوس اور خزرج مل جُل کر شیر وشکر ہو گئے ہیں اور مکہ سے آنے والے مہاجرین سے ان کی طاقت میں اضافہ ہوا ہے اور یہ طاقت روز بروز بڑھتی جاتی ہے تو اُنہیں بڑا فکر پیدا ہوا اور وہ اسلام کی طاقت کو توڑنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

مدینہ میں ایک شخص عبداللہ بن اُبی تھا۔ یہ وہاں کا سب سے بڑا رئیس تھا۔ اور حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے وہاں کی بادشاہت کا اُمیدوار تھا۔ مدینہ کے لوگوں میں اسلام کا عام میلان دیکھ کر ظاہر بیں تو یہ بھی اپنی جماعت کے ساتھ مسلمان ہو گیا تھا مگر باطن میں سرکارِ نامدارؐ کے اقتدار کو اپنی آرزوؤں کے لئے موت کا پیغام سمجھتا تھا۔ چنانچہ یہ بھی اپنی جماعت کے ساتھ یہودیوں کا خفیہ طور پر مددگار بن گیا۔ اس طرح "کفارِ مکہ" کی بجائے "مدینہ کے یہود اور منافقین کی ایک نئی جماعت مسلمانوں کی حریف پیدا ہو گئی۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تک ممکن ہوتا لڑائی جھگڑے سے بچنا پسند کرتے تھے اس لئے اس وقت آپؐ نے چند شرطوں پر یہودیوں سے ایک معاہدہ کر لیا۔

اس معاہدہ کی خاص خاص شرطیں یہ تھیں کہ کوئی فریق کسی دوسرے فریق کے مذہب اور جان ومال کو نقصان نہ پہنچائے گا۔ دشمن کے حملہ کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرے گا اور اگر فریقین میں کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے گا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ دونوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ معاہدہ اگرچہ دوستانہ تھا مگر اس میں مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت محفوظ تھی۔

جہاد

سرکارِ نامدار رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک حکمت اور نصیحت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کرتے رہے ۔ آپؐ کا مذاق اُڑایا گیا۔ آپؐ کو دیوانہ اور جادوگر بتایا گیا۔ آپؐ پر نجاست پھینکی گئی ۔ آپؐ کو زخمی کیا گیا۔ آپؐ کے قتل کی سازشیں کی گئیں۔ آپؐ کا اور آپؐ کے ساتھیوں کا بائیکاٹ کیا گیا اور آخرکار گھربار اور مال و دولت چھوڑ کر جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہ سب ظلم آپؐ نے سہے اور صبر کیا ۔

خیال یہ تھا کہ اب مکہ سے نکل جانے کے بعد تو مکہ کے کافر پیچھا چھوڑ دیں گے اور مسلمانوں کو اطمینان کے ساتھ اللہ کا نام لینے دیں گے ۔ مگر ان بدبختوں نے خدا کے دین کی روشنی کو قبول کرنے سے ہی انکار نہ کیا بلکہ اُسے بُجھا دینے کا ارادہ کر لیا ۔ چنانچہ مکہ میں بیٹھ کر وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے اور مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کو مٹا دینے کی ساز باز شروع کر دی ۔

کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ کی ان سازشوں سے مسلمانوں کو ہر وقت مدینہ پر حملہ کا اندیشہ رہتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض بہادر مسلمان ساری ساری رات پہرہ دیتے گزار دیتے تھے ۔

اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ مسلمان اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کیلئے کافروں کا مقابلہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کا انہیں یقین دلایا ۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ اۨلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (پ ۱۷ ع ۱۳)	"ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں لڑنے کا حکم دیا گیا کیونکہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ انکی مدد کرنے پر قادر ہے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے صرف اس جرم میں کہ اپنا معبود خدا کو بتلاتے ہیں"

اسلامی شریعت میں اس قسم کی لڑائی کو "جہاد" کہتے ہیں اور یہ رہتی دنیا تک اُن پر فرض کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے بعد مسلمانوں اور کافروں میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ بعض لڑائیوں میں خود سرکارِ دو عالم شریک ہوئے اور بعض میں کسی تجربہ کار صحابی کو اپنی جگہ امیر بنا کر بھیج دیا۔ جن لڑائیوں میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے انہیں غزوہ کہا جاتا ہے اور جن میں حضورؐ شریک نہ ہوئے انہیں سریہ کہا جاتا ہے۔ غزوات کی تعداد ۲۳ ہے اور سرایا کی ۴۳۔ ان تمام لڑائیوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق مسلمانوں کو فتح دی۔ صرف غزوۂ اُحد اور غزوۂ حنین دو لڑائیوں میں مسلمانوں کو کچھ نقصان ضرور پہنچا۔ غزوہ اُحد میں اس لئے کہ انہوں نے رسول اللہ کے حکم کی تعمیل میں غفلت برتی اور غزوۂ حنین میں اس لئے کہ انہیں اپنی طاقت پر گھمنڈ ہو گیا۔

اب ہم چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کو چھوڑ کر صرف چند خاص خاص اور بڑی بڑی لڑائیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

غزوۂ بدر کبرےٰ

یہ لڑائی ۲ھ میں کفارِ مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ہوئی۔ بات یہ ہوئی کہ مکہ والے ہر سال تجارت کا سامان لے کر ملک شام جایا کرتے تھے۔ اسی تجارت پر اُن کی جنگی طاقت کا دارومدار تھا۔ اس سال بھی اُن کا قافلہ ملک شام گیا تھا۔ جب قافلہ لوٹتے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچا تو مسلمانوں کی رائے ہوئی کہ اس پر حملہ کیا جائے تاکہ کافروں کی طاقت کی بنیاد ہی مسمار ہو جائے اور انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کا موقع نہ ملے۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۴ جاں نثار مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کر

مدینہ سے نکلے۔ ادھر ابوسفیان کو بھی (جو قافلہ کے سردار تھے) مسلمانوں کے اس ارادہ کی کسی طرح خبر ہو گئی۔ اُنہوں نے فوراً ایک سوار کو مکہ دوڑایا اور خبر دی کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے کے لئے نکل آئے ہیں فوراً مدد کو پہنچیں اور خود راستہ بدل کر اپنا قافلہ سمندر کے کنارے کنارے نکال لے گئے۔

مکہ والے پہلے ہی سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ بس اپنے قافلہ کے واپس آنے کا انتظار تھا۔ انہیں جو یہ خبر ملی تو ایک ہزار آدمیوں کا لشکر جرار پورے سازوسامان سے آراستہ ہو کر نکل کھڑا ہوا۔

صحابہ رضی کا جوشِ ایمانی

جب سرورِ عالم کو اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ تو نکل گیا ہے اور ان کی زبردست فوج مقابلے کے لئے آ رہی ہے تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ آگے بڑھا جائے یا مدینہ لوٹ آیا جائے۔ بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ چونکہ جنگ کے ارادہ سے نہیں نکلے ہیں اس لئے لوٹ جانا چاہیئے۔ آپؐ نے فرمایا :-

"اے لوگو! خدا نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ یا قافلہ ہمارے ہاتھ آئے گا اور یا ہمیں فتح نصیب ہو گی۔ چونکہ قافلہ نکل گیا ہے اس لئے فتح یقینی ہے۔"

یہ سُن کر حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "یا رسول اللہ! خدا کی طرف سے جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی قوم کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا:
"موسیٰ! تم اور تمہارا خدا جا کر لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

یہ جواب سُن کر حضورؐ نے انہیں دعا دی اور انصار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔
"تم لوگ اپنی رائے ظاہر کرو۔"

بات یہ تھی کہ انصار سے جو معاہدہ ہوا تھا اُس میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ انصار اپنی بستی میں حضورؐ کی حفاظت کریں گے۔ نہ یہ کہ وہاں سے نکل کر دوسروں پر حملہ کرنے میں بھی مدد دیں گے۔ اس لئے انصار سے ان کا ارادہ معلوم کرنا ضروری تھا۔ حضرت

سعدؓ بن معاذ سردارِ اوس آگے بڑھے اور کہا "یا رسول اللہ! جب ہم آپؐ پر ایمان لے آئے اور آپؐ کو خدا کا سچا نبی مان لیا۔ پھر خدا آپؐ کو جو حکم دے، کر گزریئے۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ قسم خدا کی اگر آپ سمندر میں کودیں گے تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ سمندر میں کودیں گے۔"

انصار کے اس جواب سے حضورؐ کا چہرۂ مبارک چمک اٹھا اور آپؐ بہت خوش ہوئے[1]

مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ایک مقام بدر ہے۔ وہیں قریش کی فوج اُتری ہوئی تھی۔ سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف کوچ کا حکم فرمایا اور وہاں پہنچ کر ایک چشمہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔

مقابلہ

۱۷ رمضان ۲ھ کو صبح کے وقت دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ ایک طرف ایک ہزار ساز و سامان سے آراستہ کافر تھے۔ اور دوسری طرف ۳۱۳ بے سروسامان مسلمان تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی صفوں کو درست کیا اور پھر خدا سے دعا مانگی:۔

"اے اللہ! یہ قریش کے کافر غرور میں مست ہو کر آئے ہیں، تیری نافرمانی کرتے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں جس مدد کا تو نے وعدہ کیا ہے اُسے پورا کر۔"

اس کے بعد پہلے ہر فریق کی طرف سے ایک ایک آدمی لڑنے کے لئے نکلا اور پھر دونوں فوجوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی اور خدا کے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو زبردست فتح نصیب ہوئی۔

اس لڑائی میں قریش کے تقریباً ستر سردار مارے گئے جن میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل بھی تھا اور ستر ہی گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں کی جماعت میں سے صرف

---

[1] نور الیقین ۱۲

بارہ شہید ہوئے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی مختلف شانیں کافر قیدی جب مدینہ پہنچے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ان لوگوں نے ہمیشہ آپ کو تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ آپ ان میں سے ہر ایک کو اس کے مسلمان رشتہ دار کے ہاتھ سے قتل کرائیں تاکہ ایک طرف یہ اپنے کئے کی سزا کو پہنچیں اور دوسری طرف دُنیا کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دل میں مشرکوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یارسول اللہ! اب خدا نے آپ کو ان پر فتح دی ہے تو ان پر رحم ہی کیجئے اور ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے تاکہ ہماری ضرورتیں پوری ہوں اور ان کے لئے ہدایت حاصل کرنے کا موقع باقی رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے فرمایا "اے خدا جس نے میری پیروی کی وہ میری جماعت میں سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تُو اس کو بخشنے والا اور اس پر رحم کرنے والا ہے" اور اے عمر تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے دُعا مانگی "اے اللہ! زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑ"۔ اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا۔[1]

چنانچہ جو مالدار قیدی تھے ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا اور جو غریب قیدی تھے ان سے کہا گیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں۔

---

[1] نور الیقین ۱۲

غزوۂ غطفان

یہ کوئی بڑا غزوہ نہیں ہے مگر اس میں ہمت و جرأت کا ایک سبق آموز واقعہ پیش آیا۔ اس لئے ہم اس کا ذکر کر رہے ہیں ۔

۳ھ میں بنی ثعلبہ اور بنی محارب کے ۴۵۰ افراد دعثور بن الحارث کے ماتحت اس ارادہ سے نکلے کہ مدینہ پر ڈاکہ ماریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو لے کر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بنی ثعلبہ اور بنی محارب کو مقابلہ پر آکر لڑنے کی ہمت نہ ہوئی اور بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ مسلمان لوٹ رہے تھے کہ راستہ میں بارش ہوگئی اور سب کے کپڑے بھیگ گئے اور جب بارش رُکی تو سب نے اپنے اپنے کپڑے سکھانے کے لئے دھوپ میں پھیلا دیئے۔

سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک طرف جا کر کپڑے پھیلا دیئے اور ایک درخت کے سایہ میں تنہا آرام فرمانے لگے۔ دعثور کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا فلاں جگہ آرام فرما رہے ہیں۔ دبے پاؤں آکر تلوار کھینچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا "اے محمدؐ! آج میرے ہاتھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟"

حضورؐ کو ذرا بھی ہراس نہ ہوا اور نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

"اللہ تعالیٰ!"

دعثور بڑا بہادر اور جری شخص تھا مگر حضورؐ کے اس جواب سے اس پر دہشت طاری ہوگئی اور وہ تھر تھر کانپنے لگا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔

حضورؐ نے وہ تلوار اُٹھالی اور فرمانے لگے ۔

"دعثور! اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟"

دعثور نے کہا "کوئی نہیں" مگر حضورؐ نے اُسے معاف کر دیا۔ آپؐ کے

اس برتاؤ کا اس پر یہ اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور اس نے اپنی قوم کو بھی مسلمان بنا لیا۔

غزوۂ اُحد

بدر کی شکستِ فاش سے کفارِ مکہ کے گھروں میں کہرام مچ رہا تھا اور ان کے دلوں میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ چنانچہ ایک سال تک تیاریاں کرنے کے بعد وہ تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر اپنے عزیزوں کے خون کا بدلہ لینے کے لئے نکلے۔

اس مرتبہ ان کے ساتھ ان کی عورتیں بھی تھیں تاکہ مردوں کو لڑائی کے لئے میدان میں غیرت دلائیں اور کچھ شاعر بھی تھے تاکہ ان کے رشتہ داروں کے مرثیے سُنا سُنا کر ان کے جوش کو بھڑکائیں۔

یہ لشکر پوری شان و شوکت کے ساتھ مکہ سے نکل کر مدینہ منورہ کے قریب اُحد پہاڑ کی وادی میں ایک چشمہ کے کنارے اُترا۔

۱۴ شوال ۳ھ کو بعد نمازِ جمعہ سرکارِ نامدار ایک ہزار ساتھیوں کو لے کر باہر نکلے مگر تھوڑی دُور ساتھ جا کر عبداللہ بن اُبیؓ منافقوں کا سردار اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا اور صرف سات سو جان نثار رسول اکرمؐ کے ساتھ رہ گئے۔

بچوں کا شوقِ جہاد مدینہ سے باہر آکر جب حضورؐ نے لشکرِ اسلام کا جائزہ لیا تو اس میں کچھ نوعمر بچے بھی تھے۔ حضورؐ نے ان کو ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا اور بہلا پھسلا کر واپسی پر آمادہ کرنے کی

---

۹ حیات سید العرب ج ۱۔

کوشش کی۔ مگر بچوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی طرح واپس جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ رافع بن خدیج سے جب آپ نے واپس جانے کے لئے کہا تو وہ پنجوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ بڑے معلوم ہوں اور حضورؐ سے کہا "یا رسول اللہ میں تو بڑا اچھا تیر انداز ہوں"۔ حضورؐ نے رافع کو شرکت کی اجازت دیدی۔

سمرہ بن جندب بھی رافع کے ہم عمر تھے لیکن وہ لڑائی میں شرکت سے روک دیئے گئے تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ رافع کو اجازت مل گئی ہے تو بھاگے ہوئے آئے اور کہنے لگے "یا رسول اللہ! جب آپ نے رافع کو اجازت دی ہے تو مجھے بھی دیجئے۔ میں تو ان کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا "اچھا کشتی لڑو"۔ چنانچہ کشتی ہوئی اور سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ اب حضورؐ نے سمرہ کو بھی اجازت دے دی[1]

جنگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد پہاڑ کو پیٹھ پیچھے رکھ کر اپنی فوج کی صف بندی فرمائی۔ چونکہ پیچھے پہاڑ کے ایک درہ سے دشمنوں کے حملے کا خوف تھا اس لئے عبداللہ بن جبیرؓ کی ماتحتی میں ۵۰ تیر اندازوں کی ایک جماعت درہ کی حفاظت کے لئے متعین کر دی اور انہیں ہدایت کر دی کہ خواہ ہم جیتیں یا ہاریں تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔

اس کے بعد دونوں طرف کی فوجیں آگے بڑھیں اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ کافر اگرچہ مسلمانوں سے کئی گنا تھے مگر مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا سکے اور اپنا ساز و سامان چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلے۔ مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں تو وہ بھی درہ کو چھوڑ کر مالِ غنیمت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے انہیں روکنے کی کوشش بھی کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یاد دلائی۔ مگر انہوں نے کہا کہ سرکار کا

---

[1] نور الیقین ۱۲

یہ حکم تو لڑائی کے وقت کے لئے تھا اب لڑائی ختم ہو چکی ہم یہاں کھڑے ہو کر کیا کریں ؟ خود عبد اللہ بن جبیرؓ اپنی جگہ سے نہ ٹلے اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ وہیں کھڑے رہے۔

فتح کے بعد شکست

خالد بن ولید (جو اس وقت کافروں کے ایک دستہ کے سردار تھے) نے جب دیکھا کہ مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں اور درّہ کا راستہ خالی ہے تو اُنھوں نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے درّہ سے نکل کر مسلمانوں پر پُشت سے حملہ کر دیا۔ درّہ کے محافظ حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ اور اُن کے چند ساتھیوں نے مقابلہ کیا مگر سب شہید ہو گئے۔ مسلمان اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو گئے اور گھبراہٹ میں آپس میں ہی ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ اسی دوران میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ سرکار نامدارؐ شہید ہو گئے۔ اس خبر سے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے اور مسلمانوں کی فوج میں سخت ابتری پھیل گئی۔

مسلمان اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور سرکارِ نامدارؐ کے ساتھ چند فداکاروں کی جماعت رہ گئی۔ کافر موقعہ دیکھ کر آپ کی طرف بڑھے اور پے در پے حملے کرنے شروع کر دیئے۔ مگر ساتھیوں نے آپؐ کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور سپر بن کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت ابو طلحہ انصاریؓ ایک ماہر تیر انداز تھے اُنھوں نے کافروں پر اس کثرت سے تیر برسائے کہ ترکش خالی کر دیئے۔ آپ تیر پھینکتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں جب تک میرا سینہ موجود ہے آپؐ پر کسی کافر کا تیر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت ابو دجانہؓ اپنی پُشت کافروں کی طرف کر کے جھک کر کھڑے ہو گئے تاکہ جو تیر آئے وہ آپؐ کی پشت پر پڑے۔ اور حضورؐ تک نہ پہنچے۔

حضرت زیادہ بن حارثؓ بھی حضورؐ کی خدمت میں لڑ رہے تھے یہاں تک کہ

زخموں سے چُور ہو کر گر پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں میرے پاس لاؤ۔ اور قدم مبارک پران کا سر رکھ لیا اور اسی حالت میں انہوں نے جان دیدی۔

حضرت طلحہؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کر رہے تھے۔ لڑائی کے بعد جب گِنا گیا تو اُن کے جسم پر ستّر سے زیادہ زخموں کے نشان تھے۔[1]

ابوعامر راہب ایک کافر نے ایک گڑھا کھود کر اُسے ڈھک دیا تھا۔ رسول اللہ کا قدم مبارک اُس پر پڑا تو آپؐ اس میں گِر گئے اور بے ہوش ہو گئے۔ گرنے سے حضورؐ کے گھٹنے چِھل گئے تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت طلحہؓ نے آپؐ کو اس میں سے نکالا۔ مگر جُونہی آپؐ باہر نکلے ایک کافر نے آپؐ کے رُخِ انور پر پتھر مارا جس سے دندانِ مبارک شہید ہو گئے اور ایک دوسرے کافر نے آپؐ پر تلوار کے کئی وار کئے جس سے حضورؐ کی خود کے دو حلقے رخسارِ مبارک میں گھس گئے۔

بعض جان نثاروں نے خدا کے حبیبؐ کو خون میں شرابور دیکھا تو بے چین ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! اب کس بات کا انتظار ہے؟ اب تو کافروں کے لئے بددُعا کیجئے۔ مگر حضورؐ نے جواب دیا۔ میں مخلوق کو خدا کی رحمت سے دور کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ سرتا پا رحمت بن کر آیا ہوں اور پھر دُعا فرمائی کہ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ مجھے نہیں پہچانتے ہیں۔[2]

اسی حالت میں کعب بن مالک انصاری کی نگاہ آپؐ پر جا پڑی تو انہوں نے چیخ کر کہا مسلمانو مژدہ ہو کہ سرکارِ دوعالمؐ زندہ ہیں۔

یہ خبر سُن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور ہر طرف سے رسول اللہ کی طرف دوڑ پڑے۔ رسول اللہ کچھ صحابہ کو اپنے ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے تاکہ سب مسلمانوں کو حضورؐ کے زندہ سلامت ہونے کا علم ہو جائے۔

---

[1] نورالیقین ۱۴ [2] محمد رسول اللہ۔ ۱۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر چڑھتے دیکھ کر دشمن بھی پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ مگر حضرت عمرؓ نے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایک شخص ابی ابن خلف جوش میں چیخ کر کہنے لگا کہ میں آج محمد کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ حضورؐ نے صحابہ سے کہا کہ اسے آنے دو۔ جب پاس آیا تو آپؐ نے اس کے ایک نیزہ مارا جس سے اُس کے کاری زخم لگا اور وہ مکّہ کو جاتے ہوئے راستہ میں ہی مر گیا۔ یہی وہ بدنصیب تھا جسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے مارا ورنہ حضورؐ نے کسی کافر کو اپنے ہاتھ سے مارنا پسند نہ کیا۔

حضور پرنورؐ کی شہادت کی خبر مدینہ بھی پہنچ گئی تھی۔ اس لئے بہت سی عورتیں گھبرا کر گھروں سے نکل کھڑی ہوئیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ زہراؓ بھی میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں۔ حضرت علیؓ نے پانی ڈالا اور انھوں نے حضورؐ کے چہرۂ مبارک سے خون دھو کر چٹائی کی راکھ زخم میں بھر دی۔

اس طرح یہ لڑائی جس میں مسلمانوں کو کھلی ہوئی فتح حاصل ہوئی تھی چند آدمیوں کی غفلت کی وجہ سے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی پورے طور سے تعمیل نہ کی اور اپنے افسر کے کہنے کو نہ مانا اور فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔

اس لڑائی میں ۲۲ کافر مارے گئے اور ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں سرکار کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ کی شہادت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا۔ ایک تو وہ آپؐ کے شفیق چچا تھے اور دوسرے کافروں نے آپ کی لاش کا بری طرح تیا پانچا کیا تھا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے پہلے آپ کے ناک اور کان جسم سے جدا کئے اور پھر پیٹ چاک کر کے جگر چبا ڈالا۔

غزوۂ حمراء الاسد

مدینہ میں پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ کہیں مشرکین اپنی فتح کے جوش میں مدینہ پر حملہ نہ کر دیں۔ اس لئے آپؐ نے صحابہؓ کو کوچ کے لئے تیار ہو جانے کا حکم دیا۔ یہ زخمی شیر اپنے زخموں کی مرہم پٹی کر کے بے تکلف راہِ خدا میں جان دینے کے لئے چل کھڑے ہوئے اور مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر مقام حمراء الاسد میں جا کر قیام کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال صحیح تھا۔ کفار مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے لوٹ رہے تھے۔ ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ مسلمان کل کی شکست سے دل شکستہ اور زخمی بدن پڑے ہوں گے وہ ہمارا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ خود کافروں کا پیچھا کرنے کے لئے مدینہ سے نکل چکے ہیں تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ سیدھے مکہ واپس چلے جائیں اور اپنی فتح کو شکست سے نہ بدلیں چنانچہ وہ مکہ واپس چلے گئے۔

حضرت خبیبؓ اور اُن کے ساتھیوں کی قربانی

صفر ۴ھ کا واقعہ ہے کہ قبیلہ خزیمہ کے چند آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ہماری قوم کے کچھ آدمی مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپ چند صحابیوں کو ہمارے ساتھ کر دیجئے تا کہ وہ انہیں قرآن سکھا دیں۔ آپ نے عاصم بن ثابت انصاریؓ کو سردار بنا کر چند صحابی ان کے ساتھ کر دیئے۔

جب مقام رجیع میں پہنچے تو ان لوگوں نے صحابہؓ سے غداری کی اور سفیان بن خالد ہذلی (جو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو گیا تھا) کی قوم ہذیل کو خبر دے کر ان کے دو سو آدمی بلوا لئے۔

صحابہ کی جماعت کو جب معلوم ہوا کہ ان کو پکڑنے کے لئے قبیلہ ہذیل کے آدمی آ گئے ہیں

تو وہ ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ کافروں نے اُن سے قسمیں کھا کر کہا کہ تم لوگ نیچے اُتر آؤ ہم تمہیں امان دیتے ہیں۔

مسلمانوں میں سے تین آدمی تو اُن کے دھوکہ میں آگئے جنہیں اُنھوں نے پکڑ کر قید کر لیا اور باقی لڑ کر شہید ہو گئے۔

جو تین مسلمانوں کافروں کے ہاتھوں میں قید ہو گئے تھے اُن میں سے ایک نے تو راستہ میں موقع پا کر مقابلہ کیا اور شہید کر دیئے گئے اور باقی دو حضرات خبیب اور حضرت زیدؓ کو کافروں نے مکّہ لا کر قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔

حضرت خبیبؓ "ماویہ" نام ایک عورت کے گھر میں قید تھے۔ وہ کہتی ہے کہ جب خبیبؓ پچھلی رات کو قرآن مجید پڑھتے تو پاس پڑوس کی عورتیں جمع ہو جاتیں اور بے اختیار رونے لگتیں۔

رسول اللہ سے محبّت کی شان

کچھ عرصہ بعد جب اشہر حرم (وہ مہینے جن میں کشت وخون کو جائز نہیں سمجھا جاتا) گزر گئے تو حضرت خبیبؓ کو قتل کرنے کے لئے مکّہ سے باہر ایک میدان میں لے گئے شہادت سے پہلے اُنھوں نے کافروں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت چاہی چنانچہ نماز پڑھی اور کچھ دیر دُعا مانگی۔ پھر فرمانے لگے کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر سے دیر لگا رہا ہوں تو کچھ دیر اور دُعا مانگتا۔ یہ فرما کر آپ اُٹھے اور ہنسی خوشی سُولی پر چڑھ گئے۔

جب آپ شہید کئے جانے لگے تو چند کافروں نے کہا اے خبیبؓ اگر تم بچ جاؤ اور تمہاری جگہ محمدؐ قتل کئے جائیں تو کیا تم اسے پسند نہ کرو گے۔

حضرت خبیبؓ نے جواب دیا۔ لاحول ولا قوۃ! میں تو اپنے آقا و مولیٰ کے پاؤں میں کانٹا چبھنا اپنی گردن پر چھری چلنے سے زیادہ سمجھتا ہوں۔

یہ جواب سُن کر سب کافر حیران رہ گئے اور ابوسفیان جو اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) یہ جواب سُن کر کہنے لگے۔ میں نے کسی شخص کے ساتھیوں کو

اس سے اتنا محبت کرتے نہیں دیکھا جتنا محمدؐ کے ساتھیوں کو اُن سے محبت کرتے دیکھا ہے۔

اس کے بعد حضرت خبیبؓ کو کافروں کے نعرہ ہائے مسرت کی گونج میں شہید کردیا گیا۔ جس وقت آپ کی رُوح پرواز کر رہی تھی زبان پر یہ اشعار تھے۔

ترجمہ:۔ جب مَیں دینِ اسلام پر مر رہا ہوں تو مجھے پرواہ نہیں کہ مَیں راہ خدا میں کس پہلو پر گِرتا ہوں۔ اگر خدا چاہے تو وہ قطع کئے ہُوئے ہر ہر عضو پر اپنی برکت نازل فرما سکتا ہے"

حضرت خبیبؓ کی طرح حضرت زیدؓ کو بھی شہید کردیا گیا اور آپ سے بھی اسی قسم کے سوال وجواب ہوئے[1]

غزوۂ خندق

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ مدینہ کے آس پاس بسنے والے یہودی قبیلے مسلمانوں کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ انہیں مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق اور اسلام کا عروج و ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحتِ وقت سمجھ کر مدینہ آتے ہی اُن سے معاہدے کر لئے تھے مگر یہودی اپنے دل کے جلاپے سے مجبور تھے۔ معاہدے ہوجانے کے بعد بھی وہ چپکے چپکے سازشوں میں مصروف رہتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کی مخالفتوں کا کوئی موقعہ چھوڑتے نہ تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا کر شہید کرنے کی سازش کی لیکن اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کو آگاہ کردیا اور آپؐ اس سازش کا شکار ہونے سے بال بال بچ گئے۔

---

[1] محمد رسول اللہ۔ ۱۲

بنی نضیر کی اس حرکت کی سزا دینے کے لئے حضورؐ نے ان پر فوج کشی کی۔ یہودی قلعہ بند ہو بیٹھے۔ جب دو ہفتے گزر گئے تو انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اُنھیں مدینہ چھوڑ کر نکل جانے کی اجازت دی جائے۔ آپؐ نے اجازت دے دی اور یہ لوگ کچھ خیبر میں جا بسے اور کچھ ملک شام میں آباد ہو گئے۔ جلاوطن ہونے کے بعد یہودیوں کے دل کی کسک اور بڑھ گئی اور اُنھوں نے طے کر لیا کہ مسلمانوں کی مخالفت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں گے۔ چنانچہ ان کے چند سردار مکہ پہنچے اور کفارِ مکہ کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ کیا۔ پھر قبیلۂ غطفان کے پاس پہنچے اور انھیں بھی ساتھ ملایا۔ اور آخر میں قبیلۂ بنی قریظہ کے یہودی بھی جن کا مُسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا اُن کے ساتھ مل گئے۔ اس طرح یہود اور مشرکین کے ۲۴ ہزار کا زبردست لشکر مدینہ پہ حملہ کرنے کے لئے روانہ ہُوا۔

مُسلمان تعداد میں بہت کم تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے رائے دی کہ مدینہ کے نواح میں جس طرف سے دشمن کے حملے کا اندیشہ ہے اس طرف خندق کھود لی جائے اور مسلمان خندق کے اندر رہ کر جنگ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاتے ہی لشکرِ اسلام کے سب سپاہی پھاوڑے لے کر جُت گئے اور پانچ ہاتھ گہری خندق کھود لی گئی۔ پھر مدینہ سے نکل کر خندق سے ورے تین ہزار مسلمانوں نے اپنی صفیں قائم کر لیں۔

عرب والوں کے لئے خندق ایک نئی چیز تھی۔ کافروں کو مسلمانوں کی اس تدبیر پر بڑا تعجب ہُوا۔ دست بدست لڑائی تو ہو نہ سکتی تھی اس لئے تیراندازی کا مقابلہ ہوتا رہا۔

یہ مقابلہ پندرہ روز تک جاری رہا۔ کافروں نے کوشش کی کہ کسی طرح خندق کو پار کر کے مسلمانوں پر حملہ کریں مگر یہ ممکن نہ ہو سکا۔ ایک دن قریش کے چند جوشیلے نوجوان گھوڑے دوڑاتے ہُوئے خندق کو پار کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے مگر

ان میں سے ایک جو خندق کو پار کر گیا تھا قتل کر دیا گیا۔ ایک خندق میں گر کر مر گیا اور باقی بھاگ گئے۔

جوں جوں دن گزرتے جاتے تھے کافروں کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ ۲۴ ہزار کے لشکر کے لئے کھانے پینے کا انتظام آسان کام نہ تھا۔ ایک طرف کھانے پینے کا سامان ختم ہو رہا تھا اور اُن کے جانور بھوک کے مرے جا رہے تھے دوسری طرف اللہ تعالےٰ نے آندھیوں کے جھکڑ چلا دیئے جس سے اُن کے خیموں کی چوبیں اکھڑی جاتی تھیں اور چولہوں پر ہانڈیاں اوندھی ہوئی جاتی تھیں۔ اسی دوران میں غطفان کے ایک معزز سردار "نعیم بن مسعود"، مسلمان ہو گئے اور اُن کی تدبیر سے کافروں کے جتھوں میں تفرقہ پڑ گیا۔ ان ناموافق حالات سے مجبور ہو کر کافروں کی جماعتوں نے ناکام اپنے گھروں کا رُخ کیا اور خداوند تعالےٰ نے مسلمانوں کو اس سخت آزمائش سے نجات دی۔ یہ واقعہ شوال ۵ھ کا ہے۔

بنی قریظہ کی بدعہدی کی سزا

اس لڑائی سے فارغ ہوتے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو فوراً بنی قریظہ کی بستی کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ یوں تو یہ لوگ کئی مرتبہ عہد شکنی کر چکے تھے مگر غزوہ خندق کے نازک موقع پر جبکہ مسلمان چاروں طرف سے دشمن کے نرغہ میں تھے ان لوگوں نے دشمنوں کا ساتھ دے کر اپنا اعتبار بالکل کھو دیا تھا اور اب وہ کسی رعایت کے مستحق نہ تھے۔

لشکرِ اسلام نے ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا اور یہ لوگ قلعہ بند ہو بیٹھے۔ جب ۲۵ دن اسی طرح گزر گئے اور بھوک کے مارے دم نکلنے لگا تو انھوں نے مجبوراً خود کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور درخواست کی کہ بنی نضیر کی طرح انہیں بھی کسی دوسرے ملک میں چلے جانے کی اجازت دی جائے۔ مگر سرکارِ دو عالم نے منظور نہ کیا۔ پھر انھوں نے درخواست کی کہ ان کے معاملہ کا فیصلہ سردارِ اوس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں

دیدیا جائے۔ حضورؐ نے یہ منظور فرمالیا۔

حضرت سعدؓ بن معاذ اُن کے پرانے حلیف تھے۔ اُنھیں خیال تھا کہ سعد جہاں تک ممکن ہوگا ہمارے ساتھ رعایت مروت کریں گے اور پُرانے تعلقات کا خیال رکھیں گے۔ مگر صحابہ کرامؓ کی نگاہوں میں اسلام کے فائدہ کے مقابلہ میں تعلقات اور رشتہ داری کوئی چیز نہ تھی اس لئے انھوں نے فیصلہ دیا کہ عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر جتنے مرد ہیں قتل کر دیئے جائیں۔ چنانچہ سب بنی قریظہ موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔[۱]

حضرت صفیہؓ کی بہادری

جنگِ خندق کے زمانے میں ایک مسلمان خاتون کی ہمت اور بہادری کا واقعہ بھی ذکر کے قابل ہے۔

یہ خاتون ہمارے پیارے رسولؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ ہیں۔

واقعہ یہ ہُوا کہ جنگ کے زمانہ میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے حضرت حسان بن ثابتؓ (جو حضورؐ کے درباری شاعر تھے) کے قلعہ میں بھیج دیئے گئے تھے۔ ایک دن حضرت صفیہؓ نے دیکھا کہ ایک یہودی قلعہ کا چکر لگا رہا ہے اور کچھ تاؤ بھاؤ لے رہا ہے۔ قرینہ سے اُنھیں معلوم ہوگیا کہ یہ کوئی جاسوس ہے۔ حضرت حسانؓ سے کہنے لگیں:

حسان ذرا اس یہودی کو تو جاکر قتل کر دو۔ حضرت حسانؓ زبان کے مجاہد تھے ہاتھ کے مجاہد نہ تھے۔ جواب دیا۔ صفیہ تم تو جانتی ہو کہ مَیں اس میدان کا مرد نہیں ہوں۔ یہ جواب پاکر حضرت صفیہؓ ایک لاٹھی لے کر خود روانہ ہوگئیں اور پاس پہنچ کر اس زور سے یہودی کے سر پر رسید کی کہ اس کا بھیجا نکل گیا۔ واپس آکر حضرت حسان سے پھر کہا۔ حسان مَیں عورت ذات ہوں غیر مرد کا بدن نہیں چھو سکتی ذرا اس کافر کے ہتھیار تو اُتار لاؤ۔ حضرت حسانؓ بولے۔ اے عبدالمطلب کی بیٹی مجھے ہتھیاروں کا کیا کرنا ہے؟ یہ جواب سن کر حضرت صفیہؓ پھر گئیں اور اس یہودی کے ہتھیار اُتار لائیں اور اُس کا سر کاٹ کر یہودیوں کی طرف پھینک دیا۔[۲]

---

[۱] حیات سیدالعرب ۱۲ [۲] محمد رسول اللہ ۱۲

صُلح حُدیبیہ

ذی قعدہ سنہ ۶ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں. نبیوں کا خواب بھی ایک قسم کی وحی الٰہی ہوتی ہے اس لئے آپ نے اُسے غیبی اشارہ سمجھ کر عمرہ (زیارت خانہ کعبہ) کی تیاری شروع کر دی اور عمرہ کا احرام باندھ کر اور قربانی کے اُونٹ لے کر پندرہ سو انصار و مہاجرین کی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب حدیبیہ میں جا کر اُترے۔

قریش کو جب حضورؐ کے تشریف لانے کی خبر ملی تو اُنھوں نے مقابلے کی تیاری شروع کر دی اور بُدَیل بن ورقاء خزاعی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا مقصد معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ حضورؐ نے اپنا مقصد بیان کر دیا۔ چنانچہ بُدَیل نے قریش سے آ کر کہہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے ارادہ سے آئے ہیں جنگ کے ارادہ سے نہیں۔

قریش نے بُدَیل کی بات پر بھروسہ نہ کیا اور دوبارہ احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو بھیجا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ مسلمان احرام کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور قربانی کی اُونٹنیاں بھی اُن کے ساتھ ہیں تو قریش سے جا کر سارا حال بیان کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ مسلمانوں کو روکنا مناسب نہیں ہے۔ یہ عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ کیا غضب ہے کہ دُنیا بھر کے لوگ حج کر سکیں اور عبدالمطلب کی اولاد کو اس کی اجازت نہ دی جائے۔ مگر قریش نے حلیس کی بات بھی نہ مانی۔

تاجدارِ مدینہ کی عظمت

پھر اُنھوں نے عروہ بن مسعود سردار طائف کو حضورؐ کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کی طاقت کا بھی اندازہ لگائے اور اگر ممکن ہو تو کسی طرح اُنہیں واپسی پر رضامند کر دے۔ عروہ نے حضورؐ سے کہا کہ اے محمدؐ! تم ان لوگوں کو لے کر اپنی قوم کو مٹانے آئے ہو۔

قریش نے عہد کر لیا ہے کہ وہ تم کو زبردستی مکہ میں ہرگز نہ داخل ہونے دیں گے۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھی قریش کے حملہ کی تاب نہ لا کر تمہیں چھوڑ بھاگیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دشمن کر غصہ آ گیا اور ان کی اس سے جھڑپ ہو گئی۔

عُروہ نے واپس جا کر قریش سے کہا۔ اے قوم میں کسریٰ اور قیصر کے درباروں میں بھی گیا ہوں اور نجاشی کے دربار میں بھی گیا ہوں مگر جو شان میں نے محمدؐ کی دیکھی ہے وہ کسی بادشاہ کی نہیں دیکھی۔ ان کے ساتھی ان کے وضو کے پانی کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے اور ادب کی وجہ سے اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے اور اُن کے سامنے بلند آواز سے نہیں بولتے۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم ان سے نہ اُلجھو اور جس مقصد کے لئے آئے ہیں اسے پُورا کر لینے دو۔[1]

بیعتِ رضوان

اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بھی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر مکہ بھیجا تا کہ قریش کو رسول اللہ کے تشریف لانے کا مقصد بتا دیں اور انہیں عمرہ میں رکاوٹ ڈالنے سے باز رکھیں۔ مگر قریش نہ مانے اور حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر دیا۔

جب حضرت عثمانؓ واپس نہ آئے تو مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ رسول پاکؐ نے فرمایا کہ اب ہم جنگ کئے بغیر نہ لوٹیں گے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرام سے جان کی قربانی کا وعدہ لیا۔ اس وعدہ کو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ پر اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا۔

صُلح

اس واقعہ کی خبر جب مکہ پہنچی تو قریش ڈر گئے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ اور اُن کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا اور سہیل بن عمرو کو اپنی طرف سے صُلح کا

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲

پیغام دے کر بھیجا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ لڑائی کا پہلے ہی نہ تھا اس لئے مختصر گفتگو کے بعد ان شرطوں پر صلح ہو گئی۔

۱۔ دس سال تک مسلمانوں اور قریش میں لڑائی نہ ہو گی۔

۲۔ جو قبیلہ مسلمانوں سے معاہدہ کرنا چاہے اُن سے معاہدہ کرے اور جو قریش سے معاہدہ کرنا چاہے اُن سے معاہدہ کرے۔

۳۔ اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو اُسے واپس کرنا ہو گا۔ لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس چلا جائے تو اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔

۴۔ اس سال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ جائیں آئندہ سال آئیں مگر سوائے تلوار کے جو میان میں ہو گی کوئی ہتھیار نہ لائیں تین دن مکہ میں رہیں اور عمرہ کر کے واپس چلے جائیں۔

ان شرطوں میں سے تیسری شرط مسلمانوں کو ناگوار گزری۔ چنانچہ بعض صحابہ نے حضورؐ سے اس ناگواری کا اظہار بھی کیا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو چھوڑ کر کافروں میں جا ملے گا اس کا دور ہو جانا ہی بہتر ہے اور جو انہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آئے گا۔ اور ہم اُسے لوٹا دیں گے تو اللہ تعالےٰ اُس کے لئے چھٹکارے کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر ہی دے گا۔

اس صلح کے بعد مسلمانوں نے اپنے بال ترشوائے، احرام کے کپڑے اُتارے اور قربانیاں کیں اور مدینہ کو واپس ہو گئے۔

فتح یا شکست یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مسلمان اس صُلح کی شرطوں کو پسند نہ کرتے تھے اور انہیں اپنی کمزوری سمجھتے تھے چنانچہ صلح نامہ کی تکمیل ہو جانے کے بعد بھی احرام کھولنے میں اس وقت تک تیار نہ ہوئے جب تک کہ خود حضورؐ نے اپنا احرام نہ کھول دیا۔ مگر خداوند تعالےٰ نے اس صُلح کو "فتح" کا نام دیا اور درحقیقت یہ صلح فتح ہی ثابت ہوئی۔ اب تک کافروں کو مسلمانوں سے ملنے جُلنے

اور اُن کے مذہب کو سمجھنے اور اُن کے اخلاق کو پرکھنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ اب جو صلح ہوئی اور کافر مدینہ میں آزادانہ آنے جانے لگے تو انہیں یہ موقع ملا اور وہ اسلام کی خوبیاں دیکھ کر خود بخود مسلمان ہونے لگے۔

دوسرے قریش کی طرف سے اطمینان اور راستوں میں امن ہو جانے کی وجہ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے ملکوں میں بھی اسلام کا پیغام پہنچانے کا موقع ملا۔ چنانچہ سرکارِ نامدار نے مختلف قسموں کے بادشاہوں اور سرداروں کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے جن میں سے کئی خوش نصیب بادشاہوں نے سرورِ عالم کی غلامی قبول کی اور اس طرح اسلام کی قوت و عظمت میں کافی اضافہ ہو گیا۔

بادشاہوں کے نام خطوط

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کا بلاوا دینے کا ارادہ فرمایا تو آپؐ نے اپنے نام مبارک کی ایک مُہر بنوائی۔ یہ مہر چاندی کی تھی۔ اور اس پر محمد رسول اللہ کھُدا ہُوا تھا۔ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ عبارت اس طرح تھی کہ نیچے کی سطر میں "محمد" درمیانی سطر میں رسول اور اوپر کی سطر میں "اللہ" حال ہی میں حضورِ پُرنور کا ایک فرمان ملا ہے اس سے حدیثوں کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے[1]

جب آپؐ کسی بادشاہ کو خط بھیجتے تو یہ مُہر لگا دیا کرتے تھے۔

شہنشاہِ رُوم کے نام حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی کے ہاتھ شہنشاہِ روم کے پاس دعوتِ اسلام کا خط بھیجا۔ شہنشاہ اس زمانے میں زیارت کے لئے بیت المقدس آیا ہُوا تھا۔ حضرت دحیہؓ نے وہیں اُس کو خط پہنچایا۔

---

[1] محمد رسول اللہ ۔ ۱۲

اسی زمانہ میں قریش کا ایک گروہ ابوسفیان کی سرداری میں تجارت کے لئے ملک شام آیا ہوا تھا شہنشاہ نے ان لوگوں کو دربار میں بلا کر حضورؐ کے متعلق ان سے کچھ سوالات کئے۔ ابوسفیان اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر ان کے جوابات سے قیصر کو حضورؐ کی سچائی کا یقین ہوگیا۔ اس نے بھرے دربار میں کہا مجھے یقین ہے کہ محمدؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ خدا کے آخری پیغمبر پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوں گے۔ اے اہل عرب! اگر تمہارے یہ جوابات صحیح ہیں تو میں بتاتا ہوں کہ ان کا دین ترقی کرے گا اور وہ میرے قدموں کے نیچے کی زمین پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تو ضرور حاضر ہوتا۔

قیصر کی زبان سے یہ الفاظ سن کر اُس کے درباری مخالفانہ نعرے لگانے لگے اور وہ اس وقت خاموش ہوگیا۔

پھر جب وہ حمص پہنچا تو اس نے سردارانِ روم کو اپنے محل میں جمع کیا جب سب جمع ہوگئے تو دروازے بند کرا دیئے اور اپنے سرداروں سے کہنے لگا :۔

"اے روم کے سردارو! اگر تم ہدایت اور کامیابی چاہتے ہو اور اپنی سلطنت کی پائیداری چاہتے ہو تو میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم نبی عربی کا دین قبول کرلو"

قیصر کی زبان سے یہ لفظ سن کر سردار جنگلی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگنے لگے لیکن دروازے پہلے ہی بند تھے اس لئے نکل نہ سکے۔

قیصر نے جب اپنے سرداروں کی نفرت کا یہ حال دیکھا تو اُسے سلطنت ہاتھ سے نکل جانے کا ڈر ہوا اور اُس نے اپنی بات کو پلٹ دیا اور کہنے لگا۔

"اے سردارو! تم میری بات کو سچ سمجھنے لگے میں تو اپنے مذہب پر تمہاری پختگی کا امتحان کرتا تھا"[1]

---

[1] نور الیقین ۱۲

شہنشاہِ ایران کے نام عبداللہ بن حذافہ شہنشاہِ ایران کے پاس حضورؐ کا خط لے کر گئے۔ اس مغرور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پُرزے پُرزے کر دیا۔ جب حضورِ اکرمؐ کو خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے اس کی سلطنت کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے۔ آنحضرتؐ کا کہنا سچ ہوا۔ ایران کی یہ عظیم الشان سلطنت بہت جلد دُنیا کے نقشہ سے مٹ گئی۔

اس گستاخ نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ یمن میں اپنے گورنر باذان کو لکھا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اسے پکڑ کر میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے اس مقصد کے لئے حضورؐ کے پاس دو آدمی بھیجے۔ جب یہ آدمی حضورؐ کی خدمت میں پہنچے تو آپؐ نے ان سے فرمایا۔ باذان سے کہدو کہ تمہارا شہنشاہ تو مارا گیا۔ باذان کے آدمی جواب لے کر لوٹ آئے۔ ادھر باذان کے پاس یہ آدمی پہنچے۔ ادھر نئے بادشاہ "شیرویہ" کا قاصد خط لے کر پہنچا جس کا مضمون یہ تھا:-

ہم نے اپنے باپ پرویز کو اس کے ظلموں کی وجہ سے قتل کر دیا ہے۔ اب تم اپنے مُلک میں میری بعیت لو اور جن صاحب کو میرے باپ نے حجاز سے بلوایا تھا ان سے تعرض نہ کرو۔

باذان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کھلے معجزے کو دیکھ کر فوراً اسلام قبول کر لیا اور اس کی تمام قوم بھی مسلمان ہو گئی۔[1]

شاہ حبش کے نام حضور پُرنورؐ نے عمرو بن امیۃ الضمری کے ہاتھ نجاشی شاہِ حبش کے نام خط بھیجا۔ نجاشی کو مہاجرینِ حبش کے ذریعے پہلے ہی اسلام کی خوبیاں معلوم ہو چکی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کی تعظیم کے لئے وہ تخت سے نیچے اُتر آیا اور ادب سے لے کر آنکھوں سے لگایا اور مسلمان ہو گیا۔

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲

اس نے اپنے بیٹے " ارہا بن اصحم" کو بھی حضورؐ کی خدمت میں ساٹھ آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا اور کہلا بھیجا یا رسول اللہ اگر میں حاضر ہو سکتا تو خود حاضر ہوتا۔

نجاشی کا جب انتقال ہوا تو خداوند تعالیٰ نے درمیانی پردے اُٹھا دیئے اور سرکارِ نامدارؐ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی۔[1]

شاہِ مصر کے نام سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس شاہِ مصر کے پاس خط دے کر بھیجا۔ مقوقس نے اسلام تو قبول نہیں کیا۔ لیکن آپؐ کے نامۂ مبارک کی بڑی تعظیم کی۔ اسے سینہ سے لگا کر ہاتھی دانت کی ڈبیا میں محفوظ کر دیا۔[2] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سے تحفے تحائف بھیجے جن میں کئی باندیاں، غلام، چوپائے اور دوسری قیمتی اشیاء شامل تھیں۔ ان کے علاوہ ایک حکیم صاحب بھی تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام تحفے قبول فرمالئے مگر حکیم کو یہ کہہ کر واپس فرمادیا کہ ہم لوگ خوب بھوک لگنے پر کھاتے ہیں اور جب کچھ بھوک باقی رہتی ہے تو اُٹھ جاتے ہیں اس لئے ہمیں حکیم صاحب کی ضرورت نہیں۔

مقوقس نے جو باندیاں بھیجی تھیں ان میں ماریہ قبطیہؓ بھی تھیں انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پسند فرمالیا اور انہی کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

دُوسرے بادشاہوں کے نام ان کے علاوہ حضور پُرنُورؐ نے امیر بُصریٰ، امیر دمشق، شاہِ بحرین، شاہانِ عمان، شاہ یمامہ اور دوسرے بادشاہانِ عالم کے نام بھی دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کیا اور بعض نے نہیں۔

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲ [2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نامہ مبارک ایک فرانسیسی عالم کو مصر کے ایک گرجا میں دستیاب ہوا۔ چنانچہ اب قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے (محمد ص ۳۳۸) ۱۲

جن بادشاہوں نے اسلام قبول کیا ان کے ملکوں میں تو اسلام پھیلا ہی مگر جن بادشاہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ ان کے ملکوں میں بھی اسلام کا چرچا ضرور ہو گیا۔ اور دعوتی خطوط بھیجنے سے حضورؐ کا مقصد یہی تھا۔

غزوۂ خیبر

سنہ ۷ھ میں صلح حدیبیہ سے فراغت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر چڑھائی کرنے کی تیاری کی۔ یہ وہی لوگ تھے جو غزوۂ خندق میں عرب کے قبیلوں کو مسلمانوں پر چڑھا لائے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف انہیں اُبھارتے رہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار چھ سو (۱۶۰۰) صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ خیبر میں یہودیوں کے بہت سے قلعے تھے مسلمانوں نے ایک ایک کر کے سب قلعے فتح کر لئے۔ مسلمانوں سے مغلوب ہو کر، یہودیوں نے درخواست کی کہ ہم آدھی پیداوار سالانہ بطور خراج دیا کریں گے۔ ہمیں یہاں رہنے دیا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو منظور فرما لیا مگر یہ شرط ٹھہرا لی کہ جب ہم کہیں گے تمہیں یہاں سے چلا جانا ہو گا۔

اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہت بہادری دکھائی۔ آپ کا مقابلہ یہود کے مشہور بہادر مرحب سے ہوا۔ مرحب لڑائی کے تمام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر بڑے غرور کے ساتھ نکلا اور حضرت علیؓ پر نیزہ سے حملہ کیا۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال چھوٹ کر دُور جا پڑی۔ پاس ہی ایک دروازہ پڑا تھا حضرت علیؓ نے فوراً اُسے اٹھا لیا اور اس پر مرحب کے حملوں کو روک کر اس زور سے اس پر تلوار کا وار کیا کہ پہلے اس کی ڈھال کو توڑا۔ پھر اس کے خود کو توڑ کر اس کی کھوپڑی کے پرخچے اُڑا دیئے۔[1]

---

[1] محمدؐ رسول اللہ ۱۲

حضورؐ کی شانِ عفو اسی لڑائی میں مرحب کی بہن زینب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود گوشت بھیجا۔ رسولِ مقبول نے صرف ایک بوٹی کھا کر تھوک دی۔ لیکن ایک دوسرے صحابی بشر بن براء جنہوں نے اسے کھا لیا تھا، انتقال کر گئے۔

زینب جب پکڑی ہوئی آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس حرکت کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی میں نے آپؐ کو آزمانے کے لئے یہ حرکت کی تھی کیونکہ میرا خیال تھا کہ اگر آپؐ نبی ہوں گے تو آپؐ کو اس سے کچھ نقصان نہ ہوگا اور اگر نبی نہ ہوں گے تو ہم آپؐ سے چھٹکارا پا جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سُن کر اُسے معاف فرما دیا۔

تین سردارانِ مکہ کا قبولِ اسلام صُلح حدیبیہ کے بعد ہی مکہ کے تین بہادر اور معزز سردار جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کافروں کے لشکر کی سالاری کی خدمت انجام دیتے رہے تھے مسلمان ہوئے۔ یہ سردار خالد بن ولید مخزومی، عمرو بن عاص اور عثمان بن ابی طلحہ ہیں۔ حضورؐ کو ان کے اسلام لانے سے بڑی خوشی ہوئی اور آپؐ نے حضرت خالد سے فرمایا۔ مجھے تمہاری دانائی سے یہی اُمید تھی کہ تم بھلائی قبول کر کے رہو گے۔ حضرت خالدؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا سے دُعا کیجئے کہ وہ میرے اُن لڑائیوں کے گناہ معاف کرے جن میں میں آپؐ کے خلاف لڑا ہوں۔ حضورؐ نے جواب دیا۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں[1]

عمرۂ قضاء ۷ھ میں صلح حدیبیہ کے اگلے سال رسول اکرمؐ اپنے پچھلے سال کے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کی قضا کے لئے نکلے۔

شرطِ صُلح کے مطابق مسلمانوں نے اپنے ہتھیار مکہ سے باہر ہی چھوڑ دیئے اور

---

[1] نور الیقین ۱۲

صرف ایک تلوار باندھ کر حرم میں داخل ہوئے۔ کافر اس دوران میں مکہ سے باہر نکل گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے خواب کو سچا کر دکھایا۔

سریۂ موتہ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں کے نام تبلیغ اسلام کے لئے جو خطوط بھیجے تھے ان میں ایک امیر بصریٰ شرجیل بن عمرو غسانی کے نام بھی تھا۔ اس ظالم نے حارث بن عمیر کو (جو خط لے کر گئے تھے) قتل کر ڈالا۔ حضورؐ نے حارث کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزار صحابہ کا ایک لشکر حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرداری میں روانہ کیا۔ اس لشکر کو روانہ کرتے وقت آپؐ نے جو ہدایتیں فرمائیں وہ آج کل کے مہذب سپہ سالاروں کے لئے سبق حاصل کرنے کے قابل ہیں۔

- آپؐ نے فرمایا۔ ملک شام میں تم کچھ لوگوں کو گرجاؤں میں گوشہ نشین پاؤ گے تم اُن سے نہ اُلجھنا۔
- کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔
- کسی بچہ پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔
- کسی بوڑھے کو نہ ستانا۔
- کسی درخت کو نہ کاٹنا۔

جب لشکرِ اسلام ملکِ شام میں مقامِ "موتہ" میں پہنچا تو وہاں دو لاکھ شامی اور رومی عیسائیوں سے مقابلہ ہوا۔ سردارِ لشکر حضرت زیدؓ شہید ہو گئے تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سردار بنائے گئے۔ حضرت جعفرؓ نے بڑی بہادری سے لڑتے لڑتے جب ان کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں اسلامی جھنڈا لے لیا۔ جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو گود میں لے لیا اور اسی حال میں شہادت پائی۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ سردار بنائے گئے لیکن انہوں نے بھی شہادت پائی۔ پھر حضرت خالدؓ بن ولید اسلامی لشکر کے سردار منتخب کئے گئے۔ آپؓ نے اپنی جنگی تدابیر سے عیسائیوں کو شکست دی اور اسلامی لشکر کو کامیاب لوٹا لائے۔

لشکر کے واپس آنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ رسول پاکؐ کو واقعہ

کی خبر دیدی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا۔
پہلے زیدؓ نے جھنڈا اُٹھایا اور شہید ہو گئے۔ پھر جعفرؓ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ابن رواحہ نے سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر "خدا کی ایک تلوار" نے جھنڈے کو بلند کیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ [1] یہ واقعہ ۸ھ کا ہے۔

فتح مکّہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کفارِ مکّہ کے درمیان "حدیبیہ" کے مقام پر جو صلح ہوئی تھی وہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا اور جب انہوں نے خاص حرم میں پناہ لی تو وہاں بھی انہیں نہ چھوڑا اور بے دھڑک قتل کیا۔
"قبیلہ خزاعہ کے چند سردار حضور صلی اللہ علیہ کی خدمت میں شکایت لے کر پہنچے۔ اور مسلمانوں سے قریش کی اس زیادتی کا بدلہ لینے کی درخواست کی۔ چنانچہ رسولِ کریمؐ دس ہزار کا لشکر لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہو گئے۔
لشکرِ اسلام نے "مرالظہران" پر پہنچ کر قیام کیا۔ قریش کو خبر ملی کہ مسلمان اُن کے سر پر آ پہنچے ہیں تو ان کے سب سے بڑے سردار ابو سفیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس خبر کی تحقیق کے لئے نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ جنگل انسانوں سے پٹا پڑا ہے اور ساری فضا آگ کے شعلوں سے جگمگا رہی ہے وہ اس قدر تعداد میں مسلمانوں کو دیکھ کر سہم گئے اور ہکّے بکّے کھڑے رہ گئے۔
اسی حالت میں اسلامی لشکر کے پہرے داروں نے انہیں دیکھ لیا اور انہیں پکڑ کر

---

[1] نور الیقین ۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی صورت دیکھتے ہی تلوار میان سے نکال لی اور کہنے لگے یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ آج اس خدا کے دشمن کی گردن اُڑا دوں۔ مگر حضرت عباسؓ کی سفارش پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف فرما دیا۔ رات بھر ابوسفیان حضرت عباسؓ کے خیمہ میں رہے۔ دوسرے دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کے لہجہ میں پوچھا۔ ابوسفیان کیا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے میں اب بھی کچھ تامل ہے۔ ابوسفیان نے ندامت کے ساتھ گردن جھکالی اور کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ کے رحم و کرم کے قربان میں مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے[1]

مکہ میں داخلہ

آخر کار وہ وقت آگیا کہ "فتح مبین" کا خداوندی وعدہ پورا ہوا۔ اللہ کا وہ رسول جو کافروں کے نرغہ سے نکل کر رات کی تاریکی میں ایک رفیق کے ساتھ مکہ سے مدینہ روانہ ہوا تھا دس ہزار فدائیوں کے جھرمٹ میں فاتح کی حیثیت سے دوبارہ مکہ میں داخل ہو رہا ہے۔ داخلہ کی شان یہ تھی کہ ہر ہر قبیلہ اپنے اپنے سردار کے پیچھے پیچھے اپنا اپنا جھنڈا اُٹھائے چلا آرہا تھا سب سے پیچھے انصار و مہاجرین کے گروہ میں شہنشاہِ مدینہ تشریف لا رہے تھے۔ آپؐ اپنی سواری قصواء پر اپنے غلام حضرت زیدؓ بن ثابت کے ساتھ سوار تھے۔ آپؐ کی گردن رب العزت کی درگاہ میں جھکی ہوئی تھی اور آپؐ انکسار کے طور پر فرما رہے تھے:

اللھم ان العیش عیش الآخرۃ۔

"اے میرے اللہ آخرت کی زندگی ہی اصلی زندگی ہے"[2]

۲۰ رمضان ۸ھ کو جمعہ کے دن حضور پُرنور مکہ کے بالائی حصہ سے شہر میں

---

[1] نور الیقین ۱۲ [2] محمد رسول اللہ ۱۲

داخل ہوئے۔ آپؐ نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے وہ مامون ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے وہ بھی مامون ہے اور جو اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اور مقابلہ نہ کرے وہ بھی مامون ہے۔ اسلامی لشکر کی یہ شان و شوکت دیکھ کر کفارِ مکہ پر رعب چھا گیا۔ سوائے چند لوگوں کے جن کا خالدبن ولیدؓ سے مقابلہ ہُوا کوئی سامنے نہ آیا اور اس طرح مکہ نہایت امن و سکون کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

کعبہ کی صفائی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے خانہ کعبہ میں پہنچے اور حجرِاسود کو بوسہ دے کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ لشکرِ اسلام نے بھی نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے اور اس زور و شور سے کہ سارا مکہ گونج اُٹھا۔ مسلمانوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ لگاتار نعرے بلند کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس وقت تک نہ رُکے جب تک خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ روکا۔ اس کے بعد آپؐ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ کعبہ کے چاروں طرف ۳۶۰ بُت رکھے تھے۔ اس وقت آپؐ کے ہاتھوں میں ایک لکڑی تھی۔ آپؐ اس سے ایک ایک بُت کو گراتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے "سچائی کا ظہور ہُوا اور باطل دُور ہُوا"۔

پھر آپؐ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ وہاں دیواروں پر جو تصویریں بنی ہوئی تھیں اُنہیں مٹوایا۔ جو بُت رکھے ہُوئے تھے انہیں نکلوایا اور دو رکعت نماز ادا کی۔

رحمتِ عالم کی شانِ رحمت ان امور سے فارغ ہو کر حضورؐ صحنِ کعبہ میں تشریف فرما ہُوئے اور صحابہ کرامؓ آپؐ کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔ اس وقت کفارِ مکہ کے دل دھڑک رہے تھے اور وہ دم کانپ رہے تھے کہ دیکھئے آج ہمیں ہمارے کرتوتوں کی سزا ملتی ہے۔ آپؐ نے کفار کی جماعت کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا :۔

"اے قریش! آج تم مجھ سے کس قسم کے برتاؤ کی امید رکھتے ہو؟ انہوں

نے ایک زبان ہوکر کہا ہمیں آپ سے بھلے برتاؤ کی ہی اُمید ہے۔ آپ ہمارے شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ رحمتِ عالم نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم وکرم کی یہ شان دیکھ کر کفار آپ کے قدموں میں گر پڑے اور قریب قریب تمام مکہ والے اسی دن مسلمان ہو گئے۔ [1]

کافروں میں سے ایک شخص جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا تو رعب سے اُس کے بدن پر لرزہ چھا گیا اور اس کے قدم ڈگمگانے لگے۔ سرورِ عالم نے درد بھرے لہجہ میں اس سے فرمایا۔ بھائی! ڈرو مت میں بھی قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔" [2]

فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والوں میں سے یہ لوگ قابلِ ذکر ہیں:

ابوسفیان بن حرب۔ معاویہؓ بن ابوسفیان۔ حضرت ابوبکرؓ کے والد قحافہ اور ابوسفیان بن الحارث۔

عہد کی پابندی

جب مکہ فتح ہو گیا تو انصار میں سے بعض کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب حضورؐ اپنے وطن تشریف لے آئے ہیں اور آپ کے خاندان والے سب مسلمان ہو گئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اب حضورؐ ہمیں چھوڑ دیں اور یہیں قیام فرمالیں۔

انصار کے اس اندیشہ کی حضورؐ کو بھی کسی طرح خبر ہو گئی۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں میری طرف سے کچھ اندیشہ ہے۔ پہلے تو انصار نے چھپانے کی کوشش کی مگر جب آپ نے اصرار فرمایا تو انہوں نے کہہ دیا ہمیں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ حضورؐ اب اپنے خاندان میں قیام نہ فرمالیں۔ حضورؐ نے فرمایا معاذ اللہ! کہیں یہ ہو سکتا ہے میری زندگی اور موت تم لوگوں کے ساتھ ہے [3]

---

[1] نور الیقین ۱۲۰ [2] دروس التاریخ ۱۲

[3] حیات سید العرب ۱۲

غزوۂ حنین

مکہ اور طائف کے درمیان بنی ثقیف اور ہوازن کے دو قبیلے آباد تھے۔ یہ بہت بہادر اور سرکش قبیلے تھے۔ جب انہیں "فتح مکہ" کی خبر ملی تو بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے سوچا کہ اب تک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم قریش سے مقابلہ کی وجہ سے ہماری طرف رُخ کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ قریش سے فارغ ہو جانے کے بعد اب وہ ہماری خبر لیں گے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم خود ہی اُن پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ یہ دونوں قبیلے اپنی پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ آپؐ کو جب ان کے اس ارادہ سے اطلاع ملی تو بارہ ہزار کا لشکر لے کر آپؐ بھی ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں دس ہزار انصار و مہاجرین تھے۔ دو ہزار فتح مکہ کے نو مسلم اور اَنشی کافر بھی تھے جو مالِ غنیمت کے لالچ میں مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔

اس زبردست لشکر کی شان و شوکت کو دیکھ کر بعض مسلمانوں کو گھمنڈ پیدا ہُوا۔ اور اُن کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ اس لڑائی میں ہم نہیں ہار سکتے۔

جب یہ لشکر دشمن کے پڑاؤ کے پاس پہنچا تو حضورؐ نے صف بندی فرمائی۔ پھر ایک دستہ کو دشمن کے مقابلے کے لئے آگے روانہ کیا۔ جونہی مسلمانوں کا یہ دستہ آگے بڑھا دشمن کی فوج کے سپاہیوں نے جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپے بیٹھے تھے اُن پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔

مسلمانوں کا یہ دستہ اس خلافِ توقع تیر باری سے پریشان ہوگیا اور اس کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ جب پچھلے دستوں نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح سارا لشکر تتر بتر ہوگیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند جانثاروں کے ساتھ جن میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھے اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ آپؐ نے حضرت

عباسؓ سے جن کی آواز بلند تھی فرمایا، لوگوں کو پکارو۔ آپؓ نے پکارنا شروع کیا۔ اے جماعت انصار! اے بیعتِ رضوان والو! کہاں جارہے ہو؟ اس آواز کو سنتے ہی مسلمانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے لوٹنا چاہا۔ مگر اس بھگدڑ میں اُن کے اونٹ اُن کے روکے نہ رُکے۔ آخر وہ اپنی تلواریں سونت کر اونٹوں کی پشت پر سے کود پڑے اور دوبارہ جمع ہو کر دشمن پر اس زور سے حملہ کیا کہ اس کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بنی ثقیف اور ہوازن اپنی عورتوں اور بچوں اور بے شمار مالِ غنیمت کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اسلام کی تاریخ میں یہ دوسرا موقع تھا کہ لشکرِ اسلام میں شکست کی صورت پیدا ہوئی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر مسلمانوں کے دل میں کچھ گھمنڈ پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے اپنی تعداد کے بھروسہ پر دشمن کی چالوں کی پرواہ نہ کی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ لشکر میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خدا کے راستے میں لڑنے کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ مالِ غنیمت حاصل کرنا اُن کا مقصد تھا۔ اس لئے اس لڑائی سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کی لڑائی صرف اللہ کے لئے ہونی چاہیئے اور انہیں اس راستے میں صرف اللہ ہی کی مدد پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

"حنین" میں شکست کھانے کے بعد دشمن کے کچھ آدمی طائف کی طرف بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ یہ لوگ بہت سا کھانے پینے کا سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو بیٹھے۔ مسلمان اٹھارہ دن تک انہیں گھیرے پڑے رہے۔ مگر اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ آخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی رائے کے مطابق انہیں چھوڑ کر لوٹ آئے۔ کچھ مدت بعد یہ لوگ خود مدینہ میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے۔

ہمیں رسول اللہ کافی ہیں

غزوۂ حنین میں کافر بے شمار مال و اسباب چھوڑ کر بھاگے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غنیمت کا سارا حصہ ان لوگوں میں تقسیم کیا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ تاکہ ان کا دل خوش ہو جائے۔ انصار میں سے بعض لوگوں کو یہ امتیاز اچھا نہ معلوم

15857

نہ ہُوا اور اُنھوں نے آپس میں کہا تعجب ہے کہ حضورؐ قریش کو تو مالِ غنیمت دے رہے ہیں اور ہمیں نہیں دیتے۔ حالانکہ ہماری تلواریں ابھی تک قریش کے خون سے رنگین ہیں۔

کسی طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچ گئی۔ تو آپؐ نے انہیں الگ ایک جگہ جمع کیا اور ایک تقریر فرمائی اور کہا:-

"اے انصار! میں یہ کیا سُن رہا ہوں؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تمہیں ہدایت کا راستہ دکھایا۔ اور تم لوگ تنگدست تھے خدا نے میری وجہ سے تمہیں آسودہ کیا۔ تم لوگ آپس میں دشمن تھے۔ خدا نے میرے ہاتھوں تمہیں ایک دوسرے کے گلے ملایا۔ اب تم دُنیا کے تھوڑے سے مال کی خاطر دل میں مَیل لاتے ہو۔ اے انصار! تم لوگ تو اسلام پر ثابت قدم ہو چکے۔ یہ قریش نئے نئے مسلمان ہُوئے ہیں۔ مَیں نے ان کا دل رکھنے کے لئے انہیں مالِ غنیمت دیدیا ہے۔ اے انصار! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ تو اُونٹ اور بکریاں اپنے ساتھ لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھر لے جاؤ۔ خدا کی قسم! مجھے تو تم سے اتنی محبت ہے کہ اگر مہاجر نہ ہوتا تو انصاری ہونا پسند کرتا اور اگر لوگ جدا جدا راستے اختیار کرتے تو میں انصار کا راستہ اختیار کرتا۔"

رسول اکرمؐ کی یہ تقریر سُن کر انصار بے اختیار رونے لگے اور اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور پھر آنسو پونچھ کر کہنے لگے۔

"ہمیں مالِ غنیمت کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے اللہ کے رسول کافی ہیں۔" [۵]

---

[۵] نورالیقین ۱۲

مدینہ منورہ کو واپسی اس مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد مقام "جعرانہ" سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا۔ مکہ میں واپس تشریف لائے اور عمرہ ادا کیا۔ پھر حضرت عتاب بن اُسید کو جن کی عمر اگرچہ صرف اٹھارہ ۱۸ سال کی تھی مگر نیکی اور پرہیزگاری میں خاص درجہ رکھتے تھے، وہاں کا امیر مقرر کر کے مدینہ منورہ کو لوٹ آئے۔

غزوۂ تبوک

۹ھ کے درمیان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ شام کا عیسائی بادشاہ جس سے مقام "موتہ" میں مسلمانوں کا مقابلہ ہو چکا تھا۔ قیصر روم کی امداد سے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔

یہ سال قحط کا تھا اور موسم بھی بہت گرم تھا اور پھر سفر بھی بہت دُور کا تھا لیکن اسلام کے فدائی حضورؐ کا حکم پاتے ہی تیار ہو گئے۔

عاشقانِ رسول کی مالی قربانیاں بہت سے مسلمان ایسے تھے جن کے پاس سفر کا سامان نہ تھا اس لئے چندہ کرنے کی ضرورت پیش آئی اور رسول کریمؐ نے مالدار صحابہؓ کو اس نیک کام میں حصّہ لینے کی دعوت دی۔

حضرت عثمان غنیؓ نے دس ہزار دینار، تین سو اونٹ معہ ساز و سامان کے اور پچاس گھوڑے پیش کئے۔ جس وقت آپؐ نے یہ بھاری رقم حضورؐ کی گود میں لا کر ڈالی تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر اُسے پلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اس نیک عمل کے بعد عثمانؓ کا کوئی عمل اُنہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ پھر دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا :-

"اے اللہ! عثمانؓ سے راضی ہو کہ میں اس سے راضی ہوں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال و متاع جس کی قیمت چالیس ہزار درہم تھی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ آپؐ نے پوچھا اے ابوبکر! تم نے اپنے بال بچوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ "اللہ اور رسولؐ ان کے لئے کافی ہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوئے۔ اسی طرح دوسرے دولتمند صحابہ عبدالرحمٰن بن عوف، عباس و طلحہ رضی اللہ عنہم نے بڑی بڑی رقمیں چندہ میں دیں۔ مردوں کے علاوہ عورتوں نے بھی اس چندہ میں دل کھول کر حصّہ لیا۔ بہت سی بیبیوں نے اپنے زیور اُتار اُتار کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیئے[1]

جب اس طرح لشکر کا ساز و سامان درست ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابہ کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ منافقین کی جماعت اس لشکر میں شریک نہیں ہوئی بلکہ اُنہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی بھکانے کی کوشش کی اور ان سے کہا کہ اس گرمی میں مت جاؤ۔ خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی بھیجی کہ ان منافقوں سے کہہ دو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔

رسول اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو مدینہ منورہ میں خاندان کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑ دیا اور اس سب سے بڑے اسلامی لشکر کا جھنڈا جو رسول کریمؐ کے ساتھ سب سے آخری لڑائی لڑنے کے لئے نکلا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا[2]

مقام تبوک (جو مدینہ سے ۱۴ منزل جانب دمشق ہے) میں پہنچ کر حضورؐ نے قیام فرمایا۔ مگر غسانی بادشاہ مقابلہ کے لئے نہ آیا اور لڑائی نہ ہوئی۔

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دس روز تک یہاں ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں ایلہ (شام) کا حاکم یوحنا ابن روبہ اور شام کے دوسرے شہروں جرباء، اذرح اور

---

[1] نور الیقین و محمد رسول اللہ۔ ۱۲   [2] نور الیقین ۱۲

مینیا کے روساء حاضر خدمت ہوئے اور جزیہ دینا قبول کر کے اسلام کی پناہ میں آ گئے۔ حضور پُرنور کی طرف سے ان کو امان کا فرمان لکھ دیا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے آگے بڑھنے کے متعلق مشورہ کیا حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! اگر خدا کا حکم ہے تب تو بے تامل بڑھے چلئے ورنہ آگے جانا مناسب نہیں۔ ہماری ہیبت عیسائی حکمرانوں کے دلوں پر چھا چکی ہے اور یہی ہمارا مقصد تھا۔ رسول اقدسؐ نے فرمایا کہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو میں تم لوگوں سے مشورہ نہ کرتا۔ اور پھر حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق فرما کر مدینہ کو روانگی کا حکم دیا۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی آخری لڑائی تھی۔

حج ابوبکرؓ

ذی قعدہ ۹ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر تین سو مسلمانوں کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ فرمایا۔

حضرت ابوبکرؓ نے مسلمان حاجیوں کو اسلامی طریقہ کے مطابق حج کرنے کی تعلیم دی اور پھر مقام منیٰ میں عرب کے مشرکین کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ عام پڑھ کر سنایا۔ اس اعلان کا خلاصہ یہ ہے:۔

"جن مشرکوں سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے اس کی میعاد تک ان کیساتھ اس معاہدہ کی پابندی کی جائے گی لیکن جن مشرکوں سے کوئی معاہدہ نہیں ہے یا معاہدہ تو تھا مگر انہوں نے غدّاری کر کے اسے توڑ دیا۔ ان کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد خدا اور رسول ان کی ذمہ داری سے بری ہیں۔"

پھر منادی کرا دی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے ارادہ سے نہ آئے اور کوئی ننگا شخص جاہلیت کی رسم کے مطابق خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔

دشمن کے ساتھ برتاؤ

اسی سال ذی قعدہ کے مہینہ میں عبداللہ بن اُبی کا انتقال ہو گیا۔ واضح ہو کہ یہ شخص مدینہ کے منافقوں

کا سردار تھا اور ہمیشہ درپردہ مُسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ مگر رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رحمت کی شان دیکھو کہ آپؐ نے اُس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی اور قبرستان بھی تشریف لے گئے۔ بہت سے منافق آپؐ کا یہ اخلاق دیکھ کر سچے دل سے مُسلمان ہو گئے۔ مگر پھر بعد میں خداوند تعالیٰ نے حضورؐ کو کافروں کی نماز پڑھنے اور ان کی قبر پر جانے کی ممانعت فرمادی[1]

تبلیغ کا طریقہ سنہ ۱۰ھ میں رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو تبلیغِ اسلام کے لئے یمن روانہ کیا۔ چلتے وقت آپؐ نے انہیں ہدایت کی کہ دیکھو لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا۔ سختی نہ برتنا۔ اُن کا دل لبھانا۔ انہیں نفرت نہ دلانا۔ تم ان لوگوں کے پاس پہنچو گے جو اہلِ کتاب ہیں تو دیکھو پہلے اُنہیں کلمہ پڑھنے کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسے منظور کرلیں تو اُن سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے رات دن میں پانچ وقت کی نمازیں اُن پر فرض کی ہیں۔ اگر وہ اسے بھی تسلیم کرلیں تو اُن سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر زکواۃ فرض کی ہے جو امیر آدمیوں سے لے کر غریب آدمیوں کو دی جاتی ہے۔ اگر وہ اسے بھی مان لیں تو زکوٰۃ میں ان کا اچھا اچھا مال چھانٹ کر نہ لینا۔ اور دیکھو مظلوم کی بددُعا سے بچو۔ کیونکہ جب اُس کے دل سے آہ نکلتی ہے تو اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہتا[2]

حجۃ الوداع

ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ میں سرکارِ مدینہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حج کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے نکلے اور اس شان سے نکلے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار جاں نثار آپؐ کے ساتھ تھے۔ یہ حج آپؐ کا آخری حج تھا چنانچہ اس موقعہ پر آپؐ نے جو دو خطبے دیئے اُنہیں اُمّت

---

[1] نور الیقین ۱۲ [2] حیات سید العرب ج ۲

کے نام آپؐ کا آخری پیغام کہا جا سکتا ہے۔

آپؐ نے خدا کی تعریف کے بعد فرمایا :-

"لوگو! جو کچھ میں کہوں اُسے توجہ سے سُنو! شاید اگلے سال پھر یہ موقع نہ ملے دیکھو جس طرح تم اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی عزت کرتے ہو اسی طرح تمہاری جان اور تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے تمام دستور آج میں ملیامیٹ کرتا ہوں۔ زمانۂ جاہلیت کی سُود کی رسم اب بند کی جاتی ہے اور پرانے خون کے حق اب ختم کئے جاتے ہیں۔"

لوگو! عورتیں تمہارے ہاتھوں میں بے بس ہیں۔ تم نے انہیں اللہ کو ضامن بنا کر حاصل کیا ہے۔ لہٰذا ان سے برتاؤ کرتے وقت اللہ سے ڈرنا ان کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آنا۔ دیکھو غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا جو خود کھاؤ وہی اُنہیں کھلانا اور جو خود پہنو وہی انہیں پہنانا اور اُن سے کوئی خطا ہو تو اسے معاف کرنا۔

لوگو! تم سب کا پالنے والا ایک ہے اور تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے ورنہ یوں عرب والے اور عجم والے سب برابر ہیں۔

دیکھو میرے بعد کافر بن کر ایک دُوسرے کو قتل نہ کرنے لگنا میں دو چیزیں تمہارے لئے چھوڑے جاتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ کی کتاب اور اپنی سُنّت، جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔"

ان کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ آخر میں فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میرا یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ آپؐ بیچ بیچ میں صحابہ سے پوچھتے جاتے تھے بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اور جب صحابہ جواب دیتے تھے کہ ہاں یا رسول اللہ!

آپؐ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ تو آپؐ فرماتے تھے کہ "اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں تبلیغ کا حق ادا کر چکا۔

اسی موقع پر سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (پ ۶ع۵) "آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا"

وفود کی آمد

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے صلح حدیبیہ کے بعد جب عرب کے مختلف قبیلوں کو ملنے جلنے اور اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کا موقع ملا تو عام طور پر ان میں اسلام قبول کرنے کا میلان پیدا ہو گیا۔ مگر پھر بھی چونکہ قریش ان کے دینی پیشوا تھے اس لئے وہ اس دین کی طرف اپنا قدم بڑھانے سے پہلے ان کی پیش قدمی کے منتظر تھے۔

"فتح مکہ" کے بعد جب قریش نے دین اسلام قبول کر لیا تو عرب کے دوسرے قبیلے بھی دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ چنانچہ ۹ھ اور ۱۰ھ میں حضورؐ کی خدمت میں عرب کے بہت سے قبیلوں کے وفد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ یہ وفد زیادہ تر ۹ھ میں آئے اس لئے اس سال کو عام الوفود (وفدوں کا سال) کہا جاتا ہے۔ ان وفود میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ رسول کریمؐ کا طریقۂ تعلیم معلوم ہو جائے۔

وفدِ ثقیف غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد بنی ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے مسجدِ نبویؐ کے قریب ان کے لئے خیمہ لگوا دیا۔ تاکہ مسلمانوں کی عبادت کا طریقہ دیکھ سکیں۔ اور قرآن کریم کو سُن سکیں۔

بنی ثقیف نے کچھ دن مدینہ میں رہنے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ رسول اکرمؐ

نے عثمان بن ابی العاص کو ان کا امام مقرر کر دیا۔ یہ اگرچہ سب سے کم عمر تھے مگر اسلام کی تعلیم سے سب سے زیادہ واقف تھے۔ جتنے دن وفد مدینہ میں رہا اُنھوں نے اتنے ہی دن میں اپنی قوم سے چھپ چھپ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بہت سی قرآن کی سُورتیں اور دین کے احکام سیکھ لئے تھے۔

وفدِ نجران نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے جو سنہری کام کا ریشمی لباس پہنے ہُوئے تھے۔ اُنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیمتی اُونی چادریں اور تصویر دار بچھونے تحفہ کے طور پر پیش کئے۔ آپؐ نے چادریں قبول کر لیں مگر بچھونے واپس فرما دیئے۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو مسجد نبویؐ ہی میں انھوں نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے اپنے طریقہ کے مطابق نماز پڑھی۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمہارے مسلمان ہونے میں تین باتیں حائل ہیں۔ صلیب کی عبادت کرنا۔ سؤر کا گوشت کھانا اور عیسٰیؑ کو اللہ کا بیٹا سمجھنا۔

اہلِ وفد نے کہا عیسٰی کی طرح کوئی بن باپ کے پیدا نہیں ہُوا۔ اس لئے ضرور ان کا باپ خدا ہے۔

اس پر وحی خداوندی کے مطابق آپؐ نے اُنہیں جواب دیا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو بھی تو بن باپ کے ہی پیدا کیا تھا۔ مگر یہ لوگ مسلمان نہ ہُوئے بلکہ جزیہ دینا منظور کر کے اسلام کی پناہ میں آ گئے۔

وفدِ ضمام رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنی مجلس میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ ضمام بن ثعلبہ جو بنی سعد بن بکر کا ایک سردار تھا اپنے اونٹ کو لئے ہُوئے صحنِ مسجد میں داخل ہُوا۔ آتے ہی کہا تم میں عبدالمطلب کا بیٹا

کون ہے؟ صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے آپؐ کی طرف اشارہ کر کے کہا مجھے آپؐ سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔ اگر سخت معلوم ہوں تو ناراض نہ ہونا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں، جو تمہارا جی چاہے پوچھو۔ چنانچہ اس نے حضورؐ سے اسلام کی تعلیمات کے متعلق کچھ سوالات کئے جن کے قابلِ اطمینان جواب پاکر وہ خود بھی مسلمان ہو گیا اور اپنی ساری قوم کو بھی مسلمان بنا لیا۔

وفدِ عبد القیس قبیلۂ عبد القیس کا وطن بحرین تھا۔ یہ لوگ بڑا لمبا سفر کر کے آئے تھے۔ جونہی مسجدِ نبویؐ کے دروازہ پر پہنچے اور حضورؐ کا چہرۂ مبارک نظر آیا تو بے تابی کے عالم میں اپنے اپنے کجاوؤں سے کود کر حضورؐ کے قدم چوم لئے اور بڑے شوق سے اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اس قبیلہ میں چونکہ شراب کا بہت رواج تھا اس لئے آپؐ نے انہیں خاص طور پر شراب پینے سے منع فرما دیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے وطن کی آب و ہوا ایسی ہے کہ اگر ہم شراب نہ پئیں تو بیمار ہو جائیں اس لئے تھوڑی سی شراب پینے کی اجازت دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تھوڑی ہی پھر بہت ہو جائے گی اور مستی کی حالت میں بھائی بھائی کا خون بہانے لگے گا۔

وفدِ بنی حنیفہ بنی حنیفہ کا وفد بھی سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ اسی قبیلہ میں ایک شخص مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ اس نے کہا میں اس شرط پر مسلمان ہو سکتا ہوں کہ آپ اپنے بعد مجھے مسلمانوں کا خلیفہ مقرر فرمائیں۔ حضورؐ کے ہاتھ میں اس وقت ایک ٹہنی تھی۔ آپؐ نے فرمایا خلافت تو بڑی چیز ہے تم کو تو میں یہ شاخ بھی نہیں دوں گا۔

غرض مسیلمہ مسلمان نہ ہوا۔ وہ عزت کا بھوکا تھا اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ذلت کے ساتھ مارا گیا۔

وفدِ کندہ وفدِ کندہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے سردار اشعث بن قیس نے اپنے ہاتھ میں کوئی چیز چھپا

لی اور حضورؐ سے پوچھا۔ بتائیے میرے ہاتھ میں کیا ہے؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ! یہ تو کاہنوں کا کام ہے۔ میں کاہن نہیں ہوں میں تو خدا کا نبی ہوں اور اس کا سچا کلام لے کر آیا ہوں۔ پھر آپؐ نے انہیں کچھ قرآن مجید کی آیتیں سنائیں۔ اس کے بعد آپؐ نے ان لوگوں سے پوچھا۔ بولو اسلام لاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر ان ریشمی چادروں کو کیوں گلے میں ڈالی رکھا ہے؟ وفد والوں نے فوراً اپنی چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر پھینک دیا اور مسلمان ہو گئے۔

وفدِ تجیب قبیلہ تجیب کے تیرہ آدمی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ زکوٰۃ کا مال بھی لے کر گئے تھے۔ حضورؐ نے ان کی خاطر مدارت کی اور ان کا مال اُن کو لوٹا کر کہا یہ اپنے ہی ہاں کے غریبوں کو دے دینا۔ وفد والوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے ہاں کے غریبوں کو تو دے چکے یہ تو ہم ہمیں کے لئے لائے ہیں۔ ان کا یہ اصرار دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے۔ یا رسول اللہ عرب کے قبیلوں میں سے کوئی قبیلہ اُن جیسا مخیّر نہیں آیا۔ حضورؐ نے فرمایا ہدایت خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کا دل ایمان کے لئے کھولنا چاہتا ہے کھول دیتا ہے۔

ان لوگوں نے بہت شوق سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور جب چلنے لگے تو آپؐ نے اُنہیں دوسرے وفدوں سے زیادہ تحفے تحائف دیئے۔ ان میں سے ایک لڑکا سامان کی حفاظت کے لئے رہ گیا تھا۔ حضورؐ نے اُسے بھی تحفہ دینے کے لئے بُلایا۔ جب یہ لڑکا آیا تو کہنے لگا یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے اوروں کی حاجتیں تو پوری کر دیں میری حاجت بھی پوری کر دیجئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا۔ تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! اللہ سے دُعا فرمائیے کہ وہ مجھے بخش دے۔ مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُس کے لئے دُعا

فرمائی اور جو کچھ دوسروں کو دیا تھا وہ بھی عطا فرمایا[1]۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرب کے مختلف قبیلوں کے جو وفد آتے۔ آپؐ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ ان کے ساتھ اخلاق اور محبت کے ساتھ پیش آتے۔ اُنہیں اسلام کی تعلیمات سے واقف کرتے اور جب وہ واپس جاتے تو اُنہیں تحفے دے کر رخصت کرتے۔ آپؐ کے اس برتاؤ سے عرب کے چپہ چپہ میں آپ کے عمدہ اخلاق کا ڈنکہ بج گیا اور اسلام کی روشنی سے بادشاہوں کے محل اور غریبوں کے جھونپڑے جگمگا اُٹھے۔

وصال شریف

جب خدا کا پیغام عام ہوگیا اور نبوت اپنا کام انجام دے چکی تو اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیبؐ کو اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمایا۔ رسول اقدسؐ نے خدا کے اس ارادے کا اظہار صحابہؓ کے مجمع میں ان لفظوں کے ساتھ فرمایا۔

"خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ چاہے وہ دُنیا کی بہار کو پسند کرلے یا خدا کے یہاں جو نعمت ہے اسے تو اس بندہ نے اللہ کے ہاں کی نعمت کو پسند کرلیا"۔

سرکارِ نامدارؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سُن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپؐ پر صدقے یہ آپؐ کیا فرماتے ہیں؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس ذہانت اور محبت کو دیکھ کر آپؐ فرمانے لگے۔ اگر میں کسی انسان کو اپنا دوست بناتا تو وہ ابوبکرؓ ہوتے۔ لیکن پھر بھی ابوبکرؓ میرے بھائی ہیں۔ مسجد میں کُھلنے والی تمام کھڑکیاں بند کردی جائیں۔ لیکن ابوبکرؓ کی

---

[1] نور الیقین ۱۴

کھڑکی بند نہ کی جائے۔[1]

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق اشارہ موجود ہے۔

بیماری ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ کو جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حضرت میمونہ رضی کے گھر میں تھا۔ آپؐ کے سر میں درد ہوا جس نے بعد میں بخار کی صورت اختیار کرلی۔ جب مرض بڑھ گیا تو آپؐ نے دوسری بیویوں سے بیماری کے زمانہ میں حضرت عائشہ رضی کے گھر رہنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی اور آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔ یہاں آکر بخار تیز ہو گیا اور اس قدر تیز ہوا کہ آپؐ نے فرمایا میرے بدن پر ٹھنڈا پانی بہاؤ تاکہ بخار کی تیزی کم ہو۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد تشریف لانے میں تکلیف ہونے لگی تو آپؐ نے فرمایا ابوبکر رضی سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ حضرت عائشہ رضی نے کئی بار عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابوبکر رضی کمزور دل کے ہیں وہ رونے لگیں گے اور اُن کی آواز نہ نکل سکے گی۔ یہ خدمت کسی اور کے سپرد کیجئے۔ لیکن حضورؐ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ ابوبکر رضی سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ چنانچہ آپؐ کی بجائے حضرت ابوبکر رضی نماز پڑھانے لگے۔[2]

آخری خطبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانہ میں ایک دن حضرت ابوبکر رضی اور حضرت عباس رضی کا انصار کی ایک مجلس میں گزر ہوا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سب پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ اُنھوں نے پوچھا بھائیو! کیوں رو رہے ہو؟ انصار نے جواب دیا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس یاد آتی ہے۔ حضرت عباس رضی نے حضورؐ کو اس واقعہ کی خبر کی۔ آپؐ اپنے

---

[1] نورالیقین ۱۲   [2] حیات سید العرب ج ۲

جاں نثاروں کی اس تکلیف سے بے قرار ہو گئے اور حضرت علیؓ اور فضل بن عباسؓ کے کاندھوں پر سہارا دے کر سر پر پٹی باندھے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور منبر کی نچلی سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ صحابہؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضورؐ مسجد میں تشریف لائے ہیں تو دیوانوں کی طرح دوڑتے آئے اور پروانوں کی طرح نثار ہونے لگے۔ اس موقعہ پر حضورؐ نے آخری خطبہ ارشاد فرمایا جس کے چند ٹکڑے یہ ہیں :-

"لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبیؐ کی موت سے ڈر رہے ہو۔ کیا کوئی نبی اپنی اُمت کے ساتھ ہمیشہ رہا ہے جو میں بھی تمہارے ساتھ ہمیشہ رہوں؟ سن لو کہ اب میں اپنے اللہ سے ملنے والا ہوں اور کچھ عرصہ بعد تم بھی مجھ سے آملو گے۔ میں انصار کو مہاجرین سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور مہاجرین کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ آپس میں بھی اچھا برتاؤ کریں اور انصار کے ساتھ بھی اچھی طرح پیش آئیں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تنگدستی کے باوجود اپنی ضرورتوں پر مہاجرین کی ضرورتوں کو مقدم رکھا۔

یاد رکھو! میں پہلے جا رہا ہوں اور تم سب مجھ سے بعد میں آملو گے۔ اب تم سے حوضِ کوثر پر ملاقات ہو گی۔ سن لو جو مجھ سے حوضِ کوثر پر ملاقات کرنا چاہے اُسے چاہیئے کہ اپنا ہاتھ اور اپنی زبان غیر مناسب موقعوں پر استعمال نہ کرے۔

اس تشفی اور نصیحت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں واپس تشریف لے گئے [1]

آخری دیدار سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض روز بروز بڑھتا رہا اور حضرت ابوبکرؓ اس دوران میں حضورؐ کی قائم مقامی فرماتے رہے۔

---

[1] نور الیقین و محمد رسول اللہ ۱۲

۱۲ ربیع الاوّل یوم دوشنبہ کو فجر کے وقت مسجد نبویؐ میں نماز ہو رہی تھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امامت فرما رہے تھے کہ یکایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کا پردہ ہٹا اور سرکارِ نامدار کا نورانی چہرہ نمودار ہوا۔ آپؐ نے مسلمانوں کو جماعتی حیثیت سے حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں اپنا مذہبی فرض ادا کرتے دیکھا تو بے اختیار چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ کی لہریں دوڑ گئیں۔ ادھر صحابہؓ کی نگاہیں جو آقا و مولیٰ کے چہرہ پر پڑیں تو دل خوشی کے طوفان سے ڈگمگانے لگے اور قریب تھا کہ نمازیں توڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کو چوم لیں کہ آپؐ نے ہاتھ کے اشارہ سے منع فرمایا اور نماز کو جاری رکھنے کا حکم دیا اور پھر حجرے میں داخل ہو کر پردہ کھینچ لیا۔[1]

وصال اسی دن سہ پہر کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دیکھا کہ نگاہیں آسمان کی طرف اٹھی ہیں اور زبان مبارک پر اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی (اے اللہ! اے معزز رفیق) ہے سمجھ گئیں کہ رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں نبوت کا سورج اپنی روشنی سے ہزاروں چاند ستاروں کو جگمگاتا چھوڑ کر دنیا کی ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک قمری حساب سے ۶۳ سال تین دن اور شمسی حساب سے ۶۱ سال ۸۴ دن کی ہوئی۔[2]

صحابہ کا ہراس حضور سرورِ کائنات کے وصال کی خبر بجلی کی طرح آن کی آن میں اِدھر سے اُدھر تک پھیل گئی، مگر صحابہ کرامؓ کے دل میں آپؐ کی محبت اور عظمت اس درجہ تھی کہ وہ کسی طرح حضورؐ کی جدائی کا تصور دماغ میں لانے کے لئے تیار نہ تھے اور ان کا دل اس بات کو نہیں مانتا تھا کہ موت کا فرشتہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قابو پا سکتا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ تو

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲

تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے جو یہ کہے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔

حضرت ابوبکر صدیق کو خدا تعالےٰ نے سمجھ اور برداشت کا مادہ سب سے زیادہ دیا تھا آپ نے جب یہ حالت دیکھی تو مسجد میں تشریف لائے اور اعلان کیا:-

"لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ آپؐ کا وصال ہو گیا اور جو شخص اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا تھا تو اُسے معلوم ہونا چاہئیے کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

اور پھر اس کے بعد دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی:-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ	"اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے ایک رسول
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ	ہی تو ہیں جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول
اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ	گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید ہو
وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ	جائیں تو تم اُلٹے پاؤں (اسلام سے) پھر جاؤ گے
يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِى	اور جو شخص اُلٹے پاؤں پھر جائے گا وہ
اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (پ ۴ ع ۶)	وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اللہ جلد ہی
؎	شکر گزاروں کو بدلہ دے گا"

دفن حضرت ابوبکرؓ کے اس اعلان کے بعد صحابہ کو کہیں حضورؐ کی وفات کا یقین آیا آپؐ کو غسل دے کر جنازہ مبارک حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کے حجرے میں رکھ دیا گیا۔ صحابہ ایک ایک کر کے آتے رہے اور نماز ادا کر کے جاتے رہے۔ یہ سلسلہ چہارشنبہ (بدھ کی رات) تک جاری رہا۔ جب سب صحابہ اپنے پیارے نبیؐ کا آخری دیدار کر چکے تو انبیاء کرام کے دستور کے مطابق اسی حجرہ میں آپؐ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ قبر شریف کچی ایک بالشت اونچی بنائی گئی۔

؎ حیات سید العرب ج ۴ ۱۲

حُلیۂ مبارک

حبیبِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کمال باطنی سے مزین تھے اسی طرح جمالِ ظاہری سے بھی آراستہ تھے۔

آپؐ کا چہرۂ مبارک سُرخ وسفید اور چمکیلا تھا۔ سیاہ نرگسی آنکھیں تھیں جن میں سُرخ ڈورے پڑے تھے۔ پلکیں باریک اور گھنی تھیں، ناک ستواں تھی، پیشانی چوڑی تھی۔ داڑھی گھنی تھی جس سے سینہ مبارک بھر جاتا تھا۔ سینہ کشادہ تھا۔ مونڈھے بھاری تھے۔ بازو، پہنچے اور ٹانگیں پُر گوشت تھیں۔ ہتھیلیاں اور قدم چوڑے تھے۔ سینہ اور ناف کے درمیان بالوں کا ایک باریک ڈورا تھا۔ سر کے بال کسی قدر خم کھائے ہوئے تھے۔ دانت اولوں کی طرح چمکیلے تھے۔ گردن صراحی دار تھی۔ قد درمیانہ تھا۔ پھر بھی کسی کے ساتھ چلتے تو اس سے کچھ نکلتے ہوئے ہی معلوم ہوتے تھے۔ جسم گٹھا ہُوا تھا اور گوشت نرم۔

براء بن عازب کہتے ہیں کہ مَیں نے سُرخ حلہ میں کسی شخص کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوب صورت نہیں پایا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپؐ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جو آپؐ کو یکایک دیکھتا مرعوب ہو جاتا اور جو آپؐ سے ملتا جلتا آپ کو محبوب بنا لیتا۔ جو آپؐ کا وصف بیان کرتا اُسے کہنا پڑتا کہ "آپؐ جیسا نہ کوئی آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپؐ کے بعد"۔

یہی وجہ تھی کہ بہت سے کافر آپ کا چہرۂ مبارک دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور کہہ اُٹھتے تھے کہ "جھوٹے کی صورت ایسی نہیں ہو سکتی"۔[1]

اُمت کی مائیں | سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی مزورتوں کی وجہ سے

---

[1] نور الیقین بحوالہ شفاء قاضی عیاض ۱۲

عرب کے مختلف خاندانوں سے تعلقات پیدا کرنے کے لئے کئی شادیاں کیں آپ کی محترم بیویوں کے (جو آپ کی اُمت کی مائیں ہیں) نام یہ ہیں :۔
حضرت خدیجہؓ بنت خویلد، حضرت سودہؓ بنت زمعہ۔ حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ، حضرت زینبؓ بنت خزیمہ۔ حضرت ام سلمہؓ بنت سہیل، حضرت زینبؓ بنت جحش۔ حضرت جویریہؓ بنت حارث۔ حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان۔ حضرت صفیہ بنت حیی۔ حضرت میمونہ بنت الحارث۔

ان محترم بیویوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ آپ کے نکاح میں آئیں اس وقت اُن کی عمر چالیس سال کی اور حضورؐ کی پچیس سال کی تھی۔ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپؐ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔ پچیس سال کی رفاقت کے بعد جب ان کا انتقال ہوگیا تو آپؐ نے دوسری شادیاں کیں۔ اس وقت آپؐ کی عمر مبارک پچاس سال کی ہو چکی تھی۔

حضورؐ کی وفات کے وقت حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کے علاوہ باقی سب "اُمت کی مائیں"، موجود تھیں۔ ان ماؤں سے اُمت کو بہت سی دین کی باتیں معلوم ہوئیں۔ خاص کر حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر صدیقؓ کی بیان کی ہوئی حدیثوں سے تو کتب حدیث کے خزانے لبریز ہیں۔

اولادِ مبارک

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

۱۔ حضرت قاسمؓ ۲۔ حضرت عبداللہ ۳۔ حضرت ابراہیمؓ ۴۔ حضرت زینبؓ
۵۔ حضرت رقیہؓ ۶۔ حضرت فاطمہؓ ۷۔ حضرت کلثوم

سوائے حضرت ابراہیمؓ کے حضورؐ کی یہ تمام اولاد، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی۔ حضرت ابراہیمؓ، حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ماریہؓ کو مصر کے بادشاہ مقوقس نے حضورؐ کے پاس ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا اور یہ حضورؐ کی "امِ ولد" بن گئی تھیں۔

حضورؐ کے تینوں صاحبزادے بچپن ہی میں خدا کو پیارے ہوئے۔ البتہ سب صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور پروان چڑھیں۔

حضرت زینبؓ کا نکاح ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے ہوا۔ جو ہجرت کے بعد مدینہ آکر مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے گھر کی زینت بنیں اور حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے عقد میں آئیں۔ مگر حضرت فاطمہؓ کے سوا کسی سے اولاد کا سلسلہ نہ چلا۔

حضرت فاطمہؓ کے دو صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور دو صاحبزادیاں حضرت زینبؓ اور حضرت ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ گلشن نبوت کے دونوں نونہالوں (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) سے بہت سے گل بوٹے کھلے اور سرکار نامدار کی جسمانی اولاد کا سلسلہ پھیلا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات وحیاھم
باطیب التحیات ومع المھاجرین والانصار فی ارفع الدرجات

اخلاق وعادات سرورِ کائنات

آپ اپنی تعلیم کا خود مکمل عملی نمونہ تھے۔ مجمع عام میں جو کچھ فرماتے گھر کی تنہائی میں بھی اسی رنگ میں نظر آتے۔ اخلاق وعمل اور طہارت و پاکیزگی کا جو نکتہ دوسروں کو سکھاتے پہلے خود اس کا عملی نمونہ بن جاتے۔ انسان کی حالت کا بیوی سے زیادہ کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضورؐ کے اخلاق کیسے تھے؟ اُنھوں نے کہا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ جو کچھ قرآن میں ہے وہی رسول کریمؐ کے اخلاق تھے۔ یعنی آپؐ کی ساری زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی اور آپؐ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔ خود قرآن نے اس کی گواہی دی اور اعلان کیا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ یعنی اے حضورؐ! آپ بے شبہ حسنِ اخلاق کے بڑے مرتبے

پر فائز ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۱۵ برس تک آپؐ کی خدمت میں رہی تھیں۔ نبوت کے شروع کے دنوں میں آپؐ کو ان لفظوں سے تسلی دیتی تھیں "خدا کی قسم! اللہ آپؐ کو کبھی غمگین نہ کرے گا۔ کیونکہ آپؐ صلۂ رحم کرتے ہیں۔ عزیزوں، رشتہ داروں کا حق ادا کرتے ہیں۔ مقروضوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ بے سہاروں اور غریبوں کی امداد کرتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطر کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں۔ مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو شروع نبوت سے آخر عمر تک کم و بیش ۲۳ سال خدمت اقدس میں رہے تھے اُن سے ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے آپؐ کے اخلاق و عادات کے متعلق سوال کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "آپؐ نرم خو، خندہ جبیں، مہربان، رحمدل تھے۔ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔ کوئی بُرا کلمہ مُنہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے۔ عیب جو نہ تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپؐ کو ناپسند ہوتی تو اس سے چشم پوشی فرماتے تھے۔ اپنے نفس سے تین چیزیں آپؐ نے بالکل دُور کر دی تھیں۔ بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اُس میں پڑنا۔ دُوسروں کے متعلق بھی تین چیزوں سے پرہیز کرتے تھے۔ کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ کسی کے اندر کے حالات کی ٹوہ اور تلاش میں نہیں رہتے تھے۔ کسی کے عیب نہیں نکالتے تھے۔ وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکلتا۔ کوئی باہر کا بے پڑھا لکھا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو تحمل فرماتے اور برداشت سے کام لیتے۔ دوسروں کے مُنہ سے اپنی تعریف سُننا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن اگر کوئی آپؐ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے۔ جب تک بولنے والا خود چُپ نہ ہو جاتا آپ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔ نہایت فیاض، نہایت سچے، نہایت شیریں مزاج اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعتاً آپؐ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپؐ سے محبت کرنے لگتا اور بے تکلف ہو جاتا تھا۔"

جہاں تک ہو سکتا سب کی درخواست پوری کرتے۔ تمام عمر کسی کے سوال کرنے پر "نہیں" نہیں کہا۔ خود بھوکے رہتے اور دوسرے کو کھلاتے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی کی شادی ہوئی۔ ان کے پاس ولیمہ کا کچھ سامان نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ حالانکہ گھر میں اُس آٹے کے علاوہ شام کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ دُنیا سے بے تعلقی اور فیاضی کی یہ کیفیت تھی کہ گھر میں نقد کی صورت میں جو کچھ ہوتا جب تک وہ سب خیرات نہ کر دیا جاتا اکثر گھر میں آرام نہ فرماتے۔ ایک بار فدک کے رئیس نے چار اُونٹوں پر غلہ بھیجا اس کو بیچ کر قرض ادا کیا گیا اور پھر بھی کچھ بچ رہا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب تک کچھ بھی باقی رہے گا میں گھر میں نہیں جا سکتا۔ رات مسجد میں گزاری۔ دوسرے دن جب معلوم ہُوا کہ بچا ہُوا غلہ تقسیم ہو چکا ہے تو گھر تشریف لے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی کا عام شہرہ تھا۔ آپؐ کے یہاں مسلمان اور غیر مسلمان سب ہی مہمان ہوتے۔ آپؐ سب کی مدارات کرتے اور بنفس نفیس سب کی خدمت کرتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مہمان آگئے اور گھر میں جو کچھ موجود ہے وہ ان کو کھلا دیا گیا اور پورے گھر نے فاقہ کیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپؐ کے یہاں ایک غیر مسلم مہمان ہُوا۔ آپؐ نے اُسے ایک بکری کا دودھ دیا وہ پورا دودھ پی گیا۔ آپؐ نے دوسری بکری منگائی۔ یہ اُس کا بھی دودھ پی گیا یہاں تک کہ سات بکریوں تک یہ سلسلہ قائم رہا جب تک اُس کا پیٹ نہیں بھر گیا آپؐ برابر دودھ پلاتے رہے۔

راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر مہمانوں کی دیکھ بھال فرماتے تھے۔ گھر میں رہتے تو گھر کے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے۔ اگرچہ آپؐ کے بیشمار جانثار خادم موجود تھے۔ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا۔ آپؐ گھر میں کیا کیا کرتے تھے؟ جواب دیا کہ گھر کے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے تھے۔ گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے۔ جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے۔ خود ہی بکریوں کا دودھ

دودھ لیتے تھے۔ اُونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ خدمتِ مبارک میں حاضر ہُوئے تو دیکھا کہ دونوں جہانوں کے سردار اپنے دستِ مبارک سے اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے ہیں۔

مجمع میں بیٹھتے تو سب کے برابر ہو کر بیٹھتے۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر اور خندق کی کھدائی میں سب مزدوروں کے ساتھ مل کر آپؐ نے بھی کام کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہ میں امیر و غریب، آقا و غلام سب برابر تھے۔ سلمانؓ و صُہیبؓ اور بلالؓ، کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے آپؐ کی بارگاہ میں قریش کے بڑے بڑے رئیسوں سے کم مرتبہ نہ تھے۔

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہُوئی حضرت اسامہؓ جن کو آپؐ بہت چاہتے تھے لوگوں نے اس عورت کے متعلق ان سے سفارش کرائی۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپؐ نے مجمع سے فرمایا کہ تم سے پہلے کی قومیں اس لئے برباد ہُوئیں کہ ان کا طریقہ یہ ہو گیا تھا جب کوئی بڑا آدمی جُرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور معمولی اور کم درجہ کا آدمی مجرم ہوتا تو سزا پاتا۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اُسکے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔"

غزوۂ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا۔ بعض نیک دل انصار نے اس بناء پر کہ عباسؓ آپؐ سے قرابت رکھتے ہیں گذارش کی یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباسؓ) کا زرِ فدیہ معاف کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ مَیں نے پورے دس برس خدمت اقدس میں گزارے مگر اتنی لمبی مُدت میں آپؐ نے مجھے نہ کبھی ڈانٹا نہ مارا۔ نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔ آپؐ نے تمام عمر کبھی کسی کو نہیں مارا۔

یہی حضرت انسؓ دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آپہنچے، لوگ مقابلہ کے لئے تیار ہوئے لیکن سب سے پہلے جو شخص آگے بڑھ کر نکلا وہ خود حضورؐ تھے۔ آپؐ نے اس کا بھی انتظار نہیں فرمایا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے۔ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر تمام خطروں کے مواقع کا چکر لگایا اور واپس تشریف لا کر لوگوں کو تسکین دی کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں"۔

اس کے باوجود تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپؐ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا اور نہ کبھی کسی سے انتقام اور بدلہ لیا۔

اُحد کے میدان میں جب آپؐ پر ہر طرف سے پتھروں، تیروں، تلواروں اور نیزوں کی بارش ہو رہی تھی آپ اپنی جگہ پر اُسی طرح کھڑے رہے۔ حنین کی لڑائی میں اکثر مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے۔ لیکن حضورؐ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے۔ عام روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ لڑائی کے اکثر معرکوں میں وہاں ہوتے تھے جہاں کھڑا ہونا بڑے بڑے بہادر اپنی بہادری کا آخری کارنامہ سمجھتے تھے۔ مگر ایسے خوفناک مقامات میں بھی آپؐ دشمن پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اُحد میں جب سر مبارک زخمی اور دندانِ مبارک شہید ہوا یہی فرماتے رہے۔

"خدایا انہیں معاف کر اور سیدھا راستہ دکھا کہ یہ جانتے نہیں"۔

سالہا سال تک بے پناہ تکلیفیں اور مشقتیں اُٹھانے کے بعد بھی مایوسی کا آپؐ کے آس پاس گزر نہیں ہوا۔ مکہ میں جو مصیبتیں آپؐ کے جاں نثار ساتھی جھیل رہے تھے اُن سے گھبرا کر ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ ہم لوگوں کے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے۔ حضورؐ کا چہرۂ انور یہ سن کر سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے بندگانِ خدا بھی گزرے ہیں جن کو آروں سے چیر دیا گیا۔ جن کے جسم پر لوہے کی کنگھیاں چلائی گئیں لیکن یہ ایذائیں بھی اُن کو حق سے اور سچائی کے راستے سے پھیر نہ سکیں۔ خدا کی قسم! دینِ اسلام اپنے کمال کی انتہا کو پہنچ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ صنعاء (یمن) سے حضرموت تک سوار اس طرح بے کھٹکے چلا جائے گا کہ اس کو

خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔"

یہی ہوا اور آپؐ کا پرچم اقتدار سارے عرب پر لہرانے لگے۔ آپؐ کے مہربان چچا ابوطالب جنہوں نے آپؐ کے لئے اور آپؐ کی محبت کے لئے تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔ جنہوں نے آپؐ کی خاطر فاقے اُٹھائے تھے اور طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں بھی برداشت کی تھیں۔ قریش کے نہ ختم ہونے والے ظلموں سے تنگ آکر اُنھوں نے ایک دفعہ حضورؐ سے ہلکے اور مختصر لفظوں میں کہا جانِ عم! مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ میں اُٹھا نہ سکوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری پُشت و پناہ جو کچھ تھے ابوطالب تھے۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر کہ اب جان چھڑکنے والے چچا کے پاؤں بھی لغزش کرنے لگے ہیں آبدیدہ ہو کر فرمایا چچا! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سُورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی اعلانِ حق سے باز نہ آؤں گا۔ خدا یا اس کام کو پورا کریگا یا میں خود اس پر قربان ہو جاؤں گا۔

آپؐ لین دین کے معاملے میں آئینے سے بھی زیادہ صاف تھے۔ فرماتے تھے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض اچھی طرح سے ادا کرتے ہیں۔ ایک بار آپؐ نے کسی سے اونٹ قرض لیا جب واپس کیا تو اُس سے بہتر واپس کیا۔ ایک دفعہ کسی سے پیالہ بطور عاریت لیا۔ اتفاق سے وہ گُم ہو گیا۔ آپؐ نے اُس کا تاوان ادا فرمایا۔ ایسے ہی ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض لیں۔ چند دنوں کے بعد وہ شخص تقاضے کو آیا۔ آپؐ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کر دیں۔ انصاری نے جو کھجوریں دیں وہ اتنی عمدہ نہیں تھیں جیسی اُس شخص نے دی تھیں۔ چنانچہ اس نے لینے سے انکار کیا۔ اس پر انصاری نے کہا تم رسولؐ اللہ کی دی ہوئی کھجوریں لینے سے انکار کرتے ہو۔ بولا۔ ہاں! اللہ کا رسول بھی عدل نہیں کرے گا تو پھر کس سے توقع کی جائے۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سُنیں تو آنکھوں سے آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے۔

ایفائے عہد اور وعدے کا پاس آپؐ کی ایسی خصوصیت تھیں کہ دشمن بھی

اس کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔

شہنشاہِ روم نے حضورؐ کی صداقت کو جانچنے کے لئے ابوسفیان سے جو بہت سے سوال کئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا۔ "کیا کبھی محمدؐ نے بدعہدی کی ہے؟" ابوسفیان نے جواب دیا نہیں۔

صفوان بن امیہ اسلام لانے سے پہلے دینِ حق کے بڑے سخت دشمنوں میں تھے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادے سے جدہ چلے گئے۔ ایک صحابی نے حاضرِ خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا۔ رسول اکرمؐ نے اپنا عمامہ مبارک مرحمت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ صفوان کے امان کی نشانی ہے۔ یہ صحابی عمامہ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں تمہارے لئے امان ہے۔ صفوان جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی کیا آپؐ نے مجھے امان دی ہے؟ فرمایا ہاں! یہ درست ہے۔

صلح حدیبیہ کی بہت سی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ سے جو کوئی مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ مکہ والوں کے طلب کرنے پر واپس کر دیا جائے گا۔ ٹھیک اس وقت کہ معاہدے کی شرطیں لکھی جا رہی تھیں ابوجندلؓ پابہ زنجیر مکہ والوں کی قید سے بھاگ کر آئے اور آپؐ سے فریاد کی۔ تمام مسلمان یہ منظر دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔ لیکن آپؐ نے صاف فرما دیا اے ابوجندل صبر کرو ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ جلد تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔

کافروں اور مسلمانوں کے ساتھ آپؐ کے حسنِ خلق اور اچھے برتاؤ کے بہت سے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ اسی صلح حدیبیہ کے زمانے میں ان کی ماں جو کہ مشرکہ تھیں مدینہ میں اُن کے پاس آئیں۔ اسماء کو خیال ہوا کہ اہلِ شرک کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "ان کے ساتھ نیکی کرو۔"

ابوبصرہ غفاری کا بیان ہے کہ وہ بحالتِ کفر مدینہ میں حضورؐ کے مہمان ہوئے

رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے۔ لیکن آپؐ نے کچھ نہیں فرمایا۔ بچو میری اس حرکت کی وجہ سے تمام گھر بھوکا رہا۔

دنیا سے کامل بے رغبتی کے باوجود آپؐ خشک مزاج نہیں تھے اور آپؐ کو یبوست پسند نہ تھا۔ کبھی کبھی دلچسپی اور تفریح کی باتیں فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت انسؓ کو پکارا تو فرمایا "او دو کان والے" ان لفظوں میں حضرت انسؓ کی اطاعت شعاری کی طرف بھی خاص اشارہ تھا۔ کیونکہ وہ ہر وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر کان لگائے رکھتے تھے۔

انہی حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی ابو عمیر نے جو بہت کم عمر تھے ایک ممولا پال رکھا تھا۔ اتفاق سے وہ مر گیا۔ ابو عمیر کو اس کی موت کا بہت رنج ہوا۔ آپؐ نے اس بچہ کو غمزدہ دیکھ کر محبت کے پیارے انداز میں فرمایا ابو عمیر تمہارے ممولے نے یہ کیا کیا۔

ایک بار ایک بڑھیا خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضورؐ میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ مجھے بہشت نصیب ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ بڑھیاں جنت میں نہ جائیں گی۔ یہ سُن کر اسے بہت ملال ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی۔ آپؐ نے حاضرین سے فرمایا اس سے کہدو کہ بڑھیاں جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔

آپؐ کی احتیاط کی یہ کیفیت تھی کہ کسی کے گھر جاتے تو دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر اجازت طلب کرتے۔ سامنے اس لئے کھڑے نہ ہوتے کہ کہیں نظر گھر کے اندر نہ پڑ جائے۔

بیماروں کی عیادت میں دوست، دشمن، مومن، کافر، مسلم، غیر مسلم کسی کی تخصیص نہیں تھی۔ صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں مبتلا ہوا تو آپؐ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اکرمؐ بیمار کی مزاج پرسی کا بہت اچھی طرح خیال رکھتے تھے۔

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا وہ مر گیا تو لوگوں نے آپؐ کو اس کی خبر نہ کی۔ ایک روز آپؐ نے از خود اس کا حال دریافت فرمایا۔ حاضرین نے کہا وہ تو انتقال کر گیا۔ فرمایا تم نے مجھ کو خبر نہ کی۔ لوگوں نے کچھ اس انداز سے جواب دیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مرنے والا اس قابل نہیں تھا کہ آپؐ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی۔ آپؐ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت فرمائی اور وہاں جا کر جنازے کی نماز پڑھی۔

بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ عادتِ مبارک یہ تھی کہ سفر سے واپس تشریف لاتے تو راستے میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کسی کو سواری پر اپنے ساتھ آگے پیچھے بٹھاتے۔ راستے میں بچے مل جاتے تو اُن کو خود سلام کرتے۔

خالدؓ بن سعید کی چھوٹی بچی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پشت مبارک پر جو مہرِ نبوت اُبھری ہوئی تھی اس سے کھیلنے لگی۔ خالد نے بچی کو ڈانٹا۔ حضورؐ نے روکا اور فرمایا کہ کھیلنے دو۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولؐ اکرم فرماتے تھے میں نماز اس ارادے سے شروع کرتا ہوں کہ دیر میں ختم کروں گا۔ دفعتہً صف سے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی۔

یہ محبت و شفقت مسلمان بچوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ مشرکوں کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف و کرم فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آکر مارے گئے۔ آپؐ کو اطلاع ہوئی تو بہت آزردہ ہوئے۔ ایک صاحب نے کہا یا رسولؐ اللہ! وہ تو مشرکین کے بچے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔

"مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان اللہ ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔"

صفائی، ستھرائی کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔"

ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تم کو کچھ مقدور ہے کہنے لگا جی ہاں! ارشاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے نعمت دی ہے تو صورت اور ظاہری انداز سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیئے۔

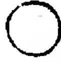
ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا اس سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ اپنے بالوں کو درست کرلے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا یہ بیان جو تم نے ابھی پڑھا ہے اگرچہ آنحضرتؐ کے اخلاقی کمالات کی وسعت کے لحاظ سے بہت ہی چھوٹا سا بیان ہے۔ پھر بھی اس کتاب کی حیثیت اور اُس کے مضمونوں کی ترتیب کے اعتبار سے کچھ بڑھ گیا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بچوں اور بچیوں اور اس کتاب کے تمام پڑھنے والوں کو دونوں جہان کے سردار رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور نکھری ہوئی خصلتوں اور بلند اخلاق کے مطالعہ کا اچھی طرح موقع مل جائے اور وہ اپنی زندگی اور زندگی کے ہر شعبے کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔



يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا



سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اُس پر کہ اسرارِ محبّت جس نے سمجھائے!
سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اُس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دُعائیں دیں
سلام اُس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اُس پر ابوسفیان کو جس نے اماں دے دی
سلام اُس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اُس پر ہُوا مجروح جو بازارِ طائف میں
سلام اُس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اُس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اُس پر جو سچائی کی خاطر دُکھ اُٹھاتا تھا
سلام اُس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا
سلام اُس پر جو اُمّت کے لئے راتوں کو روتا تھا
سلام اُس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا

سلام اُس پر کہ جس کی سادگی درسِ بصیرت ہے
سلام اُس پر کہ جس کی ذات فخرِ آدمیّت ہے
سلام اُس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اُس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی
سلام اُس پر کہ تھا "الفقر فخری" جس کا سرمایہ
سلام اُس پر کہ جس کے جسمِ اطہر کا نہ تھا سایہ[1]
سلام اُس پر کہ جس نے فضا کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اُس پر بُروں کو جس نے فرمایا "یہ میرے ہیں"
سلام اُس پر کہ جس کی چاند تاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس کی سنگ پاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس نے چاند کو دو ٹکڑے فرمایا
سلام اُس پر کہ جس کے حکم سے سُورج پلٹ آیا
سلام اُس پر فضا جس نے زمانہ کی بدل ڈالی
سلام اُس پر کہ جس نے کُفر کی قوت کچل ڈالی
سلام اُس پر شکستیں جس نے دیں باطل کی فوجوں کو
سلام اُس پر کہ ساکن کر دیا طوفاں کی مَوجوں کو
سلام اُس پر کہ جس نے کافروں کے زور کو توڑا
سلام اُس پر کہ جس نے پنجۂ بے داد کو موڑا
سلام اُس پر سرِ شاہنشہی جس نے جھکایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے کفر کو نیچا دکھایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اُس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا

---

[1] بعض ضعیف روایات کے مطابق، ورنہ صحیح احادیث اس کی تصدیق نہیں کرتیں۔

سلام اُس پر بھلا سکتے نہیں جس کا کبھی احسان
سلام اُس پر مسلمانوں کو دی تلوار اور قرآن
سلام اُس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی
اُلٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت اوجِ دارائی
سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سر فروشی کے فسانے میں
سلام اُس پر کہ جس کے نام کی عظمت پہ کٹ مرنا
مسلماں کا یہی ایماں، یہی مقصد، یہی شیوا
سلام اُس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سُنا سکتے ہیں اب بھی خالدؓ و حیدرؓ کے افسانے
درود اُس پر کہ جس کا نام تسکینِ دل و جاں ہے
درود اُس پر کہ جس نے خُلق کی تفسیر قرآں ہے
درود اُس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اُس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی
درود اس پر تبسم جس کا گل کے مسکرانے میں
درود اُس پر کہ جس کا فیض ہے سارے زمانے میں
درود اُس پر کہ جس کا نام لے کر پھول کھِلتے ہیں
درود اُس پر کہ جس کے فیض سے دو دوست ملتے ہیں
درود اُس پر کہ جس کا تذکرہ عین عبادت ہے
درود اُس پر کہ جس کی زندگی رحمت ہی رحمت ہے
درود اُس پر کہ جس کا صدرِ محفل پاکبازوں میں
درود اُس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں

درود اُس پر مکینِ گنبدِ خضریٰ جسے کہئے
درود اُس پر شبِ معراج کا دُولہا جسے کہئے
درود اُس پر جسے شمعِ شبستانِ ازل کہئے
درود اُس پر ابد کی بزم کا جس کو کنول کہئے
درود اُس پر بہارِ گلشنِ عالم جسے کہئے
درود اُس ذات پر فخرِ بنی آدم جسے کہئے
رسولِ مجتبےٰ کہئے محمد مصطفےٰ کہئے
وہ جس کو ہادیِ "دَعْ مَاکَدِرْ، خُذْ مَاصَفَا" کہئے

درود اُس پر کہ جو ماتم کی امیدوں کا ملجا ہے
درود اُس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ
عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ
سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ

(ماہر القادری)

مدیر رسالہ فاران کراچی



جدول واقعاتِ مشہورہ سیرتِ نبویؐ

(ماخوذ از محمد رسول اللہ مطبوعہ مصر)

تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	واقعہ
	۵۴۵ء	ولادت حضرت عبداللہ والد ماجد رسول اکرمؐ
	۵۷۰ء	واقعہ فیل
	۲۰ ر اگست ۵۷۰ء	ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
	۵۷۳ء	ولادت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ
	۵۷۶-۷۵ء	وفات حضرت آمنہ والدہ ماجدہ رسول اقدسؐ
	۵۷۸ء	وفات حضرت عبدالمطلب
	۵۸۱ء	ولادتِ حضرت عمر رضؓ
	۵۸۲ء	ملکِ شام کا پہلا سفر
	۵۹۰-۸۰ء	حربِ فجار
	۵۹۵ء	ملکِ شام کا دوسرا سفر
	۵۹۵ء	حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح
	۶۰۱-۶۰۰ء	ولادتِ حضرت علی رضؓ
	۶۰۵ء	تجدید بناء کعبہ
	۶۱۰ء	آغازِ وحی

تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	واقعہ
	۶۰۰-۶۰۱ء	ولادتِ حضرت علی رضؓ
	۶۰۵ء	تجدید بناء کعبہ
	۶۱۷ء	مقاطعہ قریش
	۶۲۰ء	وفاتِ ابوطالب
	۶۲۰ء	وفات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ
	۶۲۱ء	اسراء ومعراج
	۶۲۱ء	بیعتِ عقبۂ اولیٰ
	جون ۶۲۲ء	ہجرتِ مدینہ
ہجرت کے آٹھویں مہینے	۶۲۳ء	سریہ عبیدۃ بن الحارث
〃 〃 بارہویں 〃	جون ۶۲۳ء	غزوۂ ابواء
〃 〃 تیرہویں 〃	جولائی ۶۲۳ء	غزوۂ بواط
〃 〃 سولھویں 〃	اکتوبر ۶۲۳ء	غزوۂ عشیرہ
〃 〃 سترہویں 〃	نومبر ۶۲۳ء	سریہ عبداللہ بن جحش
〃 〃 انیسویں 〃	جنوری ۶۲۴ء	غزوۂ بدر کبریٰ
شوال ۲ھ	فروری ۶۲۴ء	غزوۂ بنی قینقاع
ذی الحجہ ۲ھ	اپریل ۶۲۴ء	غزوۂ سویق
جمادی الآخر ۳ھ	ستمبر ۶۲۴ء	سریہ زید بن حارثہ
شوال ۳ھ	جنوری ۶۲۵ء	غزوۂ اُحد
صفر ۴ھ	مئی ۶۲۵ء	واقعۂ رجیع
	〃	سریہ بیر معونہ
ربیع الاول ۴ھ	جون ۶۲۵ء	غزوۂ بنی نضیر
〃 ۵ھ	جولائی ۶۲۶ء	غزوۂ دومۃ الجندل

تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	واقعہ
شعبان ۵ھ	دسمبر ۶۲۶ء	غزوۂ بنی المصطلق
شوال ۵ھ	فروری ۶۲۷ء	غزوۂ خندق
ذی قعدہ ۵ھ	اپریل ۶۲۷ء	غزوۂ بنی قریظہ
ربیع الاول ۶ھ	جون وجولائی ۶۲۷ء	غزوۂ بنی لحیان
؍؍	جولائی ۶۲۷ء	غزوۂ ذی قرد
ربیع الثانی ۶ھ	اگست ۶۲۷ء	سریۂ الغمر
جمادی الاولیٰ ۶ھ	ستمبر ۶۲۷ء	سریۂ زید بن حارثہ جانب عیص
جمادی الآخر ۶ھ	اکتوبر ۶۲۷ء	سریۂ دوم زید بن حارثہ جانب حِسمیٰ
رمضان ۶ھ	دسمبر ۶۲۷ء	سریۂ عبداللہ بن عتیک
شوال ۶ھ	جنوری ۶۲۸ء	سریۂ عبداللہ بن رواحہ
ذی قعدہ ۶ھ	فروری ۶۲۸ء	صلح حدیبیہ
؍؍ ۷ھ	مئی ۶۲۸ء	شاہانِ روم وایران کو دعوتِ اسلام
جمادی الاولیٰ ۷ھ	اگست ۶۲۸ء	رسول اقدسؐ کا عقد حضرت ام حبیبہؓ سے
محرم ۷ھ	اگست ۶۲۸ء	غزوۂ خیبر
ذی قعدہ ۷ھ	فروری ۶۲۹ء	عمرۂ قضاء
جمادی الاولیٰ ۸ھ	ستمبر ۶۲۹ء	سریۂ موتہ
جمادی الآخر ۸ھ	اکتوبر ۶۲۹ء	سریۂ ذات السلاسل
رجب ۸ھ	نومبر ۶۲۹ء	سریۂ الخبط
شعبان ۸ھ	دسمبر ۶۲۹ء	سریۂ ابی قتادہ
رمضان ۸ھ	جنوری ۶۳۰ء	فتح مکہ
شوال ۸ھ	فروری ۶۳۰ء	غزوۂ حنین
شوال ۸ھ	ایضاً	غزوۂ طائف

تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	واقعہ
ذی الحجہ ۸ھ	اپریل ۶۳۰ء	ولادت حضرت ابراہیم رضؓ
محرم ۹ھ	" "	سریہ عینیہ بن حصین
ربیع الآخر ۹ھ	جولائی ۶۳۰ء	سریہ علقمہ بن مجزز
" "	" "	سریہ علی رضؓ بن ابی طالب رضؓ (جانب فلس)
رجب ۹ھ	اکتوبر ۶۳۰ء	غزوۂ تبوک
ذی الحجہ ۹ھ	مارچ ۶۳۱ء	حج ابوبکر صدیق رضؓ
ربیع الاول ۱۰ھ	جون ۶۳۱ء	سریہ خالد رضؓ بن ولید
" "	" "	وفات حضرت ابراہیم رضؓ
رمضان ۱۰ھ	دسمبر ۶۳۱ء	روانگی حضرت علی رضؓ بجانب یمن
ذی الحجہ ۱۰ھ	مارچ ۶۳۲ء	حجۃ الوداع
صفر ۱۱ھ	مئی ۶۳۲ء	تیاری جیش حضرت اسامہ رضؓ برائے روانگی شام
ربیع الاول ۱۱ھ	۹ جون ۶۳۲ء	وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم





خلافتِ راشدہ

خلافتِ راشدہ

تاریخِ ملّت کا دُوسرا حصّہ جس میں عہدِ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات مستند قدیم وجدید عربی تاریخوں کی بُنیاد پر صحت و جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور انہیں بے کم وکاست مؤرخانہ ذمّہ داری کے ساتھ سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے ان ایمان پرور اور جرأت آفرین کارناموں کو خصوصیت کے ساتھ نمایاں کرکے پیش کیا گیا ہے جو تاریخِ اسلامی کی پیشانی کا نُور ہیں اور جنہیں پڑھ کر آج بھی فرزندانِ قوم کے مُردہ وافسردہ دِلوں میں زندگی وحرارتِ ایمانی کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔ نونہالانِ ملّت کے دماغوں کی اسلامی اصول پر تربیت کے لئے یہ کتاب بہترین ہے۔ کتاب کی ترتیب میں تاریخ نویسی کے جدید طرز کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ زبان شستہ ورفتہ استعمال کی گئی ہے اور طرزِ بیان دلچسپ ودل نشیں اختیار کیا گیا ہے۔ واقعات کے بیان کے ساتھ ان واقعات کے اسباب وعلل اور ان کے اثرات ونتائج سے بھی تعرض کیا گیا ہے۔

یہ کتاب کالجوں اور سکولوں کے کورس میں داخل ہونے کے لائق ہے۔ کتاب کی ترتیب کے وقت اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایسی معتبر سلیس اور جامع کتاب کی اشاعت کے بعد بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ "خلافتِ راشدہ" کے رنگ کی کوئی کتاب ہمارے لٹریچر میں موجود نہیں تھی۔

طالبِ فرمائیے: اِدارۂ اِسلامیات انارکلی لاہور ۲

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَخُلَفَآئِہِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ ہ

"سلسلہ تاریخ ملت" کا دوسرا حصہ "خلافت راشدہ" نذرِ ناظرین ہے عہدِ خلافتِ راشدہ تاریخِ اسلام کی پیشانی کا نور ہے۔ نونہالانِ ملت جو شاہراہِ زندگی میں قدم رکھ رہے ہیں اگر اس عہد کے واقعات کو مشعلِ راہ بنائیں تو بلاشبہ صلاحِ دنیوی وفلاحِ اُخروی کی منزلِ مقصود کو پہنچ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس حصہ کی ترتیب میں کسی قدر تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ تمام واقعات قدیم وجدید معتبر ومستند تاریخی کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں اور انہیں بے کم وکاست مؤرخانہ ذمہ داری کے ساتھ سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ بیانِ واقعات کے ساتھ، واقعات کے اسباب وعلل اور ان کے اثرات ونتائج سے بھی جا بجا تعرض کیا گیا ہے۔ تاکہ طلباء میں ذوقِ تحقیق اور وسعتِ نظر پیدا ہو۔ زبان سہل وسلیس اور طرزِ بیان دلچسپ ودل نشین اختیار کیا گیا ہے۔

یہ اپنی سی کوشش کا بیان ہے، جو بہرحال انسانی کوشش اور مجھ جیسے ہیچمدان انسان کی کوشش ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ کتاب کا معتدبہ حصہ اس طرح لکھا گیا کہ تسوید وکتابت کے مرحلے ساتھ ساتھ انجام پاتے رہے۔ بنابریں اگر یہ کوشش اربابِ فکرونظر کی نظرِ معارف پرور میں قابلِ قبول نہ ٹھہرے تو عفو ودرگزر کی التجا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

(مؤلف)

مآخذ خلافتِ راشدہ

"مؤلف" نے اس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں کُتب ذیل سے خصوصیت کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔ بناء بریں مؤلف منت پذیری و احسان شناسی کے دلی اعتراف کے ساتھ ان کتابوں کے مصنفین کے لئے بارگاہِ رب العزت میں مغفرت و رحمت کی دُعا کرتا ہے۔

۱۔ ترجمہ قرآن کریم :۔ از حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن متوفی ۱۳۳۹ھ

۲۔ صحاح ستہ :۔ از امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی۔

۳۔ التاج الجامع للاصول :۔ از علامہ شیخ منصور علی ناصف مصری۔

۴۔ الاخبار الطوال :۔ از احمد بن داؤد ابوحنیفہ دینوری متوفی ۲۸۱ھ

۵۔ فتوح البلدان :۔ از احمد بن یحییٰ البلاذری متوفی ۲۷۹ھ

۶۔ تاریخ الامم والملوک :۔ از ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ

۷۔ الکامل :۔ از ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ

۸۔ البدایۃ والنہایہ :۔ از حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ

۹۔ اشہر مشاہیر اسلام :۔ از علامہ رفیق بک العظم

۱۰۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ :۔ از شیخ محمد خضری بک مصری۔

۱۱۔ اتمام الوفاء فی سیرت الخلفاء :۔ ایضاً

۱۲۔ الفاروق :۔ علامہ شبلی نعمانی متوفی ۱۳۳۲ھ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمہ

خلافت

اسلام میں "خلافت" سے مراد وہ حکومتِ الٰہی ہے جو خدا کی مخلوق کی دُنیا و آخرت کی سعادت کی ذمہ دار ہو جو قانونِ الٰہی پر بنیاد پر قائم ہو۔ جو دُنیا کے چپّہ چپّہ سے ظلم و جور کے خس و خاشاک کو صاف کر دے اور عدل و انصاف کے لہکتے مہکتے پھولوں سے اسے رشکِ جنّت بنا دے۔

اس خداوندی حکومت کا رئیس خلیفہ کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہ زمین پر اللہ تعالےٰ کا نائب ہوتا ہے اور خلیفہ کے معنی یہی ہیں۔ قرآن کریم میں خلافتِ ارضی کو بہت بڑی نعمت بتایا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ان نیکوکار اور فرمانبردار بندوں کو عطا کی جاتی رہی ہے جو اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ۔ (پ۸ ع ۱۶)	"وہی پروردگار ہے جس نے تم کو زمین کی خلافت دی اور یاد کرو جب تم کو قومِ نوح کے بعد خلیفہ بنایا۔"
يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ۔ (پ۲۳ ع ۱۱)	"اے داؤد! ہم نے تم کو دُنیا کا خلیفہ بنایا۔"
وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔ (پ۱۷ ع۷)	"اور زبور میں ہم نے لکھ دیا کہ نصیحت کے بعد زمین کی حکومت ہمارے صالح بندوں کے ہاتھ آئے گی۔"

ہجرتِ مدینہ کے بعد ہی جب مسلمان ہر طرف دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ ایک

طرف مکہ والے مدینہ آکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اپنے ہتھیار تیز کر رہے تھے دوسری طرف خود مدینہ کے یہود و منافقین مسلمانوں کو پھانسنے کے لئے نئے نئے جال بچھا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس پریشانیوں کے ہجوم میں انہیں اطمینان دلایا تھا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ	وعدہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	کئے خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں وہ
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	زمین کی خلافت دیگا جس طرح اس نے پچھلی
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ	(نیک عمل) قوموں کو دی اور ان کے لئے ان کے
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ	خدا کا پسندیدہ دین مضبوط کر دیگا اور ان کے
مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ (پ۱۸ع۱۳)	خوف کے دنوں کو امن کے زمانہ سے بدل دیگا۔"

چنانچہ یہ وعدۂ خداوندی بہت جلد پورا ہو گیا۔ ہجرت کے دس سال بعد ہی مظلوم و مجبور بے سروسامان مسلمان سارے جزیرۃ العرب پر حکومت الٰہی کے جھنڈے گاڑ چکے تھے۔ ایک طرف وہ کسریٰ کی طاقت کو دھمکا رہے تھے اور دوسری طرف قیصر کی قوت سے ٹکرا رہے تھے۔

اس نئے دور "خلافت اسلام" کے پہلے خلیفہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور دوسرے خلیفہ جنہیں اول خلیفۂ رسول ہونے کا فخر حاصل ہوا ابوبکر صدیق رضؓ۔

لیکن تاریخ اسلام میں چونکہ "خلیفہ" کا استعمال "خلیفہ رسول اللہ" کے معنی میں ہوا ہے۔ اس لئے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہی شمار کئے جاتے ہیں۔

نصب خلافت جمہور اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ خلیفہ کا مقرر کرنا اُمت کے لئے واجب ہے۔ لیکن وجوب کی صورت میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ شرعاً واجب ہے۔ دلائل یہ ہیں :-

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة ۔

"جو شخص دنیا سے رخصت ہوا اور خلیفہ وقت کی بیعت کے حلقہ سے اس کی گردن خالی

ہوئی وہ جاہلیت کی موت مرا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق خلیفہ کا مقرر کرنا ضروری سمجھا اور اس کام کو اس قدر اہم قرار دیا کہ آپؐ کی تدفین پر اس کو مقدم کیا۔

۳۔ شریعتِ اسلامیہ نے جو امور مسلمانوں پر واجب کئے ہیں مثلاً حدودِ شرعیہ کا اجرا وغیرہ بغیر خلیفہ کے پورے نہیں ہو سکتے اور یہ امر مسلّم ہے کہ واجب جن چیزوں پر موقوف ہے وہ بھی واجب ہوتی ہیں۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ شرعاً نہیں بلکہ عقلاً واجب ہے۔ کیونکہ ہر جماعت کو ایک ایسی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے قانون کو عملی طور پر نافذ کرے۔ افرادِ اُمت کے جھگڑے چکائے اور ملک میں امن وامان کے قیام کی ذمہ دار ہو۔ اسی وجہ سے انسانی سوسائٹی کی مسلّم ضروریات میں ایک صاحبِ اقتدار حاکم کی ضرورت داخل ہے۔

لیکن یہ دونوں رائیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں اور دونوں میں توفیق ممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل اور شرع دونوں خلیفہ کے تقرر کی ضرورت پر متفق ہیں۔ عقل قوم کے نظم وضبط کے لئے ایک حاکمِ با اختیار کی ضرورت کا تقاضا کرتی ہے اور شرع ملت کی پیشوائی کے لئے ایک ایسے اعلیٰ نمونہ کی طلب گار ہے جس کی طاقت کا سرچشمہ امت ہی کی طاقت ہو اس کا ذاتی جاہ وجلال نہ ہو۔

علامہ ابن خلدون نے "مقدمہ تاریخ" میں ایک تیسرے گروہ کا بھی ذکر کیا ہے جو نصبِ امام کو شرعاً یا عقلاً کسی طرح ضروری نہیں سمجھتا۔ معتزلہ میں سے "اصم" اور بعض خوارج اسی گروہ میں شامل ہیں۔ ان کا نکتۂ نظر یہ ہے کہ "یہ تو ضروری ہے کہ امت میں قانونِ الٰہی کا رواج ہو لیکن جب یہ قانون دستور کی حیثیت اختیار کر لے اور ملک میں امن وامان ہو جائے تو کسی امام یا خلیفہ کی ضرورت نہیں رہتی۔"

اجماعِ اُمت اس گروہ کی رائے کے خلاف ہے۔ خلفائے راشدین کے بعد

خلفاء میں حکومت و ریاست کے اثرات سے جو اخلاقی کمزوریاں پیدا ہوگئیں ان سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے یہ مذہب اختیار کیا۔

الحاصل علماء کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں کو اپنا خلیفہ یا امام مقرر کرنا ضروری ہے۔ جس سے اُمّت کا شیرازہ مجتمع اور اس کی جماعتی حیثیت برقرار رہے اور وہ انتشارِ خیال و پراگندگیِ عمل کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح نہ مٹ جائے[1]

شروطِ خلافت دُنیا کے ہر ملک اور ہر قوم کے عقلاء یہ اصول تسلیم کرتے ہیں کہ ملک کا بادشاہ اور قوم کا سردار ایسا ہونا چاہیئے جو عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو، مرد ہو، بہادر ہو، عقلمند ہو، صاحبِ اثر و اقتدار ہو ۔ اسلام نے ان شروط پر جو عقلاً ضروری ہیں حسبِ ذیل شروط کا اور اضافہ کیا ہے۔

مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ

۱۔ مسلمان ہو۔

۲۔ عالم ہو تاکہ قرآن کریم (جو حکومتِ اسلامی کا قانون ہے) کی دفعات کو سمجھ سکے اور سنّتِ رسول اللہ کی روشنی میں اس کی تفصیلات کو حل کر سکے۔

۳۔ عادل ہو تاکہ ماتحت حکام کے لئے جن کا اس وصف سے موصوف ہونا ضروری ہے ایک بہترین نمونہ بن سکے۔

۴۔ قریشی (خاندان قریش کا فرد ہو)

پہلی تین شرطیں ایسی ہیں جن پر تمام علماءِ اُمّت کا اتفاق ہے۔ لیکن چوتھی شرط میں اختلاف ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

الائمۃ من قریش   امام قریش میں سے ہوں

اور :-

---

[1] السیاستہ الشرعیہ (عبدالوہاب خلاف)

قدموا قریشا ولا تقدموها — قریش کو مقدم رکھو ان سے مقدم نہ ہو۔

(بیہقی و طبرانی)

یہ اور اسی قسم کی بعض دوسری حدیثیں اشتراطِ قریشیت کی بنیادِ بحث ہیں۔ شرطِ قریشیت کے منکرین کہتے ہیں۔

۱۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مساواتِ انسانیت کا علمبردار بنا کر بھیجا اور آپ نے انسانوں کے بنائے ہوئے تمام جنسی و خاندانی امتیازات کو مٹا دیا۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ آپ خلافت کو قریش کے ساتھ مخصوص کر کے ان غیر اسلامی امتیازات کے نشانات باقی رکھتے۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اسمعوا واطیعوا وان ولی علیکم عبد (حبشی) ذو زبیبۃ۔ — "اگر ایک حقیر صورت حبشی غلام بھی تم پر حاکم بنا دیا جائے تو اس کی بھی بات سنو اور اطاعت کرو۔"

اور حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا۔

لو کان سالم مولی حذیفۃ حیا لولیتہ۔ — "اگر سالم حذیفہ کے غلام زندہ ہوتے تو میں انہیں ولی عہد بناتا۔"

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ رسول اکرمؐ نے خلافت میں شرطِ قرشیت کا اعتبار ضروری سمجھا اور نہ حضرت عمرؓ نے۔

۳۔ کائناتِ عالم کا ایک اٹل قانون ہے کہ دنیا ہمیشہ انقلابات کا گہوارہ رہی ہے اور رہے گی۔

تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ۔ — "یہ (مختلف حالات پر مشتمل) اوقات ہیں جنھیں ہم انسانوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔"

قریش بھی اس قانون کے دائرہ سے خارج نہ تھے۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ شریعت ان کے ساتھ خلافت کی تخصیص کر کے ہر زمانہ میں خواہ وہ اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ یہ بار ان کی گردن پر رکھ دیتی۔

۴۔ پہلی حدیث کوئی حکم یا تشریع نہیں بلکہ ایک پیشین گوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے متعلق فرمائی اور دوسری حدیث سے خلافت کے مسئلہ کا تعلق واضح نہیں۔

امام اشاعرہ ابوبکر باقلانی اور علامہ ابن خلدون کی یہی رائے ہے شرط قرشیت کے مؤیدین کہتے ہیں :-

۱۔ بے شک اسلام مساواتِ انسانی کا علمبردار ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ تمام انسان تمام حیثیات سے برابر ہیں۔ ان میں مرتبہ اور درجہ کا کسی قسم کا کوئی فرق ہی نہیں۔ تمام انسانوں میں حقوقِ انسانیت کے اعتبار سے مساوات ہے۔ مثلاً اوامر ونواہی وحدود وغیرہ میں، لیکن اسلام ان میں اختلافِ اوصاف کے لحاظ سے اختلافِ مراتب کو تسلیم کرتا ہے۔ مثلاً علماء کی غیر علماء پر اور مردوں کی عورتوں پر برتری نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کا نسبی تعلق اُن کے لئے باعثِ فخر ہے۔ ان میں حمیّت دینی کے ساتھ حمیت نسبی بھی موجود ہے اور یقیناً دینِ محمدی کی برتری ان کی اپنی برتری ہے۔ لہٰذا اگر خلافت ان کے سپرد ہو تو وہ نیابتِ رسول اللہ کے فرائض زیادہ بہتر طریقے پر انجام دے سکیں گے۔

۳۔ قرآن کریم قریش کے زبان میں نازل ہوا اکثر احکامِ اسلام قریش کی عادات کے مطابق ہیں لہٰذا وہ شریعتِ محمدیہ کے بہتر رمز شناس ہو سکتے ہیں اور اس پر عامل ہو کر دوسروں کے لئے زیادہ بہتر نمونہ بن سکتے ہیں۔

۴۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جب خلافت کے مسئلہ میں اختلاف رائے ہوا اور انصار نے اپنی امارت کا استحقاق جتایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے موقع استدلال میں یہ حدیث پڑھی "الائمۃ من قریش" اور فرمانِ رسول کے سامنے سب کی گردنیں جھک گئیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے بھی اس حدیث کو حکم کی حیثیت سے تسلیم کیا پیش گوئی قرار نہیں دیا۔

۵ - شرطِ قرشیت دوسری شروط کے ساتھ معتبر ہے تنہا کافی نہیں۔ لہٰذا تلک الایام نداولہا بین الناس کے قانونِ الٰہی کے ماتحت کوئی مفسدہ لازم نہیں آتا۔

۶ - عبدِ حبشی کی اطاعت کے متعلق جو حدیث ہے وہ "انتخابِ خلیفہ کے مسئلہ سے متعلق نہیں بلکہ یہ بتاتی ہے کہ اگر کوئی متغلب غیر مستحق خلافت پہ قابض ہو جائے تو اس وقت طریقۂ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ سالم مولیٰ حذیفہ کے متعلق حضرت عمرؓ کا اثر چونکہ صرف قولِ صحابی کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے حجت نہیں ہو سکتا۔

اکثر علمائے متبحرین مثلاً قاضی عیاض، علامہ نووی، حافظ ابن حجر اور جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ تعالےٰ نے شرطِ قرشیت کی تائید کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی بھی یہی رائے ہے[1]

حقیقت یہ ہے کہ شرطِ قرشیت شرطِ تحقق نہیں شرطِ احقیت ہے یعنی اگر ایسی صورت ہو کہ اُمت خلیفہ کا انتخاب "شوریٰ" کے ذریعہ کرے اور پھر جملہ شرائط میں قریشی اور غیر قریشی دونوں امیدوار برابر کے حیثیت رکھتے ہیں تو اس وقت قرشی کو ترجیح دی جائے گی۔

مثال کے طور پر نماز کی امامت کو لے لیجئے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر دو شخص دیگر اوصاف میں برابر ہوں لیکن ایک نسبی اعتبار سے اشرف ہو تو اسی کو ترجیح دی جائے گی اور اسی کو امام بنایا جائے گا۔ پھر جب امامتِ صغریٰ میں شرافتِ نسب کو معتبر سمجھا گیا ہے تو امامتِ کبریٰ میں اس کے اعتبار میں کیا حرج ہے۔ لیکن چونکہ شرطِ احقیت ہے شرطِ تحقق نہیں۔ اس لئے اگر نظر انداز بھی ہو جائے تو "انعقادِ خلافت" میں کوئی نقص پیدا نہ ہو گا جس طرح امامتِ صلوٰۃ میں اسے نظر انداز کر دینے سے صحتِ صلوٰۃ میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔

اس صورت میں نہ "حدیث امامت قریش" کی تاویل و تخصیص کی ضرورت پیش

---

[1] دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۳ مبحث خلافۃ و حجۃ اللہ البالغہ و مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۶

آتی ہے نہ ان روایات کی توجیہ کی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زید بن حارثہ رضؓ اور حضرت عمرؓ سے سالم مولیٰ حذیفہؓ کی تجویز خلافت کے متعلق منقول ہیں۔

طریق انتخاب "خلافت" کی یہ شرطیں جس شخص میں جمع ہوں وہ اسی وقت خلیفہ ہو سکتا ہے جب عام مسلمان اُسے منتخب کریں یا مسلمانوں کے وہ نمائندے منتخب کریں جنہیں "اہل حل وعقد" کہا جاتا ہے۔ اہل حل وعقد سے مراد وہ امرائے سلطنت، سردارانِ لشکر اور علمائے اُمت ہیں جو علم وعمل، فہم وتدبر اور دردِ ملت کے اوصاف سے متصف ہوں اور مسلمان اپنے "مسائل عمومی" کی ذمہ داری اُن کے سپرد کر دیں۔

ایک گروہ کی رائے ہے کہ اگر خلیفہ اپنے بعد کسی معین شخص یا چند اشخاص میں سے کسی ایک غیر معین کو نامزد کر دے تو وہ بھی خلیفہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے انتخابات کے موقع پر ہوا۔

مگر محققین ولایت عہد کی اس صورت کو تسلیم نہیں کرتے اور اس سلسلہ میں اُن کے دلائل یہ ہیں:۔

۱۔ قرآن کریم نے اجتماعی معاملات میں مسلمانوں کا طریقۂ کار یہ بتایا ہے:۔

امرھم شوریٰ بینھم — "ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں"

مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی میں اہم ترین مسئلہ "انتخاب خلیفہ" ہی کا مسئلہ ہے۔ اگر اسی مسئلہ میں اس زریں اصول کو ترک کر دیا گیا تو پھر وہ کس کام آئیگا۔

۲۔ ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی ولی عہدی کی بیعت درحقیقت ایک زمانہ میں دو امیروں کی بیعت ہے جو شرعاً باطل ہے۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یزید کی ولی عہدی کے لئے بیعت طلب کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا[1]:۔

---

[1] از افادات حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی۔

لا ابایع لا میرین (فتح الباری) "میں ایک زمانہ میں دو امیروں کی بیعت نہ کروں گا"

۳۔ حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے انتخاب کو "نامزدگی" قرار دینا صحیح نہیں۔ بے شک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُمّت کو نشوونما کے ابتدائی زمانہ میں اختلافات کے جھگڑوں سے بچانے کے لئے مسئلہ خلافت کو اپنے آخری لمحات زندگی میں طے کر لینا مناسب سمجھا۔ لیکن آپؓ نے اسے اپنی رائے سے طے نہیں کیا۔ بلکہ اکابر صحابہ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ جنہیں کچھ شبہات تھے ان کے شبہات دُور کئے۔ اور پھر عام استصواب کے لئے حضرت عمرؓ کا نام عامہ مسلمین کے سامنے پیش کیا۔ جب سب نے اسے منظور کر لیا تو آپ نے انہیں "ہونے والا خلیفہ" قرار دے کر بہترین نصیحتیں فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ اس طریقۂ انتخاب کو کسی طرح نامزدگی نہیں کہا جا سکتا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کسی کو ولی عہد نامزد نہیں کیا۔ بلکہ چھ اکابر صحابہ کو (جو شروطِ خلافت کے بہترین جامع تھے) اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرنے کے لئے نامزد کیا۔ یہ لوگ کون تھے؟ یہ مسلمانوں کی مرکزی جماعت کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی تعلیم کو عملی جامہ کی ذمہ داری سپرد فرمائی تھی۔ یہ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ (مہاجرین و انصار کے پہلے طبقہ کے لوگ) تھے جن کے متعلق قرآن کریم کا اعلان تھا کہ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ ان کا فیصلہ خدا کے ہاں پسندیدہ ہے اور خدا کا فیصلہ انہیں تسلیم۔

پھر قرآن جس جماعت کے فیصلہ کی پسندیدگی کا اعلان کر رہا ہو کیا مسلمانوں کو اس کا فیصلہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل و تذبذب ہو سکتا تھا؟ اور کیا اس کا فیصلہ مسلمانوں کی جماعت کا فیصلہ نہ تھا؟ اس کے علاوہ یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ جب ان اصحاب نے اپنی اہم ذمہ داری تنہا "حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ" کو سپرد کر دی تو وہ تین راتوں بغیر پلک جھپکائے برابر مہاجرین و انصار کے مقتدر لوگوں سے مشورہ کرتے رہے۔ پھر اُمّت کی عام رائے کے مطابق حضرت عثمانؓ کے انتخاب کا اعلان فرمایا۔

شیعہ نکتۂ نظر خلافت و امامت کے متعلق شیعہ نکتۂ نظر مختلف ہے۔ جماعت امامیہ کا خیال یہ ہے کہ خلافت ان مصالح عامہ میں سے نہیں ہے جنہیں اُمت کی رائے پر چھوڑ دیا جائے بلکہ یہ دین کا رکن اور مذہب کی بنیاد ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا کہ وہ ایسے اہم مسئلہ کو وحی الہٰی کی روشنی میں طے کر کے جاتے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ و امام مقرر فرمایا اور انہوں نے اپنے بعد حضرت امام حسنؓ اور اُنہوں نے اپنے بعد حضرت امام حسینؓ کو۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے بارہ ائمہ کو اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نص کی تصریحات کے مطابق خلیفہ و امام ہوئے۔ امامیہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو غاصب قرار دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے خدا و رسول کے احکام پر عمل نہ کیا اور حضرت علیؓ سے خلافت چھین لی۔

جماعت زیدیہ کہتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کی تعیین تو کی مگر یہ تعیین نام کے ساتھ نہیں تھی بلکہ صفات کے ساتھ تھی۔ صحابہؓ ان صفات کو ان کے موقع اور محل پر منطبق کرنے سے قاصر رہے اور بجائے حضرت علیؓ کے دوسروں کو ان کی جگہ دیدی گئی۔ یہ حضرات شیخین کو بُرا نہیں کہتے لیکن حضرت علیؓ کو ان سے افضل مانتے ہیں اور افضل کو ہوتے ہوئے مفضول کی خلافت کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک شروط امامت وہی ہیں جو مذکور ہوئیں مگر قرشیت کی بجائے فاطمیت (حضرت فاطمہ زہراؓ کی اولاد میں ہونا) کی شرط لگاتے ہیں۔ اور خلافت کے ثبوت کے لئے خلیفہ و امام کا دعوے دار بن کر کھڑا ہونا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

ان کے علاوہ شیعوں کے اور بھی بہت سے گروہ ہیں جن کے مسئلہ خلافت میں مختلف خیالات ہیں[1]۔ جماعت شیعہ اپنے تمام اماموں کو نبیوں کی طرح معصوم سمجھتی ہے اور ان کا

---

[1] تفصیل کے لئے مقدمہ ابن خلدون کی فصل "مذاہب الشیعۃ فی حکم الامامۃ" اور دائرۃ المعارف لبستانی ج ۷، بحث "خلیفہ" ملاحظہ ہو۔

عقیدہ ہے کہ ائمہ سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہو سکتا۔

صورتِ استیلاء

شروط و طریق انتخاب کے متعلق جو کچھ لکھا گیا۔ یہ اس صورت میں قابلِ عمل ہے جب مسلمانوں میں ان کا شرعی نظام اپنی جمہوری روح کے ساتھ باقی ہو امت اپنے رئیس کے انتخاب میں آزاد ہو اور اُس کے سامنے یہ سوال آئے کہ وہ کسے اپنا "خلیفہ" منتخب کرے۔ لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے یہ "شرعی نظام" خلفائے راشدین کے بعد باقی نہیں رہا۔ نظام شرعی کے درہم وبرہم ہو جانے کے بعد انعقاد خلافت کی کیا صورت ہے یہ ایک الگ موضوع ہے اور شریعتِ اسلام نے پوری توضیح کے ساتھ اس کی بھی تفصیل کر دی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب "اموی حکومت" قائم ہوئی تو صحابہ کرام کو اپنی راہِ عمل متعین کرنے میں ذرا بھی پریشانی لاحق نہ ہوئی۔

نظامِ شرعی کی برہمی کے بعد انعقادِ خلافت کی دو ہی شرطیں ہیں۔ قبضۂ کامل اور اسلام یعنی اگر کوئی مسلمان اپنی طاقت واقتدار کے زور سے منصب خلافت پر قبضہ کر لے اور اس کی حکومت جم جائے تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اُسے خلیفہ تسلیم کر لے اور تمام شرائطِ اطاعت بجا لائے۔ اب خواہ کوئی کتنا ہی احق و افضل کیوں نہ ہو اسے جائز نہیں کہ اس کی خلافت کا انکار کرے اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد کا دروازہ کھولے۔

اس حکم کی مصلحت صاف ظاہر ہے۔ اگر اب بھی تمام شروط کا اعتبار ضروری قرار دیا جائے تو ہر شخص جس کے ساتھ چار آدمی ہوں اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر بنا کر خلافت کا مدعی بن کھڑا ہو۔ پھر نظام شرعی تو ٹوٹ پھوٹ چکا۔ افضل و مفضول مستحق اور غیر مستحق کا فیصلہ کون کرے؟ لازماً اس فیصلہ کے لئے زبانِ شمشیر ہی میدان میں آئے گی۔ فتنہ وفساد کی آگ بھڑکے گی خون کی ندیاں بہیں گے۔ ملک کا امن وامان تباہ ہو جائے گا اور مسلمانوں کی جمعیت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

عن عبادۃ بن الصامتؓ قال — عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اس

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	بات پر رسول اللہ کی بیعت کی کہ ہر حال
علی السمع والطاعۃ فی منشطنا	اور ہر صورت میں امام کی اطاعت کریں گے۔
ومکرھنا وعسرنا ویسرنا واثرۃ	حکومت کے معاملہ میں ہم اہل حکومت سے جھگڑا نہ
علینا وان لا ننازع الامر اھلہ	کرینگے۔ بجز اس صورت کے کہ ان سے کھلم کھلا
الا ان تروا کفرا بواحا عندکم فیہ	کفر ظاہر ہو اور تمہارے پاس اس معاملہ میں
من اللہ برھان (متفق علیہ)	کتاب اللہ کی دلیل موجود ہو۔"

عبد حبشی کی طاعت کے متعلق جو حدیث پہلے گزر چکی وہ ابھی اسی صورت سے تعلق رکھتی ہے۔ (فتح الباری ص۱۲/۱۳)

یہ مسلط خلیفہ اور امیر اگر دینداری کے معمولی معیار پر بھی پورے نہ اتریں اور فسق و فجور کے مرتکب ہوں تب بھی اُن کا مقابلہ جائز نہیں۔ ہاں البتہ اُن کی بُری باتوں کو بُرا سمجھا جائے گا اور وہ اللہ تعالےٰ کی معصیت کا حکم دیں تو اس کی تعمیل سے انکار کر دیا جائے گا۔

خیار ائمتکم الذین تحبونھم و	"تمہارے بہتر امام وہ ہیں جن سے تم محبت
یحبونکم وتصلون علیھم ویصلون	کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں تم
علیکم وشرار ائمتکم الذین	ان کے لئے رحمت کی دعا مانگتے ہو وہ تمہارے
تبغضونھم ویبغضونکم و	لئے مانگتے ہیں اور بدتر امام وہ ہیں جنہیں تم
تلعنونھم ویلعنونکم قال	دشمن سمجھتے ہو اور وہ تمہیں دشمن سمجھتے ہیں
قلنا یارسول اللہ افلا ننابذھم	تم اُن پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر۔ صحابہ
عند ذالک قال لا ما اقاموا فیکم	نے کہا یارسول اللہ کیا ایسے حکام سے ہم نہ
الصلوٰۃ الا من ولی علیہ وال	لڑیں۔ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ تم میں
فراٰہ یاتی شیئا من معصیۃ اللہ	نماز قائم رکھیں اطاعت ہی کرو ہاں جو شخص
فلیکرہ ما یاتی من معصیۃ اللہ	اپنے حاکم کی کوئی ناجائز بات دیکھے تو اسے
ولا ینزعن یدا من طاعتہ (مسلم)	بُرا سمجھے لیکن اس کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔"

خلیفہ اور شوریٰ

اب یہاں ایک بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ خلیفہ یا امام جب مسلمانوں کی رائے سے منتخب ہو چکا تو اُسے معاملاتِ خلافت میں اہلِ حل وعقد سے مشورہ لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو ہر معاملہ میں ضروری ہے یا صرف مہمات امور میں؟ پھر رائے لینے کے بعد اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا خلیفہ آزاد ہے خواہ عمل کرے یا نہ کرے۔ اس بحث کی بُنیاد قرآن کریم کی یہ آیت ہے :۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۔ (پ ع ۸)

"اے نبی اس طرح کے معاملات میں (یعنی امن وجنگ کے معاملات میں) ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ پھر جب ایسا ہو کہ تم نے کسی بات کا عزم کر لیا تو چاہیئے کہ خدا پر بھروسہ کر کے (اور جو کچھ ٹھان لیا ہے اُس پر کاربند ہو جاؤ" (ترجمان القرآن)

اس آیت سے یہ بات تو صاف ہو جاتی ہے کہ خلیفہ کو اہلِ حل وعقد سے رائے لینا ضروری ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور سفیان بن عینیہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مشورہ کا حکم اسی لئے دیا کہ دوسرے اس معاملہ میں آپ کی پیروی کریں اور آپؐ کی اُمت میں یہ سُنّت جاری ہو جائے اور یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مشاورت اہم معاملات میں ضروری ہے غیر اہم مسائل میں نہیں۔ کیونکہ یہ آیت خودؔ جنگِ اُحدؔ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اب تیسری بات رہ جاتی ہے کہ مشاورت کے بعد خلیفہ کو اہلِ شوریٰ کی رائے (خواہ وہ بالاغلبیت ہو یا بالاتفاق) پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اہلِ علم کی دو رائیں ہیں۔

(ا) خلیفہ اہم معاملات میں مشورہ لینے کے بعد بھی اہلِ حل وعقد کی رائے کا پابند نہیں اس کی حیثیت صرف مشورہ کی ہو گی جس کا قبول کرنا اور نہ کرنا خلیفہ کے اختیار میں ہو گا۔

(ب) خلیفہ اہلِ حل وعقد سے رائے لینے کے بعد اس کا پابند ہے اس سے گریز

اس کے لئے جائز نہیں۔

درحقیقت اس اختلاف کا مبنیٰ "عزم" کے معنی کی تعیین ہے۔ قول اوّل کے قائلین عزم کے معنی ارادہ کی پختگی اور طبیعت کے اطمینان کے لیتے ہیں۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے مشورہ کرو۔ پھر مشورہ کے بعد کسی ایک بات کا حسب طبیعت ٹھیک پختہ ارادہ کر لو۔ پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اسے کر گزرو۔ بعض مفسرین کی تشریحات سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) فاذا عزمت ای عقیب المشاورۃ علی شیء واطمأنت بہ نفسک فتوکل علی اللہ فی امضاء امرک علی ما ھو اصلح لک لا یعلمہ الا اللہ لا انت ولا من تشاور۔
(روح البیان ج ۲ ص ۱۱۶)

"یعنی مشورہ کے بعد جب تم کسی کام کا پختہ ارادہ کر لو اور تمہارا دل اس کام پر ٹھیک جائے تو پھر اسے بہتر اور اصلح طریق پر انجام دینے میں اللہ پر بھروسہ کرو کیونکہ جو بات تمہارے حق میں بہتر ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے نہ تم جانتے ہو نہ تمہارے مشیر۔"

(۲) ای فاذا عقدت قلبک علی امر بعد الاستشارۃ فاجعل تفویضک فیہ الی اللہ تعالیٰ فانہ العالم بالاصلح لک والارشد لامرک لا یعلمہ من اشار علیک۔ وفی ھذہ الاٰیۃ دلیل علی المشاورۃ وتخمیر الرائے وتنقیحہ والفکر فیہ۔
(البحر المحیط ج ۳ ص ۹۹)

"یعنی مشورہ کے بعد جب تم اپنے دل کو کسی کام پر جما لو تو پھر اس کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دو کیونکہ جو کچھ تمہارے لئے بہتر ہے اور موزوں تر ہے اسے اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے نہ کہ تمہارا مشیر۔ اس آیت میں دلیل ہے مشورہ کی ضرورت اور رائے کی پختگی وتنقیح اور اس میں غور و فکر کی ضرورت پر۔"

اس قول کے موئدین کے نزدیک خلیفہ کا مقصد مشورہ سے یہ ہونا چاہئے کہ بحث کے مختلف گوشے اُس کے سامنے کُھل جائیں اور پھر وہ یقین وطمانیت کے ساتھ کوئی راہِ عمل اختیار کر سکے۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل میں بھی اس رائے کی تائیدات ملتی ہیں۔ بعض یہ ہیں :-

۱- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فتنۂ ارتداد کے ظہور کے وقت اہلِ شوریٰ سے مشورہ کیا۔ اکثر صحابہ کی رائے تھی کہ فی الحال مانعینِ زکوٰۃ سے تعرض نہ کیا جائے اور نرمی سے کام لے کر معاملہ کو سلجھایا جائے۔ حضرت عمرؓ کی بھی یہی رائے تھی لیکن صدیق اکبرؓ نے اس رائے کو قبول کرنے سے سختی سے انکار فرمایا اور اس فتنہ کی آگ کو آبِ شمشیر سے دھویا۔

۲- اسی طرح جماعت سبائیہ کی فتنہ پردازیوں کے انسداد کے لئے ۳۴ھ میں حضرت عثمان غنیؓ نے جو اہم مجلسِ شوریٰ منعقد کی اس میں تقریباً متفقہ رائے یہ تھی کہ فتنہ پردازوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اس رائے پر عمل کرنے سے انکار فرمادیا اور نرمی ودرگزر کی پالیسی کو ترجیح دی۔

قول دوم کے قائلین کے نزدیک "عزم" شوریٰ سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ اسی شوریٰ کے "قصدِ نفاذ" کا نام عزم ہے۔ مفسّرِ جلیل حافظ ابن کثیرؒ اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

والعزم فی الاصل قصد له وامضاء عن علی قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم قال مشاورة اهل الرائے ثم اتباعهم۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۳)	"عزم حقیقت میں "ارادہ نفاذ" کا نام ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزم کے معنی پوچھے گئے تو آپؐ نے جواب دیا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر اس پر کاربند ہونا۔"

محترم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیہواروی نے اپنی غیر مطبوعہ کتاب میں اس مسلک کی تائید میں حسب ذیل دلائل جمع فرمائے ہیں جو ممدوح کے شکریہ کے ساتھ درج ذیل ہیں :۔

۱۔ مجمع الزوائد میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضورؐ سے پوچھا یا رسول اللہ! اگر کوئی بات قرآن وسنّت میں نہ پائیں تو پھر کیا کریں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ سمجھدار خدا پرستوں سے مشورہ کر دو اور کسی ایک مخصوص شخص کی رائے کو جاری نہ کرو۔

۲۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :۔

"اگر میں بغیر مشورہ کے کسی کو خلیفہ بناتا تو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کو بناتا۔ (مگر معلوم ہے کہ آپ نے ایسا نہ کیا)

۳۔ "طبقات ابن سعد" میں ہے کہ بعض صحابہ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ جو بات ہم کو کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ اللہ میں نہ ملے تو ہم اس کے متعلق کیا کریں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس جانب اہل الرائے کی کثرت ہو اسی پر عمل کرو۔

۴۔ حافظ ابن حجر شرح بخاری میں " فاذا عزم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم" کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم مشورہ کے بعد اس کے موافق عزم فرمالیں تو پھر کسی کے لئے درست نہیں کہ آپ کو اس کے خلاف رائے دے۔

یہ دوسرا قول اسلام کی جمہوری روح سے زیادہ قریب ہے مگر واضح رہے کہ موجودہ نام نہاد جمہوری اداروں میں رائے شماری کا جو طریقہ رائج ہے جہاں "کنویسنگ" کے ذریعے رائے دہندگان پر ہر قسم کا اخلاقی ومادی اثر ڈالا جاتا ہے اور جہاں پارٹی کے لیڈروں کی آواز میں آواز نہ ملانا خواہ وہ سراسر باطل ہی کیوں نہ ہو ضروری قرار دیا

جاتا ہے کسی طرح بھی اسلامی "شوریٰ" کے معیار پر پورا نہیں اُترتا۔ اسلام نے اہلِ شوریٰ کے لئے کچھ آداب مقرر فرماتے ہیں جن کی پابندی شرطِ اولین ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

۱ ۔ المستشار مؤتمن — "جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے، اگر اس نے صحیح مشورہ نہ دیا تو امانت میں خیانت کی"

۲ ۔ من اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ۔ (ابوداؤد) — "جس شخص نے اپنے بھائی کو دیدہ و دانستہ غلط مشورہ دیا اُس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کی"

لہٰذا جو فیصلہ "اسلامی شوریٰ" کی اس بنیادی شرط سے علیحدہ ہو کر کیا جائے خواہ اہلِ شوریٰ کی کتنی ہی بڑی اکثریت اُس کی مؤید کیوں نہ ہو۔ شریعتِ اسلامیہ کے آئین کی رُو سے باطل ہے اور علمائے اسلام کے کسی گروہ کے نزدیک بھی قابلِ عمل نہیں ہے۔

خلافتِ راشدہ

حکومت اسلامی اگر صحیح معنی میں حکومتِ الٰہی ہو، احکامِ اسلام کا اجراء، حدودِ شریعت کا نفاذ، اصولِ دین کی تبلیغ، علومِ شریعت کی اشاعت، فصلِ خصومات اور قیامِ امن و امان سُنّتِ رسول کے مطابق ہو۔ اس کا نظام "شوریٰ" کی بنیادوں پر قائم ہو اور اس کا رئیس ذات نبوتؐ کی جامعیت رکھتا ہو۔ مسندِ درس پر وہ مجتہدِ مطلق ہو حلقۂ ارشاد میں ولی کامل ہو۔ مجلسِ قضاء میں قاضی عادل ہو اور میدانِ جنگ میں سالارِ جرّار۔

غرض مذہب و سیاست کے تمام علمی و عملی کمالات میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح جانشین ہو تو ایسی خلافت کو "خلافتِ راشدہ" یا "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کہتے ہیں۔

خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر فاروق رضؓ، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم) کے پیغمبرانہ طرزِ زندگی اور اُن کے دورِ خلافت کے شاندار کارناموں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت آئینہ کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی خلافت کا زمانہ ہی خلافتِ راشدہ کا دَور تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے :-

الخلافۃ بعدی ثلاثون عامًا ثم ملک بعد ذالک۔ "خلافت میرے بعد تیس سال ہے پھر اس کے بعد حکومت"

اس حدیث میں "خلافت" سے خلافت کا درجہ کمال یعنی "خلافت راشدہ" ہی مراد ہے۔ خلافتِ راشدہ دراصل درجہ نبوّت کا تتمہ و تکملہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے -

کانت بنواسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء (متفق علیہ) "بنی اسرائیل کی سیاست ان کے نبیوں سے متعلق تھی جب ایک نبی وفات پاجاتے تو دوسرے ان کے قائم مقام ہوتے حقیقت یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی تو نہ آئیگا البتہ "خلفاء" ہوں گے۔

اسی لئے سنّتِ خلفاء راشدین کو سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اُمّت کے واسطے نمونۂ عمل قرار دیا گیا اور خلفاء راشدین کی پیروی کا حکم دیا گیا۔

اکثر علمائے کرام نے اس حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون عامًا سے استدلال کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ خلافت راشدہ کا سلسلہ حضرات خلفاء اربعہ (یا خمسہ) رحمہم اللہ پر ختم ہو گیا لیکن فاضل جلیل علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔

آپ لکھتے ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ متواتر و مسلسل خلافت راشدہ کا دَور تیس سال رہے گا۔ اس کے بعد دورِ حکومت کے حائل ہوتے رہنے کے سبب یہ تواتر و تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ لیکن پھر بھی خلفائے راشدین وقتاً فوقتاً ہوتے رہیں

گے۔ یہ مطلب نہیں کہ پھر وہ ہوں گے ہی نہیں۔

علامہ ممدوح نے اس رائے کی تائید میں جابر بن سمرہؓ کی یہ حدیث جو صحاح میں مختلف طرق سے مروی ہے نقل کی ہے۔

لا تزال هذه الامة مستقيما	"اس امت کی حکومت قائم و برقرار اور
امرها ظاهرة على عدوها حتى	یہ اپنے دشمن پر کامیاب رہے گی تا آنکہ
يمضى اثنا عشرة خليفة كلهم	اس میں بارہ خلیفہ ہو جائیں جو سب کے سب
من قريش ۔	قریش میں سے ہوں گے۔"

اس حدیث کی نقل کے بعد تائید مزید کے لئے توراۃ کی یہ عبارت نقل کی ہے:۔

"خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسمٰعیلؑ کی بشارت دی اور فرمایا کہ وہ اسمٰعیل کی اولاد کو پروان چڑھائے گا اور ان میں سے بارہ سردار پیدا کرے گا۔"

پھر اپنے جلیل القدر استاد علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے فرمایا۔

"یہ سردار وہی خلفاء ہیں جن کی جابر بن سمرہ کی حدیث میں بشارت دی گئی ہے اور یہ اُمت میں حسبِ ضرورت مختلف اوقات میں ظاہر ہوتے رہیں گے۔"

واضح رہے کہ ان بارہ خلفاء سے شیعہ صاحبان کے بارہ ائمہ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ اُن میں سے بجز حضرات علیؓ و حسنؓ کے کوئی صاحبِ اقتدار و اختیار نہ ہو سکا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶، ص ۲۴۹)

افضلیت حضرت ابوبکر صدیقؓ

قرآن کریم اور حدیث شریف میں "خلیفہ رسول" کی شخصی تعیین کے متعلق تصریحات نہیں ملتیں۔

امرهم شورى بينهم۔ مسلمانوں کے کام آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں

کے اصول کار کے مطابق شریعتِ اسلامی ان کے سب سے بڑے جماعتی کام انتخاب خلافت کی ذمہ داری بھی انہی کے سپرد کرنا چاہتی تھی تاکہ اچھے بُرے کے نتائج کا بوجھ انہی پر رہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کچھ شروط و ہدایات کے ساتھ ان کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا گیا۔

تاہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل میں جابجا ایسے اشارات ملتے ہیں جن سے آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے استحقاقِ خلافت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اور یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ اپنی نیابت کی مسند پر اسی "یارِ غار" کو فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ بعض عملی اشارات حسبِ ذیل ہیں :۔

۱۔ غزوۂ تبوک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں زمانہ کے لحاظ سے سب سے آخری، تیاری و سامان کے لحاظ سے سب سے بڑا اور حریف کی شوکت کے اعتبار سے سب سے اہم غزوہ تھا۔ اس غزوہ میں لشکرِ اسلامی کا سب سے بڑا منصب "صاحب اللواء" حضرت ابوبکرؓ ہی کو عطا ہوا۔

۲۔ ۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو ہی اپنا قائم مقام اور امیر حج مقرر فرما کر مکہ معظمہ بھیجا اور حکم دیا کہ منیٰ میں اعلان کردیں کہ اس سال کے بعد خدا کے گھر میں اس کے باغیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ہی کی زیرِ سیادت سورۂ برأت کی آیات جو اسی زمانے میں نازل ہوئی تھیں سنانے کے لئے مامور فرمایا۔ چنانچہ یہ حج حجِ ابوبکرؓ کے نام سے ہی تاریخ میں مشہور ہے۔

۳۔ مرضِ وفات میں جماعتِ صحابہ کی امامت کے لئے حضرت ابوبکرؓ ہی کو ترجیح دی اور جب حضرت صدیقؓ کی عدم موجودگی کی وجہ سے بعض صحابہ نے حضرت عمرؓ کو آگے بڑھا دیا اور ان کی آواز جو کافی بلند تھی حضورؐ کے کانوں تک پہنچی تو آپؐ نے غصہ ہو کر فرمایا۔ نہیں نہیں نہیں۔ ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکرؓ) ہی نماز پڑھائیں جس قوم میں ابوبکرؓ موجود ہوں کسی اور کو امامت زیب نہیں دیتی۔" (ابوداؤد و ترمذی)

۴۔ مسجدِ نبوی کے گرد جن صحابہ کے مکانات تھے انہوں نے مسجد میں حاضری کی آسانی کے خیال سے اُن میں کھڑکیاں کھول رکھی تھیں۔ انہی کھڑکیوں کے راستہ مسجد میں حاضر ہوتے تھے۔ وفات کے قریب آپؐ نے حکم دیا کہ سب کھڑکیاں بند کر دی جائیں۔ صرف ابوبکرؓ کی کھڑکی کھلی رہنے دی جائے۔[1] (بخاری و مسلم)

چند قولی اشارات یہ ہیں :۔

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:۔ "شبِ معراج میں مَیں جس آسمان پر بھی پہنچا وہاں اپنا نام محمد رسول اللہ اور اس کے بعد ابوبکر صدیقؓ لکھا پایا۔ (اوسط طبرانی)

۲۔ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکرؓ اور عمرؓ تمام اگلے اور پچھلے اہلِ جنت کے جو اَدھیڑ عمر کے دُنیا سے اُٹھے (اور طاعت اور عبادت کے لئے وقت پا سکے سردار ہوں گے) سوائے انبیاء اور مرسلینؑ کے۔[2] (ترمذی)

۳۔ حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے دو وزیر آسمانی مخلوق میں سے اور دو زمینی مخلوق میں سے ہوتے ہیں، تو آسمانی مخلوق میں سے میرے دو وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں اور زمینی مخلوق میں سے ابوبکرؓ و عمرؓ۔ (ترمذی)

۴۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ تم میں مَیں کتنے دن اور رہوں لہٰذا میرے بعد ان دونوں کے حکم کی پیروی کرنا۔ یہ فرماتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کیا۔ (ترمذی)

---

[1] شاید اس لئے کہ خلیفۂ رسول کو اپنے فرائض منصبی کے سلسلہ میں آنے جانے میں تکلیف نہ ہو۔

[2] ظاہر ہے کہ جو شخص جنت میں سب مسلمانوں کا پیشوا ہو گا وہ دُنیا میں بھی اُن کا امام ہونے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

۵۔ ایک سائلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آنحضرتؐ نے اُس سے فرمایا اگر پھر آنا ہو اور مجھے نہ پائے تو ابو بکرؓ کے پاس آنا[1]

(ازالۃ الخلفاء)

خود صحابہ کرام جو دربارِ نبوت کے ہر وقت کے حاضر باش تھے ان کی بھی یہی رائے تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ پھر ان کے بعد عمرؓ، ان کے بعد عثمانؓ کا درجہ قرار دیتے تھے۔ پھر تمام صحابہ کرام کو بلا ترجیح رہنے دیتے۔ ان میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ دیتے تھے۔

(بخاری و ابو داؤد و ترمذی)

طبرانی نے اس اثر پر اتنا اضافہ اور کیا ہے:

"کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس ترتیب کو سنتے تھے اور انکار نہ فرماتے تھے۔ (التاج الجامع للاصول)

صحیح بخاری میں محمد بن حنفیہ کی روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر بھی اسی مضمون کا منقول ہے۔

ترتیب خلفاء اربعہ

یہی نہیں بلکہ احادیث و آثار کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے انتخاب کے سلسلہ میں جو ترتیب ظہور میں آئی وہ منشاءِ نبوی کے مطابق تھی اور یقیناً صحابہ کرامؓ نے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر وقت کے

---

[1] ظاہر ہے کہ بیت المال میں تصرف خلیفہ ہی کا کام ہے۔

نہیں جلیس تھے۔ انتخاب خلافت کے وقت مرتضیٰ مولیٰ ہی کو سب سے اولیٰ سمجھ کر اس ترتیب کو ملحوظ رکھا ہوگا۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گذشتہ رات ایک مردِ صالح کو خواب میں دکھایا گیا کہ ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملایا گیا ہے اور عمرؓ کو ابوبکرؓ کے ساتھ اور عثمانؓ کو عمرؓ کے ساتھ۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ حضورؐ کی مجلس سے اٹھ گئے تو ہم نے آپس میں کہا کہ مردِ صالح تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانے سے مراد یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے خلیفۂ اسلام ہوں گے۔

(ابوداؤد)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ ابوبکرؓ کو امیر بناؤ گے تو انہیں امین، دُنیا کا حقیر سمجھنے والا اور آخرت کا شائق پاؤ گے۔ اگر عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو انہیں قوی و امین پاؤ گے کہ خدا کے معاملے میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔ اور اگر علیؓ کو امیر بناؤ گے اور میرا خیال ہے کہ تم لوگ (بالاتفاق) ایسا نہ کرو گے تو ان کو ہدایت کرنے والا پاؤ گے۔

۳۔ حضرت سمرہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ڈول آسمان سے لٹکایا گیا ہے۔ ابوبکرؓ آئے اور اس ڈول کے دونوں ڈنڈے پکڑ کر ضعف کے ساتھ پانی پیا۔ اس کے بعد عمرؓ آئے اور اس ڈول کے دونوں ڈنڈے پکڑ کر اتنا پیا کہ کوکھیں پھول گئیں۔ اس کے بعد عثمانؓ آئے اور اس کے ڈنڈے پکڑ کر اتنا پیا کہ کوکھیں پھول گئیں۔ اس کے بعد علیؓ آئے اور پانی پینے کے لئے اس کے ڈنڈے پکڑے تو ڈول ہلا اور کچھ پانی اس میں سے ان کے اوپر گرا۔[1] (ابوداؤد)

---

[1] پانی کے ڈول سے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ کسی کے

(بقیہ اگلے صفحے پر)

۴۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے بیان کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک ترازو اتری۔ اس ترازو میں آپ اور ابوبکرؓ تولے گئے تو آپ ابوبکرؓ سے بھاری نکلے۔ پھر ابوبکرؓ اور عمرؓ تولے گئے تو ابوبکرؓ بھاری نکلے۔ پھر عمرؓ اور عثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ بھاری نکلے۔ اس کے بعد ترازو اٹھالی گئی [۱] (ابوداؤد)

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی رحمت نازل ہو ابوبکرؓ پر انھوں نے اپنی بیٹی مجھے دی۔ مدینہ آنے کے لئے سواری کا انتظام کیا۔ غار میں میرے ساتھ رہے اور بلالؓ کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا۔ اللہ کی رحمت نازل ہو عمرؓ پر کہ وہ حق بات کہتے ہیں اگرچہ کسی کو کڑوی معلوم ہو۔ اس حق گوئی کی وجہ سے ان کا کوئی دنیوی دوست نہ رہا۔ اللہ کی رحمت نازل ہو عثمانؓ پر کہ خدا کے فرشتے بھی اُن (کی حیاء) سے شرماتے ہیں۔ اللہ کی رحمت نازل ہو علیؓ پر، اے خدا حق کو ان کے ساتھ کر جدھر بھی وہ جائیں۔ (ترمذی)

۶۔ بنی مصطلق سے آپ نے فرمایا کہ وہ آپ کے بعد مال زکوٰۃ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا کریں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے، ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے آگے) ساتھ پانی پینے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی قلت مدت یا ظہور ارتداد کی طرف اشارہ ہے۔ ڈول کا پانی گر جانے سے حضرت علیؓ کے زمانہ میں خلافت میں تفرقہ پڑ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

[۱] ترازو کے اُٹھ جانے سے غالباً مراد یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد لوگ انتخاب خلافت کے معاملہ میں معیارِ فضیلت کو ملحوظ نہ رکھیں گے اور گروہ بندی اور طاقت پر دار و مدار رہ جائے گا۔

۷۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر علی الترتیب حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو خطبہ کہنے کا حکم دیا۔[1]

۸۔ مسجد نبوی کی بناء رکھتے ہوئے ایک پتھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھا اور پھر بہ ترتیب ایک ایک پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت عثمان غنی رضؓ سے رکھوایا۔[2]

رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ۔



---

[1] مال زکوٰۃ کی وصولیابی اور خطبہ کا لوازم خلافت سے ہونا ظاہر ہے۔

[2] آخری تین حدیثیں ازالۃ الخلفاء حصہ دوم صفحہ ۵۱، ۵۲۔ از حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ماخوذ ہیں۔ شاہ صاحب نے اس مسئلہ سے متعلق اور بھی بہت سی احادیث و آثار نقل فرمائے ہیں جنہیں بخوف طوالت کلام قلم انداز کیا جاتا ہے۔

عہدِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

انتخابِ خلافت

سقیفہ بنی ساعدہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوتے ہی سب سے اہم مسئلہ مسلمانوں کے سامنے یہ تھا کہ وہ کس بزرگ کو آپؐ کا خلیفہ منتخب کریں؟ پھر یہ بھی ضروری تھا کہ اس کام کو جس قدر جلد ممکن ہو انجام دیں۔ ورنہ اندیشہ تھا کہ منافقوں کی سازش سے مسلمانوں کا اتحاد جو اُن کے مقدس دین کی بنیاد ہے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور اسلام کی شاندار عمارت جس کی تعمیر میں سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تیئیس سال صرف ہوتے ہوئے نظر آ رہے ہیں زمین پر آ رہے۔

اس زمانہ کے مسلمانوں کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں مہاجرین اور انصار۔ "مہاجرین" وہ مسلمان تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے وطن اپنے عزیزوں اور اپنے مال و متاع کو چھوڑ کر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ چلے آئے تھے۔ اور "انصار" وہ مسلمان تھے جنہوں نے اپنے جان و مال سے حضورؐ کی مدد کی اور اپنے وطن مدینہ منورہ میں بُلا کر خدا کے دین کو پروان چڑھایا۔ سقیفہ بنی ساعدہ انصار کے سردار سعد بن عبادہؓ کی نشست گاہ تھی۔ رؤسائے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور انتخابِ خلافت کے مسئلہ پر گفتگو ہونے لگی۔ پہلے سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے۔ آپ نے انصار کی خدمات کا تذکرہ کیا اور پھر کہا کہ "خلافتِ رسول" کے سب سے زیادہ مستحق ہم ہیں۔ چند انصار نے کہا آپؐ نے بالکل درست فرمایا۔ مجمع میں

سے ایک آواز آئی۔ اگر مہاجرین نہ مانیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے سبب اپنا حق جتائیں تو پھر کیا ہو؟ دوسرے صاحب نے جواب دیا۔ پھر ایک امیر ہمارے خاندان میں سے ہو اور دوسرا اُن کے خاندان سے۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو اس اجتماع کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی مہاجرین کی جماعت کے ساتھ تشریف لے آئے۔ حضرت عمرؓ کچھ کہنا چاہتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں روک دیا اور خود بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ایک تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں آپ نے پہلے مہاجرین کی دینی قربانیوں کا تذکرہ کیا۔ پھر انصار کے جذبۂ ایثار کی دل کھول کر تعریف کی اور پھر فرمایا اگر فضائل و مناقب کو دیکھا جائے تو دونوں میں سے کوئی دوسرے سے کم نہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

الائمۃ من قریش — امام قریش میں سے ہوں۔

لہٰذا اے جماعت انصار! خلفاء ہم میں سے ہوں اور وزراء تم میں سے اور یقین مانو کہ خلافت کے اہم کاموں میں تم سے مشورہ لیا جاتا رہے گا۔"

اب انصار کے قبیلہ خزرج میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اچھا اگر مہاجرین کو ہماری خلافت سے انکار ہے تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک اُن میں سے۔

یہ رائے ظاہر ہے کہ نہایت غلط تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی سختی سے اس کی مخالفت کی۔ پھر حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے انصار! تم نے ہی دینِ اسلام کو سب سے پہلے قوت پہنچائی۔ اب تم ہی اس کے ضعف کا سامان نہ کرو۔

یہ سُن کر انصار کے قبیلۂ خزرج ہی میں سے ایک دوسرے صاحب بشیر بن سعد کھڑے ہو گئے اور اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔

"اے جماعتِ انصار! اگر ہم نے اسلام کی خدمات میں حصہ لیا تو اللہ تعالےٰ

کی رضا اور اُس کے رسول پاکؐ کی اطاعت کے لئے لیا۔ اس میں کسی پر احسان جتانے کا کیا موقع ہے؟ اور اس کے عوض متاعِ دُنیا کو طلب کرنا کہاں مناسب ہے؟ سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاندانِ قریش میں سے تھے۔ قریش ان کی خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ خدا کی قسم! اس منصب میں میں ان سے جھگڑنے کو بالکل مناسب نہیں سمجھتا۔ اللہ سے ڈرو اور ان کی مخالفت نہ کرو۔"

جب انصار ہی میں سے ایک جماعت قریش کی حامی ہوگئی تو وہ خاموش ہو گئے۔ اب یہ بات تو طے ہوگئی تھی کہ قریش ہی میں سے کوئی خلیفہ ہو لیکن یہ مرحلہ باقی تھا کہ وہ کون ہو؟ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

"بھائیو! عمرؓ بن خطاب اور ابوعبیدہ بن جراح میں سے کوئی ایک خلیفہ ہونا چاہیئے جسے مناسب سمجھو انتخاب کرلو۔"

یہ سُن کر یہ دونوں صاحبان کھڑے ہوگئے اور ایک زبان ہو کر بولے:۔

"اے صدیق! بھلا آپ کے ہوتے ہم ایسی جرأت کر سکتے ہیں۔ آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں۔ غارِ ثور کی تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہیں۔ رسول پاکؐ کی زندگی میں، نماز کی امامت میں آپ نے ان کی نیابت کی، حالانکہ دینِ اسلام میں سب سے اہم چیز نماز ہی ہے۔ ان فضائل کے ہوتے ہوئے خلافتِ رسولؐ کا آپ سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا ہے۔ اپنا ہاتھ بڑھائیے کہ پہلے ہم ہی بیعت کریں۔"

لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ نے انکار کر دیا تو بات نئے سرے سے جھگڑے میں پڑ جائے گی۔ خود ہاتھ بڑھا کر صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس کے بعد تمام مسلمان بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔

یوں یہ اہم مسئلہ بخیر و خوبی طے ہوا اور مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوگئے۔

بیعتِ عامّہ دوسرے روز مسجد نبویؐ میں بیعتِ عامہ ہُوئی جس میں تمام مسلمان شریک ہُوئے۔ بیعت سے فارغ ہو کر حضرت صدیقؓ خلیفہ اسلام کی حیثیت سے منبر پر تشریف لائے اور خطبۂ خلافت ارشاد فرمایا۔ حمد و ثناء کے بعد آپؓ نے ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کر دو۔ دیکھو سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تم میں جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جب تک کہ میں اُسے اس کا حق نہ دلا دوں۔ انشاء اللہ! اور تم میں جو شخص قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں۔ انشاء اللہ۔ دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چھوڑ دیا اللہ نے اُسے ذلیل کر دیا ہے اور جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اُس میں مصیبت کو بھی پھیلا دیتا ہے۔ دیکھو جب تک میں خدا اور اُس کے رسُول کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو اور جب میں خدا اور اُس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم بھی میری اطاعت سے آزاد ہو"

یہ خطبہ ایک "دستور العمل" تھا جسے آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں پیشِ نظر رکھا۔

توقفِ علیؓ مرتضیٰ حضرت علی مرتضیٰؓ اور اُن کے چند متعلقین نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کچھ دیر کی ابتداءً تو وہ اس لئے بیعت نہ کر سکے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیعت ہونے کی وجہ سے وہ آپؐ کی تجہیز و تکفین میں لگے رہے۔ اس کے بعد ایک دوسری رکاوٹ پیش آگئی۔

حضرت فاطمہ زہراؓ اور حضرت عباسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ جائداد

(مدینہ وخیبر) میں سے اپنا حصّہ طلب کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انبیاء کی جائداد میں میراث نہیں چلتی۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا ہے :۔

لا نورث ما ترکنا صدقۃ "ہم نبیوں کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ وقف ہوتا ہے"۔

حضرت بتولؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نہ سُنی تھی، منافقین کی دراندازی سے دلوں میں فرق پڑ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چونکہ خاتونِ جنت کی دلداری کا بہت خیال تھا اس لئے انہوں نے چھ مہینے، جب تک وہ زندہ رہیں بیعت میں تاخیر کی۔

علاوہ ازیں بنو ہاشم کا یہ بھی خیال تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہونے کی حیثیت سے خلافت میں اُن کا حق مقدم ہے خود حضرت علیؓ بھی ان کے ہم خیال تھے۔

لیکن چونکہ ان بزرگوں میں نفسانیت نہ تھی اس لئے پہلے تو بیماری کے زمانہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر خود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عذر خواہی کی اور پھر ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بلایا اور فرمایا :۔

"اے صدیقؓ! ہمیں آپ کی فضیلت کا اعتراف ہے اور خدا نے آپ کو جو منصب خلافت عطا کیا ہے ہمیں اس پر حسد بھی نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ہم نبوت کے گھرانے کے آدمی ہونے کی حیثیت سے خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ آپ نے ہماری حق تلفی کی ہے"۔

یہ سُن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ پھر فرمایا :۔

"خدا کی قسم مجھے اپنے رشتہ داروں کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار زیادہ عزیز ہیں"۔

اِس دوستانہ شکوہ شکایت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مسجدِ نبوی میں تشریف لا کر صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی [1]

حالات قبل از خلافت

آپ کا نام عبداللہ ہے، ابو بکر کنیت ہے۔ صدیق اور عتیق لقب ہے۔ باپ کا نام عثمانؓ ہے اور ان کی کنیت ابو قحافہ ہے۔ ان کا نام سلمیٰؓ ہے اور اُمّ الخیر کنیت ہے۔ آپ قریش کی شاخ "بنی تمیم" سے ہیں اور چھٹی پشت میں مُرّہ پر آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ سے جا ملتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے دو سال بعد آپ کی ولادت ہوئی۔

اسلام سے پہلے ہی حسنِ اخلاق، دیانت و امانت اور خاندانی وجاہت میں آپ امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ ایک دولت مند تاجر تھے اور اپنی دولت سے ضرورتمندوں اور محتاجوں کو فائدہ پہنچاتے رہتے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں خون بہا کا مال آپ ہی کے پاس جمع ہوتا تھا۔ آپ "علم الانساب" کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بچپن سے ہی دوستی تھی۔ جب حضورؐ کا سینہ نبوت کے نور سے معمور کیا گیا تو سب سے پہلے آزاد مردوں میں اس روشنی کو آپ نے ہی قبول کیا۔ چنانچہ خود حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے :-

"میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ جھجک ضرور محسوس ہوئی مگر ابو بکرؓ ذرا نہ جھجکے"

پھر ایمان لانے کے بعد ایمان کی قوت کا یہ حال تھا کہ کسی صورت اس میں کمزوری پیدا ہونے کا امکان نہ تھا۔ معراج کی صبح کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے واقعات بیان کئے تو کافروں نے مذاق اُڑایا۔ راستہ میں

---

[1] تاریخ الامم خضری ج ۱۔

کہیں حضرت ابوبکرؓ بھی مل گئے۔ کافر کہنے لگے" ابوبکر! وہ تمہارے دوست جو خدا کی طرف سے وحی اُترنے کا دعویٰ کرتے تھے اب خدا سے ملاقات بھی کر آئے ہیں۔ کیا تم ان کی اس عجیب بات کو بھی مان لو گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فوراً جواب دیا۔

"کیوں نہیں میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کو مانتا ہوں"۔

اس شانِ ایمان پر دربارِ نبوت سے" صدیق کا لقب عطا ہوا۔

تبلیغ اسلام اسلام کی تبلیغ میں آپ نے پیغمبر خدا کی رفاقت کا حق پوری پوری طرح ادا کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام آپ کے مکان پر تشریف لے جاتے اور تبلیغ اسلام کے متعلق رازدارانہ مشورے ہوتے۔ پھر حضورؐ جن قبیلوں جن بستیوں اور جن میلوں میں خدا کا پیغام سنانے تشریف لے جاتے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے ہمراہ ہوتے۔

خود حضرت ابوبکرؓ اپنے طور پر اس فرض کو ادا کرنے میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ بہت سے جلیل القدر صحابی جن میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ ہی کے تعلق اور اثر سے مشرف باسلام ہوئے۔ جب کفارِ مکہ کے غلاموں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا اور کافروں نے انہیں اس جرم میں دردناک تکلیفیں پہنچائیں تو حضرت ابوبکرؓ ہی تھے جنھوں نے اپنے روپے سے انہیں خرید خرید کر کافروں کے پنجۂ ظلم سے نجات دلائی۔

ہجرتِ حبشہ کفارِ مکہ نے جب مسلمانوں پر ظلم ڈھانے شروع کئے اور مجبور ہو کر انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی اور حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام" برک الغماد" میں پہنچے تو قارہ کے سردارؓ ابن الدغنہؓ سے ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنہ نے پوچھا۔ ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا۔ مکہ والوں نے جلاوطن کر دیا ہے کسی دوسرے ملک جا رہا ہوں جہاں آزادی کے

ساتھ اپنے خدا کی عبادت کر سکوں"۔ ابن الدغنہ نے کہا "ابوبکر! تم جیسا آدمی جلاوطن نہیں کیا جا سکتا۔ تم مفلسوں کی امداد کرتے ہو، مصیبت زدوں کے کام آتے ہو، مسافروں کی مہمانداری کرتے ہو۔ میں تمہیں اپنی ذمہ داری پر واپس لے چلوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ واپس چلے آئے اور ابن الدغنہ نے اعلان کر دیا کہ ابوبکرؓ میری پناہ میں ہیں انہیں کوئی نہ ستائے۔

کافروں نے کہا ہم ابوبکرؓ سے کچھ نہ کہیں گے مگر ان سے یہ کہہ دو کہ وہ خاموشی کے ساتھ عبادت کر لیا کریں۔

کچھ دن تو حضرت ابوبکرؓ نے اس شرط پر عمل کیا مگر پھر ان کی آزاد طبیعت اعلانِ حق پر اس پابندی کو گوارا نہ کر سکی۔ چنانچہ انہوں نے کھلم کھلا تبلیغی فرائض ادا کرنے شروع کر دیئے۔ جب ابن الدغنہ نے شکایت کی تو صاف کہہ دیا کہ "مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لئے اللہ کی پناہ کافی ہے۔

ہجرتِ مدینہ

جب مکہ کے کافروں نے اسلام کی روشنی کو قبول کرنے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ اس روشنی کو بجھانے کا بھی پکا ارادہ کر لیا تو رسول اللہ نے خداوندی اشارہ کے مطابق مدینہ منورہ کا عزم فرمایا۔

دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں آپؐ نے اپنے رفیق و غمگسار کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اپنے اس ارادہ کا اظہار فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "ہاں تیار ہو جاؤ"

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے تو اسی دن کی تمنا میں پہلے ہی سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں"۔

اس تاریخی سفر کا تمام انتظام حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے سامانِ سفر درست کیا۔ حضرت اسماءؓ نے اپنا پٹکا کمر سے کھول کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور "ذوالنطاقین" کا خطاب حاصل کیا۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ مکہ کے حالات کی اطلاع پہنچانے پر مقرر ہوئے۔ اور

حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ وہ بکریاں لے کر غارِ ثور پر چلے آیا کریں اور تازہ دودھ پلایا کریں۔

ان انتظامات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دو عزیز ترین اور قدیم ترین رفیقوں میں سے ایک (حضرت علیؓ) کو اپنے بستر پر لٹا کر اور دوسرے (حضرت ابوبکرؓ) کو اپنے ساتھ لیکر مکہ سے اندھیری رات میں چپکے سے باہر نکلے اور غارِ ثور پر جاکر پہلی منزل کی۔ جب کافروں کو معلوم ہوا کہ اُن کی سازش ناکامیاب رہی ہے تو جھنجھلا اُٹھے اور آپؐ کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے عین غار کے منہ پر پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرانے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر کافر نیچے کی طرف نظر ڈالیں گے تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ حضورؐ نے بڑے اطمینان کے ساتھ فرمایا۔ اے ابوبکر! غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ	"اگر تم رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے (تو نہ سہی)
اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اللہ نے تو اس کی اس وقت مدد کی ہے جب اُسے
ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ	کافروں نے اس کے رفیق کے ساتھ نکال دیا تھا۔
اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ	جب وہ دونوں غار میں تھے اور وہ اپنے ساتھی سے
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (پ۱۰ ع ۱۲)	کہہ رہا تھا غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے"

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یارِ غار کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ اور تاریخِ اسلام میں فتح صداقت اور غلبۂ حق کے باب کا آغاز ہوا۔

شرکتِ غزوات ہجرت کے بعد جب کفار سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا تو حضرت ابوبکرؓ تمام لڑائیوں میں شامل ہوئے اور اپنی بہادری اور جاں نثاری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ بعض اتفاقی اسباب سے غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچا اور اسلامی لشکر کے بعض

سپاہیوں سے انسانی کمزوریاں ظاہر ہوئیں لیکن لشکرِ اسلام کا یہ بہادر جرنیل اپنی جگہ پہاڑ کی طرح جما رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا پورا پورا حق ادا کیا۔

غزوۂ تبوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری غزوہ ہے۔ جب اس لڑائی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فدائیوں کو پکارا اور ان سے جان و مال کی قربانی طلب کی تو حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے "مرتبہ" کے مطابق اس میں حصہ لیا۔ گھر میں جو کچھ موجود تھا لا کر اپنے آقا کے قدموں میں ڈال دیا اور جب حضورؐ نے پوچھا اے ابوبکرؓ تم نے کچھ بال بچوں کے لئے بھی چھوڑا تو نہایت بے پرواہی کے ساتھ جواب دیا کہ

"ان کے لئے اللہ اور رسول کافی ہیں"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات کے اس خاتمۃ الباب کی علمداری آپ ہی کے سپرد کی۔

حجِ ابوبکرؓ جب مکہ معظمہ کفر و شرک کی گندگی سے پاک ہو گیا تو اگلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ ہی کو اپنا قائم مقام اور امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا۔ اسی موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سرداری میں حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تاریخی اعلان پڑھ کر سنایا۔ جس میں اسلام اور کفر کی حدود کو جدا جدا کر دیا گیا تھا۔

امامتِ جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفرِ آخرت کی تیاری فرمانے لگے تو مسجد نبویؐ کی امامت کا بلند پایہ مرتبہ آپ ہی کے سپرد فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے کچھ پسند نہ کرتی تھیں اس لئے بہت اصرار کیا کہ یہ کام کسی اور کے سپرد کیا جائے مگر آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں اس سے بھی زیادہ گرانقدر منصب (خلافت) کی تمہید پیدا کرنی تھی اس لئے آپ نے اپنے اس فیصلہ میں ترمیم نہ فرمائی۔ دُنیا سے رخصت کے دن، نماز فجر کے وقت حضورؐ نے حجرہ شریفہ کا پردہ اُٹھایا۔ آپ نے دیکھا کہ مسلمان حضرت ابوبکرؓ کی امامت

میں کامل اتحاد و اطمینان کے ساتھ اپنا دینی فرض ادا کر رہے ہیں تو بے اختیار مسکرا دیئے اور پھر پردہ کھینچ لیا۔

ثبات واستقامت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر آپ کے جان نثاروں پر بجلی بن کر گری۔ وہ کسی صورت اپنے آقا و مولیٰ کی جدائی کے تصور کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

حضرت ابوبکرؓ "اس روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں تخفیف دیکھ کر مقام سنح" تشریف لے گئے تھے۔ جب واپس آئے اور یہ ہنگامہ دیکھا تو حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ مگر جب وہ نہ مانے تو الگ اپنی تقریر شروع کر دی۔ صحابہؓ کا مجمع آپ کی آواز کی طرف ڈھل گیا۔ آپ نے فرمایا۔

"جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آپؐ کا تو وصال ہو گیا۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ زندہ ہے اور وہ کبھی نہ مریگا پھر یہ آیت پڑھی :۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ	"محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ	جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر
اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى	وہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم
اَعْقَابِكُمْ ۔ (پ۴ ع۶)	اسلام سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے"

آپ کی اس تقریر نے جادو کا کام کیا اور صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسا معلوم ہوا گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے۔



واقعاتِ عہدِ خلافت

لشکرِ اسامہؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ ہی پہلے رُومیوں سے "جنگ موتہ" کا انتقام لینے کے لئے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا اور اس لشکر کا سردار زید ابن حارثہؓ (جو جنگِ موتہ میں شہید ہوئے تھے) کے بیٹے حضرت اُسامہؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ اس لشکر میں اکثر بڑے بڑے صحابہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ وغیرہ شامل تھے۔ لیکن ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہُوا تھا کہ رسول اکرمؐ بیمار ہوگئے اور پھر آپؐ کی وفات ہوگئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی عرب میں ارتداد کی وباء پھیل گئی نومسلم قبیلے جن کے دلوں میں نورِ ایمان کی چمک پورے طور پر منعکس نہیں ہوئی تھی۔ ایک ایک کر کے مرتد ہونے لگے۔ یہ وقت اسلام کے لئے بڑا نازک تھا۔ بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ کچھ عرصہ کے لئے لشکرِ اُسامہؓ کی روانگی ملتوی کر دی جائے اور پہلے مرتدین سے نمٹ لیا جائے۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ آپ نے فرمایا :-

"میں اس جھنڈے کو نہیں کھول سکتا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے باندھا ہو۔"

پھر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ "اسامہؓ کی بجائے جو ایک نوعمر اور ناتجربہ کار شخص ہیں کسی اور کو سردار بنا دیجئے۔" آپ نے غصہ ہو کر فرمایا۔

"جسے خدا کے رسولؐ نے سردار بنایا ہو مجھے اسے معزول کرنے کا کیا حق ہے؟"

حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان دونوں مشوروں میں سے کسی مشورہ کو مان لیتے تو دوسروں کو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرتابی کے لئے ایک مثال مل جاتی۔

غرض حضرت ابوبکرؓ نے لشکرِ اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا اور اُسے رخصت کرنے کے لئے خود کچھ دور تک تشریف لے گئے اس طرح کہ اسامہ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابوبکرؓ ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ اسامہؓ نے عرض کیا کہ اے خلیفۃ الرسول! آپ بھی سوار ہو جائیں ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں بھی پیدل ہو جاؤں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہو سکتی۔ کیا حرج ہے اگر میں خدا کے راستہ میں تھوڑی دور تک اپنا پاؤں غبار آلود کر لوں جبکہ غازی کے ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔"

"لشکرِ اسامہ" میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اور ان کا خلیفۃ المسلمین کے مشیر کی حیثیت سے مدینہ میں رہنا ضروری تھا اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ضرورت ظاہر کر کے "اسامہؓ" سے درخواست کی کہ وہ انہیں چھوڑ دیں۔ اسامہ نے اجازت دے دی۔ یہ بھی حقیقت میں ذاتِ نبوت کی تعظیم تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اسامہ اس ذاتِ مقدس کی طرف سے مامور ہیں جن کا اقتدار میرے اقتدار سے بالا ہے۔ لہٰذا مجھے ان کے اختیارات میں دخل دینے کا حق نہیں۔

سنہری نصیحتیں

جب حضرت ابوبکرؓ سے اسامہ جدا ہونے لگے تو آپ نے انہیں بیش قرار نصیحتیں فرمائیں جن میں سے چند یہ ہیں:-

"دیکھو! خیانت نہ کرنا۔ دھوکا نہ دینا۔ مال نہ چھپانا۔ کسی کے اعضاء کو نہ کاٹنا بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ کھجور کے درختوں کو نہ جلانا۔ پھل والے درختوں کو نہ کاٹنا اور کھانے کی ضرورت کے سوا کسی بکری، گائے یا اونٹ کو نہ کاٹنا۔ تمہارا گزر ایک قوم پر ہو گا جو دنیا کو چھوڑ کر اپنی خانقاہوں میں بیٹھی ہو گی تم اس سے تعرض نہ کرنا۔"

یہ ایسی سنہری نصیحتیں ہیں جو بطورِ اصولِ جنگ تسلیم کر لی جائیں تو آج بھی دُنیا سے وحشت و درندگی کا بہت کچھ خاتمہ ہو سکتا ہے

لشکر اسامہ یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو مدینہ سے روانہ ہُوا "شام" کے پاس قضاعہ کی بستیوں کو تاخت و تاراج کیا اور چالیس روز کے بعد فتح و ظفر کے جھنڈے اُڑاتا ہُوا واپس آیا۔

شام کا یہ حملہ اسلام کے لئے بے حد مفید ثابت ہُوا۔ منافقین اور مرتدین کہنے لگے کہ مُسلمانوں کی طاقت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ ورنہ وہ اتنی دُور اتنے قوی دشمن کے مقابلہ کے لئے اپنی فوج نہ بھیجتے۔ چنانچہ بہت سے مرتد قبیلے ڈر کر پھر اسلام میں داخل ہو گئے۔

فتنۂ ارتداد

اسبابِ ارتداد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات ہوتے ہی عرب کے بعض حصّوں میں ارتداد کی طوفانی ہوائیں چلنے لگیں اور ضعیف الایمان لوگوں کے دلوں میں ایمان کی روشنی بجھنے لگی۔ اس فتنہ کی وجوہ حسبِ ذیل تھیں :۔

۱۔ اسلام سے پہلے عرب مختلف ٹکڑیوں میں بٹے ہُوئے تھے۔ اسلام نے ان ٹکڑیوں کو ملا کر ایک ملّت بنا دیا۔ مگر چونکہ وہ برسہا برس سے اس کے عادی نہ تھے اس لئے اُنھوں نے اس "نظامِ ملّی" کو اپنی آزادی کے لئے ایک زنجیر سمجھا اور اُسے توڑ کر نکل بھاگنے کی فکر کرنے لگے۔

۲۔ قرآن کریم نے حکومتِ اسلامی کے شعبۂ مالیات کے لئے "زکوٰۃ" کو بنیاد ٹھہرایا۔ زکوٰۃ اسلام کے اصول کے مطابق امیروں سے لی جاتی ہے اور غریبوں پر صرف کی جاتی ہے اور اس کا مقصد قوم میں دولت کے توازن کو برقرار رکھنا ہے۔ مگر اسے بھی ایک بار سمجھا گیا اور اس بار کو اتار پھینکنے کی کوشش کی جانے لگی۔

۳۔ شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی جو اُن کا دل پسند کھیل تھا اور زنا ایک مرغوب تفریح۔ اسلام کے قانون نے ان سب برائیوں پر کڑی بندشیں قائم کر دیں جو ان لوگوں پر گراں گزریں۔

یہ امراض ان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے جو مرکزِ اسلام سے دور نجد وغیرہ کے علاقوں میں رہتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت انہیں نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اسلام کی شوکت کو دیکھ کر ان کی گردنیں ضرور خم ہو گئی تھیں مگر دلوں میں خضوع کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی تھی چنانچہ قرآن کریم نے خود ان لوگوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ (پ ۲۶ ع ۱۴)	"دیہاتی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اے رسول کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ہیں ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔"

پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ خدا کے سچے نبی کی کامیابی کو دیکھ کر عرب میں بہت سے جھوٹے نبوت کے دعوے دار پیدا ہو گئے۔ ان کم بختوں نے سوچا کہ نبوت کا دعویٰ بھی دنیاوی ترقی کا ایک اچھا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے دل پہلے ہی مریض تھے وہ ان شیاطین کے جال میں بآسانی پھنس گئے۔

عزمِ صدیقی اس فتنہ کی آگ کو بجھانے کے لئے عزمِ صدیقی ہی کی ضرورت تھی۔ جب آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا وقت بہت نازک ہے۔ جو لوگ صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے ہی انکار کرتے ہیں ان کے ساتھ نرمی کی جائے۔ مگر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم! اگر کوئی ایک بکری کا بچہ دینے سے بھی جو رسول اللہ کو دیا جاتا تھا انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔"

جوں ہی حضرت اسامہؓ واپس آئے آپ نے مدینہ میں انہیں اپنا قائم مقام بنا کر علیس

اور ذبیان کے قبیلوں کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ان قبائل نے شکست کھائی۔ اور ان کی چراگاہیں مسلمان مجاہدین کے گھوڑوں کے لئے وقف کردی گئیں۔

اس عرصہ میں لشکر اسامہ تازہ دم ہوچکا تھا۔ آپ اسے لے کر "ذوالقصہ" جو مدینہ سے نجد کی سمت ایک برید (۱۲ میل) کے فاصلہ پر ہے پہنچے۔ وہاں آپ نے کل اسلامی فوج کو گیارہ دستوں میں تقسیم کیا۔ ہر دستہ کا ایک الگ سردار مقرر کیا اور اسے ایک جھنڈا دیا۔ یہ گیارہ سردار اپنے دستوں کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں روانہ کئے گئے۔ ان گیارہ سرداروں کے نام یہ ہیں۔

(۱) خالد بن ولید (۲) عکرمہ بن ابی جہل (۳) شرحبیل بن حسنہ
(۴) مہاجر بن ابی امیہ (۵) حذیفہ بن محصن (۶) عرفجہ بن ہرثمہ
(۷) سوید بن مُقرن (۸) علاء بن الحضرمی (۹) طریفہ بن حاجز
(۱۰) عمرو بن عاص (۱۱) خالد بن سعید

مجاہدین کے ان دستوں کی روانگی سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین کے نام ایک عام پیغام بھیجا۔ اس پیغام میں اُنہیں فتنہ وفساد سے باز آنے اور اسلامی برادری میں دوبارہ داخل ہونے کی دعوت دی اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں گے تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ پھر فوج کے سپہ سالاروں کے نام حسب ذیل ہدایت نامہ جاری فرمایا :-

"میں مجاہدینِ اسلام کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ ہر حال میں خدا سے ڈریں حکم خداوندی کی تعمیل میں پوری کوشش کریں۔ جو لوگ حلقۂ اسلام سے نکل کر شیطان کے جال میں پھنس گئے ہیں ان کے ساتھ جہاد کریں لیکن تلوار اُٹھانے سے پہلے اُنہیں اسلام کا پیغام پہنچائیں اور ان پر حجت پوری کردیں۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو فوراً ہاتھ روک لیں لیکن اگر انکار کریں تو ان پر حملہ کردیں یہاں تک کہ وہ کفر سے باز آجائیں۔ مرتدین جب دوبارہ داخلِ اسلام ہوجائیں تو اسلامی فوج کا سردار انہیں آگاہ کردے کہ

ان کے ذمہ اسلام کے کیا کیا فرائض ہیں؟ اور مسلمانوں پر اُن کے کیا کیا حقوق ہیں؟ ان کے فرائض کو ان سے پورا کرایا جائے اور ان کے حقوق ادا کئے جائیں۔ امیرِ لشکر اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور فساد سے روکے۔ دشمنوں کی بستی میں اندھا دھند نہ گھس جائے خوب دیکھ بھال کر داخل ہو ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچ جائے۔ سردار فوج کوچ اور قیام کی حالت میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ میانہ روی اور نرمی کا برتاؤ کرے ان کی دیکھ بھال رکھے۔ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے اور گفتگو میں نرمی اختیار کرے۔"

اس کے بعد اسلامی فوج کے دستے اپنے تجربہ کار سرداروں کی رہنمائی میں حریفوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

طلیحہ کی توبہ

بنی اسد میں ایک شخص تھا طلیحہ، حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد اس کے دماغ میں نبوت کا خبط سمایا۔ چنانچہ اس نے اپنی قوم میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بنی اسد سب اس کے تابع ہو گئے۔ بنی اسد اور بنی طے کے درمیان معاہدہ دوستی تھا۔ لہٰذا انہوں نے بھی اپنے حلیف کا ساتھ دیا اور قبیلۂ غطفان کے بھی بہت سے لوگ ان کے شریک ہو گئے۔ طلیحہ نے اس عظیم الشان فوج کو لے کر نجد میں چشمہ "بزاخہ" پر پڑاؤ ڈالا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ طلیحہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت عدی بن حاتم طائی جو قبیلہ بنی طے کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے اس زمانہ میں مدینہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے قبیلہ کو سمجھا بجھا کر اس فتنہ سے نکال لوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اجازت دیدی اور حضرت عدیؓ کی کوشش سے ان کے قبیلہ کے تمام آدمی طلیحہ سے علیحدہ ہو گئے اور پھر یہی کوشش انہوں نے قبیلہ جدیلہ میں بھی کی اور یہاں بھی انہیں کامیابی ہوئی۔

اب حضرت خالدؓ اپنی فوج کو لے کر چشمہ بزاخہ پر پہنچے اور طلیحہ کے لشکر سے

زبردست مقابلہ ہُوا۔ جب طلیحہ کے لشکر پر شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تو، بنوغطفان کا سردار عینیہ بن حصن فزاری جو طلیحہ کا مددگار تھا اس کے پاس آیا طلیحہ اس وقت چادر میں لپٹا اس طرح بیٹھا تھا گویا اس پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ عینیہ نے پوچھا کہئے "جبرائیل کوئی پیغام لائے"؟ طلیحہ بولا ہاں اور پھر ایک مقفیٰ عبارت سنائی جس کا مطلب یہ تھا کہ آخر میں جیت ہماری ہی ہوگی۔ عینیہ نے کہا اسے فزارہ یہ شخص کذاب ہے اور پھر اپنے آدمیوں کو لے کر اس کے لشکر سے علیحدہ ہوگیا۔

جب طلیحہ نے دیکھا کہ شکست لازمی ہے تو اپنے بیوی کو ساتھ لے کر شام کی طرف بھاگ گیا اور بعد میں کفر سے توبہ کر کے دوبارہ داخلِ اسلام ہُوا۔ طلیحہ نے اس کے بعد فتوحاتِ عراق کے موقع پر بہت بہادری دکھائی اور اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی۔

مالک بن نویرہ کا قتل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی تمیم میں پانچ امیر مقرر فرمائے تھے۔ جب حضورؐ کی وفات ہُوئی تو اُن میں سے بعض مرتد ہو گئے اور بعض اسلام پر قائم رہے۔ مرتد ہونے والوں میں "مالک بن نویرہ" بھی تھا اس نے زکوٰۃ روک لی اور قبیلہ کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ بنی تمیم میں ابھی خانہ جنگی ہو ہی رہی تھی کہ بنی تغلب کی ایک عورت "سجاح" ادھر سے گزری۔ یہ عورت پہلے نصرانی تھی۔ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد اس پر بھی نبوت کا جنون سوار ہُوا اور عرب کے بہت سے اوباش اس کے ساتھ ہو گئے۔ یہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے نکلی تھی۔ راستہ میں جب بنی تمیم کی بستیوں پر گزر ہُوا تو اُس نے مالک بن نویرہ کے پاس پیغام دوستی بھیجا۔ مالک بن نویرہ نے اس پیغام کو قبول کر لیا اور اُسے مشورہ دیا کہ وہ مدینہ پر حملہ سے پہلے بنی تمیم کے مسلمانوں پر حملہ کرے۔ سجاح نے ان مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مسلمان اس کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے بھاگ گئے۔ سجاح اپنی فوج کو لیکر

مدینہ کی طرف بڑھنے لگے۔ جب وہ مقام "نباج" میں پہنچی تو وہاں بنی تمیم ہی کی ایک اور جماعت سے اس کا مقابلہ ہوا۔ ان لوگوں نے اس کے کچھ آدمیوں کو قید کر لیا۔ آخر میں اس شرط پر صلح ہوگئی کہ سجاح ان کے آدمیوں کو چھوڑ دے اور وہ اس کے آدمیوں کو اور مدینہ کا ارادہ چھوڑ کر واپس چلی جائے۔ چنانچہ سجاح ناکام یمامہ کی طرف لوٹ گئی۔

اس دوران میں بنی تمیم کے مرتدین کو خدا نے ہدایت دی اور انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ مگر مالک بن نویرہ ابھی کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا اس نے اپنے ساتھیوں کو لے کر مقام بطاح میں پڑاؤ ڈال دیا۔ خالد بن ولیدؓ جب طلیحہ کے مقابلہ سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مالک بن نویرہ کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ مالک بن نویرہ نے اپنے ساتھیوں کو منتشر کر دیا۔ خالد بن ولید نے اپنے آدمیوں کو بھیج کر مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرا لیا۔ آپ نے مالک بن نویرہ کے قتل کا حکم دیا اور اس کی بیوی سے شادی کر لی۔

بعض مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مالک بن نویرہ نے گرفتاری سے پہلے اپنی بستی میں اذان دلوادی تھی اس لئے خالد بن ولیدؓ نے اسے قتل کرا کر زیادتی کی ہے۔ خالد بن ولیدؓ سے مالک بن نویرہ کا قصاص لینا چاہیئے۔ خالد بن ولیدؓ نے جواب دیا کہ مالک بن نویرہ نے قتل کے خوف سے اذان دلوائی تھی۔

حضرت ابو بکرؓ نے فیصلہ کیا کہ خالدؓ سے چونکہ واقعہ کی تاویل میں غلطی ہوئی ہے اس لئے ان سے قصاص نہیں لیا جاتا اور مالک بن نویرہ کا خون بہا اپنی طرف سے ادا کر دیا۔ آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ "اللہ کی تلوار کو جسے اس نے کافروں پر چمکایا ہے میں رو پوش کرنے والا کون ہوں"۔

مسیلمہ کذّاب کا قتل

قبیلہ بنی حنیفہ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اس وفد میں ایک شخص "مسیلمہ بن ثمامہ" بھی تھا۔ مسیلمہ نے کہا میں اس شرط پر اسلام

لاؤں گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی ایک ٹہنی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو اسلام کے عوض کھجور کی یہ ٹہنی بھی مجھ سے مانگے گا تو میں نہ دوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو وہی کاذب ہے جس کے متعلق مجھے خواب میں پہلے ہی خبر دی جا چکی ہے[1]۔

اس طرح جب مسیلمہ مایوس ہو کر اپنے وطن یمامہ لوٹا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر سنی تو نبوت کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ میں نبوت میں محمد کا شریک بنا دیا گیا ہوں۔ پھر اس نے حضورؐ کی خدمت میں ایک خط بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا :-

"مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام"

سلام علیک! میں نبوت میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہوں لہٰذا آدھی دنیا آپ کی ہے اور آدھی میری، لیکن مجھے آپ سے انصاف کی امید نہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خط کا یہ جواب دیا :-

"محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام

سلام علی من اتبع الهدیٰ اما بعد

فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ	"درحقیقت زمین خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَ	وہ جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بناتا ہے اور
الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ (پ ۹ ع ۵)	انجام کار کامیابی خدا سے ڈرنے والوں کی ہے۔"

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں آپ کو اس کا بہت فکر ہوا۔ پھر خواب ہی میں آپ کو حکم دیا گیا کہ ان پر پھونک مارے۔ آپؐ نے پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن اُڑ گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ میرے بعد عرب میں دو جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔ چنانچہ ایک اسود عنسی تھا اور دوسرا مسیلمہ۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہ بن ابی جہل کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا اور شرجیل بن حسنہ کو ان کے پیچھے ان کی مدد کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ شرجیل کا انتظار کریں۔ عکرمہ نے کامیابی کا سہرا تن تنہا اپنے سر باندھنے کے شوق میں شرجیل کا انتظار کئے بغیر مسیلمہ پر حملہ کر دیا اور شکست کھائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب واقعہ کی خبر پہنچی تو بہت ناراض ہوئے اور عکرمہ کو حکم دیا کہ وہ یمن کی طرف جاکر اہلِ مہرہ کا مقابلہ کریں۔ خالدؓ بن ولید اس وقت تک بنی تمیم کے مقابلہ سے فارغ ہو چکے تھے آپ نے انہیں مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور شرجیل کو حکم دیا کہ وہ ان کا انتظار کریں۔

مسیلمہ کو جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے کی خبر ملی تو وہ اپنی عظیم الشان فوج کو جو چالیس ہزار جوانوں پر مشتمل تھی لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ دونوں فوجوں میں سخت ہولناک لڑائی ہوئی۔ شروع میں مسلمانوں پر شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ اور مسیلمہ کے آدمی خالدؓ بن ولید کے خیمہ تک پہنچ گئے تھے لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سنبھل کر حملہ کیا اور دُور تک مسیلمہ کے آدمیوں کو دھکیلتے چلے گئے۔ حضرت خالدؓ نے خود مسیلمہ کو مبارزت کے لئے للکارا۔ وہ آیا مگر مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگا۔ اس کی فوج میں بھی بھگدڑ مچ گئی اور بُری طرح شکست کھائی۔ مسیلمہ اپنے کچھ آدمیوں کو لے کر اپنے ایک باغ میں جس کا نام اس نے "حدیقۃ الرحمٰن" رکھا تھا چھپ گیا اور باغ کے دروازے بند کرا دیئے۔ ایک بہادر انصاری حضرت براء بن مالک نے کہا مجھے باغ کے اندر پھینک دو۔ چنانچہ انہیں پھینک دیا گیا اور انھوں نے تن تنہا مسیلمہ کے پہرہ داروں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا۔ اب مسلمان اندر گھس گئے اور مسیلمہ کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اُتارنا شروع کر دیا۔ خود مسیلمہ بھی "خدا کی تلوار" سے نہ بچ سکا۔ مسیلمہ کے قتل کرنے والوں میں حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی بھی شریک تھے۔ گویا اس طرح انھوں نے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا۔

مسیلمہ کے قتل کے بعد اس کی قوم "بنی حنیفہ" نے مسلمانوں سے نرم شرائط پر

صُلح کرلی۔ صلح کی تکمیل ہو چکی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کا حکم پہنچا کہ بنی حنیفہ کے تمام سپاہی قتل کر دیئے جائیں۔ مگر حضرت خالد چونکہ ان سے عہد نامہ کر چکے تھے لہٰذا اسی پر قائم رہے۔ پھر بعد میں بنی حنیفہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

اسود عنسی کا قتل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب "یمن" فتح ہُوا تو آپ نے "باذانِ فارسی" کو (جو کسریٰ کی طرف سے یمن کے عامل (حاکم) تھے اور اسلام لے آئے تھے) یمن کا عامل مقرر کر دیا۔ ان کا مرکز حکومت صنعاء تھا۔ جب باذان کا انتقال ہُوا تو آپ نے یمن کی حکومت متعدد عاملوں میں تقسیم کر دی۔ ان عاملوں میں سے ایک باذان کا بیٹا "شہر" بھی تھا جو صنعاء کا عامل مقرر کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ پہلے یمن میں ایک شخص اسود نے جس کا اصلی نام "عبہلہ" تھا اور قبیلہ "عنس" سے تعلق رکھتا تھا۔ نبوت کا دعویٰ کیا۔ قبیلہ مذحج کے لوگ اس کے پیرو ہو گئے اور اُنھوں نے اسود کے ساتھ مل کر نجران پر حملہ کیا۔ اور وہاں سے عاملِ نجران عمرو بن حزم کو نکال دیا۔ اب اسود اپنی قوم کے سات سو آدمیوں کو لے کر صنعاء پر حملہ آور ہُوا۔ اور وہاں کے عامل شہر بن باذان کو قتل کر کے صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ اس فتح کے بعد تمام یمن میں اس کی دھوم مچ گئی اور یمن کے بہت سے ضعیف الایمان لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نے ابناء (یمن کی ایرانی فوج جو مسلمان ہو گئی تھی) کے سرداروں اور (ابوموسیٰ اشعری اور) معاذ بن جبل کو لکھا کہ اسود کو جس طرح ہو سکے قتل کر دیا جائے۔

اسود نے شہر بن باذان کو شہید کر کے اس کی بیوی سے شادی کر لی تھی شہر کی بیوی اسود سے سخت متنفر تھی اور وہ اس کے چنگل سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔ فوج ابناء کے سرداروں "فیروز" اور "دازویہ" نے اس کی مدد سے رات کے وقت اسود کو قتل کر دیا اور صبح ہوتے ہی اسود کے مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان

دیدی۔ اذان کی آواز سُنتے ہی ایک شور مچ گیا اور اسود کے آدمی شہر سے نکل بھاگے اور صنعاء اور عدن کے درمیان منتشر ہو گئے۔ اسود کے قتل سے یمن میں امن و امان برقرار ہو گیا۔ اسلامی عامل اپنے اپنے مرکزوں میں واپس لوٹ آئے۔

اس فتح کی خبر مدینہ میں جس صبح کو پہنچی اس سے پہلی شام کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی۔ گویا یہ پہلی بشارت تھی جو حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں مدینہ پہنچی۔ اسود کی شورش کا کل زمانہ صرف چار مہینے تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر یمن پہنچی تو قیس بن عبد یغوث مرتد ہو گیا اور اُس نے اسود کے منتشر ساتھیوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع ہونے کی دعوت دی۔ یہ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اور ان کی مدد سے قیس نے صنعاء پر قبضہ کر لیا اور "ابناء" کے بال بچوں کو پکڑ کر اُنہیں جزیروں میں قید کر دیا۔ ابناء کے سردار فیروز کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اُس نے "بنی عقیل" اور "عک" سے مدد طلب کی۔ ان قبیلوں نے مدد دی اور ابناء کے بچوں کو قیس کے آدمیوں کے پنجہ سے نکال لیا اور پھر فیروز کے ساتھ مل کر قیس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اسی دوران میں مہاجر بن ابی امیہ جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے اسود کے آدمیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا تھا اور عکرمہ بن ابی جہل جو عمان اور مہرہ کی مہم سے فارغ ہو گئے تھے اپنی اپنی فوجوں کو لے کر ابناء کی مدد کو آ پہنچے۔

اسلامی فوجوں نے صنعاء پر قبضہ کر لیا اور قیس اور عمرو بن معدی کرب زبیری (جو مرتد ہو کر اسود کا ساتھی بن گیا تھا) کو گرفتار کر کے مدینہ روانہ کر دیا۔ مدینہ پہنچ کر اُنہوں نے اپنے کرتوتوں پر ندامت ظاہر کی اور دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کی خطا معاف کر دی اور اُنہیں آزاد کر دیا۔

فتنہ بحرین بحرین میں ربیعہ کے بہت سے قبائل عبد القیس اور بنو بکر وغیرہ آباد تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اہلِ بحرین کا بھی ایک وفد حاضر ہوا تھا اور یہ اسلام لے آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے منذر بن ساوی

کو ان کا عامل مقرر فرمایا تھا۔

جونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی منذر بن ساوی کا بھی انتقال ہو گیا اور اہل بحرین مرتد ہو گئے۔ بنو بکر تو ارتداد پر اڑے رہے مگر عبد القیس اپنے سردار حضرت جارود بن معلی کی بدولت اس فتنہ سے نکل آئے۔

واقعہ یہ ہوا کہ حضرت جارود نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا اے عبد القیس تم مسلمان ہونے کے بعد کیوں کافر ہو گئے۔

عبد القیس :- محمدؐ اگر نبی ہوتے تو وہ کیوں مرتے ؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نبی نہیں تھے۔

جارود :- اچھا یہ تو بتاؤ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی کچھ نبی ہوئے ہیں ؟

عبد القیس :- کیوں نہیں ، بہت

جارود :- پھر وہ کہاں گئے ؟

عبد القیس :- جانتے کہاں مر گئے۔

جارود :- بس تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اسی طرح وفات ہو گئی جس طرح اور خدا کے نبیوں کی ہوئی۔ بھائیو ! میں تو سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

عبد القیس :- پھر ہم بھی سب اقرار کرتے ہیں۔

عبد القیس کے اس طرح دوبارہ مسلمان ہونے کی خبر بنو بکر کے سردار حطم بن ضبیعہ کو پہنچی تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کے مقابلہ کے لئے نکلا اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ حطم بن ضبیعہ کے ساتھ اور بھی بہت سے کفار اور مرتدین لگ لئے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علاء بن حضرمی کو حطم کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ راستہ میں ثمامہ بن اثال اور قیس بن عاصم بھی بنی حنیفہ اور بنی تمیم کے آدمیوں کو لے کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

حضرت علاء کی کرامت

حضرت علاء بن حضرمی جب ایک چٹیل بیابان میں سے گزر رہے تھے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جب وہ بیابان کے درمیان پہنچے تو انہوں نے اپنی فوج کو آرام کے لئے اُترنے کا حکم دیا۔ فوج کے آدمیوں نے اپنے اُونٹوں کو کھول دیا اور خود بھی سو گئے۔ اُٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ تمام اُونٹ بھاگ گئے ہیں۔ سب لوگ بہت غمگین ہُوئے اور کہنے لگے کہ اب دُھوپ کی گرمی ہمیں ہلاک کئے بغیر نہ رہے گی۔

حضرت علاء نے انہیں تسلّی دی اور کہا بھائیو! تم مسلمان ہو خدا کے دشمنوں سے لڑنے نکلے ہو۔ خدا کی قسم خدا تمہیں رسوا نہ کرے گا۔ صُبح کی نماز کے بعد حضرت علاء نے اللہ کی بارگاہ میں اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے دُعا مانگی۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کی دُعا قبول فرمائی۔ اس بیابان میں جہاں دُور دور تک پانی کا گمان نہ تھا۔ ایک طرف کچھ چمک سی محسوس ہوئی۔ دیکھا تو واقعی پانی ہے۔ مسلمانوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا، نہائے اور ابھی دوپہر نہ ہُوئی تھی کہ اُن کے اُونٹ بھی اِدھر اُدھر سے آ آ کر جمع ہو گئے۔ مسلمانوں نے اُن کو بھی سیراب کر لیا۔[1]

غرض حضرت علاء بن حضرمی اپنی فوج کو لے کر حضرت جارود کی مدد کو پہنچے۔ حطم بھی اپنی جمعیت کو لے کر مقابلہ پر آیا اور دونوں فوجوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ مرتدین اور مسلمانوں نے اپنے اپنے کیمپ کے سامنے خندقیں کھود رکھی تھیں۔ دونوں طرف کے کچھ دستے روزانہ صُبح کو مقابلہ کے لئے نکلتے اور شام کو اپنے پڑاؤ پر واپس آجاتے۔ ایک رات مسلمانوں نے غنیم کی فوج میں شور و شغب کی آواز سُنی۔ تحقیق کی تو معلوم ہُوا کہ شراب کے نشہ میں چُور ہو کر اودھم مچا رہے ہیں۔ مسلمانوں نے فوراً حملہ کر دیا۔ جتنے قتل ہو سکے انہیں قتل کر دیا اور جو باقی بچے انہیں گرفتار کر لیا۔ خود سردارِ لشکر حطم بھی قتل ہو گیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۸

حطم کے ساتھیوں میں سے کچھ جزیرہ دارین (خلیج فارس میں بحرین کے قریب ایک جزیرہ ہے) میں جا چھپے۔ مسلمان سمندر میں گھس کر وہیں پہنچے اور انہیں قتل کیا۔[1] ان کے علاوہ عمان کے بعض قبائل اور قبیلہ کندہ کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے سپہ سالاروں کی ان سے بھی لڑائیاں ہوئیں اور ہر جگہ مسلمان ہی فتح یاب ہوئے۔

اسلام کا محسنِ اعظم

یہ فتنۂ ارتداد اور اس کے انسداد کی مختصر روئداد ہے۔ ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی عرب میں ارتداد کی جو آندھیاں چلیں وہ ایسی خوفناک تھیں کہ آفتابِ اسلام کی روشنی کے چھپ جانے میں کسر نہ رہی تھی۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عزمِ راسخ اور رائے ثاقب سے مطلع اسلام پھر بے غبار ہو گیا۔ درحقیقت رسول اللہ کے بعد اسلام کی حفاظت و اشاعت میں، حضرت ابوبکرؓ کا ہی مسلمانوں پر سب سے بڑا احسان ہے۔

ان واقعات سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ مسلمان کی شان نہیں کہ وہ مخالفت کی شدت اور دشمنوں کی کثرت سے گھبرائے۔ مسلمان تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ ہاں ایمان کی کمزوری کے سبب مغلوب ہو سکتے ہیں۔

خلافتِ صدیقی کے اس ابتدائی دور میں مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں سے گھر گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں ان کی حالت بکریوں کے اس ریوڑ کی سی تھی جو جاڑوں کی ٹھنڈی رات میں بارش کی حالت میں جنگل بیابان میں بغیر چرواہے کے رہ جائے۔ مگر صدیق اکبرؓ کی ایمانی قوت نے دشمنوں کی طاقت کی پرواہ نہ کی اور ان کے سامنے فولادی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند تعالےٰ نے اپنا وعدہ:-

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۳۲۹

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۔ (پ ۲۶ ع ۵)

"اگر تم (دین) خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے ڈگمگاتے قدموں کو جما دے گا۔"

پورا فرمایا۔ کافروں اور مرتدوں کے سر اسلام کی عظمت کے سامنے جھک گئے اور اسلام کا جھنڈا پوری آن بان کے ساتھ لہرانے لگا۔

آغازِ فتوحات

اسلامی فتوحات کے ذکر سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی دو پڑوسی سلطنتوں فارس و روم کا کچھ حال لکھ دیا جائے کیونکہ یہی وہ دو عظیم الشان سلطنتیں تھیں جن کے کھنڈروں پر حکومتِ اسلامی کے قصرِ رفیع کی بنیادیں اٹھیں۔

فارس فارس یا ایران کی سلطنت بہت قدیم سلطنت تھی۔ یہ سب سے پرانی متمدن سلطنتوں میں شمار کی جاتی ہے کسی غیر قوم کو کبھی فارس پر حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ سکندر رومی دارا کو شکست دے کر کچھ مدت کے لئے ایران پر ضرور قابض ہوا مگر یہ قبضہ زیادہ عرصہ نہ رہ سکا۔

افغانستان اور عراق عرب بھی فارس کی سلطنت میں شامل تھے۔ یہاں کے حکمران کی حیثیت شہنشاہ کی تھی اور صوبوں کے امراء جو داخلی معاملات میں آزاد ہوتے تھے "بادشاہ" کہلاتے تھے شہنشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔

فارس میں آخری زمانہ میں ساسانی خاندان حکومت کرتا تھا۔ اس خاندان کی بنیاد اردشیر بابکان نے ۲۲۶ء میں ڈالی تھی۔ ساسانی خاندان کا دار السلطنت شہر "مدائن" تھا۔ یہ عظیم الشان شہر دریائے دجلہ کے مشرقی و مغربی کناروں پر آباد تھا۔ یہی وہ "قصرِ کسریٰ" تھا جو اپنے حسنِ تعمیر کے لحاظ سے عجائباتِ عالم میں شمار ہوتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے زمانہ میں ساسانی خاندان کا

مشہور عادل بادشاہ کسریٰ نوشیرواں تختِ فارس پر متمکن تھا۔ کسریٰ نوشیرواں کے بعد اس کا بیٹا ہرمز تخت نشین ہوا۔ ہرمز کے بعد کسریٰ پرویز۔ پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ شیرویہ نے ایک سال نو مہینے حکومت کی اور اس مختصر زمانہ میں اپنے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اُردشیر تخت پر بٹھایا گیا اور کمسن ہونے کی وجہ سے ایک امیر کو اس کا نائب السلطنت مقرر کیا گیا۔ مگر یہ انتظام ایک دوسرے امیر شہر براز کو پسند نہ آیا۔ شہر براز نے مدائن پر چڑھائی کر کے بادشاہ کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ شہر براز چونکہ شاہی خاندان سے نہ تھا اس لئے اُس کا یہ قبضہ دوسرے امیروں کو نہ بھایا۔ چنانچہ چالیس روز کی حکومت کے بعد وہ بھی قتل کر دیا گیا۔ اب کسریٰ پرویز کی بیٹی بوران دخت کے سر پر تاج رکھا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ حیات کے آخر میں یہی فارس کی حکمران تھی۔ ایک سال چار مہینے سلطنت کرنے کے بعد یہ بھی مر گئی۔ بوران دخت کے بعد کسریٰ پرویز کے چچازاد بھائی جوان شیر کو تخت نشین کیا گیا۔ مگر اسے بھی ایک مہینہ سے زیادہ حکومت کرنا نصیب نہ ہوا۔

اس کے بعد کسریٰ پرویز کی دوسری بیٹی آزرمی دخت تخت نشین کی گئی مگر اُسے ایک ایرانی سپہ سالار رستم نے اپنے باپ کے قصاص میں قتل کر دیا اور اس کی جگہ اُردشیر بابکان کے خاندان میں سے ایک شخص کسریٰ بن مہر کو تخت نشین کیا۔ لیکن یہ بھی چند روز سے زیادہ حکومت نہ کر سکا اور آخر یزدگرد بن شہریار کو سلطنتِ فارس کا فرماں روا منتخب کیا گیا جو اس زنجیر کی آخری کڑی ثابت ہوا۔ فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فارس کی عظیم الشان سلطنت اس کے ہاتھ سے نکل کر سلطنتِ اسلامیہ کا جزو بن گئی۔

روم | سکندر یونانی کی عالمگیر سلطنت کے بعد جو دوسری عظیم الشان سلطنت یورپ میں قائم ہوئی وہ "رومی سلطنت" تھی۔ اس سلطنت کا صدر مقام

حکومت اٹلی کا موجودہ دارالسلطنت "شہر روما" تھا۔ رومی سلطنت کا ایک وہ عروج کا زمانہ تھا جب ہندوستان، ایران، چین اور ترکستان کو چھوڑ کر تمام دُنیا اس کے زیرنگین تھی۔ یہ "گریٹ رومن ایمپائر" کے نام سے یاد کی جاتی تھی اور سب جگہ اس کی تہذیب، تمدن اور قانون کا لوہا مانا جاتا تھا۔

لیکن کچھ عرصہ کے بعد ۳۹۵ء میں آپس کی خانہ جنگی کے سبب رومی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ مشرقی روم اور مغربی روم، مغربی روم کا دارالسلطنت تو "شہر روما" ہی رہا اور مشرقی روم کا دارالسلطنت شہر قسطنطنیہ قرار پایا۔

مغربی رومی سلطنت پر یورپ اور روس کی وحشی قوموں نے بار بار حملے کئے اور آخرکار وہ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ مگر مشرقی رومی سلطنت ان حملوں سے محفوظ رہی اور روز بروز ترقی کرتی رہی۔

مشرقی رومی سلطنت کے مقبوضات میں یورپ کے ملکوں کے علاوہ ایشیائے کوچک، شام اور مصر بھی شامل تھے۔ شام اور مصر میں بعض دیسی ریاستیں قائم تھیں۔ مگر یہ ریاستیں رومی سلطنت کی باجگزار تھیں اور سیاسی و مذہبی معاملات میں قیصر قسطنطنیہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرتی تھیں۔

مشرقی رومی سلطنت کو یورپ میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ عیسائی مذہب قبول کرنے کے بعد فرماں روایانِ قسطنطنیہ ہی نے یورپ اور ایشیا میں اس کی تبلیغ کی خدمات انجام دی تھیں اور پھر مرکز دینِ عیسوی "بیت المقدس" بھی انہیں کے زیرِ نگیں تھا۔ ان وجوہات سے یورپ اور ایشیا کی عیسائی دنیا قیصر قسطنطنیہ کو "محافظ دینِ عیسوی" تسلیم کرتی تھی اور اس کے ایک اشارہ پر ہزاروں تلواریں میان سے نکل آتی تھیں۔

آغازِ اسلام میں رومی سلطنت کا تاجدار "ہرقل" تھا۔ یہ پہلے "افریقہ" کا گورنر تھا۔ ۶۱۰ء میں اس نے قیصر "خوقا" کو قتل کر دیا اور خود تختِ سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ قیصر ہرقل کی حکومت ۶۱۰ء سے ۶۴۱ء تک رہی۔ اسی کے زمانہ میں شام کا سرسبز شاداب

ملک سلطنت روم کے قبضہ سے نکل کر اسلامی جھنڈے کے نیچے آیا۔

ملک گیری کی ہوس اور آزاد قوموں کو غلام بنانے کا جذبہ کسریٰ وقیصر کو چین سے نہ بیٹھنے دیتا تھا۔ عرصۂ دراز سے ایران وروم کی سلطنتوں میں مستقل نزاع کا سلسلہ جاری تھا اور عراق وشام کے علاقے اُن کے میدانِ جنگ تھے۔ ان لڑائیوں میں کبھی ایرانیوں کو غلبہ حاصل ہو جاتا تھا تو وہ بحرِ روم کے کناروں تک پہنچ جاتے تھے اور کبھی رومیوں کو فتح حاصل ہوتی تھی تو وہ دجلہ اور فرات کے ساحلوں تک آجاتے تھے۔

عہدِ اسلامی سے کچھ ہی پہلے کسریٰ نوشیرواں اور قیصر خُوقا کی فوجوں میں ایک طویل جنگ ہوئی تھی۔ اس لڑائی میں ایرانیوں کو پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں۔ انھوں نے رومیوں کو "جزیرہ" سے نکال دیا اور "فنیقیا" اور فلسطین کو تہہ و بالا کرتے ہوئے ساحلِ باسفورس تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد ایرانیوں نے ہرقل کے زمانہ میں رومیوں پر دوبارہ حملہ کیا اور بیت المقدس کو تاخت وتاراج کر کے صلیب کی لکڑی چھین لائے اور بہت سے عیسائی تبرکات کو تلف کر دیا۔ پھر اس کے بعد ۶۱۶ء میں مصر پر چڑھائی کی اور سکندریہ کو فتح کر لیا۔

مشرکینِ عرب جو ایرانیوں کی طرح "بے کتاب" تھے ان کی فتح پر خوش ہوئے اور مسلمان اہلِ کتاب کی شکست پر غمگین لیکن وحی الٰہی نازل ہوئی کہ مسلمانوں کو غمگین نہ ہونا چاہیے۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ	"قریب کی سرزمین میں (اس وقت)
وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ	رومی مغلوب ہو گئے ہیں لیکن وہ جلد چند
سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ	سال ہی میں غالب ہو جائیں گے۔ اس
لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ	واقعہ سے پہلے اور بعد حکومت اللہ ہی کی ہے
مِنْۢ بَعْدُ ؕ (پ ۲۱ ع ۴)	وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔"

اس کے بعد مشرکین کا رد کرتے ہوئے جنہوں نے ایرانیوں کی فتح سے اپنی فتح پر دلیل قائم کی تھی پیشین گوئی فرمائی گئی۔

وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (پ ۲۱ ع ۸)

اور اس دن مسلمان اللہ کی مدد پر جو کافروں کے مقابلہ میں انہیں حاصل ہوگی خوش ہو رہے ہوں گے وہ جس کی مدد کرنا چاہتا ہے کرتا ہے وہی عزت والا اور رحمت والا ہے"

وحی الہٰی کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ دس سال بعد ۶۲۲ء میں ہرقل نے ایرانیوں پر زبردست حملے کئے اور مارچ ۶۲۴ء میں عین اس وقت جب مسلمان بدر کے میدان میں مشرکین عرب پر فتح کی خوشیاں منا رہے تھے، رومی ایرانیوں پر فتح کے شادیانے بجا رہے تھے۔

رومیوں کی اس فتح کے بعد ۶۲۸ء میں شیرویہ نے قیصر ہرقل سے صلح کر لی۔ تمام رومی قیدیوں کو چھوڑ دیا اور صلیب کی لکڑی واپس کر دی۔ قیصر ہرقل اس عظیم الشان کامیابی پر بے حد خوش ہوا اور وہ سجدۂ شکر ادا کرنے کے لئے ۶۲۵ء میں بیت المقدس حاضر ہوا۔ یہیں اُسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تبلیغی خط ملا جس کا واقعہ حصہ اول میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے۔

فارس، روم اور مسلمان

ایرانی ہوں یا رومی، دونوں کا فائدہ اسی میں تھا کہ عرب جیسی بہادر قوم سینکڑوں ٹولیوں میں بٹی رہے اور آپس ہی میں ٹکرا ٹکرا کر اپنی قوت کو مضمحل کرتی رہے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا کی چوٹیوں سے ندائے حق بلند کی اور دنیا کو ایک "خدائی گھرانا" بننے اور اس گھرانے کے افراد کو آپس میں محبت و مساوات برتنے کی دعوت دی تو انہوں نے اس نئی تحریک کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا۔ انہوں نے سوچا کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہو گئی تو عرب تو ہمارے اقتدار کے جوئے سے نکل ہی جائیں گے۔ دوسری محکوم قومیں اور خود ہمارے ملک کے عوام بھی جن کی پسی ہوئی ہڈیوں پر ہم نے اپنی شہنشاہیت کی بنیادیں قائم کر رکھی ہیں، ہم سے بغاوت کر بیٹھیں گے۔ چنانچہ ۶ھ میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ پرویز کے نام دعوت

اسلام کا خط بھیجا تو اُس نے اُس کے پُرزے پُرزے کر دیئے اور اپنے یمن کے عامل باذان کو حکم دیا کہ عرب میں جس شخص نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے اُسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے شہنشاہ کے حکم کی تعمیل کے لئے دو آدمی مدینہ بھیجے۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان آدمیوں سے کہا "جاؤ تمہارا شہنشاہ جس نے میری گرفتاری کا حکم دیا تھا قتل ہو گیا۔ یاد رکھو میرے دین کا غلبہ وہاں تک پہنچے گا جہاں تک تمہارے شہنشاہ کی سلطنت ہے بلکہ جہاں تک کوئی اُونٹ یا گھوڑا پہنچ سکتا ہے "۔

باذان کے آدمی یہ جواب سُن کر لوٹ آئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو کچھ فرمایا تھا بالکل صحیح تھا۔ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا تھا اور باذان کو پیغام بھیجا تھا کہ میرے باپ نے حجاز سے جن صاحب کو طلب کیا تھا ان سے تعرض نہ کیا جائے۔

اس کے بعد ایران میں اندرونی نزاعات زور پکڑ گئے اور کسی کو عرب کی طرف توجہ کرنے کا موقعہ نہ ملا۔

اسی طرح اسی سال جب رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قیصرِ روم کو بیت المقدس میں دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تو امرائے سلطنت اور سردارانِ فوج نے سخت مخالفت کے ساتھ اس دعوت کو ردّ کر دیا اور جب سفرائے اسلام لوٹنے لگے تو شام کے عیسائیوں نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔

شرجیل بن عمرو غسانی رومیوں کی طرف سے "بصریٰ" کا حاکم تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے پاس تبلیغی خط بھیجا۔ اس ظالم نے نہ صرف دعوت اسلام کو قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ آپؐ کے قاصد "حارث بن عمیر" کو قتل کر ڈالا۔ ۸ھ میں "سریہ موتہ" اسی ظلم کا انتقام تھا جس میں دو لاکھ شامی اور رومی عیسائیوں سے تین ہزار مسلمانوں کا مقابلہ ہوا اور بہت سے اکابر صحابہؓ اسلام کی عزت پر قربان ہو گئے۔

۹ھ میں حاکمِ بصریٰ نے قیصرِ روم کی امداد سے مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں کیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ عیسائیوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے بنفس نفیس مقام تبوک میں پہنچ گئے تو ان کی ہمتیں پست پڑ گئیں اور انہوں نے اس وقت مقابلہ ملتوی کر دیا۔

ان واقعات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان اپنی ان پڑوسی عظیم الشان سلطنتوں سے ایک لمحہ کے لئے بھی مطمئن نہ تھے وہ جس وقت بھی اپنی آپس کی رقابتوں اور اپنے اندرونی جھگڑوں سے فرصت پاتیں مسلمانوں پر حملہ کر دیتیں۔ اسی لئے حفظِ ماتقدم کے طور پر وفات سے کچھ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ بن زید کو شام پر حملہ کرنے کے لئے مامور فرمایا جس کی تعمیل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام کاموں سے مقدم سمجھی اور اسی لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین اور جھوٹے نبیوں کے قلع قمع سے فارغ ہوتے ہی اسلامی فوجوں کا رُخ عراق اور شام کے میدانوں کی طرف پھیر دیا۔

مہماتِ عراق

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابتدا محرم ۱۲ھ میں خالدؓ بن ولید کو اسلامی فتوحات کا سنگِ بنیاد نصب کرنے کے لئے اس طرف روانہ کیا اور قعقاع بن عمرو کو ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ آپؓ نے انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنی مہم کا آغاز ابلہ (خلیج فارس پر سلطنتِ ایران کا سرحدی مقام) سے کریں۔ دوسری طرف عیاض بن غنم کو حکم دیا کہ وہ شمالی عراق کی طرف سے حملہ کریں اور ان کی مدد کے لئے عبدیغوث حمیری کو مقرر کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنی مہم کا آغاز شمالی عراق کے گاؤں مضیح سے کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں سپہ سالاروں کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ ان مہمات میں کسی مرتد ہونے والے کو ساتھ نہ لیں۔ آپ کو ان لوگوں پر کامل اعتماد

نہ تھا اور پھر آپ انہیں اُن کی نامناسب حرکت کی سزا بھی دینا چاہتے تھے۔

خالدؓ بن ولید نے اسلامی قاعدہ کے مطابق سرحدِ عراق کے حاکم ہرمز کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"اسلام قبول کر لو محفوظ رہو گے۔ اگر اس سے انکار ہے تو ذمی بن جاؤ اور جزیہ دینا منظور کرو ورنہ تمہیں اپنے ہی آپ کو ملامت کرنا پڑے گی کیونکہ میں تمہارے مقابلہ پہ ایک ایسی قوم کو لایا ہوں جو موت کی ایسی ہی عاشق ہے جیسے کہ تم زندگی کے۔"

جنگ کاظمہ ہرمز نے اس خط کو شہنشاہِ ایران کے پاس بھیج دیا اور اپنی فوجیں لے کر کاظمہ کی طرف بڑھا اور چشمہ پر قبضہ کر دیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے مسلمانوں سے کہا "بھائیو! گھبراؤ مت فریقین میں سے جو بہادر ہوں گے وہی پانی پر قبضہ کریں گے۔"

جب دونوں فوجیں مقابلہ پر آئیں تو حضرت خالدؓ نے آگے بڑھ کر "ہرمز" کو مبارزت کے لئے پکارا۔ ہرمز اپنے گھوڑے سے اتر کر مقابلہ کے لئے آیا۔ حضرت خالدؓ نے اسے قتل کر دیا اور ایرانی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے مثنیٰ بن حارثہ کو ایرانی فوج کے تعاقب کے لئے روانہ کیا اور دربارِ خلافت میں فتح کی خوشخبری بھیجی۔

شہنشاہِ ایران اردشیر کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اس نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک دوسری فوج بھیجی۔ اس فوج کا سردار قارن تھا۔ قارن نے ہرمز کے بچے کھچے آدمیوں کو ساتھ لیا اور بصرہ کے محلِ وقوع کے قریب مقام ثنی پر پڑاؤ ڈالا۔

جنگ ثنی حضرت خالدؓ بھی اپنی فوج لے کر مقابلہ پر پہنچے۔ دونوں طرف سے صف آرائی ہوئی۔ قارن کو اپنی بہادری کا بڑا گھمنڈ تھا۔ اس نے ہرمز کا بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں میں سے کسی بہادر کو مبارزت کے لئے پکارا۔

اسلامی فوج میں سے ایک جوان نکلا اور اُسے قتل کر دیا۔ قارن کے قتل ہوتے ہی مسلمانوں نے ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ بے شمار ایرانی قتل ہوئے۔ بہت سے بھاگتے ہوئے نہر میں غرق ہو گئے اور کچھ کشتیوں میں بیٹھ کر پار اتر گئے۔

شہنشاہِ ایران کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اُس نے ایک ایرانی بہادر اندرزگر کی ماتحتی میں ایک زبردست فوج بھیجی اور پھر اس کے پیچھے ہی ایک دوسرے بہادر بہمن جادویہ کی سرداری میں ایک دوسری فوج روانہ کی۔ ان دونوں ایرانی سرداروں نے مقام ولجہ میں پڑاؤ ڈالا۔

جنگ ولجہ

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو جب ان فوجوں کے پہنچنے کا حال معلوم ہوا تو آپ بھی آگے بڑھے اور مقابلہ پر پہنچ گئے۔ دونوں فوجوں میں زبردست لڑائی ہوئی اور آخر کار ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اندرزگر تو مارا گیا مگر بہمن جادویہ جان بچا کر نکل بھاگا۔ اس لڑائی میں قبیلہ بکر کے عیسائی عربوں نے بھی ایرانیوں کی مدد کی اور وہ بھی بڑی تعداد میں مارے گئے۔

قبیلہ بکر کے عیسائی عربوں کو اپنے آدمیوں کے قتل سے بہت جوش آیا۔ انہوں نے شہنشاہِ ایران کو پیغام بھیجا کہ ہم مسلمانوں سے لڑیں گے۔ ہماری مدد کی جائے۔ شہنشاہ نے بہمن جادویہ کو حکم دیا کہ وہ قبیلہ بکر کے آدمیوں کو ساتھ لے کر دوبارہ مسلمانوں سے لڑے مگر بہمن جادویہ کو ہمت نہ ہوئی۔ اس نے اپنی بجائے ایک دوسرے سردار جاپان کو بھیج دیا اور خود دارالسلطنت مدائن کا رخ کیا تاکہ شہنشاہ کو مسلمانوں کے خطرہ کی اہمیت سے صحیح طور پر آگاہ کرے اور آئندہ کے لئے مشورہ طلب کرے مگر شہنشاہ بیمار تھا اس لئے وہ وہیں ٹھہر گیا۔

جنگ الیس

جاپان اپنی فوج اور بنی بکر کے آدمیوں کو لے کر انبار کے متصل پہنچا اور مقام الیس میں پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت خالدؓ بھی اپنی فوج لے کر مقابلہ پر پہنچ گئے۔ آپ نے اپنی عادت کے مطابق حریف کے سرداروں میں سے کسی کو مبارزت کے لئے بلایا۔ بنی بکر کا ایک سردار مقابلہ پر

آیا اور مارا گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ایرانیوں پر عام حملہ کر دیا۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں ایرانی بہت جم کر لڑے کیونکہ انہیں بہمن جادویہ کی کمک کی توقع تھی مگر ابھی سورج ڈھلنے نہ پایا تھا کہ ایرانی اور بکری جی چھوڑ بیٹھے اور بھاگ کھڑے ہوئے اور بھاگتے ہوئے ہزاروں قتل ہوئے۔

یہ واقعہ صفر ۱۲ھ کا ہے۔

فتح حیرہ

جنگ الیس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید نے حیرہ کا رُخ کیا۔ حیرہ عراق کے عربی رئیسوں کا (جو سلطنتِ ایران کے باجگزار تھے) صدر مقام تھا۔ حضرت خالدؓ نے حیرہ پہنچنے کے لئے دریا کا راستہ اختیار کیا تھا۔ جب آپ شہر کے قریب پہنچے تو وہاں کا رئیس بھاگ گیا۔ حضرت خالدؓ نے شہر کے مشہور محلات کا محاصرہ کر لیا اور حیرہ کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حیرہ کے باشندوں نے جب دیکھا کہ ان میں مسلمانوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے تو اپنے سرداروں کو صلح کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ عمرو بن عبدالمسیح نے حضرت خالدؓ کے پاس آکر صلح کی بات چیت کی اور ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ جزیہ کی رقم دینی منظور کی۔ سردارانِ حیرہ نے قدیم دستور کے مطابق اسلامی سپہ سالار کی خدمت میں قیمتی تحفے بھی پیش کئے۔ مگر حضرت خالدؓ نے ان سب کو فتح کی خوشخبری کے ساتھ خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان تحائف کو جزیہ میں ہی شمار کیا اور تحفہ کی حیثیت سے قبول نہ کیا۔

فتح حیرہ کے بعد

ان تمام لڑائیوں میں حضرت خالدؓ بن ولید کا یہ دستور رہا کہ وہ اسلامی اصولِ جنگ کے مطابق پہلے دعوتِ اسلام دیتے تھے۔ پھر جزیہ قبول کرنے کی پیشکش کرتے تھے۔ اگر ان دونوں باتوں سے انکار کر دیا جاتا تو آپ لڑائی کا حکم دیتے۔ یہ لڑائی بھی صرف فوج کے آدمیوں سے ہوتی۔ عام باشندوں سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا۔ جو لوگ جزیہ دینا

قبول کر لیتے مسلمان اُن کی حفاظت کے ذمہ دار بن جاتے اور وعدہ کرتے کہ اگر ان کی حفاظت نہ کر سکیں گے تو جزیہ کی رقم واپس کر دیں گے۔ جزیہ کی مقررہ رقم کے علاوہ کسی کو ذمیوں سے ایک پیسہ وصول کرنے کی اجازت نہ تھی حالانکہ ایرانی حکام اپنے زمانۂ حکومت میں تحفے و ہدایا کے نام سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے رہتے تھے۔ مالِ غنیمت میں جو کچھ مسلمانوں کے ہاتھ آتا اسلامی دستور کے مطابق اُس کے پانچ حصے کئے جاتے۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جاتے اور پانچواں حصہ دربارِ خلافت میں روانہ کر دیا جاتا۔

فتح حیرہ کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ علاقوں کے امن و امان کا بندوبست کیا۔ سرحدات پر نگران افسر مقرر کئے اور خراج و جزیہ کی وصولیابی کے لئے دیانت دار عاملوں کو بھیجا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر حیرہ کے آس پاس کے علاقہ کے رؤسا نے بھی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ چنانچہ فلالیج سے ہرمز ملک کے علاقہ کے چودھریوں نے حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیس لاکھ درہم سالانہ کی رقم پر صلح کر لی۔

دو خط

ان مہمات سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید نے دو خط لکھے۔ ایک شہنشاہِ ایران کے نام اور دوسرا رؤساء ایران کے نام۔ پہلے خط کا مضمون یہ تھا :۔

"اما بعد! اللہ کا شکر ہے جس نے تمہارے نظام کو توڑ دیا۔ تمہارے مکر کو باطل کر دیا اور تمہاری جماعت کو منتشر کر دیا۔ اگر خدا ایسا نہ کرتا تو تمہارے لئے بھی بُرا ہوتا۔ تم ہمارے اقتدار کو قبول کر لو۔ ہم تم سے اور تمہارے مُلک سے کوئی تعرض نہ کریں گے اور تمہیں چھوڑ کر کسی دوسری طرف چلے جائیں گے۔ ورنہ بالآخر یہ ہو کر رہے گا اور وہ قوم کر کے دکھائیگی جو موت کی ایسی ہی عاشق ہے جیسے کہ تم زندگی کے"

دوسرے خط کا مضمون یہ تھا :-

"امابعد! خدا کا شکر ہے جس نے تمہاری گرم مزاجی کو ٹھنڈا کر دیا تمہاری جماعت کو توڑ دیا۔ تمہاری عزت کو برباد اور تمہاری شوکت کو ملیامیٹ کر دیا۔ لہٰذا تم اسلام لے آؤ محفوظ رہو گے ورنہ جزیہ ادا کرنا قبول کرو۔ اگر ان دونوں باتوں سے انکار ہے تو پھر میں ایسی قوم کو لے کر آ رہا ہوں جو موت کو اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا تم شراب کو"

جس وقت ایران میں حضرت خالدؓ کے یہ خط پہنچے ایرانی سخت اندرونی اختلاف میں مبتلا تھے۔ شہنشاہ اُردشیر کا انتقال ہو چکا تھا اور شاہی خاندان میں کوئی مرد ایسا نہ تھا جسے وہ اس کا جانشین بنا لیتے۔ ان خطوط کے مضمون سے متاثر ہو کر انہوں نے اپنے اختلافات مٹائے اور بیگمات کے مشورہ سے ایک امیر فرخ زاد کو اس وقت تک کے لئے شہنشاہ تجویز کیا جب تک شاہی خاندان سے کوئی موزوں شخص نہ ملے۔

فتح انبار و عین التمر

حضرت خالد بن ولید نے حیرہ پر قعقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود انبار کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں شیرزاد حاکم ساباط سے مقابلہ ہوا۔ شیرزاد نے اپنے گرد خندق کھود لی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے اونٹوں کو ذبح کر کر کے خندق کو بھر دیا اور اُسے پار کر گئے۔ جب شیرزاد نے یہ مصیبت دیکھی تو مسلمانوں کی تجویز کردہ شرائط پر صلح کر لی۔

انبار کے بعد حضرت خالد عین التمر کی طرف بڑھے وہاں بہرام چوبین کا بیٹا بہرام ایک زبردست ایرانی لشکر لئے پڑا تھا۔ اس لشکر کے ساتھ ایرانی ماتحت علاقوں کے عرب قبیلوں (نمر، تغلب وغیرہ) کی فوجیں بھی تھیں۔ بہرام نے اس خیال سے کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے عربوں ہی کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بڑھایا مگر حضرت خالدؓ نے ان کے سردار کو گرفتار کر لیا۔ سردار کی گرفتاری

سے عرب قبیلے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی ایرانی لشکر میں بھی بھگدڑ پڑ گئی۔ مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شکست خوردہ عرب فوج کو قتل کر دیا۔

فتح دومۃ الجندل "عین التمر" میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حضرت عیاض بن غنم کا خط ملا۔ عیاض نے انہیں اپنی مدد کے لئے دومۃ الجندل (شمالی عراق) میں بلایا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانۂ حیات میں حضرت خالد کو دومۃ الجندل کی فتح کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچ کر وہاں کے حاکم اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کر لیا اور حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ آپؐ نے اس کی جان بخشی فرمائی اور جزیہ ادا کرنے کے وعدہ پر اس کا علاقہ اسی کے سپرد کر دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اکیدر اور اس کے شریک کار جودی نے عہد شکنی کی اور جزیہ ادا کرنا بند کر دیا۔ عیاض بن غنم اپنی مہمات کے سلسلے میں جب وہاں پہنچے تو نصارائے عرب کی بہت بڑی جماعت جودی کی ماتحتی میں ان کے مقابلہ کے لئے جمع ہو گئی۔ مجبوراً انہیں حضرت خالدؓ کو اپنی مدد کے لئے بلانا پڑا۔

حضرت خالدؓ کی آمد کی خبر سن کر اکیدر تو کسی طرف نکل بھاگا مگر جودی نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے اکیدر کی تلاش میں آدمی بھیجے۔ انہوں نے اسے گرفتار کر لیا اور عہد شکنی کی سزا میں قتل کر دیا۔

حیرہ کو واپسی دومۃ الجندل کی مہم سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ "حیرہ" لوٹ آئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ عین التمر کا انتقام لینے کے لئے عربوں اور ایرانیوں کا ایک لشکر "حصید" و "خنافس" میں جمع ہے۔ آپ نے ان کے مقابلہ کے لئے دو دستے روانہ کئے جنہوں نے اس لشکر کو شکست دے کر بھگا دیا۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے "مضیح" کا قصد کیا۔ یہاں عربوں کی ایک جماعت

مقابلہ کے لئے جمع تھی۔ حضرت خالدؓ نے اسے بھی شکست دی۔ پھر "ثنی" اور "بشر" پہ معرکے ہوئے جن میں حضرت خالدؓ ہی غالب رہے۔

جنگ فراض

مقام فراض پر جو جنگ ہوئی وہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ایرانیوں، رومیوں اور عربوں کے عظیم الشان لشکر نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے جوش و خروش کے ساتھ نہر فرات کو عبور کیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی اور آخر کار فتح نے مسلمانوں ہی کے قدم چومے۔

یہ واقعہ ۱۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲ھ کا ہے۔

اس لڑائی سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے عاصم بن عمرو کو فوج کے ساتھ حیرہ واپس جانے کا حکم دیا۔ اپنے متعلق یہ ظاہر کیا کہ میں ساقہ کے ساتھ پیچھے رہوں گا۔ لیکن آپ سیدھے مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں حج سے فارغ ہو کر اس قدر جلد واپس لوٹے کہ ابھی ساقہ حیرہ نہ پہنچا تھا۔ چنانچہ آپ ساقہ کے ساتھ شامل ہو کر حیرہ میں داخل ہوئے اور چند ساتھیوں کے علاوہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ آپ یہ طویل سفر کر آئے ہیں[۱]

مہماتِ شام

سنہ ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے شامیوں اور رومیوں کے خطرہ کو ہٹانے کے لئے شام و فلسطین کی طرف ایک لشکر بھیجنے کا انتظام کیا۔ آپ نے اس لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصہ کا مستقل سردار مقرر کیا اور اس کے حملہ آور ہونے کے لئے ایک علیحدہ سمت تجویز کی۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو حمص کی طرف، عمرو بن العاصؓ کو فلسطین کی طرف، یزیدؓ بن ابی سفیان کو دمشق کی طرف اور شرحبیل بن حسنہ کو اردن کی طرف روانہ کیا گیا۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۳۵۲ ۔

سنہری نصیحتیں خلیفۂ اسلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے کچھ دور تک پیدل تشریف لے گئے اور رخصت کرتے وقت سرداران لشکر کو بہترین نصیحتیں فرمائیں۔ ان نصیحتوں میں سے کچھ یہ ہیں :۔

۱۔ ہر حال میں خدا سے ڈرنا وہ باطن کو بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ظاہر کو۔
۲۔ اپنے ماتحتوں سے اچھا سلوک کرنا۔
۳۔ جب انہیں نصیحت کرو تو مختصر نصیحت کرنا۔ کیونکہ جب بات لمبی ہوتی ہے تو اس کا ایک حصّہ دُوسرے کو بھلا دیتا ہے۔
۴۔ پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنا۔ دوسرے خودبخود اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔
۵۔ جب تمہارے پاس دشمن کے سفیر آئیں تو ان کی عزت کرنا۔
۶۔ اپنے بھید کو چھپانا تاکہ تمہارا انتظام درہم برہم نہ ہو۔
۷۔ ہمیشہ سچّی بات کہنا تاکہ صحیح مشورہ ملے۔
۸۔ رات کو اپنے ساتھیوں کی مجلس میں بیٹھنا تاکہ تمہیں ہر قسم کی خبریں معلوم ہوں۔
۹۔ لشکر میں پہرہ چوکی کا عمدہ انتظام کرنا۔ کبھی کبھی اچانک پہنچ کر پہرہ داروں کے کام کی نگرانی بھی کرتے رہنا۔
۱۰۔ جھوٹوں کی صحبت سے بچنا، سچے اور وفادار ساتھیوں کی صحبت اختیار کرنا۔
۱۱۔ سب سے ملو اخلاص کے ساتھ ملنا اور بزدلی اور خیانت سے بچنا۔
۱۲۔ تم کچھ لوگوں کو دیکھو گے کہ دُنیا سے بے تعلق اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے ہیں ان سے ہرگز نہ اُلجھنا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔

اسلامی فوج کے چاروں سردار اپنی اپنی فوج کو لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے جابیہ پر، یزید بن ابی سفیانؓ نے بلقاء پر، شرجیل بن حسنہؓ نے بصرہ پر اور عمرو بن عاصؓ نے عربہ پر پہنچ کر اپنا مورچہ قائم کر لیا۔ جب شامیوں اور رومیوں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ان کے ملک کو گھیر لیا ہے تو بہت پریشان ہوئے اور اپنے شہنشاہ

ہرقل قیصرِ روم سے مدد مانگی ۔

ہرقل کا مشورہ ہرقل قیصرِ روم اس زمانے میں بیت المقدس میں ٹھہرا ہوا تھا اُس نے اپنے تمام سرداروں کو جمع کیا اور اُن سے کہا ۔

"میری رائے تو یہ ہے کہ مسلمانوں سے صُلح کر لی جائے ۔ شام کا آدھا خراج مسلمانوں کو دے دینا اور آدھا اپنے لئے بچا لینا ۔ اس سے بہتر ہے کہ شام کا سارا خراج مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے اور روم کے آدھے خراج سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں "

مگر اس کے سرداروں نے اس کی نصیحت قبول نہ کی اور لڑنے پر اصرار کیا ۔ ہرقل بیت المقدس سے روانہ ہو کر حمص آیا اور یہاں اُس نے اپنی فوجیں جمع کیں ۔ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ اسلامی فوج چار حصّوں میں تقسیم ہے ۔ اس نے بھی ہر حصّہ کے مقابلہ کے لئے الگ الگ فوج اپنے چار سرداروں کی ماتحتی میں روانہ کی ۔ یہ فوج تعداد کے لحاظ سے کہیں زیادہ تھی ۔

ہرقل کا بھائی تذارق ۹۰ ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن عاصؓ کے مقابلہ کے لئے جرجیر بن تو درہ ۵۰ ہزار فوج کے ساتھ یزید کے مقابلہ کے لئے قیقار بن نسطوس ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ابو عبیدہؓ کے مقابلہ کے لئے اور دراقص ۴۰ ہزار فوج کے ساتھ شرحبیل کے مقابلہ کے لئے روانہ ہُوا ۔

متحدہ مقابلہ جب مُسلمانوں کو معلوم ہُوا کہ ان کی فوج کے ہر حصّہ کے مقابلہ کے لئے اس سے کئی کئی گنا رومی فوج آ رہی ہے اور دشمن کی تجویز یہ ہے کہ مسلمانوں کو الگ الگ پیس ڈالا جائے تو اُنہوں نے عمروؓ بن عاص سے مشورہ طلب کیا ۔

عمرو بن عاص نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہم سب کو یکجا ہو جانا چاہیئے ۔ اس صورت میں ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہو سکیں گے ۔ سب نے عمرو بن عاص کے مشورہ کو پسند کیا اور دربارِ خلافت سے اجازت طلب کی ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی اور یہ بھی لکھ بھیجا کہ "مسلمان تعداد کی کمی کے سبب کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔ البتہ اگر وہ گناہوں میں گھر گئے تو مغلوب ہو جائیں گے لہٰذا انہیں گناہوں سے بچنا چاہیئے۔"

ہرقل کو جب معلوم ہوا کہ اسلامی فوج یکجا ہو گئی ہے تو اس نے بھی اپنی فوج کو یکجا ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ رومی فوج نے وادی یرموک کے کنارے مقام واقوصہ میں اپنا مورچہ جما لیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے حکم کے مطابق اسلامی فوجیں بھی رومی فوجوں کے سامنے آ کر جمع ہو گئیں اور انھوں نے رومیوں کا راستہ روک لیا۔

صفر ۱۳ھ سے ربیع الثانی ۱۳ھ تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ اور کسی کو دوسرے پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

سیف اللہؓ کی آمد

رومیوں کی پوزیشن بھی مضبوط تھی کیونکہ ان کے سامنے دریا تھا اور پس پشت پہاڑ اور ان کی تعداد بھی زیادہ۔ لہٰذا مسلمانوں نے دربارِ خلافت میں درخواست کی کہ ان کو مدد بھیجی جائے۔ وہاں سے حضرت خالدؓ بن ولید کو حکم ہوا کہ وہ عراق کی مہم کو چھوڑ کر شام روانہ ہو جائیں۔ حضرت خالدؓ نے مثنیٰ بن حارثہ کو عراق میں اپنا قائم مقام بنایا اور دس ہزار فوج لے کر نہایت تیزی کے ساتھ یرموک کی طرف روانہ ہو گئے۔

اگرچہ حضرت خالدؓ کو یرموک پہنچنے کی بہت جلدی تھی تاہم وہ راستہ میں اپنی تلوار کے جوہر برابر دکھاتے رہے۔ "ارک" پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے صلح کر لی۔ پھر تدمر پہنچے تو اہلِ تدمر قلعہ نشین ہو گئے اور آخر کار صلح کر لی۔

پھر قریتین پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو مغلوب کیا۔ پھر مرج راھط آئے تو غسانیوں کو تاخت و تاراج کیا۔ پھر غوطہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا۔ پھر بصریٰ پہنچے تو وہاں کے باشندوں سے مقابلہ ہوا۔ اہلِ بصریٰ نے حضرت خالدؓ سے صُلح کی درخواست کی۔ جسے آپؓ نے قبول فرما لیا۔ چنانچہ بصریٰ شام کا پہلا شہر ہے جو حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر فتح ہُوا۔ اس طرح فتح کا پرچم اُڑاتے ہوئے ربیع الآخر میں حضرت خالدؓ یرموک

پہنچے۔ جیسے ہی اسلامی فوج کو حضرت خالدؓ کی مدد حاصل ہوئی رومی فوج کو بھی مزید کمک پہنچ گئی۔ ایک مشہور رومی سردار "باہان" اپنے ساتھ بہت سے مذہبی رہنماؤں کو لے کر رومی فوج سے آملا۔ اب اسلامی فوج کی کل تعداد ۳۶ ہزار ہوگئی اور رومی فوج کی کل تعداد دو لاکھ چالیس ہزار۔

جنگِ یرموک

حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ رومی تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں اور پھر جنگی اصول کے مطابق اپنی فوجوں کو ترتیب دیئے ہوئے ہیں۔ مسلمان تعداد کے اعتبار سے ان سے کم ہیں اور پھر جتنے ہیں وہ بھی ایک جھنڈے تلے نہیں۔ اس صورت میں اندیشہ تھا کہ لڑائی بہت طول کھینچے اور پھر بھی دشمن کو نقصان نہ پہنچایا جا سکے۔ اس لئے آپ نے اسلامی لشکر کے سرداروں کو جمع کر کے یہ تقریر فرمائی :-

"یہ لڑائی ایک عظیم الشان مذہبی لڑائی ہے۔ آج ہمیں فخر اور نافرمانی کا خیال دل سے نکال دینا چاہیئے اور خالص اللہ کے لئے اپنی کوششیں صرف کر دینی چاہئیں۔ دیکھو دشمن تنظیم و ترتیب کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود ہے اور تم متفرق و منتشر ہو۔ تمہارا یہ انتشار تمہارے لئے دشمن کے حملہ سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہے اور دشمن کے لئے اس کی مدد سے زیادہ مفید ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ساری فوج ایک امیر کی کمان میں دیدی جائے اور امارتِ فوج کو باری باری تقسیم کر لیا جائے۔ ایک دن ایک سردار امیر ہو اور دوسرے دن دوسرا۔ اگر یہ رائے پسند ہے تو آج مجھے امیر بن جانے دو۔"

اسلامی فوج کے سرداروں نے حضرت خالدؓ کی رائے کو پسند کیا اور انہیں امیرِ لشکر تسلیم کر لیا۔

اسلامی فوج کی تنظیم

رومی بڑی آن بان کے ساتھ میدان میں صف آرا ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اسلامی فوج کو بھی اس طرح ترتیب دیا کہ پہلے کبھی ترتیب نہ دی گئی تھی۔ آپ نے کل فوج کو ۴۰ دستوں پر تقسیم کیا

کچھ دستے قلب میں رکھے۔ ان کا سردار حضرت ابو عبیدہؓ کو مقرر کیا۔ کچھ دستے میمنہ پر رکھے ان کا سردار عمرو بن عاصؓ اور شرحبیل بن حسنہ کو مقرر کیا۔ کچھ دستے میسرہ پر رکھے۔ ان کا سردار یزید بن ابی سفیان کو مقرر کیا۔ کچھ دستوں پر قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی وغیرہ کو سردار مقرر کیا۔ آپ نے ہر ہر دستے پر جس میں تقریباً ایک ایک ہزار سپاہی تھے الگ الگ افسر مقرر کئے۔

یہ افسر قلب، میمنہ و میسرہ کے سرداروں کے ماتحت تھے۔ ابو سفیان نقیب لشکر مقرر ہوئے۔ یہ ساری فوج میں پھر پھر کر تقریر کرتے تھے اور سپاہیوں کو جوش دلاتے تھے۔

کون زیادہ ہے؟

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو اسلامی فوج میں سے ایک شخص نے کہا" رومی کس قدر زیادہ ہیں اور مسلمان کس قدر کم"! حضرت خالدؓ نے سُنا تو فرمایا۔ یوں کہو۔

"مسلمان کس قدر زیادہ ہیں اور رومی کس قدر کم۔"

اور پھر اس شخص سے کہا۔

"زیادتی اور کمی کوئی چیز نہیں فتح و شکست اصل چیز ہے۔"

آخرکار لڑائی چھڑی اور تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں۔ حضرت خالدؓ خود قلب کے دستوں کو لے کر دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور دشمن کی سوار فوج اور پیدل فوج کے درمیان حائل ہو گئے۔ دشمن کے سوار مسلمانوں کے حملوں کو برداشت نہ کر سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے انہیں بھاگنے کا راستہ دے دیا۔ اب پیدل فوج رہ گئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے دستوں کو لے کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ رومیوں نے محسوس کیا کہ گویا ان پر دیوار گر پڑی ہے۔ بھاگنے کا ارادہ کیا مگر جاتے کہاں پیچھے پہاڑ تھا۔ بدحواسی کے عالم میں دریا کی طرف پلٹے اور غرق ہو گئے۔

طبری کے بیان کے مطابق ان دریا میں غرق ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ تلوار کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترنے والوں کا شمار اس کے

علاوہ ہے مسلمان کل تین ہزار شہید ہوئے۔

موت کی بیعت ابتداء میں جب رومی فوج نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو بعض اسلامی دستوں کے قدم اُکھڑنے لگے تھے۔ مگر عکرمہ بن ابی جہل اور ان کے بیٹے عمرو بن عکرمہ نے اس وقت بڑی جانبازی کا ثبوت دیا۔ عکرمہ نے چلا کر کہا:-

"میں نے ہر میدان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی ہے بھلا میں آج پیٹھ دکھا سکتا ہوں۔ میرے ہاتھ پر کون بیعتِ موت کرنے کے لئے تیار ہے؟"

حارث بن ہشام اور ضرار بن ازور وغیرہ چار سو جانبازوں کی آواز پر میدان میں نکل آئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خیمہ کے سامنے اس بہادری کے ساتھ لڑے کہ دشمن کا منہ پھیر دیا۔

دوسرے دن صبح کو عکرمہؓ اور عمرو بن عکرمہؓ کو حضرت خالدؓ کے پاس لایا گیا۔ یہ زخموں سے چُور تھے اور دم توڑ رہے تھے۔ حضرت خالدؓ نے ایک کا سر ران پر اور دوسرے کا اپنی پنڈلی پر رکھا اور ان کے چہرے سے گرد صاف کرتے اور حلق میں پانی ٹپکاتے رہے۔ اسی حالت میں ان دونوں کی روحیں قفسِ عنصری سے پرواز کر گئیں۔ رحمہما اللہ تعالے۔

اس لڑائی میں مسلمان عورتوں نے بھی اپنا ایک الگ دستہ بنا کر مردانگی کے جوہر دکھائے۔ یہ لڑائی "جنگ یرموک" کے نام سے مشہور ہے اور تاریخِ اسلامی میں ایک اہم حیثیت رکھتی ہے۔ اس لڑائی میں فتح حاصل کرنے کے بعد شام میں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور پھر وہ آگے بڑھتے ہی چلے گئے۔

پیکرِ اخلاص جنگِ یرموک ابھی جاری ہی تھی کہ مدینہ سے قاصد ایک خط لے کر آیا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور حضرت عمرؓ ان کے جانشین مقرر ہوئے ہیں۔ خط میں

یہ بھی لکھا تھا کہ نئے خلیفہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ عبیدہ بن الجراح کو سالارِ افواجِ اسلامیہ مقرر کیا ہے۔

یہ خط سب سے پہلے حضرت خالدؓ ہی کے ہاتھ میں پہنچا۔ اسے پڑھ کر وہ ذرا بھی بددل نہ ہوئے۔ خاموشی کے ساتھ حضرت عبیدہؓ کو خبر دیدی کہ اب آپ میرے سردار ہیں اور میں آپ کا ماتحت اور اس خبر کو عام طور پر شہرت نہ دی کہ کہیں فوج میں بددلی اور ہراس نہ پھیل جائے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ "معزولی کی خبر سے آپ کے حملوں کی سختی میں ذرا فرق نہ آیا"۔

آپ نے جواب دیا کہ:

"میں خدا کے لئے لڑ رہا تھا نہ کہ عمرؓ کے لئے"۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیماری اور وفات

۷ رجمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بخار میں مبتلا ہوئے۔ پندرہ روز تک برابر بخار کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار ۲۱ رجمادی الاخریٰ ۱۳ھ کی شام کو ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا[1]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی خلافت کی مدت دو سال تین مہینے دس روز ہوئی۔

وفات کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میری زمین فروخت کر کے وہ روپیہ ادا کر دیا جائے جو میں نے وظیفۂ خلافت کی صورت میں وصول کیا ہے[2]۔ چنانچہ

---

[1] بعض مؤرخین نے تاریخ وفات ۲۲ رجمادی الاخریٰ ۱۳ھ لکھی ہے۔

[2] خلافت کا بار اٹھانے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ ایک کامیاب کاروبار کے مالک تھے مگر جب خلافت کی ذمہ داریاں عائد ہوئیں تو فکرِ معاش کے لئے وقت نہ مل سکا۔ صحابہ کرام نے مشورہ کر کے چھ ہزار درہم سالانہ (تقریباً ۱۲۸ گنی مصری) وظیفہ مقرر کر دیا (محاضرات الخضری ج ۱ ص ۲۹۳)

اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ کفن کے متعلق فرمایا کہ جو کپڑا اس وقت میرے بدن پہ ہے اسی کو دھو کر اس میں کفن دینا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا۔
"ابا جان یہ تو پرانا ہے" آپ نے جواب دیا "میرے لئے یہی پھٹا پرانا کافی ہے"
آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے چند دوسرے اکابر صحابہؓ کے ساتھ بیت المال کا جائزہ لیا۔ وہاں صرف ایک دینار پایا گیا۔ جب بیت المال کے خزانچی سے پوچھا گیا کہ شروع سے اب تک خزانۂ خلافت میں کتنا روپیہ داخل ہوا ہوگا؟ تو اس نے جواب دیا دو لاکھ دینار۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ آئے فوراً تقسیم کر دیا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق مال جمع رکھنا آپ پسند نہ فرماتے تھے۔

خلافتِ ابوبکرؓ پہ ایک نظر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک ہوشمند مدبر، تجربہ کار مفکر اور باہمت سپہ سالار تھے۔ آپ کی خلافت آپ کے اس خطبۂ خلافت کی عملی تفسیر تھی۔

"اے لوگو! جو شخص تم میں سب سے زیادہ کمزور ہے وہ میرے لئے سب سے زیادہ قوی ہے جب تک کہ میں اُسے اس کا حق نہ دلا دوں اور جو شخص تم میں سب سے زیادہ قوی ہے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں۔ لوگو! میں رسول اللہ کا پیرو ہوں خود کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں جب تک میں راہِ حق پر رہوں میری مدد کرو اور جب اس راہ سے ہٹوں تو مجھے سیدھی راہ پر ڈال دو"

فتنۂ ارتداد کی اندھیریوں کا پردہ چاک کرنے میں آپ کے فکرِ روشن نے جو جو کارنامے انجام دیئے وہ تاریخ اسلام کی پیشانی کا نور ہیں۔ پھر ایرانی اور رومی

شہنشائیت کا تختہ اُلٹنے کے لئے جن کے مظالم سے دُنیا کراہ رہی تھی پہلے آپ نے ہی ہاتھ بڑھایا۔ قرآن کریم (جو دین اسلام کا بنیادی قانون ہے) کی سورتوں میں مصحف کی صورت میں جمع و ترتیب آپ ہی کا شاندار کارنامہ ہے۔

آپ کی انہی خصوصیات کی بنا پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ خدا کے نبیوں کے بعد تمام انسانوں میں آپ ہی افضل ہیں۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً کاملۃً

خاندانِ ابوبکرؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کئی شادیاں کیں۔ اسلام سے پہلے آپ نے بنی عامر بن لوئی کے خاندان میں قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے شادی کی، ان سے ایک صاحبزادہ عبداللہ اور ایک صاحبزادی اسماء پیدا ہوئیں۔ اسماء کی شادی حضرت زبیر بن العوام سے ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ان ہی کے فرزند تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے دوسری شادی بنی کنانہ کے خاندان میں ام رومان بنت عامر سے کی۔ ان سے ایک صاحبزادہ عبدالرحمٰن اور ایک صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہوئیں۔

اسلام کے بعد آپ نے خاندان خثعم میں اسماء بنت عمیس سے شادی کی۔ یہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادہ محمد پیدا ہوئے۔ اسی زمانہ میں آپ نے خاندان خزرج میں حبیبہ بنت خارجہ سے شادی کی۔ ان سے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد ایک صاحبزادی ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

عمالِ ابوبکرؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صرف جزیرۃ العرب پر باقاعدہ اسلامی حکومت تھی۔ آپ نے جزیرۃ العرب کو دس ولایتوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ ہر ولایت پر آپ کے قائم مقام کی حیثیت سے ایک امیر مقرر تھا۔ انتظام ملکی کے علاوہ نماز کی امامت، مقدمات کی سماعت اور حدود و قصاص کا اجراء بھی اسی امیر سے متعلق ہوتا تھا۔ ولایات

اور ان کے امراء کی تفصیل یہ ہے :-

ولایت	امیر
مکۂ معظمہ	عتاب بن اسید
طائف	عثمان بن ابی العاص
صنعاء	مہاجر بن ابی امیہ
حضرموت	زیاد بن لبید
خولان	یعلیٰ بن اُمیّہ
زبید	ابوموسیٰ اشعری
جند	معاذ بن جبل
جرش	عبداللہ بن ثور
بحرین	علاء بن حضرمی
نجران	جریر بن عبداللہ بجلی

عراق اور شام میں ابھی لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا اور وہاں کے نظم و نسق کی ذمہ داری بھی سالارانِ افواج ہی کے ہاتھ میں تھی ۔



عہدِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ کا انتخاب

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرض میں زیادتی ہوئی اور آپ نے محسوس کیا کہ دُنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آگیا تو آپ کو خلافت کی فکر ہوئی۔ آپ نے سوچا کہ اگر خلافت کے مسئلہ کو طے نہ کر دیا گیا تو پھر مسلمانوں میں نزاع ہوگا اور ان کی طاقت بکھر جائیگی۔ آپ نے کافی غور و فکر کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا نام تجویز کیا اور پھر اپنی اس تجویز کو اکابر صحابہؓ کے سامنے پیش کیا۔ ان میں سے اکثر نے تو اس تجویز کو بہت پسند کیا۔ لیکن بعض نے کہا کہ "یوں تو عمر بہترین شخص ہیں مگر ان کے مزاج میں ذرا سختی ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ "جب ان پر خلافت کا بوجھ پڑے گا تو یہ سختی خود بخود جاتی رہے گی"۔ آخر سب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔

جب سب اکابر صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر راضی ہو گئے تو حضرت عثمانؓ کو بلا کر آپ نے عہد نامۂ خلافت لکھوایا اور مجمع عام میں اسے سنانے کا حکم دیا۔ اس عہد نامے کا خلاصہ یہ ہے :-

"یہ عہد نامہ ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ آخرت کے وقت کا ہے۔ یہ وہ نازک وقت ہے جب کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور گنہ گار بھی خدا پر یقین رکھتا ہے۔ میں عمر بن خطاب کو تمہارا حاکم مقرر کرتا ہوں اور اس تقرر میں تمہاری بھلائی کو میں نے پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔ اگر وہ حق پر قائم رہے اور عدل سے کام لیا تو مجھے

ان سے یہی اُمید ہے۔ لیکن اگر اُنہوں نے ظلم کیا اور راہِ حق سے ہٹ گئے تو مجھے غیب کا کیا علم۔ میرا ارادہ تو مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کا ہی ہے اور ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔"

اس کے بعد آپ ایک شخص کے سہارے سے بالا خانہ پر تشریف لے گئے اور مسلمانوں کے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"بھائیو! میں نے اپنے کسی رشتہ دار یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس شخص کو مقرر کیا ہے جو تم میں سب سے بہتر ہے۔ کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟"

تمام حاضرین نے اس انتخاب کو پسند کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کا اظہار کیا۔

اب آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں بہت دیر تک نصیحتیں فرماتے رہے۔ ان نصیحتوں کو حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کی کامیابی میں بہت کچھ دخل ہے۔

حالات قبلِ خلافت

آپ کا نام عمر ہے۔ ابوحفص کنیت ہے فاروق لقب ہے۔ والد کا نام خطاب ہے اور والدہ کا نام حنتمہ۔ آپ عدی بن کعب کی اولاد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرہ بن کعب کی۔ یوں آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ کے ساتھ جا ملتا ہے۔ آپ کا خاندان عرب میں بہت معزز سمجھا جاتا ہے۔ قریش کی سفارت اور ان کے باہمی جھگڑوں میں ثالثی کی خدمات اسی خاندان سے متعلق تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بارہ سال بعد

پیدا ہوئے۔ آپ نے سپہ گری اور فن تقریر میں مہارت حاصل کی اور ابھی جوانی کا آغاز ہی تھا کہ آپ کی جرأت و شجاعت کی دھاک سارے عرب میں بیٹھ گئی۔ پھر آپ نے تجارت کے سلسلہ میں دُور دُور کے ملکوں کا سفر کیا تو دور بینی، وسیع النظری اور تجربہ کاری کے اوصاف بھی پیدا ہو گئے۔

قبولِ اسلام آپ کی عمر ستائیس سال کی تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی وادیوں میں حق کی آواز بلند کی۔ حضرت عمرؓ کو یہ صدا بھلی نہ معلوم ہوئی اور اسے دبانے کی کوشش شروع کر دی۔ حضرت عمرؓ کی مخالفت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت سخت تھی۔ آپ نے دُعا فرمائی :۔

اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما عمر بن ھشام واما عمر بن الخطاب

اے اللہ ! اسلام کو عمر بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعہ عزت دے "

ایک دن آپ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادہ سے اپنے گھر سے نکلے۔ راستہ میں ایک شخص ملے انہوں نے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا عمر خیر تو ہے کہاں کا ارادہ ہے ؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں "

وہ شخص بولے۔

"میاں محمد کا فیصلہ تو بعد میں کرو گے پہلے گھر کی تو خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی محمدؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں "

یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ پلٹے اور اپنی بہن کے گھر کا راستہ لیا۔ بہن قرآن مجید کی کوئی سورۃ پڑھ رہی تھیں۔ آہٹ پائی تو سورۃ کے اوراق چھپا لئے۔ مگر حضرت عمرؓ کے کانوں میں بھنک پہنچ چکی تھی۔ بہن اور بہنوئی دونوں کو اس قدر مارا کہ زخموں سے چور چور ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہو کیا اب بھی بد دینی سے باز نہ آؤ گے؟ بہن بولیں عمرؓ جو چاہے کر لو یہ نشہ تو چڑھ کر اُترنے والا نہیں۔ حضرت عمرؓ کو ان کے

اس عزم ویقین پر حیرت ہوئی اور کہنے لگے اچھا ہمیں بھی تو کچھ اس کا مزہ چکھاؤ۔ بہن نے وہی سورت پڑھنی شروع کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا کی قبولیت کا وقت آگیا تھا۔ حضرت عمرؓ خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر بے اختیار چیخ اٹھے۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ۔

کفر کی یہ بجلی جب اسلام کی تلوار بن گئی تو مکہ کے ضعیف مسلمانوں کو بڑی طاقت حاصل ہوئی۔ اب تک مسلمان چھپ چھپ کر اپنے دینی فرائض ادا کرتے تھے بلکہ اپنے اسلام کو بھی چھپاتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کافروں کو جمع کرکے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اب تو کعبہ میں نماز ادا کی جائیگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی دو صفوں کو لے کر جن میں سے ایک کے لیڈر حضرت عمرؓ تھے اور دوسری کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔ کعبہ میں تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا ہوئی۔[1] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا :۔

مازلنا اعزۃ منذ اسلم عمر[2] — جب سے عمرؓ نے اسلام قبول کیا ہم بالادست ہو گئے۔

اعلانِ ہجرت نبوت کے تیرہویں سال جب مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کی اجازت ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا۔ عام طور پر مسلمان کافروں کے شر سے بچنے کے لئے خاموشی کے ساتھ یہ سفر کر رہے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ نے اسے پسند نہ کیا۔ آپ نے اپنے بدن پر ہتھیار سجائے اور پھر کافروں کے مجمع میں سے گذرتے ہوئے خانہ کعبہ میں پہنچے۔ وہاں بڑے اطمینان سے طواف کیا اور نماز ادا کی۔ پھر بلند آواز کے ساتھ اعلان کیا :۔

---

[1] سیرت ابن ہشام و اشھر مشاہیر الاسلام ج ۲ صفحہ ۱۸۷ بحوالہ ابن سعد۔

[2] صحیح بخاری۔

"میں مدینہ جارہا ہوں جسے اپنی ماں کو اپنے غم میں رُلانا ہو وہ اس وادی کے پار مجھ سے مقابلہ کرے"

مگر کافروں میں سے کسی کو آپ سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور آپ بخیریت مدینہ منورہ پہنچ گئے[1]

شرکتِ غزوات

بدر سے تبوک تک تمام غزوات میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو لڑے۔ جنگِ بدر میں کافروں کے تقریباً ستر آدمی مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کافر قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فطرتاً رحمدل تھے، انہوں نے رائے دی کہ جزیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس رائے سے سختی کے ساتھ اختلاف کیا۔ انہوں نے کہا ان کافروں کو جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے میں کسر نہیں چھوڑی قتل کر دینا چاہیئے قتل میں بھی انہوں نے یہ صورت تجویز کی کہ ہر شخص اپنے ہاتھ سے اپنے عزیز کو قتل کرے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شانِ کریمی کے سبب حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند آئی مگر اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی حضرت عمرؓ کی رائے کو درست قرار دیا۔

جنگِ اُحد میں جب حکمِ رسول کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور رسول اکرمؐ کافروں کے نرغہ میں پھنس گئے تو حضرت عمرؓ کے پائے ثبات کو ایک لمحہ کے لئے لغزش نہ ہوئی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فدائیوں کی ایک جماعت کے ساتھ پہاڑ کے درہ پر چڑھے اور خالدؓ بن ولید نے (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) فوج کے ایک دستہ کے ساتھ آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ ہی آگے بڑھے اور چند ساتھیوں کے ساتھ کافروں کے دستہ کو پیچھے دھکیل دیا۔ ابوسفیان نے لڑائی ختم ہو جانے کے بعد

---

[1] محاضرات الخضری ج ۱ صفحہ ۲۹۷

چیخ کر کہا کیا محمدؐ زندہ ہیں؟ حضورؐ نے اپنے ساتھیوں کو جواب دینے سے روک دیا۔ ابوسفیان نے کہا تو کیا ابوبکرؓ و عمرؓ زندہ ہیں۔ مگر اب بھی جواب نہ پایا تو چلّا کر کہا ضرور محمد اور اُس کے دوست مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے اب نہ رہا گیا اور پکار کر کہا۔

"اسے دشمنِ خدا: ہم سب زندہ ہیں"

پھر جب ابوسفیان نے "اُعلُ ہبل" کا نعرہ لگایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا۔ اللہ اعلیٰ و اجل

جنگِ خندق میں جب کافروں اور یہودیوں کے سیلاب نے مدینہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق تیار کرائی۔ آپ نے کچھ جانباز صحابہ کو خندق کی حفاظت کے لئے متعین کیا تاکہ اس سیلاب کو خندق کے پار نہ آنے دیں۔ ان جانبازوں میں ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپؓ اپنے دستۂ فوج کے ساتھ کافروں کے حملوں کو روکتے رہے۔ ایک دن تو اس کام میں اس قدر مصروف رہے کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ آپ نے حضورؐ سے شکایت کی کہ یارسول اللہ! آج تو کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ آپؐ نے جواب دیا۔ اے عمر! میں نے بھی آج ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب شرائط صلح لکھی جانے لگیں تو اُن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دورانِ صلح میں اگر قریش کا کوئی آدمی مسلمانوں میں چلا جائے تو مسلمان اسے واپس بھیج دیں لیکن مسلمانوں کا کوئی آدمی قریش میں آجائے تو وہ اسے روک سکتے ہیں"

حضرت فاروقؓ اس شرط کو برداشت نہ کر سکے۔ آپ، رسول کریمؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! جب آپ خدا کے سچے رسول ہیں تو ایسی شرط قبول کر کے ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں؟ حضورؐ نے جواب دیا۔ اے عمر! بیشک میں خدا کا سچا رسول ہوں لیکن جو کچھ کر رہا ہوں وہ بھی خدا کے حکم ہی سے کر رہا

ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو اگرچہ سراسر غیرتِ دینی کی بنا پر تھی مگر چونکہ اس کا انداز احترامِ نبوت کے خلاف تھا۔ اس لئے بعد میں آپ کو سخت ندامت ہوئی اور اس کا کفارہ ادا کیا۔

فتح مکہ کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حرم میں داخل ہوئے اور کافروں کے لئے امن عام کا اعلان کیا تو لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقہ امن وسلام میں داخل ہونے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو مردوں کی بیعت لی اور عورتوں کی بیعت کے لئے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام تجویز کیا۔

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قیصرِ روم مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہا ہے تو مسلمانوں میں ہراس پھیل گیا۔ ادھر تنگ دستی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کے پاس پیٹ بھرنے کو بھی نہ تھا اور ادھر دنیا کی ایک سب سے بڑی طاقت سے ٹکرانے کا مرحلہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مالداروں سے اپیل کی کہ غریب مجاہدین کی امداد کریں۔

اس اپیل کے جواب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال حضورؐ کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ سامانِ جنگ کی فراہمی کے بعد رسول اکرمؐ مقام تبوک پہنچے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصرِ روم نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ چنانچہ چند روز ٹھہر کر اسلامی لشکر واپس آگیا۔

عشقِ نبیؐ

۱۱ھ میں جب آفتابِ نبوت ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہوا اور حضورؐ کی خبرِ وفات مشہور ہوئی تو جان نثاروں کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ اس موقعہ پر یوں تو سب ہی متاثر تھے مگر حضرت عمرؓ کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔ آپ تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور اعلان کیا کہ جو شخص کہے گا کہ حضورؐ وفات پا گئے اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ آخر جب حضرت ابو بکرؓ آئے اور انہوں نے نصِ قرآنی سے حضرت عمرؓ کے خیال کی تردید کی تب کہیں آپ نے اپنی تلوار نیام

میں داخل کی۔

صدیق اکبرؓ کی خلافت عہدِ صدیقی میں حضرت عمر فاروقؓ شروع ہی سے صدیق اکبرؓ کے مشیر و معین رہے۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت کی گتھی آپ ہی کے دستِ تدبیر سے سلجھی۔ سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو "لشکرِ اسامہ" کے ساتھ جانے سے روک لیا تھا تاکہ مہماتِ خلافت میں آپ کی امداد کریں۔ چنانچہ حضرت صدیقؓ نے جس قدر اہم کام انجام دیئے سب حضرت فاروقؓ کے مشورہ اور امداد سے انجام دیئے۔ قانونِ اسلامی کی بنیاد قرآن کریم کی جمع و ترتیب آپ ہی کی رائے سے عمل میں آئی۔ "فصلِ مقدمات" جو خلافت کی ذمہ داریوں میں سے ایک بڑی ذمہ داری ہے آپ ہی سے متعلق رہی۔

واقعاتِ عہدِ خلافت

فتح عراق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب خالدؓ بن ولید کو عراق سے شام بھیجا تو مثنیٰ بن حارثہ شیبانی ان کے قائم مقام کی حیثیت سے "حیرہ" میں مقیم رہے۔ آدھی فوج حضرت خالد بن ولید اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اور آدھی فوج مثنیٰ کے پاس تھی۔ اس فوج میں دربارِ ایران کی طرف سے ایک بہت بڑی فوج حیرہ کی طرف بھیجی گئی۔ اس فوج کا سردار ہرمز تھا۔ "بابل" کے قریب عربی اور ایرانی فوجوں میں خون ریز لڑائی ہوئی۔ لڑائی کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں رہا۔ مثنیٰ نے مدائن تک ایرانیوں کا تعاقب کیا اور پھر حیرہ واپس آگئے[1]

یہاں آکر انہیں معلوم ہوا کہ ایرانی پھر بڑے زور شور سے مسلمانوں پر حملے کی

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۱۷-۱۸

تیاریاں کر رہا ہے۔ مثنیٰ نے بشیر بن خصاصیہ کو اپنا قائم مقام کیا اور خود ایرانی حملہ کی اہمیت سے خلیفۂ اسلام کو واقف کرنے کے لئے مدینہ روانہ ہو گئے۔

جس روز مثنیٰ بن حارثہ مدینہ پہنچے ہیں وہ حضرت صدیق اکبرؓ کی زندگی کا آخری دن تھا۔ تاہم حضرت صدیقؓ نے مثنیٰ کو بلا کر تمام حالات سُنے اور پھر حضرت عمرؓ کو بُلا کر کہا:-

"اے عمر! مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اب دُنیا سے رخصت ہو رہا ہوں۔ اگر میں مر جاؤں تو تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ کی امداد کے لئے مدینہ سے فوج روانہ کرو۔ دیکھو اس کام میں دیر نہ کرنا۔ یہ دین کی عزت و حرمت کا معاملہ ہے۔"

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کے معاملہ کی طرف توجہ کی۔ بیعتِ خلافت کے سلسلہ میں دور و دراز سے مسلمان آئے ہُوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے سامنے ایک تقریر میں مہم عراق کی اہمیت بیان کی اور انہیں اس میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ مدائن جو ایران کا دارالسلطنت تھا خود عراق میں واقع تھا۔ اس لئے عراق کا فتح کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ عام طور پر مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ خالدؓ بن ولید کی خدائی تلوار ہی ایرانیوں کا مُنہ پھیر سکتی ہے۔ اس خیال کی بنا پر مسلمان اُمراءِ لشکر خاموش رہے اور کسی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعوت قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن حضرت عمرؓ اس بات کے خلاف تھے کہ مسلمان کسی ایک شخصیت کو خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، مہماتِ دینی کا مدار سمجھیں۔

اس لئے وہ برابر تقریریں فرماتے رہے۔ آخر کار "بنی ثقیف" کے مشہور سردار ابو عبید ثقفی جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے مہم عراق کی ذمہ داری قبول کی۔ ابو عبید ثقفی کے بعد اور بھی بہت سے سرداروں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ مگر چونکہ پہل ابو عبید ثقفی کی طرف سے ہوئی تھی اس لئے حضرت

عمرؓ نے انہی کو سپہ سالار مقرر کیا۔

حضرت عمرؓ نے مثنیٰ بن حارثہ کو فوراً عراق کی طرف روانہ کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ابو عبید ثقفی کی آمد کا انتظار کریں۔ آپ نے مثنیٰ کی درخواست پر فتنہ ارتداد سے توبہ کرنے والوں کو بھی شریکِ جہاد کرنے کی اجازت دیدی۔

رستم کی سالاری مثنیٰ ابھی مدینہ ہی میں تھے کہ عراق کے حالات بڑی تیزی کے ساتھ بدل گئے۔ بات یہ ہوئی کہ ایرانیوں کی مسلسل شکستوں نے انہیں خوابِ غفلت سے چونکا دیا۔ تمام سرداروں اور امیروں نے آپس کے اختلافات دُور کر کے قومی خطرہ کا متحدہ مقابلہ کرنے کی تدبیر سوچی۔ کافی غور و فکر کے بعد بوران دخت کو تخت نشین کیا گیا اور مشہور سردار رستم کو جو اپنی عقل و تدبیر اور جرأت و ہمت میں شہرۂ آفاق تھا اس کا نائب السلطنت اور سپہ سالار اعظم مقرر کیا گیا۔ سب امیروں نے عہد کیا کہ وہ رستم کی اطاعت سے باہر نہ ہوں گے۔

رستم نے پہلا کام یہ کیا کہ عراق کے دیہات میں ہر طرف ہر کارے دوڑا دیئے۔ انہوں نے غیرتِ دینی اور حمیت قومی کا جوش دلا کر عراق کے چودھریوں کو بغاوت پر آمادہ کیا اور مثنیٰ کے آنے سے پہلے پہلے فرات کے ساحلی علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

رستم نے دوسرا یہ کام کیا کہ نرسی اور جابان کی ماتحتی میں دو طاقتور فوجیں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیں۔ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی اور عراق کا جاگیر دار تھا اور جاپان بھی عراق کا ایک تعلقہ دار تھا۔ جاپان اپنی فوجیں لے کر "نمارق" پہنچا اور نرسی نے "کسکر" میں پڑاؤ ڈال دیا۔ جب مثنیٰ عراق پہنچے تو انہیں ان حالات کا علم ہوا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق وہ ابو عبید کی آمد کی انتظار ہی میں رُکے رہے۔

معرکۂ نمارق ایک مہینہ کے بعد ابو عبید ثقفی اپنی جمعیت کے ساتھ عراق پہنچ گئے۔ اور کچھ دن سستا کر جاپان کے مقابلہ کے لئے

بڑھے۔ نمارق پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہُوا۔ ایرانی جان توڑ کر لڑے لیکن آخر کار شکست کھائی اور بھاگ کھڑے ہُوئے۔

خود جاپان کو جو سردار لشکر تھا ایک مسلمان سپاہی نے گرفتار کر لیا۔ یہ سپاہی جاپان کو پہچانتا نہ تھا۔ جاپان نے اس سے کہا "تم میرا کیا کرو نگے۔ مَیں ایک بُوڑھا سپاہی ہوں۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو مَیں تمہیں معقول معاوضہ دے دوں گا"

مسلمان سپاہی نے منظور کر لیا۔ جاپان نے کہا اچھا اب اس معاملہ کی پختگی تمہارے سردار کے سامنے ہو جانی چاہیئے۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ جاپان جب ابوعبیدؓ کے خیمہ میں لے جایا گیا تو وہاں پہچان لیا گیا۔ بعض مسلمانوں نے کہا کہ اس نے دھوکہ دے کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا یہ معاملہ منسوخ قرار دیا جائے۔ مگر سردار لشکر ابو عبید ثقفی رضؓ نے کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا جب ایک مسلمان نے امان دیدی تو ساری قوم کو اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اسلام میں وعدہ خلافی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے"

چنانچہ جاپان کو چھوڑ دیا گیا۔[1]

معرکہ کسکر

اس فتح کے بعد ابو عبید کسکر کی طرف روانہ ہُوئے جہاں نرسی چھاؤنی ڈالے پڑا تھا۔ جاپان کے بچے کھچے آدمی بھی نرسی کی فوج میں جا شامل ہُوئے تھے۔ مقام "سقاطیہ" میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہُوا۔ ایرانی بہت بہادری کے ساتھ لڑے مگر شکست کھائی اور بھاگ کھڑے ہُوئے۔ ابو عبید رضی اللہ عنہ نے سقاطیہ میں قیام کیا اور چند دستے مختلف اطراف میں روانہ کئے تاکہ ایرانی سپاہیوں نے جہاں پناہ لی ہو انہیں وہاں سے نکال دیں۔

---

[1] محاضرات خضری صفحہ ۳۰

اسلام کی مساوات اس فتح کا بہت اچھا اثر مرتب ہُوا۔ آس پاس کے علاقوں کے رئیس اظہارِ اطاعت کے لئے ابوعُبیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہارِ خلوص کے لئے ابوعبیدؓ کے لئے عمدہ عمدہ کھانے بھی پکوا کر ساتھ لائے۔

ابوعبیدؓ نے پوچھا یہ کھانے ساری فوج کے لئے ہیں یا صرف میرے لئے؟ رئیسوں نے جواب دیا جلدی میں ساری فوج کے لئے انتظام مشکل تھا یہ صرف آپ کے لئے ہیں۔ ابوعبیدؓ نے کہا۔ جو گروہ خون بہانے میں ابوعبیدؓ کا شریک ہو کھانوں کا لطف اٹھانے میں وہ اس سے جُدا نہیں ہو سکتا۔ ابوعبید وہی کھائے گا جو ایک معمولی سپاہی کھائے گا۔[1]

معرکۂ مروحہ ان شکستوں کی خبر رستم کو پہنچی تو وہ تلملا اُٹھا۔ ایک مشہور ایرانی سردار بہمن جادویہ کے ماتحت ایک اور زبردست فوج اس نے مقابلہ کے لئے روانہ کی۔ اس فوج کو حصولِ برکت کے لئے درفش کاویانی بھی عطا کیا گیا۔ درفش کاویانی ایران کا قدیم قومی جھنڈا تھا جو فریدوں کی یادگار چلا آتا تھا اور خاص خاص موقعوں پر تبرک کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

ابوعبیدؓ کو جب بہمن کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ مروحہ پر جو کوفہ کے محلِ وقوع کے قریب فرات کے کنارے پر ایک مقام ہے۔ دونوں فوجیں کا آمنا سامنا ہُوا۔ دونوں کے درمیان دریائے فرات حائل تھا۔ بہمن کا پیغام ابوعبیدؓ کے نام آیا کہ "تم دریا کو پار کر کے ہماری طرف آ ؤ گے یا ہم تمہاری طرف آئیں"۔ ابوعبیدؓ نے دوسرے سردارانِ فوج کی رائے کے خلاف بہادری کے جوش میں جوابدیا کہ "ہم ہی آئیں گے"۔

دریا پر کشتیوں کا پُل باندھا گیا اور مسلمان دریا پار کر کے بہمن کی فوج کے

---

[1] محاضرات ص ۳۰۱

مقابل جا پہنچے۔ یہاں کا میدان ناہموار تھا اور اسلامی فوج کو ترتیب کے ساتھ کھڑا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ادھر ایرانی فوج کے اگلے حصہ میں کوہ پیکر ہاتھی پرا جمائے کھڑے تھے جن کے گلے کے گھنٹے زور سے بج رہے تھے۔

ناعاقبت اندیشانہ جرأت

عربی گھوڑے ان کالے دیوؤں کو دیکھ کر بھڑک اُٹھے۔ ابو عبیدؓ نے جب یہ صورت دیکھی تو گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا۔

"بہادرو پیدل ہو جاؤ اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کر سواروں کو نیچے گرا دو۔"

سردار کی آواز پر تمام سوار گھوڑوں سے اتر آئے اور سینکڑوں فیل نشینوں کو نیچے گرا کر قتل کر دیا۔ مگر بڑی مصیبت یہ تھی کہ خود ہاتھی جدھر کو پل پڑتے تھے صفیں کی صفیں اُلٹ دیتے تھے۔ مسلمانوں نے نتیجہ سے بے پرواہ ہو کر ہاتھیوں سے گتھم گتھا شروع کر دی۔ ابو عبیدؓ نے "پیل سپید" پر جو ایک مست ہاتھی تھا حملہ کیا اور اُس کی سونڈ مستک سے علیحدہ کر دی۔ ہاتھی نے بڑھ کر اُنہیں پچھاڑ دیا۔ اور سینہ پر پاؤں رکھ کر ہڈیاں چور چور کر دیں۔ ابو عبیدؓ کی شہادت پر اُن کے بھائی حکم نے ہاتھی پر حملہ کیا اور وہ بھی شہید ہوئے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے اُن کے خاندان کے سات آدمی ہاتھی پر حملہ کر کے شہید ہوئے۔

اب اسلامی فوج میں مایوسی اور بد دلی پھیلنے لگی۔ بنی ثقیف کے ایک نوجوان نے اس خیال سے کہ فوج میں بھاگڑ نہ پڑ جائے دریا کا پُل کاٹ دیا۔ اب جو مسلمان پیچھے کو ہٹتے ہوئے دریا پر پہنچے تو پُل ندارد تھا۔ بدحواسی کے عالم میں دریا میں گرے اور غرق ہو گئے۔

مثنیٰ نے جو اب سالارِ فوج تھے یہ حالت دیکھی تو نئے سرے سے پُل بندھوانے کا انتظام کیا اور جب تک پُل بندھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑے ہو گئے۔ پھر بھی جب حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار میں سے صرف تین ہزار مسلمان باقی بچے۔ یہ واقعہ شعبان ۱۳ھ کا ہے۔ اس

واقعہ کو واقعہ جسر کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں[1]۔

معرکۂ بویب اس شکست کی خبر جب حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ کو بڑا رنج ہوا۔ مثنیٰ کے پاس اب بہت تھوڑی فوج رہ گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے عرب کے مختلف قبیلوں کے سرداروں کی ماتحتی میں ان کے پاس امدادی دستے روانہ کئے۔ ان سرداروں میں بنی بجیلہ کے مشہور سردار جریر بن عبداللہ بجلی بھی شامل تھے۔ رستم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مہران بن مہرویہ کو انتخاب کیا۔ یہ سردار عرب میں رہ چکا تھا اور عربوں کے طریقۂ جنگ سے خوب واقف تھا۔ مہران کی فوج میں بارہ ہزار سپاہی فوج خاصہ کے بھی شامل تھے جو دربار کی طرف سے خاص طور پر بھیجے گئے تھے۔ کوفہ کے قریب مقام "بویب" پر دونوں فوجیں خیمہ زن ہوئیں۔ دونوں فوجوں کے درمیان دریائے فرات حائل تھا۔ مہران نے مثنیٰ سے پوچھا کہ "ہم دریا کو پار کرکے آئیں یا تم آؤ گے؟" مثنیٰ کو "واقعہ جسر" کی غلطی یاد تھی انہوں نے کہلا بھیجا کہ "تم ہی آؤ"۔

ایرانی نہر کو پار کرکے بڑے کروفر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے۔ مسلمانوں نے بھی خالدیہ طریقہ کے مطابق صف آرائی کی۔

تغلب کا نوجوان اسلامی فوج میں قاعدہ تھا کہ سپہ سالار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج ہتھیار سنبھال لیتی تھی اور دوسری تکبیر پر ہتھیار تول لیتی تھی اور تیسری تکبیر پر حملہ کر دیتی تھی۔ مثنیٰ نے دیکھا کہ کچھ لوگ دوسری ہی تکبیر پر صف سے آگے نکلے جا رہے ہیں۔ برہم ہو کر پوچھا "یہ کون لوگ ہیں؟"

جواب ملا۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو پچھلے معرکہ میں ثابت قدم نہ رہ سکے تھے۔ آج شہید

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۲۸ ۔

ہو کر اپنے گناہ کا کفارہ کرنا چاہتے ہیں"
مثنیٰ نے کہا۔
"بھائیو! فضول اپنی جان نہ دو۔ جب حریف سے مقابلہ ہو تو اپنے دل کے حوصلے نکالو"

آخر لڑائی شروع ہوئی۔ یہ لڑائی سخت ہولناک تھی کیونکہ غنیم کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن مسلمان جم کر لڑے اور ایرانی فوج کے "قلب" کو بالکل برباد کر دیا۔ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے مہران کو دیکھ لیا، تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اس کی گردن سر سے جدا کر دی اور پھر چیخ کر کہا:
"میں ہوں تغلب کا نوجوان سالارِ عجم کا قاتل"

مہران کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ سپاہی بے تحاشا دریا کی طرف بھاگے۔ مثنیٰ نے آگے بڑھ کر دریا کا پل کاٹ دیا اور بے شمار ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس لڑائی میں ایک لاکھ ایرانی قتل ہوئے اور ایرانیوں کے دلوں میں عربوں کا رعب بیٹھ گیا۔ اس لڑائی میں کئی عرب عیسائی قبیلے بھی بڑی بہادری کے ساتھ مسلمانوں کے دوش بدوش لڑے۔

اس لڑائی سے فارغ ہو کر مثنیٰ نے مختلف اطراف میں فوجی دستے بھیجے۔ ان دستوں نے تمام عراق فتح کر لیا اور فرات کے مغرب میں ایرانیوں کا تسلط باقی نہیں رہا۔

یزدگرد کی تخت نشینی

مسلمانوں کی ان فتوحات کی خبریں مدائن پہنچیں تو ارکانِ سلطنت بہت پریشان ہوئے۔ سب نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ عورت کو تخت سے اتار کر کسی مرد کو بٹھانا چاہیئے اور رستم و فیروز کے اختلافات دور ہونے چاہئیں۔

چنانچہ بڑی تلاش کے بعد شہریار بن کسریٰ کی اولاد میں سے ایک شہزادہ کو

---

[1] محاضرات ج ا صفحہ ۳۰۳

جس کا نام یزدگرد تھا تخت نشین کیا گیا اور رستم و فیروزنے عہد کیا کہ اب ہم یکجان ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں گے اور اپنے تمام اختلافات کو بھلا دیں گے۔

یزدگرد اکیس سال کا ایک پُرجوش نوجوان تھا۔ اس نے اپنی فوجیں نئے سرے سے ترتیب دیں۔ سرحدی چوکیوں اور قلعوں کو مضبوط کیا۔ اس طرح ایرانی سلطنت میں نئی جان پڑ گئی اور عراق کے مفتوحہ علاقے پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

یہ خبریں حضرت عمرؓ کو پہنچیں تو اُنھوں نے مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ ہر طرف سے سمٹ کر عرب کی سرحد کی طرف چلے آؤ۔ چنانچہ مثنیٰ مقام ذی قار میں آکر ٹھہر گئے۔

جنگِ قادسیہ حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں۔ عرب کے عاملوں کو حکم بھیجے کہ جہاں کہیں کوئی بہادر سردار، ہوشمند، مدبّر، سحر بیان شاعر اور خطیب ہو دربارِ خلافت میں حاضر ہو۔ حضرت عمرؓ کا حکم پاتے ہی لوگ جوق در جوق دارالخلافہ کی طرف روانہ ہو پڑے اور مدینہ کے چاروں طرف فوجوں کا جنگل نظر آنے لگا۔

حضرت عمرؓ نے طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ اکابر صحابہ کو فوج کے مختلف حصّوں کا سردار مقرر کیا اور خود سپہ سالار بن کر مدینہ سے نکلے۔

مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے صرار۔ وہاں پہنچ کر آپ نے قیام کیا اور اپنے جانے یا نہ جانے کے متعلق رائے لی۔ عام لوگوں کی خواہش تھی کہ حضرت عمرؓ خود تشریف لے چلیں مگر اہل الرائے صحابہ کو اس سے اختلاف تھا۔ انھوں نے عرض کیا۔ یا امیرالمومنین لڑائی میں فتح بھی ہو سکتی ہے اور شکست بھی۔ آپ کے ہوتے اگر فوج کو شکست ہو گئی تو پھر اسلام کے اقتدار کا خاتمہ ہی سمجھئے۔" حضرت عمرؓ نے اس رائے سے اتفاق کیا اور سعد بن ابی وقاص کو جو رسول اکرمؐ کے ماموں تھے اپنی جگہ فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اور خود واپس مدینہ تشریف لے گئے۔[۱]

---

[۱] محاضرات خضری صفحہ ۳۰۶

سعد بن ابی وقاص کو اس عظیم الشان اسلامی فوج کو لے کر "زرود"[1] پہنچے اور حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق وہاں قیام کیا۔ یہاں انہیں خبر ملی کہ مثنیٰ جو مقام ذی قار میں ان کے انتظار میں مقیم تھے انتقال فرما گئے۔ مثنیٰ معرکہ مروحہ میں بُری طرح زخمی ہُوئے تھے۔ اُن کے زخم روز بروز بگڑتے ہی گئے اور آخر کار راہی ملکِ بقا ہُوئے۔

سعد بنؓ وقاص زرود سے چل کر شراف پہنچے اور قیام کیا۔ یہاں مثنیٰ کے بھائی معنیٰ اپنی آٹھ ہزار فوج کے ساتھ ان سے آملے اور مثنیٰ نے انتقال سے پہلے لڑائی کے متعلق جو مشورے دیئے تھے وہ ان سے بیان کئے۔

یہیں سعدؓ کے پاس حضرت عمرؓ کا فرمان آیا جس میں فوج کی ترتیب و تنظیم کے متعلق مفصل ہدایات درج تھیں۔ ان ہدایات کے مطابق پہلے سعدؓ نے تمام فوج کا شمار کرایا۔ کل فوج تیس ہزار تھی۔ پھر اسے میمنہ، میسرہ، قلب، ساقہ، طلیعہ اور مجرّد پر تقسیم کیا۔[2] اور ہر حقہ کے علیحدہ علیحدہ افسر مقرر کئے۔ اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کے امراء میں ستر وہ صحابہ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ تین سو وہ جو بیعت الرضوان میں موجود تھے اور تین سو وہ جو فتح مکہ میں شامل تھے۔

سعد بنؓ وقاص ابھی شراف ہی میں تھے کہ حضرت عمرؓ کا دوسرا فرمان آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ "قادسیہ میں جا کر پڑاؤ ڈالو اور اس طرح مورچے قائم کرو کہ سامنے عجم کی زمین ہو اور پشت پر عرب کے پہاڑ۔ تاکہ اگر فتح نصیب ہو تو آگے بڑھ سکو۔ اور اگر شکست ہو جائے تو پہاڑوں میں پناہ لے لو۔" مثنیٰ نے بھی اپنی وصیت میں یہی مشورہ دیا تھا۔

سعد شراف سے روانہ ہو کر قادسیہ پہنچے۔ قادسیہ کوفہ کے راستہ میں ۳۰ میل

---

[1] یہ مقام کوفہ کے قریب واقع ہے۔ [2] میمنہ فوج کا دایاں حقہ، میسرہ بایاں حقہ، قلب درمیانی حقہ ساقہ پچھلا حقہ، طلیعہ گشتی دستہ اور مجرد بے قاعدہ دستہ کہلاتا ہے۔

ادھر ایک سرسبز و شاداب مقام تھا۔ حضرت عمرؓ کے پاس سے برابر ہدایت کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں پہنچ کر پھر فرمان آیا کہ قادسیہ اور اس کے قرب و جوار کا مکمل نقشہ بنا کر بھیجو اور یہ بھی معلوم کر کے لکھو کہ ایرانیوں کی طرف سے کون سردار مقابلہ کے لئے مامور ہوا ہے اور اس نے کہاں مقام کیا ہے؟ سعدؓ نے قادسیہ کا مکمل نقشہ بنا کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا اور لکھ بھیجا کہ ایرانی سپہ سالار رستم خود مقابلہ کے لئے آ رہا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہر گیا ہے۔

دربارِ ایران میں اسلامی سفارت

دربارِ خلافت سے فرمان آیا کہ لڑائی سے پہلے کسریٰ کے دربار میں چند معزز و فہیم مسلمانوں کو سفیر بنا کر بھیجو اور اسلامی قاعدہ کے مطابق پہلے شرائط صلح پیش کرو۔ سعدؓ نے چودہ سرداران قبائل کو انتخاب کر کے مدائن میں شہنشاہِ ایران کے دربار میں بھیجا۔ شہنشاہِ ایران نے اسلامی سفارت کی آمد کی خبر سن کر اپنا دربار بڑی شان سے سجایا تھا۔ یہ سفیر یمنی چادریں کاندھوں پر ڈالے ہوئے، چمڑے کے موزے پاؤں میں پہنے ہوئے اور کوڑے ہاتھ میں لئے ہوئے اس بیباکانہ انداز سے دربار میں داخل ہوئے کہ درباری سہم گئے اور شہنشاہ اُن کی جرأت پر حیران رہ گیا۔

غرض ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ یزدگرد نے پوچھا۔

"یہ بتاؤ تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟"

نعمان بن مقرن جو رئیسِ وفد تھے آگے بڑھے اور حسب ذیل تقریر کی۔ آپ نے کہا۔

"اے بادشاہ! کچھ عرصہ پہلے ہم وحشی تھے، ہم جاہل تھے لیکن خدا نے ہم پر بڑا فضل فرمایا کہ ہماری ہدایت کے لئے ایک برگزیدہ رسول بھیجا۔ خدا کے اس مقدس رسول نے ہم کو راہِ حق دکھائی۔ اس نے نیکی کی طرف بلایا اور بدی سے بچایا اور وعدہ کیا کہ اگر ہم اسکی دعوت کو قبول کرلیں تو دنیا اور آخرت کی کامیابی ہمارے قدم چوم لے گی۔"

ہم نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا تو اُس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس دعوت کو ان قوموں تک پہنچائیں جو ہمارے پڑوس میں آباد ہیں اور انہیں بتائیں

کہ یہی دعوت جسے اسلام کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے تمام خوبیوں کی بنیاد ہے اور یہ حق کو حق اور باطل کو باطل کی صورت میں پیش کرتی ہے۔

لہٰذا اے عمائد ایران ہم تمہیں اسی مقدس دین کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر تم یہ بلاوا قبول کرتے ہو تو کیا کہنے ہمیں تم سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم کتاب اللہ تمہارے حوالے کر دیں گے۔ وہی تمہاری رہنمائی ہوگی اور اس کے احکام کی پیروی تمہارا فرض ہوگا۔ لیکن اگر تمہیں اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار ہے تو پھر تمہیں جزیہ ادا کر کے ہمارے اقتدار کو قبول کرنا پڑے گا اور وعدہ کرنا ہوگا کہ تمہاری سلطنت میں ظلم نہ ہوگا اور بدکاری سر نہ اٹھائے گی اور اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں تو پھر تلوار تمہارے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

یزدگرد تعجب کے ساتھ یہ تقریر سنتا رہا اور جب تقریر ختم ہوئی تو اراکان وفد کو خطاب کر کے کہا :-

"اے قوم عرب! ساری دنیا میں تم سے زیادہ بدبخت اور بدحال کوئی دوسری قوم نہ تھی۔ جب ہم ایک اونٹ ذبح کر کے تم فاقہ مستوں کی مہمانی کر دیا کرتے تھے تو تم خوش ہو جاتے تھے اور تمہارا سارا شور و شر ٹھنڈا پڑ جاتا تھا اور جب تم کچھ ہاتھ پاؤں نکالتے تھے تو ہم سرحد کے سرداروں کو لکھ بھیجتے تھے وہ تمہیں ٹھیک کر دیتے تھے۔ دیکھو میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ ملک گیری کے اس خبط کو اپنے دماغ سے نکال دو۔ ہاں اگر ضروریاتِ زندگی نے تمہیں اس اقدام پر مجبور کیا ہے تو ہمیں بتاؤ۔ ہم تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کر دیں گے۔ تمہارے لئے لباس کا بھی انتظام کر دیں گے اور کوئی ایسا بادشاہ تمہارے لئے مقرر کر دیں گے جو تم سے نرم برتاؤ کرے گا۔"

یزدگرد کی تقریر کا جواب دینے کے لئے حضرت مغیرہ بن زرارہ آگے بڑھے آپ نے فرمایا۔

"اے بادشاہ! بے شک ہم ایسے ہی بدبخت و بدحال تھے جیسا کہ تو نے بیان

کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ ہم مُردار جانور کھاتے تھے۔ اُون اور چمڑا ہمارا لباس تھا اور زمین ہمارا بستر۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ جب ہم میں خدا کا وہ برگزیدہ رسول مبعوث ہُوا جو حسب ونسب میں سب سے افضل تھا۔ شان وشوکت میں سب سے اعلیٰ تھا۔ اور اخلاقِ حسنہ میں بے نظیر، تو اس نے ہماری کایا پلٹ دی۔ اس کی معجزانہ تعلیم سے ہم ساری دُنیا کے رہنما بن گئے اور آج یہ حالت ہے کہ تم جیسے مغرور بادشاہ بھی ہماری عظمت وشوکت سے تھراتے ہیں۔

اسے بادشاہ! اب زیادہ حیل وحجت فضول ہے۔ یا تو اس برگزیدہ رسول کی دعوت کو قبول کرو اور اس سعادتِ کبریٰ کے آگے سر جُھکا دے ورنہ جزیہ ادا کرنا منظور کر۔ اور اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو پھر تلوار کے فیصلہ کا انتظار کر۔

بادشاہ مغیرہ کی اس تقریر سے بہت برہم ہُوا اور جوش میں آکر کہا۔

"اگر سفراء کا قتل بین الاقوامی آداب کے خلاف نہ ہوتا تو تمہیں قتل کرا دیتا۔ خیر جاؤ میں تمہارے مقابلہ کے لئے رستم کو بھیجتا ہوں وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کردے گا۔ پھر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور سفراء سے پوچھا تم میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے کہا۔ میں یزدگرد نے حکم دیا کہ یہ ٹوکرا اس شخص کے سر پر رکھ دیا جائے۔ عاصم اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سعد بن وقاص کے پاس آئے اور کہا "فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہمارے حوالے کردی"۔

رستم جو "ساباط" میں چھاؤنی ڈالے پڑا تھا ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ آگے بڑھا اور قادسیہ پہنچ کر خیمہ زن ہُوا۔ وہ مسلمانوں سے اس قدر مرعوب ہوچکا تھا کہ لڑنا نہیں چاہتا تھا مگر دربارِ ایران سے برابر لڑائی کے احکام آرہے تھے۔ پھر بھی وہ کئی مہینے ٹال مٹول سے کام لیتا رہا اور اس دوران میں فریقین کے سفراء ایک دوسرے کی فرودگاہ میں آتے رہے۔

آخری مرتبہ مغیرہ بن شعبہ سفیر بن کر رستم کی فرودگاہ میں گئے۔ رستم نے اسلامی

سفیر کو مرعوب کرنے کے لئے بڑی سج دھج سے اپنا خیمہ سجایا۔
حریر و دیبا کے بیش قیمت فرش زمین پر بچھائے گئے اور زرنگار پردے دیواروں پر لٹکائے گئے۔ بیچ دربار میں ایک سونے کے تخت پر جواہرات کا تاج سر پر رکھے رستم بڑی شان سے بیٹھا تھا۔ اِدھر اُدھر درباری سونے کے مرصع تاج اوڑھے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق بیٹھے تھے۔ خدام اور پہرہ دار دو رویہ پرے جمائے ادب کے ساتھ کھڑے تھے۔
مغیرہ گھوڑے سے اُتر کر سیدھے تخت کی طرف بڑھے اور بے باکانہ رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ مغیرہ کی اس جرأت پر تمام دربار حیران رہ گیا۔ پہرہ دار آگے بڑھے اور مغیرہ کو تخت سے اتار دیا۔
مغیرہ نے کہا۔
"اے سردارانِ ایران! ہم تو تم کو عقلمند سمجھتے تھے لیکن تم تو بڑے بیوقوف نکلے۔ ہم مسلمان، بندوں کو خدا نہیں بناتے اور کمزور انسانوں پر طاقتور لوگوں کی آقائی کے قائل نہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ تمہارے ہاں بھی یہی دستور ہوگا۔ بہتر یہ تھا کہ تم ہمیں پہلے ہی بتا دیتے کہ تمہارے ہاں کمزور طاقتور کی پوجا کرتے ہیں اور انہیں دیوتا بنا کر اونچی جگہ بٹھاتے ہیں۔ انسانی مساوات کا اصول تمہیں تسلیم نہیں۔ اگر یہ بات مجھے پہلے معلوم ہو جاتی تو میں ہرگز تمہارے دربار میں نہ آتا۔ خیر اب تو میں آ گیا لیکن تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ سلطنت قائم رہنے کے یہ ڈھنگ نہیں۔ زیردستوں کی بے قراری تمہارے اقتدار کی بساط اُلٹ دے گی۔"
مغیرہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر دربار میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ نیچے کے طبقہ کے لوگوں نے کہا۔
"خدا کی قسم! اس عربی نے بات تو سچی کہی۔"
سردار بولے۔ اس شخص نے ہماری رعایا کو ہم سے بغاوت پر آمادہ کر دیا

ہے جو لوگ اس قوم کو حقیر سمجھتے ہیں وہ بڑے بیوقوف ہیں۔[1]

آغازِ جنگ

اس گفتگو کے بعد پیام و سلام کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ محرم ۱۴ھ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے صف آراء ہوئیں۔ ایرانی فوجیں بڑی شان سے تیرہ صفوں میں کھڑی تھیں۔ قلب، میمنہ اور میسرہ کے پیچھے ہاتھیوں کے پرے جمائے گئے تھے۔ خبر رسانی کے لئے قادسیہ سے مدائن تک کچھ کچھ فاصلہ پر قاصد بٹھا دیئے گئے تھے۔ اس طرح دم دم کی خبریں دربارِ شاہی میں پہنچتی رہتی تھیں اسلامی فوجیں بھی جنگی ترتیب کے ساتھ کھڑی کی گئی تھیں۔

سعد بن وقاص عرق النسا کی شکایت کے سبب خود میدان میں نہ تھے میدانِ جنگ کے قریب ایک قدیم محل تھا وہ اس کی چھت پر بیٹھے ہوئے ہدایات دے رہے تھے۔ خالد بن عرفطہ ان کی ہدایات کے مطابق فوج کی کمان کر رہے تھے۔ اسلامی فوج کے پیچھے خندق تھی اور ایرانی فوج کے پیچھے نہر عتیق اور میدانِ جنگ درمیان میں تھا۔

یومِ ارماث

نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر سپہ سالارِ افواجِ اسلامی سعد بن ابی وقاص نے تین تکبیریں کہیں۔ دونوں طرف سے نبرد آزما بہادر مبارزت کے لئے نکلے اور رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے دادِ شجاعت دینے لگے۔ چوتھی تکبیر پر قاعدہ کے مطابق عام جنگ شروع ہو گئی۔ بنی بجیلہ کا رسالہ ہاتھیوں کی زد میں آ گیا۔ ان کے گھوڑے ہاتھیوں کی صورت دیکھ کر بدکنے لگے۔ مسلمانوں کے لئے یہ کالی بلا سب سے بڑی مصیبت تھی۔

سعد بن وقاص نے بنی اسد کو حکم دیا کہ بنی بجیلہ کی مدد کریں۔ بنی اسد برچھیاں لے کر ہاتھیوں پر پل پڑے۔ ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر بنی اسد پر سارا زور صرف کر دیا۔ سعد بن وقاص نے بنی تمیم سے کہا کہ تم ہی ہاتھیوں کی کچھ تدبیر کرو۔ بنی تمیم

---

[1] محاضرات صفحہ ۲۱۴ ج ۲

نے اس قدر تیر برسائے کہ تمام فیل نشین زمین پر آرہے۔ لڑائی رات گئے تک جاری رہی۔ بنی اسد کے تقریباً پانچ سو جوان ہاتھیوں کے ریلے میں روندے گئے۔ اس دن ایرانیوں کا پلہ بھاری رہا۔ یہ دن "یوم الارماث" کہلاتا ہے۔

یومِ اغواث دوسرے دن پہلے شہیدوں کو دفن کرایا گیا اور زخمیوں کو مرہم پٹی کے لئے عورتوں کے حوالہ کیا گیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ ملک شام سے امدادی فوج آگئی۔ یہ فوج حضرت عمرؓ کے حسب حکم ابوعبیدہ بن الجراح نے بھیجی تھی۔ اس کی تعداد چھ ہزار تھی اور سپہ سالار ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص تھے۔ یہ فوج اس تدبیر سے آئی کہ جب ایک دستہ پہنچ جاتا تھا تب دوسرا نمودار ہوتا تھا۔ یوں تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھا گیا۔

"شام" کی فوجوں نے ایک اور تدبیر کی کہ اپنے اونٹوں پر جھولیں ڈال کر ان کو مہیب شکل کا بنا دیا۔ ان اونٹوں نے ایرانی فوج میں وہی مصیبت برپا کی جو ہاتھیوں نے اسلامی فوج میں کی تھی۔

اس دن لڑائی آدھی رات تک ہوتی رہی۔ قعقاع نے جو امدادی فوج کے ایک دستہ کے سردار تھے، مشہور ایرانی سردار بہمن کو قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ سیستان کا شہزادہ شہر براز اور بزرجمہر ہمدانی بھی قتل ہو گئے۔ اس دن مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ اسے "یوم اغواث" کہتے ہیں۔

ابو محجن ثقفی یومِ اغواث کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ ابو محجن ثقفی ایک مشہور شاعر اور بہادر آدمی تھے انہیں شراب نوشی کے جرم میں سعد بن وقاص نے قید کر دیا تھا۔ یہ قید خانہ کی کھڑکی سے لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے اور جوشِ شجاعت سے بے تاب ہو رہے تھے۔ سعد کی بیوی زہرا ادھر سے گزریں تو کہنے لگے خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ میں بھی دشمنوں سے دو دو ہاتھ کر کے اپنی حسرت نکال لوں۔ زندہ بچا تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ زہراء نے انکار کیا تو پُر درد لہجہ میں یہ شعر پڑھنے لگے ؎

كفى حزنا أن تردى الخيل بالقنا
وأترك مشدودا علي وثاقيا

إذا قمت عناني الحديد وأغلقت
مصاريع من دوني تصم المناديا

"میرے لئے یہ غم کافی ہے کہ سوار نیزے چلائیں اور میں زنجیروں میں بندھا ہوا چھوڑ دیا جاؤں جب میں کھڑا ہوتا ہوں تو زنجیر مجھے اٹھنے نہیں دیتی اور دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جائے۔"

زبراء کو ترس آیا اور پیروں کی بیڑیاں کاٹ دیں۔

ابو محجن آزاد ہوتے ہی بجلی کی طرح میدانِ جنگ میں پہنچے اور اس شان سے حملہ آور ہوئے کہ جدھر نکل جاتے تھے صفیں کی صفیں درہم و برہم کر دیتے تھے۔ سعد بن وقاص بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز تو ابو محجن کا سا ہے مگر وہ تو قید خانہ میں قید ہے۔

شام کو جب لڑائی ختم ہوئی اور ابو محجن نے واپس آکر بیڑیاں پہن لیں تو سلمٰی نے سارا واقعہ سعد سے بیان کیا۔ سعد نے اسی وقت انہیں رہا کر دیا اور کہنے لگے خدا کی قسم جو شخص یوں مسلمانوں پر نثار ہو میں اسے قید نہیں دے سکتا۔" ابو محجن بولے "تو خدا کی قسم! میں بھی آج سے شراب کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"[1]

یومِ عماس تیسرے دن پہلے شہداء کو دفن کیا گیا اور زخمیوں کو مرہم پٹی کے لئے عورتوں کے حوالہ کیا گیا اور پھر لڑائی شروع ہوئی۔ اس دن بھی ہاتھیوں کی مصیبت سامنے تھی۔ سعد نے دو نوں مسلم ایرانیوں کو بلا کر پوچھا کہ اس مصیبت کا کیا علاج ہے؟ انہوں نے کہا ان کی آنکھیں اور سونڈیں بے کار کر دی جائیں۔ سعد نے قعقاع اور ان کے ساتھیوں کو بلا کر کہا یہ کام تم انجام دو۔ دو ہاتھی ابیض اور اجرب تمام ساتھیوں کے سردار تھے۔ قعقاع اور عاصم نے ایک ساتھ نیزوں سے ابیض کی آنکھوں کا نشانہ کیا۔ ہاتھی جھرجھری

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۴۴ -

لے کر پیچھے ہٹا تو قعقاع نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ سونڈ مستک سے علیحدہ ہو گئی۔ ربیل اور حمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر نہر کی طرف بھاگا۔ دوسرے ہاتھی بھی سب اس کے پیچھے ہو لئے۔ ہاتھیوں کی اس بھاگڑ سے ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ رات بھر لڑائی جاری رہی۔ بجز گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور تلواروں کی کھٹا کھٹ کے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس دن کو "یوم عماس" کہتے ہیں۔ اور اس رات کو لیلۃ الہریر۔

خاتمۂ جنگ صبح ہو گئی اور لڑائی کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع، قیس، اشعث عمرو معدی کرب ابن ذی البردین وغیرہ سردارانِ قبائل نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا "بھائیو! جم کر ایک حملہ اور کرو۔ فتح تمہاری ہی ہے"۔ اس آواز پر مسلمان گھوڑوں سے کود پڑے اور تلواریں کھینچ کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ قیس، اشعث، عمرو معدی کرب وغیرہ سرداروں نے خوب خوب بہادری کے جوہر دکھائے۔ ابھی دوپہر نہ ڈھلی تھی کہ ایرانی فوج کے دونوں بازو ٹوٹ گئے اور مسلمانوں نے قلب پر حملہ کیا۔ چند مسلمان بہادر ایرانی سپہ سالار رستم کی طرف بڑھے۔

رستم تخت پر بیٹھا اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ اس نے یہ حالت دیکھی تو تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا۔ جب زخموں سے چور چور ہو گیا تو بھاگ نکلا۔ ایک مسلمان سپاہی ہلال بن علقمہ نے اس کا پیچھا کیا اور قتل کر دیا۔ پھر اس کے تخت پر چڑھ کر پکارا "رب کعبہ کی قسم میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے"۔

رستم کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوج میں بھاگڑ پڑ گئی۔ مسلمانوں نے بھاگتے ہوئے ایرانیوں کا پیچھا کر کے ہزاروں کو تہ تیغ کر دیا اور درفش کاویانی پر قبضہ کر لیا۔ قادسیہ کا معرکہ ایرانی معرکوں میں اہم ترین معرکہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لڑائی میں تیس ہزار ایرانی قتل ہوئے اور آٹھ ہزار مسلمان شہید[1]

---

[1] محاضرات خضری صفحہ ۳۱۶

خلیفہ قاصد کی رکاب میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قادسیہ کی لڑائی کا بڑا فکر تھا۔ ہر روز علی الصباح مدینہ کے باہر نکل کر آ بیٹھتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن حسبِ معمول منتظر بیٹھے تھے کہ ایک شتر سوار نمودار ہوا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہاں سے آ رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا قادسیہ سے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ بندۂ خدا کچھ مجھے بھی تو بتاؤ وہاں کیا ہوا؟ قاصد نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی۔" قاصد شہر کی طرف دوڑتا چلا جا رہا تھا حضرت عمرؓ پیچھے پیچھے دوڑتے آ رہے تھے اور اس سے فتح کے حالات پُوچھتے جا رہے تھے۔ جب دونوں شہر میں داخل ہوئے تو لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کے لقب سے مخاطب کرکے سلام کرنے شروع کئے۔ اب قاصد کو معلوم ہوا کہ رکاب کے ساتھ دوڑنے والے خود خلیفۃ المسلمین ہیں۔ خوف کے مارے کانپ اُٹھا اور کہنے لگا "یا حضرت! آپ نے مجھے پہلے سے اپنا نام کیوں نہ بتا دیا؟ آپ نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا "کچھ حرج نہیں تم حالات سنائے جاؤ۔" غرض اسی طرح گھر آئے۔ پھر ایک عام جلسہ کر کے سعد بن وقاص کا بشارت نامہ سنایا[1]۔

امنِ عام

کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ کے پاس سعدؓ کا دوسرا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ قادسیہ کے معرکہ میں جو لوگ لڑے تھے ان میں کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اُنہیں زبردستی لڑائی میں شریک کیا گیا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو لڑائی کے زمانہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اب وہ واپس آئے ہیں اور امن چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ کو بُلا کر رائے لی اور سارے ملک کو امن عام دینے کا حکم دیدیا گیا۔

پیش قدمی

سعد بن ابی وقاص فتح کے بعد دو مہینے تک قادسیہ ٹھہرے۔ جب ان کی فوجیں تازہ دم ہوگئیں تو دربارِ خلافت کے حکم کے مطابق مدائن

---

[1] اتمام الوفاء صفحہ ۸۶

کی فتح کے ارادہ سے آگے بڑھے۔ زہرہ بن حویہ کی سرکردگی میں آپ نے کچھ فوج آگے روانہ کردی تھی۔ مقام برس میں زہرہ کا ہرمز سے مقابلہ ہوا۔ ہرمز قادسیہ سے بھاگ کر میاں فوجیں لئے پڑا تھا۔ زہرہ نے ہرمز کو شکست دی اور وہ بابل کی طرف بھاگ گیا۔ سعد اپنی فوج لئے ہوئے فرات کو پار کر کے بابل پہنچے۔ یہاں بہت سے ایرانی سردار، فیروز، ہرمز، مہران اور مہرجان وغیرہ اپنی فوجیں لئے پڑے تھے لیکن مسلسل شکستوں سے کچھ ایسے مرعوب ہو گئے تھے کہ مقابلہ میں ٹھہر نہ سکے اور پہلے ہی حملے میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ فیروز نے نہاوند کا رخ کیا۔ ہرمز نے اہواز کا راستہ لیا اور باقی مدائن چلے گئے۔ زہرہ نے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا اور دیر اور کوثی کے درمیان ایک بڑی جمعیت کو تہ تیغ کر دیا۔ پھر زہرہ کوثی[1] کی طرف بڑھے۔ یہاں ایک مشہور رئیس شہریار سے مقابلہ ہوا۔ شہریار خود مبارزت کے لئے نکلا اور ایک عربی غلام نائل کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ کوثی سے چل کر زہرہ ساباط پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ ساباط میں زہرہ سعد بن وقاص کی انتظار میں ٹھہر گئے۔ جب وہ آ گئے تو کل اسلامی فوج نے "بہرۂ شیر" کا رخ کیا۔

فتح بہرۂ شیر بہرۂ شیر مدائن کے متعلقات میں شمار ہوتا تھا۔ اس بستی اور مدائن کے درمیان صرف دریائے دجلہ حائل تھا۔ یہاں ایک شاہی رسالہ مدائن کی حفاظت کے لئے مقرر تھا جو ہر روز صبح کو حلف اٹھاتا تھا کہ "جب تک ہمارے دم میں دم ہے سلطنت فارس کو کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا"۔

یہاں سعد دو مہینے تک شہر کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ ایک دن محصورین نے قلعہ سے جوش و خروش کے ساتھ نکل کر مقابلہ کیا لیکن آخر کار بھاگ نکلے اور دریا کو پار کر کے مدائن میں داخل ہو گئے۔ شہر والوں نے صلح کا جھنڈا بلند کیا۔ بہرۂ شیر کے دوران قیام میں آس پاس کے زمینداروں نے سعد کے پاس فرمانبرداری کے پیغام بھیجے۔ سعد نے

---

[1] کوثی وہ مقام ہے جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قید کیا تھا۔

انھیں قبول کیا اور معمولی جزیہ پر اُن سے صلح کر لی۔

فتح مدائن بہرۂ شیر کی فتح کے بعد مدائن مسلمانوں کے سامنے تھا۔ کسریٰ کا قصرِ ابیض نگاہوں کے سامنے چمک رہا تھا۔ اس قصر کے کنگرے دیکھتے ہی مسلمانوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مژدۂ فتح یاد آ گیا۔ آپ نے فرمایا تھا :-

عصیبۃ من المسلمین یفتتحون البیت الابیض بیت کسریٰ [1] — وہ مسلمانوں کی ایک جماعت کسریٰ کے محل قصرِ ابیض کو فتح کرے گی :

اس بشارت کے یاد آتے ہی مسلمانوں کے دل بادۂ مسرت سے لبریز ہو گئے۔ ان کے بازوؤں میں شجاعت کی برقی لہریں دوڑ گئیں۔ ضرار ابن خطاب بے ساختہ پکار اُٹھے۔ اللہ اکبر! یہ قصرِ ابیض ہے جس کی فتح کا وعدہ اللہ اور اُس کے رسول نے کیا ہے۔ ضرار کی تکبیر کا جواب مسلمانوں نے تکبیر کے ساتھ دیا۔ اور ساری فضا ان نعروں سے گونج اٹھی۔

ایرانیوں نے بھاگتے ہوئے بہرۂ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ کے پُل توڑ پھوڑ دیئے تھے۔ مگر مسلمانوں کی ایمانی حرارت کے سامنے دجلہ کا پانی کیا تھا۔ سعد نے کہا وہ کون بہادر ہیں جو دریا کے پار جا کر ساحل پر قبضہ کر لیں۔ بنی تمیم کے سردار عاصم بن عمرو نے اپنے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ دریا میں گھوڑے ڈال دیئے اور آن کی آن میں پار ہو گئے۔ ایرانی محافظ فوج نے جو مسلمانوں کو اس طرح آتے دیکھا تو خیال ہُوا کہ یہ آدمی نہیں ہو سکتے۔ بے ساختہ چیختے ہُوئے بھاگے۔ "دیواں آمدند دیواں آمدند"

جب یہ دستہ دریا کے پار پہنچ گیا اور مشرقی ساحل پر قبضہ کر لیا گیا تو سعد نے سب فوج کو حکم دیا کہ اللہ کا نام لے کر دریا میں گھوڑے ڈال دو۔ آگے آگے سعد بن وقاص اور سلمان فارسی تھے اور پیچھے پیچھے سارا اسلامی لشکر تھا۔ مسلمان

---

[1] رواہ مسلم عن جابر بن عبداللہ۔

سواروں کی رکابوں سے رکابیں ملی ہوئی تھیں اور وہ بحرِ زخار میں اس طرح تیرتے چلے جارہے تھے جیسے بطیں تیرتی چلی جارہی ہوں۔ ان کی زبانوں پر دُعا تھی ۔

نَسْتَعِيْنُ بِاللّٰهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ	"ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں اور اسی پر بھروسہ
حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ	کرتے ہیں ہمارے لئے کافی اور اچھا کارساز ہے
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ	گناہوں سے حفاظت اور نیکیوں کے حصول کی طاقت
الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۝	اسی بزرگ و برتر ذات کی مدد سے ممکن ہے"

تعجب ہے کہ ساری فوج اس طرح دریا کے پار ہوگئی کہ ان کی ترتیب میں بھی فرق نہ آیا۔ ایک سوار البتہ گھوڑے کی پشت پر سے گر گیا لیکن قعقاع نے فوراً اپنے گھوڑے کی لگام دریا میں پھینک کر اُسے صحیح وسالم نکال لیا ۔

قصرِ ابیض اسلامی فوج دریا کے پار پہنچی تو کوئی مزاحمت کرنے والا نہ تھا۔ یزدگرد شہنشاہ ایران دارالسلطنت کو چھوڑ کر حلوان کی طرف فرار ہوگیا۔ اپنے اہل وعیال کو اس نے پہلے ہی یہاں بھیج دیا تھا۔ مسلمان بے روک ٹوک شہر میں داخل ہو گئے اور قصرِ ابیض پر اسلامی جھنڈا گاڑ دیا گیا۔ سعد نے عالیشان محلات اور سرسبز و شاداب باغات پر نظر ڈالی تو بے اختیار پکار اٹھے :-

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ	"کافر بہت سے باغ اور چشمے اور کھیت اور عمدہ
وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّ	مکانات اور آرام کا سامان چھوڑ گئے جس میں
نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ	وہ باتیں بنایا کرتے تھے یونہی ہونا تھا
كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا	اور یہ سب سامان ہم نے دوسری قوموں
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ (پ ۲۵ دخان)	کو عطا کر دیا"

حضرت سعد نے شاہی محل میں نمازِ شکر ادا کی۔ پھر وہیں صفر ۱۶ھ کو جماعت سے نمازِ جمعہ ادا کی گئی۔ بظاہر یہ بات تعجب کی ہے کہ انہوں نے قصرِ شاہی

لہ ... و... صفحہ ۹ والبدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۶۵ ۔

کی تصویروں کو جو انسانوں اور چوپایوں وغیرہ کی تھیں ان کے حال پر رہنے دیا۔[1]

دُنیادین والوں کے قبضہ میں

قصرِ شاہی کے خزانوں میں جو مالِ غنیمت مُسلمانوں کے ہاتھ لگا اُسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ بے شمار زر و جواہرات کے علاوہ بہت سی نادر و نایاب تاریخی چیزیں تھیں۔ کئی مشہور فاتحین عالم کے شاہی ملبوسات اور اسلحہ تھے۔ نوشیرواں کا زرنگار تاج اور درباری پوشاک بھی۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس کے سینہ پر یاقوت جڑے ہُوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت موتی پروئے ہُوئے تھے۔ اس اُونٹنی کا سوار سر تا پا جواہرات سے مرصع تھا۔ ان سب سے عجیب ایوانِ شاہی کا ایک قالین تھا جو "بہار" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی۔ سبزہ زمرد کا تھا، جدولیں پکھراج کی تھیں، درخت سونے چاندی کے تھے، پتے حریر کے تھے اور پھل جواہرات کے۔ جب موسم بہار گزر جاتا تھا تو شہنشاہ مصاحبین کے ساتھ اس قالین پر بیٹھ کر بادہ نوشی کرتا تھا اور بہار کا لُطف اُٹھاتا تھا۔

سعد بن وقاص نے پانچواں حصہ نکال کر جس میں عجائب و نوادر بھی شامل تھے۔ باقی مال مسلمان سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ علاوہ قیمتی ساز و سامان کے ہر ہر سپاہی کے حصہ میں ۱۲ ہزار دینار آئے۔

مدینہ منورہ میں جب خمس پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایرانی شان و شکوہ کی نمائش کے بعد اسے مستحقین پر تقسیم کر دیا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ بہار کو یادگار کے طور پر محفوظ رکھا جائے۔ مگر حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"اے امیر المؤمنین اسے بھی تقسیم کر دیجئے ورنہ دوسروں کو بے قاعدگی کے لئے بہانہ ہاتھ آجائے گا۔"

حضرت عمرؓ نے فوراً اسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا۔[2]

---

[1] محاضرات صہ ۳۲۱ ۔ [2] ایضاً صہ ۳۲۲

اس موقعہ پر یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مسلمان سپاہیوں نے ان بیش قرار چیزوں کو جوں کا توں اپنے امیر کے حوالے کر دیا کسی نے ناجائز طور پر ایک موتی بھی نہیں توڑا حضرت سعدؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے سپاہیوں کی اس دیانت کا اعتراف کیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

فتح مدائن کے بعد مسلمان سپاہیوں نے مدائن میں اقامت اختیار کی حضرت عمرؓ کا ایک فرمان آیا جس کی رُو سے سعد بن وقاص عراق کے امام نماز اور سپہ سالار مقرر کئے گئے۔ نعمان بن عمر بن مقرن کو دجلہ سے سیراب ہونے والی زمین کا افسر خراج مقرر کیا گیا۔

معرکۂ جلولاء مدائن سے بھاگ کر ایرانی فوجیں جلولاء میں جمع ہو گئی تھیں۔ جلولاء وہ مقام تھا جہاں سے آذر بائجان، باب، جبال اور فارس کو راستے پھٹتے تھے۔ ایرانی سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہاں سے ہٹنے کے بعد ہم لوگ ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ یہاں آخری مرتبہ اور تقدیر آزمائی کر لیں۔ چنانچہ ایرانیوں نے جلولا میں جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ یزدگرد نے بھی حلوان سے امدادی فوجیں بھیجیں۔ مہران رازی سپہ سالار تجویز ہوا اور شہر کے چاروں طرف خندق کھود کر اور اس کے آگے کانٹوں کے جھاڑ لگا کر اسے محفوظ کر دیا گیا۔ سعدؓ بن وقاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے مطابق ہاشم بن عتبہ کو اس مہم پر روانہ کیا اور خود مدائن میں مقیم رہے۔

ہاشم صفر ۱۶ھ کو مدائن سے بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور جلولا پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً خندق سے باہر نکل کر مقابلہ کرتے تھے اور پھر خندق کے اندر جا گھستے تھے۔ بہ صورت کئی مہینے جاری رہی اور آخر مسلمانوں نے ایک زبردست حملہ کیا اور خندق کو پار کر کے اندر گھس گئے اور ایسی ہولناک لڑائی ہوئی کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ایرانی بھی دل توڑ کر لڑے لیکن آخر کار بھاگ نکلے۔ ہاشم نے قعقاع کو تعاقب کا حکم دیا۔ چنانچہ

انھوں نے خانقین تک پیچھا کیا اور ہزاروں کو بھاگتے ہوئے قتل کیا۔ شعبی کی روایت کے مطابق ایک لاکھ ایرانی جان سے مارے گئے اور تین کروڑ کی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔

اس شکست کی خبر یزدگرد کو پہنچی تو وہ حلوان کو چھوڑ کر رے چلا گیا اور قعقاع نے آگے بڑھ کر حلوان پر قبضہ کر لیا۔

سعد بن وقاص نے اپنے کاتب زیاد کو فتح کی خوشخبری اور مالِ غنیمت کے خمس کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا۔ انھوں نے نہایت فصاحت سے جنگ کے حالات مسلمانوں کو سنائے اور آئندہ سلسلۂ فتوحات جاری رکھنے کے متعلق مجاہدین کے شوق کو بھی ظاہر کیا۔ حضرت عمرؓ ان کی تقریر سے بہت خوش ہوئے اور ان کی فصاحت کی تعریف کی۔ زیاد نے کہا۔

"اے امیرالمومنین! ہمارے بہادروں کے کارناموں نے ہماری زبانوں کو کھول دیا ہے۔"

دوسرے دن صبح کو صحنِ مسجد میں مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا۔ درہم و دینار کے علاوہ جواہرات کا انبار تھا۔ حضرت عمرؓ رونے لگے۔ ایک شخص نے پوچھا۔ حضرت یہ رونے کا کیا موقعہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس قوم میں دولت آتی ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے اور رشک و حسد کے بعد رُعب و دبدبہ باقی نہیں رہتا۔[1]

معرکۂ تکریت

مدائن میں حضرت سعد بن وقاص کو معلوم ہوا کہ "موصل" کے رومی اور عیسائی عرب قبیلے تکریت میں مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن معتم کی سرداری میں پانچ ہزار کی ایک جمعیت تکریت کی طرف روانہ کی گئی۔ نصاریٰ کو جب مسلمانوں کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ شہر کے چاروں طرف خندق کھود کر محصور ہو بیٹھے۔ نصاریٰ موقع بہ موقع خندق سے نکل کر

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۔

مقابلہ کرتے اور ہر مقابلہ میں ہزیمت اٹھاتے۔ اس طرح چوبیس مقابلے ہوئے اور نصاریٰ کی طاقت ٹوٹ گئی۔ رومیوں نے جب مقابلہ کی تاب نہ پائی تو دریا کے راستہ بھاگنے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ بن معتم کو بھی ان کے اس ارادہ کی خبر ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے عرب عیسائیوں سے خفیہ خط و کتابت کر کے انہیں مشرف باسلام کر لیا اور یہ طے پایا کہ جب مسلمان رومیوں پر حملہ کریں اور وہ فرار ہونے کا قصد کریں تو انہیں ان کے یہ ساتھی بھاگنے نہ دیں بلکہ دریا کی طرف سے ان پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ مسلمانوں نے باہر سے نعرۂ تکبیر لگا کر حملہ کیا تو اندر سے نومسلم عربوں نے صدائے تکبیر بلند کی اور رومیوں کا راستہ روک لیا۔ اس طرح تمام رومی تہ تیغ ہوئے اور کوئی بچ کر نہ نکل سکا۔ یہاں بھی بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اس فتح کے بعد عبداللہ نے ایک دستہ نینوی اور موصل کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس دستہ میں تکریت کے عیسائی عرب بھی تھے۔ ان عربوں نے مسلمانوں سے پہلے پہنچ کر مشہور کر دیا کہ رومی تکریت میں فتح یاب ہوئے ہیں اور اب وہ یہاں پر آ رہے ہیں۔ اہل نینوی و موصل نے خوشی خوشی دروازے کھول دیئے اور مسلمان بلا مقابلہ دونوں شہروں پر قابض ہو گئے۔

سعد نے مدینہ سے ایک دستہ ضرار بن خطاب کی ماتحتی میں ماسبذان کی طرف روانہ کیا اور ایک دستہ عمر بن مالک کی ماتحتی میں قرقیسا اور ہیت کی طرف روانہ کیا۔ یہ علاقے بھی مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔

ان فتوحات کے بعد تمام سوادِ عراق مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق کاشت کاروں کی زمینیں معمولی ٹیکس پر ان کے پاس برقرار رکھی گئیں۔ ذمیوں پر معمولی جزیہ لگایا گیا۔ ملک میں قیام امن و امان کا انتظام کیا گیا اور سرحدوں پر حفاظتی دستے مقرر کئے گئے۔

آبادی کوفہ و بصرہ | صفر سنہ ۱۶ھ سے محرم سنہ ۱۷ھ تک، مدائن عراق کی اسلامی فوجوں کا صدر مقام رہا۔ لیکن یہاں کی آب و ہوا عربوں

کو ساز گار نہ آئی۔ ان کے جسم میں توانائی نہ آئی اور ان کے رنگ متغیر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن وقاص کو لکھا کہ کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جو بری اور بحری دونوں حیثیتیں رکھتی ہو اور وہاں سے مدینہ تک بیچ میں کوئی دریا نہ پڑتا ہو۔ سعد نے سلمان اور حذیفہ کو اس کام پر مامور کیا۔ سلمان اور حذیفہ نے کوفہ کی زمین کو پسند کیا۔ یہاں کی زمین ریتیلی اور کنکریلی تھی۔ دریائے فرات یہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا اور نعمان بن منذر کے مشہور محلات خورنق اور سدیر بھی اسی نواح میں واقع تھے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق پہلے گھاس پھونس کے مکانات بنائے گئے لیکن جب آگ لگنے کے واقعات پیش آئے تو پختہ عمارتیں تعمیر کی گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ابوالہیاج بن مالک اسدی نے کوفہ کا نقشہ بنایا۔ پہلے درمیان شہر میں ایک مربع چبوترے پر جامع مسجد تعمیر کی گئی جس میں چالیس ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ جامع مسجد کے آگے سنگِ مرمر کے ستونوں پر دو سو ہاتھ لمبا ایک برآمدہ قائم کیا گیا جس کی چھت رومی عمارتوں کی چھت کے طرز پر تھی۔ مسجد کے سامنے والی عراق کے لئے قصرِ حکومت تیار کیا گیا۔ مسجد اور قصرِ حکومت کے درمیان تہ خانہ کے طور پر دو سو گز طویل بیت المال کی عمارت بنائی گئی۔

مسجد اور قصرِ حکومت کے چاروں طرف کچھ فاصلہ چھوڑ کر مختلف قبائل کے لئے الگ الگ محلے بسائے گئے۔ ان محلوں میں ۴۰ ہزار کی آبادی کے لائق مکانات تعمیر کئے گئے اور ہر ہر محلہ میں ایک ایک مسجد تعمیر کی گئی۔

شہر کی تمام سڑکیں جامع مسجد کے سامنے سے نکلتی تھیں۔ شاہراہیں ۴۰ گز چوڑی رکھی گئیں معمولی سڑکیں ۳۰ گز اور ۲۰ گز چوڑی اور گلیاں ۷ گز چوڑی۔ شہر کی تعمیر میں اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا کہ چوک اور سڑکیں اس کثرت سے ہوں کہ اہل عرب صحرا کی تازہ ہوا کے لطف سے محروم نہ رہیں۔

سعد بنؓ وقاص محرم ۱۷ھ (جنوری ۶۳۸ء) میں مدائن سے کوفہ منتقل ہو گئے۔

اس سے دو سال قبل حضرت عمرؓ کے حکم سے خلیج فارس کی بندرگاہ ایلہ کے قریب ایک

دوسرا شہر بصرہ کے نام سے بسایا گیا۔ یہاں کی زمین بھی ریتیلی اور کنکریلی تھی اور اس پاس پانی اور چارے کی افراط تھی۔ کوفہ کی طرح یہاں بھی جامع مسجد، قصر حکومت اور قید خانہ کی سرکاری عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ دجلہ سے بصرہ تک دس میل کے فاصلہ پر ایک نہر بھی کاٹ کر لائی گئی۔

پہلے بصرہ میں بھی گھاس پھونس کے مکانات بنائے گئے تھے لیکن بعد میں اینٹ اور مٹی کے بن گئے۔

کوفہ اور بصرہ کی آبادی کے بعد یہ دونوں شہر اسلامی فوج کے مرکز قرار پائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ بالائی عراق جس کا صدر مقام کوفہ اور والی سعد بن وقاص تھے۔ اور زیریں عراق جس کا صدر مقام بصرہ تھا اور والی عتبہ بن غزوان۔ ایرانی فتوحات کے بعد باب آذربائیجان، ہمدان، رے، اصفہان ماہ، موصل، قرقیسا، وغیرہ کا تعلق کوفہ سے قرار دیا گیا اور خراسان، سجستان، مکران، کرمان، فارس اور اہواز کا بصرہ سے۔

بحرین سے فارس پر حملہ

علاء بن الحضرمی ایک بہادر اسلامی سردار تھے جو مرتدین کے مقابلہ میں کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بحرین کا امیر مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے جب ایرانیوں کے مقابلہ میں سعد بن وقاص کے کارنامے سنے تو خیال آیا کہ اس میدان میں میں کیوں سعد سے پیچھے رہوں؟

یہ خیال آتے ہی دربار خلافت سے مشورہ کئے بغیر دریا کے راستہ بحرین سے ایک فوج فارس پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کر دی۔ یہ فوج اصطخر پہنچی تو ایرانیوں کی ایک بہت بڑی جمعیت ان کے اور ان کی کشتیوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ اسلامی فوج کے ایک افسر خلید بن منذر نے بڑی بہادری کے ساتھ ایرانیوں کا مقابلہ کیا۔ اور ان کی بہت بڑی جماعت کو تہ تیغ کر دیا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی کشتیاں ایرانیوں کے ہاتھ سے نہ چھڑا سکے۔ اب مسلمانوں کو احساس ہوا کہ ایران کے بیچ میں تھوڑی

سی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کا ٹھہرا رہنا دور اندیشی کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے خشکی کے راستہ بصرہ لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ مگر ایرانیوں کی ایک فوج نے یہ راستہ بھی روک لیا اور مسلمان مقام "طاؤس" میں محصور ہو کر رہ گئے۔

حضرت عمرؓ کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو آپ نے عتبہ بن غزوان امیر بصرہ کو حکم بھیجا کہ ایک بھاری جمعیت فوراً محصورین کی مدد کو بھیجیں۔ عتبہ نے ۱۲ ہزار آدمیوں کو ابوسبرہ کی ماتحتی میں روانہ کیا۔ ابوسبرہ ساحل ساحل اس مقام پر پہنچے جہاں مسلمان محصور تھے اور اپنے بھائیوں کو دشمن کے پنجہ سے چھڑا لیا۔

حضرت عمرؓ، حضرت علاء بن الحضرمی کی اس ناعاقبت اندیشانہ جرأت پر بہت ناراض ہوئے۔ آپ نے انہیں بحرین کی امارت سے معزول کر دیا اور حکم دیا کہ وہ سعد بنؓ وقاص ہی کی ماتحتی میں کوفہ جا کر رہیں [1]

فتح اہواز [2]

اہواز کی حدود بصرہ کی حدود سے ملتی تھیں۔ یہاں ایران کا مشہور سردار ہرمزان جو شیرویہ کا ماموں تھا، مقیم تھا اور وقتاً فوقتاً اسلامی علاقہ پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ عتبہ بن غزوان امیر بصرہ نے اس کے مقابلہ کا ارادہ کیا اور سعد بن وقاص امیر کوفہ سے مدد طلب کی۔ بصرہ کی فوج کا کوفہ کی امدادی فوج کی معیت میں ہرمزان سے مقابلہ ہوا۔ ہرمزان نے شکست کھائی اور اہواز و مہرجان کا علاقہ مسلمانوں کو دے کر صلح کر لی۔ مناذر اور نہر تیری پر اسلامی فوج کی چوکیاں قائم کی گئیں۔ کچھ دن بعد سرحد کی تعیین کے متعلق مسلمان افسروں اور ہرمزان میں اختلاف ہوا۔ ہرمزان نے صلح توڑ دی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کردوں سے مدد طلب کی۔

حضرت عمرؓ کے حکم سے عتبہ، ہرمزان کے مقابلہ کے لئے نکلے جسر سوق اہواز پر

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، صفحہ ۔

[2] اہواز اس صوبہ کا نام ہے جو بصرہ اور فارس کے درمیان ہے اس میں یہ شہر واقع ہیں:- سوق الاہواز، رامہرمز، ایذج، عسکر مکرم، تستر جندی سابور سوس، سرق، نہر تیری، مناذر ۔

مقابلہ ہوا۔ ہرمزان شکست کھا کر رامہرمز کی طرف بھاگ گیا۔ اس طرح اہواز کا سارا علاقہ تستر تک اسلامی جھنڈے کے نیچے آ گیا۔

ذمیوں سے حسن سلوک

ہرمزان کی عہد شکنی سے حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ کہیں مسلمان اہلِ ذمہ کے ساتھ زیادتی تو نہیں کرتے۔ اس معاملہ کی تحقیق کے لئے آپ نے کوفہ کے شرفاء کا ایک وفد طلب کیا۔ یہ وفد دس افراد پر مشتمل تھا جن میں احنف بن قیس بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے احنف سے کہا: میں تمہیں معتبر آدمی سمجھتا ہوں۔ سچ بتاؤ اہلِ ذمہ پر کسی قسم کا ظلم تو نہیں ہوتا۔ احنف نے کہا نہیں ان کے ساتھ آپ کی خواہش کے مطابق برتاؤ کیا جاتا ہے۔ جب حضرت عمرؓ کو اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو آپ نے وفد کو تحفے دے کر واپس کر دیا۔ آپ نے عتبہ کو ایک خط بھی لکھا جس کا مفہوم یہ تھا:-

"مسلمانوں کو ظلم سے دور رکھو اور ذمیوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری طرف سے کوئی زیادتی ہو اور اس کی وجہ سے اہلِ ذمہ زیادتی کر بیٹھیں۔ تمہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وفاء عہد کی وجہ سے دیا ہے۔ لہٰذا وفاء عہد کا ہمیشہ خیال رکھو اور اہلِ ذمہ کے ساتھ حسن سلوک میں خدا کے حکموں پر چلو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو خدا تمہارا مددگار و ناصر ہو گا۔"[۱]

فتح رامہرمز و تستر

شہنشاہ یزدگرد اب مرو میں مقیم تھا۔ یہاں سے اُس نے اہواز کے ایرانیوں کے پاس خفیہ خطوط بھیجے اور انہیں عربوں کی ماتحتی قبول کرنے پر غیرت دلائی۔ ادھر فارس[۲] کے سرداروں کو بھی جوش دلا کر انہیں عربوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہواز میں جا بجا بغاوت پھوٹ پڑی اور اہلِ اہواز اور اہلِ فارس نے مل جل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاریاں

---

[۱] محاضرات خضری صہ ۳۴ [۲] عہدِ خلافتِ راشدہ میں فارس اس علاقہ کا نام تھا جو اصفہان بحرِ فارس، کرمان اور عراق عرب کے درمیان واقع ہے۔ اسکا سب سے بڑا شہر شیراز ہے۔

شروع کردیں۔

حضرت عمرؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے سعد بن وقاص امیر کوفہ اور ابو موسیٰ اشعری امیر بصرہ (یہ عتبہ بن غزوان کے بعد بصرہ کے امیر مقرر ہوئے تھے) کو حکم بھیجا کہ اپنے اپنے علاقوں سے اہواز کی طرف فوجیں روانہ کردیں۔ کوفہ سے نعمان بن مقرن ایک بڑی جمعیت لے کر نکلے اور رامہرمز پہنچ کر ہرمزان کا مقابلہ کیا۔ ہرمزان نے شکست کھائی اور تستر چلا گیا اور نعمان نے رامہرمز پر قبضہ کر لیا۔ اب نعمان تستر کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں پہنچے تو بصرہ کی فوج بھی سہل بن عدی کی ماتحتی میں ان سے آملی۔ ہرمزان اسلامی فوجوں کی آمد کی خبر سن کر شہر بند ہو بیٹھا۔ ایرانی موقعہ دیکھ کر نکلتے تھے اور مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کر کے شہر میں جا چھپتے تھے۔ اسی طرح ایک مہینہ کی مدت میں اسی جھڑپیں ہوئیں جن میں سے بعض میں مسلمان غالب رہے اور بعض میں ایرانی۔

امدادِ غیبی ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک ایرانی اسلامی لشکر میں آیا۔ اس نے کہا اگر مجھے امن دیا جائے تو میں شہر میں داخل ہونے کا راستہ بتا سکتا ہوں۔ ابو سبرہ بن ابی رہم جو کوفہ و بصرہ کی مشترکہ فوجوں کے افسر اعلیٰ تھے انہوں نے فوراً اس کی درخواست قبول کر لی۔ ایرانی ایک مسلمان سپاہی اشرس کو اپنے ساتھ لے کر ایک زمین دوز نہر کے راستہ شہر میں داخل ہو گیا۔ اشرس نے جب اچھی طرح شہر کی سیر کر لی اور موقع کے نشیب و فراز دیکھ لئے تو اسی راستہ سے وہ ایرانی اُسے واپس پہنچا گیا۔ اشرس نے واپس آکر اسلامی فوج کے سپہ سالار سے کہا۔ میں دو سو بہادروں کی مدد سے شہر فتح کر سکتا ہوں۔ یہ سنتے ہی دو سو نوجوان فوراً تلواریں لے کر اشرس کے ساتھ ہو لئے۔

اشرس اپنے ساتھیوں کو لے کر اسی خفیہ راستہ سے شہر میں داخل ہو گیا۔ اور پہرہ داروں کو قتل کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ ادھر باہر سارا لشکر موقع کا منتظر کھڑا تھا، دروازے کھلتے ہی نعرۂ تکبیر لگاتا ہوا شہر میں داخل ہو گیا۔

ہرمزان کو اس بلاء ناگہانی کی خبر ہوئی تو اندر کو قلعہ کو بند کر لیا اور پھر قلعہ کے ایک بُرج پر چڑھ کر کہا۔

"میں اس شرط پر نیچے اُتر سکتا ہوں کہ مجھے خلیفۃ المسلمین کے پاس پہنچا دیا جائے۔ وہ میرے متعلق جو فیصلہ کریں وہ مجھے منظور ہوگا۔"

ابوسبرہ نے ہرمزان کی اس شرط کو قبول کر لیا۔ ہرمزان نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

اس طرح جب تستر فتح ہو گیا تو ابوسبرہ نے مضافات میں متعدد دستے روانہ کئے۔ ان دستوں نے آس پاس کے سب شہر فتح کر لئے۔

اس معرکہ میں حضرت براء بن مالک اور بعض دوسرے جلیل القدر صحابی شہید ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

شاہِ اہواز مدینے میں ابوسبرہ نے ایک وفد کے ساتھ جس میں احنف بن قیس اور انس بن مالک شامل تھے، ہرمزان کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔

ہرمزان شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا۔ حریر کی زرنگار قباء بدن پر تھی۔ مرصع تاج سر پر اور بڑے بڑے رؤساء اس کی رکاب میں تھے۔ اسلامی وفد ہرمزان کو لے کر مسجد نبوی میں پہنچا تو حضرت عمرؓ مسجد میں سو رہے تھے۔ سونے کی شان یہ تھی کہ فرشِ خاک کا بستر تھا اور ہاتھ میں چمڑے کا دُرّہ تھا۔ ہرمزان نے پوچھا خلیفۃ المسلمین کہاں ہیں؟ لوگوں نے اشارے سے بتایا کہ "یہ ہیں"۔ ہرمزان نے تعجب سے پوچھا" ان کے نقیب اور چوبدار نہیں ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا "عمرؓ کو ان کی ضرورت نہیں"۔ ہرمزان نے کہا "اس سادگی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ نہیں نبی ہیں"۔ لوگوں نے جواب دیا "نبی تو نہیں لیکن نبی کے جانشین اور اس کے سچے پیرو ضرور ہیں"۔

اس گفتگو میں حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی۔ سر سے پیر تک ایک نظر ہرمزان پر

ڈالی اور فرمایا "میں آتشِ دوزخ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں"

اہلِ وفد نے عرض کیا یا امیر المومنین! یہ شاہِ اہواز ہے اس سے گفتگو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا پہلے اس کے کپڑے اُتار دو پھر بات کروں گا۔ چنانچہ ہرمزان کی شاہانہ پوشاک اُتار کر اُسے سادہ کپڑے پہنا دیئے گئے۔ اب آپ نے ہرمزان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے ہرمزان تُو نے عہد شکنی اور حکمِ خدا سے سرتابی کا انجام دیکھا؟" ہرمزان نے جواب دیا "اے عمر! زمانہ جاہلیت میں جب خدا نے ہمارے ساتھ تھا اور نہ تمہارے ساتھ تو ہم تم پر غالب رہتے تھے۔ اب خدا تمہارے ساتھ ہے تو تم ہم پر غالب ہو" حضرت عمرؓ نے فرمایا "زمانۂ جاہلیت میں تم اس لئے ہم پر غالب رہتے تھے کہ تم متحد تھے اور ہم متفرق"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہرمزان بتاؤ تم پے در پے عہد شکنی کیوں کرتے رہے؟" ہرمزان نے کہا "اے عمرؓ! پہلے مجھے پانی پلا دو" حضرت عمرؓ نے فوراً پانی منگوایا۔ ہرمزان نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لے کر کہا "اے عمر مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس پانی کو پینے سے پہلے قتل نہ کر دیا جاؤں" حضرت عمرؓ نے فرمایا "نہیں ایسا نہیں ہوگا" یہ سُنتے ہی ہرمزان نے اس پیالہ کو لوٹ دیا اور کہنے لگا کہ "اب تم مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میں نے اس پانی کو نہیں پیا" حضرت عمرؓ ہرمزان کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس کے ہاتھ سے کئی جلیل القدر صحابی شہید ہوئے تھے۔ وہ اس کے اس حیلہ پر حیران رہ گئے۔ فرمانے لگے "خدا کی قسم ہرمزان تُو نے مجھے دھوکہ دیا لیکن میں مسلمان کے سوا کسی کے دھوکہ میں آنا نہیں چاہتا"

یہ سُن کر ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دیدی اور دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں اس سے مشورہ بھی فرمایا کرتے تھے۔[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صـ ۸۸ –

پیش قدمی کا فیصلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک کا بیحد خیال رہتا تھا۔ وفد ہرمزان سے بھی آپ نے یہی خیال کیا کہ یہ ذمی بار بار عہد شکنی کیوں کرتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں مسلمان انہیں تکلیف دیتے ہوں؟ وفد نے کہا اے امیر المؤمنین مسلمان اہلِ ذمہ سے متعلق تمام حقوق ادا کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر کیا بات ہے؟ احنف بن قیس بولے۔ اے امیر المؤمنین! بات یہ ہے کہ آپ نے ہمیں عجم کے ملک میں داخل ہونے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ جو کچھ فتوحات ہوئی ہیں ان کی عہد شکنی اور ہنگامہ آرائی کے نتیجہ کے طور پر ہوئی ہیں۔ جب تک ان کا شہنشاہ ان کے سر پر موجود ہے برابر یہ ہنگامے جاری رہیں گے۔ وہ اپنی قوم کو مسلمانوں کی مخالفت پر اکساتا ہی رہے گا۔ آپ اجازت دیجئے کہ ہم اس فتنہ کے سر کو کچل دیں اور ان کے ملک میں پیش قدمی کر کے ان کی امیدوں کو ختم کر دیں۔ حضرت عمرؓ کو اس جواب سے اطمینان ہو گیا اور آپ نے احنف بن قیس کی پیشقدمی کی رائے سے اتفاق کیا۔

فتح نہاوند

معرکہ جلولاء کے بعد یزدگرد رتے چلا گیا تھا لیکن جب رَے کے رئیس نے بے وفائی کی تو رَے سے نکلا۔ اصفہان اور کرمان ہوتا ہُوا خراسان پہنچا اور مرو میں اقامت اختیار کی۔ یہاں اس نے ایک آتش کدہ تعمیر کرایا۔ اس میں آتش پارسی (جو ساتھ لایا تھا) رکھی۔ اور نئے سرے حکومت کے ساز و سامان آراستہ کئے اور مسلمانوں سے اپنا ملک واپس لینے کی تدبیریں شروع کر دیں۔ اسی دوران میں خوزستان کی فتح اور ہرمزان کی گرفتاری کی خبر ملی تو سخت طیش میں آیا اور مسلمانوں سے آخری ٹکر لینے کا فیصلہ کر لیا۔

یزدگرد نے مرو سے تمام سلطنت کے رئیسوں اور تعلقہ داروں کے نام خطوط بھیجے اور انہیں اپنی مدد کے لئے آمادہ کیا۔ چنانچہ باب، سندھ، خراسان اور حلوان کے درمیانی علاقوں کے تمام امراء اپنی اپنی فوجیں لے کر اس کی مدد کو نکل کھڑے ہُوئے۔ یزدگرد نے اس ٹڈی دل لشکر کو لے کر نہاوند میں چھاؤنی

ڈال دی۔ سعد بن وقاص نے حضرت عمرؓ کو ان واقعات کی خبر دی۔

حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کی رائے تھی کہ اس اہم موقعہ پر حضرت عمرؓ خود اسلامی فوجوں کی رہنمائی کریں لیکن حضرت علیؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور خلیفۃ المسلمین کا مرکز میں مقیم رہنا ضروری قرار دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور فرمایا کہ میں اس مہم پر اس شخص کو بھیجتا ہوں جو سب سے پہلے نوکِ سناں کو بوسہ دے گا اور وہ شخص نعمان بن مقرن مزنی ہے۔

سب نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند کیا۔ نعمان بن مقرن کسکر کے عامل خراج تھے، مگر آپ حکومت کی کرسی کی بجائے گھوڑے کی زین زیادہ پسند کرتے تھے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو لکھا تھا کہ کسکر میں میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی نبرد آزما نوجوان کسی محبوبۂ طناز کی آغوش میں ہو اور وہ اسے طرح طرح لبھاتی ہو۔ خدا کے لئے مجھے یہاں سے ہٹا کر میدانِ جنگ میں بھیج دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں نہاوند کی سالاری میں مامور فرما کر ان کی خواہش پوری کر دی[1]۔

نعمان بن مقرن کی روانگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے مطابق نعمان بن مقرن تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ نہاوند کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی فوج کو اصولِ جنگ کے مطابق ترتیب دیا۔ مقدمہ پر اپنے بھائی نعیم بن مقرن کو، میمنہ اور میسرہ پر اپنے دوسرے بھائی سوید بن مقرن اور حذیفہ بن الیمان کو، مجردہ پر قعقاع کو اور ساقہ پر مجاشع بن مسعود کو مقرر کیا۔ ایرانیوں کی طرف میمنہ پر زردک اور میسرہ پر بہمن متعین ہوا۔

آخر مسلمان نعرۂ تکبیر لگا کر میدان میں نکلے۔ دو روز تک دونوں فریقوں میں

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ صفحہ ۳۲۲۔

ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ تیسرے روز ایرانی مقابلہ چھوڑ کر محفوظ مقامات میں پناہ گزین ہو گئے۔ مسلمان لڑائی کو طول دینا نہیں چاہتے تھے مشورہ کے بعد یہ رائے ہوئی کہ قعقاع اپنے دستے کو لے کر ان کے محفوظ مقامات میں گھس جائیں اور جب وہ ان کے مقابلہ کو نکلیں تو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہوئے اسلامی لشکر کے قریب آ جائیں اور پھر سارا لشکر اُن پر حملہ کر دے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قعقاع ایرانی فوج کو اپنے ساتھ لگا کر اسلامی فوج کے مقابل لے آئے اور دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی اس قدر شدید تھی کہ سوائے لیلۃ الہریر کے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسلنے لگے۔ چنانچہ نعمان بن مقرن کے گھوڑے کا بھی پاؤں پھسلا اور زمین پر آ رہے۔ نعیم بن مقرن نے فوراً ان کو ایک طرف چھپا دیا اور ان کی کلاہ اور قباء پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ فوج کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا سردار زخمی ہو گیا ہے۔

نعمان کی شہادت اور فتح

لڑائی کا ہنگامہ رات تک جاری رہا۔ اندھیرا پھیلتے ہی ایرانی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور راہِ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں نے پیچھا کیا اور ہزاروں کو بھاگتے ہوئے قتل کیا۔ ایرانیوں نے اپنی طرف پوجا کی غرض سے آگ کا الاؤ جلا رکھا تھا۔ جب بے تحاشا بھاگے تو سینکڑوں اس میں گر کر بھسم ہو گئے۔ غرض ڈیڑھ لاکھ ایرانیوں میں سے بہت تھوڑے اپنی جان سلامت لے جا سکے۔

اسلامی سپہ سالار نعمان بن مقرن کے زخم بہت کاری تھے۔ فتح کے بعد ایک شخص ان کے پاس گیا تو دم توڑ رہے تھے۔ آنکھیں کھول دیں اور پوچھنے لگے۔ لڑائی کا کیا انجام ہوا؟ اس شخص نے کہا "مسلمانوں کی فتح ہو گئی"۔ آپ نے فرمایا "خدا کا ہزار شکر ہے فتح کی خبر عمرؓ کو بھیج دو"۔ یہ کہا اور جنت کو سدھار گئے۔

اس لڑائی میں بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ حذیفہ نے جنہیں نعمان

بن مقرن نے اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا، مالِ غنیمت کو تقسیم کیا اور سائب بن اقرع کو خمس اور فتح کی بشارت دے کر مدینہ روانہ کیا۔

حضرت عمرؓ مدینہ سے باہر ہی قاصد کے انتظار میں موجود تھے۔ سائب کو دیکھتے ہی پوچھا "کہو کیا خبر ہے"؟ سائب نے کہا "اے امیر المؤمنین اللہ نے زبردست فتح دی مگر نعمان شہید ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے فتح پر خدا کا شکر ادا کیا مگر نعمان کی شہادت پر بڑی دیر تک روتے رہے[1]

اس لڑائی کے بعد ایرانیوں کا زور ٹوٹ گیا اسی لئے عربوں نے اس کا نام "فتح الفتوح" رکھا۔ یہ واقعہ محرم ۱۹ھ میں پیش آیا۔

تسخیرِ ایران

حضرت عمرؓ کا ارادہ ایران کی عام تسخیر کا نہ تھا۔ اب تک کی فتوحات کا مقصد یہ تھا کہ عربی علاقوں کو غیر ملکی قوتوں سے واپس لے لیا جائے اور اُن پر اپنی طاقت کی ایسی دھاک بٹھا دی جائے کہ وہ پھر ادھر کا رُخ نہ کر سکیں۔ اس مقصد کے حاصل ہونے کے بعد حضرت عمرؓ مزید طاقت آزمائی کے خواہشمند نہ تھے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ ہم ان تک جا سکتے نہ وہ ہم تک پہنچ سکتے"۔

لیکن ایرانی چین سے بیٹھنے والے نہ تھے۔ آئے دن سازشوں، بغاوتوں اور چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ اہواز اور نہاوند کے معرکے اُن کے اسی طرزِ عمل کا نتیجہ تھے۔

حضرت عمرؓ اب ان فتنوں کا سدِ باب کر دینا چاہتے تھے۔ اس کی صورت یہی

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۳۳۴۔

تھی کہ احنف بن قیس کی رائے کے مطابق ان فتنوں کا سر کچل دیا جائے۔ یعنی ایرانی شہنشاہیت کو ختم کر دیا جائے۔

معرکۂ نہاوند سے فراغت کے بعد آپ نے اس ارادہ پر عمل فرمانے کا فیصلہ فرمالیا۔ چنانچہ ۱۸ھ کے آغاز میں کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیوں سے ایران کے مختلف صوبوں کی فتح کے لئے مختلف سرداروں کی ماتحتی میں فوجیں روانہ ہوگئیں اور ۲۳ھ تک پانچ سال کے قلیل عرصہ میں سلطنتِ ایران کے اکثر مشرقی و مغربی علاقے اسلامی جھنڈے کے سایہ میں آگئے۔ ان فتوحات کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

فتح ہمذان مشہور ایرانی سردار فیروزان نہاوند سے ہمذان کی طرف بھاگا تھا۔ حذیفہ نے ایک دستہ اس کے تعاقب کے لئے روانہ کیا۔ اس دستہ نے ہمذان کے قریب اُسے گھیر کر قتل کر دیا۔ اہلِ ہمذان نے صلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ اہلِ ماہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی صلح کی درخواست کی۔ چنانچہ اُن کی درخواست بھی منظور کر لی گئی۔

حذیفہ اپنے لشکر کو لے کر لوٹ رہے تھے کہ انہیں خبر ملی ہمذان میں غدر ہو گیا۔ حذیفہ نے نعیم بن مقرن کو اس طرف روانہ کیا۔ نعیم نے ہمذان پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے عاجز آکر پھر صلح کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔

یہاں سے نعیم نے واج رود کا قصد کیا جہاں روم، دیلم، اہلِ آذربیجان اور اہلِ رے مجتمع ہو کر مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ واج رود میں شدید جنگ ہوئی اور آخر کفار نے شکست کھائی۔ نعیم نے حضرت عمرؓ کو جو کفار کی تیاریوں سے بہت فکرمند تھے فتح کی بشارت بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے نعیم کو لکھا کہ وہ رے (طہران کے جنوب مشرق میں ایک شہر ہے) پر حملہ کریں۔ نعیم جب شہر کے قریب پہنچے تو سیاوش جو شہر کا حاکم تھا اپنی فوجیں لے کر مقابلہ پر آیا اور سخت جنگ ہوئی۔ ابھی لڑائی جاری ہی تھی کہ ابوالفرخان شہر رے کا ایک رئیس نعیم سے آملا۔ ابوالفرخان نے نعیم سے کہا کہ آپ ایک دستہ میرے حوالہ کریں۔ میں خفیہ راستہ سے شہر میں داخل

ہو جاؤں گا۔ چنانچہ نعیم نے باہر سے حملہ کیا اور ابوالفرخان کے ساتھیوں نے اندر سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ سیاوش بدحواس ہو کر بھاگا اور رَے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ نعیم نے ابوالفرخان ہی کو رَے کا والی مقرر کر دیا۔

فتح طبرستان اس کے بعد نعیم نے اپنے بھائی سوید کو قومس (خراسان اور بلادِ جبل کے درمیان ایک شہر ہے) کی طرف روانہ کیا۔ اہلِ قومس کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی اور شہر بلا مقابلہ فتح ہو گیا۔ یہاں سے سوید نے جرجان کا رُخ کیا۔ حاکمِ جرجان نے صلح کی درخواست کی جو قبول کی گئی۔ یہیں پر حاکمِ طبرستان کی درخواستِ صلح پہنچی۔ حاکمِ طبرستان کی خواہش تھی کی اس سے یکمشت خراج کے طور پر کچھ رقم وصول کر لی جایا کرے اور پھر اس سے اور اس کے اہلِ ملک سے کوئی سروکار نہ رہے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور اس مضمون کا صلحنامہ لکھ کر دے دیا گیا۔

"حاکمِ طبرستان کو اس شرط پر امان دی جاتی ہے کہ وہ اہلِ طبرستان کو ہماری مخالفت سے باز رکھے اور ہمارے باغیوں کو پناہ نہ دے اور پانچ لاکھ درہم سالانہ ادا کرتا رہے۔ جب تک حاکمِ طبرستان اس شرط کو پورا کرتا رہے گا، ہمیں اس کے ملک سے کوئی سروکار نہ ہو گا۔ البتہ ہم اس کے ملک میں اس کی اجازت سے داخل ہو سکیں گے۔ اسی طرح اہلِ طبرستان ہمارے ملک میں آ سکیں گے۔ اگر حاکمِ طبرستان نے ہمارے باغیوں کو پناہ دی یا ہمارے دشمنوں سے ساز باز کی تو پھر یہ عہد نامہ منسوخ سمجھا جائے گا۔" [1]

فتح اصفہان حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عتبان امیر بصرہ کو حکم بھیجا کہ اصفہان کی طرف روانہ ہوں اور ابوموسیٰ اشعری کو ان کی مدد کا حکم دیا۔ عبداللہ اصفہان آئے تو وہاں اسبیذان سے مقابلہ ہوا۔ دونوں

---

[1] اتمام الوفاء ص ۱۰۹

فریقوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ آخر مسلمان فتح یاب ہوئے اور اسبیذان نے صلح کی درخواست کی۔ یہ درخواست قبول کرلی گئی۔

پھر عبداللہ جے کی طرف بڑھے جو اصفہان کا صدر مقام تھا۔ فاذوسقان امیر اصفہان خود مقابلہ کے لئے آیا اور عبداللہ کو مبارزت کے لئے طلب کیا۔ پہلے فاذوسقان نے وار کیا جسے عبداللہ نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ خالی دیا۔ جب عبداللہ کی باری آئی تو فاذوسقان نے کہا میں آپ سے لڑنا نہیں چاہتا۔ اس شرط پر صلح چاہتا ہوں کہ جو چاہے جزیہ دے کر رہے اور جو چاہے ملک چھوڑ کر چلا جائے۔ عبداللہ نے اس شرط کو قبول کرلیا اور صلح نامہ لکھ دیا۔

فتح آذربائیجان

بکیر بن عبداللہ اور عتبہ آذربائیجان[۱] کی طرف روانہ ہوئے۔ دربارِ خلافت سے نعیم بن مقرن فاتح رے کو حکم پہنچا کہ وہ سماک بن خرشہ کو بھیج کر ان کی مدد کریں۔ جب بکیر، جرمیدان کے پہاڑوں پر پہنچے تو واج روذ کے منہزمین نے اسفندیار کی زیر سرکردگی ان کا مقابلہ کیا۔ یہ اسفندیار رستم مقتولِ قادسیہ کا بھائی تھا۔ مسلمانوں نے اسفندیار کو زندہ گرفتار کرلیا۔

اسفندیار نے بکیر سے کہا تم امن پسند کرتے ہو یا جنگ؟ بکیر نے جواب دیا۔ امن پسند کرتے ہیں۔ اسفندیار بولا تو مجھے قتل نہ کرنا جب تک میں تم سے صلح نہ کروں گا اہلِ آذربیجان صلح نہ کریں گے۔

بکیر نے اسفندیار کی بات مان لی۔ اب بکیر کو نعیم کی مدد پہنچ گئی اور وہ آذربیجان کی طرف بڑھے۔ اہلِ آذربیجان نے اسفندیار کے کہنے سے جزیہ پر صلح کرلی۔ حضرت عمرؓ کو فتح کی بشارت بھیجی گئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ عتبہ بن فرقد آذربیجان کے والی ہوں اور بکیر آگے بڑھ کر لشکرِ باب کی مدد کریں۔

---

[۱] آذربیجان بحرِ خزر (کیسپین) کے مغرب میں ہے۔ اس کا صدر مقام پہلے شہر مراغہ تھا اور آج کل تبریز ہے۔

فتح باب سراقہ بن عمرو باب کی طرف بڑھے جو ایران، آرمینیہ اور روس کی حدود داتصال پر ایک سرحدی شہر ہے۔ مقدمۃ الجیش پر عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ تھے۔ بکیر سراقہ سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر خیمہ زن ہو چکے تھے۔ باب کا رئیس شہر براز ایک ایرانی سردار تھا۔ وہ خود اسلامی سپہ سالار کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں سلطنت ایران کا ماتحت تھا۔ جب آپ نے اس سلطنت ہی پر قبضہ کر لیا تو پھر میں آپ کی اطاعت سے باہر کیسے ہو سکتا ہوں؟ لیکن میری خواہش ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ اس کی بجائے فوجی خدمات قبول کی جائیں۔

جزیہ حقیقت میں فوجی خدمات ہی کا صلہ تھا۔ اسلامی سپہ سالار نے رئیس باب کی اس درخواست کو قبول کر لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس شرط کو منظور فرمایا۔

باب کی فتح کے بعد سراقہ نے اپنی فوجیں آرمینیہ کے سرحدی پہاڑی علاقوں کی طرف بڑھائیں۔ بکیر بن عبداللہ موقان کی طرف روانہ ہوئے اور حبیب بن مسلمہ تفلس[1] کی طرف اور حذیفہ جبال اللان[2] کی طرف۔ بکیر نے موقان کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ یہ واقعہ ۲۱ھ کا ہے۔

اس کے بعد سراقہ کا انتقال ہو گیا اور عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ ان کے قائم مقام منتخب ہوئے۔ عبدالرحمٰن حضرت عمرؓ کے حکم سے باب سے بلادِ خزر کی طرف بڑھے۔ شہر براز نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ عبدالرحمٰن بولے بلنجر (ملک خزر کے دارالسلطنت) پہنچ کر ترکوں سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہوں۔ شہر براز نے کہا ہم تو یہی غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوں۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا لیکن میں

---

[1] تفلس گرجستان کا صدر مقام ہے اور آجکل حدود روس میں شامل ہے

[2] اللان آرمینیہ سے متصل بحیرہ خزر اور بحیرہ اسود کے درمیان کا علاقہ ہے۔ یہ بھی آجکل مملکتِ روس میں شامل ہے۔

اُن کے مُلک میں گھسے بغیر نہ مانوں گا۔ قسم ہے خدائے پاک کی میرے ساتھ وہ جماعت ہے کہ اگر اُسے امیر کا حکم ملے تو سدِ سکندری تک پہنچ جائے۔ شہر براز نے تعجب سے پوچھا۔ وہ کون جماعت ہے؟

عبدالرحمٰن نے جواب دیا وہ ''وہ جماعت ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے اور خلوص کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہوئی ہے۔ جاں سپاری و فداکاری کا یہ جذبہ ان میں اس وقت تک باقی رہے گا جب تک دوسری قومیں ان پر غلبہ پا کر ان کی ذہنیت کو نہ بدل دیں۔

چنانچہ عبدالرحمٰن باب سے روانہ ہو کر بلنجر پہنچے۔ بلنجر کے ترکوں نے مسلمانوں کی اس ہمت کو دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ یہ انسان نہیں ہیں بلکہ فرشتے ہیں۔ ترکوں نے مسلمانوں سے قطعاً تعرض نہ کیا اور سپہ سالار اسلامی کے سپید گھوڑے نے بلنجر سے آگے دو سو فرسخ پہنچ کر دم لیا۔[۱] ان فتوحات کے بعد عبدالرحمٰنؓ ''باب'' کے والی مقرر ہو کر وہیں مقیم ہو گئے۔

فتح خراسان یزدگرد شہنشاہ ایران اپنے نئے دارالسلطنت ''مروشاہجہاں'' میں مقیم تھا اور مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ احنف بن قیس ۲۲ھ میں اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ پہلے ہرات فتح کیا اور پھر مروشاہجہاں کی طرف بڑھے۔ یزدگرد مروشاہجہاں کو چھوڑ کر مرورود چلا گیا۔ اور خاقانِ چین، بادشاہِ ترکستان اور بادشاہِ صغد سے مدد کی درخواست کی۔ احنف نے بڑھ کر مروشاہجہان پر قبضہ کر لیا اور پھر مرورود کا رُخ کیا۔ یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور بلخ پہنچ کر مقیم ہُوا۔ احنف نے مرورود پر بھی قبضہ کر لیا۔ مرورود میں احنف کی مدد کے لئے کوفہ سے تازہ دم فوجیں آگئیں۔ احنف نے انہیں لے کر بلخ پر حملہ کر دیا۔ یزدگرد بہادری کے ساتھ لڑا مگر شکست کھا کر بھاگا اور دریائے

---

[۱] اتمام الوفاء ص۱۳۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص۱۳۳۔

جیحون کو پار کرکے ترکستان کے علاقہ میں داخل ہو گیا۔

جب یزدگرد فرغانہ پہنچا تو شاہِ ترکستان نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس کی امداد کے لئے فوجیں تیار کیں۔ یزدگرد شاہِ ترکستان کے ساتھ دریا پار کرکے پھر واپس آیا۔ وہ خود مرو شاہجہاں کی طرف بڑھا اور شاہِ ترکستان مرورود کی طرف روانہ ہوا۔ شاہِ ترکستان کو مرورود میں احنف کے مقابلہ میں ہزیمت اُٹھانا پڑی۔ اور وہ اپنی فوجوں کو لے کر ترکستان کی طرف لوٹ گیا۔ یزدگرد کو جب یہ خبر پہنچی تو اس کی ہمت بھی ٹوٹ گئی۔ جواہرات اور خزانہ جو کچھ ساتھ تھا لے کر ترکستان کی طرف بھاگا۔ اس کے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ سلطنت گئی سو گئی ملک کی دولت بھی ترکستان جارہی ہے۔ اس کا سارا ساز و سامان لوٹ لیا۔ یزدگرد لٹا کھسٹا شاہ فرغانہ کے پاس پہنچا اور حضرت عمرؓ کے آخر زمانہ تک وہیں مقیم رہا۔ امراء خراسان نے احنف بن قیس سے امان طلب کی اور جزیہ پر ان سے صلح کرلی۔ اہلِ خراسان اسلامی حکومت کے سایہ میں پہلے سے زیادہ امن و عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

فتح فسا و دارابجرد

ساریہ بن زنیم کلابی، فسا اور دارابجرد کے شہروں پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے ایرانی باشندوں نے اپنے پڑوسی کردوں سے مدد طلب کی اور بڑا سخت معرکہ پیش آیا۔ لڑائی کے دوران میں ایک موقع پر ساریہ دشمنوں میں گھر گئے۔ اس وقت انہوں نے حضرت عمرؓ کی آواز سُنی کہ فرما رہے ہیں۔

یاساریۃُ الجبل الجبل   "اے ساریہ پہاڑ کی پناہ لو پہاڑ کی پناہ لو۔"

ساریہ اپنی فوج کو ہٹا کر پہاڑ کے دامن میں چلے گئے اور پہاڑ کو پُشت پر رکھ کر جنگ کی اور کامیاب ہوئے۔

فتح کے بعد ساریہ نے بشارتِ فتح اور خمس دے کر ایک قاصد کو مدینہ روانہ کیا۔ مدینہ والوں نے قاصد سے کہا فلاں روز فلاں وقت خلیفۃ المسلمین خطبہ

دے رہے تھے کہ یکایک چیخ پڑے "یاساریة الجبل الجبل" اور پھر فرمایا کہ "خدا کی بے شمار غیبی مخلوق ہے شاید کوئی آواز ساریہ تک پہنچا دے"۔ کیا تم نے وہ آواز سنی تھی۔ قاصد نے کہا اسی آواز پر تو ساریہ اپنی فوج کو ہٹا کر پہاڑ کے دامن میں لے گئے اور فتح پائی۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساریہ کو دارابجرد کا والی مقرر کیا اور وہ یہیں قیام پذیر ہو گئے۔

فتح کرمان سہیل بن عدی کرمان کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عتبان کو ان کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ کرمان میں ایرانیوں کے ایک لشکرِ عظیم سے مقابلہ ہوا۔ رئیسِ کرمان میدانِ جنگ میں قتل ہوا اور مسلمان فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔

فتح سجستان عاصم بن عمر سجستان (سیستان) کی طرف روانہ ہوئے۔ اہلِ سجستان نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر بھاگے۔ مسلمانوں نے سجستان کے صدر مقام زرنج کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے تنگ آ کر اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ تمام صحرائی علاقہ ان کے جانوروں کے لئے مخصوص رہے۔ مسلمانوں نے اس شرط کو قبول کر لیا اور اس وعدہ کو اس سختی سے نبھایا کہ جب ادھر سے گزرتے تو بڑی جلدی سے نکل جاتے تھے کہ کہیں عہد شکنی نہ ہو جائے۔

فتح مکران حکم بن عمیر تغلبی مکران (سندھ اور نہر بلخ کا درمیانی علاقہ) کی طرف روانہ ہوئے۔ سہیل بن عدی اور عبداللہ بن عبداللہ فاتحین کرمان بھی ان کے ساتھ آ ملے۔ اسلامی لشکر فتح کے جھنڈے اڑاتا ہوا نہر سندھ کے کنارے تک پہنچ گیا۔ یہاں اہلِ مکران مقابلہ کے لئے آئے اور راجہ سندھ نے بھی ان کی مدد کے لئے زبردست فوج بھیجی۔ بلوچیوں اور سندھیوں کی مشترکہ فوج کا

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۳۱۔

مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اور شکست فاش کھا کر بھاگی۔ مسلمانوں نے مکران پر قبضہ کر لیا۔ حکم نے صحار عبدی کے ہاتھ بشارت نامہ اور خمس مدینہ روانہ کیا۔ حکم بلادِ ہند میں آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ فتوحات کی توسیع کے حق میں نہ تھے اس لئے انہیں پیش قدمی سے روک دیا[1]

فتوحاتِ شام و فلسطین

فتح دمشق

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں ہم نے لشکرِ اسلام کو وادئ یرموک میں فتح و ظفر کے جھنڈے اڑاتے چھوڑا تھا۔ جنگِ یرموک سے فارغ ہو کر حضرت ابوعبیدہؓ سالارِ افواجِ اسلامیہ کو معلوم ہوا کہ شکست خوردہ رومی لشکر مقام فحل میں پہنچ کر رُکا ہے۔ دوسری طرف قیصرِ روم نے ایک لشکرِ عظیم مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے دمشق میں جمع کیا ہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کس طرف کا قصد کریں؟ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ایک دستہ فوج فحل کی طرف بھیج دو جو منہزمینِ یرموک کو اُلجھائے رکھے اور خود دمشق کی طرف بڑھو کیونکہ وہ شام کا قلعہ اور دار السلطنت ہے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے ایک دستہ فحل کی طرف روانہ کیا جس نے پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایک دستہ حمص اور دمشق کے درمیان متعین کیا اور ایک دستہ دمشق اور فلسطین کے درمیان متعین کیا تاکہ ان مقامات سے دمشق کو امداد نہ پہنچ سکے۔ باقی فوج کو لے کر حضرت ابوعبیدہؓ دمشق کی طرف بڑھے۔ دمشق میں رومی افواج کا سالار نسطار بن نسطوس تھا۔ اس نے جب مسلمانوں کی آمد کی خبر سُنی تو شہر بند ہو بیٹھا۔ اسلامی فوج نے دمشق کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ایک دروازہ پر حضرت ابوعبیدہ

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۱۳۲

تھے۔ دوسرے دروازہ پر عمروؓ بن عاص تھے۔ تیسرے دروازہ پر خالد بن ولیدؓ تھے، چوتھے دروازہ پر یزید بن ابی سفیانؓ۔ مسلمان ستر روز تک شہر کا محاصرہ کئے پڑے رہے اس دوران میں کبھی کبھی رومی فصیل پر چڑھ کر تیر باری کرتے تھے اور مسلمان بھی اس کا جواب دیتے تھے۔ مگر رومیوں کو یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ میدان میں آکر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔

خالدؓ کی جرأتِ مردانہ

خالد بن ولیدؓ رات کے وقت بہت کم سوتے تھے اور دشمن کے حالات کی پوری پوری خبر رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک رات اُنھوں نے شہر میں غیر معمولی شور وشغب کی آواز سُنی۔ جاسوسوں کے ذریعہ تحقیق کی تو معلوم ہُوا کہ بطریق دمشق کے گھر لڑکا پیدا ہُوا ہے اس کی خوشی میں قلعہ میں رقص وسرور کی محفلیں برپا ہیں اور رومی شراب پی پی کر بدمست ہو رہے ہیں۔

خالد بن ولیدؓ نے اس موقعہ سے فورًا فائدہ اُٹھایا۔ چند جانباز ساتھیوں کو لے کر خندق کو پار کر کے فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ رسیوں کی سیڑھیاں بنائیں۔ ان کے کناروں پر پھندے لگائے اور ان پھندوں کو فصیل کے کنگروں میں اٹکا دیا۔ پھر ان رسی کی سیڑھیوں کے ذریعے فصیل پر چڑھ گئے اور نیچے اُتر کر پہرہ داروں کو قتل کر کے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اور نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ تکبیر کی آواز سُنتے ہی خالد بن ولیدؓ کے دستہ کے باقی سپاہی دروازہ کے راستہ شہر میں داخل ہو گئے۔ رومی اس بلاء ناگہانی سے حیران رہ گئے۔ اور تو کچھ بن نہ پڑی شہر کا دوسرا دروازہ کھول کر حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں پہنچے اور صلح کی درخواست کی۔

حضرت ابو عبیدہؓ کو خالد بن ولید کی کارگزاری کی خبر نہ تھی اسلامی آئینِ جنگ کے مطابق فورًا ان کی درخواست کو قبول کر لیا اور وہ اپنے دستہ فوج کے ساتھ مصالحانہ شہر میں داخل ہو گئے۔ شہر کے وسط میں دونوں سرداروں کی آپس میں ملاقات

ہوئی تو انہیں رومیوں کی اس چالاکی کا علم ہوا۔

اب یہ بحث چھڑی کہ شہر کو بزورِ شمشیر مسخر قرار دیا جائے یا مصالحت کے ذریعہ مفتوح قرار دیا جائے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے تمام شہر کو مصالحانہ مفتوح قرار دیا۔ جو شرائط انہوں نے رومیوں سے طے کی تھیں وہی سارے شہر پر جاری کی گئیں۔ شرائط یہ تھیں کہ مفتوحین چاندی، سونے اور جائداد کا پانچواں حصہ ادا کریں اور فی کس ایک دینار اور فی جریب زمین ایک جریب گیہوں ادا کرتے رہیں گے۔ اس کے بعد ان کا جان، مال، جائداد اور عبادت گاہیں محفوظ ہوں گی اور ان پر کسی قسم کا تعرف نہ کیا جائے گا۔[1] دمشق کی فتح رجب ۱۴ھ کو عمل میں آئی۔

حضرت ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کو فتح کی بشارت بھیجی۔ یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق کی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ انہوں نے وہاں مقیم ہو کر آس پاس کے شہر عبیدا، عرقہ، جبیل اور بیروت فتح کر لئے۔ یزید بن ابی سفیانؓ کے چھوٹے بھائی معاویہ بن ابی سفیان قیساریہ کی طرف بڑھے اور اسے فتح کر لیا۔

معرکہ فحل دمشق کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ فحل کی طرف بڑھے۔ خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، ضرار بن الاسود اور شرجیل بن حسنہ ان کے ساتھ تھے۔ رومیوں نے شہر کی حفاظت کے لئے یہ تدبیر کی تھی کہ اطرافِ شہر کی نہروں کے بند کاٹ دیئے تھے اور شہر کے چاروں طرف عالمِ آب نظر آتا تھا۔ اسلامی فوجوں نے شہر کے قریب پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ ایک رات رومی سردار سقلار شب خون مارنے کے ارادہ سے باہر نکلا۔ شرجیل بن حسنہ حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق رات کو جاگتے رہتے تھے اور ان کا دستۂ فوج بھی جنگی ترتیب کے مطابق مرتب رہتا تھا۔ رومی سردار سقلار کا شرجیل سے مقابلہ ہوا۔ نہایت سخت معرکہ پیش آیا۔ ساری رات ہولناک لڑائی ہوتی رہی اور اگلے دن بھی لڑائی جاری رہی۔ رات ہوتے

---

[1] مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۲۳ بحوالہ طبری

رومی سردار مارا گیا اور رومی شکست کھا کر بھاگے۔ مگر بھاگ کر [illegible] جاتے؟ پیچھے پہلے ہی پانی چھوڑ کر شہر کا راستہ بند کر چکے تھے۔ اسی ہزار قتل ہوئے اور بیشمار مالِ غنیمت چھوڑا۔

معرکہ مرجِ روم | [illegible] حضرت ابو عبیدہؓ نے ایک دستہ [illegible] میں بیسان کی طرف روانہ کیا اور دوسرا طبریہ (صدر [illegible]) کی طرف۔ دونوں مقامات دمشق کی شرائطِ صلح پر فتح ہو گئے۔

اب حضرت ابو عبیدہؓ خالد بن ولیدؓ کے ساتھ حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ جب "مرج روم" پر پہنچے تو رومیوں کے دو لشکروں سے مڈبھیڑ ہوئی جنہیں قیصرِ روم نے مسلمانوں کو روکنے کے لئے بھیجا تھا۔ ان میں سے ایک لشکر کا سردار توذر تھا اور دوسرے کا شنس۔ ابو عبیدہؓ نے شنس کے مقابلہ میں اپنی صفیں آراستہ کیں اور خالد نے توذر کے۔ صبح کو جب مقابلہ کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ توذر دمشق کی طرف روانہ ہو گیا ہے تاکہ بے خبری میں یزید بن ابی سفیان کو جا گھیرے۔ خالد بن ولیدؓ فوراً اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ ادھر یزید بن ابی سفیانؓ کو بھی توذر کی روانگی کی خبر معلوم ہو گئی۔ وہ بھی اپنی فوج لے کر مقابلہ کے لئے باہر نکلے۔ دمشق کے باہر دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ لڑائی کے دوران میں خالد بن ولید پہنچ گئے اور رومی لشکر پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ توذر کی فوج کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچا۔

ادھر مرج روم میں ابو عبیدہؓ کا شنس سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے اسے شکست دی۔

فتح حمص | قیصرِ روم اس وقت حمص میں مقیم تھا۔ اسے جب توذر و شنس کی ہزیمت اور مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبر پہنچی تو وہ حمص کو چھوڑ کر انطاکیہ چلا گیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ بعلبک کو فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین ایک عرصہ تک ہرقل کی مدد کے انتظار میں تکلیفیں جھیلتے رہے جب انہیں

اس طرف سے مایوسی ہوگئی ... ابوعبیدہؓ کے پاس پیغام بھیج کر دمشق کی شرائط پر ... کر لی ...

حضرت ابوعبیدہ ... بن صامت کی نگرانی میں دیا اور خود آگے بڑھے۔ حماہ، شیزر، ... کے باشندوں نے دمشق کی شرائط پر صلح کر لی۔ اس کے بعد مسلمان لاذقیہ (مضافات حلب) کی طرف بڑھے۔ اہلِ لاذقیہ مقابلہ کے لئے نکلے اور شکست کھا کر شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پھر مسلمانوں سے امان طلب کی اور واپسی کی اجازت چاہی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ا... ت دے دی۔ مسلمانوں نے یہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی۔

فتح قنسرین حضرت ابوعبیدہ نے خالد ... کو قنسرین کی فتح کے لئے بھیجا۔ مقام حاضر پر رومیوں کے ایک بڑے سردار "میناس" نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن خالدؓ نے اسے ... فاش د... دی۔ خالدؓ قنسرین پہنچے تو اہل قنسرین شہر بند ہو بیٹھے۔ خالد نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اہل شہر سے کہلا بھیجا کہ شہر ... ہونے سے کوئی نتیجہ نہیں۔ اگر تم آسمان پر بھی چڑھ جاؤ ... تو ہمیں تم تک ... لے گا یا تمہیں ہمارے پاس آتار لائے گا۔

اہل ... رین کو جب مسلمانوں کی اطاعت کے سوا چارہ ... د شہر کے دروا... ... یئے۔ اہل ... بی دمشق کی شرائط پر صلح ہوگئی۔

حضرت عمر رضی اللہ ... ب خالد بن ولید کے ان کارناموں کی خبر پہنچی تو آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا خالد بن ولیدؓ نے اپنے کارناموں سے خود اپنے آپ کو سپہ سالار بنا لیا ہے۔ خدا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحمتِ بیکراں نازل کرے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے کہ انہوں نے خالدؓ کو ان کے صحیح مرتبہ پر سرفراز کر دیا تھا۔ میں نے خالدؓ کو اس مرتبہ سے معزول کیا تو ان کی کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں مسلمان ان کی شخصیت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں اور اسلامی فتوحات کو ان کی جنگی مہارت پر محمول نہ

کریں - پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے عہدہ اور اختیارات میں اضافہ فرما دیا۔[1]

الوداع اے شام قیصر روم "ہرقل" انطاکیہ میں مقیم تھا کہ اسے ان مسلسل شکستوں کی خبر پہنچی - وہ ملک شام کی طرف سے مایوس ہو گیا اور قسطنطنیہ کا عزم کیا -

قیصر کا دستور تھا کہ جب وہ حج بیت المقدس سے فارغ ہو کر قسطنطنیہ واپس جاتا تو وہ ملک شام کی سرحد کو پار کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتا :-

"اے شام مسافر کا سلام قبول ہو - جس کا جی تجھ سے نہیں بھرا ہے اور جو پھر تیری طرف لوٹ کر آنے والا ہے "

لیکن اس مرتبہ جب وہ مقام شمشاط پہنچا تو ایک بلند پہاڑی پر کھڑے ہو کر اس نے بیت المقدس کی طرف رُخ کیا اور کہا :-

"اے شام رخصت ہونے والے کا سلام قبول ہو یہ ایسی جدائی ہے جس کے بعد ملاقات ممکن نہیں "

قیصر جب قسطنطنیہ پہنچ گیا تو وہاں ایک رومی مسلمانوں کی قید سے بھاگ کر آیا - قیصر نے اس رومی سے کہا - مجھے کچھ حالات مسلمانوں کے سناؤ - رومی نے کہا -

"اے بادشاہ وہ لوگ دن کو شہسوار ہیں اور رات کو عابد شب زندہ دار وہ اپنے مفتوحین کا مال کا قیمت ادا کئے استعمال نہیں کرتے اور جس ملک میں داخل ہوتے ہیں امن وسلامتی کی برکتیں اپنے ساتھ لاتے ہیں لیکن جو قوم ان کا مقابلہ کرے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دے "

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ صہ ۲۶۰

قیصر نے کہا۔
"اگر مسلمان ایسے ہی ہیں تو وہ میرے قدموں تلے کی زمین بھی فتح کر لیں گے" [۱]

فتح حلب حضرت ابوعبیدہؓ حلب کی طرف بڑھے۔ اہلِ حلب قلعہ بند ہو بیٹھے۔ اسلامی فوجیں شہر کا محاصرہ کئے پڑی رہیں۔ جب اہلِ حلب نے دیکھا کہ نجات کی کوئی صورت نہیں تو حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس پیغام صلح بھیجا اور اپنی جان، مال، اولاد، گرجوں اور قلعوں کے مامون و محفوظ رہنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا اور دمشق کی شرائط پر صلح کر لی گئی۔ یہاں بھی ایک مسجد تعمیر کی گئی۔

فتح انطاکیہ فتح حلب کے بعد حضرت ابوعبیدہ انطاکیہ کی طرف بڑھے۔ انطاکیہ قیصرِ روم کا ایشیائی دارالسلطنت تھا اور اپنی جغرافی حیثیت فوجی مرکزیت اور سیاسی اہمیت کے لحاظ سے خاص طور پر ممتاز تھا۔ قنسرین اور دوسرے مفتوحہ علاقوں کے عیسائی یہیں آکر پناہ گزین ہو گئے تھے۔ جب مسلمان انطاکیہ کے قریب پہنچے تو عیسائیوں کی ایک جماعت شہر سے نکل کر ان کے مقابلہ پر آئی مگر شکست کھا کر پھر شہر میں گھس گئے اور شہر کے دروازے بند کر لئے۔ اسلامی فوجوں نے چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ عرصہ محصور رہنے کے بعد آخر اہلِ انطاکیہ نے صلح کا پیغام بھیجا اور درخواست کی کہ ان میں سے جو لوگ شہر کو چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہیں انہیں جانے کی اجازت دی جائے اور جو رہنا چاہیں ان سے شرائطِ دمشق کے مطابق جزیہ لیا جائے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس درخواست کو قبول فرما لیا۔

فتح انطاکیہ کے بعد انطاکیہ کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ کے

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۵۳ ۔

حکم سے یہاں ایک چھاؤنی قائم کی گئی۔

اس کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے معرہ مصرین کی طرف رُخ کیا اور اسے صلحاً فتح کرلیا۔ پھر آپ نے آس پاس کے علاقوں کی فتح کے لئے دستے روانہ کئے۔ چنانچہ تورس، تل عزاز، منبج وغیرہ فتح ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ خود باس کی طرف روانہ ہوئے اور حبیب بن مسلمہ کو قاصرین کی طرف بھیجا اور یہ مقامات بھی صلحاً فتح ہو گئے۔ اس طرح اسلامی فوجوں نے شام کو مشرق میں حدودِ فرات تک اور شمال میں ایشیائے کوچک تک فتح کرلیا۔

ان فتوحات کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے ہر ہر پرگنہ کے انتظام کے لئے عامل مقرر کیا اور اس کی حفاظت کے لئے دستہ فوج متعین کیا۔

حضرت ابو عبیدہؓ خود فلسطین کی طرف لوٹ آئے۔ آپ نے میسرہ بن مسروق اور مالک بن حارث اشتر کی سرداری میں ایشیائے کوچک کی طرف ایک لشکر روانہ کیا۔ ان کا مقابلہ رومیوں اور عیسائی عربوں کی ایک جماعت سے ہوا جو شام سے بھاگ کر ہرقل کی فوج سے مل جانا چاہتے تھے (ہرقل اب ملک شام کو چھوڑ کر جا چکا تھا) مسلمانوں نے ان کو شکست دے کر منتشر کر دیا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے ایک دوسرا لشکر مرعش کی طرف بھیجا۔ اس لشکر کے سردار خالد بن ولید تھے۔ انہوں نے مرعش کو فتح کرلیا اور اس کے قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تاکہ رومی یہاں پناہ گزین ہو کر پھر مسلمانوں پر حملہ کی تیاری نہ کرسکیں[1]۔

معرکۂ اجنادین فتوحاتِ شام کی ترتیب قائم رکھنے کے لئے ہم تاریخی اعتبار سے آگے بڑھ گئے تھے۔ اب ہم پھر فلسطین کے حالات کی طرف لوٹتے ہیں۔

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ صفحہ ۲۶۳

مرج روم اور بیسان کی فتوحات کے بعد قیصر روم نے اپنی ایک فوج مقام رملہ میں متعین کی۔ ایک فوج بیت المقدس میں جمع کی اور ایک بڑی جمعیت کو لے کر مقام اجنادین میں مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگا۔

عمروؓ بن عاص جو اُردن میں مقیم تھے اپنی فوج کو لے کر اجنادین کی طرف بڑھے اور علقمہ بن کلیم فراسی اور مسروق عکی کو بیت المقدس کی طرف اور ابو ایوب مالکی کو رملہ کی طرف بھیجا اور کل واقعات کی حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔

ارطبون اپنی چالاکی اور بہادری میں بہت مشہور تھا۔ ادھر عمروؓ بن عاص بھی کچھ اس سے کم نہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"رومی ارطبون کے مقابلہ میں ہمارا عربی ارطبون آیا ہے۔ دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے"۔

عمروؓ بن عاص نے اجنادین پہنچ کر رومیوں کا محاصرہ کر لیا اور عرصہ تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ ایک دن عمروؓ بن عاص خود سفیر بن کر ارطبون کے قلعہ میں گئے۔ اور وہاں کے فوجی حالات سے واقفیت حاصل کی۔ واپس آکر آپ نے اپنی فوج کو حملہ کا حکم دیا۔ یرموک کی لڑائی کی طرح سخت لڑائی ہوئی۔ آخرکار ارطبون نے شکست کھائی اور بیت المقدس کی طرف بھاگا۔ علقمہ بن کلیم فراسی نے جو بیت المقدس کے گرد گھیرا ڈالے پڑے تھے۔ ارطبون کو راستہ دیدیا اور وہ شہر میں داخل ہو گیا۔

اجنادین کی فتح کے بعد عمروؓ بن عاص نے غزہ، سبط، نابلس، لد، عمواس، جبرین، یافہ وغیرہ مقامات کو فتح کیا اور پھر بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے[1]۔

---

[1] مؤرخین تاریخ اسلام میں یرموک اور اجنادین کے واقعات کی ترتیب میں اور ان کی تاریخ کی تعین میں سخت اختلافات ہیں۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ واقعہ یرموک فتح دمشق سے قبل ظہور پذیر ہوا اور واقعہ اجنادین فتح دمشق کے بعد۔ ابن جریر طبری

اس امر کی دلیل کہ معرکہ اجنادین اولیٰ آخر ۱۲ھ یا ابتداء ۱۳ھ میں پیش آیا۔ بعض مؤرخین کی یہ روایت ہے :-

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے آگے) کی یہی رائے ہے۔ جدید مؤرخین میں سے خضری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ واقعہ جنادین فتح دمشق سے پہلے ہُوا اور واقعہ یرموک فتح دمشق کے بعد۔ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں اور ابن واضح نے تاریخ یعقوبی میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے اور علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق میں اسی کو ترجیح دی ہے یہ اختلافات صرف عربی مورخین ہی میں نہیں ہیں بلکہ انگریزی اور فرانسیسی مورخین میں بھی ہیں جن کی تاریخوں کے ماخذ رومی روایات ہیں۔ چنانچہ مشہور انگریزی مورخ اڈورڈ گبن نے اپنی "تاریخ سلطنت روما" میں اور فرانسیسی مؤرخ نویل ڈیفرجی نے اپنی "تاریخ بلاد عرب" میں مختلف راہیں اختیار کی ہیں

عہد حاضر کے مشہور مؤرخ رفیق بک مصری نے اپنی کتاب "اشہر مشاہیر الاسلام" میں ان اختلافات کی تفصیلات کا ذکر کرنے کے بعد حسب ذیل محاکمہ کیا ہے۔

ان روایاتِ مختلفہ پر غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ فتوحاتِ شام کے سلسلہ میں تین واقعات ظہور پذیر ہوئے جو اسباب و حالات اور محلِ وقوع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

۱۔ اجنادین اولیٰ جو ۱۲ھ کی انتہا یا ۱۳ھ کی ابتدا میں پیش آیا۔

۲۔ یرموک جو جمادی ۱۳ھ میں ظہور میں آیا۔

۳۔ اجنادین ثانیہ جو ۱۴ھ یا ۱۵ھ میں واقع ہُوا۔

ابن جریر طبری نے ان تینوں واقعات کو بیان کیا ہے لیکن اس نے اجنادین اولیٰ اور یرموک کے واقعات جن روایات سے بیان کئے ہیں ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یرموک مقدم تھا یا اجنادین اولیٰ یا یہ دونوں درحقیقت ایک ہی واقعہ ہیں۔ البتہ ان روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء فتوحاتِ شام میں اجنادین میں ایک (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"حضرت ابوبکرؓ کو اجنادین میں رومیوں پر مسلمانوں کی فتح کی خبر دی گئی تو آپ کی زندگی کے آخری دن تھے"

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۱) سے آگے) جنگ ہوئی جس میں خالدؓ بن ولید شریک نہ تھے بلکہ یہ معرکہ یا رومیوں اور خالد بن سعید کے درمیان ہوا جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں ماہان یا باہان کے مقابلہ کے لئے اطرافِ شام میں بھیجا یا خالد بن سعید کے بعد آنے والے امیروں میں سے کسی کے ساتھ پیش آیا۔ جب خالد بن سعید اور ان کے ساتھیوں نے باہان کو شکست دے دی اور مسلمان امراء متعدد لشکروں کو لے کر شام کی مختلف حصوں میں پھیل گئے تو ہرقل نے ان کے مقابلہ کے لئے تازہ دم اور کثیر التعداد فوجیں روانہ کیں۔ اب یہ سب امراء پیچھے لوٹ آئے اور مقام یرموک پر جمع ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ سے مدد طلب کی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولید کو عراق سے شام بھیجا۔

خالدؓ بن ولید کی آمد پر یرموک میں مشہور معرکۂ کارزار گرم ہوا جس میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد مسلمان امراء دمشق کی طرف بڑھے اور اُسے فتح کر لیا۔ پھر فحل کو فتح کیا۔ پھر حضرت ابوعبیدہؓ حمص کی طرف بڑھے اور اُسے فتح کر لیا۔

ان تمام فتوحات کے بعد ہرقل نے نئی فوجیں فلسطین کی طرف بھیجیں جو مقام اجنادین میں آکر جمع ہوئیں اور یہاں اجنادین ثانیہ کا معرکہ پیش آیا جس میں عمروؓ بن عاص اور ایک روایت کے مطابق خود حضرت ابوعبیدہؓ نے شام سے لوٹ کر حصہ لیا اور مشہور رومی سردار ارطبون کو شکست دے کر بیت المقدس کی طرف بھگا دیا۔

واقعہ کی اصلی تفصیل یہ ہے، بلاذری اور یعقوبی کو غلط فہمی یہ ہوئی کہ انھوں نے اجنادین میں ایک ہی لڑائی سمجھی اور اجنادین ثانیہ کو واقعہ یرموک قرار دیا حالانکہ تاریخی ثبوت اس امر کے حق میں ہے کہ واقعہ یرموک اس مقام پر پیش آیا جہاں پہلی مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کے آخر عہد میں امرائے اسلام جمع ہوئے اور خالد بن ولید ان کی مدد کے لئے عراق سے شام پہنچے۔ چنانچہ یاقوت معجم البلدان میں لکھتا ہے :۔

یہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ واقعہ یرموک کے دوران ہی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تھا اور مسلمانوں کو معرکۂ جنگ ہی میں آپ کی وفات کی خبر ملی تھی۔

رہا اجنادین ثانیہ کا معرکہ تو وہ فتح حمص کے بعد ۱۵ھ میں پیش آیا جیسا کہ تفصیل کے ساتھ طبری نے اسے لکھا ہے اور بلاذری اور یعقوبی نے بھی تاریخ کی تعیین اور واقعات کی تفصیل میں اختلاف نہیں کیا۔ البتہ اجنادین ثانیہ کی بجائے اسے واقعہ یرموک قرار دیا ہے۔ (اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۴۰ تا ص ۲۴۲)

اس بحث کی نقل کے بعد اس پر ہم اتنا اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ ابن کثیر نے بھی اس سلسلہ میں جو روایات نقل کی ہیں ان سے بھی اسی رائے کی تائید ہوتی ہے لیکن ابن کثیر کی تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق حضرت خالد رضی اللہ عنہ عراق سے شام کو (درمیانی علاقے فتح کرتے ہوئے) پہنچے تو اس وقت تک اسلامی امراء مجتمع نہ ہوئے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، حضرت مرثد اور شرجیل کو ساتھ لے کر عمرو بن عاص کی مدد کو پہنچے جو ارض عربا میں گھرے ہوئے تھے۔ یہاں جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں واقعہ اجنادین پیش آیا۔ اس جنگ میں متعدد صحابۂ کرام شہید ہوئے۔ آخر کار رومیوں کا سردار مارا گیا اور انہیں

"یرموک ایک وادی ہے اطرافِ شام میں غور کے کنارے جو پہلے نہر اردن میں گرتی ہے اور پھر بحیرہ منتنہ میں جا ملتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہاں رومیوں اور مسلمانوں میں لڑائی ہوتی تھی اور خالد بن ولید عراق کو چھوڑ کر مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے تھے۔"

اس کے بعد یاقوت نے واقعۂ یرموک کی پوری تفصیل بیان کرنے کے بعد قعقاع بن عمرو کے وہ اشعار نقل کئے ہیں جن میں اس نے خالد کے ساتھ عراق سے یرموک کی طرف روانگی اور راستہ میں غسانیوں سے لڑائی اور بصریٰ کی فتح وغیرہ کا حال تصریح کے ساتھ لکھا ہے:-

شکست ہوئی۔ پھر آغاز جمادی الاولیٰ میں واقعہ یرموک پیش آیا۔
علامہ ابن کثیر کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اجنادین اولیٰ میں، رومیوں کے سردار قیقلان تھا جو میدانِ جنگ میں مارا گیا اور اجنادین ثانیہ میں ارطبون۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۴ تا ۱۰)

اس سلسلہ میں اس امر کی طرف اشارہ بھی ضروری ہے کہ حضرت خالدؓ کی معزولی کی تاریخ میں جو اختلاف ہے وہ بھی تاریخِ یرموک کی تعیین کے اختلاف پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ حضرت خالدؓ کی معزولی کا واقعہ جنگِ یرموک کے دوران ہی میں پیش آیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فتح بیت المقدس

عمرو بن عاص نے بیت المقدس پہنچ کر اس کے چاروں طرف اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ اسی دوران میں قنسرین و حلب وغیرہ کی فتوحات سے فارغ ہو کر حضرت ابو عبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید بھی بیت المقدس پہنچ گئے۔

اہلِ "قدس" نے جب دیکھا کہ سب بڑے بڑے اسلامی سردار بیت المقدس پہنچ گئے ہیں اور انہیں قیصر کی طرف سے مدد ملنے کا بھی امکان نہیں تو وہ مایوس ہو گئے۔ ارطبون بھی جو اجنادین سے شکست کھا کر بیت المقدس میں پناہ گزین ہو گیا تھا ایک رات خاموشی کے ساتھ مصر کی طرف فرار ہو گیا۔ اب اہلِ قدس نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں اور شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیں۔ لیکن انہیں اس سلسلہ میں ایک پریشانی تھی۔

انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں نے جن شہروں کو فتح کیا ہے وہاں کے باشندوں کے جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ نہ اُن کی جائدادوں اور عبادت گاہوں پر قبضہ کیا ہے۔ لیکن بیت المقدس مسلمانوں کے لئے بھی اسی طرح مقدس مقام تھا

جس طرح عیسائیوں کے نزدیک انبیاء سابقین کی بے شمار یادگاریں اور خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شبِ معراج کی منزل اوّل مسجدِ اقصیٰ ہی تھی۔ اس لئے عیسائیوں کو اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان اس مقدس مقام کی عیسائی زیارت گاہوں کو ان کے ہاتھ سے چھین نہ لیں۔ لہٰذا اہلِ قدس نے اسلامی سرداروں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر خلیفۃ المسلمین خود تشریف لا کر عہد نامہ صلح لکھیں اور اس پر اپنے دستخط ثبت فرمائیں تو ہم شہر کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں۔

خلیفۂ اسلام کا پہلا سفرِ شام

حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو عیسائیوں کی اس خواہش سے مطلع کیا اور لکھا کہ آپ کی تشریف آوری سے یہ مرحلہ بغیر کشت وخون کے انجام پا جائے گا۔

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بنا کر بیت المقدس کے ارادہ سے نکلے۔ مقامِ جابیہ پر پہنچے تو لشکرِ اسلام کے امراء نے خلیفہ کا استقبال کیا۔ پہلے یزید پھر حضرت ابوعبیدہؓ اور پھر خالدؓ بن ولید حاضرِ خدمت ہوئے۔ ان سب امراء نے دیباج کی قبائیں زیب بدن کر رکھی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے افسروں کی یہ شان دیکھ کر بہت غصہ آیا۔ آپ نے چند کنکریاں زمین سے اُٹھا کر اُن کی طرف پھینکیں اور پھر فرمایا۔

"تم لوگ دو ہی سال میں اس قدر بدل گئے؟ تم کیا لباس پہن کر میرے سامنے آ رہے ہو؟ آج سے دو سو سال بعد بھی اگر تم ایسا کرتے تو میں تمہیں معزول کر دیتا۔"

ان امراء نے عرض کیا یا امیرالمومنین یہ قبائیں ہم نے ہتھیاروں سے جسم کی حفاظت کے لئے استعمال کی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ بات ہے تو خیر![1]

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ صفحہ ۲۵۰۔

عہد نامہ صُلح | یہیں اہلِ قدس کے نمائندے خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صُلح کی درخواست کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ درخواست منظور کی اور حسبِ ذیل عہد نامہ اپنے دستخطوں سے لکھ کر اُن کو عطا فرمایا۔

"اللہ کے بندہ عمر امیر المومنین کی طرف سے اہل ایلیا (بیت المقدس) کو یہ امان نامہ دیا جاتا ہے۔ اہلِ ایلیا کی جان، مال، گرجوں، صلیبوں سب کو امان دی جاتی ہے۔ بیماروں اور تندرستوں اور سب مذہب کے لوگوں کو یہ امان شامل ہے۔ وعدہ کیا جاتا ہے کہ نہ اُن کے عبادت خانوں پر قبضہ کیا جائے گا نہ انہیں گرایا جائے گا۔ ان کے دینی معاملات میں کوئی مداخلت نہ کی جائے گی اور یوں بھی کسی کو کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ البتہ اُن کے پاس یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ اہلِ ایلیا، کا فرض ہے کہ وہ جزیہ ادا کرتے رہیں اور متحارب رومیوں کو اپنے شہر سے خارج کر دیں۔ جو رومی شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے وطن سلامتی کے ساتھ پہنچ جائے۔ اگر اہلِ ایلیاء میں سے کوئی رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو وہ بھی جا سکتا ہے لیکن اگر رومی بھی امن پسندانہ طور پر رہنا چاہیں تو انہیں بھی انہی شرائط کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے۔ اس امان نامہ کی اللہ اور اس کا رسول اور آپ کے خلفاء اور جملہ مومنین ذمہ داری لیتے ہیں[1]۔"

بیت المقدس میں داخلہ | اس عہد نامہ کی تکمیل کے بعد اہلِ قدس نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور حضرت عمرؓ

---

[1] اتمام الوفاء بحوالہ الطبری ص ۱۲۶۔

نے بیت المقدس کا قصد کیا۔

بیت المقدس کے سفر کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک ترکی گھوڑا پیش کیا گیا۔ آپ سوار ہوئے تو گھوڑا اٹکھیلی کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ اتر پڑے اور فرمانے لگے۔ کمبخت تو نے یہ غرور کی چال کہاں سے سیکھی؟ اور اپنے گھوڑے کو منگا کر اسی پر روانہ ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد کبھی آپ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔

حضرت عمرؓ رات کے وقت بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ میں حاضری دی اور محراب داؤد میں دو رکعت "تحیۃ المسجد" ادا کیں۔ پھر صبح کو اسی مقام پر جماعت کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔

آپ نے عیسائیوں کے مشہور گرجا کنیسہ قمامہ کی سیر کی۔ دوران سیر میں نماز کا وقت آگیا۔ بطریق نے جو آپ کے ساتھ تھا عرض کیا یہیں نماز پڑھ لیجئے۔ مگر آپ نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا اور باہر نکل کر سیڑھیوں پر تنہا نماز ادا کی۔ آپ نے بطریق سے کہا "اگر میں یہاں نماز پڑھ لیتا تو میرے بعد مسلمان اس کنیسہ کو تم سے چھین لیتے کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز پڑھی تھی"۔

پھر آپ نے بطریق کو اس مضمون کی ایک تحریر بھی لکھ کر دیدی کہ گرجا کی سیڑھیوں پر بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کی جائے اور نہ اذان دی جائے۔[۱]

مسجد عمرؓ کی تعمیر حضرت عمرؓ نے بطریق سے پوچھا میں ایک مسجد بنانا چاہتا ہوں کون سی جگہ اس کے لئے موزوں ہوگی؟ بطریق نے کہا "صخرہ" پر بنا لیجئے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب سے کلام فرمایا تھا۔ عیسائیوں نے اس مقام کو یہودیوں کی مخالفت کے جوش میں مزبلہ بنا رکھا تھا اور ہر قسم کی نجاست وہاں لاکر ڈالی جاتی تھی۔ جیسا کہ یہودیوں نے مقام صلیب مسیح کو عیسائیوں کی عداوت میں مزبلہ بنایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس جگہ کو صاف کرنے

---

[۱] محاضرات خضری ج ۲ ص ۹

کا حکم دیا اور خود بھی اپنی قباء کے دامن میں بھر بھر کر مٹی ڈھونا شروع کر دی۔ اس منظر کو دیکھ کر "کعب احبار" نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ تمام مسلمانوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ حضرت عمرؓ نے کعب سے پوچھا۔ یہ تکبیر کا کیا موقعہ تھا؟ کعب نے جواب دیا۔ یا امیر المومنین جو کچھ آج آپ کر رہے ہیں۔ اس کی ایک اسرائیلی پیغمبر آج سے پانچ سو برس قبل خبر دے چکے ہیں اور وہ ہماری مذہبی کتابوں میں موجود ہے۔

جب ملبہ صاف ہو گیا تو آپ نے کعب سے پوچھا مسجد کا مصلّٰی کس طرف کو بنایا جائے۔ کعب نے کہا "صخرہ کی طرف بنائیے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اے کعب! تم میں سے ابھی تک یہودیت کی خوبو نہیں گئی۔ جب تم نے صخرہ پر آکر اپنی جوتیاں اُتاری تھیں میں نے اسی وقت تمہارے اس جذبہ کو محسوس کر لیا تھا۔ کعب نے کہا یا امیر المؤمنین میرا مقصد یہ تھا کہ میرے پاؤں اس مقام کو مس کر کے برکت حاصل کریں تعظیم مقصود نہ تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مصلّٰی قبلہ کی طرف بنایا جائے۔ یہ مسجد "مسجد عمرؓ" کے نام سے مشہور ہے[۱]

بیت المقدس ہی کی شرائط پر "رملہ" بھی فتح ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے صوبہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ کا صدر مقام بیت المقدس قرار دیا۔ اور وہاں کا حاکم علقمہ بن مجزز کو مقرر فرمایا اور دوسرے حصہ کا رملہ اور وہاں کی حکومت علقمہ بن حکیم کے سپرد فرمائی۔ ان انتظامی امور کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ یہ واقعہ ۱۶ھ کا ہے۔

حمص پر رومیوں کا حملہ مسلمانوں کی ان شاندار فتوحات سے رومیوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور ہرقل کی دو عظیم رومی شہنشاہیت کا مشرقی بازو ٹوٹ گیا۔ ہرقل شام و فلسطین کی طرف سے بالکل ہی مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے پاس اہلِ جزیرہ کا پیغام پہنچا کہ اگر آپ مسلمانوں سے

---

[۱] اشہر مشاہیر اسلام ج ۲ ص ۲۵۲۔

آخری ٹکر لینے کی ہمت کریں تو ہم اپنی پوری طاقت کے ساتھ آپ کی مدد کے لئے حاضر ہیں۔

اہلِ جزیرہ کے اس پیغام نے ہرقل کے بجھے ہوئے دل میں پھر امید کی روشنی پیدا کردی اور اس نے منتشر رومی طاقت کو جمع کر کے بحری راستہ سے جمعیتِ کثیر کے ساتھ حمص کی طرف کوچ کیا۔ اہلِ جزیرہ بھی تیس ہزار کی تعداد میں قیصر کی امداد کے لئے پہنچ گئے۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح خود حمص میں مقیم تھے۔ انہوں نے قنسرین سے حضرت خالدؓ بن ولید کو بلا لیا اور لڑائی کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ مگر دوسرے سرداروں نے حضرت خالدؓ کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ دشمن کی تعداد بہت ہے جب تک ہمارے پاس مدد نہ پہنچ جائے۔ شہر بند ہو کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے دوسری رائے کو ترجیح دی اور شہر بند ہو کر بیٹھے۔ رومی لشکر نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

شام کے مختلف شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم تھیں۔ مگر اس موقعہ پر ان فوجوں کو ان مقامات سے ہٹانا خطرہ سے خالی نہ تھا اس لئے حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو حالات کی اطلاع دی اور دربارِ خلافت سے مدد چاہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن وقاص کو کوفہ میں حکم بھیجا کہ قعقاع بن عمرو کو ابو عبیدہ کی مدد کے لئے حمص بھیجو اور عیاض بن غنم کو دوسرے سردارانِ لشکر کے ساتھ اہلِ جزیرہ کی سرکوبی کے لئے جزیرہ روانہ کرو۔ پھر حضرت عمرؓ نے مناسب جمعیت کو ساتھ لے کر خود حمص کا ارادہ فرمایا۔ اہلِ جزیرہ کو جب معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر خود ان کے ملک میں گھس گیا ہے تو وہ رومیوں کو چھوڑ کر اپنے گھر کی خیر منانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ادھر جب رومیوں کو خبر ملی کہ خلیفۃ المسلمین بنفس نفیس اپنے سپہ سالار کی مدد کے لئے آ رہے ہیں تو ان

کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ اب حضرت ابو عبیدہؓ نے لشکرِ اسلام کے سامنے ایک پُرجوش تقریر کی اور اُنہیں شہر کے باہر نکل کر حملہ کا حکم دیا۔ لشکرِ اسلامی نے زور شور کے ساتھ حملہ کیا۔ رومی فوج بدحواس ہو کر بھاگی اور پھر اُس کے قدم نہ رُک سکے۔

قعقاع خود ایک سو کی جمعیت کے ساتھ آگے بڑھ کر حضرت ابو عبیدہؓ سے آملے تھے۔ مگر ان کا لشکر فتح کے تین دن بعد حمص پہنچا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ بھی مقام "سرغ" ہی پہنچے تھے کہ انہیں مسلمانوں کی فتح کی بشارت مل گئی۔ یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے۔

فتح جزیرہ "جزیرہ" فرات اور دجلہ کے درمیانی علاقہ کے شمالی حصہ کا نام ہے اس کے دو شہر تکریت اور موصل تو پہلے ہی فتح ہو چکے تھے۔ ان کی فتوحات کا ذکر عراق کی فتوحات کے سلسلہ میں آچکا ہے۔ حمص پر رومیوں کے حملہ میں جب اہلِ جزیرہ نے رومیوں کو مدد دی تو حضرت عمرؓ کے حکم سے سعد بن وقاص نے عیاض بن غنم کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا۔ حمص میں رومیوں کی ہزیمت کے بعد حضرت عمرؓ نے عیاض بن غنم کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوجیں جزیرہ میں پھیلا دیں اور غیر مفتوحہ علاقوں کو بھی فتح کر لیں۔

عیاض بن غنم نے میسرہ بن مسروق، سعید بن عامر، صفوان بن معطل کو ساتھ لے کر جزیرہ پر فوج کشی کر دی، رقہ، رہا، نصیبین، حران، سمیاط، سنجار، قرقیسیاء، سروج، جسر، منبج، آمد اور دوسرے شہر معمولی مقابلوں کے بعد فتح کر لئے گئے۔

عیاض بن غنم فتح کا پھریرا اُڑاتے ہوئے مغرب میں بادیہ شام اور مشرق میں آرمینیہ و کردستان تک پہنچ گئے۔ پھر وہ درب سے گذر کر تبلیس پہنچے۔ وہاں سے خلاط اور وہاں سے عین حامفہ پہنچ کر دم لیا۔

جزیرہ کی فتح کے بعد جزیرہ کے عربی، نصرانی سرداروں کا وفد حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ہم سے جزیہ نہ لیا جائے کیونکہ ہم اسے ذلت سمجھتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ اگر آپ ہم سے جزیہ وصول کرنے پر اصرار کریں گے تو ہم مُلک چھوڑ کر رومیوں کے علاقہ میں چلے جائیں گے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم رومیوں کے ملک میں داخل ہوئے تو میں قیصر روم کو لکھ کر تمہیں گرفتار کر کے بلوالوں گا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سفارش کر کے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ لوگ جزیہ سے دوگنی رقم ادا کریں اور اسے جزیہ نہ کہا جایا کرے۔ یہ واقعہ ۱۶ھ کا ہے۔

طاعون عِمواس ۱۷ھ کے آخر یا ۱۸ھ کے آغاز میں شام، عراق اور مصر میں سخت طاعون پھیلا۔ حضرت عمرؓ کو جب خبر پہنچی تو آپ خود تدبیر و انتظام کے لئے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام سرغ میں پہنچے تو امراء لشکر استقبال کے لئے حاضر ہوئے۔ امراء نے وباء کی شدت کی خبر دی اور عرض کیا یا امیرالمؤمنین آپ کا اس موقعہ پر تشریف لانا مناسب نہیں۔ آپ نے مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا۔ ان کی رائے میں اختلاف ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واپسی کی رائے کو ترجیح دی۔ مگر حضرت ابوعبیدہ بن جراح مسئلہ تقدیر میں بہت سخت تھے فرمانے لگے:-

”اے عمر! کیا تقدیرِ الٰہی سے بھاگتے ہو“

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

”ہاں تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں“

پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو الگ لے جا کر مسئلہ پر بحث کی۔ دوسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی آ گئے۔ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ:-

”جب تم سنو کہ کسی شہر میں یہ وباء ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب تم کسی شہر میں ہو اور وہاں یہ وباء پھیل پڑے تو اس کے خوف سے نہ بھاگو“

حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو سن کر اپنی رائے کی صحت پر خدا کا شکر ادا کیا اور وہاں سے مدینہ واپس ہو گئے۔

مدینہ پہنچ کر جب حضرت عمرؓ کو وباء کی ہلاکت آفرینی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو خط لکھا کہ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ کچھ دن کے لئے مدینہ آجاؤ۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب دیا۔ میں دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر تنہا مدینہ نہیں آسکتا۔ امیر المؤمنین کو مجھ سے جو کام ہے وہ مجھے معلوم ہے آپ اُس شخص کی زندگی چاہتے ہیں جو زندہ رہنے والا نہیں۔ مجھے آپ تعمیلِ حکم سے معافی دیں۔

آخر خود حضرت ابو عبیدہؓ بیمار ہوئے۔ جب مرض میں زیادتی ہوئی تو مسلمانوں کو اعمالِ حسنہ کی وصیت فرمائی۔ حضرت معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور پھر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے[1]

عمرو بن عاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ بلا انہی بلاؤں میں سے ہے اور بنی اسرائیل پر نازل ہوئی تھیں۔ لہٰذا یہاں سے بھاگ چلنا چاہیئے۔ حضرت معاذؓ نے سُنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ یہ وباء بلاء نہیں ہے بلکہ رحمتِ خداوندی ہے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ خطبہ کے بعد خیمہ میں پہنچے تو بیٹے کو بیمار پایا۔ فرمایا۔

یَا بُنَیَّ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ۔	اے بیٹا حق خدا ہی کی طرف سے ہے تو کسی شبہ میں نہ پڑنا"

بیٹے نے استقلال کے ساتھ جواب دیا۔

سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔	انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صابروں میں پائیں گے"

تھوڑی دیر بعد بیٹے نے انتقال کیا تو خود معاذؓ بیمار پڑ گئے اور بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ جان جاں آفریں کے سپرد کی۔

حضرت معاذؓ نے اپنے بعد عمرو بن عاص کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ عمرو بن عاص فوج کو لے کر پہاڑوں پر چلے گئے اور اسے جا بجا منتشر کر دیا۔ تب کہیں

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۱۰۸ بحوالہ ابن عساکر

اس وبا سے نجات ملی۔

حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص کی اس تدبیر کو پسند کیا۔ اس وباء نے شام میں اسلامی طاقت کو بے حد نقصان پہنچایا۔ بیس ہزار جانباز جو نصف دنیا کی فتح کے لئے کافی تھے رحمتِ خداوندی کی آغوش میں جا سوئے۔ ان میں حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح، حضرت معاذ بن جبل اور یزید بن ابی سفیان بڑے پایہ کی ہستیاں تھیں۔

رومی مسلمانوں کی اس مصیبت سے فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ اگر انھوں نے مفتوحین کے دلوں کو اپنی رواداری اور حسنِ انتظام سے فتح نہ کر لیا ہوتا۔

آخری سفرِ شام

جب وباء کا زور ختم ہو گیا تو شام کے انتظامات کو درست کرکے اور مرنے والوں کا سامان ان کے ورثاء میں تقسیم کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود شام کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایلیہ کے قریب پہنچے تو اپنا گھوڑا اپنے غلام کو دیدیا۔ اور خود اُس کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ لوگ پوچھتے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ تو فرماتے "تمہارے آگے" اسی شان سے آپ ایلیہ میں داخل ہوئے۔

شام پہنچ کر آپ نے سب سے پہلے مرنے والے کا سامان اُن کے ورثاء میں تقسیم کیا۔ ملک میں چکر لگا کر وہاں کے انتظامات درست کئے۔ شام کی سرحدوں پر فوجی دستے متعین کئے اور یزید بن ابی سفیان کی جگہ ان کے بھائی معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق کا عامل مقرر کیا۔

یہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی گئی کہ ایک دن حضرت بلال مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان دلوا دیجئے۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی تو سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو یاد کرکے رو پڑے اور اس قدر روئے کہ داڑھیاں تر ہو گئیں۔

قحطِ عظیم اگلے سال حجاز میں زبردست قحط پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر مصیبت زدوں کی امداد کا انتظام نہایت عمدہ طریقہ پر کیا۔ ممالک مفتوحہ سے کھانے پینے کا سامان بتعداد کثیر منگایا اور ضرورتمندوں کو تقسیم کیا۔ امیر شام نے چار سو اونٹ غذا کے بھیجے۔ عمرو بن عاص نے جو اس وقت مصر کو فتح کر چکے تھے۔ اتنا بڑا قافلہ بھیجا جس کا ایک سرا مصر میں تھا تو دوسرا سرا مدینہ منورہ میں تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی تھی کہ جب تک یہ قحط دور نہ ہو جائے گا وہ گھی اور شہد (جو دستر خوانِ خلافت کی بہترین غذائیں تھیں) استعمال نہ کریں گے۔ آپ روٹی زیتون کے تیل کے ساتھ استعمال کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کے پیٹ میں گڑبڑ ہو گئی۔ ایک دن آپ کا غلام یہ حالت دیکھ کر بازار سے کچھ گھی اور شہد خرید لایا اور عرض کیا یا امیرالمومنین! اپنی قسم کا کفارہ دے دیجئے اور اسے استعمال کر لیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ جب تک میں خود تکلیف نہ اٹھاؤں دوسروں کی تکالیف کا اندازہ کیسے کر سکتا ہوں؟ پھر آپ نے اس گھی اور شہد کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا۔[۱]

حقیقت یہ ہے کہ ان مصائب کی بارشوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انتظامی قابلیت کے جوہر نمایاں کر دیئے اور یہ بات ثابت کر دی کہ آپ ایک عظیم الشان فاتح ہی نہ تھے بلکہ بہترین مدبر و منتظم بھی تھے۔

فتح مصر

عمرو بن عاص مصر کی فتح کے بہت خواہشمند تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ

---

[۱] اشہر مشاہیر الاسلام صہ ۲۷۱، صہ ۳۶۲۔

مصر کی سیر کر چکے تھے۔ یہاں کی سرسبزی و شادابی، دولت و ثروت کے مناظر ان کی آنکھوں میں پھر رہے تھے اور اس کی فتح کا شوق اُن کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔

۱۸ھ میں طاعونِ عمواس کے بعد حضرت عمرؓ شام تشریف لائے تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے مصر پر حملہ کی اجازت چاہی۔

اسلامی فوجیں اس زمانہ میں شام، جزیرہ اور فارس کے دور دراز علاقوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر طاعون عمواس سے اسلامی طاقت کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے تامل کیا۔ لیکن جب عمرو بن عاص برابر اصرار ہی کئے گئے تو آخر انہیں مصر پر حملہ کی اجازت دے دی اور چار ہزار سپاہی ان کے ساتھ کر دیئے۔ پھر بھی حضرت عمرؓ نے اپنی رائے میں تبدیلی کا حق اپنے لئے محفوظ رکھا اور فرما دیا کہ مصر کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے پہلے اگر میرا امتناعی حکم تمہیں پہنچ جائے تو بے تامل واپس ہو جانا۔

عمرو بن عاص ابھی مصر کی حدود میں نہ پہنچے تھے کہ انہیں حضرت عمرؓ کا امتناعی خط مل گیا۔ مگر وہ اس فتح کے اس قدر شوقین تھے کہ انہوں نے اس خط کو اس وقت تک کھول کر نہ دیکھا جب تک کہ وہ حدودِ مصر میں داخل نہ ہو گئے۔

"مصر" سیاسی اعتبار سے سلطنتِ روم کے ماتحت تھا۔ وہاں کا حاکم مقوقس جو قبطیوں کا دینی و دنیوی سردار تھا شہنشاہِ روم کا باجگزار تھا۔ مصر میں رومی مفاد کی حفاظت کے لئے قیصر کی طرف سے ایک رومی افسر بھی رہتا تھا اور اس افسر کے ماتحت قصر شمع اور اسکندریہ میں کثیر التعداد رومی فوج بھی رہتی تھی۔

ابتدائی فتوحات مصر میں مسلمانوں کا رومیوں سے پہلا مقابلہ مقام فرماء میں ہوا۔ ایک مہینہ تک وہاں لڑائی جاری رہی۔ آخر کار رومیوں نے شکست کھائی اور مسلمان "قواصر" کی طرف بڑھے۔ یہاں معمولی مقابلہ کے بعد فتح حاصل ہوئی۔ پھر مسلمان "بلبیس" پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ بلبیس میں مقوقس کی بیٹی ارمانوسہ مقیم تھیں۔ مقوقس نے اس کی شادی قسطنطین بن ہرقل

سے کردی تھی۔ اور یہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ رخصت ہو کر قیساریہ جا رہی تھی۔ مسلمانوں نے جب بلبیس کو فتح کیا تو ارمانوسہ بھی گرفتار ہو گئی۔ مگر عمرو بن عاص نے ارمانوسہ کو معہ اُس کے تمام سامانِ جہیز کے حفاظت کے ساتھ مقوقس کے پاس روانہ کر دیا۔ مقوقس کے دل میں عمرو بن عاص کے اس کریمانہ طرزِ عمل سے بڑی گنجائش پیدا ہو گئی [1]

فتح قصرِ شمع

بلبیس سے مسلمان بابِ لیون کی طرف بڑھے۔ مصر قدیم (فسطاط) کے محلِ وقوع پر نیل کے مشرقی کنارے یہ ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اسی کا دوسرا نام قصرِ شمع ہے۔ اس کے مقابل میں نیل کے کنارے پر مصر کا قدیم دارالسلطنت "منف" تھا۔ قصرِ شمع میں رومی سپہ سالار "اعیرج" معہ اپنی فوج کے مقیم تھا اور "منف" مقوقس شاہِ مصر کا جائے قیام تھا۔

مسلمان عرصہ تک بابِ لیون کا محاصرہ کئے رہے مگر فتح کی صورت نظر نہ آئی۔ آخر عمرو بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدد کے لئے لکھا۔ حضرت عمرؓ نے بارہ ہزار فوج اُن کی مدد کے لئے روانہ کی۔ اس فوج کے سرداروں میں حضرت زبیرؓ بن عوام، مقداد بن عمرو، عبادہ بن صامت اور مسلمہ بن مخلد جیسے جانباز بھی شامل تھے۔ بقول حضرت عمرؓ ان چاروں میں سے ہر ایک ایک ہزار آدمیوں کے برابر تھا۔ اس مدد کے پہنچنے کے بعد مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ عمرو بن عاص نے منجنیق لگا کر قلعہ پر سنگ باری شروع کر دی۔

حضرت زبیرؓ بڑے جری آدمی تھے وہ سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ دوسرے مسلمان بھی ان کے بعد فصیل پر چڑھ گئے اور ان سب نے مل کر بلند آواز سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ رومیوں نے جب قلعہ کے بُرج میں سے تکبیر کی آواز سُنی تو بدحواس ہو گئے۔ انھوں نے پہلے ہی قلعہ کی پُشت پر

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام بحوالہ واقدی ج ۳ صفحہ ۵

دریائے نیل میں کشتیوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ ان کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر جزیرہ روضہ کی طرف فرار ہو گئے۔

بابِ لیون (قصر شمع) کی فتح کے بعد منف مقوقس کا پایۂ تخت مسلمانوں کی تلوار کی زد پر تھا۔ مقوقس نے مسلمانوں کے مقابلہ میں رومیوں کی ہزیمت اپنی آنکھ سے دیکھی تھی۔ پھر وہ اپنی بیٹی کی واپسی کی وجہ سے یوں بھی مسلمانوں کا مرہونِ منّت تھا۔ اس نے اپنے سرداروں سے مشورہ کے بعد عمرو بن عاص کے پاس مصالحت کے لئے سفیر روانہ کئے۔ عمرو بن عاص نے مقوقس کے سفیروں کو دُور دُور تک مقیم رکھا تاکہ وہ مسلمانوں کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور پھر مناسب جواب دے کر انہیں رخصت کر دیا۔

مقوقس کے سفراء جب اُس کے پاس واپس پہنچے تو اُس نے اُن سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے جواب دیا۔

"اے بادشاہ! مسلمان ایک ایسی قوم ہیں جنہیں موت زندگی سے زیادہ پیاری ہے جنہیں تواضع تکبّر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ان میں سے کوئی شخص دُنیا اور متاعِ دُنیا کا حریص نہیں۔ وہ زمین پر بیٹھنے میں عار نہیں سمجھتے اور بغیر دسترخوان کے کھانا کھا لیتے ہیں۔ ان کا سردار بھی ان ہی جیسا ہے کسی بات میں ان سے ممتاز نہیں۔ اعلیٰ و ادنیٰ اور آقا و غلام کی ان میں تمیز نہیں ہوتی۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو سب وضو کر کے ایک قطار میں خشوع و خضوع کے ساتھ خداوند قدوس کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں"۔

مقوقس نے جب مسلمانوں کے یہ اوصاف سُنے تو اس نے اپنی قوم سے کہا :-

"اے قوم! یہ جماعت اگر پہاڑوں سے بھی ٹکرائے گی تو انہیں بھی اپنی جگہ سے ہلا دے گی خیریت اسی میں ہے کہ ہم اس سے پہلے کہ یہ ہم پر حملہ کریں ان سے صلح کر لیں"۔

چنانچہ اس کے بعد مقوقس نے خود اسلامی سپہ سالار عمرو بن عاص سے ملاقات کی درخواست کی اور مسلمانوں اور قبطیوں میں ان شرائط پر صلح ہو گئی۔

"ہر بالغ مرد کی طرف سے سالانہ دو دینار ادا کیے جائیں گے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اسلامی فوجیں دورانِ جنگ میں جس علاقہ سے گزریں گی قبطی ان کی مدد اور ان کے لئے رسد کا انتظام کریں گے۔ مسلمانوں کو قبطیوں کی زمین اور مال و دولت سے سروکار نہ ہوگا۔ مصر کے رومیوں کو حق ہوگا کہ خواہ وہ قبطیوں کی شرائط پر مصر میں رہنا قبول کریں یا اپنے ملک کو واپس لوٹ جائیں"۔ [1]

قیصر روم کو جب مقوقس کے اس معاہدہ کی خبر پہنچی تو وہ بہت برافروختہ ہوا۔ اس نے مقوقس کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ فوراً اس معاہدہ کو منسوخ کر دے اور رومی افسروں کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ لیکن مقوقس نے قیصر کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسیحی مؤرخین کی تصریح کے مطابق مصر کے قبطی مشرقی کلیسا کے مظالم سے تنگ تھے اور وہ قیصر روم کی سیادت کو پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق کا بھی مشاہدہ کر لیا تھا اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ مفتوحین کے دینی و معاشرتی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شام و ایران کے میدانوں میں انہوں نے قیصر و کسریٰ کے اقتدار کی بساط اپنی تلوار کی نوکوں سے الٹ دی ہے اور مصر کی رومی طاقت ان کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی۔ ان حالات میں قدرتی طور پر ان کا ایک ہی فیصلہ ہو سکتا تھا اور وہ یہ کہ قیصر روم کی غلامی کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکیں اور مسلمانوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

---

[1] اشہر المشاہیر ج ۳ صفحہ ۵۸۱ - ۵۸۲ بحوالہ مقریزی۔

دیگر فتوحات اس کے بعد عمرو بن عاص نے عبداللہ بن حذافہ سہمی، خارجہ بن حذافہ عدوی، عمیر بن وہب جمحی اور عقبہ بن عامر جہنی کو مختلف اطراف میں روانہ کیا۔ ان علاقوں میں رومی دستوں نے جابجا مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ مگر قبطیوں نے شرائط صلح کے مطابق مسلمانوں کی پوری مدد کی۔ چنانچہ عین شمس، فیوم، اشمونین، اخیم، بشرودات، قریٰ صعید، تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا دقہلہ، بنا، بوصیر اور دوسرے مقامات معمولی مقابلہ کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔

فتح اسکندریہ ہم بتا چکے ہیں کہ اسکندریہ مصر میں رومی طاقت کا مرکز تھا اور چونکہ وہ ساحل بحر پر واقع ہے اس لئے وہاں بحری راستہ سے بآسانی رومیوں کو مدد پہنچ سکتی تھی۔ جب قیصر کو مسلمانوں کی پیش قدمی کا حال معلوم ہوا تو اس نے بہت بڑی فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اسکندریہ میں اُتار دی۔

عمرو بن عاص بھی اسلامی فوج کو لے کر اسکندریہ کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اسکندریہ میں رومیوں کے متعدد مضبوط قلعے تھے۔ رومی ان میں مضبوطی کے ساتھ جمے بیٹھے رہے اور انہیں دریا کی طرف سے سامانِ رسد پہنچتا رہا۔ اس لئے عرصہ تک مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کافی انتظار کے باوجود جب اسکندریہ کی فتح کی خبر نہ پہنچی تو آپ نے فرمایا "معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ پر عمل کرنے میں کچھ مداہنت برتی ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ حق کے مقابلہ میں باطل اتنی مدت ٹھہر سکے۔ پھر آپ نے عمرو بن عاص کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں آپ نے انہیں فتح میں اس قدر تاخیر پر تنبیہ کی اور لکھا۔

"مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اعمال و اخلاق کو کتاب و سنت کے بتائے ہوئے نمونہ پر قائم نہیں رکھا ہے اور حکم دیا کہ وہ سب مسلمانوں کو جمع کر کے انہیں اس غلطی پر متنبہ کریں اور انہیں تیغ زنی، مصائب انگیزی،

اور نیک نیتی کی ترغیب دیں اور زبیرؓ، مقدادؓ، مسلمہؓ اور عبادہؓ کو آگے
رکھ کر دشمنوں سے ایک فیصلہ کن ٹکر لیں۔"

حضرت عمرؓ کا یہ فرمان پہنچا تو عمرو بن عاص نے اسے مسلمانوں کے مجمع میں پڑھ کر سُنایا اور ان کے حکم کی تعمیل کی۔ آخر چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد اسکندریہ فتح ہو گیا۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے اسکندریہ کی حفاظت کے لئے ایک فوج متعین کی۔ اور خود قصرِ شمع کی طرف لوٹ آئے۔

قاصدِ فتح، مدینہ میں

اسکندریہ کی فتح کی بشارت دے کر عمرو بن عاص نے معاویہ بن خدیج کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔ معاویہ اپنی اونٹنی کو تیز دوڑاتے ہوئے دوپہر کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اُنہوں نے خیال کیا کہ یہ دوپہر کا وقت ہے امیر المومنین آرام فرما رہے ہوں گے۔ اس وقت انہیں تکلیف دینا مناسب نہیں اور مسجد نبوی میں آ کر بیٹھ گئے۔ اتفاقاً حضرت عمرؓ کی لونڈی اِدھر آ نکلی۔ اسے معلوم ہُوا کہ فتح اسکندریہ کی خبر لے کر آئے ہیں تو بھاگی ہوئی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی۔ حضرت عمرؓ نے فوراً بلوا بھیجا۔ فتح اسکندریہ کے حالات سُنے اور بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔

دستور کے مطابق حضرت عمرؓ نے اعلان کرایا کہ "الصلوٰۃ جامعۃ"، تمام مدینہ والے مسجدِ نبویؐ میں اُمنڈ آئے اور معاویہؓ کی زبانی فتح اسکندریہ کے حالات سُنے۔ اس کے بعد حضرت عمر معاویہؓ کو اپنے ساتھ اپنے گھر لائے اور لونڈی کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ لونڈی نے روٹی اور روغنِ زیتون سامنے لا کر رکھا۔ کھانا کھاتے ہُوئے حضرت عمرؓ نے معاویہؓ سے پُوچھا۔ تم مسجدِ نبویؐ میں کیوں جا بیٹھے تھے؟ معاویہ نے کہا یا امیر المومنین! مَیں نے سمجھا کہ دوپہر کا وقت ہے آپ آرام فرما رہے ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"افسوس! تمہارا یہ خیال ہے؟ مَیں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا"۔

آبادئ فسطاط عمرو بن عاص جب "قصرِ شمع" میں لوٹ آئے تو حضرت عمرؓ کے مشورہ سے انھوں نے نیل کے مشرقی کنارے منفت کے بالمقابل ایک شہر کی بنیاد ڈالی۔ اس شہر کا نام فسطاط رکھا گیا۔ فسطاط عربی میں خیمہ کو کہتے ہیں اور یہی وہ مقام تھا جہاں قصرِ شمع کے محاصرہ کے زمانے میں عمرو بن عاص کا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ معاویہ بن خدیج، شریک بن سمی، عمرو بن قحزم اور حیویل بن ناشرہ کو شہر کی تخطیط اور محلوں کی تقسیم پر مامور کیا گیا۔ ہر ہر قبیلے کے لئے جدا جدا محلّے بسائے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق شہر کے بیچوں بیچ ایک عالی شان جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ یہ مسجد پچاس گز چوڑی اور پچاس گز لمبی تھی۔ اس کے تین دروازے تھے جن میں سے ایک دارالحکومت کے بالمقابل تھا۔

حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں یہ مسجد ناکافی ثابت ہوئی اور اس میں توسیع کی گئی اس کے فرش کو پختہ کیا گیا اور چھت پر نقش و نگار بنائے گئے۔ اذان دینے کے لئے چار ماذنے بھی اضافہ ہوئے۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں اس میں مزید توسیع کی گئی۔ یہ مسجد عمرو بن عاص کی طرف منسوب ہو کر "جامع عمرو" کہلائی۔ مصر میں اس زمانے میں بھی رمضان کے آخر جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی جاتی ہے۔

فسطاط مصر کی اسلامی حکومت کا صدر مقام قرار پایا اور اس شہر نے شان و شوکت کے اعتبار سے بڑی ترقی کی۔ جب بنی فاطمہ کے زمانے میں اس کے قریب قاہرہ کی بنا ڈالی گئی تو اس کی وہ حیثیت باقی نہ رہی۔

عروسۂ نیل عمرو بن عاص نے جب مصر کو فتح کیا تو وہاں قدیم ایام سے ایک دستور جاری تھا۔ ہر سال بونہ (قبطی مہینہ) کی بارہ تاریخ کو قبطی ایک کنواری لڑکی کو دلہن بنا کر دریائے نیل میں ڈال دیتے تھے اور اس دن کو عید قرار دے کر بڑی خوشی مناتے تھے۔ دوسری بت پرست قوموں کی طرح وہ بھی دریائے نیل کو دیوتا مانتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اگر دریائے نیل کو لڑکی کی بھینٹ نہ چڑھائی جائے تو

وہ ناراض ہو جائے گا اور پانی نہ دے گا۔

عمرو بن عاص کے پاس قبطیوں کا ایک وفد آیا۔ انہوں نے اس رسم پر عمل کرنے کی اجازت طلب کی۔ عمرو بن عاص نے اس "خونِ ناحق" کو جائز نہ رکھا اور قبطیوں سے کہہ دیا کہ "اسلام نے ان خرافات کو باطل کر دیا ہے"۔

کچھ ایسا اتفاق ہُوا کہ دریائے نیل نے پانی نہ دیا۔ اور اہلِ مصر کو زراعت میں مشکلات پیدا ہو گئیں حتیٰ کہ بعض قبیلوں نے جن کا دارومدار ہی زراعت پر تھا ترکِ وطن کا ارادہ کر لیا۔ عمروؓ بن عاص نے تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجے اور ان سے ہدایت طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص کو جواب دیا کہ تم نے قبطیوں سے جو کچھ کہا بالکل درست کہا۔ میں تمہیں ایک خط بھیجتا ہوں اسے دریائے نیل میں ڈال دینا۔ حضرت عمرؓ کے خط کا مضمون یہ تھا:۔

"اللہ کے بندہ اور مسلمانوں کے امیر کی طرف سے نیل مصر کے نام۔ اما بعد اے نیل اگر تُو اپنے اختیار سے بہتا ہے تو نہ بہہ۔ لیکن اگر تیری روانی کا سررشتہ خداوند قہار کے ہاتھ میں ہے تو ہم خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا گیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہُوا کہ اس سال دریائے نیل میں اس قدر پانی آیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔[1]

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۳ صفحہ ۶۰۹۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۰۰۔ افسوس کہ یہ مشرکانہ رسم تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ مصر میں پھر جاری ہو گئی ہے۔ علامہ رفیق بک کی تصریح کے ساتھ "یوم فتح خلیج" کے نام نام سے ہر سال ایک تہوار منایا جاتا ہے۔ اسی دن مٹی کی بنی ہوئی ایک گڑیا جسے عروسہ نیل "نیل کی دلہن" کہتے ہیں دریا میں ڈالی جاتی ہے اور بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ خود توحید کے نام لیوا اس رسم میں شریک ہو کر کفر کے جھنڈے بلند کرتے ہیں۔

فتح برقہ

"مصر کی فتوحات اور انتظام سے فارغ ہونے کے بعد عمرو بن عاص برقہ" کی طرف بڑھے۔ برقہ، مصر اور طرابلس الغرب کے درمیان واقع ہے اور اس کا قدیم نام انطابلس ہے "بن غازی" اسی کی مشہور بندرگاہ ہے۔ اہلِ برقہ نے جزیہ پر صلح کرلی۔ اس کے بعد عمرو بن عاص طرابلس الغرب کی طرف بڑھے۔ یہاں مقابلہ کی صورت پیش آئی اور آخرکار مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

طرابلس پر قابض ہونے کے بعد عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کو لکھا :-

"ہم طرابلس پہنچ گئے ہیں۔ طرابلس اور افریقیہ (تونس) کے درمیان نو دن کا راستہ ہے۔ اگر امیر المومنین اجازت دیں تو اسے بھی فتح کرلیا جائے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص کو آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی انہوں نے عقبہ بن نافع فہری کو برقہ کا والی مقرر کیا اور مصر کی طرف لوٹ آئے۔

یہ واقعہ ۲۳ھ کا ہے [۱]

شہادتِ عمر رضی اللہ عنہ

مدینہ منورہ میں مغیرہ بن شعبہ کا ایک ایرانی غلام "ابولؤلؤہ" رہتا تھا۔ ایک دن وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے آقا نے مجھ پر بہت زیادہ محصول لگا رکھا ہے۔ آپ اسے کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا محصول ہے؟ ابولؤلؤہ نے کہا دو درہم روزانہ۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم پیشہ کیا کرتے ہو؟ ابولؤلؤہ نے کہا "نجاری، نقاشی اور آہنگری"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو تمہارے لئے تو یہ کچھ زیادہ محصول نہیں ہے۔ غلام اس جواب سے ناراض ہوا اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ اچھا سمجھوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے ایک غلام نے ڈانٹ دیا"۔ اور یہ کہہ کر خاموش ہو رہے۔

دوسرے روز صبح کو حضرت عمرؓ نماز کے لئے مسجدِ نبوی میں تشریف لائے۔

---

[۱] اشہر مشاہیر اسلام ج ۲ ص ۳۹۸

ابو لؤلؤہ زہر آلود خنجر چھپائے پہلے ہی تاک میں کھڑا تھا۔ جوں ہی آپ نے تکبیر کہی اس نے شانہ اور ناف پر چھ وار کئے۔ آس پاس کے لوگ اُسے پکڑنے کے لئے بھاگے اس نے اُنہیں بھی زخمی کیا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ نجات کی کوئی صُورت نہیں تو اپنے بھی خنجر مار کر خودکشی کر لی ۔

زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو نماز کی امامت کی ہدایت کی۔ انہوں نے جلدی جلدی نماز پوری کی۔ حضرت عمرؓ اس دوران میں زمین پر پڑے رہے۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت عمرؓ کو ان کے گھر لایا گیا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا۔ یہ تو بتاؤ میرا قاتل کون ہے؟ جواب دیا گیا۔ ابولؤلؤہ! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے خُون سے کسی مسلمان کے ہاتھ رنگین نہیں ہُوئے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاج کے لئے ایک طبیب کو جو انصار میں سے تھے بلایا گیا۔ اُنہوں نے آپ کو قوت کے لئے دُودھ پلایا۔ وہ دودھ جُوں کا تُوں زخم کی راہ باہر نکل آیا۔ یہ حال دیکھ کر طبیب نے کہا۔ اے امیرالمؤمنین اپنا قائم مقام منتخب فرمالیجئے (یعنی آخر وقت قریب ہے) یہ الفاظ سُن کر پاس کھڑے ہُوئے لوگ رونے لگے۔ آپ نے فرمایا جو رونا ہو وہ میرے پاس سے چلا جائے تم نے سُنا نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

"میّت کے اعزّہ کے رونے کے سبب میّت کو عذاب دیا جاتا ہے"[۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ دُنیا سے رخصت کا وقت قریب ہے تو آپ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے کہا ۔

"بیٹا ام المؤمنین عائشہؓ کے پاس جاؤ اور اُن سے کہنا کہ عُمرؓ سلام کہتا ہے دیکھو امیرالمؤمنین نہ کہنا کیونکہ اب میں امیرالمؤمنین نہیں ہوں اور میری عرض کرنا

---

[۱] مناقب عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ۔

"عمر چاہتا ہے کہ آپ کے حجرہ میں اس کے دو محترم رفیقوں کے برابر اُس کو جگہ دے دی جائے"

عبداللہ بن عمر پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی رو رہی تھیں انہوں نے حضرت عمرؓ کا پیغام پہنچایا تو بولیں۔

"میں اس جگہ کو اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن میں انہیں اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں"

عبداللہ بن عمر واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ مجھے بٹھاؤ۔ چنانچہ آپ کو سہارا لگا کر بٹھا دیا گیا۔ پھر آپ نے بیٹے سے پوچھا کہو کیا جواب لائے۔ عبداللہ نے کہا آپ کی خواہش پوری ہو گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا۔ الحمدللہ! میری سب سے بڑی آرزو یہی تھی۔ پھر صاحب زادے سے فرمایا۔ دیکھو جب میرا جنازہ لے کر حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر پہنچو تو پھر سلام عرض کرنا اور کہنا کہ "عمرؓ اجازت چاہتا ہے" اگر اجازت دیں تو وہاں دفن کر دینا ورنہ گورِ غریباں میں سپردِ خاک کر دینا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ عائشہ صدیقہ کی اجازت بطیب خاطر ہونی چاہیئے کسی اثر، تکلف اور مدارات کو اس میں دخل نہ ہو۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وفات کی قریب خوفِ الٰہی سے رونے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا یا امیرالمومنین آپ کو بشارت ہو۔ جب رسول اکرمؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ آپ سے راضی تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ آپ سے راضی تھے اور اب آپ دنیا سے سدھار رہے ہیں تو سب مسلمان آپ سے راضی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ واللہ! تم مجھے دھوکہ میں ڈالنا چاہتے ہو۔ قسم خدا کی میں پیش آنے والی منزل کے خطرات

---

[1] اسد الغابہ [2]

سے اس درجہ ڈر رہا ہوں کہ اگر مشرق و مغرب کے خزانے میرے پاس ہوں اور انہیں فدیہ میں دے کر جان چھڑا سکوں تو میں اس سودے کو ارزاں سمجھوں گا۔[1]

عالم نزع میں آپ نے عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا۔ بیٹا میری پیشانی زمین سے لگا دو۔ عبداللہ نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ زمین پر سر رکھ کر فرمانے لگے۔ اے اللہ! مجھے اپنی مغفرت سے ڈھانپ لے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو افسوس مجھ پر اور افسوس میری ماں پر جس کے بطن سے میں پیدا ہوا۔ اس کے بعد جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ کو بدھ کی رات میں واقع ہوئی اور دوسرے دن صبح کو دفن ہوئے۔ آپ کی عمر اپنے دونوں محترم رفقاء کی طرح ۶۳ سال کی ہوئی۔ آپ کی مدتِ خلافت دس سال چھ مہینے چار دن ہے۔

خاندانِ عمر فاروقؓ

قبل اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زینب بنت مظعون سے جو خاندان بنی جمح سے تھیں شادی کی۔ ان کے بطن سے عبداللہ، عبدالرحمٰن اکبر اور ام المومنین حفصہؓ پیدا ہوئیں۔ یہ بیوی مسلمان ہوئی تھیں۔ قبل اسلام ہی ملیکہ بنت جرول خزاعیہ اور قریبہ بنت ابی امیہ مخزومیہ سے شادی کی۔ لیکن ان دونوں کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے طلاق دے دی۔ ملیکہ کے بطن سے عبیداللہ پیدا ہوئے۔ پھر مدینہ میں ام حکیم بنت حارث بن ہشام مخزومیہ سے شادی کی۔ ان سے فاطمہ پیدا ہوئیں۔ جمیلہ بنت قیس انصاریہ سے شادی کی۔ ان سے عاصم پیدا ہوئے ان کو بھی آپ نے طلاق دے دی تھی۔ ام کلثوم بنت علیؓ سے شادی کی! ان سے زید اور رقیہ عام پیدا ہوئے پیدا ہوئے۔ لہیہ مینیہ سے شادی کی ان سے عبدالرحمٰن اصغر پیدا ہوئے پھر عاتکہ

---

[1] عقد الفرید۔

بنت زید سے شادی کی ۔ جن صاحبزادوں سے سلسلۂ اولاد چلا وہ عبداللہ، عبیداللہ اور عاصم ہیں ۔

عمّالِ عمرؓ | ۲۳ھ میں جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی آپ کی طرف سے حسبِ ذیل عامل مقرر تھے :-

مکّہ : نافع بن ابوالحارث خزاعی
طائف : سفیان بن عبداللہ ثقفی
کوفہ : مغیرہ بن شعبہ
بصرہ : ابوموسیٰ اشعری
مصر : عمرو بن عاص
دمشق : معاویہ بن ابی سفیان
حمص : عمیر بن سعد
بحرین : عثمان بن ابی عاص

آپ کے کاتب زید بن ثابت اور معیقیب تھے ۔ بیت المال کے نگران عبداللہ بن ارقم اور آپ کے حاجب آپ کے غلام یرفاء ۔



عہدِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ

وصیتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی سے مایوسی ہو گئی تو بعض صحابہ نے آپ سے عرض کیا۔ آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد فرما دیں تو اچھا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اگر میں کسی کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کروں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا۔ اور اگر کسی کو نامزد نہ کروں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔ پھر فرمایا اگر آج ابوعبیدہ ابن جراح زندہ ہوتے تو میں انہیں اپنا قائم مقام تجویز کرتا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس وقت اُمت کے امین ہیں"

یا ابو حذیفہ کے غلام سالم زندہ ہوتے تو یہ ذمہ داری میں اُن کے سپرد کرتا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "سالم عشق خداوندی کا پیمانہ ہے"۔ کسی نے کہا اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنا دیجئے۔ وہ اپنی دینداری علم و فضل اور قدامتِ اسلام کے لحاظ سے ہر طرح موزوں ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ خاندانِ خطاب میں سے ایک ہی شخص امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کا حساب دینے کے لئے کافی ہے۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ اس محاسبہ سے برابر سرابر بھی چھوٹ جائے تو وہ اسی کو غنیمت سمجھے"

صحابہ اس وقت تو خاموش ہو گئے۔ پھر دوسرے وقت اس بحث کو چھیڑا۔ آپ نے فرمایا زندگی بھر جو بار مجھ پر رہا میں مرنے کے بعد بھی اس کی

ذمہ داری قبول کرنا نہیں چاہتا۔ یہ چھ شخص ہیں جن کے جنتی ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ علیؓ، عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص، زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبیداللہ۔ ان کو میں اختیار دیتا ہوں کہ جمع ہو کر اپنی جماعت میں سے کسی ایک کو امیر چن لیں۔

پھر آپ نے مقداد بن اسود کو بلا کر فرمایا۔ جب میری تدفین سے فراغت ہو تو ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کرنا اور ان سے کہنا کہ اپنی جماعت میں سے تین دن کے اندر اندر کسی کو امیر مقرر کر لیں۔ اگر متفقہ طور پر فیصلہ نہ ہو سکے تو جس کی طرف کثرت رائے ہو وہ امیر منتخب ہو گا۔ اگر دونوں طرف رائیں برابر ہوں تو عبداللہؓ بن عمر کو حاکم بنایا جائے۔ لیکن انہیں خود خلیفہ بننے کا حق نہ ہو گا۔ اگر عبداللہ کو حاکم بنانا پسند نہ کریں تو جس طرف عبدالرحمٰن ہوں گے وہ رائے قابلِ قبول ہو گی۔ جو شخص اس جماعت کے فیصلہ سے اختلاف کرے اور اُمت میں نزاع پیدا کرنا چاہے اُس کی گردن اُڑا دینا

انتخابِ خلافت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق مقداد نے اس "جماعتِ شوریٰ" کو مسور بن مخرمہ کے مکان میں جمع کیا۔ حضرت طلحہؓ چونکہ پہلے ہی سے باہر گئے ہوئے تھے اس لئے شریک نہ تھے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ اگر یہ تین دن کے اندر آ جائیں تو شریکِ مشورہ ہو جائیں ورنہ خیر۔

کچھ دیر تک آپس میں گفتگو ہوتی رہی۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن نے کہا جو شخص خلافت سے دستبردار ہونا قبول کرے اُسے یہ حق ہو گا کہ وہ کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لے۔ بتاؤ کون اس کے لئے تیار ہے؟ اس سوال کے جواب میں جب سب لوگ خاموش رہے تو حضرت عبدالرحمٰن نے کہا میں خود اس کے لئے تیار ہوں حضرت علیؓ کے سوا باقی سب نے کہا کہ ہم اپنا حقِ انتخاب تمہارے حوالہ کرتے ہیں تم جسے چاہو خلیفہ نامزد کر دو۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے

ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ اگر تم وعدہ کرو کہ انصاف کرو گے کسی عزیز کی پاسداری نہ کرو گے اور امت کی بہی خواہی کا خیال رکھو گے تو میں بھی تمہارے فیصلہ پر راضی ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کسی عزیز کو قرابت کی وجہ سے ترجیح نہ دوں گا اور مسلمانوں کی بہتری ہر حال میں ملحوظ رہے گی۔ اس فیصلہ کے بعد خلیفہ کے انتخاب کا بار حضرت عبدالرحمٰن کی گردن پر آ پڑا۔

حضرت عبدالرحمٰن کو اپنی اس اہم ذمہ داری کا پورا احساس تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے تمام اکابر صحابہ، امراء لشکر اور حکام بلاد، مدینہ منورہ میں جمع تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن رات کی تاریکی میں چادر اوڑھ کر ایک ایک کے پاس جاتے اور اس کی آزادانہ رائے حاصل کرتے۔ بجز بنی ہاشم کے جو حضرت علیؓ کے طرفدار تھے سب کی ایک ہی رائے تھی اور وہ یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا جائے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ اگر یہ منصب آپ کو نہ حاصل ہو سکے تو آپ کس کو اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں سمجھتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ عثمانؓ کو۔ حضرت عثمانؓ سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے حضرت علیؓ کا نام لیا۔

آخر وہ تیسری رات آگئی جس کی صبح کو حضرت عبدالرحمٰن کو اپنے فیصلہ کا اعلان کرنا تھا۔ اس رات آپ نے یکے بعد دیگرے چاروں ارکان شوریٰ سے بڑی دیر تک گفتگو کی۔ آخر مؤذن کی اذان نے آپ کے سلسلۂ گفتگو کو منقطع کر لیا۔ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مسجد نبویؐ میں تشریف لائے۔ ساری مسجد نئے خلیفہ کے نام کا اعلان سننے کے لئے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن نے پہلے بہت دیر تک دعا مانگی اور پھر کہا۔ لوگو! میں نے خلافت کے معاملہ میں خوب غور کر لیا ہے اور مختلف لوگوں سے مل کر ان کی رائے معلوم کر لی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کسی کو میرے فیصلہ سے اختلاف نہ ہو گا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلا کر کہا کہ عہد کرو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کے

رسول کی سنّت اور حضرت شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی سیرت پر عمل کرو گے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں اپنے علم اور طاقت کے مطابق ایسا ہی کروں گا۔ یہ عہد لینے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت عبدالرحمٰن کے بیعت کرتے ہی لوگ چاروں طرف سے حضرت عثمانؓ پر ٹوٹ پڑے اور بیعت کرنے لگے۔ حضرت علیؓ نے بھی فوراً یا کچھ دیر بعد بیعت کر لی۔ یہ واقعہ ۲۹ ر ذی الحجہ ۲۳ھ کا ہے۔

حضرت طلحہ بیعتِ عثمانؓ کے بعد آئے۔ حضرت عثمانؓ نے اُن سے کہا۔ آپ کو اختیار ہے چاہیں تو اس بیعت کو باقی رکھیں اور چاہیں رد کر دیں۔ حضرت طلحہؓ نے پوچھا "کیا سب لوگوں نے عثمان کی بیعت کر لی ہے؟"

لوگوں نے جواب دیا "ہاں۔"

اس پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "سب لوگوں کے فیصلہ سے مجھے بھی اتفاق ہے۔"[1]

حالاتِ قبلِ خلافت

آپ کا نام عثمان ہے۔ ابو عمر کنیت ہے، ذوالنورین لقب ہے۔ والد کا نام عفّان ہے اور والدہ کا نام اروی۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:-

عثمان بن عفّان بن ابی العاص بن اُمیّہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قُصی۔

اس طرح آپ کا سلسلہ پانچویں پُشت میں عبد مناف پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی نانی بیضاء ام حکیم بنت عبدالمطلب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔ یکے بعد دیگرے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابن جریر طبری ملخصاً والبدایہ والنہایہ۔

کی دو صاحبزادیاں آپ کے عقد میں آئیں اس لئے آپ ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان زمانہ جاہلیت میں بہت معزز سمجھا جاتا تھا قریش کا قومی جھنڈا عقاب اسی خاندان کے قبضہ میں رہتا تھا۔ آپ کے پردادا اُمیہ بن عبد شمس قریش کے ممتاز سردار اور رئیس تھے۔ قریش کے کسی خاندان کو اگر بنی ہاشم کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ ہو سکتا تھا تو وہ بنی امیہ کا ہی خاندان تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ واقعہ فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ بڑے ہوئے تو کپڑے کی تجارت اختیار کی۔ خدا نے اس پیشہ میں بڑی برکت دی۔ خوب کمایا اور خوب راہِ مولیٰ میں لٹایا۔ آپ کے جود و کرم اور حسنِ اخلاق کی وجہ سے قریش میں آپ کو عزّت و محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عورتیں جب اپنے بچوں کو لوری دیتی تھیں تو کہتی تھیں۔

احبك والرحمٰن حب قریش عثمانؓ[1]

"خدا کی قسم میں تجھ سے ایسی محبت کرتی ہوں جیسی قریش عثمانؓ سے کرتے ہیں"۔

قبولِ اسلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرف باسلام ہوتے ہی تبلیغ اسلام کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے مخلص دوستوں کو اس سعادت کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان دوستوں میں حضرت عثمانؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ بھی تھے چنانچہ ان تینوں نے ایک ساتھ دعوتِ حق کو لبیک کہا اور سابقین اوّلین میں شمار ہوئے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے خاندانِ بنی ہاشم اور خاندانِ بنی اُمیّہ میں دنیوی جاہ و مرتبت کے سلسلہ میں چشمک تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی کامیابی سے بنی ہاشم کے اقتدار میں اضافہ ہوتا تھا۔

[1] ابن عساکر عن الشعبی

لیکن جب حضرت عثمانؓ کے سامنے دینِ اسلام پیش کیا گیا تو آپ نے بسرو چشم اسے قبول کیا اور مصالحِ دنیوی نے آپ کے ارادہ میں کوئی جھجک پیدا نہ کی۔

قبولِ اسلام کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنی دامادی کے شرف سے نوازا اور رسول کریمؐ کی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ سے آپ کی شادی ہوئی۔

ہجرتِ حبشہ

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی دوسرے بلاکشانِ اسلام کی طرح کفارِ قریش کے مظالم کا شکار ہوئے۔ آپ کے چچا حکم بن عاص بن امیہ نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر قید کر دیا اور کہہ دیا کہ جب تک تم نئے دین کو نہ چھوڑو گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت عثمانؓ جب ان اذیتوں سے بے حد تنگ آ گئے تو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اپنی بیوی کو ساتھ لے کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ دین کو بچانے کے لئے اپنے گھر بار اور اعزہ و اقرباء کو چھوڑ کر نکل جانے والوں میں پہلے شخص تھے۔ رسول مقبولؐ نے ارشاد فرمایا:-

"خدا ان دونوں میاں بیوی کا نگہبان ہو۔ لوط علیہ السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ ہجرت کی"۔

پھر جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت فرمائی۔

شرکتِ غزوات

دوسرے فدا کارانِ اسلام کی طرح آپ نے بھی تمام غزوات میں شریک ہو کر دین کے لئے جان کی قربانی پیش کی۔ البتہ غزوۂ بدر میں آپ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کی شدید علالت کے وجہ سے شرکت نہ فرما سکے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا تھا کہ مدینہ میں رہ کر حضرت رقیہؓ کی تیمارداری فرمائیں۔ حضرت رقیہؓ کا اسی زمانے میں انتقال ہو گیا۔ رسول اکرمؐ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو "شرکاءِ بدر" میں

شمار کیا۔ سامانِ غنیمت میں سے بھی آپ کو حصہ دیا اور اجرِ آخرت کی بھی بشارت دی۔ حضرت عثمانؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرزندی کے فخر سے محروم ہونے کا بڑا غم تھا۔ رسول اکرمؐ نے جب آپ کو بے حد ملول دیکھا تو اپنی دوسری صاحبزادی حضرت امّ کلثوم سے آپ کی شادی کر دی۔ یہ وہ فخر ہے جو آپ کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا اور اسی وجہ سے آپؓ "ذوالنورین" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

سنہ ۶ھ میں جب رسول اکرمؐ اپنے صحابہ کے ساتھ زیارتِ کعبہ کے لئے روانہ ہوئے تو مقام حدیبیہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کفار قریش آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کو کفار سے بات چیت کرنے کے لئے سفیر بنا کر بھیجا۔ کفار نے آپ کو روک لیا اور مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں سخت جوش پیدا ہو گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جان کی قربانی کی بیعت لی۔ اس موقعہ پر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت لی اور اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کا قائم مقام قرار دیا۔

سنہ ۹ھ میں جب مدینہ منورہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونے والا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور سامانِ جنگ کے لئے چندہ کی اپیل کی۔ حضرت عثمانؓ نے حضورؐ کی اس اپیل کا جواب جس شان کے ساتھ دیا وہ عہدِ نبوت کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ نے ایک ہزار اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کئے اور ایک ہزار دینار کی تھیلیاں لا کر رسول اکرمؐ کی گود میں ڈال دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے :۔

[1] ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم "آج کے بعد عثمانؓ کا کوئی کام انہیں نقصان نہ پہنچائیگا"

---

[1] ترمذی عن انسؓ ۔

جود وکرم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جود وکرم کی بارشوں نے ہر موقعہ پر کشتِ ملت کی آبیاری کی۔ رسول اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین کو پانی کی بہم رسانی کی سخت دِقت تھی صرف بئر رومہ ہی ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا مگر اس کا مالک ایک یہودی تھا جو مسلمانوں کو پانی نہ لینے دیتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کوئی ہے جو بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے اور اس کے عوض جنت کے چشمہ کا مالک ہو۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم میں اُسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

اسی طرح جب مسجد نبویؐ میں توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کوئی ہے جو ہماری مسجد میں توسیع کرے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ ستونوں کی مقدار زمین خرید لی اور مسجد نبویؐ کی توسیع ہو گئی[1]

حضرت عثمانؓ کی یہی شانِ کرم تھی جس نے مسلمانوں کے دلوں کو موہ لیا تھا اور وہ آپ کے گرویدہ تھے۔

دیگر فضائل حضرت عثمانؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ خاص اور کاتبِ وحی تھے۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دس حواریوں میں سے تھے جنہیں آپ نے جنّت کی بشارت دی۔ آپ ان چھ بزرگوں میں سے تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے "اہل شوریٰ" تجویز کیا اور خبر دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش دُنیا سے رُخصت ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے بعض

---

[1] رواہ ابن عبدالبر

موقعوں پر آپ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بھی تجویز کیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مشیر خصوصی رہے اور خدماتِ خلافت میں دستِ راست بنے رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

واقعاتِ عہدِ خلافت

خُطبۂ خلافت بیعت کے بعد حضرت عثمانؓ خُطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن اپنی نئی ذمہ داریوں کے احساس سے آپ اس درجہ متاثر تھے کہ کانپنے لگے۔ آپ نے صرف اس قدر فرمایا۔

"اے لوگو! کسی نئی سواری پر چڑھنا آسان کام نہیں۔ آج کے بعد تقریر کے لئے اور بہت سے مواقع ہیں، اگر زندہ رہا تو اور کسی دن خُطبہ دُونگا اور یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم لوگ میدانِ تقریر کے شہسوار نہیں ہیں۔"[1]

حضرت عثمانؓ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ والیانِ صوبہ، امراء، فوج اور عُمال خراج کے نام فرمان جاری کئے۔ ان فرمانوں میں ہدایت کی گئی تھی کہ عدل و انصاف کے سررشتہ کو نہ چھوڑا جائے۔ آمدنی اور خرچ میں امانت و دیانت سے کام لیا جائے۔ مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان کوئی فرق روا نہ رکھا جائے۔ دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کے وقت بھی بدعہدی نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ سردارانِ اسلام کی حیثیت محافظ اور نگہبان کی ہے۔ وہ رعیت کے آقا و مولیٰ نہیں ہیں۔

پہلا مقدمہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک سازش کا نتیجہ تھی۔ اس سازش میں ابو لؤلؤہ کے علاوہ

---

[1] طبقات ابن سعد و عقد الفرید۔

جفینہ اور ہرمزان بھی شریک تھے۔ ابولولوہ نہاوند کا رہنے والا پارسی غلام تھا اور جفینہ حیرہ کا رہنے والا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی عظیم الشان فتوحات اور پارسی و نصرانی حکومتوں کی عبرت انگیز بربادی سے اُن کے دلوں میں بغض و حسد کے انگارے دہک رہے تھے۔ فتح نہاوند کے بعد جب وہاں کے قیدی مدینہ پہنچے تو ابولولوہ ایک ایک بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا اور رو رو کر کہتا تھا "عمر نے میرا کلیجہ کھا لیا ہے"

جس صبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اُس کی رات کو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے دیکھا تھا کہ ابولولوہ، جفینہ اور ہرمزان آپس میں کانا پھوسی کر رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن کو دیکھ کر یہ تینوں گھبرائے اور الگ الگ ہو گئے۔ اس گھبراہٹ میں اُن میں سے کسی کے کپڑوں میں سے ایک خنجر نکل کر گرا جس کے دونوں طرف دھار تھی اور بیچ میں دستہ۔

عبیداللہ بن عمرؓ نے جب یہ واقعہ سُنا تو انہوں نے اس خنجر کو جس سے حضرت عمر شہید ہوئے تھے منگا کر دیکھا خنجر بالکل اسی وضع کا تھا جو عبدالرحمٰن نے بیان کی تھی۔ عبیداللہ غصے میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور جفینہ اور ہرمزان کو قتل کر دیا۔

عبیداللہ کو اس حرکت کے ارتکاب پر گرفتار کر لیا گیا اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بعد سب سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پوچھا آپ کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہرمزان اور جفینہ پر صرف عبدالرحمٰن کی شہادت سے جرم ثابت نہیں ہوتا اس لئے عبیداللہ بن عمر کو قصاص میں قتل کر دینا چاہیئے۔ بعض دوسرے صحابہؓ نے کہا کل عمر شہید ہوئے ہیں آج اُن کے صاحبزادے کو قتل کر دیا جائے یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت عثمانؓ نے ہرمزان اور جفینہ کی دیت اپنے پاس سے ادا کر کے

اس قضیہ کو ختم کر دیا۔ کیونکہ مقتولین کے ورثاء نہ تھے اور خلیفہ کو ان کے معاملہ میں پورا اختیار حاصل تھا۔

حضرت عثمانؓ کے اس فیصلہ کو بہت پسند کیا گیا۔

فتوحات

آذربائیجان و آرمینیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد میں مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے والی تھے۔ حضرت عمرؓ نے وصیت کی تھی کہ سعد بن وقاص فاتح ایران ہی کو پھر کوفہ کا والی مقرر کر دیا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اس حکم کی تعمیل کی۔ لیکن دو سال بعد ۲۶ھ میں سعد بن وقاص پھر معزول کئے گئے۔

بات یہ ہوئی کہ سعد بن وقاص نے عبداللہ بن مسعود سے جو افسر خراج تھے کسی ضرورت سے کچھ رقم حاصل کی اور وہ اُسے وقت پر ادا نہ کر سکے۔ عبداللہ بن مسعود نے معاملہ دربارِ خلافت میں پہنچا دیا۔ چونکہ ایک بڑے افسر کے لئے یہ طرزِ عمل موزوں نہ تھا اس لئے حضرت عثمانؓ نے انہیں معزول کر دیا اور ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔

رہے، آذربائیجان اور آرمینیا کے ممالک کوفہ سے متعلق تھے یہیں سے ان ملکوں کی حفاظت اور مدافعت کے لئے فوجیں روانہ کی جاتی تھیں۔

سعد بن وقاص کے زمانہ میں عقبہ بن فرقد آذربائیجان کے عامل تھے۔ سعد کی معزولی پر وہ بھی معزول کئے گئے۔ آذربائیجان والوں نے اُن کے جاتے ہی عَلمِ بغاوت بلند کیا۔ ولید بن عقبہ نے فوجی کارروائی کی اور اہلِ آذربائیجان نے پھر اطاعت قبول کی۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں سراقہ بن عمرو نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی اور حبیب بن مسلمہ فہری کے ساتھ آرمینیا اور قوقاز کے

علاقوں میں حملہ کیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ مشرقی آرمینیا کو فتح کرتے ہوئے بحرِ خزر کے کنارے کنارے باب تک پہنچ گئے تھے۔ باب کی فتح کے بعد سراقہ نے اسلامی سرداروں کو آرمینیا کے دوسرے شہروں کو فتح کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ حبیب بن مسلمہ گرجستان کے علاقہ میں بڑھے اور اس کے صدر مقام تفلس کو فتح کر لیا۔ اسی دوران میں سُراقہ کا انتقال ہو گیا اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ ان کے قائم مقام منتخب ہوئے۔

عبدالرحمٰن نے باب کو صدر مقام بنا کر انتظامات درست کئے اور پھر فتح کے ارادہ سے آگے بڑھے یہاں تک کہ دربند پہنچ گئے۔ پھر آپ تنگنائے دربند کو پار کر کے شمال کے نشیبی علاقوں میں پہنچے اور بلنجر سے دوسو میل آگے پہنچ کر دم لیا۔

عبدالرحمٰن باب میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ موقعہ بموقعہ وہاں سے بلادِ خزر میں حملے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہیں خاقانِ خزر سے مقابلہ کرتے ہوئے نہر ترک یا نہر بلنجر پر شہید ہو گئے۔

ابن جمانتہ باہلی، عبدالرحمٰن اور قتیبہ بن مسلم فاتح ترکستان کی بہادری اور جاں فروشی پر ان الفاظ میں اظہارِ فخر کرتا ہے۔

وان لنا قبرین قبر بلنجر	"ہمارے خاندان کے دو مجاہدوں کی قبریں
وقبر بصین ستان یا له من	ہمارے لئے باعثِ فخر ہیں! ایک قبر بلنجر میں
قبوٍ فذاك الذی بالصین	ہے اور ایک قبر چین میں ہے۔ اس نے چین
عمت فتوحه و هذا	کے گوشہ گوشہ میں فتح کا علم لہرایا اور اُس کی
بالعلی الترك یسقی به	قبر کو ترکستان کے انتہائی علاقہ میں ابرِ رحمت
المقطر۔	سیراب کرتا ہے"

عبدالرحمٰن کی شہادت کے بعد مسلمان بلادِ خزر میں نہ ٹھہر سکے اور تمام آرمینیا اُن کے ہاتھ سے نکل گیا۔

سنہ ۲۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سلمان بن ربیعہ (برادر عبدالرحمٰن بن ربیعہ) اور حبیب بن مسلمہ کو دوبارہ ان علاقوں کی فتوحات کے لئے روانہ

کیا۔ چنانچہ ان دونوں بہادروں نے آرمینیا اور قوقاز کے تمام علاقوں کو دوبارہ اسلامی جھنڈے کے سایہ میں داخل کر لیا[1]

اُمّ عبداللہ کی جرأتِ مردانہ

جس زمانہ میں حبیب بن مسلمہ آرمینیا کے علاقوں میں بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے اُن کی بیوی ام عبداللہ کلبیہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ ایک دن حبیب کو معلوم ہوا کہ آرمینیا قس کا بطریق "موریان" بڑے ساز و سامان کے ساتھ ان کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ حبیب کے پاس فوج کم تھی اس لئے انھوں نے موریان پر شب خُون مارنے کا ارادہ کیا۔ ام عبداللہ نے اپنے شوہر کو اسلحہ سے آراستہ ہوتے دیکھا تو پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ حبیب نے جواب دیا "موریان کے خیمہ کا یا جنت الفردوس کا"۔

حبیب جب موریان کی فوج کا قتلِ عام کرتے ہوئے موریان کے خیمہ پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی بیوی پہلے ہی سے اسلحہ کے زیور سے آراستہ ان کی مدد کے لئے وہاں موجود ہیں[2]

آرمینیا کی دوبارہ فتح کے بعد سلمان بن ربیعہ یہاں کے نگران قرار پائے اور "باب" میں اقامت اختیار کی۔

اناطولیہ و قبرص

حضرت عثمانؓ کے عہد میں شام کا سارا مُلک حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے ماتحت تھا۔ چونکہ شام کی سرحد بلادِ روم سے ملتی تھی اس لئے حضرت معاویہؓ کی رومیوں سے اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ ۲۵ھ یا ۲۶ھ میں حضرت معاویہ نے اناطولیہ پر حملہ کیا اور شہر عموریہ کو فتح کر لیا۔ شام سے عموریہ تک جس قدر قلعے تھے اُن پر قبضہ کر کے شام اور جزیرہ کے مُسلمانوں کو ان میں آباد کیا۔ حضرت معاویہؓ اور آگے بڑھنا چاہتے تھے۔

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۳ صفحہ ۶۲۰ بحوالہ ابن خلدون و دلیفر جی [2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۰۰۔

مگر انہیں خشکی کے راستہ مزید پیش قدمی کا موقع نہ ملا۔

اب اُنھوں نے اناطولیہ کے ساحلی علاقوں اور بحرِ روم کے جزیروں پر سمندر کے راستہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت معاویہؓ بحری جنگ کے بہت شائق تھے اُنھوں نے حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں اُن سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ بحری جنگ کے اسی قدر مخالف تھے۔ اُنھوں نے حضرت معاویہؓ کو اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ جو لوگ خوشی سے اس حملہ میں شریک ہونا چاہیں انہی کو شریک کیا جائے کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ حضرت معاویہؓ نے جہازوں کا ایک بیڑہ خود تیار کیا اور دوسرا بیڑہ عبداللہ بن ابی سرح گورنر مصر لے کر بڑھے۔ یہ دونوں بیڑے عبداللہ بن قیس حارثی کی رہنمائی میں بحرِ روم کے مشہور جزیرہ قبرص پر لنگر انداز ہوئے۔ اہلِ قبرص نے سخت مقابلہ کیا لیکن آخر کار ہتھیار ڈال دیئے اور ان شرائط پر صلح کر لی:۔

۱۔ اہلِ قبرص مسلمانوں کو سات ہزار دینار سالانہ ادا کریں گے اور اسی قدر رقم وہ رومیوں کو بھی ادا کرتے رہیں گے۔

۲۔ مسلمانوں پر اہلِ قبرص کی حفاظت ضروری نہ ہو گی۔

۳۔ اہلِ قبرص دشمنوں کی نقل و حرکت سے مسلمانوں کو اطلاع دیں گے اور مسلمان اپنے دشمنوں پر حملہ کرتے وقت قبرص کو استعمال کر سکیں گے۔

اس طرح جزیرہ قبرص جو مصر و شام کی حفاظت کے لئے اہم مقام ہے وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور بحرِ روم میں اسلامی فوجوں کا بحری مرکز قرار پایا[۱] یہ واقعہ ۲۸ھ کا ہے۔

---

[۱] محاضرات الخضری ج ۲ ص ۴۴ ۔

مصر و بلادِ مغرب[1]

حضرت عثمانؓ کے ابتداءِ عہد میں مصر کے گورنر، فاتح مصر عمرو بن عاص تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اُن سے مصر کے خراج میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ عمرو بن عاص نے جواب دیا۔ اُونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو گورنر بنا دیا۔

عمرو بن عاص کی معزولی کی خبر سُن کر ۲۵ھ میں اہلِ سکندریہ نے رُومیوں کے اشارہ سے بغاوت کی۔ حضرت عثمانؓ نے اہلِ مصر کے مشورہ سے اس بغاوت کو فرد کرنے کے لئے پھر عمرو بن عاص کو متعین کیا۔ اُنھوں نے بڑی دانائی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔ رومیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ عمرو بن عاص نے ان کے بڑے کے بہت سے جہازوں پر قبضہ کر لیا اور اسکندریہ کی فصیل کو منہدم کرا دیا۔

اسی سال عبداللہ بن ابی سرح مصر سے طرابلس کی مہم پر روانہ کئے گئے اُنھوں نے طرابلس کے بہت سے شہروں پر جو رومیوں کے زیرِ اقتدار تھے قبضہ کر لیا اور پچیس لاکھ دینار پر صُلح ہوئی۔

---

[1] بلادِ مغرب سے مؤرخینِ اسلام شمالی مغربی افریقہ مُراد لیتے ہیں۔ اس کے حدودِ اربعہ یہ ہیں:- مشرق میں مصر اور بحرِ احمر، مغرب میں بحرِ اوقیانوس شمال میں بحرِ ابیض متوسط اور آبنائے جبل الطارق اور جنوب میں صحرائے کبریٰ۔ آغازِ فتوحاتِ اسلامی میں بلادِ مغرب کی تین بڑی تقسیمیں کی جاتی تھی:

(۱) مغربِ ادنیٰ، اس میں طرابلس اور تونس شامل تھے اور اس کا صدر مقام قیروان تھا۔

(۲) مغربِ اوسط۔ یہ الجزائر کا نام تھا اور اس کا صدر مقام تلمان تھا۔

(۳) مغربِ اقصیٰ، اس کا اطلاق مراکش پر ہوتا تھا اور اس کے صدر مقام فاس اور مراکش تھے۔ آج کل یہ بہت سے حصوں میں منقسم ہے اور متعدد دولِ مغرب کا اس پر تسلط ہے۔

اس دوران میں عبداللہ بن ابی سرح اور عمرو بن عاص دونوں کا مصر کے انتظامات میں ہاتھ رہا۔ حضرت عثمانؓ چاہتے تھے کہ عمرو بن عاص افسر فوج رہیں اور عبداللہ افسر مال وخراج لیکن عمرو بن عاص نے اُسے منظور نہ کیا اور مصر کا پورا انتظام عبداللہ بن ابی سرح کے ہاتھ میں آگیا۔ یہ واقعہ ۲۶ھ کا ہے۔

عبداللہ بن ابی سرح نے اپنے عہدِ حکومت میں مصر کا خراج ۴۰ لاکھ بھیجا جو سابق کے مقابلہ میں دوگنا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے عمرو بن عاص سے کہا۔ دیکھا آخر اونٹنی نے دُودھ دیا۔ عمرو بن عاص نے جواب دیا۔ ہاں دیا۔ مگر بچے بھُوکے رہ گئے۔

۲۶ھ میں مصر کی ولایت کے مکمل اختیارات تفویض کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو بلادِ مغرب میں آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

اس مہم میں اُن کی مدد کے لئے مدینہ سے ایک لشکر روانہ کیا جس میں حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن عمرو بن عاص، ابن جعفر، حسن، حسین، ابن زبیر بھی شامل تھے۔ "برقہ" سے عقبہ بن نافع بھی ان کے ساتھ اپنی جمعیت لے کر شریک ہو گئے۔ عبداللہ نے تمام طرابلس میں اپنی فوجیں پھیلا دیں اور افریقیہ (تونس) کی طرف بڑھے۔ شہر یعقوبہ کے متصل، افریقیہ شمالیہ کا رومی گورنر جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ دونوں طرف کے بہادر بڑی جرأت کے ساتھ دادِ شجاعت دینے لگے۔ جرجیر نے اپنی فوج میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص ابن ابی سرح کا سر لائے گا اُسے ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا اور اس سے شہزادی کی شادی کر دی جائے گی۔

ابن ابی سرح نے عبدالرحمٰن بن زبیر کے مشورہ سے یہ اعلان کرا دیا کہ جو شخص جرجیر کا سر لائے گا اُسے ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا۔ جرجیر کی بیٹی سے اس کی شادی کر دی جائے گی اور جرجیر کے مُلک کی حکومت بھی اُسے عطا کر دی جائے گی۔

آخرکار عبداللہ بن زبیر نے جرجیر کو قتل کر دیا اور لشکرِ اسلام کو فتح حاصل ہُوئی۔

اس فتح کے بعد بہادرانِ لشکرِ اسلام نے اپنی گھوڑوں کی ٹاپوں سے بلادِ مغرب کو روند ڈالا اور فارس اور مراکش کے ساحلی شہروں میں اسلامی جھنڈے جا گاڑے[1]۔
عبداللہ بن ابی سرح ان فتوحات کے بعد مصر لوٹ آئے اور افریقیہ پر وہیں کے سرداروں میں سے کسی کو والی مقرر کردیا۔ طے یہ پایا کہ اہلِ افریقیہ جو خراج قیصر کو ادا کیا کرتے تھے اب مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے۔
۳۱ھ میں قسطنطین بن ہرقل قیصر روم نے ایک عظیم الشان بحری بیڑا جس میں پانچ سو جہاز تھے اسکندریہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ مسلمانوں کو جب اس بیڑے کی روانگی کی اطلاع ہوئی تو شام سے حضرت معاویہؓ اور مصر سے عبداللہ بن ابی سرح اپنے اپنے بیڑے لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بیچ سمندر میں اسلامی بیڑہ رومی بیڑے کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ فریقین کے جہاز ملا کر باندھ دیئے جائیں اور پھر مقابلہ ہو۔ اس طرح عربوں نے پہلی مرتبہ سمندر کی موجوں پر شمشیروں کی روانی کے ہوشربا مناظر دکھائے۔ مسلمان بہادروں نے اپنے حریفوں کے خون سے سمندر کی سطح کو رنگین کر دیا۔ بیشمار رومی قتل ہوئے اور کچھ نے بھاگ کر جزیرہ صقلیہ (سسلی) میں پناہ لی۔ خود قیصر بھی زخموں سے چکنا چور صقلیہ پہنچا اور وہیں اہلِ صقلیہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

فارس، خراسان و طبرستان

فارس، خراسان اور سرحدِ سندھ کے علاقے ولایت بصرہ سے متعلق تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ سے بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری تھے۔ ۲۶ھ میں بصرہ کے بعض شورش پسندوں نے ان کی شکایت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا۔
اسی سال اہلِ فارس نے بغاوت کی اور اپنے امیر عبیداللہ بن معمر کو قتل کر دیا۔

---

[1] اشہر المشاہیر ج ۴ صفحہ ۲۱۵، ۲۱۶۔

ابنِ عامر خود فوج لے کر بڑھے۔ اصطخر پر ہولناک لڑائی ہوئی۔ عبداللہ بن عامر نے منجنیق سے سنگباری کر کے باغیوں کا کچومر نکال دیا اور اُنہیں عبرتناک سزا دی۔

سنہ ۳۰ھ میں امیرِ کوفہ سعید بن عاص ایک فوجِ گراں لے کر جس میں حضرات حسنؓ و حسینؓ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن زبیرؓ اور حذیفہ بن یمان بھی شریک تھے۔ طبرستان کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسری طرف سے عبداللہ بن عامر والیٔ بصرہ نے بھی طبرستان کا رُخ کیا۔ لیکن سعید بن عاص نے ان کے پہنچنے سے پہلے جرجان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔

ان فتوحات کے بعد بھی اہلِ جرجان و طبرستان جب کبھی موقع پاتے بغاوت برپا کر دیتے تھے۔ تاآنکہ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں یزید بن مہلب نے یہاں مستقل امن و امان قائم کیا۔

سنہ ۳۱ھ میں اہلِ خراسان کی بغاوت کی خبر پہنچی۔ ابن عامر بصرہ سے ایک فوجِ گراں لے کر مقابلہ کے لئے نکلے۔ مقدمۃ الجیش پر احنف بن قیس تھے۔ طبسین جو دو مضبوط قلعے تھے اور خراسان کا دروازہ سمجھے جاتے تھے فتح کئے پھر نیشاپور، طوس اور ہرات کو فتح کیا۔

ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان کی طرف روانہ کیا۔ وہ مرورود کی طرف بڑھے۔ وہاں مشرقی ترکستان کے بادشاہ نے بڑی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن احنف بن قیس نے شکست فاش دی۔ پھر بلخ طخارستان کے صدر مقام کو فتح کیا۔ بلخ کی فتح کے بعد احنف نے خوارزم کا قصد کیا لیکن وہ اُسے فتح نہ کر سکے اور لوٹ آئے۔

قتلِ یزدگرد پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شاہِ ایران یزدگرد، ترکستان کے علاقہ میں چلا گیا تھا۔ اگرچہ اس کی فوجی قوت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی تاہم اس کے دل میں اپنے گمشدہ اقتدار کو واپس لانے کی آرزو کروٹیں لیتی رہتی تھی۔ اس آرزو کی تکمیل کے لئے اس نے یہ تدبیر سوچی تھی

کہ سرحدی اسلامی علاقوں میں بغاوتیں کراتا رہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اکثر بغاوتیں اسی کے اشارہ پر ہوئیں۔

آخری تقدیر آزمائی کے لئے یزدگرد چین اور ترکستان کے بعض سرداروں کی مدد سے سیستان پر حملہ آور ہوا۔ اسلامی فوجوں نے اُسے شکستِ فاش دی۔ اس پریشانی کے عالم میں کسی جائے پناہ کی تلاش میں تھا کہ ترکستان کے ایک سردار نیزک خاں نے اُسے اپنے علاقہ میں آنے کی دعوت دی۔ مگر نیزک خاں کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح یزدگرد کو گرفتار کرلے اور اُسے مسلمانوں کے حوالے کرکے اپنی دوستی کا ثبوت بہم پہنچائے۔ یزدگرد کو بھی کسی طرح اس کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اُس نے وہاں سے بھاگ کر "نہر مرغاب" کے کنارے جو مرو رود میں بہتی ہے ایک پن چکی والے کے ہاں پناہ لی۔ پن چکی والے نے اس کے قیمتی لباس اور جواہرات کے لالچ میں اُسے قتل کردیا اور اُس کی لاش کو نہر مرغاب میں بہا دیا۔

یہ واقعہ ۳۱ھ کا ہے۔ اس طرح دولتِ ساسانیہ کا جھنڈا جو ۴۲۹ سال تک بلادِ فارس پر بڑی شان کے ساتھ لہراتا رہا ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہوگیا۔

"فتنۂ داخلیہ اور اُس کے اسباب و نتائج پر ایک نظر"

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ایک رات کا ذکر ہے کہ سرکارِ نامدار (کوئی خواب دیکھ کر) گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے۔ آپؐ فرما رہے تھے :-

سبحان اللہ ماذا انزل اللہ من الخزائن و ماذا انزل من الفتن۔	سبحان اللہ! اللہ نے کس قدر خزانے میری اُمت پر نازل فرمائے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ کیسے کیسے فتنے اترے ہیں۔

آخر وہ وقت آگیا کہ دُنیا اپنی رعنائی و فتنہ سامانی کے ساتھ مسلمانوں میں داخل ہوئی اور اس تعالیٰ نے اُن کی وحدتِ ملی کے شیرازہ کو بکھیر دیا۔

۱۔ حضرت عمرؓ کا دور فتوحاتِ اسلامی کا دور تھا۔ مجاہدینِ اسلام فارس و شام و مصر کے میدانوں میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھا رہے تھے۔ زخارفِ دنیا سے کھیلنے کی انہیں فرصت نہ تھی۔ پھر حضرت عمرؓ کا دستورِ حکومت اور خود اُن کا عملی نمونہ انہیں دنیا کو قدموں تلے روندنے کا حق تو دیتا تھا لیکن اُسے سینہ سے لگانے کی اجازت نہ تھی۔ عساکرِ اسلامیہ کو شام کے خوش منظر و جنت نظیر شہروں کے پاس قیام کی بھی ممانعت تھی اور امراءِ اسلام کو عجمی شان و شوکت سے احتراز کی سخت تاکید تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب میدانِ کارزار کی مصروفیتیں کچھ کم ہوئیں بڑے بڑے دشمن مغلوب ہو گئے تو مسلمانوں کو ممالکِ مفتوحہ کی دولت سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملا۔ لوگوں کو رئیسانہ طرزِ معیشت کی طرف رغبت ہوئی۔ خس پوش مکانات عالی شان محلات میں تبدیل ہونے لگے اور خوراک و پوشاک میں تکلفات برتے جانے لگے خود حضرت عثمانؓ بھی چونکہ رئیس ابن رئیس تھے اس لئے ملت کے اس نئے جذبہ کو اُبھرنے سے نہ روک سکے۔

۲۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اسلامی طاقت کے مراکز فوجی ضرورتوں کے ماتحت بصرہ، کوفہ، شام اور مصر بن گئے تھے۔ یہاں قریشی اور حجازی بہت کم تھے۔ عربوں میں سے زیادہ تر بنی بکر، عبدالقیس، ربیعہ، اَزد، کندہ، تیم اور قضاعہ وغیرہ قبائل کی آبادیاں تھیں جنہیں فیضِ نبوت سے براہِ راست مستفید ہونے کا موقعہ نہ ملا تھا اور خلافتِ الٰہی کے مقصدِ جلیل کو سمجھ نہ پائے تھے یا غیر عربی اقوام تھیں جو انہیں فاتحین کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوئی تھیں اور اپنی قومی خصوصیات و ملکی امتیازات کے نقوش کو اپنے دماغ سے محو نہ کر سکی تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ زمین جو خزانے مسلمانوں پر اُگل رہی تھی اس سے پورے طور پر فائدہ اٹھائیں۔ امارت و حکومت کی باگ ڈور بھی اُن کے ہاتھ میں ہو اور اگر اُن کے ہاتھ میں نہ ہو تو کم از کم

ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو اُن کے ہاتھ میں ہوں۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اعیانِ مہاجرین قریش جو اپنی خاندانی عظمت و دینی جلالت کے لحاظ سے ملت میں اثر و اقتدار کے مالک تھے۔ مدینہ منورہ ہی میں مجتمع تھے۔ حضرت عمرؓ بطور "کابینہ" کے ان کے مشوروں سے بھی فائدہ اُٹھاتے تھے اور اُن کے اثر و رسوخ سے اُن کی پشت پناہی بھی تھی۔

شعبی کہتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکابرِ قریش کو مدینہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اُمتِ اسلامیہ کے لئے میں سب سے زیادہ اس بات کو مضر سمجھتا ہوں کہ اکابرِ قریش مختلف مقامات میں منتشر ہو جائیں۔ جب مہاجرینِ قریش میں سے کوئی کسی جہاد میں شرکت کی بھی خواہش کرتا تو آپ انکار کر دیتے کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے غزوات کی شرکت ہی کافی ہے۔ تمہاری شرکتِ جہاد سے زیادہ مفید یہ ہے کہ نہ دنیا تمہیں دیکھے اور نہ تم دُنیا کو دیکھو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس احتیاط کا نتیجہ یہ تھا کہ اکابرِ ملت یک دل و یک زبان تھے ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ لوگ مختلف دیار و امصار میں منتشر ہو گئے۔ طبری نے لکھا ہے :

"خلافتِ عثمانی کے پہلے سال ہی ساداتِ قریش نے مختلف شہروں میں بڑی بڑی جائدادیں پیدا کر لیں۔"

چونکہ ان کی حیثیت شاہی خاندان کے افراد کی تھی اور ان میں سے ہر فرد کسی وقت مسندِ خلافت پر متمکن ہو سکتا تھا اس لئے خود غرض اور جاہ طلب لوگوں کا ان کے گرد مجمع رہنے لگا۔ چنانچہ بہت جلد اعیانِ قریش میں سے ہر ایک کے ہوا خواہوں کی ایک ایک جماعت منظم ہو گئی اور ہر جماعت اپنے سرگروہ کی خلافت و امارت کی تمنا کرنے لگی۔ یہ تمنائیں بعض اوقات زبانوں پر بھی آنے لگیں اور

سُننے والے کے کانوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگیں۔

نتیجہ یہ ہُوا کہ اعیانِ ملّت کے آراء و افکار میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ جو دارالخلافت تھا اسلامی اثر و اقتدار کا مرکز نہ رہا۔

۴۔ ماقبل اسلام قریش میں سے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے خاندان دنیوی جاہ و مرتبت میں ایک دوسرے کے حریف سمجھے جاتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس تعلیم اور طرزِ عمل سے اس جذبہ کو تقریباً معدوم کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان سردارِ مکہ کی غیر معمولی پاسداری بھی اسی مصلحت پر مبنی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں نہ اموی تھے اور نہ ہاشمی اس لئے خاندانی رقابت کے جذبہ کو اُبھرنے کا موقع نہ ملا۔

حضرت عثمانؓ اموی تھے اور ان کے مقابل دوسرے بہترین امیدوار حضرت علیؓ ہاشمی، اس لئے پہلے انتخابِ خلافت کے موقع پر اس جذبۂ خفتہ کو کروٹ لینے کا موقع ملا۔ پھر جب حضرت عثمانؓ اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے اور اُنہیں اپنا معتمد ہونے کی بنا پر ممالکِ مفتوحہ میں سے کئی ملکوں کی صُوبہ داریوں پر سرفراز کیا تو غیر اموی خاندانوں نے اُسے اپنی حق تلفی تصور کیا اور رقابتِ خاندانی کا یہ جذبۂ خفتہ پُورے طور پر بیدار ہوگیا۔

ان وجوہ و اسباب کی بنا پر جب زمین اچھی طرح تیار ہوگئی تو اعداءِ اسلام کی ایک جماعت نے (جو شوکتِ اسلام کے سامنے سرنگوں ہو کر بظاہر حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی) اپنے عیار سردار عبداللہ بن سبا کی زیرِ سرکردگی کشتِ ملّت میں اختلاف و افتراق کی تخم پاشی کی۔

حضرت عثمانؓ طبعاً نہایت نرم مزاج، بامروت اور رحم دل تھے۔ آپ کے ان جذبات سے ایک طرف آپ کے عزیزوں نے تحصیل مناصب میں غیر مناسب فائدہ اٹھایا، دوسری طرف آپ کے مخالفین نے اپنی شورش انگیزیوں میں کوئی مزاحمت نہ دیکھی۔ اس طرح اختلاف و افتراق کے اس بیج کو پھلنے پھولنے کے لئے

مناسب فضا میسر آگئی اور آخر کار شہادتِ عثمانی کی صورت میں وہ شجرِ زقوم پیدا ہُوا جس نے ملتِ اسلامیہ کے ذوقِ صحیح کو برباد کر دیا۔ اس افسوس ناک اجمال کی تفصیل درجِ ذیل ہے :۔

عبداللہ بن سباء عبداللہ بن سباء یمن کا رہنے والا ایک چالاک اور عیار یہودی تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں مدینہ آیا اور مُسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو گیا۔ یہاں کچھ عرصہ رہ کر اُس نے مسلمانوں کی داخلی کمزوریوں سے واقفیت حاصل کی۔ پھر مسلمانوں میں مذہبی اور سیاسی تفریق پیدا کرنے کے لئے ایک "خفیہ پارٹی" قائم کرنے کی اسکیم مرتب کی۔ اس پارٹی کی دعوت و تبلیغ کی بنیاد محبتِ رسول اور الفتِ اہلِ بیت پر رکھی گئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ تعجب ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ دُنیا میں بھیجے جانے کے تو قائل ہیں لیکن محمدؐ رسول اللہ کے دوبارہ نزول کو نہیں مانتے۔

۲۔ ہر پیغمبر کا ایک وصی ہوتا ہے محمدؐ رسول اللہ کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔ چونکہ حضرت محمدؐ خاتم الانبیاء ہیں لہٰذا حضرت علی خاتم الاوصیاء ہیں۔

۳۔ بڑا ظلم ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نبی کی وصیت کی پرواہ نہ کی اور اُن کے وصی کے ہوتے ہُوئے خلافت دوسروں کے سپرد کر دی۔ غیر مستحق کو معزول کر کے مستحق (حضرت علیؓ) کو یہ حق دلوانا ضروری ہے[1]۔

اس "خفیہ پارٹی" کی شاخیں قائم کرنے کے لئے ابنِ سبا نے صوبہ جات کے تمام مرکزی شہروں میں دَورہ کیا۔ حصولِ مقصد کے لئے موزوں ترین آدمیوں کو چھانٹ کر ان کو کام کرنے کی تدبیریں بتائیں اور خود مصر میں قیام کیا اور یہیں اُس کا "صدر مقام" تجویز کیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، صفحہ ۱۶۷

کام کرنے کے لئے جو لائحہ عمل تجویز کیا گیا وہ یہ تھا :-

۱۔ بظاہر متقی اور پرہیزگار بن کر عوام پر اپنا اثر و اقتدار قائم کیا جائے۔

۲۔ خلیفۂ وقت (حضرت عثمان غنی) کے خلاف بہتان تراشے جائیں اور الزامات لگائے جائیں۔

۳۔ عمالِ حکومت کو پریشان کیا جائے انہیں نالائق، غیر متدین اور ظالم قرار دے کر صوبہ جات میں شورش پھیلائی جائے۔

۴۔ ایک شہر سے دوسرے شہر میں عمال کے فرضی مظالم کے خطوط بھیجے جائیں۔ مدینہ منورہ سے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کے نام سے جعلی خطوط بھیجے جائیں جن میں اس تحریک سے ان اکابر کی وابستگی کا اظہار ہو۔

مختلف صوبوں میں اس اسکیم پر کس طرح عمل ہوا اس کی تفصیل کے لئے ہم ہر ہر مقام کے حالات اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

بصرہ بصرہ میں حضرت عثمانؓ کے آغازِ خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والی تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے راہِ خدا میں پیدل چل کر جہاد کرنے کے فضائل بیان کئے۔ کُردوں کی بغاوت کے سلسلہ میں جب آپ جہاد کے لئے نکلے تو آپ ایک ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ جن کے پاس سواریاں ہیں وہ انہیں استعمال نہ کریں۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ جن کے لئے سواریاں مہیا نہ ہوسکیں وہ بھی ازدیادِ ثواب کے شوق میں اس کارِ خیر سے محروم نہ رہیں لیکن شورش پسندوں نے اسے بہانہ بنا لیا۔ ایک وفد مدینہ منورہ شکایت لے کر پہنچا اور کہا کہ ہم ایسے والی کو پسند نہیں کرتے جس کا قول عمل کے مطابق نہ ہو۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں معزول کرکے عبداللہ بن عامر کو ان کی جگہ مقرر کیا۔

عبداللہ بن عامر ایک بہادر اور مدبر شخص تھے۔ مگر ان کے خلاف یہ الزام لگایا گیا کہ یہ کم عمر اور حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار ہیں امیر المؤمنین نے انہیں بھیج کر

قبیلہ پروری کی ہے۔

ان کے زمانے میں ایک شخص حکیم بن جبلہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب اسلامی لشکر جہاد میں مشغول ہوتا تو اپنی جمعیت کو لے کر ذمیوں پر ٹوٹ پڑتا اور اُن کے مال و اسباب کو لُوٹ لیتا۔ علاوہ ازیں موقع ملتا تو مسلمانوں کے مال پر ہاتھ صاف کرنے سے بھی نہ چُوکتا۔ اہلِ بصرہ جب اس کے مظالم سے عاجز آگئے تو عبداللہ بن عامر نے اسے اور اس کی جماعت کو بصرہ میں نظر بند کر دیا۔ عبداللہ بن سبا جب بصرہ میں آیا تو اس نے حکیم بن جبلہ ہی کو یہاں سبائی پارٹی کا سرگروہ مقرر کیا۔ حکیم نے اب اپنی سرگرمیوں کا رُخ اس پارٹی کے مقاصد کی تکمیل کی طرف پھیر دیا۔

کوفہ کوفہ اپنی فتنہ سامانی میں بصرہ سے بڑھا ہوا تھا۔ اشتر نخعی، جندب، ابن ذی الحبکہ، صعصعہ، عمرو بن حمق وغیرہ یہاں کے شورش پسندوں کے سرگروہ تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق حضرت سعد بن وقاص کو یہاں کا والی مقرر کیا۔ سعد بن وقاص نے اپنی کسی ضرورت کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود سے جو افسرِ خراج تھے کچھ رقم قرض لی۔ سعد بن وقاص اس رقم کو وقت پر ادا نہ کر سکے۔ عبداللہ بن مسعود نے سختی سے تقاضا کیا۔ دراندازوں کی فتنہ انگیزی سے معاملہ نے طول کھینچا اور حضرت عثمانؓ تک شکایت پہنچی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سعد بن وقاص کو معزول کر کے ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو مقرر کر دیا۔

ولید بن عقبہ کے زمانہ میں کوفہ کے چند نوجوانوں نے ایک شخص کے گھر میں نقب لگا کر چوری کی اور صاحبِ خانہ کو قتل کر دیا۔ یہ نوجوان علیٰ موقعہ پر گرفتار کر لئے گئے اور قصاص میں قتل کر دیئے گئے۔ ان مقتولین کے اعزہ و احباب ولید بن عقبہ سے انتقام لینے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

ولید رات کے وقت ایک مجلس منعقد کیا کرتے تھے۔ اس مجلس میں ابو زبید طائی

ایک نومسلم نصرانی بھی شریک ہُوا کرتا تھا۔ ابوزید کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ شراب نوشی کرتا ہے۔ ولید کے مخالفین نے یہ مشہور کر دیا کہ وہ بھی ابوزید کے ساتھ مل کر لطفِ بادہ نوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ مخالفین نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک وفد مدینہ منورہ روانہ ہُوا جس میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہیں ولید نے انتظامی مفاسد کے ماتحت ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا تھا۔ اس وفد نے دربارِ خلافت میں ولید پہ بادہ نوشی کا الزام لگایا۔ دو شخصوں نے گواہی دی کہ ہم نے ولید کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے فتوٰی کے مطابق ولید کو کوفہ سے بلا کر ان پر حد جاری کی اور اُنہیں اُن کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا۔

ولید بن عقبہ کے بعد، سعید بن عاص کوفہ کے نئے والی مقرر ہُوئے۔ یہ بھی رات کے وقت ایک مجلس منعقد کیا کرتے تھے جس میں ہر شخص کو شرکت کی اجازت تھی۔ ایک رات اس مجلس میں کسی نے کہا "طلحہ بن عبیداللہ بڑے سخی ہیں"۔ سعید بن عاص نے کہا "جس کے پاس نشاستج جیسا زرخیز علاقہ ہو اُسے سخی ہونا چاہیئے۔ اگر میری جاگیر میں ایسا علاقہ ہوتا تو تم میری سخاوت کی بہار دیکھتے"۔ ایک نوجوان بولا "فرات کے کنارے کا علاقہ جو آلِ کسریٰ کی جاگیر تھا اسے آپ لے لیں"۔

یہ سن کر اُشتر نخعی عمیر بن ضابی وغیرہ نے کہا "کم بخت تُو ہماری جاگیر امیر کو دلوانا چاہتا ہے"۔ پھر یہ اُس نوجوان پر ٹوٹ پڑے اور اُسے بُری طرح زدوکوب کیا۔ سعید بن عاص اُن کی اس بدتمیزی پر سخت رنجیدہ ہُوئے اور رات کی مجلس موقوف کر کے دروازہ پر دربان بٹھا دیئے۔

اب ان لوگوں کو بجز اس کی اور کوئی کام نہ رہا کہ جہاں جاتے سعید بن عاص کی بُرائی کرتے۔ کوفہ کے امن پسند لوگ جب ان کی حرکتوں سے عاجز آ گئے تو انھوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس درخواست بھیجی کہ ان فتنہ پردازوں سے ہمیں نجات دلائی جائے۔ حضرت سعید بن عاص کو لکھا کہ ان سب کو ملک شام میں حضرت معاویہؓ کے

پاس بھیج دو۔

جب یہ جماعت ملک شام میں پہنچی تو حضرت معاویہؓ نے ان کے ساتھ عزت کا برتاؤ کیا اور پند و نصیحت کے ذریعہ اصلاحِ حال کی کوشش کی۔ مگر اُن کے دماغ میں فتنہ سمایا ہُوا تھا، ایک نہ سُنی بلکہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ بدکلامی کی۔ حضرت معاویہؓ نے عاجز آ کر حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کی اصلاح میری طاقت سے باہر ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ انہیں عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس حمص روانہ کر دو۔ عبدالرحمٰن نے انہیں سخت پکڑا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے مزاج درست کر دیئے۔ ان لوگوں نے اپنے افعال سے توبہ کی اور ندامت ظاہر کی۔ عبدالرحمٰن نے حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع بھیجی۔ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا۔ اگر ان کی اصلاح ہو گئی ہے تو انہیں ان کے وطن کوفہ واپس کر دو۔ کوفہ آ کر یہ لوگ پھر اپنی سابقہ سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔

کوفہ میں عبداللہ بن سبا پہنچا تو اس کی نگاہِ انتخاب اسی شورش پسند جماعت پر پڑی تھی اور اس نے انہی کو اپنا ایجنٹ مقرر کیا تھا۔

شام شام کے والی حضرت عمرؓ کے زمانہ سے حضرت معاویہؓ تھے۔ حضرت معاویہؓ ایک دُور اندیش، مدبّر اور منتظم شخص تھے۔ اُنھوں نے اس قسم کے فتنوں کو اپنے مُلک میں نہ اُبھرنے دیا۔ مگر یہاں ایک دوسری شورش پیدا کر دی گئی جس سے فتنہ پردازوں کی خفیہ جماعت نے مفید کام لیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ ایک عابد و زاہد صحابی تھے۔ دنیا اور متاعِ دنیا سے انہیں نفرت تھی۔ خمس غنیمت کے متعلق اُن کی رائے یہ تھی کہ یہ ضرورت مند مسلمانوں کا حق ہے۔ امیر اسے بیت المال میں جمع کر رکھنے کا مجاز نہیں۔ حضرت معاویہؓ کا خیال یہ تھا کہ سلطنت کی بڑھتی ہوئی تمدنی ضروریات کے پیشِ نظر اُسے مفادِ عامہ کے کاموں پر خرچ کرنے کے لئے روکا جا سکتا ہے۔ وہ اسے مسلمانوں کا مال نہیں بلکہ اللہ کا مال کہتے تھے اور امیر کے لئے جو خلیفۃ اللہ ہے اس میں تصرف کا حق محفوظ سمجھتے تھے۔

عبداللہ بن سباء جب شامؔ آیا تو اُس نے حضرت ابوذرؓ سے کہا۔"آپ نے دیکھا معاویہ بیت المال کے خزانہ کو اللہ کا مال کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس میں کچھ حق ثابت نہ ہو سکے"۔

حضرت ابوذرؓ کے دل میں یہ بات اُتر گئی۔ سیدھے حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے۔ اور اُن سے پوچھا۔"آپ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہیں؟ حضرت معاویہؓ نے نہایت نرمی سے جواب دیا۔"اے ابوذر! ہم سب خدا کے بندے ہیں اور ہمارا مال اسی کا مال ہے"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں تمہیں ایسا نہ کہنا چاہیئے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا۔ مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ یہ اللہ کا مال نہیں ہے لیکن خیر آئندہ مسلمانوں کا مال کہہ دیا کروں گا۔

عبداللہ بن سباء حضرت ابوذرؓ داء کے پاس بھی پہنچا اور انہیں بھی بھڑکانے کی کوشش کی مگر وہ اس کی چال میں نہ آئے اور کہہ دیا کہ مجھے تو تُو یہودی معلوم ہوتا ہے۔ پھر وہ حضرت عبادہ بن صامت کے پاس گیا اور اُن سے بھی اسی قسم کی باتیں کیں۔ وہ اُسے پکڑ کر حضرت معاویہؓ کے پاس لے گئے اور کہا یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذرؓ کو بھڑکا کر آپ کے پاس بھیجا تھا۔

اس کے بعد حضرت ابوذرؓ نے اس خیال کی اشاعت شروع کی کہ دولتمندوں کو ضرورت سے زیادہ دولت جمع کر کے رکھنے کا حق نہیں ہے اور دلیل میں یہ آیت پیش کی۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	"جو لوگ سونا چاندی گاڑ کر رکھتے ہیں اور
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِي	اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ	کو دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دو۔
اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ	جس دن آگ دہکائیں گے اس مال
نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ	پر دوزخ کی پھر داغیں گے اُس سے
وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا	اُن کے ماتھے، کروٹیں اور پیٹھیں (اور

مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ - (پارہ ۱۰ آیت ۳۵) | ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لئے گاڑ رکھا تھا۔ اب اپنے گاڑنے کا مزہ چکھو"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظریہ تھا کہ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے اس مال کا جمع کرنا ممنوع نہیں ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس تحریک سے غرباء، امراء کے خلاف صف بستہ ہو گئے اور مسلمانوں کی جماعت میں امیری اور غریبی کے سوال پر ایک نیا اختلاف پیدا ہو گیا۔

حضرت معاویہؓ نے تمام حالات کی اطلاع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجی۔ وہاں سے حکم آیا کہ حضرت ابوذرؓ کو پورے اکرام و احترام کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دو۔ مدینہ پہنچے تو حضرت ابوذرؓ نے وہاں بھی اسی خیال کی اشاعت شروع کی۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں بلا کر سمجھایا کہ "اے ابوذر! خدا اور رسول کا جو حق مخلوق پر واجب ہے اس کا میں اُن سے مطالبہ کروں گا اور مجھ پر اُن کا جو حق ثابت ہے وہ میں ادا کروں گا لیکن میں کسی کو ترکِ دنیا پر مجبور نہیں کر سکتا"۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا "تو آپ مجھے مدینہ سے کہیں باہر بھیج دیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے ابوذر جب مدینہ کی آبادی سلع تک پہنچ جائے تو تم وہاں سے رخصت ہو جانا"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام ربذہ میں ان کے قیام کا انتظام فرمایا۔ وہیں اُن کے لئے ایک مسجد تعمیر کرا دی۔ کچھ اُونٹ اور دو غلام اُن کی معاش اور آرام کے انتظام کے لئے اُن کے سپرد کر دیئے[1]

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام بحوالہ طبری ج ۴ صفحہ ۲۸۳ و محاضرات خضری ج ۲ صفحہ ۵۶ ۔

مصر میں | مصر کے والی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھے۔ عمرو بن عاص کے مقابلہ میں اہلِ مصر ان کو پسند نہ کرتے تھے۔ پھر افریقہ پر حملوں اور قیصر قسطنطنیہ سے مقابلوں کی وجہ سے اُنہیں داخلی معاملات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت بھی نہ تھی علاوہ ازیں مصر میں دو با اثر صحابی محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے۔ محمد بن ابی حذیفہ یتیم تھے۔ خاندان کے دوسرے یتیموں کی طرح حضرت عثمانؓ ان کے بھی کفیل تھے۔ جب یہ بڑے ہوئے تو انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کسی جگہ کی ولایت کی خواہش کی۔ حضرت عثمانؓ نے اُنہیں اس منصب کے لئے موزوں نہ سمجھا اور انکار کر دیا۔ پھر وہ حضرت عثمانؓ سے اجازت لے کر مصر چلے آئے۔ محمد بن ابی بکر حضرت علیؓ کی آغوشِ تربیت میں پلے تھے۔ ان کی والدہ نے حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت علیؓ سے شادی کر لی تھی۔ ان پر کسی شخص کا کچھ مطالبہ واجب تھا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے ساتھ کچھ رعایت نہ کی اور مطالبہ ادا کرا دیا۔ یہ اس بات پر حضرت عثمانؓ سے ناراض ہو گئے تھے۔

حالات کی اس سازگاری کی بنا پر عبداللہ بن سبا نے مصر کو اپنی تحریک کا مرکز قرار دینے کے لئے بہترین جگہ سمجھا تھا۔

عبداللہ بن سباء کا یہ خیال صحیح نکلا۔ بہت جلد یہاں اُس کے متبعین کی کافی تعداد ہو گئی اور اُس نے حضرت عثمانؓ کے ذاتی مخالفین سے مدد لے کر اپنی مقصد برآری میں پوری جدوجہد شروع کر دی۔ مصر میں عبداللہ بن سبا کی کامیابی کا اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۳۱ھ میں جب قیصرِ روم نے ایک زبردست بحری بیڑہ لے کر ساحلِ مصر پر چڑھائی کی اور عبداللہ بن ابی سرح اسلامی بیڑہ کی امیر کی حیثیت سے اس کے مقابلہ کے لئے نکلے تو ان مخالفین نے اُس وقت بھی اپنی سرگرمیوں کو نہ چھوڑا۔ اس بحری سفر میں محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر نے علی الاعلان مجاہدین کو خلیفۂ وقت اور امیرِ مصر کے خلاف بھڑکایا اور اُن کے معائب بیان کئے۔ آخر مجبور ہو کر عبداللہ بن ابی سرح نے ان کو علیحدہ

قبطیوں کے جہاز میں سوار کرا دیا۔[1]

مصر سے ایک "مجوزہ نظام" کے ماتحت بصرہ، کوفہ، شام اور مدینہ منورہ میں عمال کے مظالم اور عوام کے مصائب پر مشتمل خطوط روانہ کئے گئے۔ پھر ان شہروں میں سے ایک مقام سے دوسرے مقام کو بھی اسی قسم کے خطوط بھیجے گئے۔ جہاں جہاں یہ خطوط پہنچتے سبائی ایجنٹ ان کی خوب تشہیر کرتے اور عوام کو خلیفۂ وقت اور اُس کے عمال کے خلاف بھڑکاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مقام کے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ بس ہم ہی امن وعافیت میں ہیں اور ہمارے سوا سارا عالم اسلامی بنوامیہ کے مظالم سے نیم جان ہے۔

عمال کی مجلس شوریٰ مدینہ منورہ میں جب اس قسم کے خطوط کثرت کے ساتھ پہنچے تو یہاں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے عمال کے خلاف حرف گیریاں ہونے لگیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں ایک ایسی باا‌ثر جماعت بھی موجود تھی جسے انتخابِ خلافت کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ سے اختلاف تھا۔ تاہم یہ اختلاف اختلافِ رائے کی حدود سے متجاوز نہ تھا۔ فتنہ پردازوں نے اس جماعت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی اور خلافت کے سبز باغ دکھلائے۔ لیکن اس باوقار جماعت نے مفسدین کا آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا۔ تاہم ان کی جدوجہد کا یہ اثر ضرور ہوا کہ یہ جماعت بھی اس بدگمانی میں مُبتلا ہوگئی کہ صوبہ جات میں حضرت عثمانؓ کے عمال کی طرف سے عام بے چینی ہے اور ان کی طرف سے بھی اصلاحِ حال کا مطالبہ ہونے لگا۔

۳۴ھ میں حضرت عثمانؓ نے اصلاحِ حال کی کوشش کی اور ممالکِ اسلامیہ کے عمال کی مجلسِ شوریٰ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے تمام صوبوں کے ولاۃ کو حکم بھیجا کہ حج کے موقعہ پر مجھ سے آکر ملیں۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ، عبداللہ بن

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷

عامر، عبداللہ بن سعد اور سعید بن عاص جمع ہوئے۔ عمرو بن عاص بھی ان کے ساتھ شریک مشورہ کئے گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے اس فتنہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا۔ تمام عمال نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔

"یہ سارا فتنہ چند مفسدین کی سازش کا نتیجہ ہے اور اس کا مقصد حکومت اور اس کے عمال کو بدنام کرنے کے سوا کچھ نہیں"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

"تو پھر اس فتنہ کا انسداد کیونکر ہو سکتا ہے؟"

اس کے جواب میں مختلف اصحاب نے مندرجہ ذیل رائیں ظاہر کیں :-

سعید بن عاص نے کہا۔ "جن مفسدین کے ہاتھوں میں اس فتنہ کی باگ ڈور ہے انہیں قتل کر دیا جائے"

عبداللہؓ بن سعد نے کہا۔ "فتنہ پرداز مال وزر کے خواہشمند ہیں، سیم و زر کے لقمہ سے اُن کا منہ بند کر دیا جائے تو بہتر ہو"

عبداللہ بن عامر نے کہا۔ "یہ سب بیکاری کے مشغلے ہیں، کسی ملک پر فوج کشی کر دی جائے تو یہ سب قصے ختم ہو جائیں"

حضرت معاویہؓ نے کہا۔ ہر صوبہ کا والی اپنے صوبہ کے امن و امان کا ذمہ لے اپنے صوبہ کو ہر قسم کی شورش سے پاک رکھنے کا ذمہ دار میں ہوں۔

عمرو بن عاص نے کہا۔ امیرالمومنین آپ لوگوں کے ساتھ بے جا رعایت اور نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سُنت پر عمل کیجئے۔ نرمی کے موقعہ پر نرمی برتیئے اور سختی کے موقعہ پر سختی اختیار کیجئے"

الحاصل مجلس شوریٰ کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ مفسدین کے ساتھ سختی سے برتاؤ کیا جائے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس رائے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا :-

"آپ صاحبان نے جو کچھ فرمایا وہ میں نے سن لیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ وہی فتنہ نہ ہو جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ اگر یہ وہی فتنہ ہے تو یہ برپا ہو کر رہے گا۔ میں حتی الامکان کوشش کروں گا کہ نرمی اور درگذر کے ساتھ اس کے دروازے کو کھلنے سے روکوں میں اپنے عمل سے ثابت کروں گا کہ میں نے لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ برتنے میں کوتاہی نہیں کی اور کل خداوند قدوس کے دربار میں اپنے اوپر کوئی الزام نہ آنے دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس فتنہ کی چکی گھوم کر رہے گی۔ تاہم مبارک ہے عثمانؓ اگر وہ مرتے مر جائے اور اسے حرکت نہ دے۔"

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے تمام عمال کو رخصت کر دیا۔ حضرت معاویہؓ نے کہا۔

"اے امیر المومنین مجھے مدینہ منورہ کے لوگوں کے حالات بھی کچھ قابلِ اطمینان نہیں معلوم ہوتے۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر میری شہ رگ بھی کٹ جائے تب بھی میں مدینہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں جوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قیمت پر نہیں بیچ سکتا۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا "تو مجھے اجازت دیجئے کہ شام سے ایک فوج آپ کی حفاظت کے لئے یہاں بھیج دوں۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا "مجھے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں کو تکلیف دینی بھی منظور نہیں ہے۔"[۱]

تحقیقاتی وفود بعض صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ صوبہ جات میں تحقیقاتی وفود روانہ کئے جائیں جو اصل حالات کا پتہ لگائیں۔ چنانچہ محمدؓ بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہؓ بن زید کو بصرہ، عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور عمار بن یاسر

---

[۱] محاضرات خضری ج ۲ ص۴۵۔

کو مصر بھیجا گیا۔ ان سب حضرات نے واپس آکر بیان کیا کہ حالات حسبِ سابق ہیں اور کوئی بے چینی یا بدامنی نہیں ہے۔ البتہ عمار بن یاسر واپس نہ آئے۔ والیٔ مصر نے اطلاع دی کہ وہ مخالفین کے گروہ سے مل گئے ہیں جس کا سرغنہ عبداللہ بن سباء ہے۔

مفسدین کی مشاورت قرارداد یہ تھی کہ مجلسِ شوریٰ کی شرکت کے لئے جب صوبوں کے والی اپنے اپنے صوبوں سے رخصت ہوں تو عام بغاوت کر دی جائے۔ مگر اس تجویز پر عمل نہ ہو سکا۔ البتہ اشتر نخعی مفسدین کی ایک جماعت لے کر کوفہ سے نکلا اور سعید بن عاص والیٔ کوفہ کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اہلِ کوفہ کی خواہش کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ جب عمال اپنے اپنے صوبوں میں واپس آ گئے تو پھر بغاوت کا موقع نہ رہا۔ اب انہوں نے آپس میں خط و کتابت کر کے طے کیا کہ ہر صوبہ سے منتخب انقلاب پسند مدینہ پہنچیں۔ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں اور پھر آپس میں مشورہ کر کے آئندہ کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کریں۔ ظاہر یہ کیا جائے کہ ہم خلیفہ سے اپنی شکایات بیان کرنے اور اُن سے اصلاحِ حال کی درخواست کرنے جا رہے ہیں۔

چنانچہ اس تجویز کے مطابق کوفہ، بصرہ اور مصر سے تین وفد روانہ ہوئے۔ اور مدینہ کے قریب پہنچ کر یک جا ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کو جب اُن کے آنے کی حال معلوم ہُوا تو اُنہوں نے دو ایسے آدمیوں کو جنہیں شورش پسند اپنا حامی سمجھتے ہیں ان کے پاس بھیجا۔ اہلِ وفود نے اُن سے کہا "ہمارا مقصد یہ ہے کہ خلیفہ کے سامنے اپنی فرضی شکایات بیان کریں اور اُن سے اُن کے ازالہ کا مطالبہ کریں۔ ظاہر ہے کہ جب ان شکایات کی کوئی اصلیت ہی نہیں تو خلیفہ ان کا تدارک کیا کریں گے۔ اب ہم اپنے اپنے مقامات کو واپس جا کر یہ شہرت دیں گے کہ ہم نے خلیفہ سے اصلاحِ احوال کا مطالبہ کیا۔ لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا۔ پھر آئندہ حج کے زمانے میں اپنے ساتھ ایک جماعت کثیر لے کر حج کے بہانے مدینہ منورہ آئیں گے اور

خلیفہ کو بزور معزول کریں گے یا انہیں قتل کر دیں گے۔

ان دونوں آدمیوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس آکر مفسدین کے ارادے بیان کیے۔ حضرت عثمانؓ نے بات کو ہنسی میں ٹال دیا۔

جب وفود مدینہ منورہ میں پہنچے تو بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ "آپ انہیں قتل کر کے فتنہ کا سر کچل دیجئے"۔ مگر حضرت عثمانؓ نے فرمایا "میں دو ہی صورتوں میں کسی کو قتل کر سکتا ہوں۔ یا اس پر حد شرعی واجب ہو یا وہ مرتد ہو جائے۔ ان لوگوں کو میری طرف سے کچھ غلط فہمیاں ہیں میں اُن کے ازالہ کی کوشش کروں گا اور ان کی غلطیوں سے درگزر کر کے انہیں راہِ راست پر لانے کی سعی کروں گا"۔

آپ نے ارکانِ وفد اور مہاجرین و انصار کو جمع کر کے ایک جامع و مانع تقریر فرمائی جس میں مفسدین مخالفین کے ایک ایک الزام کا مدلل جواب دیا۔

حضرت عثمانؓ کی تقریر

حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حمد و نعت کے بعد فرمایا:۔

۱۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے منیٰ میں دو رکعت کی بجائے چار رکعت نماز ادا کی حقیقت یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں میرے اہل و عیال تھے اور میں نے وہاں پہنچ کر اقامت کی نیت کر لی تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کر لے اسے مقیم کی طرح پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔

۲۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے مخصوص چراگاہیں بنا لی ہیں۔ خدا کی قسم میں نے انھی چراگاہوں کو مخصوص چراگاہ قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص کر لی گئی تھیں۔ یہ چراگاہیں صدقہ کے جانوروں کے لئے مخصوص کی گئی ہیں۔ پھر کسی کو اُن سے نفع حاصل کرنے سے بھی منع نہیں کیا جاتا۔ بجز اس شخص کے جو رشوت دے کر اپنے حق سے زیادہ نفع حاصل کرنا چاہے۔ جہاں تک ان چراگاہوں سے میرے استفادہ کا تعلق ہے تو میرے پاس دو اونٹوں کے سوا جنھیں میں سفر

حج میں استعمال کرتا ہوں کوئی جانور نہیں ہے۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ خلافت سے پہلے سارے عرب میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس مویشی نہ تھے۔

۳۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن کئی مصاحف کی صورت میں تھا۔ میں نے ایک مصحف کو چھوڑ کر باقی کو تلف کر دیا۔ حالانکہ قرآن ایک ہی کتاب ہے جو ایک ہی ذات کی طرف سے نازل ہوئی ہے معتمد صحابہ کی جماعت موجود ہے جنہوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر ہدایت قلمبند کیا ہے۔ میں نے ان ہی کے ضبط کئے ہوئے قرآن مجید کو جا بجا بھیجا ہے۔

۴۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے حکم بن ابی العاص کو مدینہ منورہ بلا لیا۔ حالانکہ رسول اللہ نے اُسے طائف میں جلاوطن کر دیا تھا۔ بات یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے ہی حکم کو مکہ سے طائف میں جلاوطن کر دیا تھا اور رسول اللہ نے ہی اس کو میری سفارش پر مدینہ آنے کی اجازت دے دی تھی۔ میں نے اپنے عہد میں صرف آپؐ کی اجازت کا نفاذ کیا ہے۔

۵۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے نوجوانوں کو عامل مقرر کر دیا ہے حالانکہ میں نے جن لوگوں کو مقرر کیا ہے ان کو جامع اوصاف بہادر اور لائق دیکھ کر مقرر کیا ہے۔ یہ اُن کے صوبوں کے آدمی ہیں۔ اُن کی کارکردگی سے یہ بھی انکار نہیں کر سکتے اور یہ اُن کے ہم وطن ہیں اُن کی اہلیت سے یہ بھی ناواقف نہیں۔ رہا نوجوان ہونا تو یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہؓ کو جوان سے بھی کم عمر تھے امیر مقرر فرمایا ہے۔

۶۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کا مالِ غنیمت انعام کے طور پر دیدیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے انہیں مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ دیا تھا جس کی تعداد ایک لاکھ ہوتی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ نے بھی اپنے زمانہ میں ایسا کیا ہے لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ اہل لشکر کو یہ ناگوار گزرا ہے تو میں نے عبداللہ سے یہ رقم واپس لیکر انہی میں تقسیم کر دی۔

۷۔ کہا جاتا ہے کہ مَیں اپنے اہلِ خاندان سے محبت کرتا ہوں اور انہیں عطیات دیتا ہوں۔ اپنے اہلِ خاندان سے محبت کرنا بُری بات نہیں لیکن میری محبت نے کبھی مجھے ظلم پر آمادہ نہیں کیا ہے۔ مَیں بیت المال سے صرف ان کے جائز حقوق ادا کرتا ہوں۔ باقی جو کچھ عطیات مَیں دیتا ہوں وہ اپنے مال میں سے دیتا ہوں۔ بیت المال کے مال کو مَیں اپنے یا اپنے عزیزوں کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضؓ کے عہد میں بھی اپنے عزیزوں کو گرانقدر عطیات دیا کرتا تھا حالانکہ اس وقت مُجھے مال کی ضرورت تھی اور اب تو مَیں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ گیا ہوں۔ مجھے زندگی کی توقع نہیں رہی کہ روپیہ کو بچا کر رکھنے کی خواہش ہو۔ مَیں نے کسی شہر پر خراج کا غیر ضروری بار نہیں ڈالا ہے کہ کسی کو اعتراض کی گنجائش ہو۔ پھر جس قدر جہاں سے آتا ہے وہیں کے مفاد پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ میرے پاس صرف خمس غنیمت جمع رہتا ہے جسے مسلمان مناسب موقعوں پر خرچ کرنے کا پورا اختیار رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مال میں ایک پیسے کا بھی تصرف نہیں کیا جاتا۔ مَیں اس میں سے خود کچھ نہیں لیتا حتیٰ کہ اپنی معاشش کا بار بھی بیت المال پر نہیں ڈالتا۔

۸۔ کہا جاتا ہے کہ مَیں نے اپنے حاشیہ نشینوں کو قطعات زمین عطا کر دیئے ہیں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ مفتوحہ علاقوں کی زمینوں میں سے فتوحات کے بعد مہاجرین وانصار کو ان کے حصّے ملے تھے۔ تو اُن میں سے جو لوگ وہاں رہ پڑے اُن کی زمینیں تو اُن کے اہلِ خاندان کے قبضہ میں ہیں لیکن جو لوگ واپس چلے آئے وہ اپنی زمینوں سے فائدہ نہ اُٹھا سکتے تھے۔ تاہم وہ زمینیں ان کی ملکیت تھیں مَیں نے اُن کی سہولت کے خیال سے ان کی دُور افتادہ زمینوں کو مقامی صاحبانِ جائداد کے ہاتھ فروخت کر دیا اور قیمت ان اراضی کے مالکوں کے حوالہ کر دی[1]۔

---

[1] محاضرات خضری ج ۲ صفحہ ۵۹، ۶۱۔

اس تفصیل کے ساتھ آپ نے مفسدین کے ایک ایک الزام کا مدلل و مسکت جواب دیا۔ آپ ہر جواب کی تقریر فرمانے کے بعد حاضرین سے پوچھتے: "جو کچھ میں نے کہا کیا وہ صحیح ہے؟"

حاضرین یک زبان ہو کر جواب دیتے: "بے شک آپ نے بجا و درست ارشاد فرمایا ہے۔"

ظاہر ہے کہ فسادِ نیت کی اصلاح دلائل و براہین سے نہیں ہو سکتی۔ وفود نے اپنے اپنے شہروں میں جا کر مشہور کیا کہ ہم نے مدینہ منورہ جا کر خلیفہ پر حجت تمام کر دی مگر وہ اصلاحِ حال کے لئے تیار نہیں ہیں۔

مفسدین کی روانگی

اب مفسدین نے آپس میں نامہ و پیام کر کے طے کیا کہ شوال کے مہینہ میں بصرہ، کوفہ اور مصر سے حج کے بہانے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوں اور وہاں پہنچ کر اپنے عزائم کو بزورِ شمشیر پورا کریں۔ چنانچہ ان تینوں مقامات سے ایک ایک ہزار کی جمعیت متفرق ٹولیوں میں روانہ ہوئی۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر اہلِ بصرہ مقام خشب میں ٹھہرے۔ اہلِ کوفہ مقامِ اعوص میں اور اہلِ مصر مقام ذی مروہ میں مقیم ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں تو یہ تینوں گروہ متفق تھے لیکن آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے مسئلہ میں اختلاف رائے تھا۔ ابن سبا کے قیام مصر کی وجہ سے سب اہلِ مصر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے۔ مگر اہلِ کوفہ کی اکثریت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور اہلِ بصرہ کی اکثریت حضرت طلحہ کو پسند کرتی تھی۔

اہلِ مصر کا ایک وفد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے اپنی مدد کی خواہش اور قبولِ خلافت کی درخواست کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ "رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ ذی خشب، ذی مروہ اور اعوص کے لشکر ملعون ہیں، سب دین دار مسلمانوں کو اس کا علم ہے۔ میں تمہارے ساتھ تعاون نہیں کر سکتا۔"

اہلِ بصرہ، حضرت طلحہ اور اہلِ کوفہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انہیں

بھی یہی جواب ملا۔

حضرت عثمانؓ کو جب مفسدین کے ارادوں کا علم ہوا تو وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور اُن سے رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ آپ اِن لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیجئے۔ حضرت علیؓ نے کہا میں نے آپ کو کئی مرتبہ بنو اُمیّہ کی طرفداری سے منع کیا تھا مگر آپ مروان، معاویہ، ابن عامر ابن ابی سرح اور سعید بن عاص ہی کے اشاروں پر چلتے رہے۔ اب میں اُنہیں کیونکر واپس کروں؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ مَیں آئندہ آپ ہی کے مشورہ سے کام کیا کروں گا اور ان لوگوں کی بات نہ سُنوں گا۔

حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہ تیس آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اہل مصر کے پاس گئے اور انہیں اطمینان دلایا کہ عمال کے متعلق تمہاری شکایات مَیں دُور کرا دونگا اور انہیں مصر کی طرف واپس کر دیا۔

حضرت علیؓ اب حضرت عثمانؓ سے ملے اور ان سے کہا کہ جو کچھ آپ نے مجھ سے فرمایا اس کا اعلان مسجد میں کر دیجئے تاکہ سب کو اس کی اطلاع ہو جائے اور بصرہ اور کوفہ کے لوگوں کو بھی ہنگامہ آرائی کا بہانہ نہ رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لے گئے اور ایک پُرزور خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔

"اگر مجھ سے کوئی لغزش ہوئی ہے تو مَیں اللہ تعالیٰ سے اُس کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ صاحبان میں سے جو اہل الرائے ہوں اُن سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے مناسب مشورہ دیں۔ خدا کی قسم اگر حقانیت کے ساتھ مجھ سے غلامانہ اطاعت کا مطالبہ کیا جائے تو مجھے اس سے انکار نہ ہوگا۔ مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی مرضی کے مطابق کام کرونگا اور مروان وغیرہ کی بات نہ سنوں گا۔"

یہ فرما کر حضرت عثمانؓ رونے لگے اور سامعین بھی بے اختیار رو پڑے۔[1]

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۷۹۵

مفسدین مدینہ میں اہلِ مدینہ سمجھے تھے کہ اب یہ جھگڑا ختم ہو گیا مگر اُن کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب یکایک مفسدین کے نعروں سے مدینہ کی گلیاں گونج اٹھیں۔ مصر، کوفہ اور بصرہ کے مفسدین کے گروہوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کو گھیر لیا اور انتقام کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت علی اہلِ مصر کے پاس آئے اور اُن سے پوچھا کہ تم لوگ تو مصر روانہ ہو گئے تھے لوٹ کیوں آئے؟ انہوں نے کہا ہمیں راستہ میں ایک قاصد ملا جو تیزی کے ساتھ مصر کی طرف جا رہا تھا۔ ہم نے اُس کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے ہمارے قتل کا فرمان نکلا جس پر خلیفہ کی مُہر ہے۔

حضرت علیؓ نے اہلِ بصرہ و کوفہ سے پوچھا کہ تم لوگ کیوں آئے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم اپنے بھائیوں کی مدد کرنے آئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے پوچھا تم لوگوں کے راستے مختلف ہیں تم اپنے اپنے راستوں پر کافی فاصلہ طے کر چکے تھے پھر تمہیں آپس میں ملاقات کا موقع کیونکر ملا۔ مفسدین اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! یہ سب تمہاری سازش ہے۔ مفسدین نے کہا آپ جو چاہیں سمجھ لیں ہمیں عثمانؓ کو خلیفہ رکھنا منظور نہیں ہے۔ خدا نے ہمارے لئے اس شخص کا خون حلال کر دیا ہے۔ آپ بھی اس کام میں ہماری اعانت کیجئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں تمہاری مدد نہ کروں گا۔ مفسدین نے کہا پھر آپ نے ہمیں خط لکھ کر کیوں بلایا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے تمہیں کوئی خط نہیں لکھا۔ اس جواب پر مفسدین ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔

حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ معاملہ ان کے قابو سے باہر ہو گیا ہے اور مفسدین انہیں بھی اس گندگی میں ملوث کرنا چاہتے ہیں تو وہ مدینہ سے باہر مقام احجار الزیت میں تشریف لے گئے۔

مفسدین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان کو فرمان دکھا کر کہا کہ یہ خط ہمارے متعلق آپ نے لکھا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ میں خدا کی قسم کھا کر

کہتا ہوں کہ مجھے اس کا علم تک نہیں۔ مفسدین نے کہا اگر آپ نے یہ خط لکھا ہے تو ظاہر ہے کہ آپ خلافت کے اہل نہیں اور اگر آپ کی طرف سے یہ خط لکھ دیا گیا ہے اور آپ کو اس کا علم نہیں تب بھی آپ خلافت کے لائق نہیں۔ کیونکہ جس خلیفہ کے علم کے بغیر اس کی طرف سے ایسے اہم فرمان مُہرِ خلافت کے ساتھ جاری کر دیئے جائیں وہ اس اہم ذمہ داری کے لائق نہیں ہو سکتا۔ مفسدین نے حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کیا کہ آپ منصبِ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ حضرت عثمانؓ نے اس مطالبہ کو ردّ کر دیا اور فرمایا۔

"میں اس عزّت کی قمیص کو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنا دی ہے اپنے ہاتھوں نہ اُتاروں گا۔"

محاصرہ مفسدین نے جب دیکھا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں تو انہوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ چالیس روز تک قائم رہا اور بتدریج سخت تر ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ آخری دنوں میں آپ پر پانی کی بھی بندش کر دی گئی۔

بلوائیوں نے شہر میں اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا اُس سے تعرض نہ کیا جائے گا لیکن جو شخص باہر نکلے گا اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔ مفسدین کی بدتمیزی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ حضرت ام المؤمنین ام حبیبہؓ نے کھانے کا کچھ سامان لے کر حضرت عثمانؓ تک پہنچنے کی کوشش کی تو انہیں بزور روک دیا گیا۔ یہ رنگ دیکھ کر اکثر صحابہؓ اپنے گھروں میں خانہ نشین ہو گئے اور کچھ مدینہ کو چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ تاہم حضرت عثمانؓ کے مکان میں ان کی حفاظت کے لئے تقریباً سات سو کی جمعیت موجود تھی۔ اس جمعیت میں حضرات حسنؓ، حسینؓ، حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے محمدؓ اور حضرت زبیرؓ کے صاحبزادہ عبداللہ، حضرت ابو ہریرہؓ، سعید بن عاص، مروان وغیرہ شامل تھے۔ ان محافظین کی مفسدین سے کئی مرتبہ جھڑپیں ہوئیں۔ مروان تو اس قدر زخمی ہوا کہ زندگی کی توقع نہ رہی اور حضرت حسنؓ کے بھی کچھ زخم

آئے۔ مفسدین چاہتے تھے کہ کسی طرح بغیر مقابلہ کے حضرت عثمانؓ پر قابو پالیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر باقاعدہ مقابلہ ہوا تو حضرات حسنؓ و حسینؓ کی وجہ سے بنو ہاشم میدان میں آجائیں گے۔

حالتِ محاصرہ ہی میں آپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر الحج بنا کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ کیا۔ ایک غرض یہ بھی تھی کہ اہلِ مکہ کو مدینہ کے حالات کا علم ہو جائے۔ علاوہ ازیں اسلامی صوبہ جات کے امراء کے پاس بھی آپ نے مفسدین کی ہنگامہ آرائی کی خبر بھیجی اور اُن سے مدد طلب کی۔

بے نظیر عزم و ثبات

جب محاصرے نے طول کھینچا اور مفسدین کی جفا کاریاں بڑھیں تو حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المؤمنین آپ مسلمانوں کے امام ہیں۔ مفسدوں کی بد باطنی سے آج آپ کی جان خطرہ میں ہے۔ میں آپ کے سامنے تین تجویزیں پیش کرتا ہوں ان میں سے کسی ایک کو قبول کر لیجئے۔ باہر نکل کر مفسدین کا مقابلہ کیجئے۔ آپ کے ساتھ جانثاروں کی معقول تعداد موجود ہے۔ پھر یوں بھی آپ حق پر ہیں۔ اور حق کی فتح کے لئے اہلِ مدینہ آپ کی مدد کریں گے یا صدر دروازہ کو چھوڑ کر کہ جسے مفسدین نے گھیر رکھا ہے کسی اور طرف دروازہ پھوڑ کر مکہ معظمہ تشریف لے جائیے۔ مفسدین میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ مکہ میں آپ پر دست درازی کر سکیں۔ یا پھر آپ ملک شام کی طرف کوچ کیجئے کہ وہاں معاویہ اور آپ کے دوسرے معاونین موجود ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا پہلی صورت تو مجھے اس لئے منظور نہیں کہ میں پہلا وہ خلیفہ بننا نہیں چاہتا جو اپنی تلوار کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کرے۔ دوسری تجویز اس لئے ناقابلِ قبول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ قریش میں سے ایک شخص مکہ معظمہ کی بے حرمتی کرے گا اور ساری دُنیا کے عذاب کا آدھا اُس کے حصہ میں آئے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میں مکہ معظمہ کی بے حرمتی کا سبب بنوں۔ تیسری راہ میں اس لئے اختیار نہیں کر سکتا کہ رسول اکرمؐ کے

دار الہجرت اور آپؐ کے جوار کی عزت کو میں کسی قیمت پر ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔[۱]

شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کی بنا پر یقین تھا کہ شہادت کی سعادت اُن کے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبانی اُنھوں نے یہ سُنا تھا کہ جب اُمتِ محمدیہ میں ایک بار تلوار کھنچ جائے گی تو پھر وہ قیامت تک بے نیام رہے گی۔ لہٰذا ان کی خواہش تھی کہ اُمتِ محمدیہ کو اس اندرونی عذاب سے جب تک بچایا جا سکتا ہے بچانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ دورانِ محاصرہ میں کئی مرتبہ حضرت عثمانؓ نے بالا خانہ پر چڑھ کر محاصرین کو پند و نصیحت کی اور تفصیل کے ساتھ اپنے فضائل و مناقب بیان کئے مگر ان سنگ دِلوں پر جن کے ایمان کی روشنی ماند پڑ چکی تھی کچھ اثر نہ ہُوا۔

آخر جب باغیوں کو یقین ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اگر مزید انتظار کیا گیا تو حج کا موسم ختم ہو جانے کی وجہ سے بہت سے حاجی مدینہ منورہ میں آ جائیں گے اور صوبہ جات سے بھی امدادی لشکر پہنچ جائیں گے تو اُنھوں نے آپ کو شہید کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چونکہ صدر دروازہ پر حضرات حسنینؓ اور عبداللہ بن زبیر اور محمد بن طلحہ وغیرہ بھی مدافعت کے لئے موجود تھے اور باغی ان سے مقابلہ مناسب نہ سمجھتے تھے اس لئے وہ دیوار پھاند کر آپ کے مکان میں گھس گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھے۔ محمد بن ابی بکر جو اس جماعت میں پیش پیش تھے حضرت عثمانؓ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ بھتیجے اگر آج تمہارے باپ زندہ ہوتے تو انہیں تمہاری یہ حرکت پسند نہ آتی۔ محمد ابن ابی بکر شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ غافقی نے پیشانی مبارک پر لوہے کا ایک گرز مارا۔ جس سے آپ پہلو کے بل گر پڑے۔ سودان بن حمران نے تلوار کھینچ کر آپ پر

---

[۱] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۴ ص۱۰۸

وار کیا۔ لیکن وفادار بیوی نائلہ بنت فرافصہ نے اُسے اپنے ہاتھ پر روکا اور اُن کی اُنگلیاں اُڑ کر الگ جا پڑیں۔ پھر عمرو بن حمق نے اپنی حماقت وضلالت کا ثبوت اس طرح دیا کہ ذی النورین کے سینۂ مبارک پر چڑھ بیٹھا اور آپ کے نو زخم لگائے۔ پھر کوئی شقی ازلی آگے بڑھا اور اس نے گردن مبارک کو جسم سے جُدا کر دیا۔ خونِ عثمانی کے قطرے جس آیت پر گرے وہ یہ تھی :۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ؕ "ان کے مقابلہ میں خدا تمہارے لئے کافی ہے اور وہی صاحبِ علم اور سُننے والا ہے۔"

حضرت عثمانؓ کا گھر بہت وسیع تھا۔ یہ واقعۂ ہائلہ اس خاموشی اور عجلت کے ساتھ ہو گزرا کہ محافظین کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جب علم ہوا تو ہر شخص اپنی جگہ دم بخود رہ گیا کسی کو یہ گمان نہ تھا کہ باغی اس قدر جرأت کر گزریں گے کہ مدینۃ الرسول میں خلیفۃ الرسول کے حلقوم پر چھری پھیر دیں۔ جن لوگوں کو حضرت عثمانؓ سے بعض انتظامی امور میں مخاصمانہ اختلافات تھے وہ بھی مفسدین کی اس حرکت پر افسوس کرنے لگے۔

حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم اجمعین کو جب یہ خبر پہنچی تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ واصل بحق ہو چکے ہیں۔ بے اختیار اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ زبان سے نکلا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادوں سے فرمایا۔ تم لوگوں کے یہاں ہوتے ہوئے امیر المؤمنین کس طرح شہید ہو گئے۔ پھر حضرات حسنین کو سزا دی اور محمدؒ بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بُرا بھلا کہا۔

خلیفۃ المسلمین کے گلشنِ حیات کو تاراج کرنے کے بعد مفسدین نے کاشانۂ خلافت کو لُوٹا، پھر بیت المال پر ہاتھ صاف کیا۔ سارے مدینہ میں مفسدین کا راج تھا دلوں پر ان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی اور زبانوں پر اُن کے خوف سے مُہر لگی ہوئی تھی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو جمعہ کے دن عصر کے وقت ہوئی۔ تین روز تک نعش بے گور و کفن پڑی رہی۔ چند لوگ حضرت علیؓ کے پاس گئے اُن کی سفارش

سے دفن کی اجازت ملی۔ مغرب اور عشاء کے درمیان جنازہ اٹھایا گیا۔ سترہ آدمیوں نے مل کر نمازِ جنازہ پڑھی۔ حضرت جبیر بن مطعم یا حضرت زبیرؓ نے نمازِ جنازہ کی امامت کی۔ جنت البقیع کے قریب حش کوکب میں عروسِ خلافت کو رنگین کپڑوں میں دفن کر دیا گیا۔

افسوسناک نتائج قاتلینِ عثمانؓ کی تلوار نے مسلمانوں کی وحدتِ ملیہ کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔

(۱) عثمانی (۲) شیعۂ علی (۳) مرجئہ (۴) اہل الجماعہ۔

عثمانی اہلِ شام و اہلِ بصرہ قرار پائے۔ یہ حضرت عثمانؓ کو حق و انصاف پر سمجھتے تھے اور اُن کے قاتلین کو ظالم قرار دے کر ان سے قصاص لینا ضروری سمجھتے تھے۔ لیکن اہلِ شام کہتے تھے کہ خلیفۂ مظلوم کے ولی حضرت معاویہؓ ہیں جو اُن کے قریبی عزیز ہیں لہٰذا ہمیں اُن کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر خلیفۂ مظلوم کا قصاص لینا چاہیئے۔ اہلِ بصرہ طلبِ قصاص کا مستحق حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کو سمجھتے تھے کیونکہ یہ حضرت عمرؓ کے مجوزہ اہلِ شوریٰ میں سے تھے۔ شیعۂ علی اہلِ کوفہ اور اُن کے ساتھی قرار پائے۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت عثمانؓ کو خلافت کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ قاتلینِ عثمان بھی انہی میں شامل تھے۔

مرجئہ وہ لوگ کہلائے جو مختلف بلاد و امصار میں مصروفِ جہاد تھے۔ انہوں نے کہا جب ہم مدینہ سے روانہ ہوئے تھے تو مسلمانوں میں کوئی تفرقہ نہ تھا۔ جب واپس آئے تو آپس میں تلوار چلتی دیکھی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ شیعۂ علی حقانیت پر ہیں یا شیعۂ عثمان۔ لہٰذا ہم نہ کسی پر لعنت بھیجتے ہیں اور نہ کسی کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کے معاملہ کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ اہل السنت والجماعۃ کے نام سے وہ لوگ موسوم ہوئے جنہوں نے ہزارہا صحابہ کرام و تابعین عظام کے معتدل مسلک کو اختیار کیا۔

ان حضرات کا قول تھا کہ ہم حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے محبت رکھتے ہیں، کسی پر لعنت بھیجنا جائز نہیں سمجھتے۔ ان میں سے اگر کسی سے خطاء

مرتد ہوئی تو وہ خطاء اجتہادی تھی جو قابلِ مواخذہ نہیں [1]۔

ظاہر ہے کہ ان افسوس ناک اختلافات کی بنیاد یہ وقتی سیاسی مسئلہ تھا کہ "حضرت عثمانؓ مستحق عزل ہیں یا نہیں" اور ان متخالف جماعتوں کی حیثیت ان سیاسی پارٹیوں کی تھی جن کا وجود ہر اس نظامِ حکومت میں ناگزیر ہے جس کی بنیاد شوریٰ اور ڈیموکریسی پر ہو۔ لیکن جن دشمنانِ اسلام کا ہاتھ پس پردہ کام کر رہا تھا۔ ان کا مقصد وحدتِ اسلامی کے قصرِ رفیع میں ایسے شگاف پیدا کرنا تھا جو کبھی بھرے نہ جاسکیں۔ ان دشمنانِ اسلام کی جدوجہد سے ہر پارٹی نے اپنے مخصوص نظریات کی تاویلات کتاب وسنت میں تلاش کرنا شروع کر دیں اور بعض گم کردہ راہ جماعتوں نے عقائد اسلامی میں ایسی تحریفات کیں جو اُن کے اعمال سے ہم آہنگ ہو سکیں۔

نتیجہ وہی ہوا جو دشمنوں کا مدعا تھا بہت جلد یہ "سیاسی پارٹیاں" مذہبی گروہوں کی صورت میں تبدیل ہو گئیں۔ پھر یہ گروہ مزید فرقوں میں تقسیم ہونے اور قبائلِ وحدتِ اسلامیہ پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

ان اختلافات کا اس سے بھی زیادہ اندوہناک ثمرہ یہ ہوا کہ منصبِ خلافت کا فیصلہ رائے عامہ کی بجائے زبانِ خنجر سے ہونے لگا۔ اسلامی نظامِ حکومت جس کا اساس "شوریٰ" تھی درہم وبرہم ہو گیا اور اسلامی نظامِ حکومت کے ساتھ اسلامی نظامِ زندگی بھی جو اسی کے سہارے قائم تھا تباہ و برباد ہو گیا۔ اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئیاں پوری ہوئیں

تدور رحی الاسلام بخمس و	نظامِ اسلامی اپنے محور پر (کتاب وسنت)
ثلاثین اوست وثلاثین اوسبع	پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال
وثلاثین سنۃ۔ (ابوداؤد) [2]	گھومتا رہے گا"۔

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۴ ص ۸۱۶ بحوالہ ابنِ عساکر۔

[2] اس مدت کو واقعۂ ہجرت سے جو تاریخ اسلامی کا مبدا ہے شمار کیا جائے تو ۳۵ سال حضرت عثمانؓ کی شہادت پر ختم ہوتے ہیں چھتیسویں سال واقعۂ جمل اور سینتیسویں سال حادثۂ صفین پیش آیا۔

اذا وضع السیف فی امتی لم یرفع عنہا الی یوم القیامۃ ۔ (رواہ الترمذی) "جب میری اُمت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو پھر قیامت تک نہ اُٹھے گی ۔"

خاندانِ عثمانؓ حضرت عثمان غنیؓ نے مکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ سے شادی کی ۔ ایام بدر میں جب اُن کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ کی دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثومؓ سے عقد کا شرف حاصل ہُوا ۔ حضرت رقیہؓ کے بطن سے آپ کے صاحبزادے عبداللہ اکبر پیدا ہُوئے جو بچپن ہی میں فوت ہو گئے ۔ حضرت اُم کلثوم کے بعد حسبِ ذیل نکاح کئے ۔

فاختہ بنت غزوان :۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادہ عبداللہ اصغر پیدا ہُوئے جو کم سنی ہی میں انتقال کر گئے ۔

ام عمرو بنت جندب دوسی :۔ ان سے چار صاحبزادے عمرو، والد، ابان، عمر اور ایک صاحبزادی مریم پیدا ہُوئیں ۔

فاطمہ بنت ولید مخزومیہ :۔ ان سے دو صاحبزادے ولید اور سعید اور ایک صاحبزادی ام سعید پیدا ہُوئیں ۔

ام بنین بنت عینیہ فزاریہ :۔ ان سے عبدالملک پیدا ہُوئے جو کم سنی ہی میں فوت ہو گئے ۔

رملہ بنت شیبہ :۔ ان سے تین صاحبزادیاں عائشہ، ام ابان اور ام عمرو پیدا ہُوئیں ۔

نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ :۔ ان سے ایک صاحبزادی مریم پیدا ہوئیں جو بچپن ہی میں فوت ہو گئیں ۔ شہادت کے وقت فاختہ، ام البنین، رملہ اور نائلہ موجود تھیں ۔

عمالِ عثمانؓ ۳۵ھ میں جب حضرت عثمانؓ کی شہادت ہُوئی آپ کی طرف سے مختلف صُوبوں میں حسبِ ذیل عمال مقرر تھے :۔

مکہ :۔ عبداللہ بن حضرمی

طائف :۔ قاسم بن ربیعہ ثقفی

صنعاء :۔ یعلیٰ بن منیہ

جند :۔ عبداللہ بن ربیعہ

بصرہ :۔ عبداللہ بن عامر

شام :۔ معاویہؓ بن ابی سفیان

حمص :۔ عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید

قنسرین :۔ حبیب بن مسلمہ فہری

اُردن :۔ ابوالاعور سلمی

فلسطین :۔ علقمہ بن حکیم کنانی

کوفہ :۔ ابوموسیٰ اشعری

قرقیسیا :۔ جریر بن عبداللہ

آذربیجان :۔ اشعث بن قیس کندی

حلوان :۔ عتیبہ بن نہاس

ماہ :۔ مالک بن حبیب

ہمدان :۔ نسیر

رَی :۔ سعید بن قیس

اصفہان :۔ سائب بن اقرع ۔

مصر :۔ عبداللہ بن سعد ۔

ان صوبوں میں سے بڑے بڑے صوبے پانچ تھے۔ مصر، شام، قنسرین، بصرہ اور کوفہ، فوجی مراکز ہونے کی وجہ سے دوسرے صوبہ جات ان کے تابع تھے۔ مصر کے تابع کل افریقی مقبوضات تھے۔ شام کے ماتحت دمشق کے علاوہ حمص، اردن اور فلسطین تھے۔ قنسرین کے ماتحت کل آرمینیہ تھا۔ کوفہ اور بصرہ کے ماتحت کل مشرقی و مغربی فارس تھا۔ گویا ان صوبوں کے والیوں کی حیثیت گورنر جنرل کی تھی جو ملحقہ چھوٹے صوبوں کے بھی حاکم اعلیٰ تصور کئے جاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بیت المال کے نگراں عُقبہ بن عامر، اور قاضی زید بن ثابت تھے ۔

عہدِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

انتخابِ خلافت

شہادتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مدینہ منورہ کی فضا فتنہ و فساد کے غبار سے تاریک تھی۔ آفاقی (مصر، کوفہ اور بصرہ کے مفسدین) دارالخلافہ پر چھائے ہوئے تھے۔ اکابر صحابہ میں سے کچھ تو ملک کی فوجی و انتظامی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں سرحدات اور مختلف صوبجات میں منتشر تھے۔ کچھ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ میں مقیم تھے اور کچھ مدینہ منورہ میں فتنہ و فساد کی گرم بازاری دیکھ کر مختلف اطراف میں نکل گئے تھے۔ تھوڑی سی تعداد مدینہ منورہ میں موجود تھی مگر آفاقیوں کے غلبہ و تسلط نے آزادیٔ فکر و عمل کا حق ان کے لئے محفوظ نہ رکھا تھا۔

شہادتِ حضرت عثمان غنی کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ غافقی (امیر مفسدینِ مصر) مسجدِ نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اس دوران میں آفاقیوں نے حضرت علیؓ کا نام خلافت کے لئے تجویز کیا اور ان سے اس منصب کو قبول کرنے کی درخواست کی۔

حضرت علیؓ نے پہلے تو انکار کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ اکابر صحابہ کی بھی یہی رائے ہے تو آپ نے اس بارِ گراں کی ذمہ داری کو قبول فرما لیا۔

سب سے پہلے مالک اشتر نے بیعت کی۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں نے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مجوزہ "ارباب شوریٰ" میں سے تھے اور ان کی طرف سے مخالفت کا احتمال تھا

اس لئے حضرت علیؓ نے انہیں بلوایا اور اُن سے کہا اگر آپ خلافت کے خواہش مند ہوں تو میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دونوں نے انکار کیا۔ اب حضرت علیؓ نے کہا کہ اچھا تو پھر آپ صاحبان میرے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے۔

یہ سُن کر حضرت طلحہؓ نے قدرے تامل کیا۔ اس پر مالک اشتر نے تلوار کھینچ لی اور کہا بیعت کرو ورنہ ابھی سر تن سے جُدا کر دوں گا۔ چنانچہ ان دونوں صاحبان نے بھی بیعت کر لی۔ سعد بن وقاص کو بھی بلایا گیا۔ انہوں نے کہا جب دوسرے لوگ بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ آپ میری طرف سے اطمینان رکھئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا انہیں جانے دو۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا گیا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ آپ اپنا کوئی ضامن دیجئے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا میں کوئی ضامن نہیں دے سکتا۔ اشتر پھر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ انہیں میرے حوالہ کیجئے۔ میں ابھی ان کی گردن مارتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں ان کا ضامن ہوں۔ اکابر انصار میں سے بھی ایک بڑی جمعیت نے بیعت نہیں کی۔ کچھ نام یہ ہیں:۔ حسان بن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید خدری، محمد بن مسلمہ، نعمان بن بشیر، زید بن ثابت، رافع بن خدیج، فضالہ بن عبید، کعب بن عجرہ۔ علاوہ ازیں قدامہ بن مظعون، عبداللہ بن سلام اور مغیرہ بن شعبہ نے بھی بیعت سے انکار کیا۔ بہت سے لوگ بالخصوص بنی امیہ کے خاندان کے لوگ شام کی طرف فرار ہو گئے اور بیعت سے گریز کیا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ حضرت عثمانؓ کا خون آلود کرتہ اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں بھی لیتے گئے۔ یہ دونوں چیزیں جب جامع دمشق میں منظرِ عام پر لائی گئیں تو ساٹھ ہزار حامیانِ عثمانؓ کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور ساری مسجد "انتقام انتقام" کے نعروں سے گونج اٹھی۔

حالات قبلِ خلافت

آپ کا نام علی ہے۔ ابوالحسن اور ابوتراب کنیت ہے۔ حیدر لقب ہے۔ والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :-

علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوئی ۔

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی ہونے کا فخر حاصل تھا اور نجیب الطرفین ہاشمی تھے ۔

حضرت علیؓ بعثتِ نبویؐ سے دس سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کثیر العیال شخص تھے۔ ان کی مدد کے خیال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا تھا ۔

قبولِ اسلام حضرت علیؓ کی عمر کا دسواں سال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلعتِ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ ایک دن حضرت علیؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی محترم شریکِ زندگی حضرت خدیجہ کبریٰ دربارِ خداوندی میں سربسجود ہیں ۔ جب یہ دونوں بزرگ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ نے طفلانہ حیرت کے ساتھ پوچھا۔ آپ دونوں یہ کیا کر رہے تھے ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کر رہے تھے۔ ہم تمہیں بھی اس کی ہدایت کرتے ہیں اور لات وعزیٰ کے سامنے سر جھکانے کی ممانعت کرتے ہیں ۔

حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو میں نے اب تک نہیں سنی ۔ میں اپنے والد سے پوچھ کر آپ کو جواب دوں گا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علی ! ابھی کسی سے اس کا تذکرہ کرنے

کی ضرورت نہیں ۔ اگر تمہیں تامل ہے تو تم خود سوچ کر فیصلہ کرلو۔ حضرت علیؓ رات بھر غور و فکر کرتے رہے اور دوسرے دن صبح کو بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

ہجرت تیرہ سال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مکہ معظمہ میں تبلیغِ اسلام کا فرض انجام دیا۔ مگر بہت کم وہ سعید روحیں تھیں جنہوں نے اس روشنی کو قبول کیا۔ قریش نے اس روشنی کو قبول کرنے سے انکار ہی نہیں کیا۔ بلکہ اسے بجھا دینے کا ارادہ کر لیا۔ ابو جہل کی رائے کے مطابق مختلف قبیلوں کے ممتاز جوان رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو شہید کرنے کے لئے مامور ہوئے۔ خداوند قدوس نے اپنے نبی کو کافروں کے ارادے سے مطلع کیا اور مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔

جس رات رسول اللہ مدینہ کو روانہ ہو رہے تھے۔ نوجوانانِ قریش ننگی تلواریں لے کر کاشانۂ نبوت کے چاروں طرف چکر لگا رہے تھے اور آپ کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر مبارک پر لٹایا اور سورۂ یٰسین کی آیت :-

فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۔ ”ہم نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے وہ اب نہیں دیکھ سکتے“

کی تلاوت کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ نوجوانِ قریش یہی سمجھتے رہے کہ رسولؐ اللہ ہی بستر پر آرام فرما رہے ہیں اور منتظر رہے کہ جب نکلیں گے تو وار کریں گے۔

صبح کو جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بجائے حضرت علیؓ بستر پر سے اُٹھے تو کفار کو سخت حیرانی ہوئی۔ اُنھوں نے تعجب سے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ محمدؐ کہاں گئے ؟ حضرت علیؓ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ کفار سمجھ گئے کہ محمدؐ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر نکل گئے اور ان کا وار خالی گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد حضرت علیؓ دو تین روز مکہ میں مقیم رہے۔ رسول کریمؐ کے پاس جن لوگوں کی امانتیں تھیں وہ اُن کے سپرد کیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

شرفِ مصاہرت ہجرت کے دوسرے سال حضرت علیؓ کو رسول اللہ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضورؐ کی چہیتی صاحبزادی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے بھی اُن کے لئے حضورؐ کو پیغام دیا تھا۔ مگر آپؐ نے عُمر کی مناسبت کا خیال فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کی درخواست کو منظور فرمایا۔ حضرت علیؓ کی ازدواجی زندگی اگرچہ فقیرانہ تھی مگر دولتِ محبّت و اخلاص سے خالی نہ تھی۔ جب تک حضرت فاطمہ زہرا زندہ رہیں آپ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔

شرکتِ غزوات حضرت علیؓ بجز غزوۂ تبوک کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ذوالفقارِ حیدری کے جوہر دکھائے۔ ۲ھ میں میدانِ بدر میں جب کفر و اسلام کی پہلی معرکہ آرائی ہوئی تو عربی قاعدہ کے مطابق قریش کی صفوں میں سے تین بہادر مبارزہ کے لئے نکلے۔ جماعتِ اسلامی میں سے بھی تین انصاری ان کے مقابلہ کے لئے میدان میں آئے مگر قریش نے کہا کہ ہم انصار سے مقابلہ کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارا مقابلہ قریش ہی کے نوجوانوں سے ہو گا جو ہمارے ہم کفو ہیں۔ اس پر رسول اقدسؐ نے حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ کو میدان میں بھیجا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حریف عتبہ کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ولید کو تہ تیغ کیا۔ لیکن عبیدہؓ شیبہ کی تلوار سے زخمی ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ جھپٹ کر عبیدہؓ کی مدد کو پہنچے اور ان کے حریف کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔

۳ھ کو جنگِ اُحد ہوئی جس میں بعض مسلمانوں کی اجتہادی غلطی سے فتح، شکست میں بدل گئی۔ چونکہ اس لڑائی میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ سرکارِ نامدار

شہید ہو گئے ہیں اس لئے بڑے بڑے جاں باز مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ مگر حضرت علیؓ ان فدائیوں میں سے تھے جو اس موقع پر بھی ثابت قدم رہے۔ ایک کافر ابو عامر نے ایک گڑھا کھود رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے مبارک اس میں جا پڑا اور آپ گر گئے۔ حضرت علیؓ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت طلحہؓ نے آپ کو سہارا دے کر نکالا۔ اب صحابہؓ کو معلوم ہوا کہ حضورؐ زندہ وسلامت ہیں۔ جاں نثار آپؐ کو ایک حلقہ میں لے کر پہاڑ پر لے گئے۔ اس لڑائی میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لبِ مبارک اور رخسارِ پُرانوار زخمی ہو گئے تھے اور ایک دانت بھی شہید ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں بھر بھر کر پانی لائے اور حضرت فاطمہؓ نے زخم دھو کر اس کی مرہم پٹی کی۔ جنگ احد میں حضرت علیؓ کے سترہ زخم آئے۔

۵ھ میں مدینہ منورہ کے اردگرد بسنے والے یہودیوں کی سازش سے کفارِ قریش کے ایک لشکرِ عظیم نے مدینہ کو گھیرا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کی حفاظت کے لئے خندق کھدوائی اور جا بجا بہادر صحابہ کو متعین کیا کہ وہ کافروں کو اندر گھسنے کا موقعہ نہ دیں۔ اس غزوہ میں بھی حضرت علیؓ نے شمشیرِ حیدری کے جوہر دکھائے۔

غزوۂ خندق میں کامیابی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے فتنہ کی طرف توجہ کی جو مارِ آستین بنے ہوئے تھے۔ پہلے آپ نے بنو قریظہ پر فوج کشی کی۔ اس موقعہ پر علمِ اسلام حضرت علیؓ کے سپرد کیا گیا اور آپ ہی کو مقدمۃ الجیش کا افسر معین کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے بنو قریظہ کی گڑھی کو گھیر کر اس پر قبضہ کر لیا اور صحنِ قلعہ میں نماز ادا کی۔

۶ھ میں معلوم ہوا کہ بنو سعد یہود خیبر کی مدد کے لئے جمع ہو رہے ہیں آپ نے حضرت علیؓ کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور یہ مہم بخیر وخوبی کامیاب ہوئی۔ ۷ھ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ لوگ منافقینِ مدینہ کی مدد سے مدینہ پر غارت گری کا ارادہ کر رہے

تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سو میل کا فاصلہ طے فرما کر خیبر پہنچے۔ یہودِ خیبر نے یہاں بڑے بڑے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے جنہیں فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ ان قلعوں میں سب سے بڑا قلعہ قموص تھا جس میں یہودیوں کا مشہور سردار مرحب رہتا تھا۔ جب متعدد اکابر صحابہ قلعہ قموص کو فتح کرنے میں ناکام رہے تو آپؐ نے فرمایا۔

"میں کل اُس شخص کو عَلَم دوں گا جو خدا و رسول کا محبوب ہے اور خدا اور رسول اُس کے محبوب ہیں۔ خدا اس مہم کو اسی کے ہاتھ سر کرائے گا۔"

دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو طلب فرمایا اور آپ کو عَلَم عطا کیا۔ حضرت علیؓ نے حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ مرحب اور اُس کے بھائی کو خاک و خون میں تڑپایا اور عَلَمِ اسلامی قلعہ پر لہرایا۔ ۸ھ میں فتح مکّہ اور پھر غزوۂ حنین میں بھی حضرت علیؓ پیش پیش تھے۔ فتح مکّہ کے موقعہ پر عَلَمِ اسلام حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا اور غزوۂ حنین میں آپ ان ثابت قدم صحابہ میں تھے جن کی نوکِ شمشیر نے نقشۂ جنگ کو بگڑنے سے بچا لیا۔

۹ھ میں شام کے عیسائی بادشاہ کے حملہ کی خبر سُن کر آنحضرتؐ نے تبوک کا قصد فرمایا۔ چونکہ مدینہ پر غارت گری کا اندیشہ تھا اس لئے آپ نے اپنے اہلِ بیت کی حفاظت کے لئے حضرت علیؓ کو مدینہ میں ہی روک دیا۔ منافقین نے حضرت علیؓ کو طعن دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس غزوہ میں شریک کرنا پسند نہیں فرمایا۔ اس پر حضور رسول اکرمؐ نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا:-

"اے علی کیا تمہیں پسند نہیں کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو موسیٰؑ کے نزدیک ہارون کا تھا۔"

اعلانِ برأت

۹ھ میں مسلمانوں کے اہتمام سے پہلا حج ہُوا۔ رسول اکرمؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد

سورۂ برأت نازل ہوئی جس میں مشرکین سے مسلمانوں کے عہد ناموں کی تنسیخ کا اعلان تھا۔ عرب کے قاعدہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عزیز ہی ان کی طرف سے اس قسم کا اعلان سُنا سکتا تھا۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو منتخب کیا اور اپنی اونٹنی قصواء پہ انہیں مکہ روانہ کیا۔ حضرت علیؓ نے جمرہ کے قریب سورۂ برأت کی آیات سنائیں اور اعلان کر دیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کعبہ کا قصد نہ کرے۔

دیگر فضائل

حضرت علیؓ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ایک رکن تھے اور درس گاہِ نبوت ہی میں ان کی تربیت ہوئی۔ اس لئے کمالاتِ علمی میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ رسول اکرمؐ نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

انامدینۃ العلم وعلی بابھا — مَیں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی شرعی حکم علیؓ کے ذریعہ معلوم ہو جائے تو کسی اور کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کاتبِ وحی اور منشیِ فرامین تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی کے قلم سے لکھا گیا تھا۔ حضورؐ نے یمن میں اشاعتِ اسلام کے بعد آپ کو وہاں کا قاضی مقرر کیا۔ آپ نے اس اہم فرض کو بڑی لیاقت اور ذہانت کے ساتھ انجام دیا۔ عہدِ خلفاءِ ثلاثہ میں بھی آپ کی بصیرتِ علمی نے بہت سے اُلجھے ہوئے احکام و قضایا کے سُلجھانے میں مدد دی۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:۔

"ہم میں سب سے بہتر مقدمات کا فیصلہ کرنے والے علی ہیں"

حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔ حضرت عمرؓ کے مجوزہ اصحابِ شوریٰ میں بھی آپ شامل تھے۔ روانگی بیت المقدس کے وقت حضرت عمرؓ نے آپ کو اپنا قائم مقام بھی منتخب کیا تھا۔

واقعاتِ عہدِ خلافت

خطبۂ خلافت بیعت کے بعد آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی خاص طور پر تلقین کی۔ آپ کے خُطبہ کے بعض جملے یہ ہیں :۔

"خداوند تعالےٰ نے زمینِ حرم کو محترم قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کو اخلاص محبت اور اتحاد و یگانگت کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں بجز اس صورت کے کہ کوئی شرعی حق واجب ہو۔ خدا کے بندوں سے معاملہ کرتے ہُوئے خُدا سے ڈرو۔ قیامت کے دن تم سے اراضی اور مواشی کے معاملہ کے متعلق بھی باز پُرس کی جائے گی (انسانوں کا تو ذکر کیا ہے) اللہ عزّوجل کی اطاعت کرو۔ اس کے احکام سے سرتابی نہ کرو۔ نیکی کو قبول کرو اور بدی سے پرہیز کرو۔"

مطالبۂ قصاص خطبہ کے بعد صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی تھے حضرت علیؓ کے پاس آئے اور اُن سے کہا :۔

"آپ خلیفہ منتخب ہو چکے اب آپ کا پہلا کام حدودِ شرعیہ کا اجراء ہے لہٰذا قاتلینِ عثمان سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیجئے۔ ہم نے اسی شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا :۔

"میں خونِ عثمان کو رائیگاں نہ جانے دوں گا لیکن ابھی اس کا موقعہ نہیں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم مفسدین سے گھرے ہُوئے ہیں"

مدینہ میں انہی کا زور ہے۔ امرِ خلافت بھی ابھی مستحکم نہیں ہوا ہے۔ آپ تامل فرمائیں جب حالات سازگار ہوں گے میں یہ فرض ضرور انجام دوں گا۔"

حضرت علیؓ کا یہ جواب سن کر لوگوں میں مختلف خیالات کا اظہار کیا جانے لگا۔ بعض نے کہا حضرت علیؓ کی رائے صحیح ہے قصاص کے لئے ابھی انتظار کی ضرورت ہے۔ بعض نے کہا حضرت علیؓ قصاص سے گریز کر رہے ہیں۔ اگر وہ اس فرض کو انجام نہ دیں گے تو ہم خود انجام دے لیں گے۔ مفسدین نے سوچا کہ اگر حضرت علیؓ کو اطمینان کی فضاء میں سانس لینے کا موقع ملا تو پھر ہماری خیر نہیں۔ لہٰذا کوشش کی جائے کہ ایسی فضا پیدا ہی نہ ہو۔

عزلِ عمال

حضرت علیؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت عثمانؓ غنی کے زمانہ کے تمام عاملوں کو معزول کر دیا اور اُن کی جگہ نئے عامل نامزد کئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابن عباسؓ نے (جو حضرت علیؓ کے بہی خواہ اور اہل الرائے تھے) حضرت علیؓ کو ٹوکا اور کہا کہ آپ عاملوں کی معزولی میں عجلت نہ کریں۔ فی الحال آپ اُنہیں بیعت کے لئے لکھیں۔ جب وہ آپ کی بیعت کر لیں اور امرِ خلافت مستحکم ہو جائے تو آپ اُنہیں معزول کر سکتے ہیں۔ اگر آپ نے ابھی معزول کر دیا تو وہ آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیں گے اور خونِ عثمانؓ کے مطالبہ کے بہانہ سے مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ حضرت علیؓ نے اس معقول رائے کو رد کر دیا۔ مغیرہ بن شعبہ حضرت علیؓ سے ناراض ہو کر مکہ معظمہ چلے آئے۔

حضرت علیؓ نے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا، عمارہ بن شہاب کو کوفہ کا، عبیداللہ بن عباس کو یمن کا، قیس بن سعد کو مصر کا اور سہل بن حنیف کو شام کا عامل مقرر کیا اور پروانہائے عمل دے کر متعلقہ صوبوں کی طرف روانہ کیا۔

سہل (شام کے نئے والی) تبوک پہنچے تو انہیں امیر معاویہؓ کے سواروں نے روکا۔ سہل نے کہا میں شام کا امیر ہوں۔ سواروں نے جواب دیا۔ اگر تمہیں عثمانؓ نے بھیجا ہے تو خیر ورنہ بہتر یہی ہے کہ سیدھے واپس چلے جاؤ۔ سہل واپس مدینہ چلے آئے۔ قیس بن سعد مصر پہنچے تو وہاں تین جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت نے تو اُن کی امارت قبول کر لی۔ دوسری جماعت نے کہا اگر حضرت علیؓ نے قاتلینِ عثمان سے قصاص لیا تو ہم اُن کے ساتھ ہیں تیسری جماعت نے کہا اگر حضرت علی نے قاتلین عثمانؓ سے جو ہمارے عزیز ہیں قصاص نہ لیا تو ہم اُن کے طرفدار ہیں۔ عثمان بن حنیف بصرہ پہنچے تو یہاں بھی مصر کی طرح دو مختلف جماعتیں ہو گئیں۔ عمارہ بن شہاب کوفہ کے راستہ ہی میں تھے کہ انہیں طلیحہ بن خویلد اسدی ملے۔ انھوں نے عمارہ سے کہا اہلِ کوفہ ابوموسیٰ اشعریؓ کے سوا کسی کی امارت قبول نہ کریں گے۔ بہتر یہی ہے کہ مدینہ واپس چلے جاؤ ورنہ ابھی تمہارا سر تن سے جُدا کر دوں گا۔ عمارہ واپس ہو گئے۔

عبیداللہ بن عباس نے یمن پہنچ کر وہاں کی عنانِ امارت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ سابق امیر یعلیٰ بیت المال کی ساری رقم لے کر اُن کے آنے سے پہلے ہی مکہ روانہ ہو چکے تھے۔

معاویہؓ کی طرف سے علیؓ کے نام

حضرت علی نے ایک خط معبد اسلمی کے ہاتھ ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام روانہ کیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے خط کے جواب میں لکھا :۔

”اہلِ کوفہ نے میرے ہاتھ پر آپ کے لئے بیعت کر لی ہے آپ مطمئن رہیئے۔“

حضرت علیؓ نے حجاج بن غزیہ کے ہاتھ دوسرا خط امیر معاویہؓ کے نام شام روانہ کیا۔ اس میں لکھا تھا یا تو آپ بیعت کر لیجئے ورنہ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیے۔ امیر معاویہؓ نے بنی عبس کے ایک جرمی اور زبان دراز شخص کی معرفت حضرت علیؓ کو اُن کے خط کا جواب بھیجا۔ حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کے خط

کو کھولا تو اس میں صرف بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھا تھا۔ باقی تمام خط خالی تھا۔ لفافہ پر لکھا تھا "معاویہ کی طرف سے علی کے نام" حضرت علی کے پاس اُس وقت بعض معززین بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہیں اس مذاق پر سخت غصہ آیا اور عبسی قاصد سے پوچھا یہ کیا حرکت ہے؟ عبسی نے بڑی دلیری کے ساتھ جواب دیا :-

"حضرات میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ اُن کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں۔ اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص کو نیزوں پر اُٹھا رکھا ہے اور قسم کھائی ہے کہ جب تک قاتلینِ عثمان سے انتقام نہ لے لیں گے اُن کی تلواریں بے نیام رہیں گی"۔

اس پر خالد بن زفر عبسی نے کھڑے ہو کر کہا -

"اے قاصدِ شام کیا تو مہاجرین و انصار کو لشکرِ شام سے ڈرانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم! قمیصِ عثمان قمیصِ یوسف (علیہ السلام) نہیں، نہ معاویہ کا غم یعقوب (علیہ السلام) کا غم ہے۔ اگر شام میں اُن کا ماتم کرنے والے ہیں تو عراق میں اُن کی توہین کرنے والے بھی ہیں"۔[1]

حضرت علی نے عبسی کی زبان سے اس الزام کو سن کر کہا -

"اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔ واللہ قاتلینِ عثمان تو بچ کر نکل گئے"۔

عبسی قاصد جب شام کو واپس جانے لگا تو حامیانِ علی نے اسے مار ڈالنا چاہا۔ مگر اہلِ مدینہ میں سے اُس کے ہم قبیلہ لوگوں نے اُس کی جان بچائی -

حضرت معاویہؓ کے اس جواب سے حضرت علیؓ کو یقین ہو گیا کہ معاملہ آسانی

---

[1] الاخبار الطوال لابی حنیفہ احمد الدینوری صـ ۱۴۲ -

سے طے ہونے والا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے امیر معاویہ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ امام حسنؓ نے اپنے والد بزرگوار کو جنگ سے گریز کرنے اور خلافت سے دستبردار ہو جانے کا مشورہ دیا مگر حضرت علیؓ نے اُسے قبول نہ کیا۔

حضرت عائشہؓ کی تیاری

جس زمانے میں حضرت عثمان غنیؓ شہید ہوئے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلہ میں مکہ معظمہ میں تشریف رکھتی تھیں۔ حج سے فارغ ہو کر وہ مدینہ منورہ واپس آرہی تھیں کہ راستہ میں اس حادثہ جانکاہ کی خبر ملی۔ حضرت عائشہؓ مکہ لوٹ آئیں اور وہاں مجمع عام میں آپ نے ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے :-

"اے لوگو! مختلف مقامات کے اوباشوں نے مدینہ کے غلاموں کی مدد سے عثمان کو شہید کر دیا ہے اُن کی یہ حرکت بہت بڑا ظلم ہے۔ ان مفسدین نے عثمان پر کچھ الزامات لگائے جب وہ انہیں ثابت نہ کر سکے تو اُنہوں نے غدر برپا کر دیا۔ جس خون کو خدا نے حرام کر دیا تھا اُسے بہایا اور بلدِ حرام میں بہایا اور شہر حرام (ماہ ذی الحجہ) میں بہایا۔ پھر جس مال کو ہاتھ لگانا اُنہیں حرام تھا اُسے لُوٹا۔ خدا کی قسم عثمانؓ کی ایک انگلی ان بلوائیوں کی ایک دُنیا سے زیادہ محترم ہے"

مکہ کے عامل عبداللہ بن حضرمی یہ تقریر سُن کر بولے :-

"سب سے پہلے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کے معاملہ میں مَیں آپ کا مددگار ہوں"

عبداللہ بن عامر سابق والیٔ بصرہ اور یعلیٰ بن منیہ سابق والیٔ یمن بھی مکہ معظمہ آ گئے اور حضرت عائشہؓ کی جماعت میں شریک ہو گئے۔ بنی امیہ کے کچھ لوگ مدینہ سے بھاگ کر مکہ آ گئے۔ یہ سب بھی حضرت عائشہؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ ان میں سعید بن عاص، ولید بن عقبہ اور مروان بن الحکم بھی شامل تھے۔ حضرت زبیر و طلحہ بھی مدینہ سے مکہ چلے آئے۔ اُن کی زبانی حضرت

عائشہ رضؓ کو مدینہ کے تازہ حالات معلوم ہوئے اور اُن کے عزم انتقام میں مزید پختگی پیدا ہوگئی۔ ان ہی حضرات نے حضرت عائشہ کو بصرہ جا کر مالی و فوجی مدد حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے اثر و رسوخ کی وجہ سے مکہ معظمہ کے ڈیڑھ ہزار اشخاص اُن کے حکم کی تعمیل کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ضروری تیاریوں کے بعد یہ لشکر بصرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ میں جن لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ ام المومنین خلیفۂ مظلوم کے انتقام کے لئے جا رہی ہیں وہ بھی اس میں شامل ہوتے گئے۔ چنانچہ بہت جلد یہ تعداد تین ہزار ہو گئی۔

اُس زمانے میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی مکہ ہی میں تھے۔ بعض لوگوں نے اُن سے بھی شرکت کی درخواست کی۔ مگر آپ نے منظور نہ کیا بلکہ اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہ کو بھی روک لیا۔

حضرت عائشہ کی بصرہ روانگی یہ لشکر جب بصرہ کے قریب پہنچا تو حضرت عائشہ نے عثمان بن حنیف کو جو حضرت علی کی طرف سے بصرہ کے والی تھے اپنی آمد کی اطلاع دی۔ عثمان بن حنیف نے عمران بن حصین اور ابوالاسود دوئلی دو شخصوں کو حضرت عائشہ رضؓ کے پاس بھیجا کہ آنے کی غرض معلوم کریں۔ عمران اور ابوالاسود نے حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تکلیف فرمائی کی وجہ پوچھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا :-

"میرا مقصد یہ ہے کہ مفسدین نے حرم نبوی میں عثمان کا خون بہا کر جو فساد پھیلایا ہے اُس سے مسلمانوں کو آگاہ اور اس فساد کی اصلاح کے متعلق جو اُن کی ذمہ داریاں ہیں اُن سے خبردار کروں۔"

پھر یہ دونوں قاصد حضرت طلحہ و زبیر کے پاس آئے اور اُن سے یہی سوال کیا انہوں نے جواب دیا کہ "ہم عثمان کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے نکلے ہیں۔"

قاصدوں نے پوچھا۔ کیا آپ دونوں صاحبان نے حضرت علیؓ کے ہاتھ

پر بیعت نہیں کر لی ہے ؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"لیکن ہم سے بزورِ شمشیر بیعت لی گئی ہے۔ پھر ہم اس بیعت کو بھی نہ توڑتے اگر علی قاتلینِ عثمان سے انتقام لیتے یا ہمیں اُن سے انتقام لینے دیتے"

اس گفتگو کے بعد یہ دونوں قاصد عثمان بن حنیف کے پاس گئے اور انہیں کل حالات سے مطلع کیا۔ عثمان بن حنیف نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ حضرت علی کی طرف سے مدد پہنچنے تک اپنی پوری قوت کے ساتھ مدافعت کریں گے۔ انہوں نے ایک جلسہ منعقد کیا تاکہ اہلِ بصرہ کو مقابلہ کے لئے آمادہ کریں۔ اس جلسہ میں قیس نامی ایک شخص نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"بھائیو! طلحہ و زبیر اور اُن کے ساتھی اگر مکہ معظمہ سے اپنی جان بچانے کے لئے بصرہ آئے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ مکہ میں تو کوئی جانوروں کو بھی نہیں ستاتا۔ اور اگر خونِ عثمان کا قصاص لینے کے لئے آئے ہیں تو ہم تو قاتلینِ عثمان ہیں نہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کا مقابلہ کر کے انہیں لوٹا دو"

یہ تقریر سُن کر اسود بن سریع کھڑا ہوا اور اُس نے کہا۔

"ان دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہے، یہ لوگ اس لئے آئے ہیں کہ قاتلینِ عثمان کے مقابلہ میں خواہ وہ ہمارے عزیز ہوں یا غیر ہمیں اپنا مددگار بنائیں"

جلسہ میں اس موافق و مخالف راویوں کے اظہار سے عثمان بن حنیف کو یہ اندازہ ہو گیا کہ بصرہ میں حضرت طلحہ و زبیر کے مددگار بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ بہرکیف عثمان بن حنیف اپنے ساتھیوں کو لے کر بصرہ سے باہر نکلے اور مقام مربد کے بائیں جانب قیام کیا۔ ادھر حضرت عائشہؓ اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھیں اور مربد کے دائیں جانب فروکش ہوئیں۔

مقابلہ اور مصالحت جب دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہو گئے تو حضرت عائشہ کے لشکر میں سے افسر میمنہ حضرت طلحہ اور افسر میسرہ حضرت زبیر نکلے اور اپنے ساتھیوں کو خطاب کر کے حضرت عثمان کے فضائل بیان کئے اور اُن کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کی ترغیب دی۔ پھر حضرت عائشہؓ نے خود تقریر شروع کی۔ حضرت عثمانؓ کی بے گناہی اور مفسدین کے ظلم و ستم کو بیان کیا اور اُن سے انتقام لینے کو ضروریاتِ دین میں سے قرار دیا۔ عائشہ صدیقہ کی تقریر کچھ ایسی مؤثر تھی کہ فریقِ مخالف کے آدھے نوجوان اُن سے آ ملے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سوچ کر کہ شاید پند و نصیحت سے کام چل جائے اپنے آدمیوں کو واپس بُلا لیا اور لڑائی کو روک دیا۔ لیکن حکیم بن جبلہ جو بصرہ میں عبداللہ بن سباء کا ایجنٹ تھا ایک دستہ فوج لے کر آگے بڑھے اور حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ نے حکم دیا کہ صرف مدافعت کی جائے۔ کچھ دیر تک لڑائی جاری رہی۔ آخر تاریکی شب نے تلواروں کی چمک پر پردہ ڈال دیا۔

دوسرے دن صبح کو حکیم بن جبلہ اور عثمان بن حنیف دونوں لڑنے کے لئے نکلے۔ دوسری طرف سے بھی مدافعت ہوئی۔ دن ڈھلتے عثمان نے اس شرط پر صُلح کر لی کہ "معلوم کیا جائے طلحہ و زبیر نے جبرًا بیعت کی ہے یا رضامندی سے۔ اگر جبرًا بیعت ثابت ہوئی تو عثمان بصرہ کو طلحہ و زبیر کے حوالہ کر دیں گے اور اگر رضامندی سے ثابت ہوئی تو یہ دونوں واپس چلے جائیں گے۔

حضرت عائشہؓ کا بصرہ پر قبضہ کعب بن ثور قاضی بصرہ حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لئے مدینہ منورہ بھیجے گئے۔ انہوں نے مسجدِ نبوی میں جمعہ کے دن اہلِ مدینہ سے پوچھا کہ حضرات طلحہ و زبیر نے رضامندی سے بیعت کی ہے یا جبرًا۔ اُسامہ بن زید نے جواب دیا۔ خدا کی قسم جبرًا بیعت لی گئی ہے۔ سہل بن حنیف والیٔ مدینہ نے جو عثمان بن حنیف کے بھائی تھے اس جواب پر اُسامہ کے ساتھ سختی کا برتاؤ

لکھا۔ حضرت علیؓ کو بھی واقعہ کی اطلاع پہنچی۔ انہوں نے عثمان بن حنیف کو لکھا۔
"اگر زبیر و طلحہ پر جبر بھی کیا گیا ہے تو یہ جبر مسلمانوں کے لئے متحد کرنے کے لئے کیا گیا ہے نہ کہ متفرق کرنے کے لئے۔ اگر ان کا ارادہ بیعت توڑنے کا ہے تو اُن کا کوئی عذر نہ سنا جائے اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور مقصد ہے تو گفتگو ہو سکتی ہے۔"

کعب بن ثور بصرہ پہنچے اور کل کیفیت بیان کی تو حضرت زبیر و طلحہ نے شرط صلح کے مطابق عثمان سے بصرہ چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا۔ عثمان بن حنیف کے پاس حضرت علی کا خط آچکا تھا جس میں مقابلہ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی اس لئے انہوں نے شرط پوری کرنے سے انکار کر دیا۔ اب لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ اور عثمان بن حنیف کے لشکروں میں سخت جنگ ہوئی۔ عثمان نے ہزیمت کھائی اور گرفتار ہوئے۔ حکیم بن جبلہ اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ مارا گیا۔

بصرہ پر قبضہ کرنے کے بعد حضرت طلحہ و زبیر نے حکم دیا کہ اہل بصرہ میں سے جو لوگ حضرت عثمانؓ کے ہنگامۂ قتل میں شریک تھے انہیں گرفتار کر کے لایا جائے۔ چنانچہ مختلف قبیلوں کے بہت سے آدمی گرفتار کر کے لائے گئے اور جب اُن پر جرم ثابت ہو گیا تو اُنہیں قتل کیا گیا۔ کچھ لوگ جنہیں بھاگنے کا موقعہ ملا بھاگ گئے۔ یہ واقعہ ۲۴ ربیع الآخر ۳۶ھ کا ہے۔

حضرت علیؓ کا سفرِ عراق

حضرت معاویہؓ کا خط موصول ہونے کے بعد حضرت علی اُن سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ انہیں حضرت عائشہؓ کی روانگی بصرہ کی خبریں ملیں۔ اب آپ نے شام کا قصد ملتوی کر کے عراق کا ارادہ کیا اور اہل مدینہ کو شرکت کی دعوت دی۔ اکابر صحابہ میں سے جو لوگ مدینہ منورہ میں موجود تھے اُن کے لئے یہ بات بہت سخت تھی کہ امیر المؤمنین حضرت علی اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ میں

معرکہ آرائی ہو اور مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ہی ٹکرائیں۔ چنانچہ متعدد انصار و مہاجرین بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت علی سے اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ حضرت سعد بن وقاص نے کہا۔

"اے امیر المومنین! مجھے تو صرف وہ تلوار چاہیئے جو مسلم اور کافر میں امتیاز کرے۔ اگر آپ مجھے ایسی تلوار دیتے ہیں تو میں آپ کی رفاقت کے لئے تیار ہوں ورنہ مجھے معذور سمجھئے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا "میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں جس بات کو میرا دل نہیں مانتا آپ مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے۔"

محمد بن مسلمہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک کافروں سے مقابلہ ہو میں اپنی تلوار کو کام میں لاؤں اور جب مقابلہ مسلمانوں سے ہو تو میں اُسے کوہ احد کی چٹان پر مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ چنانچہ کل میں اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر چکا۔"

اُسامہ بن زید نے کہا "اس کام میں مجھے شرکت سے باز رکھئے۔ میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ کسی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والے سے جنگ نہ کروں۔"

اشتر نخعی کو جب ان صحابۂ کرام کی اس گفتگو کا علم ہوا تو اس نے حضرت علی سے کہا، آپ ان لوگوں کو قید کیوں نہیں کر دیتے؟ حضرت علی نے فرمایا میں انہیں ان کی رائے کے خلاف مجبور نہیں کرنا چاہتا [1]

بہرحال حضرت علی اس خیال سے کہ عراق میں انہیں کافی مددگار مل سکتے ہیں اور وہاں کے بیت المال بھی مال و زر سے پُر ہیں اپنی رائے پر قائم رہے اور آخر ربیع الاول ۳۶ھ میں اپنی جمعیت کو لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ عبداللہ بن سبا اور اس کی جماعت کے افراد بھی حضرت علی کے لشکر میں

---

[1] الاخبار الطوال ص ۱۴۴ و ص ۱۴۵

شامل تھے۔ حضرت علی کی تجویز یہ تھی کہ حضرت زبیر و طلحہ سے پہلے بصرہ میں داخل ہو جائیں۔ لیکن مقام ذی قار میں پہنچ کر آپ کو معلوم ہُوا کہ حضرت زبیر و طلحہ بصرہ پر قابض ہو گئے ہیں۔ اب آپ نے اسی مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔

اہلِ کوفہ سے استمداد

دورانِ سفر بصرہ میں حضرت علی نے اہلِ کوفہ کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کوفہ کے والی حضرت ابوموسیٰ اشعری تھے، وہ اس خانہ جنگی میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت علی نے پہلے محمد بن ابوبکر اور محمد بن جعفر کو کوفہ بھیجا۔ پھر مالک اشتر اور عبداللہ بن عباس کو روانہ کیا مگر حضرت ابوموسیٰ اور اُن کی وجہ سے اہلِ کوفہ شرکتِ جنگ کے لئے آمادہ نہ ہُوئے۔ آخر میں حضرت علی نے امام حسن اور عمار بن یاسر کو کوفہ روانہ کیا۔ یہ دونوں صاحبان جس وقت کوفہ پہنچے حضرت ابوموسیٰ جامع کوفہ میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے حسب ذیل تقریر فرما رہے تھے :-

"اے اہلِ کوفہ میری بات مانو۔ دیکھو یہ وہی فتنہ ہے جس کی رسول اللہ نے خبر دی تھی۔ اس فتنہ میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھائی بھائی بنایا ہے اور ہم پر ایک دوسرے کا خون اور مال حرام کر دیا ہے۔ تم اپنی تلواروں کو نیام میں داخل کر لو۔ اپنے نیزوں کی انیوں کو نکال پھینکو اور اپنی کمانوں کے تانتوں کو توڑ دو اور اپنے گھروں کے گوشوں میں بیٹھ رہو"

حضرت ابوموسیٰ کے بعد امام حسن اور عمار بن یاسر منبر پر آئے۔ آپ نے حضرت علیؓ کے استحقاقِ خلافت، حضرت طلحہ و زبیر کی عہد شکنی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ضرورت تفصیل کے ساتھ بیان کی۔ حضرت امام حسن کی تقریر سُن کر مجمع میں دو گروہ ہو گئے۔ قعقاع بن عمر نے کہا -

"اے اہلِ کوفہ ہمارے امیر ابوموسیٰ اشعری نے جو کچھ کہا وہ تو سچ ہے لیکن

نظامِ خلافت کا باقی رہنا بھی تو ضروری ہے۔ اگر یہ نظام نہ ہو تو ظالم سے انتقام اور مظلوم کی دستگیری ناممکن ہے۔ امیر المومنین حضرت علی خلیفہ منتخب کئے جا چکے ہیں۔ وہ تمہیں اصلاح کی طرف دعوت دیتے ہیں تمہیں اس دعوت کو دل وجان سے قبول کرنا چاہیئے۔

قعقاع کے بعد سیحان بن صوحان نے بھی جو کوفہ کی با اثر شخصیت تھے۔ اسی مضمون کی تقریر کی۔ ان تقریروں سے مجمع کا رنگ بدل گیا اور اہلِ کوفہ میں سے نو ہزار آدمی حضرت علی کی امداد کے لئے روانہ ہو گئے۔ اہلِ کوفہ مقامِ ذیقار میں حضرت علی کے لشکر میں آملے۔ حضرت علی نے اُن کی بہت تعریف کی اور فرمایا۔

"میرا مقصد یہ ہے کہ اصلاح کی کوشش کروں۔ اگر اہلِ بصرہ باز آگئے تو سبحان اللہ اور اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے تو ہم بھی ہم اُن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے اور ہر حالت میں فساد پر اصلاح کو ترجیح دیں گے"۔ [1]

مصالحت کی کوشش حضرت علی نے قعقاع بن عمرو کو بصرہ روانہ کیا تاکہ اگر ممکن ہو تو گفت وشنید کے ذریعہ اختلافات دُور ہو جائیں۔ قعقاع ایک مدبر اور خوش بیان شخص تھے انہوں نے حضرت عائشہ اور حضرت زبیر وطلحہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

"آپ حضرات نے جو تکلیف فرمائی ہے اُس کا مقصد کیا ہے؟"

حضرت عائشہؓ اور اُن کے رفقاء نے فرمایا۔

"ہمارا مقصد اصلاح بین المسلمین اور عمل بالقرآن ہے"۔

قعقاع نے کہا "پھر اس کے لئے آپ نے کیا صورت تجویز کی ہے؟"

---

[1] اتمام الوفاء صفحہ ۲۱۹، ۲۲۰۔ والاخبار الطوال صفحہ ۱۴۶ و ۱۴۷ ۔

ان بزرگوں نے جواب دیا: یہ کہ قاتلینِ عثمان کو قتل کیا جائے۔ اگر عثمان کا قصاص نہ لیا گیا تو ترکِ قرآن لازم آئے گا۔"

قعقاع نے کہا: "قاتلینِ عثمان سے قصاص کا مطالبہ تو صحیح ہے مگر جب تک امرِ خلافت مستحکم نہ ہو جائے اور ملک میں امن و امان قائم نہ ہو جائے۔ یہ فرض انجام نہیں دیا جا سکتا۔ دیکھئے

آپ نے مفسدینِ بصرہ سے قصاص لیا تو حرقوص بن زہیر پر آپ کا قابو نہ چل سکا۔ آپ نے اُسے قتل کرنا چاہا تو چھ ہزار آدمی اُس کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے اور مجبوراً آپ کو اُسے چھوڑنا پڑا۔ جب آپ نے مصلحت وقت کے پیشِ نظر قاتلینِ عثمان میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا تو حضرت علی ہی پر کیا الزام ہے؟ اس فتنہ کا سدِ باب اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ صاحبان امیر المؤمنین کے زیرِ علَم جمع ہو جائیں اور ہمیں اور اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ دونوں پس کر رہ جائیں۔ یہ معاملہ کسی ایک فرد یا ایک قبیلہ کا نہیں ہے بلکہ ساری اُمت کی صلاح و فساد کا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مقابلہ و مقاتلہ پر امن و عافیت کو ترجیح دیں گے۔"

قعقاع کی اس تقریر کا حضرت عائشہؓ اور اُن کے دونوں رفقاء پر بڑا اثر ہوا اُنھوں نے کہا:-

"آپ کی تجویز تو نہایت معقول ہے۔ مگر کیا حضرت علی کی بھی یہی رائے ہے؟ اگر اُن کی بھی یہی رائے ہے اور وہ قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کے لئے تیار ہیں تو یہ معاملہ بڑی آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔"

قعقاع حضرت علی کے پاس لوٹ کر گئے اور انہیں کل گفتگو سنائی۔ حضرت علی بہت خوش ہوئے۔ قعقاع کے ساتھ اہلِ بصرہ میں سے کچھ آدمی حضرت علی کے لشکر میں آئے تاکہ وہ حضرت علی اور اہلِ کوفہ کے خیالات معلوم کریں کہ وہ درحقیقت مصالحت کے لئے آمادہ ہیں یا نہیں؟ اُنھوں نے یہ خبریں سُنی تھیں کہ

حضرت علی بصرہ کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں اور بچوں کو غلام باندی بنالیں گے۔ اس قسم کی خبریں سبائی گروہ کے لوگوں نے اڑائی تھیں۔ اہلِ بصرہ کو خود حضرت علی نے اپنے پاس بلا کر ان خبروں کی تردید کی اور انہیں ہر طرح اطمینان دلایا۔ اہلِ کوفہ کو بھی انھوں نے صلح و آشتی پر مائل پایا۔ اس طرح اُمید کی جانے لگی کہ فتنہ وفساد کا غبار دب جائے گا اور مہر محبت والفت کی کرنیں عالمِ اسلام کو پھر جگمگا دیں گی۔

فرقہ سبائیہ کی سازش

حضرت علی نے تکمیلِ مصالحت کے لئے بصرہ کی طرف روانگی کا قصد فرمایا۔ روانگی سے پہلے آپ نے ایک مصالحانہ تقریر فرمائی۔ اُس تقریر میں آپ نے جاہلیت کی شقاوت اور اسلام کی سعادت کا ذکر کیا جو اتحاد و یگانگت اور محبت و الفت کی صورت میں اُن کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد موجودہ فتنہ پر دلی افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ یہ فتنہ اُن معاندینِ اسلام کی سازش کا نتیجہ ہے جو مسلمانوں کی عظمت وشوکت کو دیکھ کر جلتے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان پھر ذلت ونکبت کا شکار ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ کل ہم بصرہ کی طرف کوچ کریں گے۔ لیکن ہمارا یہ سفر جنگ وپیکار کی غرض سے نہ ہوگا بلکہ اتحاد واتفاق کے مقصد سے۔ لہٰذا وہ لوگ جو قتلِ عثمان میں کسی قسم کا حصہ لے چکے ہیں ہمارے ساتھ نہ چلیں۔

حضرت علی کی یہ تقریر سُننے کے بعد فرقہ سبائیہ کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ عبداللہ بن سبا اور اُس کے مشیروں نے ایک خفیہ جلسہ منعقد کیا اور اس میں صورتِ حالات پر بحث ہوئی۔ ان لوگوں نے کہا اب تک تو طلحہ وزبیر ہی قصاصِ عثمان کے خواہاں تھے۔ اب حضرت علی بھی ان کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں۔ اگر اُن کی آپس میں صلح ہو گئی تو اُن کے صلح نامہ پہ ہمارے خون سے مہر لگے گی۔ ہمارا کیا دھرا سب بیکار ہو جائے گا اور ہماری سازش کی عمارت دھم سے زمین پر آ رہے گی۔ لہٰذا جس طرح ممکن ہو اس صلح کو کامیاب نہ

ہونے دیا جائے۔

عبداللہ بن سباء نے کہا بہتر صورت یہ ہے کہ ہم لوگ حضرت علی کے لشکر کے ساتھ ساتھ لگے رہیں۔ اگر حضرت علی معترض ہوں تو کہہ دیں کہ ہم اس لئے آپ کے ساتھ ہیں کہ اگر مصالحت کی کوشش کامیاب نہ ہو تو فوراً آپ کی مدد کو پہنچ جائیں۔ حضرت علی کے لشکر کے قریب رہ کر ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ کسی طرح مصالحت نہ ہو اور جنگ چھڑ جائے۔

مصالحت کی ناکامی

دوسرے روز صبح کو حضرت علی اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت طلحہ و زبیر بھی اپنے لشکر کو لے کر بصرہ سے نکلے۔ تین روز تک دونوں لشکر آمنے سامنے ٹھہرے رہے۔ اور مصالحت کی گفتگو جاری رہی۔ حضرت علی نے حضرت طلحہ و زبیر کو پیغام بھیجا کہ قعقاع کی زبانی جو گفتگو ہوئی ہے اگر آپ اُس پر قائم ہیں تو معاملات طے ہو جانے چاہئیں۔ حضرت طلحہ و زبیر نے جواب دیا۔ بے شک ہم اُس گفتگو پر قائم ہیں۔ اس کے بعد ادھر سے حضرت علی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ اور ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہو گئے کہ فریقین کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں۔

حضرت علی نے فرمایا "آپ صاحبان نے جو میرے مقابلہ کی تیاری کی ہے تو کیا وہ کسی حجت شرعی کی بنا پر ہے؟ اگر آپ کے پاس کوئی حجت ہے تو بیان کیجئے ورنہ مسلمانوں کے شیرازہ کو نہ بکھیریئے اور خدا سے ڈریئے۔ کیا میں آپ کا دینی بھائی نہیں ہوں؟ کیا میرا خون آپ پر اور آپ کا خون مجھ پر حرام نہیں ہے؟"

حضرت طلحہ نے فرمایا "آپ نے حضرت عثمان کے خلاف شورش میں حصہ لیا ہے"

حضرت علی نے فرمایا "میں قاتلینِ عثمان پر لعنت بھیجتا ہوں" پھر فرمایا۔

"اے طلحہ کیا تم میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کر چکے ہو؟"
حضرت طلحہ نے جواب دیا "بے شک مگر اس حالت میں کہ تلوار میری گردن پر رکھی ہوئی تھی۔"
اب حضرت علی حضرت زبیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "تمہیں یاد ہے کہ ایک روز ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے اور رسول کریمؐ نے تم سے پوچھا اے زبیر! کیا تم کو علی سے محبت ہے؟ تم نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ! اس پر رسولؐ اللہ نے فرمایا "لیکن تم ایک دن علی سے ناحق جنگ کرو گے۔"
حضرت زبیر نے فرمایا "بے شک مجھے حضورؐ کا یہ ارشاد یاد آگیا۔"
پھر حضرت زبیر نے دیکھا کہ حضرت عمار بن یاسر بھی حضرت علی کی فوج میں شامل ہیں تو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد آگیا کہ "عمار کو بھی باغی جماعت قتل کرے گی۔"
اب حضرت زبیر کو یقین ہو گیا کہ اس معاملہ میں اُن سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے اور وہ اس عزم کے ساتھ لوٹ آئے کہ اس نزاع سے دست کش ہو جائیں گے۔
اب مصالحت کی تکمیل میں کوئی شک نہ رہا تھا۔ فریقین کے صلح پسند لوگوں کے دل مطمئن تھے کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ٹکرانے سے رک گئیں۔ مگر فرقہ سبائیہ کے فتنہ جو دماغ سازش کا جال کس رہے تھے۔ رات کو دونوں لشکر امن و اطمینان کی نیند سوئے مگر ابھی تاریکی شب کا پردہ چاک نہ ہوا تھا کہ فرقہ سبائیہ نے حضرت عائشہؓ کی فوج پر حملہ کر دیا اور دونوں طرف سے جنگ شروع ہو گئی۔
حضرت زبیر و طلحہ نے اپنے خیموں سے نکل کر پوچھا "یہ شور و غل کیسا ہے؟"
ان کے آدمیوں نے جواب دیا کہ "حضرت علی کے لشکریوں نے ہم پر شب خون مارا ہے۔" حضرت زبیر و طلحہ نے کہا "افسوس علی مسلمانوں کا خون بہانے سے باز

نہ آئے۔ ہمیں پہلے ہی اُن کی طرف سے کھٹکا تھا۔"

ادھر حضرت علی نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ "یہ ہنگامہ کیوں ہے"؟ تو سبائیوں نے جواب دیا" طلحہ و زبیر کے ساتھیوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔"
حضرت علی نے فرمایا" افسوس طلحہ و زبیر مسلمانوں کا خون بہانے سے باز نہ آئے۔ مجھے پہلے ہی ان سے مصالحت کی توقع نہ تھی۔

جنگِ جمل

اب دونوں طرف سے شدید جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمانوں کی تلواریں اپنے بھائیوں کے گلے میں پیوست ہونے لگیں۔ کعب بن ثور قاضی بصرہ ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اگر آپ تکلیف فرمائیں تو شاید یہ خانہ جنگی رُک جائے۔ حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار ہو کر خود میدانِ جنگ میں تشریف لے گئیں۔ احتیاط کی غرض سے آپ کے ہودج کو زرہوں سے ڈھک دیا گیا تھا۔

اہلِ بصرہ نے ام المؤمنین کا ہودج دیکھا تو وہ یہ سمجھ کر کہ ام المؤمنین خود لڑائی میں حصہ لینے تشریف لائی ہیں اور جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے کعب بن ثور سے کہا آپ مسلمانوں کو سمجھائیے کہ وہ لڑائی سے باز آئیں اور کتاب اللہ کے فیصلہ کو قبول کریں۔ کعب بن ثور یہ پیغام سُنانے آگے بڑھے تو ایک سبائی نے تاک کر تیر مارا اور وہ جاں بحق ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی سبائیوں نے حضرت عائشہ کے ہودج کو نشانہ بنا کر تیر اندازی شروع کر دی۔ اہلِ بصرہ نے جب حرم رسول اللہ کی حرمت کو خطرہ میں دیکھا تو ہودج کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بنی ضبہ، ازد اور بکر بن وائل بڑھ بڑھ کر اپنی جانیں نثار کرنے لگے۔ جو شخص اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھا وہ زخمی ہو کر گرا تو دوسرے نے پکڑ لی۔ وہ شہید ہوا تو تیسرے نے پیش دستی کی۔ اس طرح ستر جانبازوں نے شمع بیتِ رسول پر پروانہ وار اپنی جانیں قربان کیں۔

حضرت علی نے سوچا کہ جب تک ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا اونٹ کھڑا

رہے گا لڑائی ختم نہ ہوگی۔ آپ کے اشارہ سے ایک شخص نے پیچھے سے آکر اونٹ کی پنڈلی پر تلوار ماری۔ اونٹ زخم کھا کر سینہ کے بل گر گیا۔ اونٹ کے گرتے ہی اہلِ جمل منتشر ہو گئے۔ حضرت علی نے حکم دیا کہ کسی بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ کسی زخمی کو قتل نہ کیا جائے اور مالِ غنیمت کو نہ لوٹا جائے۔ پھر محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ اپنی بہن کو احتیاط اور حفاظت کے ساتھ اتار لو اور دیکھو کہ انہیں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔

محمد بن ابی بکر، قعقاع بن عمرو اور زفر بن حارث کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی طرف گئے اور ہودج کو جو تیروں سے بندھا ہوا تھا تسمے کاٹ کر اونٹ کی پشت سے علیحدہ کیا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پردے تان کر احتیاط اور آرام کے ساتھ اتارا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے فضل سے وہ محفوظ رہیں صرف اُن کی کلائی پر تیر کی خراش آئی۔

اس کے بعد حضرت علی خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ "اماں جان مزاج کیسے ہیں؟"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "بخیر ہوں۔ خدا تمہاری غلطی کو معاف فرمائے۔"

اس لڑائی میں دونوں طرف سے تقریباً دس ہزار مسلمان کام آئے۔ ان میں حضرت طلحہ، اُن کے صاحبزادے محمد بن طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عتاب بھی شامل ہیں۔

حضرت علی سے گفتگو کے بعد حضرت زبیر نے لڑائی سے کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ آغازِ جنگ ہی میں میدانِ جنگ سے نکل آئے اور بصرہ سے اپنا سامان لے کر حجاز کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ مگر ابھی آپ وادی سباع ہی میں پہنچے تھے کہ ایک شخص عمرو بن جرموز نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے شہید کر دیا۔ عمرو بن جرموز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ہتھیار لے کر خوشی خوشی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت علی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار کو پہچان کر فرمایا "اس تلوار کے مالک نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبتوں کو دور کیا ہے۔"

میں زبیر کے قاتل کو جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔"

ابن جرموز نے چیں بہ چیں ہو کر کہا "ہم تو تمہارے دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور تم ہمیں جہنم کی بشارت دیتے ہو۔"

لڑائی کے خاتمہ کے بعد حضرت علی نے میدانِ جنگ میں ایک چکر لگایا۔ اکابر صحابہ کو اس بے معنی خانہ جنگی کا شکار ہو کر خاک و خون میں لوٹتے دیکھ کر آپ بے حد متاثر ہوئے۔ آپ نے کعب بن ثور قاضیٔ بصرہ کی لاش کو دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا "تم نے تو کہا تھا کہ مخالف صفوں میں صرف ناسمجھ لوگ ہیں"۔ پھر حضرت طلحہ کا جسد بے جان نظر آیا تو فرمایا "افسوس اے ابو محمد! اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط واللہ مجھے یہ بات سخت ناگوار تھی کہ قریش کو بچھڑا ہوا دیکھوں۔" پھر ان کی بہت تعریف کی۔

حضرت علیؓ نے فریقین کے شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی اور انہیں دفن کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے اعلان کرا دیا کہ میدانِ جنگ میں جس کسی کا سامان یا ہتھیار رہ گئے ہوں وہ مسجدِ بصرہ میں آکر لے جائے۔

اب حضرت علی بصرہ میں داخل ہوئے۔ جامع مسجد میں خطبہ دیا اور اہلِ بصرہ سے بیعت لی۔ حضرت عبداللہ بن عباس کو وہاں کا والی اور زیاد بن ابی سفیان کو عاملِ خراج مقرر کیا۔ بصرہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صفیہ بنت الحارث کے مکان میں مقیم ہوئیں۔ جب تکان دور ہو گئی تو حضرت علی نے ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کے ساتھ انہیں مدینہ منورہ روانہ کیا۔ راستہ کے آرام کے خیال سے بصرہ کی چالیس شریف عورتیں ان کے ساتھ کر دیں۔ رخصت کے وقت بہت سے آدمی حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا :-

"میرے بچو! آپس میں ایک دوسرے کو برا نہ کہنا۔ واللہ میرے اور علی کے درمیان خاندانی شکر رنجیوں کے علاوہ کوئی دشمنی نہ تھی۔ میں ہر

حالت میں اُنہیں بھلا آدمی سمجھتی ہوں۔"

حضرت علی نے فرمایا :-

وہ ام المومنین نے صحیح فرمایا۔ میرے اور ان کے اختلافات کی یہی نوعیت ہے۔ ان کا درجہ بہت بڑا ہے۔ یہ دُنیا اور آخرت میں رسول اللہ کی محترم بیوی ہیں۔"

حضرت علی کئی میل تک مشایعت کے طور پر حضرت عائشہؓ کے ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو بھیجا۔ یہ واقعہ یکم رجب ۳۶ھ کا ہے۔[۱]

آویزش "صفین"

فریقین کی جنگی تیاریاں بصرہ میں چند روز قیام کرنے کے بعد حضرت علی کوفہ تشریف لائے۔ یہاں آپ کا پُرجوش استقبال ہُوا۔ چونکہ کوفہ میں آپ کے حامیوں کی کثرت تھی اس لئے آپ نے مدینہ منورہ کی بجائے اسی کو دارالخلافہ تجویز کیا۔

کوفہ میں قیام پذیر ہو کر آپ نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تاہم اتمام حجت کے لئے جریر بن عبداللہ بجلی کو قاصد بنا کر حضرت معاویہ کے پاس دمشق بھیجا اور انہیں بیعت کی دعوت دی۔ حضرت معاویہ نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "پہلے قاتلین عثمان قتل کئے جائیں گے پھر سب مسلمان جمع ہو کر اپنی مرضی سے اپنا خلیفہ منتخب کریں گے۔"

اب حضرت علی اپنی فوج کو لے کر کوفہ سے نکلے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا۔ یہیں عبداللہ بن عباس بھی بصرہ سے اپنا لشکر لے کر اُن سے آملے۔ نخیلہ میں حضرت علیؓ نے اپنے لشکر کو مرتب کیا اور ضروری انتظامات سے فارغ ہو کر ملک شام

---

[۱] الاخبار الطوال صفحہ ۱۴۵ تا ۱۵۰ و اتمام الوفاء صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۶ -

کی طرف کوچ کیا۔ آپ نخیلہ سے روانہ ہو کر جزیرہ کے راستہ رقہ پہنچے۔ پھر دریائے فرات کو عبور کر کے میدانِ صفین میں پڑاؤ ڈال دیا۔

حضرت معاویہؓ بھی آنے والے خطرہ سے غافل نہ تھے۔ ملک شام کی فوج بڑی منظم و مرتب اور فنونِ جنگ میں ماہر تھی۔ دنیا کی عظیم الشان طاقت "رومی سلطنت" سے وہ برابر ٹکر لیتی رہتی تھی۔ حضرت معاویہ مسلسل بیس سال سے اس فوج کے حاکم اعلیٰ اور شام کے والی تھے۔ آپ نے اپنے سیاسی تدبر اور حسنِ اخلاق سے اہلِ شام کو اس درجہ گرویدہ کر لیا تھا کہ وہ آپ کے اشارہ پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ شہادتِ عثمانِ غنی کے بعد مختلف ممالک اسلامیہ سے بڑے بڑے اموی سردار آکر انہی کے پاس جمع ہو گئے تھے اس طرح اُن کی طاقت میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ حضرت علی کے جنگِ جمل میں گھر جانے کی وجہ سے اُنہیں جو مہلت ملی اُس سے بھی انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ جامع دمشق میں موقعہ بموقعہ حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش سے قاتلینِ عثمان کے خلاف جذبۂ نفرت کو ترقی دینے کی کوشش کی جاتی تھی۔

چنانچہ شامیوں نے قسم کھالی تھی کہ جب تک وہ خونِ عثمان کا قصاص نہ لیں گے نہ بستر پر سوئیں گے اور نہ ٹھنڈا پانی پئیں گے۔ حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر جو اپنے سیاسی تدبّر اور جنگی مہمات میں مشہور تھے اُنہیں بھی حضرت معاویہ اپنا حامی بنانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

جب حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کی روانگی کی اطلاع پہنچی تو وہ بھی اپنا لشکر لے کر میدان میں آپہنچے۔ اس طرح عراقی اور شامی مسلمانوں کی طاقتیں میدانِ صفین میں آمنے سامنے صف آراء ہو گئیں۔

کوششِ صلح

دو روز تک دونوں طرف خاموشی رہی۔ تیسرے دن نامہ و پیغام کا سلسلہ جاری رہا۔ پہلا وفد حضرت علی کی طرف سے حضرت معاویہ کے پاس بھیجا گیا۔ اس وفد میں بشیر بن عمرو انصاری، سعید بن

قیس ہمدانی اور شیث بن ربعی تمیمی شامل تھے بشیر بن عمرو نے گفتگو شروع کی اور کہا۔

"اے معاویہ دُنیا ناپائیدار ہے تمہیں خدا کے سامنے جانا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اُمت میں تفریق پیدا نہ کرو اور مسلمانوں کا خون خانہ جنگی میں نہ بہاؤ۔"

حضرت معاویہ نے کہا "آپ نے یہ وعظ اپنے دوست حضرت علی کو کیوں نہ سنایا؟"

بشیر نے جواب دیا "اُن کی حیثیت آپ سے مختلف ہے۔ حضرت علی اپنی ذاتی فضیلت، دینی عظمت اور اسلام میں سبقت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے لحاظ سے منصب خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ اُن کی بیعت کرلو اور دُنیا و آخرت میں سرخرو ہو۔"

حضرت معاویہ نے کہا "خونِ عثمان کا مطالبہ ہم چھوڑ دیں خدا کی قسم یہ ہم سے ہرگز نہ ہوگا۔ اب سعید نے گفتگو کرنی چاہی لیکن شیث نے بات کاٹ کر کہا۔

"اے معاویہ ہم تمہارا مطلب خوب سمجھتے ہیں تم نے خود حضرت عثمانؓ کی مدد سے گریز کر کے انہیں قتل کرایا ہے تاکہ تم خونِ عثمان کے مطالبہ کے بہانے منصب خلافت کے دعوے دار بنو۔ یاد رکھو تمہارا یہ طرزِ عمل تمہارے لئے کسی حالت میں مفید نہیں ہوسکتا۔ اگر تم اپنے مقصد میں ناکام رہے تب تو ظاہر ہے کہ تم سے زیادہ بدبخت کوئی نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر کامیاب ہوگئے تب بھی جہنم کی آگ کی لپیٹ سے نہیں بچ سکتے۔"

شیث کی یہ سخت گفتگو حضرت معاویہ کو ناگوار گزری۔ آپ نے فرمایا۔

"اے سخت مزاج گنوار! تُو نے سراسر جھوٹ بولا ہے جا ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔"

یہ وفد ناکام لوٹ کر واپس آیا اور پہلے سے بھی زیادہ آپس میں تلخی پیدا ہوگئی۔

آغازِ جنگ اب لڑائی کے سوا چارہ نہ تھا۔ کیونکہ حضرت علی سب سے پہلے بیعت کا مطالبہ کرتے تھے اور قاتلینِ عثمان سے انتقام کے معاملہ کو ثانوی حیثیت دیتے تھے۔ اور حضرت معاویہؓ سب سے پہلے خونِ عثمان کا قصاص چاہتے تھے اور اُن کے ولی ہونے کی حیثیت سے اس مطالبہ کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ تاہم چونکہ دونوں طرف مسلمان تھے اور جانتے تھے کہ آپس کی خانہ جنگی سے اسلام کی قوت کو سخت نقصان پہنچے گا اس لئے دلوں میں لڑائی کا جوش و خروش نہ تھا۔

لڑائی شروع ہوئی مگر اس کی صورت یہ تھی کہ فریقین میں سے ایک ایک بہادر میدان میں نکلتا اور دادِ شجاعت دیتا اور باقی لوگ تماشہ دیکھتے۔ بعد میں جب لڑائی نے سختی اختیار کی تو ایک ایک افسر اپنے اپنے دستہ کو لے کر نکلنے لگا۔ غرض اسی طرح ذی الحجہ کا مہینہ ختم ہو گیا اور محرم ۳۷ھ کا ہلال اُفق پر چمکا۔

عارضی صُلح محرم کا چاند دیکھ کر حضرت علی اور حضرت معاویہ نے ایک مہینہ کے لئے عارضی صلح کر لی اور لڑائی بالکل بند ہو گئی۔

اس عارضی صُلح کے دوران میں پھر مستقل صلح کے لئے کوشش شروع ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ طویل مُدت اس مقصد کی انجام دہی کے لئے مناسب ترین تھی۔ خصوصاً جب دونوں طرف اس کی خواہش بھی موجود تھی۔ لیکن "فرقۂ سبائیہ" بساطِ سیاست پر اپنی شاطرانہ چالیں چلنے میں اب بھی مصروف تھا۔ شیث بن ربعی جس نے پہلی گفتگو سے مصالحت کو ناکام بنایا تھا اس گروہ کا ایک ممتاز فرد تھا۔ اس نے آئندہ بھی اس قسم کی کوششوں کو پنپنے نہ دیا۔

عارضی صُلح کے دوران میں حضرت علی کی طرف سے جو وفد مصالحت کی گفتگو کرنے کے لئے روانہ ہُوا اس میں یزید بن قیس، زیاد بن حفصہ، عدی بن حاتم طائی کے علاوہ شیث بن ربعی بھی شامل تھا۔ امیرِ وفد کی حیثیت سے عدی بن حاتم نے گفتگو شروع کی اور کہا۔

"اے معاویہ ہم تمہارے پاس اتفاق واتحاد کی دعوت لے کر آئے ہیں اگر تم نے اُسے قبول کر لیا تو مسلمانوں کے آپس کے جھگڑے مٹ جائیں گے اور اُن میں خون خرابہ نہ ہو گا۔ دیکھو حضرت علی تمہارے بھائی اور اُمت میں سب سے افضل ہیں۔ تم اور تمہاری جماعت کے سوا سب نے اُن کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے تم بھی اُن کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس قضیہ کو ختم کرو۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ تمہیں بھی "اہل جمل" کی طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑے"

حضرت معاویہ نے کہا۔

"اے عدی افسوس! تم مجھے دھمکانے آئے ہو یا صلح کرانے۔ خدا کی قسم! میں "ابن حرب" ہوں میں جنگ سے نہیں ڈرتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک ہو، تم سے بھی اُن کا قصاص لیا جائے گا"

یزید بن قیس اور زیاد بن حفصہ نے معاملہ کو بگڑتے دیکھا تو کہا۔

"اے معاویہ! ان باتوں کو چھوڑیئے جن سے کچھ نفع نہیں اور وہ بات کیجئے جس سے آپس کا جھگڑا مٹے اور مصالحت کی صورت پیدا ہو"

حضرت معاویہ نے کہا۔

"مصالحت کی صورت یہ ہے کہ علی قاتلینِ عثمانؓ کو جو اُن کے لشکر میں شریک ہیں اور اُن کے یار و مددگار بنے ہوئے ہیں ہمارے حوالہ کر دیں۔ ہم پہلے انہیں قتل کریں گے پھر علی کی اطاعت کر لیں گے"

اب شیث بن ربعی آگے بڑھا اور اُس نے کہا۔

"اے معاویہ کیا تم عمار بن یاسر جیسی باعظمت شخصیت کو بھی قتل کرنا چاہتے ہو؟"

حضرت معاویہ نے کہا۔

"کیوں عمار بن یاسر میں کیا خاص بات ہے؟ میں تو انہیں حضرت عثمانؓ کے غلام کے قصاص میں قتل کروں۔"

شیث نے کہا۔

"خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ گردنیں شانوں سے جدا نہ ہو جائیں اور زمین کی پشت اور آسمان کا سینہ تمہارے لئے تنگ نہ ہو جائے۔"

حضرت معاویہ نے کہا "

"اگر ایسا ہونا ہی ہے تو یہ تمہارے لئے پہلے ہوگا۔"

غرض شیث بن ربعی کی مداخلت سے یہ سفارت بھی پہلی سفارت کی طرح ناکام واپس گئی۔

آخری کوشش صلح

پھر حضرت معاویہؓ نے ایک وفد اپنی طرف سے حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ اس وفد میں حبیب بن مسلمہ فہری، شرحبیل بن سمط، معن بن یزید اور اخنس بن شریق شامل تھے۔ حبیب بن مسلمہ فہری نے امیر وفد کی حیثیت سے کہا۔

"حضرت عثمانؓ خلیفہ برحق تھے۔ کتاب و سنت کے عامل تھے اور احکام الٰہی کے پابند، تم نے ان کی زندگی کو پسند نہ کیا اور ان کو ظلم کے ساتھ شہید کر دیا۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تم ان کے قتل سے بری ہو تو ان کے قاتلین کو ہمارے حوالہ کر دو۔ ہم ان سے خونِ عثمانؓ کا قصاص لے لیں گے۔ پھر مسلمان جمع ہو کر اتفاق رائے سے جسے چاہیں گے اپنا خلیفہ منتخب کر لیں گے۔"

حضرت علیؓ نے بگڑ کر فرمایا:-

"خوب تم اور مجھے معزول کرو۔ چھوٹا منہ بڑی بات! خاموش رہو تم اس معاملہ میں بولنے کے اہل نہیں ہو۔"

حبیب نے کہا "تم مجھے اس حالت میں دیکھو گے جو تمہیں پسند نہیں۔"

حضرت علی نے فرمایا۔

"تم میرا بگاڑ ہی کیا سکتے ہو۔ جاؤ اپنے دل کی حسرت نکال لو۔"

شرحبیل بن سمط نے کہا۔

"اگر میں کچھ کہوں گا تو وہی کہوں گا جو میرے ساتھی نے کہا۔ جو جواب آپ دے چکے ہیں کیا اس کے سوا آپ کے پاس کوئی اور جواب ہے؟"

حضرت علی نے فرمایا "ہاں!"

پھر ایک تقریر شروع کی۔ آپ نے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اُمت کی ہدایت کا ذکر کیا۔ پھر خلافتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ان حضرات نے اپنے عہدِ خلافت کو بہتر طریقہ پر گزارا، اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ اس لئے اگرچہ ہمیں ان سے خلافت کے معاملہ میں اہل بیت ہونے کی حیثیت سے اپنی حق تلفی کی شکایت تھی تاہم ہم نے اُن کو معاف کیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کچھ ایسے کام کئے جس سے لوگ ناراض ہو گئے اور انہوں نے انہیں شہید کر دیا۔ اس کے بعد لوگ میرے پاس آئے۔ میں اُن کے معاملات سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں منصبِ خلافت کو قبول کروں۔ میں نے اوّل انکار کیا۔ لیکن جب کہا گیا کہ اُمت کا شیرازہ اسی طرح بکھرنے سے بچ سکتا ہے۔ اور مسلمان میرے سوا کسی کی خلافت پر متفق نہیں ہو سکتے تو میں نے اُن کی درخواست کو قبول کر لیا۔ پہلے طلحہ و زبیر نے بیعت کرنے کے بعد میری مخالفت کی اور اب معاویہ علمِ اختلاف بلند کر رہے ہیں۔ حالانکہ نہ وہ سابقینِ اوّلین میں سے ہیں نہ انہوں نے اپنی زندگی میں اسلام کی کوئی مخلصانہ خدمت انجام دی ہے۔ وہ، اُن کے باپ اور ان کا خاندان ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کا دشمن رہا۔ وہ مجبور ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ تعجب ہے کہ تم اُن کا ساتھ دیتے ہو اور اہل بیتِ نبیؐ

کی مخالفت کرتے ہو۔ میں تمہیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور باطل کو مٹانے اور حق کو زندہ کرنے کی ہدایت کرتا ہوں"۔

شرجیل بن سمط نے کہا۔

"یہ تو فرما دیجئے کہ عثمان مظلوم قتل کئے گئے"۔

حضرت علی نے کہا۔

"نہ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ مظلوم ہونے کی حیثیت میں قتل کئے گئے اور نہ یہ کہ ظالم ہونے کی حیثیت میں"۔

حضرت علی کا یہ جواب سن کر اہلِ وفد اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ "جو شخص حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کو تسلیم نہیں کرتا ہمارا اُس سے کچھ واسطہ نہیں"۔

اس طرح مصالحت کی یہ آخری کوشش بھی رائیگاں گئی[1]۔

فیصلہ کُن جنگ ماہِ محرم کی آخری تاریخ کو عارضی صُلح کی مدت پوری ہوتی تھی۔ ماہ صفر کا چاند دیکھتے ہی حضرت علی نے اپنے منادی کے ذریعے اعلان کرا دیا کہ ہم نے اہلِ شام کو کافی مہلت دی کہ وہ سرکشی سے باز آجائیں اور حق کی طرف رجوع کریں۔ لیکن انھوں نے اس سے انکار کیا۔ لہٰذا کل سے ان کا باقاعدہ مقابلہ کیا جائے گا۔ پھر آپ نے اپنے اہلِ لشکر کو ہدایت کی کہ "بھاگتے ہوئے کو قتل نہ کیا جائے۔ زخمی کو ہلاک نہ کیا جائے کسی کے مال کو نہ لوٹا جائے اور عورتوں کی بے حرمتی نہ کی جائے۔

اس کے بعد آپ نے جنگی اصول کے مطابق اپنے لشکر کو مرتب کیا اور مختلف حصّوں میں اُسے تقسیم کر کے ہر حصّہ کے الگ الگ سردار مقرر کئے۔ حضرت معاویہؓ نے بھی اپنے لشکر کے انتظامات درست کئے اور وہ بھی لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔

---

[1] محاضراتِ خضری جلد ۲ صفحہ ۹۶، ۹۷۔

یکم صفر کو منگل کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ ایک ہفتہ تک لڑائی کی صورت یہ رہی کہ دونوں طرف سے ایک ایک سردار اپنے حصۂ فوج کو لے کر میدان میں نکلتا، سارے دن دادِ شجاعت دیتا اور شام کو واپس آجاتا۔ ان مقابلوں میں کبھی ایک فریق غالب آتا اور کبھی دوسرا۔ اس طرح لڑائی کسی فیصلہ کن مرحلہ پر نہ پہنچ سکی۔

۸ صفر منگل کی رات کو حضرت علیؓ نے اپنی فوج میں ایک پرجوش خطبہ دیا۔ اور عام مقابلہ کا اعلان کر دیا۔ دوسرے دن صبح کو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ بنفس نفیس مقابلہ کے لئے نکلے اور دونوں لشکر اپنی پوری طاقت سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ سارے دن گھمسان کی جنگ رہی۔ رات کو دونوں فریق اپنی اپنی فرودگاہ کو واپس آئے لیکن فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

۹ صفر بدھ کی صبح کو سورج کی کرنوں کے ساتھ ساتھ پھر تلواریں میان سے نکل آئیں۔ صبح سے شام تک ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ پہلے حضرت علیؓ کے لشکر میں شکست کی صورت پیدا ہوئی۔ لیکن حضرت علیؓ نے خود شمشیر زنی کے جوہر دکھائے اور اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھا کر لڑائی کے نقشہ کو بگڑنے سے بچا لیا۔ پھر حضرت معاویہؓ کے لشکر پہ آثارِ ہزیمت طاری ہوئے۔ اشتر نخعی اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گیا۔ مگر حضرت معاویہؓ کی رکابی فوج نے اپنی جان کی بازی لگا کر اُسے پیچھے دھکیلا۔

آخر اسی حالت میں رات کی تاریکی چھا گئی مگر فریقین کے بہادروں کی تلواریں اسی طرح چمکتی رہیں۔ قادسیہ کی لیلۃ الہریر کی طرح ساری رات ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ تلواروں کی کھڑکھڑاہٹ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور بہادروں کے نعروں سے شورِ قیامت برپا رہا۔ سپیدۂ صبح کے چاک گریباں سے سورج نے منہ نکالا تو مسلمانوں کو بدستور دست و گریباں پایا۔ مسلسل چوبیس گھنٹے کی لڑائی کے بعد دونوں طرف تکان کے آثار ظاہر ہو رہے تھے مگر لڑائی کا

آخری فیصلہ کئے بغیر کوئی میدانِ جنگ سے ٹلنے کے لئے تیار نہ تھا۔ حضرت علیؓ کے لشکر کی تعداد نوّے ہزار تھی اور حضرت معاویہؓ کے لشکر کی اَسّی ہزار۔ اس طرح دس ہزار کا فرق پہلے ہی تھا۔ رات کی لڑائی میں حضرت معاویہ کے لشکر کا زیادہ نقصان ہُوا۔ اس طرح ۱۰ صفر جمعرات کی صبح کو حضرت علیؓ کی فوج کا پلہ نمایاں طور پر بھاری نظر آنے لگا۔

اشتر نے موقع دیکھ کر پوری طاقت کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے لشکر پر حملہ کیا۔ حضرت علیؓ مسلسل اُس کی مدد کرتے رہے۔ حضرت معاویہؓ کی فوج اپنے سے دگنی طاقت کے اس زبردست ریلے کو نہ روک سکی۔ اور ان کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ حضرت معاویہؓ نے یہ نزاکت دیکھ کر عمرو بن عاص سے مشورہ کیا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ یکایک اہلِ شام نے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے پکارنا شروع کر دیا:-

"یہ خدائے عزّوجل کی کتاب ہے اپنے اور ہمارے درمیان اس کے فیصلہ کو منظور کرو۔ اگر اہلِ شام نہ رہے تو مغربی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا۔ اور اگر اہلِ عراق نہ رہے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا"

حضرت علیؓ جانتے تھے کہ یہ ایک جنگی چال ہے۔ انھوں نے اعلان کیا:

"اے خدا کے بندو! لڑائی جاری رکھو اور دھوکہ میں نہ آؤ۔ فتح بہت قریب ہے۔ میں معاویہؓ، عمرو بن عاص، حبیب بن مسلمہؓ ابن ابی سرح اور ابن ابی معیط کو بچپن سے جانتا ہوں۔ انھوں نے تمہیں دھوکہ دینے کے لئے یہ چال چلی ہے"

مگر حضرت علیؓ کی جماعت کی بہت بڑی اکثریت نے اُن کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اشعث بن قیس کندی، مسعر بن فدکی، ابن کواء اور دوسرے سردارانِ فوج نے جو فرقہ سبائیہ سے تعلق رکھتے تھے اور لڑائی کے فیصلہ کن

خاتمہ کو اپنی مصالح کے خلاف سمجھتے تھے کہا :-

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جائے اور ہم اس سے انکار کر دیں"

حضرت علی نے جب جنگ جاری رکھنے کے لئے زیادہ اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا۔

"یا تو آپ لڑائی کو بند کرنے کا حکم دیجئے ورنہ ہم آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے جو عثمان رضی کے ساتھ کر چکے ہیں"

حضرت علی نے اپنوں کے یہ تیور دیکھے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اشتر کے پاس پیغام بھیجا کہ لڑائی کو بند کر کے فوراً واپس آجاؤ اپنی ہی جماعت میں فتنہ پھیل گیا ہے۔

اشتر بادل نخواستہ واپس آیا اور لڑائی بند ہو گئی [1]

عہد نامہ تحکیم

حضرت علی نے اشعث کو حضرت معاویہ کے پاس بھیج کر معلوم کیا کہ قرآن مجید کے فیصلہ کو قبول کرنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟

حضرت معاویہ نے جواب دیا "ہمارا مقصد یہ ہے کہ فریقین ایک ایک شخص کو پنچ نامزد کریں اور اُن سے عہد لے لیں کہ وہ کتاب اللہ سے باہر نہ جائیں گے۔ پھر قرآن کریم کے حکم کے مطابق یہ دونوں ہمارے نزاع کا فیصلہ جس صورت سے کریں اُسے ہم قبول کر لیں"

اہلِ عراق نے کہا "ہمیں یہ تجویز منظور ہے"

حضرت معاویہ نے اہلِ شام کی طرف سے عمرو بن عاص کو پنچ نامزد کیا اور کسی نے اس نامزدگی سے اختلاف نہ کیا۔ لیکن اہلِ عراق اس معاملہ میں بھی متفق

---

[1] محاضرات خضری جلد ۲ صفحہ ۹۹ -

نہ ہوسکے۔ اشعث اور اس کے ساتھیوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کا نام تجویز کیا۔ حضرت علی نے فرمایا " مجھے ابوموسیٰ کی رائے پر اعتماد نہیں ہے تم عبداللہ بن عباس کو حکم بنالو "

اہلِ عراق نے کہا " حکم غیر جانبدار ہونا چاہیئے عبداللہ بن عباس تو آپ کے عزیز ہیں "

حضرت علی نے فرمایا " اہلِ شام نے بھی تو کسی غیر جانبدار کو منتخب نہیں کیا ہے "

اہلِ عراق بولے " اس کے وہ ذمہ دار خود ہیں "

حضرت علی نے فرمایا " اچھا اشتر کو حکم بنالو "

ان لوگوں نے کہا " خوب! یہ ساری آگ تو اشتر ہی کی لگائی ہوئی ہے "

آخر جب حضرت علی نے دیکھا کہ اہلِ عراق ابوموسیٰ اشعری کے سوا کسی اور کو منظور نہیں کرتے تو فرمایا " جو تم چاہو کرو "

عمرو بن عاص حضرت علی کی فرودگاہ میں آئے اور حسب ذیل عہدنامہ لکھا گیا :۔

" یہ وہ عہدنامہ ہے جس پر علی بن ابی طالب نے اہلِ کوفہ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے، اور معاویہ بن ابی سفیان نے اہلِ شام اور ان کے حامیوں کی طرف سے اتفاق کیا ہے۔ طے یہ پایا ہے کہ ہم دونوں صرف خدا اور کلامِ خدا کے فیصلہ کو منظور کریں گے۔ کتاب اللہ شروع سے آخر تک ہمارے درمیان فیصلکن ہوگی۔ وہ جس بات کا حکم دے گی اس کی تعمیل کریں گے اور جس بات سے منع کرے گی اس سے رُک جائیں گے۔ ابوموسیٰ، عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص حکم مقرر کئے گئے ہیں۔ وہ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ اگر کوئی بات کتاب اللہ میں نہ پائیں گے تو سنتِ عادلہ

جامعہ غیر مختلف فیہا کی طرف رجوع کریں گے۔
علی اور معاویہ کی طرف سے دونوں حکموں کو اُن کی جان و مال کی حفاظت کا پُورا اطمینان دلایا جاتا ہے اور وعدہ کیا جاتا ہے کہ اُن کے فیصلہ کو نافذ کرانے میں اُمت اُن کی مدد کرے گی۔ انہیں فیصلہ کرنے کے لئے رمضان تک مہلت دی جاتی ہے۔ یہ اپنے فیصلہ کا اعلان کسی ایسے مقام پر کریں گے جو عراق اور شام کے وسط میں ہو۔

اس عہدنامہ پر فریقین کی طرف سے متعدد ذمہ دار لوگوں کے دستخط ہوئے اور طے پایا کہ حکمین دومۃ الجندل میں آکر اپنے فیصلہ کا اعلان کریں۔ عہدنامہ پر ۱۲ صفر ۳۷ھ کی تاریخ ثبت کی گئی۔

اس عہدنامہ کی تکمیل کے بعد دونوں فریق نوّے ہزار جانبازوں کو میدان صفّین میں ابدی نیند سوتا چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ مسلمان شہداء کی یہ وہ تعداد تھی جو تاریخِ اسلام کے تمام محاربات کے شہداء کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ تھی۔

ظہورِ خوارج

عہدنامۂ صلح کی تکمیل ہو گئی تو اشعث بن قیس مختلف قبیلوں میں اُسے سنانے پر مامور ہوئے۔ قبیلۂ عنزہ کے چار ہزار آدمی حضرت علی کے ساتھ تھے۔ اشعث نے جب اس قبیلہ میں عہدنامہ سنایا تو دو بھائیوں نے کھڑے ہو کر کہا۔

"خدا کے سِوا کسی اور کا فیصلہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ کیا دینِ الٰہی کے فیصلہ کے ہوتے ہُوئے تم انسانوں کو حکم بناتے ہو؟ اگر تم ایسا کرتے ہو تو بتاؤ ہمارے مقتولین کا کیا حشر ہوگا؟"

قبیلہ مراد، بنی راسب اور بنی تمیم نے بھی انہی خیالات کا اظہار کیا۔
محرز بن جنیس حضرت علی کے پاس آیا اور کہا۔
"اس فیصلہ سے رجوع کر لیجئے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا انجام آپ کے

حق میں اچھا نہ ہو گا۔"

حضرت علی نے فرمایا "تم لوگوں نے اصرار کر کے تو مجھے اس فیصلہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا اور جب قبول کر لیا تو اُسے رد کرنے کے لئے کہتے ہو۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا۔"

غرض حضرت علی صفین سے واپس ہوئے تو اُن کی جماعت میں تفریق پیدا ہو گئی تھی۔ ایک گروہ تحکیم کو پسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مسلمانوں کا بکھرا ہُوا شیرازہ اس طرح مجتمع ہو جائے گا۔ دوسرا گروہ اسے ناپسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ شریعت کے معاملہ میں انسانوں کو حکم بنانا جائز نہیں۔ اس اختلاف کا اظہار زبانوں سے گزر کر نوکِ خنجر سے بھی ہونے لگا تھا۔ چنانچہ شام سے عراق تک برابر یہ چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔

جب حضرت علی کوفہ پہنچے تو بارہ ہزار آدمیوں کی جماعت جو تحکیم کے خلاف تھی کھلم کھلا اُن سے علیحدہ ہو گئی۔ اس جماعت نے شیث بن ربعی کو اپنا امیر اور عبداللہ بن کوا دیشکری کو امامِ نماز منتخب کیا اور مقام حروراء میں قیام کیا۔ اس جماعت نے اپنے نظریہ کی توضیح اس طرح کی :-

"حکم صرف خدائے عزّوجل کا مانا جا سکتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارا فرض ہے۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں خطاکار ہیں۔ حضرت معاویہ اس لئے کہ انہوں نے حضرت علی کو جو خلیفہ برحق تھے خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کیا اور حضرت علی اس لئے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کے ساتھ جو واجب القتل تھے مصالحت کی گفتگو کی۔ اور قرآن کے حکمِ صریح کو چھوڑ کر ان کے معاملہ میں انسانوں کا حکم تسلیم کیا۔ ہم پہلے ان دونوں سے جنگ کریں گے اور فتح کے بعد، مشورہ سے ایسا نظام قائم کریں گے جو کتاب اللہ کے مطابق ہو۔"

حضرت علی نے اس فتنہ کو دبانے کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس کو بھیجا۔ حضرت ابن عباس نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے ان سے مباحثہ شروع کر دیا۔

عبداللہ بن عباس نے کہا۔

"تمہیں انسانوں کو حکم مقرر کرنے میں کیا اعتراض ہے۔ خداوند تعالیٰ نے میاں بیوی کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حَکَم بنانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے :-

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا۔ (پ ۵ ع ۲)

"اور اگر تمہیں میاں بیوی میں تفرقہ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ شوہر کے کنبہ میں سے اور ایک بیوی کے کنبہ میں سے مقرر کرو اگر دونوں پنچ چاہیں گے کہ صلح صفائی کرا دیں تو اللہ ضرور میاں بیوی میں موافقت پیدا کر دیگا"

جب میاں بیوی کے جھگڑے کو دور کرنے کے لئے حکم مقرر کئے جا سکتے ہیں تو اُمت کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حکم بنانے میں کیا حرج ہے ؟

خوارج نے جواب دیا۔

"میاں بیوی کے اختلاف پر باغیوں کے معاملہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا وہاں خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو فیصلہ کا اختیار دے دیا ہے۔ لیکن یہاں اپنی طرف سے زانی اور سارق کی طرح حکم قطعی بیان فرمایا ہے انسانوں کے ہاتھ میں کچھ نہیں رکھا۔ معاویہ اور اُن کے اصحاب نے جماعت مسلمین سے علیحدہ ہو کر بغاوت اختیار کی۔ ان کے متعلق خدا کا ایک ہی حکم تھا یا وہ توبہ کریں اور یا انہیں قتل کیا جائے۔ تم نے اُن سے صلح کی گفتگو کر کے خدا کے اُس حکم کو ٹھکرا دیا۔ لہٰذا تم بھی کافر اور وہ بھی کافر"

ابھی ان کا مباحثہ جاری ہی تھا کہ حضرت علی خود پہنچ گئے۔ انہیں معلوم ہوا کہ یزید

بن قیس کا اُن پر اثر ہے۔ چنانچہ آپ یزید بن قیس ہی کے خیمہ میں اُترے۔ پہلے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر یزید بن قیس کو اصفہان اور رے کا والی مقرر کیا۔ اس کے بعد آپ اُن کی مجلس میں تشریف لے گئے اور پوچھا تمہارا دینی پیشواء کون ہے؟ خوارج نے ابن کواء کا نام لیا۔ آپ نے ابن کواء کو بُلا کر پوچھا۔

"تم لوگوں نے میری بیعت میں داخل ہونے کے بعد اس سے خروج کیوں کیا؟"

ابن کواء نے جواب دیا۔

"اس لئے کہ آپ نے اللہ کے حکم کو چھوڑ کر انسانوں کا حکم مانا۔"

حضرت علی نے فرمایا۔

"ہم نے دونوں ثالثوں سے عہد لے لیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ اگر انہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا تو ہم اُسے قبول کرلیں گے ورنہ رد کر دیں گے۔"

ابن کواء نے پوچھا:۔

"اچھا یہ بتائیے کیا خون کے معاملہ میں آپ انسانوں کے فیصلہ کو جائز سمجھتے ہیں؟"

حضرت علی نے جواب دیا۔

"میں نے انسانوں کے فیصلہ کو قبول نہیں کیا بلکہ قرآن کے فیصلہ کو قبول کیا ہے البتہ اس فیصلہ کا اعلان یہ دونوں ثالث کریں گے۔ قرآن تو ایک کتاب ہے وہ خود نہیں بول سکتا۔"

ابن کواء نے پوچھا:۔

"پھر اس کام کے لئے چھ مہینے کی طویل مہلت کی کیا ضرورت تھی؟"

حضرت علی نے فرمایا "تاکہ عالم اور جاہل سب قرآن کے حکم کو سمجھ سکیں

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس دوران میں مصالحت کے لئے فضا زیادہ سازگار ہو جائے "

اس طرح حضرت علی سمجھا بجھا کر خوارج کو کوفہ میں واپس لے آئے اور حکمین کے فیصلہ کا انتظار کرنے لگے۔

نتیجہ تحکیم جب چھ مہینے کی مدت گزر گئی تو حسب قرارداد حضرت ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص دومۃ الجندل میں جمع ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ چار سو آدمیوں کی جماعت تھی جس کے سردار شریح بن ہانی اور امام حضرت عبداللہ بن عباس تھے۔ اسی طرح عمرو بن عاص کے ساتھ چار سو آدمیوں کی جماعت تھی جس کے افسر شرحبیل بن صمہ تھے۔ ان کے علاوہ حضرت معاویہ کی درخواست پر بعض غیر جانبدار بزرگ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر ابوالجہم بن حذیفہ، عبدالرحمٰن بن یغوث، سعد بن وقاص وغیرہ بھی اصلاح امت کے نیک کام میں شرکت کے لئے تشریف لے آئے۔

دونوں ثالثوں نے مسئلہ زیرِ بحث پر گفتگو شروع کی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے پہلے امتِ مسلمہ کے افسوس ناک اختلاف اور اس کے مہلک اثرات کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا۔

"اے عمرو! بہت جوتیوں میں دال بٹ چکی۔ اب کوئی ایسی تدبیر ہونی چاہیئے کہ مسلمان آپس میں گلے مل جائیں اور آپس کی نااتفاقی دور ہو "

عمرو بن عاص نے کہا "مجھے آپ کی رائے سے بالکل اتفاق ہے " بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہمارے درمیان طے ہوتا جائے کاتب اسے لکھتا جائے۔ کیونکہ جو بات تحریر میں آجاتی ہے اس میں بھول چوک نہیں ہوتی۔

ابوموسیٰ اشعری نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور کاتب کو بلوا لیا گیا۔ کاتب کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ وہ وہی الفاظ قلمبند کرے جس پر فریقین متفق ہو جائیں۔ حضرت ابوموسیٰ اور عمرو بن عاص نے کاتب سے کہا لکھو :۔

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس پر ابوموسیٰ، عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص باہم متفق ہوئے ہیں۔ ہم دونوں اقرار کرتے ہیں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں اور نہ کوئی اس کا شریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں خدا نے انہیں ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اس کی حقانیت کے سبب اسے تمام ادیان پر غالب کر دیں اگرچہ مشرکین کو یہ ناگوار ہو۔"

عمرو بن عاص :۔ ہم دونوں اقرار کرتے ہیں کہ ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے تا زندگی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کیا اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر انجام دیا۔"

ابوموسیٰ (کاتب سے) "بجا و درست ہے لکھو۔"

عمرو بن عاص :۔ یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمرؓ بھی رسولؐ اللہ کے خلیفہ تھے انہوں نے بھی حضرت ابوبکرؓ کے طرزِ عمل کو برقرار رکھا۔

ابوموسیٰ :۔ "یہ بھی صحیح ہے لکھو۔"

عمرو بن عاص :۔ "یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمرؓ کے بعد عثمانؓ مسلمانوں کے اتفاق اور صحابہ کے مشورے اور اُن کی رضامندی سے منصب خلافت پر قائم ہوئے اور وہ سچے اور پکے مسلمان تھے۔"

ابوموسیٰ :۔ یہ مسئلہ اس وقت زیرِ بحث نہیں ہے۔

عمرو بن عاص :۔ اگر آپ اُن کو مومن تسلیم نہیں کرتے تو پھر کیا وہ کافر تھے۔"

ابوموسیٰ :۔ "اچھا لکھو۔"

عمرو بن عاص :۔ اب دو ہی باتیں ہیں یا انہیں ظالم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا یا مظلوم ہونے کی حیثیت سے؟

ابوموسیٰ :۔ انہیں مظلوم ہونے کی حیثیت سے ہی قتل کیا گیا۔

عمرو بن عاص :۔ "جسے مظلوم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا ہو خدا نے

اُس کے ولی کو قاتلوں سے طلبِ قصاص کا حق دیا ہے۔

ابوموسیٰ :۔ ہاں دیا ہے "

عمرو بن عاص :۔ آپ جانتے ہیں کہ معاویہ ہی عثمان کے ولی اقرب ہیں "

ابوموسیٰ :۔ "یہ بھی درست ہے "

عمرو بن عاص :۔ تو اس صورت میں معاویہ کو حق ہے کہ وہ قاتلینِ عثمان کا مطالبہ کریں۔ وہ جو کوئی ہوں اور جہاں کہیں ہوں اور اس کام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں "

ابوموسیٰ :۔ "یہ بھی ٹھیک ہے "

عمرو بن عاص :۔ (کاتب سے) یہ سب باتیں لکھ لو "

ابوموسیٰ :۔ "اے عمرو! یہ نزاع اُمتِ مسلمہ کے لئے بڑی مصیبت ہے۔ کوئی ایسی تجویز سوچیں کہ اس مصیبت سے چھٹکارا ہو اور ملت کی بہبودی کی صورت پیدا ہو "

عمرو بن عاص :۔ ایسی کیا تجویز ہو سکتی ہے ؟ "

ابوموسیٰ :۔ مجھے یقین ہے کہ اہلِ عراق کبھی معاویہ کو پسند نہ کریں گے اور اہلِ شام کبھی علی سے راضی نہ ہوں گے۔ لہٰذا دونوں کو اس منصب سے علیحدہ کر کے عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنایا جائے "

عمرو بن عاص :۔ کیا عبداللہ بن عمر اس منصب کو قبول کر لیں گے "

ابوموسیٰ :۔ اُمید تو ہے بشرطیکہ سب مسلمان بالاتفاق ان سے درخواست کریں "

عمرو بن عاص :۔ سعد بن وقاص کو کیوں نہ منتخب کیا جائے "

ابوموسیٰ :۔ وہ موزوں نہیں ۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے اور متعدد بزرگوں کے نام لئے۔ لیکن ابوموسیٰ انکار کرتے رہے اور عبداللہ بن عمر کے علاوہ کسی اور کے لئے رضامند

نہ ہوئے۔ یہاں آکر گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا اور جو کچھ طے پایا تھا اُس پر فریقین کے دستخط ثبت ہو گئے۔

اس فیصلے کا خلاصہ یہ نکلا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کی معزولی میں تو دونوں کا اتفاق ہو گیا لیکن یہ طے نہ ہُوا کہ یہ منصب کس کے سپرد ہو۔ لہٰذا یہ کام اُمّتِ محمدیہ کی رائے عامہ کے سپرد کر دیا گیا۔ جو کچھ تجویز قلمبند ہوئی تھی وہ مجمع عام میں پڑھ کر سُنادی گئی اور فریقین اپنے اپنے مقامات کو روانہ ہو گئے۔[1]

---

[1] یہ روایت "مسعودی" کی ہے۔ دوسرے مؤرخین کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کی یہ گفتگو قلمبند نہیں ہوئی اور دونوں گفت و شنید کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور اُمّت کو اختیار دیا جائے کہ نئے سرے سے جس کو چاہے خلیفہ منتخب کرے۔ دونوں حکم اس فیصلہ کا اعلان کرنے مجمع عام میں آئے۔ پہلے حضرت ابوموسیٰ نے اعلان کیا:-

"ہم حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں کو معزول کرتے ہیں اور آئندہ خلیفہ کو منتخب کرنے کا حق امت کے سپرد کرتے ہیں"

پھر عمرو بن عاص آئے انھوں نے کہا:-

"جہاں تک حضرت علی کی معزولی کا تعلق ہے مجھے ابوموسیٰ کی رائے سے اتفاق ہے لیکن حضرت معاویہ کو میں معزول نہیں کرتا اُن کو اُن کے منصب پر قائم رکھتا ہوں"

عمرو بن عاص کے اس اعلان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی اور دونوں حکموں میں سخت کلامی ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت بوجوہ ذیل ناقابلِ قبول ہے:-

(۱) "ثالثی نامہ" کی کتابت اور اس پر باقاعدہ شہادتوں کا ذکر سب مؤرخین نے کیا ہے۔ تعجب ہے کہ ثالثی نامہ تو قید تحریر میں لایا جائے اور اصل فیصلہ زبانی ہو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ فیصلہ حضرت معاویہ کے حق میں مفید ثابت ہُوا۔ اس کی رو سے حضرت علی اور حضرت معاویہ ایک سطح پر آگئے۔ پھر چونکہ انہیں کل اہلِ شام کی تائید حاصل تھی اور انتخابِ خلافت کا معاملہ رائے عامہ کے سپرد ہُوا تھا۔ اس لئے انہیں منصبِ خلافت کی آرزو پوری کرنے کے لئے مناسب موقعہ ہاتھ آگیا۔ حضرت علی کے حق میں یہ فیصلہ مضر ہُوا۔ مدینۃ الرسول کی بیعت جو اُن کے لئے بڑی حجت تھی اس فیصلہ کی رو سے باطل ہوگئی اور آئندہ انتخاب میں کامیاب ہونے میں مزید مشکلات پیدا ہوگئیں۔ اہلِ شام تو اُن کے مخالف تھے ہی اہلِ عراق کی امداد بھی تحکیم کو قبول کرنے کی وجہ سے منقسم ہوگئی۔ خوارج جو فیصلۂ تحکیم کے اعلان سے پہلے دب گئے تھے پوری قوت کے ساتھ ابھرے اور اُن کے لئے مارِ آستین بن گئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۷ سے آگے) (۲) عمرو بن عاص کو اس عیاری اور دروغ بیانی سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ صرف اپنی رائے کا اظہار تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف اسے منسوب نہ کیا حالانکہ طے شدہ شرائط کی رُو سے صرف متفقہ فیصلہ ہی قابلِ قبول ہو سکتا تھا۔ نہ ایک حکم کی تنہا رائے۔

(۳) اس روایت کے سلسلہ میں اعلان کے بعد حکمین کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے جاتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا۔

انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث — "تمہاری مثال کتے کی طرح ہے لادو جب بھی ہانپتا ہے اور نہ لادو جب بھی۔"

عمرو بن عاص نے جواب دیا:۔

مثلک کمثل الحمار یحمل اسفاراً۔ — "تمہاری مثال گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔"

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ کسی صحابی اور خصوصاً حضرت ابوموسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر صحابی کی طرف ان کی نسبت کو دل گوارا نہیں کرتا۔ واللہ اعلم۔

عمرو بن عاص اپنی جماعت کے ساتھ شام پہنچے تو انہوں نے حضرت معاویہ کو خلافت کی مبارک باد دی۔ اہلِ شام نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں "خلیفۃ المسلمین" کے لقب سے پکارنا شروع کر دیا۔

حضرت علی کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ چونکہ دونوں ثالثوں نے کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کرنے کی شرط کو پورا نہیں کیا اس لئے یہ ناقابلِ قبول ہے۔ آپ نے جامع کوفہ میں ایک تقریر کی اور ملک شام پر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے تیاری کا حکم دیا۔

شورشِ خوارج حضرت علی ملک شام پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ خوارج نے پھر سر اُٹھایا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم نے حضرت علی سے تحکیم کو رد کرنے کے لئے کہا تھا۔ مگر وہ نہ مانے۔ اب وہ حکمین کے فیصلہ کو کتاب و سنت کے خلاف بتا رہے ہیں اور جو بات ہم نے کہی تھی اُسے تسلیم کر رہے ہیں۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ قبولِ تحکیم کے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو تب تو ہم اُن کا ساتھ دیں گے ورنہ ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔

ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر منتخب کیا اور کوفہ سے نکل کر جسر نہروان میں مجتمع ہوئے۔ یہاں ان لوگوں نے بصرہ اور انبار اور مدائن سے بھی اپنے ہم خیال لوگوں کو بلایا اور اپنی جمعیت کو خوب منظم کر لیا۔ اب خوارج نے اپنے عقیدہ کی زبردستی تبلیغ شروع کر دی۔ ذمیوں سے وہ تعرض نہ کرتے اور کہتے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کو پورا کرنا چاہیئے۔ لیکن کسی مسلمان کو جو اُن کی رائے سے اتفاق نہ کرتا نہ بخشتے اور اُسے مرتد قرار دے کر قتل کر دیتے۔

عبداللہ بن خباب ایک بزرگ اپنی حاملہ بیوی کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے ان لوگوں نے اُنہیں پکڑ لیا اور کہا یہ قرآن جو آپ کی گردن میں

لٹکا ہوا ہے آپ کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ عبداللہ بن خباب نے کہا بھائی میں تو مسلمان ہوں اور پھر اپنا نام بتایا۔ خوارج نے کہا۔

ہمیں کوئی حدیث سنائیے جو آپ کے والد کی سند سے آپ تک پہنچی ہو۔

عبداللہ بن خباب نے کہا۔ میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

"ایک ایسا فتنہ نمودار ہوگا جس میں آدمی کا دل مر جائے گا جیسا کہ اس کا بدن مر جاتا ہے۔ انسان رات کو مومن سوئے گا اور صبح کو کافر اُٹھے گا ایسے فتنہ میں مقتول ہونا، قاتل نہ ہونا"

خوارج نے پوچھا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ عبداللہ نے اُن کی تعریف کی۔ خوارج نے کہا۔ آپ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی عہد کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ عبداللہ نے اسے بھی بہتر بتایا۔ خوارج نے پوچھا۔ حضرت علی کے متعلق قبولِ تحکیم سے قبل و بعد آپ کی کیا رائے ہے؟ عبداللہ نے کہا۔

"علی تمہارے مقابلہ میں کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اور اُس پر عمل کرنے والے ہیں"

خوارج نے کہا۔ "بس تم راہِ ہدایت سے دور اور شخصیت پرستی میں گرفتار ہو"

پھر انہوں نے عبداللہ بن خباب کو نہر کے کنارے لے جا کر ذبح کر دیا۔ اور اُن کی حاملہ بیوی کا بھی پیٹ چاک کر کے شہید کر دیا۔

ان کی باطنی شقاوت کی تو یہ حالت تھی اب ظاہری ثقاہت بھی ملاحظہ ہو۔

ایک نصرانی سے انہوں نے کھجوروں کا معاملہ کرنا چاہا۔ نصرانی نے کہا۔ آپ لے لیجئے میں آپ سے قیمت نہ لوں گا۔ خارجی نے کہا ہم بغیر قیمت ادا کئے تمہاری کھجوروں کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔ ایک خارجی نے ایک کھجور منہ میں رکھ لی تو سب چیخ اُٹھے اور اُسے منہ میں سے نکلوا کر چھوڑا۔

اُن میں سے ایک شخص کے سامنے سے ایک سور گزرا۔ اُس شخص نے اُسے مار ڈالا۔ اس پر دوسرے خارجی اُسے لعنت ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تو خدا کی زمین میں فساد پھیلاتا ہے۔ وضع قطع یہ تھی کہ نیچے نیچے کرتے پہنے ہوئے تھے اور لمبی لمبی نمازوں کی وجہ سے ہاتھوں پر گٹے پڑ گئے تھے اور گھٹنے اور کہنیاں جھانویں کی طرح کھردری ہو گئی تھیں[1]

جنگِ نہروان

حضرت علی ملک شام پر حملہ کرنے میں تاخیر پسند نہیں کرتے تھے، مگر جب خوارج کے ان مظالم کی خبریں پہنچیں تو ان کے ساتھیوں نے کہا یا امیر المومنین پہلے اس فتنہ کا سر کچل دیجئے ایسا نہ ہو کہ ہم ملک شام پر حملہ آور ہوں اور یہ ہمارے اہل و عیال کو موت کے گھاٹ اُتار دیں۔ حضرت علی نے اس رائے سے اتفاق کیا اور اپنی جمعیت کو لے کر نہروان کی طرف کوچ کیا۔

نہروان پہنچ کر حضرت علی نے خوارج سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر قیام کیا۔ آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ اور حضرت ابوایوب انصاری کو اُن کے پاس بھیجا تاکہ سمجھا بجھا کر اُنہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ مگر ان بزرگوں کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور خوارج اپنی رائے پر اڑے رہے۔

اب حضرت علی نے پیغام بھیجا:-

"تمہاری جماعت میں سے جن لوگوں نے خباب اور دوسرے مسلمانوں کو شہید کیا ہے انہیں ہمارے حوالے کر دو۔ ہم صرف ان قاتلین کو اپنے بھائیوں کے قصاص میں قتل کر دیں گے اور فی الحال تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر شام کی مہم پر چلے جائیں گے۔ ممکن ہے ہماری واپسی تک خدا تمہارے دلوں کو پھیر دے اور تم دوبارہ ہدایت قبول کر لو۔"

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۸۷ و اتمام الوفاء صفحہ ۲۳۹۔

مگر خوارج نے جواب دیا۔

"ہم سب نے تمہارے بھائیوں کو قتل کیا ہے اور ہم سب تمہارے اور تمہارے ہم عقیدہ لوگوں کے خون کو مباح سمجھتے ہیں۔"

اب حضرت علی کے لئے سوائے لڑائی کے کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ آپ نے اپنی فوج کو اصولِ جنگ کے مطابق ترتیب دیا۔ مگر چونکہ آپ حتی الامکان خونریزی سے بچنا چاہتے تھے اس لئے حضرت ابوایوب انصاری کو سفید جھنڈا دے کر بھیجا اور اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس جھنڈے کے نیچے پناہ لے گا یا میدانِ جنگ کو چھوڑ کر کوفہ یا مدائن چلا جائے گا ہم اُس سے تعرض نہ کریں گے۔ یہ اعلان سُنکر خوارج کی جماعت میں سے فروہ بن نوفل پانسو آدمیوں کے ساتھ نکل آیا اور بندنجین کی راہ لی۔ کچھ لوگ کوفہ کی طرف نکل گئے اور کچھ حضرت علی کے لشکر میں آکر شامل ہو گئے۔ اب خوارج کے لشکر میں دو ہزار آٹھ سو آدمی رہ گئے۔

آخر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہُوا خارجیوں کی مختصر جماعت بڑی بے جگری کے ساتھ لڑی۔ تمام بڑے بڑے سردار اور اکثر سپاہی شمشیر حیدری کا شکار ہوئے۔ جو باقی بچے وہ زخمی ہو کر گرفتار ہوئے تھے۔

ان لوگوں کی بہادری کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک خارجی سردار شریح بن ابی اوفیٰ کی ایک ٹانگ کٹ گئی تو وہ صرف ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر تلوار چلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ "نر اونٹ کھونٹے سے بندھا ہُوا بھی اپنی مادہ کی حفاظت کرتا ہے۔"

آخر کار قیس بن سعد نے اُس کا کام تمام کیا۔

لڑائی کے خاتمہ کے بعد حضرت علی نے زخمیوں کو جن کی تعداد چار سو تھی علاج کے لئے اُن کے اعزّہ کے سپرد کر دیا اور مقتولین کے گھوڑے اور ہتھیار اپنی فوج میں تقسیم کر دیئے تھے۔ اس کے علاوہ اُن کا دوسرا سامان اُن کے وارثوں کے حوالہ کر دیا۔

فتنۂ خریت

نہروان کی اس شکست کے بعد اگرچہ خارجیوں کا زور ٹوٹ گیا تاہم وہ جابجا فتنہ و فساد میں مصروف رہے اور حضرت علی کو اطمینان کا سانس نہ لینے دیا۔ خریت ابن راشد ناجی نے بنی ناجیہ کے تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" کی دعوت دینی شروع کی اور ملک کے مختلف حصوں میں قتل و غارت گری شروع کر دی۔

حضرت علی نے زیاد بن حفصہ کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مقام مذار پر زیاد کا خریت سے مقابلہ ہوا۔ سارا دن لڑائی جاری رہی۔ رات کی تاریکی میں خریت اپنے بقیۃ السیف ہمراہیوں کو لے کر بھاگ نکلا۔ زیاد بصرہ لوٹ آیا اور حضرت علی کو حالات کی اطلاع دی۔ حضرت علی نے معقل بن قیس کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ خریت کے تعاقب میں بھیجا۔ معقل نے خریت کو رامہرمز کی پہاڑیوں میں جا پکڑا۔ خریت قتل ہوا اور اس کے ساتھی کچھ قتل ہوئے کچھ منتشر ہو گئے۔

خریت کے علاوہ دوسرے خارجی سرداروں نے بھی جابجا فتنہ پردازی جاری رکھی اور حضرت علی کسی وقت بھی ان کی طرف سے مطمئن نہ ہو سکے۔

کوفیوں کا حملۂ شام سے گریز

معرکۂ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی نے اپنے لشکر کو شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ سردارانِ لشکر نے کہا۔ یا امیرالمومنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں۔ ہماری تلواریں مڑ گئی ہیں اور ہمارے نیزے ٹوٹ گئے ہیں۔ ہمیں کوفہ جانے کی اجازت دیجئے تاکہ ہم اپنا سامان درست کر سکیں۔ اور تازہ دم ساتھیوں کی مدد حاصل کر سکیں۔ حضرت علی ان لوگوں کو لے کر واپس تشریف لے آئے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اہلِ لشکر نخیلہ ہی میں لڑائی کی تیاریاں مکمل کر لیں اور شہر (کوفہ) میں نہ جائیں۔ مگر آپ کے حکم کو آپ کے ساتھیوں نے نہ مانا اور وہ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ یہاں تک

کہ بہت تھوڑی تعداد آپ کے ساتھ رہ گئی۔

حضرت علی نے یہ کیفیت دیکھی تو مجبور ہو کر آپ بھی کوفہ تشریف لے آئے۔ چند روز کے بعد آپ نے رؤسائے کوفہ کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ اب شام پر حملہ کے متعلق کیا ارادہ ہے؟ ان لوگوں نے ٹال مٹول سے کام لیا اور بہانے تراشنے شروع کئے۔ حضرت علی نے اپنے پُرجوش خطبوں سے اُن کے دلوں کو گرمانے کی کوشش کی۔ مگر اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ مجبور ہو کر آپ نے شام کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

واقعاتِ مصر

بیعتِ خلافت کے بعد آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کا والی مقرر کیا تھا۔ قیس بن سعد بن عبادہ ایک با اثر و مدبر شخصیت تھے۔ آپ نے حکمتِ عملی سے کام لے کر بہت جلد اکثر اہلِ مصر کو حضرت علی کی بیعت پر آمادہ کر لیا۔ صرف قصبۂ خربتا" کے لوگوں نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کی سرکردگی میں توقف کیا۔ قیس بن سعد نے مصلحتِ وقت دیکھ کر ان لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ مَیں تم لوگوں سے تعرض نہ کروں گا بشرطیکہ تم امن و امان میں خلل انداز نہ ہو۔ اہلِ خربتا نے اس شرط کو قبول کیا۔

حضرت معاویہ، قیس بن سعد کی لیاقت و صلاحیت سے واقف تھے جب حضرت علی جنگِ جمل سے فارغ ہوئے اور صفین کی تیاریاں شروع کیں تو انہیں مصر کی طرف سے بہت فکر ہوئی۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ عراق کی طرف سے حضرت علی حملہ کریں اور مصر کی طرف سے قیس حملہ کر دیں۔ اور وہ چکی کے دو پاٹوں میں پس کر رہ جائیں۔ اس خطرہ کے انسداد کے لئے انہوں نے قیس بن سعد کو خطوط لکھ کر انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر حضرت معاویہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اسی دوران میں حضرت علی نے قیس بن سعد کو لکھا کہ اہلِ خربتا سے بیعت

لی جائے ورنہ اُن سے جنگ کی جائے۔ قیس سمجھتے تھے کہ اس وقت اس بھڑوں کے چھتہ کو چھیڑنا مناسب نہیں۔ انہوں نے حضرت علی کو جواب دیا۔

"اہلِ خربتا اطاعت و فرمانبرداری کی زندگی بسر کر رہے ہیں وہ آپ کے مخالف نہیں ہیں۔ اس وقت مناسب یہی ہے کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔"

حضرت علی کے پاس قیس کا یہ خط پہنچا تو اُن کے بعض مشیروں نے ان سے کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قیس معاویہ سے ساز باز رکھتے ہیں تب ہی تو وہ آپ کے مخالفین سے جنگ کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔" حضرت معاویہ کو خبر پہنچی کہ قیس بن سعد کے متعلق دربارِ خلافت میں یہ شُبہ کیا جارہا ہے تو اُنھوں نے فوراً اُس سے فائدہ اُٹھایا۔ انہوں نے مشہور کرنا شروع کر دیا کہ قیس ہمارے آدمی ہیں۔ اہلِ خربتا کے ساتھ اُن کا حسنِ سلوک ہمارے لئے قابلِ قدر ہے۔"

حضرت علی کے جاسوسوں نے یہ خبر اُن تک پہنچائی۔ حضرت علی نے قیس کو معزول کر کے اُن کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ جنگِ صفین سے پہلے کا ہے۔

محمد بن ابی بکر ایک نوجوان اور ناتجربہ کار شخص تھے۔ انہوں نے مصر پہنچ کر اہلِ خربتا سے جنگ شروع کر دی۔ جنگِ صفین کے زمانہ میں محمد بن ابی بکر اہلِ خربتا ہی سے اُلجھے رہے اور وہ حضرت علی کی کچھ مدد نہ کر سکے۔ جنگِ صفین سے فارغ ہو کر جب حضرت علی کوفہ واپس آئے تو انہوں نے محمد بن ابی بکر کے ہاتھ سے مصر کا انتظام واپس لینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ مالک بن اشتر نخعی کو جو اُن کے لشکر کے ایک پُرجوش اور بہادر افسر تھے مصر کی ولایت کا پروانہ لے کر روانہ کیا۔ اشتر نخعی ابھی مصر کے راستہ ہی میں تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ کے اشارے سے اشتر کو زہر

دے دیا گیا۔

ابن کثیر نے حضرت معاویہ کے اس اقدام کی یہ توجیہ کی ہے کہ وہ اشتر کو قاتلینِ عثمان کے زمرہ میں شریک ہونے کے سبب مباح الدم سمجھتے تھے۔ حضرت علی کو اشتر کے انتقال کا بہت افسوس ہوا۔ اب انہوں نے محمد بن ابی بکر ہی کو بدستور مصر کی ولایت پر برقرار رکھا اور انہیں لکھا:-

"میں نے تمہیں کسی ناراضگی کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا بلکہ مصر کے حالات کی اصلاح مقصود تھی جس کے لئے اشتر اپنے تجربہ اور قابلیت کے لحاظ سے زیادہ موزوں تھے۔ اب جبکہ وہ دارِ آخرت کا سفر کر چکے ہیں تم اپنے فرائض کوشش اور تدبر کے ساتھ انجام دیتے رہو۔"

محمد بن ابی بکر کو مصر سے اپنی معزولی ناگوار گزری تھی لیکن اشتر کی اتفاقیہ موت اور حضرت علی کی اس تسلی و تشفی سے اُن کا اطمینان ہو گیا اور انہوں نے لکھ بھیجا کہ:-

"میں امیر المومنین کا تابع فرمان ہوں۔ ان کے دشمنوں کا مخالف اور دوستوں کا حامی مجھ سے زیادہ کوئی نہیں ہو سکتا۔"

یہ واقعہ حکمین کے فیصلہ سنانے سے پہلے کا ہے۔

فیصلۂ حکمین کے بعد جب حضرت معاویہ نے باقاعدہ اعلانِ حکومت کیا تو انہوں نے مصر پر قبضہ جمانے کی فکر کی۔ حضرت معاویہ نے اس مقصد کے حصول کے لئے پہلے "اہلِ خربتا" سے خط و کتابت کر کے اُن کی ہمت افزائی کی اور انہیں اطمینان دلایا کہ میں تمہاری مدد کے لئے جلد لشکرِ گراں بھیجنے والا ہوں۔

اہلِ خربتا نے حضرت معاویہ کی اس پیش کش کو دلی مسرت کے ساتھ قبول کیا۔ اب حضرت معاویہ نے چھ ہزار کی جمعیت عمرو بن عاص فاتح مصر کی زیر سرکردگی مصر کی طرف روانہ کی۔ آپ نے عمرو بن عاص کو ہدایت کی کہ وہ حتی الامکان نرمی اور محبت سے کام لیں۔ پہلے مخالفین کو صلح و اتحاد کی دعوت دیں۔ اگر وہ

انکار کریں تو پھر اُنہی لوگوں سے جنگ کریں جو مقابلہ کے لئے میدان میں آئیں۔ دوسروں سے تعرض نہ کریں۔ اسی کے ساتھ حضرت معاویہ نے ایک خط محمد بن ابی بکر کے نام بھی بھیجا اور انہیں یقین دلایا کہ اگر وہ مقابلہ نہ کریں گے تو انہیں کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ محمد بن ابی بکر نے حضرت معاویہ کو سخت جواب دیا۔ پھر اُنھوں نے حضرت علی کو کل واقعات کی اطلاع دی اور اُن سے فوجی و مالی امداد کی درخواست کی۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ وہ صبر و شجاعت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں اور جلد امداد بھیجنے کا وعدہ کیا۔

عمرو بن عاص اپنی جمعیت کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے تو حسب قرارداد خربتا کے دس ہزار جنگ جو عثمانی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس طرح ان کی جمعیت سولہ ہزار ہو گئی۔

محمد بن ابی بکر نے دو ہزار کی ایک جمعیت کنانہ بن بشر کی زیر سرکردگی اہلِ شام کے مقابلہ کے لئے روانہ کی اور خود مزید جمعیت کی فراہمی میں مشغول ہو گئے۔ کنانہ بن بشر نے بڑی بہادری اور جانبازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ پہلے اہلِ شام کو شکست ہوئی لیکن اہل خربتا کی امداد نے اس شکست کو جلد فتح میں بدل دیا۔ کنانہ بن بشر میدانِ جنگ میں کام آئے ان کے ساتھی کچھ شہید ہوئے اور کچھ نے راہِ فرار اختیار کی۔

محمد بن ابی بکر دو ہزار کی دوسری جمعیت کے ساتھ عمرو بن عاص کے مقابلہ کے لئے روانہ ہونے والے تھے کہ انہیں کنانہ بن بشر کے قتل اور ہزیمت کی خبر پہنچی۔ اس خبر سے ان کے ساتھیوں پر کچھ ایسی دہشت طاری ہوئی کہ سب انہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد بن ابی بکر اب مایوس ہو گئے اور جان بچانے کے لئے ایک کھنڈر میں پناہ لی۔ معاویہ بن حدیج ان کی تلاش میں نکلا۔ اور چند قبطیوں کی اطلاع پر انہیں زندہ گرفتار کر لیا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے جو لشکرِ شام میں شریک تھے عمرو بن عاص سے کہا کہ میرے بھائی محمد کو قتل نہ

کیا جائے۔ عمرو بن عاص نے معاویہ بن حدیج کے پاس پیغام بھیجا کہ محمد بن ابی بکر کو میرے پاس بھیج دو اور انہیں قتل نہ کرو۔ مگر معاویہ نے کہلا بھیجا کہ محمد قاتلینِ عثمان میں شامل ہیں۔ میں انہیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ چنانچہ معاویہ نے محمد بن ابی بکر کو بڑی بے رحمی سے شہید کر دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ کو اپنے بھائی محمد کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ بہت آزردہ ہوئیں۔ انہوں نے عمرو بن عاص اور حضرت معاویہ کے حق میں بد دُعا کی اور اپنے بھائی کے بچوں کو اپنی تحویل میں لے لیا[1]

اسی طرح ۳۸ھ میں مصر کا سرسبز شاداب ملک حضرت معاویہ کی حکومت میں شامل ہو گیا اور حضرت علی خوارج کی شورش اور اپنے رفقاء کی سرد مہری کی وجہ سے کچھ نہ کر سکے۔ بڑی مشکل سے دو ہزار کی ایک جمعیت انہوں نے مالک بن کعب کی سرداری میں مصر کی طرف روانہ کی مگر ابھی مالک راستہ ہی میں تھے کہ انہیں محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر مل گئی اور وہ حضرت علی کی حسب ہدایت واپس چلے آئے۔

شورشِ بصرہ

مصر کی فتح کے بعد امیر معاویہ نے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ اپنے حق میں پروپیگنڈا کرنے کے لئے بھیجا۔

بصرہ میں جنگِ جمل کے زمانہ سے ایک جماعت حضرت علی کے مخالفین کی موجود تھی جن کی گردنیں تو ذوالفقارِ حیدری کے سامنے خم ہو چکی تھیں مگر دل حضرت معاویہ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابن عباس والئ بصرہ حضرت علی کی خدمت میں کوفہ گئے تھے اور زیاد بن ابی سفیان اُن کا قائم مقام تھا۔ ابن حضرمی کے لئے یہ موقعہ سازگار تھا۔ چنانچہ بصرہ پہنچ کر اُس نے بہت جلد قبیلہ بنو تمیم اور دوسرے حامیانِ معاویہ کو خونِ عثمان کے مطالبہ کے لئے

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۳۱۴

کھڑا کر دیا۔ زیاد اس شورش کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس نے جان بچانے کے لئے ازد سے پناہ طلب کی اور حضرت علی کو اس نئی مصیبت کی اطلاع دی۔ حضرت علی نے اعین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کے فتنہ کو دبانے کے لئے بھیجا مگر ابن ضبیعہ کو دھوکہ سے قتل کر دیا گیا۔ اب حضرت علی نے جاریہ بن قدامہ تمیم کو پچاس دوسرے آدمیوں کے ساتھ بصرہ بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم بنی تمیم کو سمجھا بجھا کر ابن حضرمی کے فتنہ سے بچائیں۔

جاریہ ابن قدامہ اس مہم میں کامیاب ہوئے۔ بنی تمیم نے ابن حضرمی کا ساتھ چھوڑ دیا اور ابن حضرمی نے اپنے ستر رفقاء کے ساتھ ایک مکان میں پناہ لی۔ جاریہ نے ابن حضرمی کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اول ان لوگوں کو ترغیب و ترہیب سے فتنہ انگیزی سے باز آنے کے لئے کہا لیکن جب باز نہ آئے تو مکان میں آگ لگا کر انہیں جلا ڈالا[1]

ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ اس سنگدلانہ سلوک سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوا۔ اب تک تو بصرہ ہی فتنہ و فساد کا مرکز تھا اب یہ آگ فارس اور کرمان تک پھیل گئی۔ ان لوگوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور اپنے عامل سہل بن حنیف کو نکال دیا۔ حضرت علی نے حضرت ابن عباس کے مشورہ سے زیاد بن ابی سفیان کو فارس اور کرمان کا والی بنا کر اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روانہ کیا۔ زیاد نے آبِ خنجر سے آتشِ بغاوت کو سرد کیا اور دوبارہ امن و امان قائم کیا۔

امیر معاویہ کے جارحانہ حملے

حضرت معاویہ نے اس شورش عام سے فائدہ اٹھایا۔ ۳۹ھ کے آغاز میں جبکہ مقبوضاتِ خلافت میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے تھے اور شیعانِ علیؓ

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۱۶

کے جوش و ولولے ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ حضرت معاویہ نے مختلف اطراف میں جارحانہ حملے شروع کر دیئے۔

نعمان بن بشیر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر کی طرف روانہ کیا۔ یہاں نعمان کا مقابلہ مالک بن کعب سے ہوا۔ مالک کے ساتھیوں پر شامیوں کا ایسا رُعب چھایا کہ سو آدمیوں کے سوا سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ مالک نے حضرت علی سے مدد طلب کی۔ حضرت علی نے اہلِ کوفہ کو جمع کر کے ایک پرجوش خطبہ دیا مگر اہلِ کوفہ پر کچھ اثر نہ ہوا اور دربارِ خلافت سے مالک کو کچھ مدد نہ پہنچ سکی۔ تاہم مالک نے اپنے مختصر رفقاء کے ساتھ نعمان کا اُس وقت تک بہادرانہ مقابلہ کیا جب تک کہ مخنف بن سلیم اُن کی مدد کو نہ پہنچ گئے اور آخر کار نعمان کو شام واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

سفیان بن عوف کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ہیت کی طرف روانہ کیا۔ سفیان ہیت پہنچا تو یہاں میدان خالی پایا۔ سفیان نے انبار کا رُخ کیا۔ یہاں پانچ سو آدمی مقابلہ کے لئے موجود تھے تاہم بجز سو آدمیوں کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان سو نے اُس وقت تک میدان نہ چھوڑا جب تک کہ اُن کا امیر اشرس قتل نہ کیا گیا۔ سفیان یہاں سے مال و اسباب اور خزانہ لوٹ کر شام واپس چلا گیا۔

عبداللہ بن مسعدہ کو ایک ہزار سات سو کی جمعیت کے ساتھ تیماء کی طرف روانہ کیا۔ عبداللہ نے اہلِ تیماء سے بجبر محاصل وصول کرنے شروع کر دیئے۔ حضرت علی نے مسیب بن نجیہ کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ دونوں لشکروں میں سخت جنگ ہوئی آخر کار مسیب نے عبداللہ کو ایک قلعہ میں محصور کر کے اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ شام واپس چلا جائے۔

ضحاک بن قیس کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ اطراف بصرہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ حضرت علی نے حجر بن عدی کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ

اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ دونوں لشکروں میں سارا دن لڑائی ہوتی رہی۔ رات ہوتے ضحاک نے شام کی راہ لی۔

امیر معاویہ کے ان حملوں سے اُن کی حدودِ مملکت میں تو اضافہ نہ ہوا تاہم یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ نظامِ خلافت اسلامیہ کی جڑیں ہل گئیں حضرت علی کے مقبوضات میں عام ابتری اور بدامنی پھیل گئی اور مرکزِ خلافت کا رُعب دلوں سے جاتا رہا۔

زمانہ حج میں حضرت علی نے قثم بن عباس کو اپنی طرف سے امیر الحج بنا کر مکہ معظمہ بھیجا۔ ادھر حضرت معاویہ نے یدید بن شجرہ رہاوی کو اپنی جانب سے امیر الحج نامزد کر کے روانہ کیا۔ دونوں میں کشمکش ہوئی اور آخر فیصلہ یہ ہوا کہ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ اماراتِ حج کے فرائض انجام دیں۔ اس طرح اقتدارِ خلافت کا یہ مظہر بھی حضرت علی کے ہاتھ سے نکل گیا۔

امیر معاویہ کا حجاز و یمن پر قبضہ

سنہ ۴۰ھ کے آغاز میں امیر معاویہ نے بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ کیا۔ بسر مدینہ پہنچا اور بلا مقابلہ شہر پر قبضہ کر لیا۔ عامل مدینہ ابو ایوب مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر حضرت علی کے پاس کوفہ چلے گئے۔ بسر نے اہلِ مدینہ سے جبراً بیعت لی اور جس نے چون وچرا کی اُن کے مکانات منہدم کر دیئے۔ بسر نے مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہو کر چیخ چیخ کر کہا۔

"میرا شیخ (عثمان غنیؓ) آج کہاں ہے؟ کل وہ مدینہ ہی میں موجود تھا آج کہاں ہے؟ اے اہلِ مدینہ قسم ہے خدا کی اگر معاویہ مجھ سے عہد نہ لے چکے ہوتے تو مدینہ میں کسی بالغ کو زندہ نہ چھوڑتا۔"

مدینہ کے بعد بسر مکہ معظمہ پہنچا وہاں بھی بلا مقابلہ قبضہ کیا اور حضرت معاویہ کے لئے بیعت لی۔ مکہ سے بسر نے یمن کا قصد کیا۔ حضرت علی کی طرف سے یمن کے والی عبید اللہ بن عباسؓ تھے وہ صنعاء کو چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔ بسر نے اُن

کے دو کمسن بچوں کو قتل کر دیا۔ بسر نے یہاں اور بھی بہت سے حامیانِ علی کو قتل کیا۔ حضرت علی کو بسر کے ان مظالم کی اطلاع پہنچی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ جاریہ نجران پہنچے تو وہاں انھوں نے مددگارانِ عثمان کو تہ تیغ کیا اور ان کے گھروں کو آگ لگا دی۔ بسر کو جاریہ کے آنے کی خبر پہنچی تو اس نے شام کا راستہ لیا۔ جاریہ مکہ پہنچے اور وہاں حضرت علی کی بیعت کے لئے دعوت دی۔ اسی دوران میں امیرالمؤمنین حضرت علی کی شہادت واقع ہو گئی اور جاریہ کی مہم ناکام رہ گئی۔

ابن جریر کی روایت کے مطابق اس سال کے آخر میں حضرت معاویہ نے حضرت علی کو لکھا کہ امت میں بہت خونریزی ہو چکی اب کب تک مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہے گا۔ بہتر یہ ہے کہ فریقین اپنے اپنے مقبوضات پر اکتفا کریں اور ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہ ہو۔ حضرت علی نے حضرت معاویہ کی اس رائے سے اتفاق کیا اور دونوں بزرگوں میں صلح ہو گئی۔[۱]

شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ

واقعہ نہروان کے بعد تین خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم حمیری، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی، مکہ معظمہ میں ملے۔ یہ تینوں عالمِ اسلام کی خانہ جنگی اور بدنظمی کا ذکر کر کے دیر تک افسوس کرتے رہے۔ پھر انھوں نے مقتولینِ نہروان کی یاد میں آنسو بہائے اور کہنے لگے کہ اپنے بھائیوں کی موت کے بعد زندگی میں ہمارے لئے کچھ لطف نہیں رہا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم علی، معاویہ اور عمرو بن عاص کو ٹھکانے لگا دیں تاکہ ایک طرف عالمِ اسلام اس خون خرابہ سے نجات پائے اور دوسری طرف ہم اپنے بھائیوں کا انتقام لے لیں۔ آخر طے یہ پایا کہ عبدالرحمٰن حضرت علی کو، برک حضرت معاویہ کو اور عمرو، عمرو بن عاص کو شہید کرے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۷، صفحہ ۳۲۲۔

کی تاریخ اس کام کو انجام دینے کے لئے تجویز ہوئی۔

حسب قرارداد ابن ملجم کوفہ آیا اور یہاں خاندان بنی رباب سے جو خارجی عقیدہ رکھتا تھا تعلقات پیدا کئے۔ اس خاندان میں ایک حسین و جمیل عورت تھی جس کا نام قطام تھا۔ ابن ملجم اس کا گرویدہ ہوگیا اور اُسے شادی کا پیغام دیا۔ قطام نے کہا مجھے تمہارا پیغام منظور ہے، مگر مہر وہ ہوگا جو میں تجویز کروں۔ ابن ملجم نے کہا تم کیا مہر تجویز کرتی ہو؟ قطام نے جواب دیا۔ تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک باندی اور حضرت علی کا سر۔ ابن ملجم نے کہا۔ مجھے بسروچشم منظور ہے۔ علی کے سر کے لئے تو میں کوفہ ہی آیا ہوں۔ غرض ابن ملجم اور قطام کی شادی ہوگئی اور دونوں مل کر اس مقصد کی تکمیل کی تدبیریں کرنے لگے۔ ابن ملجم اور قطام ہی کی کوششوں سے شبیب بن نجدہ حروری اور وردان دو اور خارجی بھی اس سازش میں شریک ہو گئے۔

۱۷ رمضان ۴۰ھ جمعہ کی رات کو تینوں جامع کوفہ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ فجر کے وقت حضرت علی مسجد میں داخل ہوئے اور حسبِ معمول سونے والوں کو نماز کے لئے جگانا شروع کیا۔ شبیب کمین گاہ سے نکلا اور حضرت علی پر تلوار کا وار کیا۔ آپ محراب میں گر پڑے۔ اب ابن ملجم آگے بڑھا اور حضرت امیر کے سر مبارک پر دوسرا وار کیا۔ حضرت کی ڈاڑھی خون میں تر بتر ہوگئی۔ آپ نے پکار کر کہا میرے قاتل کو پکڑو۔ وردان اور شبیب دونوں بھاگ نکلے۔ لیکن ابن ملجم پکڑ لیا گیا۔

حضرت علی کو آپ کے مکان پر لایا گیا اور ابن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"اگر میں مر گیا تو اس شخص کو قتل کر دینا اور اگر زندہ رہا تو خود جو سزا مناسب سمجھوں گا دیدوں گا۔"

جب امیدِ حیات منقطع ہوگئی تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو بلایا اور انہیں

تقویٰ، حسنِ عمل اور خدمتِ دین کی وصیت فرمائی۔ کسی نے پوچھا "یا حضرت آپ کے بعد ہم حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟" آپ نے جواب دیا "نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں جیسا مناسب سمجھو کرنا۔"

آخر کار اسی دن رات کو آسمانِ رسالت کا یہ ستارہ درخشندہ غروب ہو گیا۔ رحلت کے وقت یہ آیہ کریمہ وردِ زبان تھی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

"جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا اُس کی جزا پائے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کریگا اُس کی سزا پائے گا۔"

آپ کی عمر ۶۳ سال ہوئی اور تقریباً چار سال نو مہینے مسندِ خلافت پر متمکن رہے۔ آپ کے جنازہ کی نماز حضرت امام حسنؓ نے پڑھائی اور ابن کثیر کی مرجح روایت کے مطابق دار الخلافہ کوفہ کے اندرونی حصے میں دفن کیا گیا۔[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امیر کے وصال کے بعد حضرت حسن نے ابن ملجم کو بلایا۔ ابن ملجم نے کہا کہ میں علی کی طرح معاویہ کے قتل کا بھی عہد کر چکا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس فرض کو بھی ادا کر لوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر زندہ رہا تو ضرور حاضرِ خدمت ہو جاؤں گا۔ حضرت حسن نے ابن ملجم کی اس درخواست کو رد کر دیا اور عبداللہ بن جعفر کو قتل کا حکم دیا۔

ابن ملجم کو اپنے عقیدۂ باطل پر اس قدر یقین تھا کہ وہ قتل کے وقت سورۂ

---

[1] بعض شیعہ صاحبان کا خیال ہے کہ حضرت علی کی قبر نجف میں ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس خیال کو بے اصل قرار دیا ہے۔ پھر خطیب بغدادی کی روایت نقل کی ہے کہ نجف میں جو قبر حضرت علی کی طرف منسوب ہے وہ دراصل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت علی کے مدفن کے مطابق اور بھی متعدد روایات نقل کی ہیں۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۲۹ و ۳۳۰) ۱۲ (مؤلف)

سورۂ اقراء کی تلاوت کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس وقت اپنی زبان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرنا چاہتا۔

ابن ملجم کا دوسرا ساتھی برک بن عبداللہ دمشق پہنچا اور اس نے بھی اُسی دن، اُسی وقت، حضرت معاویہ پر جب کہ وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے حملہ کیا۔ حضرت معاویہ کے معمولی زخم آیا جو جلد اچھا ہو گیا۔ برک گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ نے اپنے لئے مسجد میں مقصورہ بنوا لیا اور ایک محافظ دستہ مقرر کیا جو نماز کے وقت اُن کی حفاظت کرتا تھا۔

ابن ملجم کا تیسرا ساتھی عمرو بن بکر مصر پہنچا اور اس نے بھی وقت معینہ پر اپنا عہد پورا کرنے کی کوشش کی۔ حسنِ اتفاق سے اس روز عمرو بن عاص بیماری کی وجہ سے مسجد نہ آسکے اور ان کی بجائے خارجہ بن ابی حبیبہ نے امامت کی۔ عمرو بن بکر نے خارجہ کو عمرو بن عاص سمجھ کر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ عمرو بن بکر بھی گرفتار ہُوا اور قتل کر دیا گیا۔

خاندانِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جگر گوشۂ رسول خاتونِ جنّت، فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ خاتونِ جنّت کے بطن سے تین صاحبزادے حسن، حسین، محسن اور دو صاحبزادیاں زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ پیدا ہُوئیں۔ محسن نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔

خاتونِ جنّت کے جنت کو سدھارنے کے بعد آپ نے متعدد شادیاں کیں اور اُن سے بکثرت اولاد پیدا ہوئی۔ تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ ام البنین بنت حزام۔ ان کے بطن سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہُوئے۔

۲۔ لیلیٰ بنت مسعود تمیمی :۔ ان سے عبیداللہ اور ابو بکر پیدا ہوئے۔

۳۔ اسماء بنت عمیس:۔ ان کے بطن سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہُوئے۔

۴۔ صہباء بنت ربیعہ :۔ یہ ام ولد تھیں ان سے ایک صاحبزادہ عمر اور ایک

صاحبزادی رقیہ پیدا ہوئیں۔

۵۔ امامہ بنت ابی العاص۔ یہ حضرت زینب بنت رسول اللہ کی صاحبزادی تھیں ان کے بطن سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔

۶۔ خولہ بنت جعفر حنفیہ :۔ ان کے بطن سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے۔

۷۔ ام سعید بنت عروہ :۔ ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

۸۔ محیاۃ بنت امرءالقیس :۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جو بچپن ہی میں فوت ہوگئیں۔

ان کے علاوہ کاشانۂ امارت میں متعدد لونڈیاں بھی تھیں جن کے بطن سے حسب ذیل صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ۔

ابن جریر طبری کی روایت کے مطابق آپ کے چودہ صاحبزادے اور سترہ صاحبزادیاں تھیں اور واقدی کے قول کے مطابق آپؓ کے پانچ صاحبزادوں سے سلسلۂ نسل جاری رہا۔ اُن کے نام یہ ہیں :۔

حسنؓ۔ حسینؓ۔ محمد بن حنفیہ۔ عباسؓ۔ عمرؓ۔ (رضی اللہ عنہم)



عہدِ امام حسن رضی اللہ عنہ

انتخاب اور عزمِ مقابلہ حضرت علی مرتضیٰ کی شہادت کے بعد اہلِ کوفہ جامع مسجد میں جمع ہوئے اور آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔

حضرت معاویہ کو جب حضرت علی کی شہادت اور امام حسنؓ کی بیعت کی خبر معلوم ہوئی تو انھوں نے اپنے لئے دوبارہ بیعت لی اور ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ کوفہ کا رُخ کیا۔ امام حسن کو حضرت معاویہ کی روانگی کی اطلاع ملی تو انھوں نے بھی چالیس ہزار کی لشکر کے ساتھ حضرت معاویہ کو روکنے کے لئے مدائن کی طرف کوچ کیا۔

امام حسن ساباط پہنچے تو آپ نے آرام کرنے کے لئے وہاں لشکر کو قیام کا حکم دیا۔ یہاں آپ نے اپنے لشکر کی حالت کا اندازہ لگایا تو آپ نے اس کی عجیب کیفیت پائی۔ وہ اپنی طبعی فتنہ جوئی کے سبب مصالحت کو پسند نہ کرتے تھے مگر اپنی پست ہمتی کی وجہ سے جنگ کے لئے بھی مستعد نہ تھے۔ پھر ان میں اختلاف رائے بھی موجود تھا۔ آپ نے یہ کیفیت دیکھ کر انہیں جمع کیا اور حسبِ ذیل تقریر فرمائی :-

"لوگو! خدا کے فضل سے میرے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ نہیں ہے۔ مجھے تمہاری بہتری بھی اپنی بہتری کی طرح عزیز ہے اس لئے میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ اتفاق بہرحال اختلاف سے

بہتر ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لڑائی سے بیزار ہیں، لہٰذا میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تمہیں اس کام پر مجبور کروں جسے تم دل سے پسند نہیں کرتے"

امام حسنؓ کی تقریر ختم ہوتے ہی مجمع میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ایک جماعت نے کہا حسن بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے ہیں۔ اسی شور و شغب میں ایک گروہ نے امام حسن پر حملہ کر دیا۔ آپ کے خیمہ کا سامان لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلے اور آپ کے کاندھے سے چادر تک کھینچ لی۔ امام حسنؓ کو اس بدتمیزی پر سخت غصہ آیا۔ فوراً گھوڑے پر سوار ہوئے اور پکار کر کہا۔

"ربیعہ اور ہمدان کے قبیلے کہاں ہیں؟"

امام حسنؓ کی پکار سنتے ہی یہ دونوں قبیلے دوڑ پڑے اور حملہ آوروں کو مار بھگایا[1]

اس واقعہ سے حضرت امام کو یقین ہو گیا کہ اہلِ کوفہ اپنی سرشت سے مجبور ہیں اور خلافت جیسی اہم ذمہ داری کا بار ان کی امداد کے بھروسہ پر نہیں اٹھایا جا سکتا۔

ساباط سے امام حسنؓ مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں جراح بن قبیصہ خارجی نے آپ کے نیزہ مارا۔ آپ کو مدائن میں لایا گیا۔ یہاں آپ قصر ابیض میں فروکش ہوئے اور کچھ روز علاج کے بعد تندرست ہو گئے۔

امام حسنؓ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ بطور مقدمۃ الجیش کے آگے بھیج دیا تھا۔ قیس بن سعد انبار پہنچ کر ٹھہر گئے تھے۔ حضرت معاویہ انبار پہنچے انہوں نے قیس کے لشکر کا محاصرہ کر لیا اور عبداللہ بن عامر کو پیغامِ صلح دے کر امام حسنؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔

---

[1] الاخبار الطوال صہ ۲۱۸

صُلح امام حسنؓ کو عبداللہ بن عامر کی مدائن کی طرف پیش قدمی کی اطلاع ملی تو آپ اپنے لشکر کو لے کر مدائن سے نکلے۔ عبداللہ بن عامر کی جمعیت امام حسن کے لشکر کے مقابل پہنچی تو عبداللہ بن عامر نے چیخ کر کہا ۔

"اے اہلِ عراق میں لڑنے کے ارادہ سے نہیں آیا ہوں بلکہ معاویہ کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ ابو محمد (حسن) کو میرا سلام پہنچا دو اور میری طرف سے عرض کرو کہ جماعت مسلمین کو جنگ کی ہلاکت سے بچائیں"۔

اہلِ عراق نے یہ پیغام سُنا تو انہوں نے لڑائی سے اجتناب کو پسند کیا۔ چنانچہ امام حسن اپنے لشکر کے ساتھ مدائن میں واپس چلے آئے۔ یہاں سے آپ نے عبداللہ بن عامر کو جواب بھیجا کہ "میں چند شرائط کے ساتھ حضرت معاویہ سے صُلح کرنے اور خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں"۔

عبداللہ بن عامر حضرت معاویہ کے پاس گئے اور اُنہیں مژدۂ صلح سُنایا۔ حضرت معاویہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر و دستخط ثبت کر کے عبداللہ بن عامر کے حوالہ کیا اور کہا کہ "یہ حسن کو دے دو اور اُن سے کہہ دو کہ وہ جو شرائط پسند کریں اس پر لکھ دیں مجھے منظور ہیں"۔

امام حسنؓ نے یہ شرطیں لکھیں :-

۱۔ اہلِ عراق کو امنِ عام دیدیا جائے اور گذشتہ واقعات کے سلسلہ میں کسی کی گرفت نہ ہو"۔

۲۔ اہواز کا خراج میرے نام لکھ دیا جائے۔

۳۔ میرے بھائی حسینؓ کو بیس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے۔

۴۔ عطیات اور صلات میں بنی ہاشم کا حق دوسروں سے فائق سمجھا جائے

عہد نامہ کی تکمیل کے بعد امام حسنؓ مدائن سے کوفہ واپس تشریف لے آئے حضرت معاویہ بھی انبار سے محاصرہ اُٹھا کر کوفہ آ گئے۔ جامع کوفہ میں حضرت معاویہ نے اہلِ عراق سے بیعت لی۔ پہلے حضرت امام نے بیعت کی، پھر دوسرے

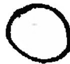
اکابر و اصاغر نے۔ حضرت امام خلافت کے بارے سبکدوش ہوکر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور بقیہ زندگی جوارِ رسول اللہ میں گزاری۔ اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ	"میرا یہ بیٹا" سید "ہے امید ہے کہ اللہ تعالٰے
ان یصلح بہ بین طائفتین	اُسے مسلمانوں کے دو بڑی جماعتوں میں صلح
عظیمتین من المسلمین۔	کا ذریعہ بنائے گا۔"

"یہ واقعہ ربیع الاول ۴۱ھ کا ہے چونکہ دس سال کی خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد اس سال مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق ہوا تھا اس لئے اس سال کا نام "عام الجماعت" رکھا گیا۔

اکثر مؤرخین نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے عہد کو نہایت مختصر ہونے کے سبب دورِ خلافت راشدہ میں شمار نہیں کیا۔ تاہم آپ کی بیعت کی نوعیت وہی تھی جو آپ کے والد بزرگوار حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی۔ نیز فرمان نبوی الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ "خلافت راشدہ میرے بعد تیس سال رہے گی، کی رو سے آپ کا عہد زمانہ خلافت راشدہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم نے حضرت امام عالی مقام کے عہد صلح و سلام کا ذکر مناسب سمجھا۔

(رضی اللہ عنہ)



نظامِ خلافتِ راشدہ

مقامِ خلافت خلافتِ راشدہ کے نظامِ حکومت کا مرکزی نقطہ خود خلیفہ کی ذات تھی۔ خلیفہ حکومتِ الٰہی کا رئیس ہونے کی حیثیت سے کتاب وسنت کا ترجمان اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین تھا۔ لیکن اپنی ذاتی حیثیت سے وہ اُمتِ مسلمہ کا ایک فرد تھا اور اُس میں اور کسی دوسرے مسلمان میں کوئی فرق نہ تھا۔

مقام یرموک میں مسلمانوں اور رومیوں میں ایک فیصلہ کن معرکہ گرم ہے رومیوں کی ٹڈی دَل فوجوں کے مقابلے میں شام وعراق کی اسلامی فوجیں مجتمع ہو کر دادِ شجاعت دے رہی ہیں۔ خالد بن ولید ایک نئے طرز پر اسلامی فوجوں کو لڑا رہے ہیں۔ سپہ سالارِ اسلامی کی مہارتِ قیادت کی بدولت نقشۂ جنگ میں فتح وظفر کا رنگ بھر اجارہا ہے۔ ہر شخص سیف اللہ کی روانی و برانی پر عش عش کر اُٹھتا ہے۔ یکایک خلیفۂ اسلام کا حکم پہنچتا ہے کہ خالد اپنے عہدہ سے معزول کئے جاتے ہیں۔ سپہ سالار دربارِ خلافت کے اس حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ اُس کی پیشانی پر کوئی بل نہیں پڑتا اور اُس کی تلوار کی روانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ ہے خلیفۂ اسلام کی پہلی حیثیت۔

مسجدِ نبوی میں حضرت عمر تقریر فرما رہے ہیں کہ ایک شخص مجمع عام میں سے کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے :-

"اے عمر خاموش ہو جاؤ ہم تمہاری بات نہیں سُنتے جو مالِ غنیمت تقسیم ہوا ہے اُس میں سے سب کو ایک ایک چادر ملی ہے تمہارے

پاس دو چادریں کہاں سے آئیں کہ ایک کی قمیص بنالی ہے اور ایک اوڑھے ہوئے ہو؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "میرا بیٹا عبداللہ اس کا جواب دے گا۔ عبداللہ بن عمر نے کھڑے ہو کر کہا۔

"امیر المومنین نے بھی ایک ہی چادر لی ہے دوسری چادر جس کی قمیص پہنے ہوئے ہیں میرے حصہ کی ہے جو میں نے اپنے والد کو دے دی ہے۔"

یہ ہے خلیفۂ اسلام کی دوسری حیثیت۔

حقیقت یہ ہے کہ "خلیفہ راشد" کو جو کچھ امتیاز حاصل تھا وہ اس حیثیت سے حاصل تھا کہ وہ قانونِ شریعت کا ترجمان اور اس کا نفاذ کرنے والا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو یہ شبہ ہو جاتا کہ اس کا قدم قانونِ شریعت کے دائرہ سے باہر جا رہا ہے تو پھر اُس کی نگاہوں میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

عہدِ اسلام کے خلیفۂ اول نے خلافت کے بار کو سنبھالتے ہی امتیازاتِ خلافت کی حدود کو ان الفاظ میں ظاہر کر دیا تھا۔

ایھا الناس انما انا متبع ولست بمبتدع فاذا احسنت فاعینونی وان انا زغت فقوّمونی [1]	"اے لوگو! میں تو احکام شریعت کی پیروی کرنیوالا ہوں کوئی بات اپنی طرف سے ایجاد کرنیوالا نہیں، لہٰذا جب میں صحیح راستہ پر چلوں تو میری مدد کرو اور اگر اس سے انحراف کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔"

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ان ہی حدود کی عملی تفسیر ہیں۔

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام صفحہ ۱۱۹ بحوالہ تاریخ سیوطی۔

طرزِ حکومت ترکیب اور ساخت کے لحاظ سے آج کل حکومت کی دو بڑی تقسیمیں کی جاتی ہیں جمہوری اور شخصی، جمہوری حکومت یا ڈیموکریسی (DEMOCRACY) میں قانون سازی اور قانون کے نفاذ کے جملہ اختیارات عوام کو حاصل ہوتے ہیں۔ عوام کی منتخبہ "مجلس مقننہ" (CONSTITUENT ASSEMBLY) قانون بناتی ہے اور مجلسِ مقننہ کا صدر اپنے مشیروں کی ایک جماعت کابینہ (CABINET) کے ساتھ ملک کا نظم و نسق اُس قانون کے مطابق قائم کرتا ہے۔ شخصی حکومت یا امپریلزم (IMPERIALISM) میں حکومت کا تمام تر تعلق بادشاہ کی ذات سے ہوتا ہے، اُس کی زبان قانون ہوتی ہے اور اُس کی طاقت قوتِ نافذہ۔

سطورِ بالا میں خلیفہ کی حیثیت کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت نہ شخصی کہا جا سکتا ہے اور نہ جمہوری۔ اسلام کا قانونِ شریعت مدون و مرتب پہلے ہی موجود تھا۔ خلیفہ یا عوام کسی کو بھی اس میں ذرہ بھر تغیر و تبدل کا اختیار حاصل نہ تھا۔ البتہ جہاں تک قانونِ شریعت کے نفاذ کا تعلق ہے یہ خلیفہ کا فرضِ منصبی تھا۔ حکومت کے اس شعبہ میں وہ عوام کے سامنے جوابدہ تھا اور امت کا ہر فرد معمولی لغزش پر اُسے سرِ منبر ٹوک سکتا تھا۔

خلافتِ راشدہ کی خصوصیات خلافتِ راشدہ میں خاندانی حقوق اور وراثت کو دخل نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ "قرشیت" کی قید تھی۔ چاروں خلفائے راشدین تین مختلف خاندانوں کے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق "بنی تیم" کے خاندان سے تھے۔ حضرت عمر فاروق "بنی عدی" کے خاندان سے اور حضرت عثمانؓ و علیؓ "بنی عبد مناف" کے خاندان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی و عملی کمالات کا پرتو ہی استحقاقِ خلافت کے لئے اصلی جوہر سمجھا

جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ ان کمالات کے لحاظ سے بھی ہر طرح اپنے والد بزرگوار کی جانشینی کے لائق تھے۔ تاہم حضرت عمرؓ نے صاف فرما دیا کہ :-

"خاندانِ خطاب میں سے ایک شخص ہی اس ذمہ داری کی جواب دہی کے لئے بہت کافی ہے۔"

حضرت علیؓ سے جب حضرت امام حسنؓ کی خلافت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے بھی اس اہم مسئلہ کو امتِ مسلمہ کی صوابدید ہی پر چھوڑ دیا۔

خلفائے راشدین کو قانونِ شریعت کے صحیح طور پر سمجھنے اور عملدرآمد میں مدد دینے کے لئے مجلسِ شوریٰ موجود ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کے ارکانِ شوریٰ میں عثمانؓ بن عفان، عباسؓ بن عبدالمطلب، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، علیؓ بن ابی طالب، معاذؓ بن جبل، ابی بن کعبؓ، زیدؓ بن ثابت اور عبداللہؓ بن عباس جیسے اکابر علم و عمل شامل تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طریقہ یہ تھا کہ خلیفہ مسئلہ زیرِ بحث کو ارکانِ شوریٰ کے سامنے پیش کرتا۔ ارکان شوریٰ اگر متفقہ طور پر کوئی فیصلہ کرتے تو خلیفہ اس پر عملدرآمد کرتا۔ اگر ارکانِ شوریٰ کی رائے میں اختلاف ہوتا تو اپنی رائے سے کسی ایک صورت کو ترجیح دیدیتا۔ کبھی کبھی معاملہ کے اہم ہونے کی صورت میں عامۃ المسلمین سے بھی رائے لی جاتی۔ لیکن اگر مجلسِ عام اور مجلسِ شوریٰ کی رایوں میں اختلاف ہوتا تو اہلِ شوریٰ کی رائے کو ترجیح حاصل ہوتی۔ جنگِ قادسیہ کی قیادت کے مسئلہ میں ایسا ہی ہوا۔ مقدمۂ کتاب میں اس موضوع پر ہم اصولی بحث کر چکے ہیں۔

خلفائے راشدین کی زندگی میں شاہانہ جاہ و حشم کو دخل نہ تھا۔ اُن کی غذا اُن کا لباس، اُن کا مکان اور ان کا ساز و سامان بالکل سادہ بلکہ فقیرانہ ہوتا تھا اُن کا رہن سہن اُمت کے ایک عام فرد کی طرح تھا۔ امیر و فقیر کو ان کی مجلس

میں یکساں درجہ حاصل تھا اور معمولی سے معمولی کام خود انجام دینے میں اُنھیں مطلق عار نہ تھا۔

احنف بن قیس امرائے عرب کے ساتھ ایک دن حضرت عمرؓ کی ملاقات کو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ امیرالمومنین دامن چڑھائے اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے ہیں۔ احنف کو دیکھا تو کہا "آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اُونٹ بھاگ گیا ہے، تمھیں معلوم ہے کہ اس میں بہت سے غریبوں کا حق ہے"۔ ایک شخص نے کہا "امیرالمومنین آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈھ لائے گا"۔

آپ نے فرمایا "مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے"۔

اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے بعض سابق میں گزر چکے ہیں۔ خلفائے راشدین بیت المال کو قوم کی ملکیت سمجھتے تھے۔ بجز مقررہ گزارے کے اپنی ذات اور اپنے خاندان کے آرام و آسائش کے لئے وہ اس میں سے ایک پائی بھی نہ لیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو تو اس قدر احتیاط ملحوظ تھی کہ وہ بیت المال میں کچھ جمع ہی نہ ہونے دیتے۔ جو کچھ آتا فوراً مستحقین پر صرف کر دیتے۔ چنانچہ ان کے انتقال کے بعد بیت المال کی تلاشی لی گئی تو صرف ایک درہم ملا۔

حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپ کو بیماری کی وجہ سے شہد درکار ہوا۔ کہیں اور نہ ملتا تھا بیت المال میں موجود تھا۔ آپ بیماری ہی کی حالت میں مسجد نبویؐ میں تشریف لائے اور عام مسلمانوں سے اُس کے استعمال کی اجازت طلب کی جب اجازت مل گئی تب اُسے ہاتھ لگایا۔

خلفائے راشدین اپنے آپ کو مسلمانوں کا مخدوم نہیں بلکہ خادم سمجھتے تھے۔ عام مسلمانوں کی ضروریات سے باخبر رہنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ دارالخلافہ میں خود ہی نمازوں کی امامت کرتے اور امارت حج کے فرائض بھی

خود ہی انجام دیتے۔ اس طرح انہیں عام مسلمانوں سے ملنے جلنے کا موقع ملتا اور ہر شخص اپنی ضرورت و شکایت اُن سے بیان کر سکتا۔

عام حکم تھا کہ جس کسی کو کسی افسر کے متعلق کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقعہ پر آکر بیان کرے۔ عمال کو بھی حکم تھا کہ وہ ان شکایتوں کی جواب دہی کے لئے موقعہ پر موجود رہیں۔ خلافت کی گرانبار ذمہ داریوں کے علاوہ خلق اللہ کی نفع رسانی کو وہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے تھے۔ محتاجوں کی دستگیری، ضعیفوں کی خدمت گزاری، یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی، بیماروں کی تیمارداری اور مسافروں کی پاسبانی اُن کے محبوب مشاغل تھے۔

نواحِ مدینہ میں ایک ضعیف و نابینا عورت رہتی تھی حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ روزانہ علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جاکر اُس کی ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کام میں ان سے سبقت کر جاتا ہے۔ ایک روز اس کا کھوج لگانے کے لئے کچھ دیر پہلے آگئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ اس ضعیفہ کی خدمت کی سعادت سے بہرہ یاب ہو کر نکل رہے ہیں۔

متحیر ہو کر کہا :-

"اے خلیفۂ رسول! خدا کی قسم کیا روز آپ ہی خدمت کر جاتے ہیں!"

اس قسم کے واقعات اگر کتب تاریخ سے جمع کئے جائیں تو کئی ضخیم جلدوں میں سمائیں۔



صیغۂ عدالت

خلیفہ کے فرائض میں سے اہم فرض اُمت کے نزاعات کا فیصلہ تھا۔ اس فرض کو انجام دینے کے لئے وہ اپنی طرف سے نائب مقرر کرسکتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد تک خلیفہ کی طرف سے یہ فرض عمال و ولاۃ ہی انجام دیتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے عہد میں جب خلافتِ اسلامیہ کے حدود کی توسیع اور تمدنِ اسلامی کی ترویج ہوئی اور حکام و ولاۃ کے انتظامی مشاغل بڑھے تو صیغۂ عدالت کو صیغۂ انتظام سے علیحدہ کر دیا گیا۔

قضاۃ کے انتخاب میں بڑے غور و احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔ صرف وہی لوگ اس منصب کے لئے انتخاب کئے جاتے تھے جو قانونِ اسلام (کتاب و سُنّت) کا بہترین علم رکھتے تھے اور اپنے علم کو بروئے کار لانے کے لئے تقویٰ اور عدل کے اوصاف سے بھی متصف ہوتے تھے۔ ابن جوزی نے مناقب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے قاضی دمشق سے پوچھا فصل خصومات میں آپ کا طریقہ کیا ہے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا۔

"میں پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر یہاں بھی کوئی صریح حکم نہیں پاتا تو امثال و نظائر میں غور و فکر کرتا ہوں اور اپنے معاصر علماء سے بھی اس مسئلہ میں مشورہ لیتا ہوں اور پھر فیصلہ کرتا ہوں"

حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارا طریقہ درست ہے۔ اتنا اور کیا کرو کہ جب مجلسِ قضا میں بیٹھا کرو تو اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگا کرو:۔

اللھم انی اسئلک ان	"اے اللہ! مجھے توفیق دے کہ میں علم کے ساتھ
افتی بعلم و اقضی	فتویٰ دوں اور حکم کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کروں

بحکم واسئلک العدل فی الغضب والرضاء۔

اور اے اللہ مجھے توفیق دے کہ میں رضامندی و ناراضی دونوں حالتوں میں حدودِ عدل سے تجاوز نہ کروں "

قضاۃ کے انتخاب میں ذکاوت و ذہانت کو بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ ایک قاضی نے حضرت عمرؓ سے کہا۔

" میں نے دیکھا کہ سورج اور چاند آپس میں لڑ رہے ہیں اور دونوں کے ساتھ ستاروں کا ایک لشکر ہے "

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ پھر تم کس کے ساتھ ہوئے ؟ قاضی نے کہا میں نے چاند کی طرفداری کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تم نے غلطی کی۔ قرآن کہتا ہے :-

وجعلنا اللیل والنھار اٰیتین فمحونا اٰیۃ اللیل وجعلنا اٰیۃ النھار مبصرۃ ۔ اور اُسے معزول کر دیا [1]

یہ امر بھی ملحوظ رہتا تھا کہ قضاۃ حرص و طمع سے مغلوب یا اثر و رعب سے مرعوب نہ ہوں۔ اس لئے قضاۃ کی تنخواہیں بھی گراں قدر تجویز کی جاتی تھیں اور حتی الوسع دولت مند اور معزز اشخاص کا انتخاب کیا جاتا تھا حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام آپ نے جو فرمان لکھا اُس میں تصریح فرمائی کہ دولت مند رشوت کی طرف مائل نہ ہوگا اور معزز آدمی کسی سے مرعوب نہ ہو سکے گا۔

قضاۃ کو حکم تھا کہ وہ حتی الامکان فریقین میں آپس میں مصالحت کرا دیں۔ کنز العمال میں آپ کی یہ ہدایت منقول ہے۔

" فریقین مقدمہ کو لوٹا دو کہ وہ آپس میں مصالحت کے ذریعہ معاملہ طے کر لیں کیونکہ عدالتی فیصلہ سے معاملہ تو طے ہو جاتا ہے مگر دل صاف نہیں ہوتے " [2]

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ بحوالہ مناقب ابن جوزی

[2] اشہر المشاہیر جلد ۲ صفحہ ۴۴۷ بحوالہ کنز العمال ۔

قضاۃ کو سخت تاکید تھی کہ وہ مدعی اور مدعا علیہ میں مساوات کو ملحوظ رکھیں۔ زید بن ثابتؓ کی عدالت میں جب حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ مدعا علیہ کی حیثیت سے آنا پڑا اور حضرت زید نے آپ کو تعظیم دینی چاہی تو آپ نے اُن سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔

ہر بڑے شہر میں علماء و فقہاء کی ایک جماعت بھی موجود تھی جن سے قضاۃ مشکل مقدمات کے فیصل کرنے میں مشورہ لیتے تھے۔ اس کی ضرورت اس لئے اور بھی تھی کہ احادیث رسول اللہ، کتابوں کی صورت میں مدون نہیں ہوئی تھیں بلکہ اصحاب رسول اللہ کے سینوں میں محفوظ تھیں۔ جب کوئی اہم مقدمہ پیش ہوتا تو قضاۃ علماء کی طرف رجوع کر کے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مقدمے کا فیصلہ کرتے۔ چونکہ بعض صحابہ کو جو حدیثیں معلوم تھیں وہ دوسروں کو نہ تھیں اس لئے بعض اوقات مختلف شہروں کے قضاۃ کے فیصلے مختلف ہو جاتے تھے۔

ان علماء کرام کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ قانونِ اسلام کی طرف عوام کی راہنمائی کریں اور بغیر کسی محنتانہ و شکرانہ کے عامۂ مسلمین کو آئینِ شریعت کی دفعات سے آگاہ کریں۔ چنانچہ ان کے حلقہائے درس طالبانِ سُنّت سے بھرے رہتے تھے اور لوگ ہزاروں میلوں کے سفر طے کر کے اُن کے پاس پہنچتے تھے۔ چونکہ "تصفیۂ نزاعات" خلیفہ کے فرائضِ منصبی میں داخل تھا اس لئے فریقین مقدمہ کو انصاف کی کوئی قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی تھی۔ طریقۂ انصاف بھی بہت سیدھا سادہ تھا۔ عام طور پر مسجدیں ہی عدالتوں کی حیثیت سے استعمال ہوتی تھیں اور صاحب معاملہ بلا روک ٹوک حاکم تک پہنچ جاتا تھا۔ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے عدالتی کارروائی کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا، نہ فیصلہ کی کوئی تحریری نقل فریقین مقدمہ کو دی جاتی تھی اور نہ فیصلہ کے اجراء کے لئے کسی طاقت کا استعمال کیا جاتا تھا۔ فریقینِ مقدمہ کی حیثیت "طالبِ حق" کی

ہوتی تھی اور جب انہیں اپنے نزاع کے متعلق شریعت کا حکم معلوم ہو جاتا تھا تو وہ خود اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے [1]

صیغۂ دفاع

"جہاد" یعنی دینِ اسلام کی حفاظت و حمایت کے لئے دشمنوں سے لڑنا اسلام نے فرض قرار دیا ہے۔ مگر یہ فرض "فرض کفایہ" ہے یعنی "امیر" اُمّت میں سے بقدرِ ضرورت سپاہیوں کو جبریہ طلب کر سکتا ہے۔ عہدِ نبوّت اور عہدِ ابوبکر رضی اللہ عنہ میں جب ضرورت پیش آتی تھی امیر، قوم کو شرکتِ جنگ کی دعوت دیتا تھا۔ جو مسلمان لڑائی میں شریک ہوتے تھے اُن کو مالِ غنیمت میں سے حصہ مل جاتا تھا۔ پیدل کو ایک حصہ ملتا تھا اور سوار کو تین حصے۔ اس کے علاوہ حصوں کی تقسیم میں اور کوئی فرق ملحوظ نہیں ہوتا تھا۔

دفترِ فوج کا اجراء

۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے فوج کے لئے مستقل دفتر قائم کیا۔ تمام عرب کو فوجی جماعت قرار دیا گیا اور نبی عربیؐ کے ہم قوم ہونے کے لحاظ سے دینِ اسلام کا دفاع ان کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔ عربوں کے علاوہ غیر ملکی مسلمانوں کے لئے فوجی خدمات اختیاری قرار دی گئیں۔ تمام اہلِ لشکر کے نام باقاعدہ رجسٹروں میں درج ہوئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور دینی خدمات کے لحاظ سے ان کی حسبِ ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۵ ہزار درہم سالانہ
ازواجِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۰ " "

[1] محاضراتِ خضری صفحہ ۱۳۵ جلد ۲۔

شرکائے جنگِ بدر اور حضرات حسنؓ و حسینؓ و ابوذرؓ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	۵ ہزار درہم سالانہ
شرکائے صلح حدیبیہ	۴ ہزار درہم سالانہ
شرکائے حروب مرتدین	۳ ہزار درہم سالانہ
شرکائے جنگِ قادسیہ و یرموک	
قادسیہ و یرموک کے بعد کے مشہور معرکوں کے مجاہدین	ایک ہزار درہم سالانہ
روادف (مذکورہ بالا طبقوں کے بعد کے مجاہدین	۵۰۰ سے ۲۵۰ درہم سالانہ تک

عورتوں کی بھی باعتبار درجات ۵ سو سے دو سو درہم سالانہ تک اور بچوں کی سو درہم سالانہ تنخواہیں مقرر ہوئیں [1]

اس سلسلہ میں عربی اور عجمی کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ لحاظ تھا تو فقط خدماتِ اسلام کا۔ بلکہ بعض موقعوں پر تالیفِ قلوب کے خیال سے عجمیوں کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا گیا۔ جیسا کہ فتح تستر کے موقع پر سلمان فارسی اور اس کی قوم کے ساتھ یہ صورت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد تک قائم رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دربار میں تمام مجاہدین کی تنخواہیں برابر کر دیں۔

فوج کا یہ نظام اس قدر باقاعدہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگرانی اس قدر سخت تھی کہ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہو جائے اور انہیں علم نہ ہو۔

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳۔

طریقۂ جنگ اسلام سے پہلے عرب میں لڑائی "کرو فر" کے طریقہ پر ہوتی تھی اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پہلے دونوں طرف سے ایک ایک بہادر نکل کر بہادری کے جوہر دکھاتا تھا۔ پھر دونوں طرف کی فوجیں بے ترتیب گتھم گتھا ہو جاتی تھیں۔ بھاگتی تھیں پھر پلٹتی تھیں۔ پھر بھاگتی تھیں۔ پھر پلٹتی تھیں۔

اسلام نے صف آرائی کے طریقہ کو پسند کیا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صف آرائی کی ابتداء ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی رائے سے وہ بہترین طریقہ جاری ہوا جسے "تعبیہ" کہتے ہیں اور یرموک اور قادسیہ کے میدانوں میں اسی طریقہ پر جنگ ہوئی۔ طریق تعبیہ کے مطابق فوج حسب ذیل حصوں میں تقسیم کی جاتی تھی۔

طلیعہ : گشتی فوج
مقدمہ : فوج کا اگلا حصہ
قلب : درمیانی حصہ (جہاں سپہ سالار رہتا تھا)
میمنہ : قلب کے دائیں طرف کا حصہ
میسرہ : بائیں طرف کا حصہ
ساقہ : پچھلا حصہ
ردء : ساقہ کے پیچھے امدادی حصہ
رائد : فوج کے لئے گھاس پانی تلاش کرنے والی جماعت
مجرد : بے قاعدہ فوج
رکبان : شتر سوار
فرسان : اسپ سوار
راجل : پیادہ　　رماۃ : تیر انداز

یہ حصے مختلف دستوں پر تقسیم ہوتے تھے جنہیں "کردوس" کہا جاتا تھا۔ امراء فوج کی ترتیب یہ تھی۔ سب سے بڑا افسر امیر عام (کمانڈر انچیف) ہوتا تھا اس کے بعد اس کے نائب (ڈپٹی کمانڈر انچیف) کا درجہ تھا۔ اس کے بعد امراء میمنہ و میسرہ و قلب وغیرہ (ونگ کمانڈر) شمار ہوتے تھے۔ ان کے بعد اُن کے نائبوں (لیفٹننٹ کمانڈر) کا درجہ تھا۔ ان کے بعد امراء کرادیس (اسکوڈرن آفیسر) تھے اور ان کے بعد عرفاء اور امراء اعشار (لفٹننٹ)۔

امیر کردوس ایک ایک ہزار سپاہیوں کا افسر ہوتا تھا۔ امراء اعشار غالباً ایک ایک سو سپاہیوں کے افسر اور عرفاء اپنے اپنے قبیلوں کے مقدم یعنی چودھری ہوتے تھے۔

ان کے علاوہ ہر فوج کے ساتھ افسر خزانہ، طبیب، قاضی، مبلغ، ترجمان اور کاتب بھی ہوتے تھے[1]

آلاتِ حرب

آلاتِ جنگ کے استعمال میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ترقی ہوئی۔ پہلے عرب صرف تلواروں، نیزوں اور تیروں کے ذریعے لڑتے تھے۔ یہ سامان بھی کچھ زیادہ عمدہ نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ قادسیہ کی جنگ میں ایرانیوں نے مسلمانوں کے تیروں کو تکلوں سے تشبیہ دی۔ لیکن روم و فارس کی متمدن فوجوں سے ٹکر کے بعد مسلمانوں نے ان کے آلاتِ حرب کو بے تکلف استعمال کرنا شروع کر دیا۔

چنانچہ معرکۂ دمشق وغیرہ کے سلسلہ میں دہق (کمند) منجنیق، سلم (رسی کا زینہ) دبابہ (لکڑی کا ٹینک) وغیرہ کے استعمال کا ذکر آتا ہے۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۴۔ اخبار الیرموک والقادسیہ صت۳۲ و صد۸۱۔

جنگی مہارت عرب ہمیشہ سے ایک جنگی قوم تھی لیکن اُن کی ساری طاقت آپس کے خون خرابوں میں صرف ہوتی تھی۔ اسلام نے اُن کو دینی رشتہ میں جکڑ کر متحد کر دیا۔ پھر اُن کے سامنے ایک عظیم الشان مقصد رکھا جو عزتِ دنیوی کے ساتھ سعادتِ اخروی کا بھی حامل تھا۔ مسلمان جب اس مقصد کی تکمیل کے لئے عرب کی وادیوں سے نکلے تو انہیں خوش قسمتی سے "فاروق اعظم" جیسے تاریخ کے بہترین مدبر و فاتح کی رہنمائی حاصل تھی۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ انہوں نے اپنے زمانے کی دو بہترین طاقتوں سے کامیاب ٹکرلی اور فنونِ جنگ میں ایسی مہارت و براعت کا ثبوت دیا کہ تاریخ میں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس سلسلہ میں چند امور خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں:۔

۱۔ مسلمان جنگ کی ابتداء اپنے ملک کے اطراف سے کرتے تھے تاکہ اگر اُنہیں شکست ہو تو فوراً اپنے ملک میں داخل ہو جائیں اور دشمن کو ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہ ہو۔ پھر ابتدائی معرکوں میں وہ ایسی جُرأت اور بہادری کا ثبوت دیتے تھے کہ مخالفین کے دلوں میں اُن کا رعب قائم ہو جاتا تھا اور وہ مسلسل پسپا ہوتے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ یرموک اور قادسیہ کے معرکوں نے ہی شام و فارس کے ملکوں میں مسلمانوں کے کامیاب مستقبل کا فیصلہ کر دیا تھا۔

۲۔ جب دشمن کے ملک میں اندرونی علاقوں میں گھستے تھے تو اپنے لئے امدادی فوج کا انتظام کر لیتے تھے اور خطِ رجعت کو محفوظ رکھتے تھے دشمن کو ایسا موقعہ نہ دیتے تھے کہ وہ پیچھے سے اُن کو آدبائے۔ چنانچہ معرکۂ یرموک میں یزید بن ابی سفیان کی امداد مسلمانوں کے لئے محفوظ تھی۔ اسی طرح علاء حضرمی کی امداد کے لئے جب اصطخر فوج بھیجی گئی تو بصرہ سے اہواز تک فوجی چوکیاں قائم کر دی گئیں۔

۳۔ جب کسی شہر کا محاصرہ کرتے تھے تو دشمن کے تمام ذرائع مواصلت کو منقطع کر دیتے تھے تاکہ اُسے کسی دوسری جگہ سے امداد نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ دمشق کی فتح کے موقع پر حضرت ابو عبیدہؓ نے دس افسروں کو فحل اور دمشق کے درمیان مامور کیا۔ ذوالکلاع کو حمص اور دمشق کے درمیان اور علقمہ بن حکیم اور مسروق کو فلسطین اور دمشق کے درمیان متعین کیا۔ ان راستوں کو محفوظ کر کے وہ خالد بن ولید اور یزید بن ابی سفیان کے ساتھ آگے بڑھے اور دمشق پر قبضہ کر لیا۔

۴۔ جب اپنے مقبوضہ علاقے پر دشمن کے حملہ کا خوف ہوتا تھا تو تمام قوت ایک جگہ جمع نہیں کرتے تھے بلکہ مختلف مقامات پر خطوطِ دفاع قائم کرتے تھے جیسا کہ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے عراق میں کیا کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک فوجی چوکیاں قائم کر دیں اور اسلامی طاقت کو عرب سے عجم تک زنجیر کی کڑیوں کی طرح ملا دیا۔

۵۔ مناسب موقعہ سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ چنانچہ فتح دمشق خالد بن ولید کی موقعہ شناسی ہی کی رہینِ منت تھی۔ اسی طرح دشمن پر غالب آنے کے لئے حیلہ و تدبیر میں بھی کسر نہ چھوڑتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن عاص قاصد کا بھیس بدل کر ارطبون کے لشکر میں گھس گئے اور بہت کچھ کام کی باتیں معلوم کیں۔ اسی طرح فتح لاذقیہ کے موقعہ پر عبادہ بن صامت نے اپنی فوج کو خندقوں میں چھپا کر دشمن کو مغالطہ میں ڈال دیا۔

۶۔ دشمن کی حرکات و سکنات پر گہری نگاہ رکھتے تھے اور بوقتِ ضرورت تمام ممالکِ اسلامیہ کی فوجیں بیک وقت ایک مشین کے پرزوں کی طرح حرکت میں آجاتی تھیں۔ چنانچہ جب ہرقل نے جزیرہ کی طرف سے یکایک مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تو ایک طرف سے شام کی فوجیں اور دوسری طرف سے عراق کی فوجیں آگے بڑھیں اور ہرقل کی

اسکیم کو ناکام کر دیا۔

۷۔ دشمن کے مقابلہ کے لئے متعدد محاذ قائم کر دیتے تھے تاکہ اُس کی طاقت منتشر ہو جائے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ مدد نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ جب ہرقل نے حمص پر حملہ کیا اور اہلِ جزیرہ سے مدد چاہی تو عراقی فوج نے فوراً جزیرہ پر حملہ کر کے انہیں ہرقل کی مدد سے روک دیا۔

۸۔ دشمن کی طاقتوں کو توڑ لیتے تھے اور دشمن کے ہی آدمیوں سے جاسوسی کا کام لے کر مفید معلومات حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ تکریت اور موصل کے معرکوں میں ایرانیوں کے مقابلے میں نصارائے عرب کو ساتھ ملا کر کامیابی حاصل کی گئی اور تستر کا شہر ایک ایرانی کی کارگزاری ہی سے فتح ہوا۔

صیغۂ مالیات

ایک ترقی یافتہ حکومت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا نظامِ مالیات صحیح اصول پر مرتب ہو۔ عہدِ ابوبکر صدیق اور آغازِ عہدِ عمر فاروق میں آئینِ آمد و خرچ نہایت سادہ تھا۔ مسلمانوں سے جو رقم زکوٰۃ و صدقات کی مد میں وصول ہوتی تھی وہ اہلِ حاجت کو تقسیم کر دی جاتی تھی۔ خمس غنیمت اور فئی کی بھی اتنی بہتات نہ تھی کہ اس کی تقسیم کے لئے کوئی باقاعدہ نظام قائم کیا جاتا۔

جب مسلمانوں نے فارس و روم کے علاقے فتح کئے دولت و ثروت کی ریل پیل ہوئی اور اُسے مستحقین پر محض اپنی رائے سے تقسیم کرنا خلیفہ اور اس کی مجلسِ شوریٰ کی بس کی بات نہ رہی تو اُس کے لئے باقاعدہ محکمہ قائم کیا گیا اور بیت المال کو متمدن ملکوں کے اصول پر ترتیب دیا گیا۔

صورت یہ ہوئی کہ ۱۵ھ میں بحرین سے ۵ لاکھ کی کثیر رقم آئی۔ حضرت عمرؓ نے اہلِ شوریٰ کو بلا کر مشورہ کیا کہ اسے کس طرح خرچ کیا جائے؟ حضرت علیؓ

نے فرمایا :-

" جو کچھ رقم آپ کے پاس جمع ہو وہ سال کے سال خرچ کر دی جایا کرے"۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا :-

آمدنی کی کثرت ہے اگر پانے والوں کے نام ضبط نہ کئے گئے تو یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ کس نے لیا اور کس نے نہ لیا "

ولید بن ہشام نے کہا۔

" میں نے شاہانِ شام کے ہاں دیکھا ہے کہ انہوں نے اس کام کے لئے دفتر قائم کر رکھے ہیں "

حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا۔ بیت المال کا محکمہ قائم کرنے کا حکم دیا اور عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو بلا کر اس کی تدوین کا کام اُن کے سپرد کیا۔

بیت المال کا صدر دفتر مدینہ منورہ میں قائم ہوا اور اس کے ماتحت صوبہ جات اسلامیہ کے صدر مقامات میں بیت المال کے دفاتر قائم کئے گئے۔ صوبائی دفاتر میں اہلِ ملک کی آسانی کے لئے ملکی زبانوں میں کام ہوتا تھا اور زیادہ تر پرانے اہل کار ہی اس کام کی انجام دہی کے لئے برقرار رکھے گئے تھے۔ مگر جب غیر مسلموں نے بد دیانتی کی تو عبدالملک بن مروان نے ماتحت دفاتر بھی عربی زبان میں منتقل کرا دیئے[1]

تفصیل محاصل

خلافت راشدہ کے محاصل کی دو بڑی قسمیں کی جا سکتی ہیں :-

۱۔ وہ محاصل جو غیر مسلموں سے متعلق ہیں۔

۲۔ وہ محاصل جو مسلمانوں سے متعلق ہیں۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۳ و اشہر المشاہیر جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ ۔

جو محاصل غیر مسلموں سے متعلق تھے اُن کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) خراج :- جن ملکوں پر مسلمان جنگ کے بعد قابض ہو گئے۔ وہاں کی تمام زمینیں اہلِ ملک ہی کے قبضہ میں رہنے دی گئیں۔ البتہ پیداوار کے لحاظ سے اُن پر نہایت قلیل مالگذاری مقرر کر دی گئی۔ مالگذاری کی شرح کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ عراق میں گیہوں پر فی جریب (پون بیگھ پختہ) دو درہم سالانہ (تقریباً ۸ر) اور جَو پر اس سے نصف وصول کیا جاتا تھا۔

کھجور جو عراق کی خاص پیداوار تھی اور اس پر وہاں کی تجارت کا دارومدار تھا۔ اس پر کوئی مالگذاری نہ تھی۔

اس خفیف شرح مالگذاری کے باوجود عہد فاروقی میں صرف مُلک عراق کا خراج دس کروڑ درہم تھا۔ اس رقم میں اُن زمینوں کی آمدنی شامل نہیں ہے جو شاہی خاندان کی جاگیریں یا مفرور باغیوں کی جائدادیں تھیں اور جنہیں حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دے کر بیت المال کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ ان زمینوں کی آمدنی ستر لاکھ درہم علیحدہ تھی۔

اراضی خالصہ کی آمدنی رفاہِ عام کے کاموں پر خرچ ہوتی تھی اور کبھی کبھی ان ہی زمینوں میں سے اسلامی خدمات کے صلہ میں جاگیریں بھی دی جاتی تھیں [1]

(۲) جزیہ :- جو مُلک مسلمانوں نے فتح کر لئے یا جنھوں نے نظامِ اسلامی سے اپنا الحاق قبول کر لیا۔ وہاں کے غیر مسلم باشندوں کو " ذمی " کہتے تھے یعنی ان کے جان و مال کی حفاظت حکومتِ اسلامی کے ذمہ فرض ہو جاتی تھی۔ اس حفاظت کے معاوضہ میں مسلمان غیر مسلموں سے سالانہ ایک قلیل رقم " جزیہ " کے

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ بحوالہ کتاب الخراج و فتوح البلدان

نام سے وصول کیا کرتے تھے۔ جزیہ دینے والوں کی مالی حالت کے لحاظ سے تین شرحیں مقرر تھیں۔ ۴۸ درہم سالانہ، ۲۴ درہم سالانہ اور ۱۲ درہم سالانہ۔ جزیہ چونکہ فوجی خدمات کا معاوضہ تھا اس لئے :-

۱۔ صرف اُن لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جن پر فوجی خدمات کی ذمہ داری عائد ہو سکتی تھی یعنی ۲۰ سال سے پچاس سال تک کی عمر کے مرد، بوڑھے، بچے عورتیں اور اپاہج اس سے مستثنیٰ تھے۔ ناداروں کو بھی جزیہ معاف تھا۔

۲۔ اگر کسی قوم نے جنگی خدمات کی ذمہ داری خود قبول کی تو اُس کو جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا جاتا تھا۔ فتح آرمینیہ کے موقع پر وہاں کے رئیس شہر یار نے اسی قسم کا معاہدہ ہوا جو اپنی جگہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

۳۔ اگر مسلمان کسی وجہ سے حفاظتِ اہل ذمہ کی ذمہ داری پوری کرنے سے معذور ہو جاتے تھے تو جزیہ کی رقم بھی وصول نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب جنگی مصالح کی بنا پر مسلمانوں کو حمص سے ہٹنا پڑا تو وصول شدہ جزیہ واپس کر دیا گیا۔

(۳) غنیمت :- دورانِ جنگ میں مسلمانوں کو دشمنوں سے جو کچھ ہاتھ لگتا تھا وہ غنیمت کہلاتا تھا۔ اُس کے پانچ حصوں میں سے ایک حصہ تو بیت المال کا حق ہوتا تھا اور چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ جو محاصل مسلمانوں سے متعلق تھے اُن کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ زکوٰۃ :- مسلمانوں کے مال، سامانِ تجارت اور مواشی کی ایک معین مقدار پر اُس کا چالیسواں حصہ بطور محاصل کے مقرر ہے جو سالانہ وصول کی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۲۔ عُشر :- مسلمانوں کی زمینوں پر بجائے خراج کے پیداوار کا دسواں حصہ مقرر ہے۔ یہ عُشر ہر فصل پر لیا جاتا ہے خراج کی طرح سالانہ نہیں۔

۳۔ صدقات :- اس میں صدقۃ الفطر، قربانی اور کفارہ وغیرہ کی رقوم اور ملّی و

قومی ضرورتوں کے وقت عام چندوں کی رقوم شامل ہیں۔ ان کی تفصیل بھی کتب فقہ میں مذکور ہے۔

ان محاصل کے علاوہ محصول جنگی "عشور" بھی رائج تھا۔ مسلمان سوداگر جب اپنا مالِ تجارت دوسرے ملکوں میں لے جاتے تو وہاں ان سے جنگی وصول کی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جو ملک مسلمانوں سے جس شرح سے چنگی وصول کرے، اُس کے باشندوں سے بھی اُسی شرح سے چنگی وصول کی جائے۔ یہ محصول سال بھر میں صرف ایک مرتبہ وصول کیا جاتا تھا اور دو سو درہم سے کم کے مال میں وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

وصولِ محاصل میں احتیاط

محاصل کی اس فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے اسلامی نظامِ حکومت میں مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلموں پر محاصل کا بار بہت کم ڈالا گیا۔ پھر اُس کی وصولیابی میں بھی بڑی احتیاط برتی جاتی کہ ذمیوں پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے۔

قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ جب عراق سے سالانہ خراج وصول ہو کر آتا تو حضرت عمرؓ اور بصرہ سے دس دس معززین کو شہادت میں طلب کرتے انہیں خدا کی قسم کھا کر اقرار کرنا پڑتا تاکہ خراج کی وصولیابی میں کسی مسلم اور غیر مسلم پر ظلم نہیں کیا گیا ہے اور جو کچھ وصول ہوا ہے وہ بخوشی خاطر وصول ہوا ہے۔

امام ابو الفرج ابن جوزی نے مناقبِ عمر میں لکھا ہے کہ عمر بن میمون کی حضرت عمرؓ سے اُن کی شہادت سے چند روز پہلے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف سے متفکرانہ انداز میں فرما رہے ہیں:-

"تم نے عراق میں محاصل کی وصولیابی میں کیا طریقہ اختیار کیا ہے؟

مجھے خوف ہے کہ تم نے مقررہ شرح سے زیادہ وصول نہ کر لیا ہو۔"
ان دونوں صاحبوں نے عرض کیا۔
"یا حضرت ایسا نہیں ہو سکتا۔"
حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اگر زندگی بخیر رہی تو میں ایسا انتظام کر جاؤں گا کہ عراق کی کوئی بیوہ عورت کسی کی محتاج نہ رہے گی۔ اس واقعہ کے چار روز بعد حضرت عمرؓ شہید ہو گئے[۱]

علوم و فنون

قرآن کریم

تعلیماتِ اسلامیہ کا محور قرآن کریم ہے۔ بعد کے زمانوں میں اسی کی خدمت گزاری کے لئے مسلمانوں نے سینکڑوں علوم و فنون ایجاد کئے۔ اس لئے سب سے پہلی کتاب جو ضبطِ تحریر میں لائی گئی وہ یہی "کتاب اللہ" ہے۔

عہدِ رسالتؐ میں قرآن کریم کی آیات و سور مرتب ہو چکی تھیں۔ متعدد صحابۂ کرام کو پورا قرآن حفظ تھا اور صحابہ کی جماعتِ کثیر کو مختلف سورتیں یاد تھیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان میں جبرئیل علیہ السّلام کی موجودگی میں قرآن کریم کا وِرد فرمایا کرتے تھے۔ سالِ ارتحال میں یہ ورد دو مرتبہ ہوا۔ آخری ورد کے موقعہ پر حضرت زید بن ثابت بھی موجود تھے۔ تاہم عہدِ نبویؐ میں پورا قرآن کریم ایک صحیفہ کی صورت میں قیدِ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ علامہ قسطلانی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں قرآن کی آیات میں نسخ ہوتا رہتا تھا اس لئے اسے ایک صحیفہ کی صورت میں مرتب کرنا مناسب نہ تھا۔ البتہ مختلف آیات و سور صحابہ کرام کے پاس کھجور کی شاخوں، ہڈیوں اور پتھروں کے ٹکڑوں پر لکھی

---

[۱] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ بحوالہ مناقب لابن جوزیؒ۔

ہوئی موجود تھیں۔

عہدِ صدیقی میں جنگِ یمامہ میں جب سات سو قراء صحابہ شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا۔

"اگر حفاظ کی شہادت کا سلسلہ جاری رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ قرآن ضائع نہ ہو جائے۔ لہٰذا قرآن کریم کو ایک مصحف کی صورت میں لکھ لیا جائے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے معمولی تامل کے بعد اُن کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت زیدؓ بن ثابت کو بلا کر جو کاتب وحی اور عرضہ اخیرہ کے شاہد تھے یہ کام اُن کے سپرد کیا۔ حضرت زید بن ثابت نے اپنی یادداشت کی دیگر حفاظ صحابہ کی یادداشت سے تصدیق اور عہدِ نبوی کے نوشتوں سے توثیق فرمانے کے بعد کلام مجید کو ایک مصحف کی صورت میں قلمبند کیا۔

قرآن کریم کا یہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس محفوظ رہا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کی تحویل میں آیا۔ ان کے انتقال کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ اس کی امین قرار پائیں۔

جمع قرآن کا اہم کام تو انجام پا گیا لیکن ابھی اس کے نسخوں کی اشاعت کا مرحلہ باقی تھا۔ یہ سعادت حضرت عثمانؓ کے حصے میں آئی۔ ابن عساکر اور ابن اثیر کے بیان کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے:-

۳۰ھ میں آذربیجان اور باب الابواب کی فتوحات کے سلسلہ میں مختلف ممالک اسلامیہ شام، مصر اور عراق کی فوجیں یکجا ہوئیں تو اُن میں عجیب اختلافِ قرأت نمودار ہوا۔ اہلِ مصر کا لہجہ کچھ تھا اہلِ عراق کا کچھ اور اہلِ شام کا کچھ۔ لہجوں کے اختلاف سے قرآت میں بھی بیّن اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اُن میں سے سب اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرآت کو غلط سمجھتے تھے۔ حضرت حذیفہ بن یمان نے یہ منظر دیکھا تو اُنہیں بڑی تشویش ہوئی۔ پہلے

انھوں نے اکابر صحابہ کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ پھر اُن کی رائے سے مدینہ منورہ جا کر سارا واقعہ حضرت عثمانؓ کو سنایا اور فرمایا کہ اس امت کی خیریت منظور ہے تو اس مصیبت کا علاج کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے صحابۂ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ سب کی رائے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد کا لکھا ہوا قرآن مجید کا نسخہ حضرت حفصہؓ سے منگوایا گیا اور اُس کی آٹھ نقلیں کرا کر ایک ایک نقل مختلف ممالکِ اسلامیہ میں بھیج دی گئی۔

اس طرح حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں قرآن کریم کے مستند نسخے مختلف دیار و امصار میں اشاعت پا گئے اور یہ کتاب الٰہی وعدۂ خداوندی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے مطابق ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہو گئی ہے۔

صحیفۂ الٰہی کو ضبطِ تحریر میں لانے کے علاوہ خلفائے راشدین نے اُسے سینوں میں محفوظ کرنے کا بھی بڑا اہتمام کیا۔ تمام ممالکِ محروسہ میں قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام کیا گیا اور ابن جوزی کی تصریح کے مطابق حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے مؤذنوں، اماموں اور قرآن مجید کی تعلیم دینے والوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ یہی نہیں بلکہ حضرت عمرؓ نے اُن لوگوں کے بھی وظیفے مقرر کئے جو قرآن کی تعلیم حاصل کریں۔

اس تحریص و ترغیب کا نتیجہ یہ نکلا کہ ممالکِ اسلامیہ کی مسجدیں اور مکتب کلام الٰہی کی صداؤں سے گونج اٹھے۔ صرف جامع دمشق میں جہاں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ درسِ قرآن کا کام انجام دیتے تھے سولہ سو طالب علم تھے۔

لہ نہایۃ القول المفید للشیخ محمد مکی نصر ملخصاً از صفحہ ۱۸۵ تا ۱۹۱

حدیث شریف

قرآن کریم کے بعد حدیثِ رسول اللہ کا درجہ ہے جو قرآن کی تشریح کی حیثیت رکھتی ہے۔ عہدِ رسالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی کتابت سے اس لئے منع کیا تھا کہ قرآن کریم کی آیات سے جو اُس زمانے میں نازل ہو رہی تھیں التباس نہ ہو جائے۔ صحیح روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا :-

"جس کسی نے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھا ہو وہ اُسے مٹا دے"

البتہ زبانی حدیث کی روایت کا حکم دیا اور فرمایا۔

"لیبلغ الشاھد الغائب"

عہدِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں جب قرآن کریم محفوظ ہو گیا تو حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریری و تقریری اشاعتِ عام ہوئی۔ فتوحاتِ اسلامیہ کے سلسلہ میں صحابۂ کرام دُور دراز کے علاقوں پھیل گئے اور جہاں گئے علومِ نبوت کو بھی ساتھ لے کر گئے۔ چنانچہ شام، مصر اور عراق وغیرہ کے بڑے بڑے شہروں میں حدیث کی درس گاہیں قائم ہو گئیں۔ نومسلموں نے جنہوں نے اسلام کی روشنی قبول کی مگر داعیِ اسلام کے جمالِ جہاں آرا سے محروم رہے اور نئی اسلامی نسلوں نے جو خیر القرون کے عہدِ خیر و برکت کے بعد پیدا ہوئے۔ بڑے ذوق و شوق کے بعد ان جواہر ایمانی سے اپنے دل کے دامنوں کو بھرنا شروع کیا۔

عہدِ خلافتِ راشدہ میں ذوقِ حدیث کا یہ حال تھا کہ لوگ ایک ایک حدیث کو سُننے کے لئے سینکڑوں میل کا سفر کرتے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ :-

رحل جابر بن عبد اللہ مسیرۃ شھر الی عبد اللہ بن انیس فی حدیث واحد -

"جابر بن عبداللہ نے عبداللہ بن انیس سے صرف ایک حدیث سُننے کے لئے

ایک مہینہ کی مسافت (شام) کا سفر اختیار کیا "

اسی طرح ابوایوب انصاری نے عقبہ بن عامر سے ایک حدیث سننے کے لئے ایک طویل سفر اختیار کیا۔ اور ایک دوسرے بزرگ نے ابودرداء سے ایک حدیث سننے کے لئے مدینہ سے دمشق کا سفر اختیار کیا اور ایک اور صحابی نے فضالہ بن عبید سے حدیث سننے کے لئے مصر کا سفر کیا۔ ابوالعالیہ کی روایت سے قطیب (ایک تابعی) نے بیان کیا ہے کہ ہم اصحاب رسول اللہ کی روایت سے کوئی حدیث سنتے تھے مگر ہمیں اس وقت تک صبر نہ آتا تھا جب تک کہ ہم خود سفر کر کے ان صحابہ سے اس حدیث کو نہ سن لیتے۔

کتب حدیث کی بقید ابواب وفصول تدوین اگرچہ بہت بعد کا مرحلہ ہے تاہم اس عہد میں بھی بعض علماء صحابہ وتابعین نے اپنے حدیث کے ذخیرے صحیفوں کی صورت میں محفوظ کئے۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعود، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر کا نام قابل ذکر ہے[1]

فقہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے بعد فقہ کا نمبر ہے۔ عہد رسالت کے بعد پیش آنے والے حوادث کے متعلق فقہاء صحابہ نے جو احکام کتاب وسنت سے استنباط کئے وہ فقہ کہلاتے ہیں۔ گویا فقہ قانون اسلامی کے "بائی لاز" ہیں۔ خلفائے راشدین خود فقیہ تھے۔ بالخصوص حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی فقہی بصیرت تو معروف ومشہور ہے۔ ان کے علاوہ ان کے مشیران خصوصی بھی ائمہ فقہاء تھے۔ جب کوئی نیا مسئلہ زیر بحث آتا خلفائے راشدین اس جماعت سے مشورہ کر کے اس کا فیصلہ کرتے اور پھر اس کا اعلان عام کر دیا جاتا۔ خلفائے راشدین مختلف موقعوں پر جو خطبے ارشاد فرماتے ان میں بھی مسائل ضروریہ کا بیان ہوتا۔ یہ خطبے چونکہ

---

[1] مفتاح السنۃ ص ۱۵

بڑے بڑے اجتماعات میں ہوتے تھے اس لئے ان مسائل کی خوب تشہیر ہو جاتی۔ پھر تعلیم فقہ کے لئے مقبوضات اسلامیہ کے مختلف شہروں میں فقہاء صحابہ کو بھیجا گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود کو کوفہ، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین کو بصرہ، عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل اور ابو درداء کو شام اور حبان بن جبلہ کو مصر بھیجا۔ ان حضرات کے فیض سے ہزارہا تشنگانِ علم نے اپنی پیاس بجھائی اور کئی شہر فقہ اسلامی کے مرکز بن گئے۔

دیگر علوم اسلام سے پہلے عرب میں ادب و شعر کا ذوق عام تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس ذوق کو بھی اس کے صحیح مصرف پر استعمال کیا۔ فہم قرآن کے لئے ادب و عربیت کی تعلیم لازمی کر دی اور حکم دیا کہ جو لغتِ عرب کا عالم نہ ہو وہ قرآن نہ پڑھائے[1]

حضرت عثمانؓ اور زیدؓ بن ثابت نے قرآن و سنت کی روشنی میں "فرائض" کو ایک مستقل علم کی حیثیت سے مدون کیا۔

حضرت علیؓ نے علم نحو ایجاد کیا۔ ایک شخص کو قرآن کریم غلط پڑھتے دیکھ کر آپ کو خیال آیا کہ ایسا علم ایجاد کیا جائے جس سے اعراب کی غلطیوں سے بچا جا سکے۔ چنانچہ آپ نے ابو الاسود دوئلی کو اپنی زیر ہدایت اس علم کی تدوین پر مامور کیا۔ ان علوم و فنون کی ایجاد و اشاعت کے علاوہ ابتدائی تعلیم کے فروغ کی طرف بھی کافی توجہ کی گئی۔ اس کام کے لئے چونکہ کسی خاص علمی معیار کی معلمین کی ضرورت نہ تھی اس لئے نو مسلموں اور غیر مسلموں سے بھی یہ کام لیا گیا۔ چنانچہ فتح حیرہ کے بعد وہاں سے معلمین کی ایک جماعت کو بلایا گیا اور مدینہ منورہ میں انہیں بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر مامور کیا گیا[2]



---

[1] کنز العمال ج ۱ صد ۲۲۸ [2] محاضرات خضری جلد ۲ صد ۱۲۵

تعمیرات

عہدِ خلافتِ راشدہ میں فتوحات کے ساتھ ساتھ تعمیرات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ان تعمیرات کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مذہبی، ملکی و فوجی اور رفاہی۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے شہر فتح ہوئے وہاں جامع مسجدیں بھی تعمیر کی گئیں۔ صاحب روضۃ الاحباب نے اُن مسجدوں کی تعداد چار ہزار لکھی ہے۔ حرمین محترمین کو اسلام میں قطبین کی حیثیت حاصل ہے۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر حرم کی عمارت کافی نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے آس پاس کے مکانات خرید کر عمارت کی توسیع فرمائی۔ اسی طرح مسجد نبویؐ میں بھی توسیع فرمائی اور وہاں فرش اور روشنی کا بھی انتظام فرمایا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں مسجد نبویؐ کو نئے سرے سے تعمیر کیا اور چونا اور پتھر کی خوبصورت مستحکم اور وسیع عمارت تیار کرائی۔

(۲) فوجی ضروریات کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کوفہ، بصرہ، فسطاط، جیزہ اور موصل جدید شہر آباد کئے گئے۔ ان میں سے بعض کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ جہاں جہاں چھاؤنیاں قائم کی گئیں وہاں قلعے اور بارکیں بنائی گئیں۔ صوبہ کے صدر مقامات میں دار الامارہ (گورنمنٹ ہاؤس) دیوان (سیکرٹریٹ) بیت المال اور قید خانہ کی مضبوط اور شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ حضرت علی کا عہدِ حکومت پُر آشوب زمانہ رہا ہے تاہم آپ کے عہد میں بھی متعدد قلعے تعمیر ہوئے ہیں جن میں اصطخر کا "حصن رباد" قابل ذکر ہے۔

(۳) رفاہِ عام کی تعمیرات کی طرف سب سے زیادہ توجہ کی گئی۔ حضرت

عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں سڑکیں، نہریں، پُل، کنوئیں، چراگاہیں اور مہمان خانے بکثرت تعمیر ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کی نہروں میں نہر معقل نہر ابی موسیٰ، نہر سعد اور نہر امیرالمومنین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ نہر امیرالمومنین وہ عظیم الشان نہر تھی جس کے ذریعے دریائے نیل کو فسطاط کے مقام سے کاٹ کر بحرِ قلزم میں ملا دیا گیا تھا۔ یہ نہر ۶۹ میل لمبی تھی اور اس قدر وسیع تھی کہ بڑے بڑے جہاز آسانی سے گزر جاتے تھے۔ عہدِ عثمانؓ کا بند مہروز جس کے ذریعہ مدینہ کو خیبر کی طرف سے آنے والے سیلاب سے محفوظ کیا گیا اور عہدِ علیؓ کا "جسر فرات" جو جنگی ضرورت کے سلسلہ میں تعمیر کیا گیا، بھی قابلِ ذکر کارنامے ہیں۔

متفرق انتظامات

سِکّہ اسلام سے پہلے عرب میں ایرانی اور رومی سکے چلتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۱۸ھ میں اسلامی سکّہ ڈھالا گیا۔ حضرت عمرؓ نے ایرانی درہم وزن کرائے تو ان میں سے بعض ۲۰ قیراط کے، بعض ۱۲ قیراط کے اور بعض دس قیراط کے نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں اوزان کا مجموعہ لے کر اس کا ثلث یعنی ۱۴ قیراط درہم کا وزن قرار دیا۔ اس طرح درہم درہم کا وزن سات مثقال ہو گیا۔ یہ درہم کسروی دراہم کے نمونے پر ڈھالے گئے۔ بعض کا نقش الحمد للہ، بعض کا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور بعض کا محمد رسول اللہ قرار دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب دراہم ڈھالے گئے تو اُن پر اللہ اکبر کندہ کیا گیا۔

تحقیق یہ ہے کہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں صرف دراہم ڈھالے گئے دنانیر نہیں ڈھالے گئے۔ دینار بنو اُمیہ کے عہد میں عبدالملک بن مروان کے

زمانے میں ڈھالے گئے [1]

ڈاک محکمہ ڈاک دارا شاہِ فارس کی ایجاد ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں یہ محکمہ ایران میں قائم ہوا۔ ایران کے بعد روم اور دوسرے متمدن ملکوں میں اس کا رواج ہوا۔

اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے یہ محکمہ قائم کیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت معاویہؓ نے سب سے پہلے اسے قائم کیا مگر ان کا یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے عہد کے واقعات میں جا بجا "برید" کا ذکر آتا ہے۔

۱۸ھ میں جب شہنشاہِ روم نے مسلمانوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا تو حضرتِ ام کلثوم بنت علیؓ زوجہ امیر المومنین عمرؓ نے ملکۂ روم کو کچھ تحائف بھیجے۔ ملکۂ روم نے بھی اپنی طرف سے تحائف بھیجے۔ ان تحائف میں ایک قیمتی ہار بھی تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی احتیاط پسند طبیعت کے اقتضاء سے اس ہار کو روک لیا اور مجلسِ شوریٰ میں معاملہ پیش کیا۔ اہلِ شوریٰ نے بالاتفاق کہا کہ ہار حضرت ام کلثوم کو دے دینا چاہیئے۔ مگر چونکہ معاملہ خلیفہ کے ذاتی فائدے سے متعلق تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔

ولکن الرسول رسول المسلمین والبرید بریدھم۔

"قاصد اور ڈاک تو جن کے ذریعہ سے یہ ہار آیا مسلمانوں کی ہے۔"

پھر حکم دیا کہ ہار بیت المال میں داخل کر دیا جائے اور ام کلثومؓ کو جو کچھ اُن کے ہدیہ پر خرچ آیا تھا دے دیا جائے۔ [2]

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصر بن حجاج کو جرم عشق میں مدینہ

---

[1] تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۲ صفحہ ۲۷۵۔

[2] تاریخ ابن جریر طبری۔

سے جلا وطن کر کے بصرہ بھیج دیا تو نصر بہت بے چین ہوئے۔ حضرت عمرؓ کا قاصد عامل بصرہ کے نام ڈاک لے کر آیا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو اس کے منادی نے اعلان کیا۔

الا ان برید المسلمین یرید ان یخرج فمن کانت لہ حاجۃ فلیکتب۔

"معلوم ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں کی ڈاک اب جانے والی ہے جسے کوئی ضرورت ہو وہ خط لکھ دے"

چنانچہ نصر بن حجاج نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں اپنی داستانِ غم لکھ کر بھیجی[1]

اِن واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ڈاک کا محکمہ قائم تھا۔ اگرچہ اس کا اوّلین فرض عمالِ حکومت کے مراسلات کو پہنچانا تھا۔ تاہم ڈاک کے روانہ ہونے سے پہلے عام اعلان کرا دیا جاتا تھا اور پبلک میں سے جو شخص اپنا خط بھیجنا چاہتا تھا بھجوا سکتا تھا۔ یہ محکمہ ایک خاص عامل کے ماتحت ہوتا تھا جسے "عامل البرید" کہا جاتا تھا۔

تاریخ

عرب میں اسلام سے پہلے بڑے بڑے واقعات سے سنہ کا کام لیتے تھے۔ پہلے کعب بن لوئیؓ کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر واقعۂ فیل سے سال کا شمار ہونے لگا۔ پھر عام الفجار کا رواج ہوا۔ آغاز عہدِ اسلام میں یہی طریقہ جاری رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ صفحہ ۳۷۶ بحوالہ مناقب عمر لابن جوزی۔

دفاتر قائم ہوئے اور آمد و خرچ کے رجسٹر بنائے گئے تو اسلامی تاریخ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجلسِ شوریٰ طلب کی اور اس میں اس مسئلہ کو پیش کیا گیا۔ مختلف اصحاب نے مختلف رائے کا اظہار کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واقعۂ ہجرت سے جو اسلام کے نیرِ عروج و اقبال کا مطلع ہے۔ اسلامی تاریخ شروع کرنے کی رائے دی۔ حضرت علیؓ کی رائے پسند کی گئی اور اسلامی تاریخ کا مبدأ واقعۂ ہجرت ہی کو قرار دیا گیا۔

علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام
مادامت الشمس تجری علی النظام

ختم شد





خلافتِ بنوامیہ

امیر معاویہؓ بن ابی سفیان

۴۱ھ تا ۵۹ھ

حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ بانی خلافتِ امویہ، قبیلہ قریش کی شاخ بنی اُمیہ میں سے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :-

معاویہ بن ابی سفیان بن حرب بن اُمیہ بن عبدِ شمس بن عبد مناف۔

اس طرح عبدِ مناف پر پہنچ کر آپ کا نسب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

ہجرت سے پندرہ سال پہلے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر ۲۳ سال کی عمر میں اپنے خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ ساتھ جناب رسالتمآبؐ کے دستِ مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔

امیر معاویہ پڑھے لکھے عقلمند نوجوان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوہرِ قابل دیکھ کر کاتبانِ وحی میں شامل کر لیا۔ اطرافِ ملک سے جو وفود بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے ان کی امداد بھی آپ ہی کے سپرد فرمائی۔

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جب لشکرِ اسلام نے ملک شام پر یلغار کی تو اُن کے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان کی ماتحتی میں بھی ایک فوج دمشق کی طرف بھیجی گئی۔ امیر معاویہؓ کو اپنے بھائی کی امداد کے لئے اس فوج کے ایک دستہ کا افسر بنا دیا گیا۔ شام کے ساحلی شہروں صیدا، عرفہ، جبیل اور بیروت کی فتوحات میں مقدمۃ الجیش کے افسر یہی تھے۔ قیساریہ کے معرکہ کا سہرا جس میں اسی ہزار

رومی قتل ہوئے، آپ ہی کے سر رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کی کارگزاری سے خوش ہو کر انہیں ولایت اردن کا حاکم مقرر کر دیا۔ طاعون عمواس میں یزید بن ابی سفیان نے وفات پائی تو امیر معاویہ ان کی جگہ دمشق کے والی مقرر ہوئے۔ اردن کی ولایت بھی بدستور ان سے متعلق رہی۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں امیر معاویہ پورے ملک شام کے والی قرار پائے ماتحت عمال کا عزل و نصب اُنہی سے متعلق تھا۔

۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے امیر معاویہؓ کو شام کی ولایت سے معزول کر دیا۔ مگر امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیا۔ اور ان پر حضرت عثمان کی مدافعت سے پہلوتہی اور ان کے قاتلوں کی حمایت کا الزام لگایا۔ اہلِ شام نے قصاص عثمان کے مطالبہ پر امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

میدانِ صفین میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی فوجوں میں لڑائی ہوئی اور آخر کار اس فیصلہ پر لڑائی ملتوی ہوئی کہ دونوں طرف سے دو حَکم مقرر کئے جائیں اور وہ جو کچھ طے کر دیں اس پر دونوں فریق کاربند ہوں۔

فریقین کے حَکم اس بات پر متفق ہوئے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور انتخابِ خلافت کا مسئلہ اُمت کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔

اس فیصلہ کے بعد اہلِ شام نے امیر معاویہؓ کو اور اہلِ عراق نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ دونوں بزرگوں کے درمیان مسلسل جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ ایک خارجی کی تلوار سے شہید ہوئے۔ اور ۴۱ھ کے آغاز میں حضرتِ حسنؓ نے حقِ خلافت سے دستبردار ہو کر اپنے بے نظیر ایثار سے اس خانہ جنگی کا خاتمہ کر دیا۔ یہ سال "عام الجماعۃ" کہلاتا ہے۔ اور اسی سال امیر معاویہ کی متفق علیہ خلافت کا دور شروع ہوتا ہے۔

فرق سیاسیہ جس وقت امیر معاویہؓ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی اس وقت میدانِ سیاست میں تین سیاسی جماعتیں مصروفِ ترکتاز تھیں۔

(۱) حامیانِ بنی اُمیّہ:۔ یہ وہ لوگ تھے جو ابتداءً قصاصِ عثمان کا مطالبہ لیکر اُٹھے تھے۔ حضرت علیؓ کو شہادتِ عثمانؓ میں متہم قرار دے کر اُن کی خلافت کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو حضرت عثمانؓ کے جانشین کی حیثیت سے خلیفہ تسلیم کیا۔ یہ تمام اہلِ شام اور کچھ دوسرے شہروں کے رہنے والے تھے۔

(۲) شیعانِ علی:۔ یہ امامت کا حق اہلِ بیت نبی ہونے کی حیثیت سے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے لئے مخصوص سمجھتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کو جائز خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ لیکن حالات کی ناسازگاری سے مجبور ہو کر انہوں نے گردنِ اطاعت خم کر لی تھی۔ پھر حضرت معاویہؓ نے اپنی کریمانہ طبیعت اور حلیمانہ طرزِ عمل سے ان کے دلوں کو مسخر کرنے میں بھی کوتاہی نہ کی۔ یہ لوگ زیادہ تر اہلِ عجم و اہلِ عراق اور اہلِ مصر تھے۔

(۳) خوارج:۔ یہ فرقہ جنگِ صفین کی پیداوار تھا۔ بنی اُمیّہ اور شیعانِ علیؓ کو دین سے خارج اور واجب القتل سمجھتا تھا۔

یہ گروہ اگرچہ تعداد میں تھوڑا تھا مگر اپنے عقیدے کا سخت اور عمل پر نہایت ثابت قدم تھا۔ اس میں جب تک سکت رہی جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے مخالفین کا مقابلہ کیا اور کسی مصلحت، خوف یا طمع کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔ اُمت کے یہ بڑے سیاسی عنصر تھے جن سے امیر معاویہؓ کو واسطہ پڑا۔ ایک بات ان سب میں مشترک تھی وہ یہ کہ سب بہادری اور ہمت کے اوصاف سے متصف تھے ایسی اُمت پر حکومت کرنے اور مُلک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے مدبرانہ سیاست درکار تھی۔ حضرت معاویہؓ میں یہ جوہر بدرجۂ کمال موجود تھا۔ آپ اِن مختلف عناصر کے سرگروہوں کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آتے۔ جہاں تک ہو سکا اُن کی بُرائیوں کو برداشت کیا اور اُن کی زیادتیوں کو انگیز کیا۔ آپ کے علم اور رواداری کی مثال بادشاہوں

میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

تاہم آپ کی مصالحانہ پالیسی خارجیوں کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یہ جماعت برابر ملک میں بدامنی پھیلاتی رہی اور اُس کی تلوار تبراں ملت کے نظام کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں مصروف رہی۔ اس لئے سب سے پہلے آپ کو ان ہی کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

خوارج ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ فردہ بن نوفل اشجعی پانچ سو خوارج کو ساتھ لے کر شہرزور چلا گیا تھا اور موقع کا منتظر تھا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ امام حسنؓ نے خلافت کو امیر معاویہؓ کے حوالے کر دیا ہے تو اُس نے کہا اب تلوار کو بے نیام کرنے کا وقت آگیا ہے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر مقابلے کے ارادہ سے مقامِ نخیلہ میں آکر ٹھہرا۔

امیر معاویہ نے اُس کے مقابلہ کے لئے شامیوں کی ایک جماعت بھیجی لیکن فروہ نے اُسے شکستِ فاش دی۔ امیر معاویہؓ نے اہلِ کوفہ سے کہا اگر میری طرف سے تم نے اُن کا مقابلہ نہ کیا تو میں تمہیں امن نہ دوں گا۔ اہلِ کوفہ فروہ کے مقابلہ کو نکلے۔ خوارج نے ان سے کہا "کیا معاویہ ہمارے اور تمہارے مشترک دشمن نہیں؟ تم انہیں تنہا ہمارا مقابلہ کرنے دو۔ اگر ہم نے انہیں شکست دیدی تو اُن کے پنجہ سے آزاد ہو لوگے اور اگر انہوں نے ہمیں شکست دی تو تم ہماری طرف سے بے فکر ہو جاؤ گے"

مگر اہلِ کوفہ نہ مانے انہوں نے خوارج کا مقابلہ کیا اور فروہ کو زندہ گرفتار کر کے کوفہ میں لے آئے۔ اب خوارج نے عبداللہ بن ابی الحوساء کو جو بنی طے کے قبیلہ کا تھا اپنا سردار بنا لیا۔ اہلِ کوفہ نے پھر مقابلہ کیا۔ ابوالحوساء بہادرانہ طریقے پر مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔

یہ واقعہ ربیع الاوّل کا ہے۔

ابن ابی الحوساء کے قتل کے بعد خوارج پھر جمع ہوئے۔ انہوں نے

موثرہ بن وداع اسدی کو اپنا سردار منتخب کیا۔ موثرہ ایک سو پچاس آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر مقام نخیلہ پہنچا۔ ابن ابی الحوساء کے بچے کھچے ساتھی جو کچھ زیادہ نہ تھے اس سے آملے۔

امیر معاویہؓ نے موثرہ کے باپ ابو موثرہ کو جو کوفہ میں رہتا تھا بلایا اور اس سے کہا کہ اپنے بیٹے کو سمجھاؤ۔ ابو موثرہ بیٹے کے پاس گئے اور اُسے سمجھایا۔ مگر وہ نہ مانا۔ ابو موثرہ نے کہا میں تیرے بچے کو تیرے سامنے لاتا ہوں شاید اس کی صورت دیکھ کر تجھے رحم آئے اور اپنے ارادہ سے باز آئے۔ موثرہ نے جواب دیا۔ مجھے کسی کافر (غیر خارجی) کے نیزہ کی انی پر کروٹیں بدلنا اپنے بچے کو گود میں کھلانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

ابو موثرہ لوٹ آئے اور امیر معاویہ سے اپنے بیٹے کی گفتگو نقل کی۔ امیر معاویہؓ بولے۔ تمہارے بیٹے نے تو بڑی سرکشی پر کمر باندھی ہے۔ اب امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن عوف احمر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ موثرہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ خود ابو موثرہ بھی اس فوج میں شامل تھے۔ لڑائی شروع ہوئی تو بیٹے کو مبارزت کے لئے بلایا۔ موثرہ نے کہا میرے علاوہ آپ کے مقابلہ کے لئے اور بہت ہیں۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ خوارج بڑی بہادری کے ساتھ لڑے۔ موثرہ اور اُس کی فوج کے اکثر آدمی مارے گئے۔ صرف پچاس آدمی زندہ بچے جنہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۴۱ھ کا ہے۔

امیر معاویہؓ کوفہ میں ہی تھے کہ شبیب بن بجرہ اُن کے پاس آیا اور کہا میں نے اور ابن ملجم نے مل کر حضرت علیؓ کو قتل کیا ہے، اور اُن سے انعام و اکرام کا خواستگار ہوا۔ امیر معاویہ فوراً گھر میں چلے آئے اور قبیلہ اشجع سے کہلا بھیجا کہ تم شبیب کو شہر سے نکال دو، ورنہ تمہاری خیر نہیں ہے۔

شبیب نے یہ شورہ پشتی اختیار کی کہ رات ہوتے ہی نکل کھڑا ہوتا اور

جو سامنے آتا اُسے قتل کر دیتا۔ آخر جب مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے والی مقرر ہوئے انہوں نے خالد بن عرفطہ کی ماتحتی میں سواروں کا ایک دستہ اُس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ شبیب اور اُس کے ساتھی مارے گئے۔

غرض خوارج کی جماعتیں اسی طرح یکے بعد دیگرے ہنگامہ آرائی کرتی رہیں اور بلادِ عراق میں انہوں نے دہشت پھیلا دی۔ حضرت معاویہ نے سوچا کہ عراق میں امن و امان اور نظم و نسق قائم کرنے کے لئے با اثر اور صاحبِ تدبیر حکام کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے اُن کی نگاہِ انتخاب، زیاد بن سمیّہ اور مغیرہ بن شعبہ پر پڑی۔ یہ دونوں حُسنِ تدبیر اور کمالِ سیاست میں مشہور تھے۔

زیاد بن ابیہ زیاد بن ابیہ شیعانِ علیؓ میں سے تھا اور ان کی طرف سے فارس کا والی تھا۔ امیر معاویہ کو فارس میں اس کے استحکام اور اُس کی قوت و اثر کا حال معلوم تھا۔ مغیرہ بن شعبہ جو اس وقت کوفہ کے والی تھے جب اُن سے ملنے گئے تو امیر معاویہ نے اُن سے زیاد کی طرف سے اپنے خدشہ کا اظہار کیا۔ مغیرہ بن شعبہ نے زیاد کو ہموار کرنے کی خدمت اپنے ذمہ لی۔

مغیرہ زیاد کے پاس گئے اور اُسے سمجھایا کہ امام حسنؓ کی دستبرداری کے بعد خلافت تو معاویہ کے ہاتھ میں آ ہی گئی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اُن سے مصالحت کر لو۔ اس وقت وہ اس کے خواہشمند بھی ہیں اس لئے تمہاری من مانی شرائط پر یہ معاملہ طے ہو جائے گا۔ زیاد نے مغیرہ بن شعبہ کے مشورہ کو قبول کر لیا۔ امیر معاویہؓ نے مغیرہ کی واپسی کے بعد زیاد کو امن نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ زیاد امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اس سے فارس کی آمد و خرچ کا حساب طلب کیا۔ زیاد نے جو کچھ حساب کتاب پیش کیا امیر معاویہ نے اس کی تصدیق کر دی۔

زیاد نے امیر معاویہؓ سے کوفہ میں رہنے کی اجازت مانگی۔ امیر معاویہ نے اجازت دے دی مگر مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ زیاد اور دوسرے شیعانِ علیؓ، حجر بن عدی، سلیمان بن مرد، شیث بن ربعی، ابن الکوا وغیرہ کی نگرانی رکھیں۔

یہ واقعہ سنہ ۴۲ھ کا ہے۔

سنہ ۴۴ھ میں امیر معاویہ نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ زیاد کی ماں سمیہ، حرث بن کلاہ طبیب ثقفی کی باندی تھی۔ حرث کے صلب سے سمیہ کے دو لڑکے پیدا ہوئے ابوبکرہ اور نفیع۔ پھر ابوسفیان نے سمیہ سے زمانہ جاہلیت کے طرز پر (جو اصل میں زنا کی ایک صورت تھی) نکاح کر لیا اور اُن کے صلب سے زیاد پیدا ہوا۔ مگر زیاد کا ابوسفیان سے یہ تعلق مشہور نہ تھا اور وہ ابن ابیہ اپنے باپ کا بیٹا ہی کہلاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کوئی خدمت زیاد کے سپرد کی۔ زیاد نے اُسے باحسن وخوبی انجام دیا۔ جب واپس آیا تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک فصیح و بلیغ تقریر کی۔ حضرت عمرؓ اور مہاجرین و انصار جو اس موقع پر موجود تھے اس کی خوش بیانی سے محظوظ ہوئے۔ عمرو بن عاص نے کہا۔ اگر اس غلام کا باپ قریش میں سے ہوتا تو یہ اپنی لاٹھی سے سارے عرب کو ہنکا دیتا۔ ابوسفیان نے کہا میں جانتا ہوں کہ اس کا باپ کون ہے؟

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان نے خود اپنی زندگی میں کھل کر زیاد کو اپنا بیٹا تسلیم نہیں کیا۔

حضرت معاویہؓ نے زیاد کو خوش کرنے کے لئے بعض شہادتوں کی بنا پر جو ان کے سامنے گزریں زیاد کو اپنا سوتیلا بھائی تسلیم کر لیا تاہم امیر معاویہؓ کے اس فعل کو عامہ مسلمین کی تائید حاصل نہ ہوئی۔ دراصل حق استلحاق ابوسفیان کو تھا اور وہ بھی زمانۂ جاہلیت میں۔ امیر معاویہ اس حق کو استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ زیاد نے ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں ایک خط

بھیجا اور اس کے آغاز میں لکھا۔ "زیاد بن ابی سفیان کی جانب سے"۔ اسے توقع تھی کہ حضرت عائشہ اسے اسی نام سے خطاب کریں گی اور اس کے لئے ثبوت ہو جائے گا۔ مگر حضرت عائشہؓ نے اس کا جواب بھیجا تو لکھا۔

"وہ سب مسلمانوں کی ماں عائشہؓ کی طرف سے زیاد بیٹے کے نام"۔ [۱]

۴۵ھ میں حضرت معاویہؓ نے زیاد کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔ یہاں کی حالت سابق والی عبداللہ بن عامر کے زمانہ میں اور بھی بدتر ہو گئی تھی۔

وہ بہت نرم خو تھے اور کسی پر سختی کرنا پسند نہ کرتے تھے اور اہلِ بصرہ فطرتاً شورش پسند تھے بغیر سختی کے باز نہ آتے تھے۔

زیاد آخر ربیع الاول میں یہاں آیا تو فتنہ و فساد کی گرم بازاری دیکھی اس نے آتے ہی جامع کوفہ میں ایک پُرزور تقریر کی جو خطبہ "تبراء" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس میں حمد و ثناء نہ تھی۔ اس تقریر کے بعض اجزاء یہ ہیں :۔

"سخت جہالت اور تاریک گمراہی نے ہر چھوٹے بڑے کو گھیر رکھا ہے گویا تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں دیکھی اور اس میں اہلِ اطاعت کے لئے ثوابِ عظیم اور اہلِ معصیت کے لئے عذابِ الیم کا ذکر نہیں پڑھا۔ تم نے اسلام میں نئے دستور جاری کئے ہیں کمزوروں پر ظلم ڈھایا جاتا ہے اور تم ان کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ دن دہاڑے ضعیف عورتوں کا مال لوٹا جاتا ہے اور تم ان کے کام کیوں نہیں آتے؟ کیا تم میں ایسے لوگ نہیں ہیں جو راہزنی اور غارت گری سے روکیں۔ تم قرابت کا خیال کرتے ہو اور دین کی پرواہ نہیں کرتے۔

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر حالات درست نہ ہوئے تو غلام کی بجائے آقا کو، مسافر کی جگہ مقیم کو، نافرمان کی جگہ فرمانبردار کو

---

[۱] تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۷۷

اور بیمار کی جگہ تندرست کو پکڑوں گا اور اُسے سزا دوں گا۔ جس شخص کے گھر میں نقب لگے گا میں خود اُس کا مال ادا کروں گا۔ اور جو شخص رات کو باہر پھرتا پایا جائے گا موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔ صرف اتنی مدت کی مہلت دی جاتی ہے کہ جانے والا کوفہ جائے اور لوٹ آئے۔ اس مدت کے بعد کوئی عذر نہ سُنا جائے گا۔

میں کسی کی زبان سے جاہلیت کی صدائے بے ہنگام نہ سُنوں ورنہ اُس کی زبان تراش دوں گا۔ تم لوگوں نے نئے نئے جرائم ایجاد کئے ہیں ہم نے بھی اُن کی نئی نئی سزائیں تجویز کر لی ہیں۔ سُنو جس نے کسی کو غرق کیا اُسے غرق کر دیا جائے گا۔ جس نے کسی کو آگ میں جلایا اُسے بھی آگ میں جلا دیا جائے گا۔ جس نے کسی کے گھر میں نقب کیا اس کے دل میں شگاف کر دیا جائے گا۔ جس نے کسی کی قبر کو کھودا اُسے زندہ قبر میں دفن کر دیا جائے گا۔ تم اپنے ہاتھ اور زبان مجھ سے بچاؤ۔ میں اپنے ہاتھ اور زبان تم سے الگ رکھوں گا۔

میرے اور بعض قوموں کے درمیان کچھ عداوت تھی لیکن آج میں اُسے اپنے پیروں تلے روندتا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص میری دلی عداوت کی وجہ سے سِل کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے تب بھی میں اُس کی پردہ دری نہ کروں گا۔ لیکن اگر وہ کھلم کھلا دشمنی کا اظہار کرے گا تو پھر میں اُسے نہ چھوڑوں گا۔ تم اپنے طریقۂ عمل کو درست کرو اور نیک روی اختیار کر کے خود اپنی مدد کرو۔ کچھ لوگ ہیں جو میرے آنے سے غمگین ہیں لیکن آخرکار وہ خوش ہو جائیں گے اور کچھ لوگ ہیں جو خوش ہو رہے ہیں لیکن آخرکار وہ رنجیدہ ہوں گے۔

اے لوگو! ہم تمہارے حاکم اور تمہارے نگہبان ہیں تمہیں ہماری اطاعت و فرمانبرداری کرنی ہوگی اور ہمیں تمہارے ساتھ عدل و انصاف لازم ہے

لہٰذا ہماری خیر خواہی اختیار کر کے ہمارے انصاف کے مستحق بن جاؤ۔
خدا کی قسم! میں تم میں سے بہت کو اپنے ہاتھ سے پچھڑا ہوا دیکھ رہا ہوں
لہٰذا ہر شخص کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ میرے ہاتھ سے نہ پچھڑے"۔ [۱]

زیاد نے عبداللہ بن حصن کو کوتوال شہر مقرر کیا۔ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھی جاتی۔ پھر زیاد کسی قاری کو حکم دیتا کہ وہ قرأت کے ساتھ سورۂ بقر یا اس کی مثل کوئی طویل سورۃ پڑھے۔ اس کے بعد اتنا انتظام کیا جاتا کہ آدمی کوفہ کے انتہائی حصّہ تک جا سکے۔ پھر زیاد عبداللہ بن حصن کو گشت کا حکم دیتا۔ عبداللہ بن حصن گشت کے دوران میں جس آدمی کو گھر سے باہر دیکھتا اُسے قتل کر دیتا۔ ایک دن کوتوال نے ایک دیہاتی کو پکڑا اور اُسے زیاد کے سامنے حاضر کیا۔ زیاد نے اُس سے پوچھا کیا تُو نے منادی نہیں سُنی تھی؟ دیہاتی نے کہا نہیں! خدا کی قسم! میں تو اپنی بکریاں لے کر شہر میں آیا تھا۔ راستہ میں رات ہو گئی میں بکریوں کو لے کر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا کہ رات گزار دوں، مجھے امیر کے حکم کی کچھ خبر نہیں۔

زیاد نے کہا تُو مجھے سچا معلوم ہوتا ہے لیکن تیرے قتل میں اُمت کی اصلاح ہے اور پھر اس بے گناہ کو قتل کرا دیا۔ زیاد کے اس ظالمانہ طرزِ عمل سے کوفہ میں خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ مفسد جماعت نے فتنہ و فساد سے توبہ کر لی۔ اور شہر میں امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔ اب شہر کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اگر کسی کے ہاتھ سے کوئی چیز گر پڑتی تو دوسرا اُسے ہاتھ نہ لگاتا تھا جس کی چیز ہوتی وہی اُسے اٹھا کر لے جاتا۔ دکاندار اپنی دوکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دیتے۔ اور اُن کا ذرہ برابر نقصان نہ ہوتا۔

زیاد نے اس سختی کے ساتھ جہاں موقع دیکھا نرمی سے بھی کام لیا۔ عینہ بن کبیش کو ایک خارجی سردار کی گرفتاری کا حکم دیا جو بنی سعد کے قبیلہ سے تعلق

---

[۱] المختارات بحوالہ البیان والتبیین ص۳۰۲ تا ص۳۰۴ و تاریخ ابن اثیر جلد ۳ ص۱۶۸۔

رکھتا تھا۔ بجینہ نے اُسے جا کر پکڑا۔ خارجی نے بجینہ سے وضو کر لینے کی اجازت چاہی۔ بجینہ نے کہا اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم وضو کر کے واپس آ جاؤ گے۔ خارجی نے کہا میں اللہ تعالیٰ کو ضامن بناتا ہوں۔ خارجی حسبِ وعدہ وضو کر کے حاضر ہو گیا۔ اور زیاد کی مجلس میں پیش کیا گیا۔ زیاد نے حمد و نعت کے بعد خلفائے ثلاثہ کی تعریف کی۔ پھر خارجی سے کہا۔ تم ہم سے بے تعلق رہے ہو۔ ہمیں تمہارا یہ طریقہ پسند نہ آیا۔ خارجی نے حمد و نعت اور شیخین کی تعریف کے بعد کہا۔ تمہیں اپنے قول و قرار پر پابند رہنا چاہیئے۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ جو شخص ہم سے تعرض نہ کرے گا ہم اُس سے باز پرس نہ کریں گے۔ زیاد نے اپنی غلطی تسلیم کی اور خارجی کو خلعت اور بہت کچھ انعام دے کر رخصت کیا۔

اسی طرح زیاد کو ایک با اثر خارجی ابو الخیر کی طرف سے اندیشہ ہُوا کہ زیاد نے اُسے بلا کر جندی سابور کا عامل مقرر کر دیا۔ چار ہزار درہم ماہوار اُس کا وظیفہ اور ایک لاکھ درہم سالانہ تنخواہ مقرر کر دی۔ وہ خارجی کہا کرتا تھا کہ جماعت میں شامل رہنا ہی بہتر طریقہ ہے۔

ابو العباس مبرد کا قول ہے :-

"زیاد اس خارجی کو قتل کرتا جو میدان میں آ کر مخالفت کرتا جو در پردہ مخالف ہوتا اس سے تعرض نہ کرتا اور اُس وقت تک تلوار کو بے نیام نہ کرتا جب تک جرم ثابت نہ ہو جاتا۔"

ولایت کوفہ

۵۰ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ والیٔ کوفہ کا انتقال ہُوا تو کوفہ کی ولایت بھی زیاد کے سپرد کر دی گئی۔ زیاد چھ مہینے بصرہ میں رہتا اور چھ مہینے کوفہ میں۔

زیاد پہلی مرتبہ بحیثیت والی کے کوفہ پہنچا تو اُس نے یہاں بھی جامع کوفہ میں ایک خطبہ دیا۔ کوفہ کے شورش پسندوں نے اپنی عادت کے مطابق اس پر کنکریاں پھینکیں۔ زیاد نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرا دیئے اور خود مسجد کے

دروازے پر بیٹھ گیا اور حکم دیا کہ چار چار آدمی باہر نکلیں۔ جو شخص قسم کھا کر کنکریاں پھینکنے کا انکار کرتا اُسے چھوڑ دیا جاتا اور جو اس میں تامل کرتا اسے روک لیا جاتا۔ اس طرح تیس آدمی روک لئے گئے اور اُن کے ہاتھ اُسی وقت کاٹ دیئے گئے۔ اس واقعہ کے بعد زیاد نے مسجد میں اپنے لئے ایک مقصورہ بنوا لیا۔

قتل حُجر بن عدی

حُجر بن عدی کوفہ کے با اثر حامیانِ علی میں سے تھے جب امام حسنؓ نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو سب سے پہلے یہی حضرت امام کے پاس پہنچے اور اُن کے اس طریقِ عمل سے سخت اختلاف کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا۔

"اے ابن رسول اللہ! میں آج کے دن سے پہلے مر جاتا تو بہتر تھا۔ آپ نے ہمیں انصاف کے ہاتھوں سے نکال کر ظلم کے پنجہ میں دیدیا ہے۔ ہمیں حق کو چھوڑنا پڑا ہے اور باطل کو قبول کرنے پر جس سے ہم بھاگتے تھے مجبور ہو گئے ہیں۔"

حضرت امام نے جواب دیا۔

"اے حُجر! میں نے اپنے اکثر ساتھیوں کو صُلح کا خواہشمند اور لڑائی سے متنفر پایا۔ میں نے پسند نہ کیا کہ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور کروں۔ میرے حامیوں کا فائدہ اسی میں تھا کہ صُلح کر کے اُن کا خون نہ بکھرنے دوں۔"

یہاں سے مایوس ہو کر حُجر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں تلوار اُٹھانے کا مشورہ دیا۔ مگر حضرت امام حسینؓ نے بھی یہ فرما دیا "ہم بیعت کرنے کے بعد نہیں توڑ سکتے۔" حُجر مایوس ہو کر واپس لوٹ آئے۔

مغیرہ بن شعبہ والیٔ کوفہ ایک نیک سیرت بزرگ تھے۔ تاہم حضرت معاویہؓ کے احکام کے مطابق وہ بھی حضرت علیؓ کی مذمت اور حضرت عثمانؓ کے لئے

دُعا کیا کرتے تھے۔ حُجر بن عدی اور اُس کے ساتھیوں سے یہ برداشت نہ ہوتا اور وہ بھی مجمع عام میں حضرت علیؓ کی تعریف اور حضرت عثمانؓ کی مذمت کرتے۔ مغیرہ بن شعبہ ان سے تعرض نہ کرتے بلکہ انعام واکرام سے اُن کا منہ بند کرنے کی کوشش کرتے۔

ایک دن مغیرہ بن شعبہ اپنے آخری زمانے میں خُطبہ دے رہے تھے کہ حُجر دورانِ خطبہ میں کھڑے ہوئے اور باآوازِ بلند کہا ”اے شخص تو نے ہمارے وظیفے بند کر دیئے ہیں۔ تجھے اس کا حق نہ تھا تو ہمارے وظیفے جاری کر اور امیرالمومنین کی بدگوئی کے شوق سے باز آ“

اس پر دو تہائی نمازی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے حُجر نے ٹھیک کہا۔ ہمارے وظیفے جاری کرو۔ مغیرہ بن شعبہ منبر سے اُتر آئے۔

مغیرہ بن شعبہ کا یہ طرزِ عمل اُن کے ساتھیوں کو پسند نہ آیا۔ انہوں نے ان سے کہا آپ نے حُجر بن عدی کو بڑا اجری بنا دیا ہے۔ اس طرح حکومت کا دبدبہ قائم نہیں رہ سکتا۔ امیرالمومنین تک خبر پہنچے گی تو وہ بھی اسے ناپسند کریں گے۔

مغیرہ بن شعبہ نے جواب دیا۔

”تم سمجھتے نہیں میں نے تو حُجر کو قتل کر دیا ہے۔ میری نرمی سے وہ حکومت کی مخالفت کے عادی ہو گئے ہیں۔ میرے بعد جو والی آئے گا اُس کے زمانہ میں بھی وہ یہی طرزِ عمل اختیار کریں گے وہ انہیں قتل کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ یہ میری زندگی کے آخری ایام ہیں۔ میں اپنے ہاتھ اس شہر کے بزرگوں کے خون سے رنگین کر کے انہیں سعید اور اپنی ذات کو شقی نہیں بنانا چاہتا“

مغیرہ بن شعبہ کا یہ خیال درست تھا۔ ان کے بعد زیاد کوفہ کا والی مقرر ہُوا۔ وہ صرف چھ مہینے کوفہ میں رہتا تھا اور اس کی غیر حاضری کے زمانے میں عمرو بن حریث اس کی قائم مقامی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ ایک جمعہ کو عمرو بن حریث

خطبہ پڑھنے کھڑا ہوا تو حجر بن عدی نے اپنی عادت کے مطابق اس پر بھی کنکریاں پھینکیں۔ عمرو بن حریث منبر سے اتر آیا اور قصر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ اور واقعہ کی اطلاع بصرہ میں زیاد کو پہنچائی۔ اس نے یہ بھی اطلاع دی کہ حجر کے مکان پر شیعانِ علیؓ جمع ہوتے ہیں اور حضرت معاویہؓ پر لعن طعن کیا جاتا ہے۔

زیاد بصرہ سے کوفہ آیا اس نے جامع کوفہ میں ایک تقریر کی اور اہلِ کوفہ کو حکومت کی مخالفت کے انجام سے ڈرایا۔ پھر اس نے حجر بن عدی کو طلب کیا۔ حجر نے حاضر ہونے سے انکار کیا۔ زیاد نے پولیس کے ذریعے انھیں طلب کیا۔ حجر کے ساتھیوں نے پولیس والوں کو گالیاں دیں۔ زیاد نے اہلِ کوفہ کو جمع کر کے پھر ایک تقریر کی اور کہا۔

"تم لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے ایک ہاتھ سے سر پھوڑتے ہو اور دوسرے ہاتھ سے اس کی مرہم پٹی کرتے ہو۔ تمہارے جسم میرے ساتھ ہیں اور دل حجر کے ساتھ۔ یا تو تم سیدھے ہو جاؤ ورنہ تکلے کے سے بَل نکال دوں گا۔"

اہلِ کوفہ اس تقریر سے مرعوب ہو گئے اور کہنے لگے "معاذ اللہ! ہم آپ کی اطاعت سے کس طرح گردن موڑ سکتے ہیں۔"

زیاد نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے رشتہ داروں کو جو حجر کے ساتھ ہیں اس کا ساتھ دینے سے روکے۔ اس طرح حجر بن عدی کے اکثر ساتھی ان سے علیحدہ ہو گئے۔ اب زیاد نے حجر بن عدی اور ان کے گنے چنے ساتھیوں کو جو تعداد میں تیرہ تھے گرفتار کرا کر قید کر دیا۔

پھر زیاد نے حجر کے خلاف کوفہ کے معززین کی شہادتیں جمع کیں۔ ان لوگوں نے شہادت دی کہ حجر اور ان کے ساتھی خلیفہ کو گالیاں دیتے ہیں۔ حکومت کے مخالف ہیں اور اس مقصد کے لئے اپنے پاس ایک گروہ بھی جمع رکھتے ہیں پھر ان شہادتوں کو حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ دربارِ خلافت میں

دمشق بھیج دیا گیا۔ زیاد نے حضرت معاویہؓ کو یہ بھی لکھا کہ یہ لوگ عراق میں فتنہ کی جڑ ہیں اگر انھیں قتل کر دیا گیا تو فتنہ کا قلع قمع ہو جائے گا۔

امیر معاویہؓ نے حجرؓ اور اُن کے سات ساتھیوں کو قتل کرا دیا اور چھ کو جنہوں نے اپنے طرزِ عمل کو بدلنے کا وعدہ کیا چھوڑ دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب حجر بن عدی کی گرفتاری اور دمشق کی طرف ان کی روانگی کی اطلاع ملی تو انھوں نے عبدالرحمٰن بن حارث کے ذریعے اُن کے لئے سفارش نامہ بھیجا۔ مگر عبدالرحمٰن اس وقت دمشق پہنچے کہ حجر قتل ہو چکے تھے۔

حجر بن عدی کا قتل ایک افسوسناک واقعہ تھا۔ حضرت معاویہؓ کرنے کو تو کر گزرے مگر بعد میں اُن کو بھی پشیمانی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کے سفیر عبدالرحمٰن نے اُن سے پوچھا اے معاویہ حجر کو قتل کرتے وقت تمہاری خاندانی بردباری کہاں چلی گئی تھی؟ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا "جب تم جیسے بُردبار لوگ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں تو ابن سمیّہ کی ہر بات مجھے ماننی ہی پڑے گی"۔

حضرت معاویہؓ جب حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُنھوں نے اُن سے یہی سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا "مجھے کوئی سمجھدار مشیر میسّر نہ آیا"۔[1]

مرگِ زیاد سنہ ۵۳ھ میں زیاد کی موت واقع ہوئی۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ زیاد نے حضرت معاویہؓ کو لکھا "میں نے عراق کو اپنے بائیں ہاتھ سے قابو میں کر لیا ہے میرا دایاں ہاتھ خالی ہے۔ اسے حجاز دے کر مشغول کر دیجئے"۔ حضرت معاویہؓ نے اس کے نام حکومتِ حجاز کا بھی پروانہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۷ تا ۱۹۴ و اخبار الطوال صفحہ ۲۲۲ تا ۲۲۶ ۔

لکھ دیا۔ اہلِ حجاز کو یہ خبر معلوم ہوئی تو بہت پریشان ہوئے۔ ان کا ایک وفد حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور فریاد کی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے قبلہ رُخ ہو کر دُعا مانگی۔

"اے اللہ! ہمیں زیاد کے شر سے محفوظ رکھ"

یہ دُعا قبول ہوئی اور زیاد کی دائیں ہاتھ کی انگلی میں طاعون کی گلٹی نکلی اور وہ مر گیا۔ جب اس کی موت کی خبر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ "جا اے ابن سمیّہ! نہ تو نے آخرت ہی پائی اور نہ دُنیا ہی تیرے لئے باقی رہی" [1]

مغیرہ بن شعبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی سیاست نرم تھی۔ وہ صلح و آشتی کو پسند کرتے تھے۔ مخالفین کے پیچھے نہیں پڑتے تھے۔ لوگ ان سے آ کر کہتے تھے فلاں شخص خارجی عقیدہ رکھتا ہے۔ فلاں شخص شیعی خیال کا ہے۔ آپ یہ فرما کر ٹال دیتے تھے "خدا کی حکمت ہی اس کی مقتضی ہے کہ اس کے بندوں کے خیالات میں اختلاف رہے۔ قیامت کے دن وہ ان کے اختلافات کا خود فیصلہ فرمائے گا"

لیکن خوارج کب چین سے بیٹھنے والے تھے۔ وہ امن و اطاعت کو گناہ سمجھتے تھے اور فساد و بغاوت کو ثواب۔ انہوں نے مستورد بن علقمہ کو اپنا سردار بنا کر مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کوفہ میں حیان بن ظبیان کے مکان پر خفیہ مشورہ ہوا اور قرار پایا کہ خاص عید الفطر ۴۳ھ کے دن میدان میں نکلا جائے۔

مغیرہ بن شعبہ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی۔ پولیس نے حیان کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ مستورد اور اس کے کچھ ساتھی نکل بھاگے اور باقی گرفتار ہو گئے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۵۔

مستورد نے کوفہ سے نکل کر پھر اپنے ساتھیوں کو مجتمع کیا اور مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مغیرہ بن شعبہ نے اہلِ کوفہ کو جمع کر کے ایک مؤثر تقریر کی اور خارجیوں کے فتنہ کی سرکوبی کے لئے اُن سے مدد چاہی۔ معقل بن قیس ریاحی نے کہا اے امیر ہر قبیلہ کا سردار اپنے اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لے۔ مَیں اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لیتا ہوں۔

مغیرہ بن شعبہ نے اس رائے کو پسند کیا اور ہر قبیلہ کے سردار کو حکم دیا کہ وہ اپنے قبیلہ کو اس فتنہ کی آگ میں کودنے سے بچائے۔ تمام سردارانِ قبائل نے اس حکم کی اطاعت کی اور اللہ کا واسطہ دے کر اپنے اپنے قبیلے کو اس شورش سے باز رکھا۔

مستورد اس وقت قبیلہ عبد القیس کے ایک شخص سلیم بن محدوج کے مکان میں پناہ گزین تھا۔ صعصعہ بن صوحان عبدی جو اس قبیلہ کا سردار تھا اپنے قبیلہ میں آیا۔ ایک پر زور تقریر میں انہیں اس فتنہ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ تمام قوم نے صعصعہ کی رائے کو قبول کیا اور خارجیوں سے الگ تھلگ رہنے کا اقرار کیا۔

مستورد کو جب صعصعہ کی کوششوں کا علم ہُوا تو وہاں سے چلا گیا۔

مستورد نے پھر اپنے آدمیوں کو جمع کیا اور تین سو کی جمعیت کو ساتھ لے کر سوراء سے صراۃ کی طرف مقابلہ کے ارادے سے روانہ ہُوئے۔

مغیرہ بن شعبہ کو جب اُن کے خروج کا حال معلوم ہُوا تو اُنھوں نے سردارانِ کوفہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ عدی بن حاتم نے کہا اے امیر! ہم سب ان سے بیزار ہیں اور آپ کے فرمانبردار، آپ جسے حکم دیں گے اُن کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے گا۔ معقل بن قیس نے کہا یوں تو سب اشرافِ کوفہ ہی آپ کے مطیع اور اُن ظالموں کے دشمن ہیں۔ لیکن مَیں سب سے پیش پیش ہوں۔ ان کے مقابلہ کے لئے مجھے بھیجئے۔

مغیرہ بن شعبہ نے تین ہزار شیعہ جماعت کے منتخب افراد معقل بن قیس کی

کمان میں مستورد کے مقابلہ کے لئے بھیجے۔ ابو رداغ لشکری تین سو ساتھیوں کے ساتھ مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے گیا۔ ان دونوں جماعتوں میں مختلف مقامات پر متعدد معرکے ہوئے جن میں خارجی ہی غالب رہے۔ آخری معرکہ مقام دیلمیا پر نہایت سخت تھا۔ فریقین انتہائی شجاعت کے ساتھ لڑے۔ مستورد اور معقل دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئے۔ مستورد کا نیزہ معقل کے سینہ کے پار ہوگیا اور معقل کی تلوار نے مستورد کے سر کے پرخچے اڑا دیئے۔ اس لڑائی میں پانچ آدمیوں کے سوا خارجیوں میں سے کوئی زندہ نہ بچا۔ اس طرح خوارج کی شورش کچھ عرصہ کے لئے دب گئی۔

مغیرہ بن شعبہ سات سال اور کچھ مہینے کوفہ کے والی رہے۔ ۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوگیا اور کوفہ بھی بصرہ کے ساتھ زیاد کی ولایت میں شامل کر دیا گیا۔

مغیرہ بن شعبہ، نرم خو، صلح جو اور باتدبیر والی تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں اہلِ کوفہ کا خون بہا کر انہیں سعید اور اپنی ذات کو شقی بنانا نہیں چاہتا۔ میں نکوکار کو جزائے نیک دوں گا۔ غلط کار سے درگزر کروں گا۔ سنجیدہ سخن کی تعریف کروں گا اور بے وقوف کو سمجھاؤں گا حتیٰ کہ قضا کا ہاتھ میرے اور اُن کے درمیان جدائی ڈال دے۔ اہلِ کوفہ کو میرے بعد دوسرے سے سابقہ پڑے گا تو وہ مجھے یاد کیا کریں گے۔ کوفہ کے ایک شیخ نے اُن کے انتقال کے بعد کہا :-

"خدا کی قسم ہم نے انہیں آزمایا تو انہیں بہترین والی پایا۔ نیک کردار کے ثناخواں اور گناہ گار کو معاف کرنے والے تھے اور عذرخواہ کے عذر کو قبول کر لیتے تھے۔"

امام شعبی نے فرمایا ہے :-

"مغیرہ بن شعبہ کے بعد اُن جیسا کوئی والی نہ آیا وہ سلف صالح کا بقیہ تھے۔"

البتہ حضرت علیؓ کی مذمت اور حضرت عثمانؓ کے لئے دعائے رحمت اُن کا بھی معمول تھا۔ مگر اس زمانہ میں حامیانِ بنو اُمیہ اور شیعانِ علی دونوں اس مرض میں مبتلا تھے۔ دونوں اپنے فریقِ مخالف کے اکابر کی عیب جوئی کو بُرا نہ سمجھتے۔

عبیداللہ بن زیاد زیاد کی موت کے بعد حضرت معاویہؓ نے عبیداللہ بن زیاد کی درخواست پر اُسے خراسان کا والی مقرر کر دیا تھا۔ ۵۵ھ میں عبیداللہ بن عمر بن غیلان کو معزول کر کے عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ کی ولایت بھی دیدی گئی۔ زیاد کی موت کے بعد خوارج میں پھر حرکت پیدا ہوئی تھی عبیداللہ بن زیاد نے اپنے باپ سے بھی زیادہ سخت طرزِ عمل اختیار کیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ وہ گھوڑ دوڑ میں شریک تھا اور گھوڑے کا انتظار کر رہا تھا کہ عروہ بن ادیہ نے اُسے نصیحت کرنی شروع کی اور قرآن مجید کی یہ آیت بھی تلاوت کی۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ (پ ۱۹ ع ۱۱)	کیا تم ہر اونچی جگہ پر بے ضرورت یادگار بناتے اور محل تعمیر کرتے ہو گویا تم دُنیا میں ہمیشہ رہو گے اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو اس کو بڑی سختی سے پکڑتے ہو۔"

عروہ خارجی عقیدہ کا تھا۔ عبیداللہ بن زیاد نے خیال کیا کہ اس کے پس پشت بڑی طاقت معلوم ہوتی ہے تب ہی تو اس نے مجھ سے اس قدر جرأت کے ساتھ کلام کیا ہے۔ عبیداللہ گھوڑ دوڑ کے میدان سے فوراً واپس ہو گیا اور عروہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ عروہ گرفتار ہو کر آیا تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ ابن زیاد نے پوچھا اب تمہارا کیا خیال ہے؟ عروہ نے جواب دیا۔ میرا خیال ہے کہ تم نے میری دُنیا اور اپنی عاقبت خراب کر لی ہے۔ ابن زیاد نے اس کے قتل کا حکم دیا اور اس کی بیٹی کو بھی قتل کرا دیا۔

اسی طرح بنی یربوع کے قبیلہ کی ایک عورت ابن زیاد کی برائی کیا کرتی تھی

ابن زیاد نے اسے طلب کیا۔ لوگوں نے اُسے روپوش ہو جانے کا مشورہ دیا۔ اُس عورت نے کہا میں اپنی جان بچا کر دوسروں کو مصیبت میں نہیں پھنسانا چاہتی ابن زیاد کے سامنے حاضر ہوئی تو اُس نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر قتل کرا دیا۔

پھر ابن زیاد نے خوارج کی عام گرفتاری کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ قید خانہ بھر گیا۔ عروہ بن ادیہ کا بھائی ابو ہلال مرداس بھی گرفتار ہوا۔ مرداس بڑا عبادت گزار شخص تھا۔ داروغہ قید خانہ نے اُسے اجازت دیدی تھی کہ رات کو اپنے گھر چلا جایا کرے اور صبح کو آ جایا کرے۔ ابن زیاد کی مجلس میں ایک رات خوارج کے قتل کا مشورہ ہوا۔ وہاں مرداس کا ایک دوست بھی موجود تھا۔ مرداس کے دوست نے اُسے خبر دے دی کہ تمہارے قتل کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔ مگر مرداس حسبِ معمول قید خانہ چلا گیا۔ داروغہ نے مرداس سے پوچھا کیا تمہیں امیر کے ارادے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ مرداس نے کہا خبر تو ہو گئی تھی مگر میں نے اپنے محسن کو مصیبت میں پھنسانا پسند نہ کیا۔ داروغہ اس جواب سے بہت متاثر ہوا اور اُس نے ابنِ زیاد سے سفارش کر کے اس کی جان بخشی کرا دی۔ مرداس اہواز کی طرف چلا گیا۔

اہواز میں مرداس نے یہ طریقہ اختیار کیا جب محاصلِ حکومت کا روپیہ بیت المال کو روانہ ہوتا تو اس میں سے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے وظائف کی رقم چھین لیتا۔ باقی چھوڑ دیتا۔ ابن زیاد نے اس کے مقابلہ کے لئے دو ہزار کا لشکر دے کر اسلم بن زرعہ کو بھیجا۔ مرداس نے اپنے چالیس آدمیوں سے دو ہزار کے لشکر کو شکستِ فاش دی [1]

الغرض ابنِ زیاد خوارج کی آتشِ فساد کو آبِ شمشیر سے بھی سرد نہ کر سکا۔

---

[1] ابن اثیر صفحہ ۲۰۲ جلد ۳ ۔

ولایتِ مصر مصر کے والی فاتح مصر اور مصر کے حالات کے نبض شناس عمرو بن عاص تھے۔ ۴۳ھ میں ان کا انتقال ہوا تو اُن کے بیٹے عبداللہ بن عمرو والی مقرر ہوئے۔ پھر اُن کو معزول کر دیا گیا اور دوسرے لوگ والی مقرر ہوئے۔

ولایتِ حجاز حجاز کی ولایت بنی اُمیّہ کے لئے مخصوص تھی۔ مدینہ کا والی کبھی مروان بن حکم ہوتا اور کبھی سعید بن عاص۔ امیر معاویہ کا طریقہ یہ تھا کہ کسی نئے اموی کو والی بناتے تو پہلے اُسے طائف کی حکومت سپرد کرتے۔ اگر وہ کامیاب ثابت ہوتا تو وہ اسے مکہ کی حکومت بھی دیتے۔ پھر اگر وہ ان دونوں مقامات کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرتا تو مدینہ کی حکومت بھی اس کو عطا کر دیتے۔

مدینہ کے والی ہی امیر الحج کے فرائض انجام دیتے تھے۔ امیر معاویہ نے اپنے زمانۂ حکومت میں صرف دو مرتبہ حج کیا ہے ۴۴ھ میں پھر ۵۰ھ میں۔

فتوحات

امیر معاویہ کے عہد میں مشرقی سرحدوں پر بہت کم فتوحات ہوئیں۔ زیادہ تر بغاوتوں کو فرو کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ عبداللہ بن سوار عبدی نے جو سرحد سندھ پر متعین تھے دو مرتبہ قیقان پر حملہ کیا۔ دوسری مرتبہ اہلِ قیقان نے ترکوں کی مدد سے اُن کو قتل کر دیا۔

۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے سرحد سندھ پر حملہ کیا اور بنہ اور لاہور کو جو کابل اور مُلتان کے درمیان واقع ہیں فتح کیا۔ یہاں ان کا دشمن سے مقابلہ ہوا۔ ایک مرتبہ انہیں بارہ ترک سواروں نے گھیر لیا۔ مہلب نے ان سب کو قتل کر دیا۔

اسی زمانہ میں مسلمانوں کی توجہ زیادہ تر شمال و مغرب کی طرف رہی۔ جہاں

عظیم الشان رومی حکومت مسلمانوں کو دعوتِ مقابلہ دیتی رہتی تھی۔ رومی بادشاہوں میں سے امیر معاویہ کے معاصر دو بادشاہ ہوئے قسطنطین ثانی بن ہرقل ثانی (از ۶۴۱ء تا ۶۶۸ء) اور قسطنطین الرابع بوغاناقس (از ۶۶۸ء تا ۶۸۹ء) ان دونوں بادشاہوں کے عہد میں مصر و شام کی سرحدوں پر رومیوں اور مسلمانوں کی چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے سمندر اور خشکی میں اُن کے مقابلے کے لئے بہترین انتظامات کئے۔

سمندری مقابلہ کے لئے اُنھوں نے ایک زبردست جنگی بیڑہ تیار کیا۔ سترہ سو سامانِ جنگ سے مسلح جہاز ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ان جہازوں کی تیاری کے لئے شام میں جہاز سازی کے کارخانے کھولے گئے اور لبنان کے پہاڑوں سے لکڑی حاصل کی جاتی تھی۔

امیر معاویہ کے اس جنگی بیڑے نے بحرِ روم کے سینہ کو چیر کر بار بار رومی طاقت کے مقابلہ میں اسلامی سطوت کا سر بلند کیا۔ جزیرۂ قبرص، بعض جزائرِ یونان اور جزیرۂ روڈرس مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہوئے۔ یہ جزیرے سمندری چھاؤنیوں کا کام دیتے تھے۔ رومی جہازوں کو اسلامی علاقوں کی طرف نہ بڑھنے دیتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے بحری فوج کی تنخواہ بھی بیش قرار مقرر کی تھی۔

خشکی میں مقابلہ کے لئے امیر معاویہ نے شواتی اور صوائف کے نام سے دو مستقل فوجیں تیار کی تھیں۔ شواتی وہ فوجیں تھیں جو موسم سرما میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلتی تھیں اور صوائف وہ جو موسمِ گرما میں مقابلہ کرتی تھیں۔ اس طرح لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا اور دشمن کو اسلامی سرحدوں کے پاس پھٹکنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

قسطنطنیہ پر حملہ

۴۹ھ میں امیر معاویہؓ نے مشرقی رومی سلطنت کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے زبردست فوج بھیجی۔ سفیان بن عوف اس فوج کے سالار تھے۔ مقامِ فرقدونہ میں یہ فوج

بخار اور چیچک میں مبتلا ہو گئے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی ساتھ جانے کا حکم دیا تھا مگر وہ بیماری کا بہانہ کر کے بیٹھ رہا تھا۔ جب اُسے مجاہدین کی مصیبت کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اپنی بزمِ عشرت میں یہ شعر پڑھے۔

ما ان ابالی بما لاقت جموعھم	"مجھے کیا پرواہ اگر فرقدونہ میں لڑنیوالوں
بالفرقدونة من حمى ومن موم	کے جتھوں کو بخار اور چیچک کی مصیبت سے
اذا اتکأت على الانماط مرتفعا	پالا پڑا ہے جبکہ میں دیر مران میں قالینوں
بدیر مران عندی ام کلثوم	پر تکیہ لگائے ام کلثوم (بیوی) کے ساتھ
	دادِ عشرت دے رہا ہوں"

امیر معاویہ کو بیٹے کی اس عشرت کوشی کی خبر پہنچی تو قسم کھا کر کہا کہ یزید کو بھی ارضِ روم میں جانا پڑے گا اور لشکرِ اسلام جن مصیبتوں میں مبتلا ہے اُن میں حصہ بٹانا پڑے گا۔

چنانچہ امیر معاویہؓ کے حکم سے ایک دوسرا لشکر پہلے لشکر کی امداد کے لئے روانہ کیا گیا جس میں یزید کے علاوہ صحابۂ کرام حضرت ابوایوبؓ انصاری، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ بھی شامل تھے۔ یہ دونوں لشکر خشکی کے راستہ سے ساحل باسفورس پر پہنچے۔ ان کے علاوہ ایک بحری بیڑہ جس کی کمان بسر بن ارطات کے ہاتھ میں تھی درّہ دانیال کو عبور کرتا ہوا قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گیا۔

شہنشاہِ روم نے قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے بڑے انتظامات کئے تھے۔ "آتشِ یونانی" کے ذریعے مسلمانوں پر آگ برسائی جا رہی تھی۔ مسلمان کئی معرکوں میں بڑی جاں بازی کے ساتھ آگ اور خون کا کھیل کھیلے۔ عبدالعزیز بن زرارہ کلبی کا تو یہ حال تھا کہ شوقِ شہادت میں بار بار آگے بڑھتے تھے اور دشمنوں کی صفوں کو

لہ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۲

درہم برہم کر دیتے تھے۔ آخر کار رومیوں نے گھیر لیا اور نیزوں سے اُن کا بدن چھلنی کر کے شہید کر دیا۔ تاہم مسلمان قسطنطنیہ کے بہترین محلِ وقوع اُس کی فصیل کی بلندی و مضبوطی اور دشمن کے اعلیٰ انتظاماتِ مدافعت کی وجہ سے اُسے فتح نہ کر سکے اور ناکام واپس آئے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کو آدمیوں اور جہازوں کا بڑا نقصان اُٹھانا پڑا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کے میزبان حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ دورانِ محاصرہ میں وفات پا گئے۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو دیوارِ قسطنطنیہ کے نیچے دفن کر دیا گیا۔ رومی اپنے عہدِ سلطنت میں آپ کی قبر پر حاضر ہو کر بارش وغیرہ کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ جب ترکانِ عثمانی نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو آپ کی قبر پر ایک مقبرہ اور اس سے متعلق ایک شاندار مسجد بنوا دی۔ خلفاء عثمانیہ کی تاجپوشی کی رسم اسی مسجد میں ادا کی جاتی تھی[1]

فتوحاتِ افریقہ

۴۷ھ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص والیٔ مصر و افریقہ دو سال کی ولایت کے بعد معزول ہوئے ان کی جگہ معاویہ بن خدیج کا تقرر ہوا۔ پھر ۵۰ھ میں معاویہ بن خدیج کے ہاتھ سے افریقہ کی حکومت نکال لی گئی اور عقبہ بن نافع فہری کے سپرد کی گئی۔

عقبہ نے عمرو بن عاص کے زمانے میں افریقہ میں کارہائے نمایاں کئے تھے اور برقہ اور زدیکہ میں مقیم تھے۔ افریقہ کے بربری بڑے بدعہد اور سرکش تھے جب کوئی امیر اُن پر فوج کشی کرتا تو اظہارِ اطاعت کرتے بلکہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے اور جب وہ لوٹ جاتا تو علمِ مخالفت بلند کرتے اور مرتد ہو جاتے۔ امیر معاویہ کے حکم سے عقبہ بن نافع فہری نے دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ افریقہ کے اندرونی علاقوں میں فوج کشی کی۔ باغیوں کو مطیع کیا اور ملک میں امن و امان قائم کیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ و محاضرات خضری جلد ۲ صہ ۱۲۶

اس مہم سے فارغ ہو کر انھوں نے سوچا کہ اس علاقے میں ایک اسلامی شہر بسانا چاہیئے جو اسلامی تربیت کا مرکز ہو اور خطرہ کے وقت مسلمانوں کے لئے جائے پناہ بن سکے۔ چنانچہ انھوں نے گھنے جنگل کو صاف کر کے شہر قیروان کی بنیاد ڈالی۔ یہاں ایک شاندار جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ یہ شہر پانچ سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچا۔ قیروان کی آبادی سے مسلمانوں کو جمعیت خاطر نصیب ہوئی۔ انھوں نے اطمینان کے ساتھ بربریوں کا مقابلہ کیا اور بہادری کے ساتھ ان علاقوں میں بڑھتے چلے گئے۔ اس طرح اسلام کی طاقت مضبوط ہو گئی اور بربریوں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔

۵۵ھ میں مصر اور افریقہ کی ولایت پر مسلمہ بن مخلد انصاری کا تقرر عمل میں آیا۔ انھوں نے اپنے غلام ابوالمہاجر کو افریقہ کا والی مقرر کیا۔ ابوالمہاجر نے افریقہ پہنچ کر عقبہ بن نافع کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کیا۔ عقبہ شام چلے آئے اور امیر معاویہ سے ابوالمہاجر کی بدسلوکی کی شکایت کی۔ امیر معاویہؓ نے اُن کو دوبارہ افریقہ کی ولایت پر بھیجنے کا وعدہ کیا مگر اپنی زندگی میں وہ یہ وعدہ پورا نہ کر سکے۔

یزید کی ولی عہدی

مغیرہ بن شعبہ ایک مرتبہ دمشق گئے تو انھوں نے یزید کی بیعت کی تجویز پیش کی۔ صورت یہ ہوئی کہ دورانِ ملاقات میں انھوں نے یزید سے کہا۔

"اکابر صحابہ اور بزرگانِ اہلبیت دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اب اُن کی اولاد رہ گئی ہے۔ تم نسبی بزرگی، حُسن رائے، علمِ سُنت اور مہارتِ سیاست میں کسی سے کم نہیں ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ امیرالمؤمنین کو تمہیں ولی عہد قرار دینے میں کیا تامل ہو سکتا ہے؟"

یزید نے کہا۔ کیا یہ مہم آسانی سے سر ہو سکتی ہے۔ مغیرہ بن شعبہ نے جواب دیا۔ بے شک۔

یزید نے اس گفتگو کا ذکر امیر معاویہؓ سے کیا۔ انھوں نے مغیرہ بن شعبہ کو طلب کیا اور کہا۔ یزید کیا کہتا ہے؟ مغیرہ بن شعبہ نے کہا۔

"حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمانوں میں جو اختلاف و خونریزی ہوئی اس سے کوئی ناواقف نہیں ہے۔ لہٰذا یزید کی جو آپ کی جانشینی کی صلاحیت رکھتا ہے بیعت لے کر اسے اپنا جانشین بنا دیجئے۔ تاکہ اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو وہ مسلمانوں کے لئے پشت پناہ ثابت ہو اور خلافت میں فساد و خونریزی کا امکان نہ رہے۔"

امیر معاویہ نے کہا اس قسم کی تکمیل کی ذمہ داری کون لے گا؟ مغیرہ بن شعبہ نے کہا۔ کوفہ کی ذمہ داری تو میں لیتا ہوں۔ بصرہ کا معاملہ زیاد کے سپرد کیجئے۔ ان دو شہروں کے ہموار ہو جانے کے بعد کہیں اور مخالفت کی آواز بلند نہیں ہو سکتی۔ امیر معاویہ نے کہا اچھا تو تم اپنا کام شروع کرو۔ آئندہ جو مناسب ہو گا وہ کیا جائے گا۔

مغیرہ بن شعبہ کوفہ آئے تو انہوں نے حامیانِ بنی امیہ میں یزید کی ولی عہدی کی تحریک شروع کر دی۔ ان لوگوں نے اس تحریک سے اتفاق کا اظہار کیا اور کوفہ کے معززین کا ایک وفد موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق روانہ ہوا۔ اس وفد نے امیر معاویہ کے سامنے اپنی طرف سے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی اور اس کی صفتیں بیان کیں۔

امیر معاویہ نے کہا۔ میں تمہارے مشورہ پر غور کروں گا۔ اس معاملے میں جلد بازی مناسب نہیں جو اللہ تعالےٰ کی مرضی ہو گی ہو رہے گا۔ اس وفد کے آنے سے امیر معاویہ کے ارادے میں قوت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے زیاد کو لکھا کہ وہ بھی اس معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرے۔

زیاد نے اپنے مشیر عبید بن کعب نمیری کو بلایا اور کہا کہ امیر المومنین کی یہ خواہش ہے کہ وہ یزید کو اپنا ولی عہد بنائیں لیکن یہ اسلامی حکومت کا معاملہ اور دین کی ذمہ داری کا کام ہے اور یزید بے فکر اور غیر ذمہ دار نوجوان ہے۔ بجز سیر و شکار کے اسے کسی اور کام سے دلچسپی نہیں۔ لہٰذا میں

چاہتا ہوں کہ تم امیر المومنین سے مل کر اس کے یہ عیوب ان پر ظاہر کرو اور میری طرف سے ان سے کہہ دو کہ اس اہم کام میں ابھی جلدی نہ کریں۔

عبید بن کعب نے کہا۔ امیر المومنین کی رائے کی مخالفت اور ان سے اُن کے بیٹے کی برائی مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ میں دمشق جا کر خود یزید سے ملوں۔ اور اس سے کہوں کہ تمہارے والد بزرگوار نے زیاد سے تمہاری ولی عہدی کی متعلق مشورہ طلب کیا ہے۔ زیاد کی رائے یہ ہے کہ جب تک تم اپنے عادات واطوار کو درست نہ کرو یہ کام انجام نہیں پاسکتا۔ موجودہ حالت میں مسلمان تمہاری مخالفت کریں گے۔ لیکن اگر تم نے اپنی اصلاح کر لی تو پھر کسی کو اختلاف کی گنجائش نہ رہے گی۔ یوں امیر المومنین کی خیر خواہی اور اُمت کی سلامتی دونوں باتیں حاصل ہوں گی۔"

زیاد نے عبید بن کعب کی رائے کو بہت پسند کیا اور اُسے اس کام کو انجام دینے کے لئے دمشق روانہ کر دیا۔

عبید نے دمشق پہنچ کر یزید کو بہت کچھ نصیحتیں کیں اور اس نے عبید کے کہنے سے بہت سی برائیاں چھوڑ دیں۔ عبید نے زیاد کی طرف سے امیر معاویہ کو یہ بھی پیغام دیا کہ ابھی وہ اس کام میں جلدی نہ کریں۔

زیاد کے انتقال کے بعد امیر معاویہ نے اپنے اس ارادہ کی تکمیل کا فیصلہ کر لیا۔ شام تو خود ان کا دارالحکومت تھا۔ بصرہ اور کوفہ کا معاملہ بھی کچھ مشکل نہ تھا۔ اصل مرحلہ حجاز کو ہموار کرنا تھا کہ اکابرِ ملت یہیں مقیم تھے اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں اہلِ حجاز ہی کی رائے سے خلافت کا انتخاب ہوتا رہا تھا۔

اکابرِ حجاز میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، علم و فضل اور دیانت و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ علاوہ ازیں اس منصب کے اہل ہوتے ہوئے انہوں نے کبھی اس کی خواہش نہ کی تھی اس لئے امیر معاویہؓ نے ان کے ذریعے سے کام نکالنا چاہا۔ امیر معاویہؓ نے اس مقصد کے لئے ایک قاصد اُن کے پاس بھیجا۔ قاصد نے ایک لاکھ درہم

ان کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عطیہ شاہی سمجھ کر قبول کر لیا۔ اس کے بعد جب قاصد حرفِ مقصد زبان پر لایا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا "میرا دین اس قدر سستا نہیں ہے کہ ایک لاکھ درہم میں بک سکے" اور امیر معاویہؓ کی رقم واپس کر دی"۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے امیر مدینہ مروان بن حکم کو لکھا:-

"اب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد اُمت میں پھر جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوں گے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو اپنا جانشین بنا دوں۔ لیکن یہ کام میں بغیر اہلِ مدینہ کے مشورہ کے نہیں کرنا چاہتا۔ تم میرے اس خیال کو اہل مدینہ کے سامنے پیش کرو۔ اور جو کچھ وہ جواب دیں اس کی مجھے اطلاع دو"۔

مروان نے اکابر اہل مدینہ کو بلا کر انہیں امیر معاویہؓ کے ارادے کی اطلاع دی۔ چونکہ کسی خاص نام کی تعیین نہیں کی گئی اس لئے سب نے امیر معاویہؓ کے اس ارادے سے اتفاق کا اظہار کیا اور کہا۔

"ہمیں منظور ہے کہ امیر المؤمنین پوری سعی و کوشش سے ہمارے لئے اپنا جانشین منتخب کر دیں"۔

مروان نے اس جواب سے امیر معاویہؓ کو مطلع کر دیا۔

اس کے بعد مروان کے نام امیر معاویہؓ کا دوسرا خط آیا جس میں یزید کی ولیعہدی کی اطلاع دی گئی تھی۔ مروان نے پھر اہلِ مدینہ کو جمع کیا اور کہا۔

"امیر المؤمنین نے پوری جد و جُہد سے تمہارے لئے اپنا جانشین منتخب کر لیا ہے اور وہ جانشین یزید ہے"۔

یزید کا نام سنتے ہی مجمع میں برہمی پیدا ہو گئی۔ پہلے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کھڑے ہوئے اور کہا اے مروان نہ تو سچا ہے نہ معاویہ۔ تم دونوں کا ارادہ یہ ہے کہ

امتِ محمدیہ سے خلیفہ کے انتخاب کا حق سلب کر لیا جائے اور خلافت کو بھی قیصریت بنا دیا جائے کہ جب ایک قیصر مر جائے تو دوسرا قیصر اس کا جانشین بن جائے۔ پھر حضرت حسین بن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر نے بھی اختلاف کا اظہار کیا۔ مروان بن حکم نے تمام واقعات کی امیر معاویہؓ کو اطلاع دے دی۔

اب امیر معاویہ نے مختلف صوبوں کے والیوں کے نام احکام بھیجے کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں یزید کے حق میں پراپیگنڈا کریں اور وہاں کے معززین کو وفد کی صورت میں دربارِ خلافت میں بھیجیں تاکہ ولی عہدی کے مسئلہ میں ان سے گفتگو کی جائے۔ چنانچہ مختلف صوبہ جات کے وفود دمشق پہنچے۔ مدینہ منورہ کے وفد میں محمد بن عمرو بن حزم اور بصرہ کے وفد میں احنف بن قیس شامل تھے۔ مسئلہ ولیعہدی پر جب دربارِ خلافت میں گفتگو چھڑی تو محمد بن عمرو نے کہا۔

"اے امیر المومنین ہر بادشاہ اپنی رعیت کی بہتری کے لئے ذمہ دار ہے۔ آپ غور کیجئے کہ امتِ محمدیہ کی عنانِ حکومت آپ کس کے ہاتھوں میں دے رہے ہیں؟"

احنف بن قیس نے کہا:-

"اے امیر المومنین معاملہ پُرپیچ ہے۔ اگر ہم سچ بولتے ہیں تو آپ کا ڈر ہے اور اگر جھوٹ بولتے ہیں تو خدا کا خوف ہے۔ آپ خود یزید کے دن اور رات کے مشاغل اور اس کے خفیہ اور اعلانیہ افعال سے زیادہ واقف ہیں۔ اگر آپ اس معاملہ میں خدا اور امتِ محمدیہ کی رضامندی پاتے ہیں تو کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو آپ سفرِ آخرت کے وقت اُسے دنیا کا توشہ نہ دیجئے۔ بہرحال جو کچھ بھی آپ کریں ہم تو سرِ تسلیم خم کرنے کے لئے حاضر ہیں۔"

یہ جواب سن کر امیر معاویہؓ تو خاموش ہو گئے مگر ایک شامی سردار کھڑا

ہُوا اور کہنے لگا :-

"یہ عراق کیا کہہ رہے ہیں ؟ ہم شامی تو معاویہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے لئے بھی تیار ہیں اور اُن کے اشارہ پر میدانِ جنگ میں تلوار بلند کرنے کے لئے بھی حاضر ہیں"

امیر معاویہ یزید کی بیعت کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اُن کا طرزِ سیاست یہ تھا انعام و اکرام کی بارش سے اپنوں اور غیروں کے دلوں کو ہموار کر لیا کرتے تھے۔ اس طریقہ سے پہلے انھوں نے اہلِ شام اور اہلِ عراق کی بیعت لی۔ پھر ایک ہزار سوار لے کر مدینہ منورہ کا رخ کیا۔

مدینہ منورہ کے اکابرِ ملت کے منہ زر و سیم کے ٹکڑوں سے بند نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کی آمد کی خبر سُن کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت امام حسینؓ مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

ان حضرات کی روانگی کے بعد امیر معاویہؓ نے اہلِ مدینہ کے سامنے ایک تقریر کی۔ اس تقریر میں پہلے یزید کی تعریف کی۔ پھر کہا۔

"کچھ لوگ ہیں جو یزید کی مخالفت سے باز نہیں آتے، میں آگاہ کئے دیتا ہوں کہ اگر ان کا طرزِ عمل یہی رہا تو اُن کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی جائیں گی"

مدینہ منورہ سے امیر معاویہؓ مکہ روانہ ہوئے۔ ان چاروں بزرگوں کو جب ان کی آمد کی خبر ملی تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ امیر کی ملاقات کرنی چاہیئے ممکن ہے مدینہ منورہ کی فضا دیکھ کر اُن کی رائے بدل گئی ہو۔ چنانچہ "بطن مر" میں انھوں نے امیر کا استقبال کیا۔ امیر معاویہؓ ان کے ساتھ عزت و اکرام سے پیش آئے اور انھیں شاہی سواریوں پر سوار کر کے ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

امیر معاویہ جب تک مکہ میں رہے ان بزرگوں کے ساتھ ملاطفت کا برتاؤ کرتے رہے۔ جب روانگی کا وقت قریب آیا تو انھوں نے بیعت کا ذکر چھیڑا

اور حضرت عبداللہ بن زبیر سے جنہیں ان بزرگوں نے اپنا نمائندہ قرار دیا تھا، حسبِ ذیل گفتگو ہوئی :-

امیر معاویہ :- آپ صاحبان میرے طرزِ عمل سے واقف ہیں، میں آپ کے ساتھ ہمیشہ حسنِ سلوک سے پیش آتا رہا ہوں اور آپ کی زیادتیوں کو بھی برداشت کرتا رہا ہوں۔ یزید آپ کا بھائی ہے آپ کا ابن عم ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ نام کے لئے اُسے خلیفہ بنا دیں اور سلطنت کے تمام کام اپنے ہاتھوں میں رکھیں۔ وہ آپ کے احکام کا تابع ہو کر رہے گا؟ کیا اتنی بات بھی آپ کو منظور نہیں ہے؟

عبداللہ بن زبیر :- ہم آپ کے سامنے تین تجویزیں پیش کرتے ہیں آپ ان میں سے کسی کو ایک کو قبول کر لیجئے۔

امیر معاویہ :- فرمائیے وہ تجویزیں کیا ہیں؟

عبداللہ بن زبیر :- سب سے بہتر تو یہ ہے کہ آپ سُنّتِ رسول اللہ پر عمل کیجئے۔ آپ نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرمایا۔ وفات کے بعد اُمّت نے اپنی صوابدید سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپ کا جانشین منتخب کر لیا۔

امیر معاویہ :- لیکن اب ابوبکر صدیق جیسی ہستی کہاں ہے؟

عبداللہ بن زبیر :- اگر یہ ممکن نہیں تو سُنّتِ ابوبکر پر عمل کیجئے کہ انھوں نے اپنا جانشین اس شخص کو بنایا جو اُن کا رشتہ دار نہ تھا۔

(امیر معاویہ خاموش رہے)

عبداللہ بن زبیر :- اگر یہ بھی ممکن نہیں تو سُنّتِ عمر پر عمل کیجئے کہ انھوں نے حقِ انتخاب چھ اہلِ شوریٰ کے سپرد کر دیا جو اُن کے عزیز نہ تھے۔

امیر معاویہ :- ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی اور بھی صورت ہو سکتی ہے؟

عبداللہ بن زبیر :- جی نہیں۔ کوئی چوتھی صورت ممکن نہیں۔

امیر معاویہ :- اچھا تو اب میری بات سُن لیجئے۔ اب تک تو ایسا ہوتا رہا کہ میں

مجمع میں تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوتا تھا اور آپ میں سے کوئی کھڑا ہو کر مجھے جھٹلایا کرتا تھا۔ میں نے آپ کی اس زیادتی کو برداشت کر لیا تھا۔ مگر اب ایسا نہ ہو سکے گا۔ میں مجمع عام میں تقریر کروں گا اگر آپ صاحبان نے ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو میری تلوار درمیان میں حائل ہو جائے گی اور دوسرا لفظ زبان سے ادا نہ ہونے دے گی۔ لہٰذا آپ صاحبان اپنی جانوں پر رحم کیجئے۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ چاروں بزرگوں کو ساتھ لے کر مجمع عام میں آئے اور کہا۔ "یہ لوگ رؤسائے امت میں کوئی اہم معاملہ ان کے مشورہ کے خلاف طے نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ آپ صاحبان بھی اللہ کا نام لے کر بیعت کر لیجئے۔

عام لوگ ان اکابر ہی کے رائے کے منتظر تھے۔ جب انہیں بتایا گیا کہ یہ حضرات بیعت کر چکے ہیں تو اہلِ مکہ نے بیعت کر لی۔ امیر معاویہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ پہنچے اور وہاں اہلِ مدینہ کی بیعت لی۔ پھر مدینہ سے شام روانہ ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد امیر معاویہ نے بنی ہاشم کے ساتھ مدارات کا برتاؤ ترک کر دیا۔ عبداللہ بن عباس شام گئے اور انہوں نے اس کی شکایت کی۔ امیر معاویہؓ نے کہا۔ آپ کے ساتھیوں نے یزید کی بیعت نہیں کی اور آپ نے بھی انہیں نہیں سمجھایا۔ حضرت ابن عباس نے کہا۔ اے امیر آپ کو معلوم ہے اگر میں ساحلی علاقہ کی طرف نکل جاؤں اور آپ کی مخالفت میں لب کشائی کروں تو خود آپ کے رشتہ بیعت کا ایک تار بھی باقی نہ رہے۔

امیر معاویہ اس دھمکی سے مرعوب ہو گئے اور کہنے لگے اے ابن العباسؓ! ناراض نہ ہو تمہارے عطیات جاری کر دیئے جائیں گے اور تمہیں شکایت کا موقع نہ دیا جائے گا۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۱

وفاتِ معاویہؓ | جمادی الآخری ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور بیماری سے قبل آپ نے ایک تقریر میں فرمایا :-

"میں ایک ایسی کھیتی ہوں جس کے کٹنے کا وقت قریب آگیا ہے میں نے اتنی مدت تم پر حکومت کی کہ میں تم سے اُکتا گیا اور تم مجھ سے لیکن جو شخص میرا جانشین ہوگا وہ مجھ سے بہتر نہ ہوگا جس طرح میں اپنے پیش رو خلفاء سے بہتر نہ تھا۔ کہا گیا ہے جو شخص اللہ تعالےٰ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ تعالےٰ اُس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اے اللہ! میں تیری ملاقات کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما اور اس ملاقات میں میرے لئے برکت ودیعت فرما۔"

اس تقریر کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ بیمار ہو گئے۔ یزید اس زمانے میں دمشق میں موجود نہ تھا۔ جب آپ زندگی سے مایوس ہوئے تو ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ مری کو حکم دیا کہ یزید کو حسبِ ذیل وصیت پہنچا دیں :-

"دو بیٹا میں نے تمہارے راستے کے تمام کانٹے دور کر دیئے ہیں تمہارے دشمنوں کو زیر کر دیا ہے اور عرب کی گردنیں تمہارے سامنے جھکا دی۔ اور ایسا خزانہ جمع کر دیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ میرے ان احسانات کا شکر یہ ہے کہ اہلِ حجاز پر نظرِ کرم رکھنا کہ وہ تمہاری اصل ہیں۔ جو حجازی تمہارے پاس آئے اُس کی خبر گیری کرتے رہنا۔ اہلِ عراق کا بھی خیال رکھنا۔ اگر وہ چاہیں کہ ہر روز اُن کے لئے نیا عامل مقرر کیا جائے تو ایسا کر دینا کیونکہ عاملوں کی ادل بدل اس سے سہل ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تمہارے مقابلہ میں میان سے باہر نکل آئیں۔ اہلِ شام سے بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا۔ انہیں اپنا

رازدار بنانا۔ اگر کسی دشمن کا خطرہ ہو تو ان سے مدد لینا۔ لیکن جب دشمن کی مدافعت کر چکو تو انہیں اپنے اپنے شہروں کو واپس بھیج دینا کیونکہ دوسرے مقامات میں رہنے سہنے سے ان کے عادات و اخلاق بدل جانے کا اندیشہ ہے۔"

خلافت کے معاملہ میں چار قریشی ہی تمہارے حریف ہو سکتے ہیں حسینؓ بن علی، عبداللہ بنؓ عمر، عبداللہ بنؓ زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ۔ ابنِ عمر کو عبادت نے تھکا دیا ہے۔ جب دوسرے لوگ تمہاری بیعت کر لیں گے تو وہ بھی انکار نہ کریں گے۔ حسین بن علیؓ سادہ مزاج ہیں۔ اہلِ عراق انہیں تم سے بھڑا کر رہیں گے۔ اگر وہ تمہارے مقابلے میں آئیں اور تم کامیاب ہو جاؤ تو تم درگزر سے کام لینا کہ وہ قریبی عزیز ہیں۔ اُن کا ہم پر بڑا حق ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ ہیں۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی توجہ عیش و آرام کی طرف ہے۔ جیسا وہ دوسروں کو کرتا دیکھیں گے خود بھی کریں گے۔ البتہ جو شخص شیر کی طرح گھات لگائے گا اور لومڑی کی چالیں کھیلے گا وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے۔ اگر وہ مقابلہ کرے اور تم کامیاب ہو جاؤ تو اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا لیکن قوم کو جہاں تک ممکن ہو عام خونریزی سے بچانا [1]

جب نزع کا وقت آیا تو کہا:-

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کرتہ عنایت فرمایا تھا میں نے اُسے حفاظت سے رکھ چھوڑا ہے۔ حضورؐ نے ایک دن ناخن ترشوائے تھے میں نے اُنہیں بھی ایک شیشی میں محفوظ کر لیا

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳، ۴۔

تھا، جب مجھے کفناؤ تو حضورؐ کا عطا کردہ کرتہ مجھے پہنا دینا اور ناخن مبارک کو پیس کر میری آنکھوں اور منہ میں بھر دینا۔ کیا عجب ہے کہ خدا اُن کی برکت سے مجھ پر رحم کرے۔" [۱]

آخر یکم رجب ۶۰ھ (مطابق ۷ اپریل ۶۸۰ء) کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۵ سال تھی۔ آپ کی مستقل حکومت کی مدت اُنیس سال تین مہینے ستائیس روز ہوئی۔ آپ کے جنازہ کی نماز ضحاک بن قیس نے پڑھائی۔ یزید کو مرض میں زیادتی کی اطلاع بھیج دی گئی تھی لیکن وہ دفن کے بعد پہنچا اور نمازِ جنازہ قبر پر ادا کی۔

خاندانِ معاویہؓ

امیر معاویہؓ نے چار شادیاں کیں :-

(۱) بیسون بنت بحدل :- اس کے بطن سے یزید پیدا ہوا۔

(۲) فاختہ بنت قرظہ نوفلی :- اس کے بطن سے عبدالرحمٰن اور عبداللہ دو لڑکے پیدا ہوئے۔ عبدالرحمٰن بچپن ہی میں فوت ہوا۔

(۳) فاطمہ بنت عمارہ کلابیہ :- اسے آپ نے طلاق دیدی تھی۔

(۴) کنوہ بنت قرظہ :- غزوۂ قبرص میں امیر معاویہؓ کے ساتھ تھیں اور وہیں انتقال ہوا۔

سیرتِ معاویہؓ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قریش کے اس نامور خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو منصبی حیثیت سے بنو ہاشم کے بعد سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا۔ پھر ذاتی حیثیت سے آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضِ صحبت بھی حاصل کیا تھا۔ اس لئے اگرچہ آپ خلیفہ راشد نہ تھے تاہم ایک بہترین بادشاہ میں جو اوصاف ہو سکتے ہیں وہ آپ کی ذات

---

[۱] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳/۴

میں موجود تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے تم قیصر و کسریٰ اور ان کے علم و دانش کی تعریف کرتے ہو حالانکہ خود تم میں معاویہؓ موجود ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں آپ کے یہ کمالات منصۂ شہود پر نہ آئے تھے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے بالکل صحیح تھی۔ مسلمانوں کی خانہ جنگیوں میں خلافتِ راشدہ کی دِل نواز و نظر افروز تصویر کا چوکھٹا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ تاہم آپ نے اپنے حُسنِ تدبّر سے اصل تصویر کو باقی رکھنے کی جو کوشش کی وہ ہر طرح قابلِ داد ہے۔

طرزِ سیاست آپ کی حکومت رائے عامہ کی بنیادوں پر قائم نہ تھی اس لئے آپ کو اس کے قیام کے وقت بھی تلوار کو استعمال کرنا پڑا۔ لیکن آپ نے حتی الوسع عفو و درگزر کے پہلو کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

خاندانِ بنی ہاشم کے ارکان آپ کے دربار میں آتے اور آپ کو کوری کوری سُناتے مگر آپ ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتے اور ان کو انعام و اکرام سے مالامال کر دیتے۔

عبداللہؓ بن عمر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص امیر معاویہ سے بہت سختی کے ساتھ پیش آیا۔ مصاحبین نے پوچھا۔

"کیا آپ اس کے ساتھ بھی نرمی کریں گے؟"

آپ نے جواب دیا۔

"میں کسی کی زبان کو نہ پکڑوں گا جب تک کہ وہ میری حکومت کے درمیان حائل نہ ہو۔"[1]

حضرت معاویہؓ نے اصولِ سیاست خود یہ بتایا ہے جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۵۔

وہاں تلوار کو کام میں نہیں لاتا۔ جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی تعلق قائم ہو تو اُسے قطع نہیں ہوتے دیتا۔ جب لوگ اُسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دیدیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔" [۱]

اس میں شک نہیں کہ امیر معاویہؓ نے بعض ایسے عمال مقرر کئے جنہوں نے سفاکی و خون ریزی میں تامل نہ کیا۔ مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جن علاقوں میں ایسے عمال مقرر کئے گئے وہاں نظامِ حکومت کی بقاء اور ملک کے امن و امان کی بحالی اس اقدام کے بغیر مشکل تھی۔

طرزِ معیشت حضرت معاویہؓ نے دولت کے گہواروں میں آنکھ کھولی تھی۔ ۱۸ھ سے ۵۹ھ تک امارت و حکومت کی مسند کے صدر نشین رہے۔ شام کا سرسبز و شاداب اور متمدن ملک آپ کی قیام گاہ رہا۔ اس لئے آپ کی خوراک و پوشاک امیرانہ تھی اور آپ کا دربار شاہانہ شان و شوکت کا آئینہ خانہ۔ تاہم آپ غریبوں کی جھونپڑیوں کے حالات سے بے خبر نہ رہتے تھے اور ہر گدا و بے نوا کی آواز آپ تک بے روک ٹوک پہنچتی تھی۔

مسعودی نے آپ کے اوقات کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

"حضرت معاویہؓ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر ممالکِ محروسہ کی رپورٹیں سُنتے پھر قرآن کریم کی تلاوت کرتے پھر محل میں جاتے اور ضروری احکامات دیتے۔ پھر چار رکعت نماز ادا کر کے دربارِ خاص منعقد کرتے تھے۔ جہاں معتمدین اور وزراء موجود ہوتے۔ یہاں دن بھر کے ضروری امور کے متعلق مشورہ ہوتا۔ پھر آپ محل میں تشریف لے جاتے وہاں سے واپس آکر مسجد میں تشریف لاتے اور مقصورہ سے کمر لگا کر کرسی

---

[۱] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۸۳۔

پر بیٹھ جاتے ، یہ دربارِ عام ہوتا جس میں ضعیف، دیہاتی، بچے اور عورتیں بے روک ٹوک آتے اور اپنی ضرورتیں اور تکلیفیں بیان کرتے، آپ سب کی دلدہی کرتے ضرورتیں اور تکلیفیں دُور کرتے ۔"

جب ان لوگوں سے فارغ ہو جاتے تو دربارِ خاص منعقد ہوتا جس میں معززین اور اشرافِ قوم شریک ہوتے۔ آپ فرماتے "صاحبان" آپ کو اشرافِ قوم اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کو اس مجلسِ خصوصی میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہے لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ جو لوگ یہاں حاضر نہیں ہیں ان کی ضرورتیں بیان کریں۔

اس کے بعد صبح کا کھانا کھاتے۔ اسی وقت سیکرٹری آپ کے سرہانے کھڑا ہو جاتا۔ باریاب ہونے والوں کو ایک ایک کرکے پیش آتا اور وہ جو کچھ تحریر لے کر آتے سیکرٹری اُسے پڑھ کر سُناتا۔ امیر کھانا کھاتے جاتے اور احکام لکھواتے جاتے، ہر باریاب ہونے والا جب تک حاضر رہتا کھانے میں شریک رہتا۔

اس کے بعد آپ محل میں داخل ہو جاتے اور ظہر کی نماز کے لئے برآمد ہوتے۔ نماز سے فارغ ہو کر دربارِ خاص منعقد کرتے۔ یہ دربار عصر تک جاری رہتا۔ اُمراء و وزراء مسائل ضروریہ پر گفتگو کرتے۔ اس کے بعد عصر کی نماز ادا کرکے محل میں تشریف لے جاتے۔ مغرب سے کچھ پہلے باہر آکر تخت پر جلوہ افروز ہوتے۔ درباری اپنے اپنے رتبہ کے مطابق بیٹھ جاتے۔ رات کا کھانا لایا جاتا اس سے فارغ ہو کر مغرب کی نماز ادا کرتے۔ نماز کے بعد چار رکعتیں اور پڑھتے۔ پھر محل میں داخل ہو جاتے۔ عشاء کی نماز کے وقت باہر آتے۔ نماز ادا کرنے کے بعد دربارِ خاص منعقد ہوتا جس میں امراء، وزراء اور مصاحبین شریک ہوتے اور سلطنت کے بقیہ اہم امور کے متعلق گفتگو

ہوتی۔ یہ گفتگو ختم ہوتی تو علمی مباحث چھڑتے۔ عرب عجم اور دوسری قوموں کے بادشاہوں کے حالات، ان کی صلح و جنگ کے واقعات اپنی رعایا کے ساتھ برتاؤ اور ملکی سیاست کے تذکرے جاری رہتے۔ یہ علمی صحبت ایک تہائی رات گزرنے سے ختم ہوتی۔

پھر زنان خانہ میں آرام کرنے تشریف لے جاتے۔ دو تہائی رات گزری ہوتی کہ بیدار ہو جاتے۔ یہ مطالعہ کا وقت تھا۔ آپ کے سامنے "دفاتر" پیش ہوتے جن میں پرانے بادشاہوں کے حالاتِ زندگی، ان کی لڑائیوں کے واقعات اور ان کی سیاسی تدابیر کے تذکرے درج ہوتے۔ یہ دفاتر آپ کو پڑھ پڑھ کے سنائے جاتے۔

یہ سلسلہ فجر تک جاری رہتا۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوتی اور دوگانہ سحر ادا کرنے کے لئے آپ مسجد میں تشریف لے جاتے"۔ [1]

مسئلہ بیعتِ یزید حضرت معاویہؓ پر جو سب سے بڑا الزام عائد کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے جمہوری نظامِ حکومت کو توڑ کر شخصی حکومت کا طریقہ جاری کر دیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے خلیفہ کے نصب و عزل کی ذمہ داری قوم کے اہل الرائے اصحاب کے سپرد کی تھی۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں خلفائے ثلاثہ کا انتخاب اسی اصول پر ہوا۔ مگر ۳۵ھ کے نامسعود زمانے میں آفاقیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہنگامہ آرائی کا جو طوفان اُٹھایا اس نے اس اصول کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دیں۔ قوم کے ذمہ دار اور اہل الرائے افراد کی برائیوں کے برخلاف شورش پسندوں کی ایک غیر ذمہ دار اور ناعاقبت اندیش جماعت نے خود ساختہ

---

[1] مروج الذہب مسعودی۔

الزامات کی بُنیاد پر خلیفۂ وقت سے دستبرداری کا مطالبہ کیا اور جب اُس نے اُس قمیص کو اتارنے سے انکار کیا جو خدا نے اُسے پہنائی تھی تو انہوں نے اُس کی گردن اُتار دی۔

لہٰذا جہاں تک اسلام کے نظامِ اجتماعی کی برہمی کا تعلق ہے اس کی ذمہ داری حضرت معاویہؓ پر عائد نہیں ہوتی بلکہ قاتلینِ عثمان پر عائد ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی کوششوں سے ممکن تھا کہ یہ شکستہ نظام پھر بندھ جاتا مگر جمل و صفین میں منافقین کی ریشہ دوانیوں سے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔

بہرحال اسلام کا پسندیدہ جمہوری نظام تو ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو حضرت معاویہ اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لئے تلواروں کو آزاد چھوڑ دیتے یا اپنے منصب کے اثر و اقتدار سے کام لے کر کسی جانشین کو نامزد کر جاتے۔ حضرت معاویہؓ نے دوسری صورت پسند کی کہ وہ دو مصیبتوں میں آسان مصیبت تھی لیکن آپ نے اپنی جانشینی کے لئے جس شخصیت کو انتخاب کیا وہ واقعی اُس کے لئے موزوں نہ تھی اور یہ واقعہ ہے کہ خود امیر بھی اسے موزوں نہ سمجھتے تھے اور امیر تو علیحدہ رہے خود یزید بھی اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے اُسے ناممکن سمجھتا تھا چنانچہ جب سب سے پہلے یہ تجویز یزید کے سامنے پیش کی گئی تو اُس نے تعجب سے پوچھا:-

"کیا یہ ممکن العمل ہے[1]؟"

"زیاد بن ابیہ" سے زیادہ بنی اُمیّہ کا فدائی کون ہو سکتا ہے؟ تاہم جب اُس کے سامنے یہ تجویز آئی تو اُس نے اول تو اس سے اختلاف کیا۔ پھر عبید بن کعب کے سمجھانے سے یزید کو کہلا بھیجا کہ "جب تک تم ان حرکات کو نہ چھوڑو گے جن پر لوگ معترض ہوتے ہیں خلافت کا حصول ممکن نہیں"۔ لیکن اصحابِ غرض ہر زمانے میں ہوتے ہیں جن کا مقصد بادشاہ کی جائز و ناجائز خوشنودی حاصل کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔ تجویز کے بعد اس کی تائید کا سلسلہ جاری ہوا اطراف

---

[1] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۸

سلطنت سے معززین کے وفود آنے شروع ہوئے جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کی درخواست کی۔

حضرت معاویہؓ میں حضرت عمرؓ کی سی خشیت نہ تھی جنہوں نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ آلِ خطاب میں سے ایک شخص ہی خدا کے سامنے جوابدہی کے لئے کافی ہے" کچھ غرض مندوں کا اصرارِ پیہم، کچھ بیٹے کی محبت، کچھ یزید کی مصلحتِ وقت کو دیکھتے ہوئے اپنے حالات کی درستی کہ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں:۔

فکف عن کثیر مما کان یصنع[1] اس نے اپنی بہت سی حرکات چھوڑ دی تھیں۔

آخر یزید کی ولیعہدی کا فیصلہ کر لیا گیا۔

تاہم امیر معاویہ نے انتقال کے وقت اپنی ذمہ داری کو فراموش نہیں کیا۔ آپ نے اپنے بیٹے کو مشفقانہ انداز میں جو گراں قدر وصیتیں کیں اگر وہ ان پر عمل کرتا تو اُمتِ محمدیہ تباہی کے غار میں نہ گرتی اور یزید کی پیشانی ابن رسول اللہ کے خون سے داغدار نہ ہوتی۔ وَاللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ

انتظاماتِ ملکی

امیر معاویہؓ کے زمانے میں مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوا حضرت عثمانؓ کے زمانے سے باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے فتوحات کا سلسلہ رُک گیا تھا۔ امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں یہ سلسلہ پوری قوت کے ساتھ جاری ہو گیا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی۔

امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ ہی میں بحری فوج قائم کر دی تھی اور عبداللہ بن قیس حارثی کو اس کا افسر مقرر کیا تھا۔ اپنے عہدِ حکومت میں انہوں نے بحری فوج کو بہت ترقی دی۔ مصر و شام کے ساحلی علاقوں میں بہت سے جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے۔ چنانچہ ایک ہزار سات سو جنگی جہاز رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ امیر البحر جنادہ بن ابی اُمیہ تھے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۹

اس عظیم الشان بحری طاقت سے انہوں نے قبرص، روڈس اور بعض یونانی جزیرے فتح کئے اور قسطنطنیہ کے حملہ میں بھی کام لیا۔

ڈاک کا محکمہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قائم ہو چکا تھا۔ امیر معاویہؓ نے اس کی تنظیم و توسیع کی اور تمام حدودِ سلطنت میں اس کا جال بچھا دیا۔

حضرت علیؓ کے ساتھ ساتھ جب امیر معاویہؓ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو آپ نے اپنی حفاظت کے لئے باڈی گارڈ مقرر کئے اور مسجد میں علیحدہ مقصورہ تعمیر کرا لیا۔

دیوانِ خاتم کے نام سے آپ نے ایک محکمہ قائم کیا جو سرکاری فرمان جاری کیا جاتا تھا اس کی ایک نقل اس محکمہ میں محفوظ رکھی جاتی تھی اور فرمان کو لفافہ میں بند کر کے اس پر سرکاری مُہر لگا دی جاتی تھی۔ اس طرح سرکاری خزانوں میں ردّ و بدل کا امکان نہ رہا۔

امیر معاویہؓ کے زمانے میں ملکِ شام کا دفترِ حکومت رومی زبان میں تھا۔ سرجون رومی جو ایک نصرانی تھا اس دفتر کا چیف سیکرٹری تھا۔ اس عہدہ کے علاوہ سرجون کو امیر معاویہؓ کی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کا فخر بھی حاصل تھا۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں فضالہ بن عبید انصاری پھر ابوادریس خولانی قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے۔ پولیس کے افسرِ اعلیٰ قیس بن حمزہ ہمدانی اور پھر زمل بن عمرو عذری رہے۔ دیوانِ خاتم کا افسرِ اعلیٰ عبداللہ بن محصن حمیری تھا اور حرس (باڈی گارڈ) کا افسرِ اعلیٰ مختار تھے۔



یزید اوّل بن معاویہؓ

۶۰ھ تا ۶۴ھ

یزید نام، معاویہ بن ابی سفیان والد کا نام، مسون بنت بجدل ماں کا نام۔ ۲۶ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں پیدا ہوا۔ حضرت معاویہ اس وقت پورے ملک شام کے امیر تھے اس لئے ناز و نعمت کی آغوش میں آنکھ کھولی اور دولت و حکومت کے گہواروں میں پرورش پائی۔ جوان ہوا تو حسنِ سیمیں و بادۂ رنگین سے رشتہ جوڑا۔ شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا اسمیں کمال حاصل کیا۔ سیر و شکار کا بھی بہت شوق تھا مگر میدانِ جہاد کی آبلہ پائی پسند نہ تھی۔

باپ نے اصلاح کی کوشش کی قسطنطنیہ کی مہم میں زبردستی بھیجا۔ دو مرتبہ امیر حج بھی مقرر کیا مگر تربیت طبیعت پر غالب نہ آسکی۔

خلافت حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد ۶۰ھ میں تختِ نشین ہوا۔ امیر معاویہ نے اپنی زندگی ہی میں اس کی ولی عہدی کی بیعت لے لی تھی۔ لیکن اکابر قریش و سردارانِ حجاز حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمان بن ابی بکرؓ نے بیعت نہیں کی تھی۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ حضرات اپنی فضیلت ذاتی و عظمت نسبی کے لحاظ سے اُمت میں بہت اثر و رسوخ رکھتے تھے، ان کا اختلاف کوئی معمولی بات نہ تھی۔ لہٰذا تخت نشین ہوتے ہی یزید کو سب سے پہلے ان کی فکر ہوئی۔ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان

اس زمانے میں مدینہ کا امیر تھا۔ یزید نے اُسے امیر معاویہؓ کے انتقال کی خبر دی اور ان بزرگوں سے بیعت لینے کی تاکید کی۔

ولید بن عتبہ نے اس مہم کو سر کرنے کے لئے مروان بن حکم سے جو مدینہ ہی میں موجود تھا مشورہ کیا۔ مروان نے کہا۔

"عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کی تو فکر نہ کرو یہ تو حکومت کے طلب گار ہی نہیں۔ البتہ حسین بن علیؓ، عبداللہ بن زبیر کو اسی وقت بلاؤ اور یزید کی بیعت پر مجبور کرو۔ اگر نہ مانیں تو زندہ باہر نہ جانے دو۔ اگر امیر کی موت کی خبر مشہور ہو گئی اور ان لوگوں نے بیعت نہ کی تو یہ اپنے اپنے ہواخواہوں کو لے کر میدان میں آ جائیں گے اور مخالفت کا طوفان برپا ہو جائے گا۔"

امام حسینؓ و عبداللہ بن زبیرؓ کا بیعت سے انکار

ولید نے حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا بھیجا۔ یہ دونوں بزرگ اس وقت مسجد میں تھے۔ اس غیر معمولی وقت کے بلاوے سے وہ معاملہ کی تہہ کو پہنچ گئے اور انہوں نے آپس میں کہا "ہو نہ ہو امیر کا انتقال ہو گیا ہے اور ہمیں بیعت کے لئے بلایا جا رہا ہے۔"

امام حسینؓ کچھ آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر ولید کے ہاں پہنچے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو باہر بٹھا دیا اور انہیں سمجھا دیا کہ کسی قسم کا شور و غل سنو تو فوراً اندر چلے آنا۔

ولید نے امام حسینؓ کو امیر معاویہؓ کے انتقال کی خبر دی۔ حضرت امام حسینؓ نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھی اور امیر کے لئے دعائے رحمت مانگی۔ اب ولید حرفِ مطلب زبان پر لایا اور بیعت کی دعوت دی۔ حضرت امامؓ نے فرمایا۔

"مجھ جیسا شخص خفیہ بیعت نہیں کر سکتا۔ آپ عام لوگوں کو اس مقصد کے لئے جمع کیجئے میں بھی اُن کے ساتھ آؤں گا جو سب کی رائے ہو گی وہی کیا جائے گا۔"

ولید بُری طبیعت کا آدمی نہ تھا۔ اُس نے کہا بہت اچھا تشریف لے جائیے۔ امام حسینؓ کے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا۔ بڑے افسوس کی بات ہے تم چاہتے ہو کہ مَیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کروں۔ خدا کی قسم قیامت کے دن جس سے حسینؓ کے خون کا مطالبہ کیا جائے گا وہ بڑا گھاٹے میں رہے گا۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے ولید سے ایک دن کی مُہلت مانگی مگر وہ راتوں رات مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور مکّہ کی راہ لی۔ ولید کو خبر ہُوئی تو اُس نے اپنے آدمیوں کو تعاقب کے لئے بھیجا۔ عبداللہ بن زبیرؓ ایک غیر معروف راستہ سے گئے تھے۔ یہ لوگ ان کی گرد بھی نہ پا سکے اور ناکام واپس آ گئے۔

امام حسینؓ مکّہ کو دوسری رات کو امام حسینؓ بھی اپنی بہنوں ام کلثومؓ اور زینبؓ اور اپنے بھتیجوں اور بھانجوں، ابوبکر، جعفر، عباس اور دوسرے اہلِ بیت کو لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ البتہ آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے مدینہ چھوڑ کر پسند نہ کیا اور رخصت ہوتے وقت یہ نصیحت کی:-

"اے بھائی مجھے تم سے زیادہ عزیز اور محبوب دوسرا کون ہو سکتا ہے مجھے یزید کی بیعت سے انکار کے معاملہ میں تم سے اتفاق ہے تم اس کی بیعت نہ کرنا اور اپنے ہمدردوں کو مختلف مقامات پر بھیج کر اپنی بیعت کی دعوت دینا۔ اگر اہلِ بلاد تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیں تو خدا کا شکر ادا کرنا اور اگر انکار کر دیں تو اس سے بھی تمہاری عزت و فضیلت میں کچھ کمی نہ آئے گی۔ مجھے ڈر یہ ہے کہ تم کسی ایسے شہر میں جاؤ جہاں دو جماعتیں ہو جائیں۔ ایک تمہاری حامی اور دوسری مخالف۔ پھر ان دونوں جماعتوں میں جنگ ہو اور تم سب سے پہلے مقابلہ کے لئے آؤ۔ نتیجہ یہ ہو کہ جو شخص ذاتی و نسبی حیثیت سے بہترین اُمت ہے بدترین طریقہ سے اس کا خون بہایا جائے اور اس کے اہل و عیال کو رسوا کیا جائے۔"

امام حسینؓ نے پوچھا۔ بھائی پھر میں کہاں جاؤں ؟

محمد بن حنفیہ نے جواب دیا کہ تم مکہ میں قیام کرو۔ اگر وہاں اطمینان نصیب ہو فبہا ورنہ ریگستانوں اور کوہستانوں میں نکل جانا اور ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر کرتے رہنا۔ یہاں تک کہ تم اندازہ کر سکو کہ ملک کے حالات کیا رُخ اختیار کرتے ہیں اور کوئی دو ٹوک فیصلہ کر سکو۔ معاملہ کے ہر پہلو پر پہلے غور کر لینا بہتر ہوتا ہے۔ وقت نکل جانے کے بعد پچھتانے سے کچھ نہیں بنتا [۱]

مکہ کے راستہ میں حضرت امام کو عبداللہ بن مطیع ملے۔ حالات معلوم کرنے کے بعد انہوں نے آپ سے عرض کیا :

"حضرت اگر آپ مکہ چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہیں تو کوفہ کا قصد ہرگز نہ فرمائیے گا۔ وہ بڑا منحوس شہر ہے آپ کے والد کو وہیں شہید کیا گیا آپ کے بھائی پر وہیں قاتلانہ حملہ ہوا اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا بلکہ جہاں تک ہو سکے آپ حرم کو نہ چھوڑیئے گا۔ کیونکہ اہلِ حجاز آپ کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دیں گے۔ وہاں بیٹھ کر آپ اپنے حامیوں کو اپنے گرد باسانی جمع کر سکتے ہیں [۲]

ولید نے حضرت ابن عمرؓ کے پاس بھی یزید کی بیعت کے لئے پیغام بھیجا۔ آپ نے جواب دیا۔

"جب سب لوگ بیعت کر لیں گے میں بھی کر لوں گا"

آپ کی طرف سے ولید کو کوئی اندیشہ نہ تھا اس لئے آپ سے اصرار نہ کیا گیا۔

❊

---

[۱] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۷

[۲] اخبار الطوال صفحہ ۲۳۰ ❊

حادثہ شہادتِ عظمٰی

اہلِ کوفہ کے دعوتی خطوط

حضرت امام نے مکہ پہنچ کر شعب ابن طالب میں قیام کیا۔ اہلِ مکہ اور دوسرے مقامات کے لوگ جو حج کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے۔ انہیں جب حضرت کی آمد کا علم ہُوا تو جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ہر وقت یہ لوگ آپ کو گھیرے رہتے اور آپ کی طرفداری و جانثاری کا دم بھرتے۔ عبداللہ بن زبیرؓ خانہ کعبہ کے ایک گوشہ میں مقیم تھے وہ تمام دن نماز و طواف میں گزارتے۔ کبھی کبھی امام حسینؓ کے پاس بھی آتے اور مشوروں میں شریک ہوتے۔

اہلِ کوفہ شروع ہی سے اہلِ بیت کی حمایت کے دعویدار تھے۔ انہی کی وجہ سے حضرت علیؓ نے اپنا دارالخلافہ مدینہ منوّرہ سے کوفہ منتقل کیا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ ان کا یہ دعویٰ کبھی امتحان کی کسوٹی پر پُورا نہ اُترا۔

جب حضرت معاویہؓ کے انتقال کی خبر اہلِ کوفہ کو معلوم ہُوئی تو اُن کو پھر پھریری اُٹھی۔ سلیمان بن صرد خزاعی اُن کا سردار تھا اُس کے مکان پر ایک خفیہ اجتماع ہُوا اور اُس میں یہ طے ہُوا کہ امام حسینؓ کو کوفہ بلایا جائے اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت کو اہلِ بیت میں منتقل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس تجویز کے مطابق عمائدِ کوفہ کی طرف سے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط حضرت امامؓ کو روانہ کئے گئے۔ ان خطوط کا مضمون یہ تھا:-

خدا کا شکر ہے کہ آپ کا حریف موت کی نیند سو گیا ہے۔ اب ہم بغیر امام کے ہیں آپ تشریف لائیں تاکہ آپ کی مدد سے ہم حق پر جمع ہو جائیں نعمان بشیر (امیر کوفہ) کے پیچھے نہ ہم جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور نہ عید کی۔ اور اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اسے شام کی حدود میں دھکیل دیں گے۔" [1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صہ ۸ -

ان خطوط کے علاوہ متعدد رؤساءِ کوفہ نے امام حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوفہ چلنے کی درخواست کی۔

مسلم بن عقیل کی روانگی جب اصرار حد سے بڑھا تو حضرت امام نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو حالات کی جانچ کرنے کے لئے کوفہ بھیجا اور اہلِ کوفہ کو یہ جواب لکھا :۔

"مجھے تمہاری خواہش کا علم ہُوا میں تمہارے پاس اپنے بھائی اور معتمد مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔ یہ خود کل حالات کی تحقیق کر کے مجھے خبر دیں گے۔ اگر مجھے معلوم ہُوا کہ کوفہ کے خواص اور عوام میری خلافت کے خواہش مند ہیں تو انشاء اللہ توقف نہ کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام وہ ہونا چاہیئے جو کتاب اللہ کا عامل اور عدل پرور اور دینِ حق کا فرماں بردار ہو" ؎

مسلم بن عقیل مدینہ ہوتے ہُوئے کوفہ پہنچے اور مختار کے مکان پر اُترے۔ شیعانِ علی کا آپ کے پاس تانتا لگا رہتا۔ یہ گروہ در گروہ آتے۔ مسلم اُنہیں حضرت امام حسینؓ کا خط سناتے۔ یہ رو رو کر عہد کرتے کہ امام حسینؓ کی حمایت میں کسر نہیں چھوڑیں گے اور اپنی جانیں اُن پر قربان کر دیں گے۔

نعمان بن بشیر اس وقت کوفہ کے امیر تھے۔ یہ نیک فطرت اور صُلح جو حاکم تھے ان کو سب واقعات کی اطلاع پہنچ رہی تھی۔ انھوں نے صرف اتنا کیا کہ جامع مسجد میں تقریر کرتے ہُوئے کہا :۔

"لوگو! فتنہ کی طرف نہ دوڑو مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہ کرو۔ اس میں جان کی ہلاکت اور مال کی بربادی ہے۔ مَیں تہمت اور بدگمانی کی بناء پر کسی سے مواخذہ نہیں کرنا چاہتا۔ البتہ اگر تم نے کھلم کھلا مخالفت کا اظہار کیا تو پھر میں چشم پوشی نہ کروں گا"۔

حامیانِ بنی اُمیّہ میں سے ایک شخص نے نعمان کو ٹوک کر کہا۔ اے امیر آپ

کمزوری کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس طرح کام نہ چلے گا۔ مگر نعمان نے یہ جواب دیا۔

"اللہ کی فرماں برداری میں کمزور بننا مجھے اس کی نافرمانی میں طاقت ور بننے سے زیادہ پسند ہے۔"

اسی شخص نے یزید کو کل حالات کی اطلاع دی اور لکھا کہ اگر کوفہ میں اپنی حکومت قائم رکھنی ہے تو کسی سخت آدمی کو بھیجو۔ نعمان جیسے کمزور آدمی سے یہاں کا فتنہ نہ دبے گا۔

یزید نے سرجون رومی کے مشورہ سے عبیداللہ بن زیاد کو جو پہلے سے بصرہ کا والی تھا کوفہ کا بھی والی مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو وہاں سے نکال دو یا قتل کر دو۔

عبیداللہ بن زیاد کی آمد

عبیداللہ بن زیاد اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے کوفہ پہنچا۔

ابن زیاد کوفہ میں داخل ہوا تو وہ منہ پر کپڑا لپیٹے ہوئے تھا۔ یہاں لوگ امام حسینؓ کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ وہ سمجھے کہ حضرت امام تشریف لے آئے ہیں۔ چنانچہ جس طرف سے گزرتا یہ آوازیں بلند ہوتیں۔

"مرحبا اے ابن رسول اللہ! خوش آمدید اے ابن رسول اللہ!"

ابن زیاد نے دوسرے دن جامع کوفہ میں یہ تقریر کی:۔

"مجھے امیرالمؤمنین نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا ہے مجھے مظلوموں کے ساتھ انصاف اور فرمانبرداروں کے ساتھ احسان کرنے اور غداروں اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا ہے میں اس حکم کو بجا لاؤں گا۔ دوستوں کے ساتھ میرا سلوک حقیقی بھائی جیسا ہو گا۔ مخالفوں کو لقمۂ شمشیر بنا دوں گا۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنی جان پہ رحم کرنا چاہیئے۔"

پھر اُس نے حکم جاری کیا کہ تمام میر محلہ اپنے محلّہ کے پردیسی، خارجی اور مشتبہ لوگوں کے نام میرے پاس بھیجیں۔ اگر کسی میر محلہ نے اس حکم کی تعمیل میں کوتاہی

کی اور اس محلّہ میں کسی نے حکومت کی مخالفت میں سر اٹھایا تو میر محلہ کو اس کے مکان کے دروازہ پر پھانسی دیدی جائے گی اور تمام اہلِ محلّہ کے روزینے بند کر کے اُنہیں قید کر دیا جائے گا۔

مُسلم ہانی کے مکان میں مسلم بن عقیل کو جب عبیداللہ بن زیاد کی آمد اور اس کے اس انتظام کی خبر ہوئی تو آپ مختار کے گھر سے نکل کر ہانی بن عروہ مرادی کے مکان پر آئے اور قیام کی اجازت طلب کی۔ ہانی نے کہا آپ مجھے میری طاقت سے زیادہ تکلیف دے رہے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ میرے مکان میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے اب انکار نہیں کر سکتا۔ ہانی نے آپ کے لئے اپنے زنان خانہ میں ٹھہرنے کا انتظام کر دیا۔

ہانی کی گرفتاری شیعانِ حسینؓ نے اب ہانی کے مکان پر جمع ہونا شروع کیا۔ ابنِ زیاد کو جاسوسوں کے ذریعے اطلاع ہوئی تو اس نے ہانی کو طلب کیا اور کہا۔

"ہانی! امیرالمؤمنین کے خلاف تمہارے مکان پر کیا سازشیں ہو رہی ہیں تم نے مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے اور اُن کے لئے آدمیوں اور ہتھیاروں کا انتظار کر رہے ہو۔ پھر یہ بھی سمجھتے ہو کہ ان کارروائیوں کی مجھے خبر نہ ہو گی۔"

ہانی نے انکار کرنے سے کوئی نتیجہ نکلتے نہ دیکھا تو اقرار کر لیا کہ مسلم بن عقیل اس کے مکان پر مقیم ہیں۔ لیکن ذلّت و عار کے خوف سے انہیں ابن زیاد کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ ابن زیاد نے ہانی پر سختی کی اور اپنے محل میں قید کر دیا۔

قصرِ امارت کا محاصرہ مسلم بن عقیل کو جب اپنے میزبان کے قید ہو جانے کی اطلاع ملی تو انہوں نے "یا منصور اُمت" کا نعرہ لگایا۔ مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر اس وقت تک اٹھارہ ہزار آدمی بیعت کر

چکے تھے۔ ان میں سے چار ہزار آس پاس کے مکانوں میں تھے۔ نعرہ سنتے ہی یہ سب باہر نکل آئے۔ مسلم بن عقیل نے انہیں لے کر قصرِ امارت کو گھیر لیا۔ دوسروں کو خبر ہوئی تو وہ بھی مسلم کی مدد کو نکل آئے۔ یہاں تک کہ جامع مسجد اور بازار شیعانِ حسینؓ سے بھر گئے۔

مُسلم کی گرفتاری اور شہادت

ابن زیاد کے پاس اس وقت تیس۳۰ آدمی پولیس کے، بیس معززینِ شہر اور اسکے اہلِ خاندان تھے۔ ابن زیاد نے معززینِ شہر سے کہا کہ آپ لوگ اپنے اپنے قبیلہ والوں پر اپنا اثر استعمال کریں اور انہیں مسلم کا ساتھ چھوڑ دینے کی ترغیب دیں۔ یہ لوگ باہر نکلے اور اپنے اپنے قبیلے والوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کیا اور پھر امان کا جھنڈا بلند کر دیا۔

مسلم بن عقیل کے ساتھی اُن کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر الگ ہونے لگے یہاں تک کہ اُن کے ساتھ صرف تیس۳۰ آدمی رہ گئے۔ مسلم نے یہ حال دیکھا تو پناہ لینے کے لئے کندہ کے محلہ کی طرف چلے۔ محلہ تک پہنچتے پہنچتے بالکل تنہا رہ گئے۔ اندھیری رات تھی تھکن سے چُور چُور تھے۔ حیران تھے کہ کہاں سر چھپائیں۔ ایک بڑھیا عورت دروازہ پر کھڑی نظر آئی۔ آپ اس کے پاس پہنچے اور اپنی داستانِ مصیبت سُنائی۔ اس کو رحم آگیا اور اپنے گھر کی ایک کوٹھڑی میں چُھپا لیا۔

ابن زیاد نے بعد عشاء جامع مسجد میں اعلان کیا کہ جو شخص مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں پناہ دے گا اُسے قتل کر دیا جائے گا اور جو انہیں گرفتار کرائے گا اُسے انعام دیا جائے گا۔ پھر اس نے پولیس کو کوفہ کے تمام مکانات کی تلاشی لینے کا حکم دیا۔ بڑھیا کے بیٹے نے جان کے خوف سے حکومت کے آدمیوں کو خبر دیدی۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو مسلم بن عقیل کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ ابن اشعث نے مسلم بن عقیل کی پناہ گاہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلم کو جب معلوم ہوا کہ دشمن سر پر آگیا ہے تو مردانہ وار تلوار لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ حالانکہ یہ بے چارے تنہا تھے اور

مقابلہ میں ستر آدمی مگر بڑی دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے اور کسی کو اپنے پاس پھٹکنے کا موقع نہ دیا۔

آخر محمد بن اشعث نے کہا۔ ہم آپ کو امان دیتے ہیں آپ بے خطر ہماری پناہ میں آجائیں۔ آپ ہمارے غیر نہیں ہیں۔

مُسلمؓ زخموں سے چُور چُور ہو چکے تھے مجبور ہو کر اپنے آپ کو محمد بن اشعث کے حوالے کر دیا۔ راستہ میں آپ نے ابن اشعث سے کہا میرا خیال ہے کہ تم مجھے قتل سے نہ بچا سکو گے۔ لیکن میری ایک درخواست ہے اسے ضرور قبول کر لو۔ ابنِ اشعث نے پوچھا۔ وہ کیا؟

مسلم بن عقیل نے کہا:۔

"کسی شخص کو بھیج کر میرے حال کی اطلاع میرے بھائی حسینؓ کو کر دینا اور میری طرف سے ان کو کہہ دینا کہ وہ اہلِ کوفہ کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن سے چھٹکارا پانے کی ان کے والد ہمیشہ آرزو کرتے رہے اور کہہ دینا کہ وہ اہل وعیال کو لے کر اپنے وطن کو لوٹ جائیں۔"[1]

محمد بن اشعث نے وعدہ کیا کہ وہ امام حسینؓ کو یہ پیغام پہنچا دے گا۔ چنانچہ اُس نے یہ وعدہ پُورا کیا۔

مسلم بن عقیل ابن زیاد کے سامنے لائے گئے۔ ابن زیاد نے آپ کو بُرا بھلا کہا۔ آپ نے بھی سختی کے ساتھ جواب دیا۔ آخر ابن زیاد نے آپ کو شہید کرا دیا۔

مسلم بن عقیل کے بعد ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کے قتل کا حکم دیا۔ محمد بن اشعث نے شہر میں ہانی کے اثر واقتدار کے خیال سے اس کی جان بخشی کی کوشش کی۔ مگر ابن زیاد نہ مانا اور اسے بھی قتل کرا دیا۔

ابن زیاد نے ان دونوں شہیدوں کے سر یزید کے پاس بھیج دیئے۔ یزید نے

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۴۔

شکریہ ادا کیا اور لکھا :-

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؓ عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ تم پہرہ چوکی کا سختی کے ساتھ انتظام کرو کسی کی طرف سے ذرا بھی بدگمانی ہو تو اُسے قید کر دو۔ البتہ جب تک کوئی تمہارے مقابلہ میں تلوار نہ اُٹھائے تم اُس کے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھاؤ۔" [1]

امام حسینؓ کا عزمِ کوفہ اور ہمدردوں کی نصائح

مسلم بن عقیل جب کوفہ پہنچے اور اُن کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار کوفیوں نے امام حسینؓ کی بیعت کر لی تو اُنہوں نے حضرت امام کو لکھا "آپ بے خطر تشریف لے آئیں۔ اہلِ عراق آپ کے حامی ہیں اور بنی اُمیّہ سے بے زار۔"

اب آپ نے کوفہ کو روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ کے ہمدردوں کو جب علم ہوا تو انہوں نے آپ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ عمر بن عبدالرحمٰن بن حرث نے کہا -

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق کا ارادہ فرما رہے ہیں حالانکہ وہاں کے حکام و امراء بنی اُمیّہ کے ساتھ ہیں اور وہاں کا خزانہ بھی اُن کے قبضہ میں ہے عوام کا کچھ بھروسہ نہیں وہ بندۂ زر ہوتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جو لوگ آپ سے مدد کا وعدہ کر رہے ہیں وہی کل آپ کا مقابلہ کریں گے۔"

حضرت امام حسینؓ نے فرمایا :-

"بھائی میں تمہاری بات مانوں یا نہ مانوں مگر تمہارے ناصح مخلص ہونے میں کلام نہیں۔"

عبداللہ بن عباس نے فرمایا :-

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۵ -

"اے ابن عم یہ شہرت ہے کہ تم عراق کی طرف جا رہے ہو۔ خدا کے واسطے ایسا ارادہ نہ کرنا۔ کیا اہلِ عراق نے بنی اُمیّہ کے حکام کو نکال کر ملک پر قبضہ کر لیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ضرور جاؤ۔ لیکن اگر حالات یہ ہیں کہ ان کے حکام بر سرِ حکومت ہیں خزانہ کی کنجیاں اُن کے ہاتھوں میں ہیں تو اہلِ کوفہ آپ کو اس لئے بلاتے ہیں کہ لڑائی کے شعلوں میں آپ کو دھکیل دیں اور خود الگ ہو جائیں۔ یہی اُنھوں نے آپ کے والد اور بھائیؓ کے ساتھ کیا۔"

آپ نے جواب دیا:۔

"مَیں استخارہ کروں گا۔"

دوسرے دن پھر عبداللہ بن عباسؓ آئے اور کہا اے ابن عمّ آپ کوفہ کے پاس بھی نہ پھٹکئے۔ اہلِ کوفہ غدار ہیں۔ آپ مکّہ میں قیام فرما کر اپنی بیعت کی دعوت دیجئے۔ آپ اہلِ حجاز کے سردار ہیں۔ وہ آپ کی بات مانیں گے۔ اگر مکّہ سے جانا ہی ہے تو یمن جائیے وہ وسیع مُلک ہے وہاں حفاظت کے سامان ہیں اور آپ کے والد کے ہمدرد بھی موجود ہیں۔ وہاں قیام کر کے بلادِ اسلامیہ میں اپنی خلافت کا پیغام بھیجئے مجھے امید ہے کہ آپ کامیاب ہوں گے۔"

امام حسینؓ نے فرمایا:۔

"بھائی مجھے تمہارے مشفق ہونے میں شُبہ نہیں مگر مَیں نے تو عراق روانگی کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔

"اگر یہ فیصلہ اٹل ہے تو عورتوں اور بچّوں کو ساتھ نہ لے جائیے مُجھے ڈر ہے کہ آپ کو حضرت عثمانؓ کی طرح عورتوں اور بچوں کے سامنے خاک و خون میں نہ تڑپایا جائے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ کو معلوم ہُوا تو انھوں نے بھی سمجھایا اور کہا۔

"آپ حرم میں قیام فرما کر اپنی خلافت کی دعوت دیجئے اور شیعانِ عراق

کو لکھئے کہ وہ یہاں آکر آپ کی مدد کریں۔ میں بھی آپ کی اعانت کے لئے حاضر ہوں۔ حرم یوں بھی عالمِ اسلام کا مرکز ہے۔ مختلف بلاد و امصار کے مسلمان یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔"

مگر امام حسینؓ نے جواب دیا۔

"میں نے اپنے والد سے سُنا ہے کہ حرم کا ایک مینڈھا حرم کی حرمت کو زائل کرنے کا باعث ہوگا۔ میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا۔"[1]

امام حسینؓ کوفہ کو آخر آپ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو اہل و عیال، عزیزوں اور رفیقوں کے ساتھ مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مقامِ صفاح پہنچے تو وہاں آپ کو فرزدق شاعر، عراق سے لوٹتا ہوا ملا۔ آپ نے اُس سے وہاں کے حالات پوچھے۔ فرزدق نے کہا۔

"اہلِ عراق کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی اُمیہ کے ساتھ ہیں اور فیصلہ خدا کے اختیار میں ہے۔"

آپ نے فرمایا۔

"تم نے سچ کہا اگر خدا کا فیصلہ ہماری مرضی کے مطابق ہوا تو خدا کا شکر ادا کریں گے اور اگر موت ہماری خواہش کے درمیان حائل ہوگئی تو مضائقہ نہیں کہ ہماری نیت بخیر ہے۔"

آگے چل کر آپ کو آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر ملے۔ انہوں نے آپ سے بڑی تاکید کے ساتھ واپس لوٹ آنے کی درخواست کی اور کہا۔

"مجھے خوف ہے کہ اس راستہ میں آپ کی جان کا ضرر اور آپ کے خاندان کی بربادی نہ ہو۔"

اپنے ساتھ وہ عمرو بن سعید حاکمِ مدینہ سے ایک امان نامہ بھی لکھوا کر لائے

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۵، ۱۶ و اخبار الطوال۔

لائے تھے مگر امام حسینؓ نے اپنا ارادہ نہ بدلا اور سفر جاری رکھا۔

آپ مقامِ ثعلبیہ میں پہنچے تو وہاں آپ کو مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر ملی۔ آپ سے بعض رفیقوں نے کہا۔ آپ کو خدا کی قسم ہے آپ لوٹ چلیں۔ کوفہ میں آپ کا کوئی حامی و مددگار معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن مسلم بن عقیل کے گھر والوں نے کہا ہم تو نہ لوٹیں گے، مسلم کا بدلہ لیں گے یا اپنی جانیں بھی قربان کر دیں گے۔ یہ سُن کر امام حسینؓ نے فرمایا :-

"ان لوگوں کو چھوڑ کر زندگی میں مزہ نہیں ہے۔"

آپ مقامِ زبالہ میں پہنچے تو آپ کو اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن بقطر کی شہادت کی خبر ملی۔ امام حسینؓ نے عبداللہ بن س کو مسلم بن عقیل کے پاس خط دے کر بھیجا تھا۔ یہ جس وقت پہنچے مسلم قتل کئے جا چکے تھے۔ ابن زیاد نے ان کو بھی محل کی چھت سے گرا کر قتل کرا دیا۔

ان خبروں سے آپ کو کوفہ کے حالات کا بہت کچھ اندازہ ہو گیا۔ آپ نے ساتھیوں سے کہا۔

"کوفہ والوں نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے ان سے مدد کی توقع نہیں لہٰذا ہمارے جو ساتھی واپس ہونا چاہتے ہوں وہ بخوشی واپس ہو جائیں ہماری طرف سے اُنہیں پوری اجازت ہے۔"

یہ اعلان سُن کر آپ کے اکثر رفقاء آپ کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ صرف آپ کے خاندان والے اور کچھ مخصوص جانثار ساتھ رہ گئے [1]

مزاحمت

ابن زیاد کو امام حسینؓ کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ اُس نے یزید کی ہدایت کے مطابق مدینہ سے عراق آنے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی تھی اور حر بن یزید تمیمی کو ایک ہزار سوار دے کر امام حسینؓ کا

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صـ۲۱

کھوج لگانے اور انہیں گھیرنے کے لئے آگے بھیج دیا تھا۔
امام حسینؓ مقام "ذی حشم" پہنچے تو وہاں حر بن یزید تمیمی آپ کا کھوج لگاتا آپہنچا اور آپ کے لشکر کے مقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ امام حسینؓ نے اپنے رفقاء کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو پانی پلاؤ اور ان کے گھوڑوں کو سیراب کرو۔ یہ دوپہر میں چلے آرہے ہیں۔
ظہر کی نماز کا وقت آیا تو امام حسینؓ نے حُر سے پوچھا۔ آپ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھیں گے یا علیحدہ؟ حُر نے جواب دیا ساتھ ہی پڑھیں گے۔ چنانچہ دونوں لشکریوں نے ایک ساتھ امام حسینؓ کے پیچھے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد امام حسینؓ نے حُر کے لشکریوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا:۔

"لوگو! میں تم لوگوں کے بلانے سے یہاں آیا ہوں۔ تم نے خطوں میں لکھا، قاصدوں سے کہلا کر بھیجا کہ یہاں آئیے اور ہماری امامت قبول کیجئے۔ اب بھی اگر تم اپنے قائم رہنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے شہر میں چلوں اور اگر میرا آنا ناگوار ہو تو اپنے وطن کو لوٹ جاؤں"۔

حُر نے کہا۔
"یہ آپ خطوں اور قاصدوں کا کیا ذکر کر رہے ہیں ہمیں ان کا کچھ علم نہیں"۔
اس پر امام حسینؓ نے دو تھیلے نکلوا کر کوفیوں کے سامنے خطوں کا ڈھیر لگوا دیا۔ حُر نے کہا۔ خیر ہم نے یہ خط نہیں لکھے ہم تو اس کام پر مامور ہوئے ہیں کہ آپ کو حراست میں لے کر ابن زیاد کے سامنے کوفہ پہنچا دیں"۔
امام حسینؓ نے فرمایا۔
"یہ تو ناممکن ہے"۔
پھر اپنے ساتھیوں کو واپس لوٹنے کا حکم دیا۔
حُر نے مزاحمت کی اور کہا میں آپ کو واپس نہ جانے دوں گا۔ لیکن آپ سے جنگ بھی نہ کروں گا۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا راستہ اختیار کیجئے جو

عراق وحجاز دونوں کے درمیان ہو۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں آپ یزید کو لکھئے۔ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ مجھے آپ کے مقابلہ میں صف آراء نہ ہونا پڑے۔

امام حسینؓ نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور شمال کی طرف رُخ کر کے نینویٰ کے راستہ پر ہو لئے۔ حُر بھی اُن کے ساتھ ساتھ کچھ فاصلہ پر لگا رہا۔ عذیب الہجانات پہنچے تو وہاں طرماح بن عدی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا۔

"کوفہ میں آپ کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں میں نے اتنی بڑی فوج کبھی میدان میں مجتمع ہوتے نہیں دیکھی۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ بنی طے کے مشہور پہاڑ "اجا" پر تشریف لے چلیں۔ یہاں غسان وحمیر کے بادشاہوں کی بھی کبھی رسائی نہ ہوسکی۔ اگر آپ وہاں تشریف لے چلیں تو بنی طے کے بیس ہزار جانثاروں کا ذمہ دار میں ہوں جن کی تلواریں آپ کی حمایت میں بلند ہوں گی۔"

مگر امام حسینؓ نے شکریہ کے ساتھ اُن کی پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا:-

"حُر سے جو میرا قول و اقرار ہو چکا ہے میں اُس کے خلاف نہ کروں گا۔"

نینویٰ پہنچے تو حُر کو ابن زیاد کا خط ملا جس میں لکھا تھا:-

"حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کو فوراً روک لو اور اُنہیں ایسی جگہ اُترنے پر مجبور کرو جہاں کوئی اوٹ اور پانی نہ ہو۔"

حُر نے یہ خط امام حسینؓ کو دکھا دیا۔ آپ نے فرمایا کچھ دُور آگے چلنے دو۔ پھر ہم اُتر جائیں گے۔ حُر راضی ہو گیا۔ جب آپ مقامِ کربلا میں پہنچے تو حُر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہا اب میں آگے نہ بڑھنے دوں گا یہاں اُتر جائیے۔ فرات بھی یہاں سے قریب ہے۔ امام حسینؓ اور آپ کے ساتھی ۲ محرم ۶۱ھ کو میدانِ کربلا میں اُتر گئے۔

میدانِ کربلا میں قیام کربلا میں اُترنے کے دوسرے دن عمر بن سعد بن وقاص بھی اپنے چار ہزار سپاہیوں کو ساتھ لیکر آن پہنچا۔ عمر بن سعد بن وقاص کو ابنِ زیاد نے ری اور سرحد ویلم کا حاکم مقرر کیا تھا۔ وہ اپنے علاقہ میں جانے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی کی اطلاع پہنچی اور ابن زیاد نے اُسے اُن کی مدافعت کا حکم دیا۔ عمر بن سعد نے معافی چاہی۔ مگر ابن زیاد نے کہا اگر اس کی خدمت میں تامل ہے تو ری اور سرحد دیلم کی ولایت سے دستبردار ہو جاؤ۔ عمر بن سعد نے حکومت کے لالچ سے اس حکم کی تعمیل کو منظور کر لیا۔ مگر وہ امام حسینؓ سے لڑنا نہیں چاہتا تھا اس لئے آخر وقت تک مفاہمت کی کوشش کی۔

عمر بن سعد نے امام حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر پوچھا۔ آپ کس غرض سے آئے ہیں؟

امام حسینؓ نے جواب دیا "مجھے اہلِ کوفہ نے خط لکھے تھے کہ "ہمارا کوئی امام نہیں ہے، آپ تشریف لائیے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں" میں اُن کی تحریر پر بھروسہ کر کے چل پڑا۔ بعد میں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی اور میرے ساتھ غداری کی۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے اپنے وطن کو واپس جانا چاہا۔ مگر حُر بن یزید نے مجھے واپسی کیلئے اجازت نہ دی۔ اب تم میرے قریبی رشتہ دار ہو مجھے چھوڑ دو کہ مدینہ میں واپس چلا جاؤں"۔

عمر نے یہ جواب سُن کر کہا "الحمد للہ! خدا کی قسم! میں تو خود چاہتا ہوں کہ حسینؓ کے خون سے میرے ہاتھ رنگین نہ ہوں"۔

پھر اس نے ابن زیاد کو امام حسینؓ کے ارادے سے مطلع کیا۔

ابن زیاد نے جواب دیا۔

"حسینؓ سے یزید کی بیعت لے لو۔ اس کے بعد ہم کسی بات پر غور

کریں گے۔ اگر بیعت نہ کریں تو اُن کا پانی بند کر دو "

پانی کی بندش ۷ محرم کو عمر بن سعد نے فرات کا پانی امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر بند کر دیا اور دریا پر پانچ سو سواروں کا پہرہ بٹھا دیا۔ امام حسینؓ نے اپنے بہادر بھائی عباس بن علیؓ کو پانی لانیکا حکم دیا۔ یہ تیس سواروں اور بیس مشکیزہ برداروں کو اپنے ساتھ لے کر گئے اور زبردستی پانی لے آئے۔

تاکید جنگ عمر بن سعد امام حسینؓ سے لڑنا نہیں چاہتا تھا اس کی دلی خواہش تھی کہ کوئی مصالحت کی صورت نکل آئے اور اس کی تلوار اہل بیتِ نبوی کے خون سے رنگین نہ ہو۔ اس مقصد کے لئے وہ لڑائی کو ٹالتا رہا۔ اور حضرت امامؑ سے بار بار ملاقاتیں کیں۔

ایک رات حضرت امام اور عمر بن سعد دونوں لشکروں کے درمیان جمع ہوئے اور رات گئے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت امام حسینؓ نے عمر بن سعد سے کہا :۔

"ہم دونوں اپنے اپنے لشکروں کو یہیں چھوڑ دیں اور یزید کے پاس چل کر زبانی معاملہ طے کر لیں "

ابن سعد نے کہا :۔

"ابن زیاد میرے گھر کو کھدوا پھینکے گا "

امام حسینؓ نے فرمایا :۔

"اچھا تو مجھے اپنے وطن واپس جانے دو یا کسی اور طرف نکل جانے دو، پھر حالات جو کچھ فیصلہ کریں "

لیکن ابن سعد نے اس تجویز کو قبول کرنے سے بھی معذوری کا اظہار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف قیاسات ہیں۔ ابن سعد سے حضرت امامؑ کی جو کچھ گفتگو ہوئی وہ رازدارانہ ہوئی۔ کوئی تیسرا شخص اس میں شریک نہ تھا۔ تاہم یہ واقعہ

ہے کہ ابنِ سعد نے ان مذاکرات کی روشنی میں قضیہ کے حل کی ایک درمیانی صورت کو پالیا اور اپنی رائے سے ابن زیاد کو مطلع کیا۔

ابن زیاد کو ابن سعد اور امام حسینؓ کی گفتگوؤں کی رپورٹیں پہنچ رہی تھیں۔ اس کو اندیشہ ہُوا کہیں ابن سعد، امام حسینؓ سے نہ مل جائے اور بنا بنایا کھیل نہ بگڑ جائے۔ چنانچہ اُس نے شمر ذی الجوشن کے مشورہ سے ابن سعد کو لکھا۔

"میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم حسین کے مقابلہ سے جان بچاؤ یا اُنہیں غلط امیدیں دلاؤ یا لڑائی کو طول دو یا میرے سامنے اُن کے سفارشی بن کر آؤ۔ حسینؓ اگر بلا شرط اطاعت قبول کریں تو انہیں میرے پاس بھیج دو۔ اگر انکار کریں تو اُن سے جنگ کرو اور قتل کر دو۔ اگر تمہیں اس حکم کی تعمیل میں پس و پیش ہو تو میں شمر ذی الجوشن کو بھیج رہا ہوں تم فوج اس کے حوالہ کرو اور اپنے آپ کو معزول سمجھو۔"

ابن زیاد کی اس دھمکی کے بعد ابن سعد بادلِ نخواستہ اُٹھا اور لشکر کو لڑائی کی تیاری کا حکم دیا۔ یہ واقعہ ۹ر محرم کی شام کا ہے۔

امام حسینؓ کو معلوم ہُوا تو آپ نے ایک رات کی مُہلت چاہی۔ ابن سعد نے مہلت دے دی۔ حضرت امام کو اب یقین ہو گیا تھا کہ راہِ حق میں ان کو اپنے سر کی قربانی پیش کرنی پڑے گی۔ دُشمن اُن کے خون سے اپنی پیاس بجھائے بغیر نہ مانیں گے۔ آپ نے اپنے تمام رفیقوں اور عزیزوں کو جمع کر کے فرمایا۔

"میں نے اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور نیک ساتھی کہیں نہیں دیکھے اور اپنے اہلِ خاندان سے زیادہ صالح اور رشتہ داری کا لحاظ رکھنے والے کسی کے عزیز نہیں پائے۔ خدا تم سب کو جزائے خیر دے۔ کل کا دن میرے اور دشمنوں کے درمیان آخری فیصلہ کا ہے۔ انہیں صرف میری ضرورت ہے اس لئے میں تم سب کو بخوشی واپسی کی اجازت دیتا ہوں۔ میرے رفیق میرے اہلِ خاندان کو لے کر رات کے اندھیرے میں نکل جائیں اور اپنے

اپنے شہروں میں پہنچ کر بہتر زمانے کا انتظار کریں"۔

مگر آپ کے فدا کار ساتھیوں اور جانثار عزیزوں نے بیک زبان کہا۔
"ہم آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ خدا ہمیں اُس دن کے لئے زندہ نہ رکھے"۔

یہ جواب سُن کر آپ خاموش ہو گئے۔ دیر تک نقشۂ جنگ کے متعلق ہدایات دیتے رہے اور اپنے اہل بیت کو وصیتیں کرتے رہے۔ آپ کی بہن زینب بنت علیؓ نے زیادہ بے چینی کا اظہار کیا تو فرمایا :-

"اے بہن صبر کرو۔ دیکھو اہلِ زمین اور اہلِ آسمان سب کے لئے فنا ہے، خدا کی ذات کے سوا کسی کو بقا نہیں۔ ہمیں اور ہر مسلمان کو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اے بہن تمہیں خدا کی قسم ہے اگر میں راہِ حق میں سرخرو ہوں تو تم میرے ماتم میں گریبان چاک نہ کرنا، چہرہ کو نہ نوچنا، وائے ویلا نہ کرنا"۔ [1]

ان انتظامات سے فارغ ہو کر آپ نے اپنی پیشانی بارگاہِ رب العزت میں میں جھکا دی اور تمام رات اپنے مولیٰ سے راز و نیاز میں معروف رہے۔ آپ کے ساتھی بھی رات بھر نماز، استغفار، تضرع اور دُعا میں مشغول رہے۔

صُبحِ شہادت

آخر گریبانِ صُبحِ عاشورہ چاک ہُوا۔ آفتاب خونیں آنسوؤں کی لڑیاں بکھیرتا ہُوا طلوع ہُوا۔ حضرت امام حسینؓ نماز فجر سے فارغ ہو کر اپنے بہتر جانثاروں کو ساتھ لے کر میدان میں آ گئے۔ میمنہ پر زہیر بن قین کو، میسرہ پر حبیب بن مطہر کو متعین فرمایا اور عباس بن علیؓ کو علم مرحمت ہُوا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ قرآن مجید منگا کر سامنے رکھا اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۴۳۔

ہر چند آپ کو یقین نہ تھا کہ کوئی کوشش کارگر ہو گی تاہم آپ نے اتمام حجت کے لئے کوفیوں کو مخاطب کر کے حسب ذیل تقریر فرمائی :-

"اے لوگو! ذرا ٹھہرو، میری بات سنو کہ میں اپنی ذمہ داری پوری کر دوں۔ اگر تم نے میری بات کو سنا اور میرے ساتھ انصاف کیا تو تم سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں لیکن اگر تم اس کے لئے تیار نہ ہوئے تو تمہاری مرضی، معاملہ کا ہر پہلو تم پر واضح ہو جائے گا اور تمہیں اختیار ہو گا جو چاہو سو کرو۔ اور میرے ساتھ کوئی کسر نہ اٹھا رکھو۔ میرا مددگار میرا اللہ ہے۔"

حضرت امام اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ زنانہ خیمہ سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ آپ فرمانے لگے۔

"عبداللہ بن عباس نے سچ کہا تھا ہمیں عورتوں کو نہیں لانا چاہیئے تھا۔"

پھر آپ نے عباس بن علیؓ کو عورتوں کو خاموش کرنے کے لئے بھیجا جب وہ خاموش ہو گئیں تو آپ پھر سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:-

"اے لوگو! ذرا سوچو کہ میں کون ہوں، پھر غور کرو کہ تمہارے لئے مجھے قتل کرنا اور میری بے حرمتی کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں۔ کیا میں ان کے ابن عم علی مرتضیٰ کا فرزند نہیں۔ کیا سید الشہداء حمزہ میرے والد کے چچا نہ تھے۔ کیا جعفر شہید طیار میرے چچا نہ تھے؟ کیا ہم دونوں بھائیوں کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مشہور حدیث تم نے نہیں سنی۔

اے حسن و حسین! تم جنت کے سردار ہو اور اہل سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔"

اگر میرے بیان پر اعتبار نہ ہو، حالانکہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابی ابھی زندہ ہیں ان سے

پوچھ لو، کیا اس کے بعد بھی تم میرا خون بہانے سے باز نہ آؤ گے۔ کیا تمہیں اس قول نبی کی صداقت میں شک ہے یا اس بات میں شک ہے کہ میں حسین فاطمہ زہرا کا بیٹا نہیں ہوں۔ اگر تمہیں دوسری بات میں شک ہے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں مشرق و مغرب میں میرے سوا کوئی نبی کا نواسا اور فاطمہ کا لال نہ ملے گا۔

تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو؟ کیا میں نے تمہارے کسی آدمی کا خون بہایا ہے؟ کیا تم میں سے کسی کا مال غصب کر لیا ہے؟ کیا تمہارے کسی آدمی کو زخمی کر دیا ہے"

اس کے بعد آپ نے کچھ سرداران کوفہ کو نام بنام پکار کر کہا۔ کیا تم لوگوں نے مجھے خطوط بھیج کر نہیں بلایا؟

ان لوگوں نے جواب دیا۔

"نہیں! ہم نے آپ کو نہیں بلایا"

آپ نے فرمایا۔

"تم نے ضرور بلایا۔ لیکن اگر اب تمہیں میری آمد ناپسند ہے تو مجھے اپنی پناہ کی جگہ واپس جانے دو"

ایک شخص نے کہا آپ میرے چچیرے بھائی (ابن زیاد) کا فیصلہ کیوں نہیں قبول کر لیتے۔ یہ آپ کے لئے بہتر ہوگا۔

آپ نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم میں ذلیلوں کی طرح اپنا ہاتھ دشمنوں کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا اور غلاموں کی طرح ان کی بندگی کا اقرار نہیں کر سکتا۔ میں ہر متکبر سے جس کا روزِ حساب پر ایمان نہیں ہے خدا کی پناہ مانگتا ہوں"[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۵، ۲۶۔

حُر بن یزید امام حسینؓ کے قدموں میں

امام حسینؓ کی یہ تقریر کوفیوں پر کوئی اثر نہ کر سکی۔ البتہ حُر بن یزید تمیمی آہستہ آہستہ گھوڑا بڑھاتا ہُوا آیا۔ جب قریب پہنچا تو ایک ایڑ مار کر لشکرِ اہلِ بیت میں شامل ہوگیا۔ اس نے امام حسینؓ سے کہا۔

"اے فرزندِ رسول اللہ! میں ہی وہ شخص ہوں جس نے سب سے پہلے آپ کو روکا تھا۔ مگر مجھے خبر نہ تھی کہ میری قوم بدبختی کی اس حد تک جا سکے گی اور جنگ کے سوا کسی مناسب تجویز کو قبول نہ کرے گی۔ اب میں آپ کے قدموں میں حاضر ہوں اور جب تک جسم کا جان سے تعلق ہے آپ کا حق رفاقت ادا کروں گا۔ اللہ کے واسطے بتائیے کیا میرا یہ فعل میرے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو سکے گا؟

حضرت امامؓ نے خوش ہو کر فرمایا:۔

"ضرور اے حُر دُنیا میں بھی تیرا نام حُر (آزاد) ہے۔ انشاءاللہ آخرت میں بھی تُو عذابِ دوزخ سے آزاد ہی رہے گا۔"

اب حُر نے اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا۔

"اے قوم! کیا یہ ممکن نہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ تجویزوں میں سے کوئی تجویز قبول کر لو اور اُن کے مقابلہ میں تلوار اُٹھانے کی لعنت سے بچ جاؤ۔"

عمر بن سعد نے کہا۔ میں تو مصالحت کو پسند کرتا تھا مگر یہ بات میرے اختیار میں نہیں۔"

اس کے بعد کوفیوں کی طرف سے ایک تیر پھینکا گیا اور جنگ شروع ہو گئی۔

شہادتِ حسینؓ

پہلے مبارزت شروع ہوئی۔ دونوں طرف سے ایک ایک شخص نکلتا اور اپنے حریف سے لڑتا۔ مگر اس طرح کوفیوں کو بہت نقصان ہُوا۔ عبداللہ بن عمیر کلبی، بریر بن خفیر، حُر بن یزید تمیمی اور نافع بن

بلال نے اپنے حریفوں کو گاجر مُولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر دشمن کی فوج میں سے عمر بن حجاج نے چیخ کر کہا :-

"اے شہسوارو! تمہیں معلوم ہے کہ کس سے لڑ رہے ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لے کر نکلے ہیں۔ ان سے مبارزہ کسی طور ممکن نہیں۔ مجموعی طور پر حملہ کرو۔ یہ ہیں ہی کتنے۔ خدا کی قسم! اگر تم لوگ ان پر پتھر بھی برساؤ تو نہ بچیں"۔

اب عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مٹھی بھر جان نثارانِ اہلبیت نے ٹڈی دل کوفیوں کا منہ پھیر دیا۔ بہادرانِ فوجِ حسینی جدھر نکل جاتے تھے دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے۔ مگر دونوں گروہوں کی تعداد میں کوئی نسبت نہ تھی۔ دوپہر کے ڈھلنے تک آپ کے تمام ساتھی پروانہ وار شمع بیت نبوت پر قربان ہو گئے۔

اب جوانانِ اہلِ بیت کی باری آئی۔ علی اکبر بن حسینؓ، عبداللہ بن مسلم بن عقیل، عدی بن عبداللہ بن جعفر، عبدالرحمٰن بن عقیل، محمد بن عقیل، قاسم بن حسین ابن علی، ابوبکر بن حسینؓ بن علیؓ، اپنی اپنی شمشیر آبدار کے جوہر دکھا کر نوجوانانِ جنت کے سردار پر نثار ہو گئے۔

آخر میں حضرت امام کے ساتھ اُن کے چار بھائیوں عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان کے سوا کوئی نہ رہا۔ جب تک سینہ میں دم رہا یہ ہر وار کو اپنے سینہ پر لیتے رہے۔ آخر ایک ایک کر کے راہیِ جنت ہوئے۔

اب حضرت امام حسینؓ تنہا تھے۔ زخموں سے چُور چُور تھے۔ پیاس سے بیتاب تھے۔ مگر آپ کی بہادری، جوش اور ہمت میں کوئی کمی نہ تھی۔ جس طرف بھی آپ کی تلوار چمکتی دشمنوں کے بادل چھٹتے چلے جاتے۔ آخر آپ نڈھال ہو کر زمین پر بیٹھ گئے اور بڑی دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ مگر دشمنوں کو اس زخمی شیر پر حملہ کرنے کی جُرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ کے خون سے اپنی قسمت پر شقاوت کی

آخری مُہر لگانے سے ہر شخص گریز کرتا تھا۔
آخر شمر نے چیخ کر کہا۔
"اب کیا انتظار ہے؟ قتل کیوں نہیں کرتے؟"
حضرت امام نے اپنے خشک ہونٹوں کو پانی کا پیالہ لگایا تھا کہ حصین بن نمیر نے تاک کر ایک تیر مارا جو آپ کے حلقوم میں پیوست ہو گیا۔ آپ گرتے پڑتے فرات کی طرف چلے، لیکن دشمن چاروں طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑے۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ پر تلوار کے وار کئے، سنان بن انس نخعی نے نیزہ مار کر آپ کو زمین پر گرا دیا اور تلوار سے سرِ اقدس کو جُدا کر دیا۔[1]
آپ کے جسم مبارک پر تینتیس ۳۳ زخم نیزہ کے اور تینتیس زخم تلوار کے تھے اور تیر کے زخم ان کے علاوہ تھے۔
آپ کی شہادت کے بعد ظالموں نے اہلِ بیت کے خیموں کی طرف رُخ کیا جو کچھ سازو سامان تھا، سب لُوٹ لیا۔ یہاں تک کہ عورتوں کی چادریں تک کھینچ لیں۔ آپ کے صاحبزادے زین العابدین، علی اصغر بیماری کی حالت میں خیمہ میں لیٹے ہوئے تھے۔ شمر نے ان کو بھی شہید کرنا چاہا، مگر عمر بن سعد نے کہا عورتوں کے خیمہ میں نہ گھسو اور بچوں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔
شہادتِ عُظمیٰ کا یہ حادثۂ کبریٰ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ کو جمعہ کے دن پیش آیا۔
اگلے دن اہلِ غاضریہ نے نمازِ جنازہ ادا کر کے شہداء کی لاشوں کو اُسی میدان میں دفن کیا۔ حضرت سید الشہداء کا سرِ مبارک اور دوسرے شہداء کے سر چونکہ دُشمن اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس لئے جسم بغیر سَر کے سپردِ خاک ہوئے۔
رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ شاملۃ کاملۃ

---

[1] اخبار الطوال صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶۔

اہلبیت کا قافلہ شام کو اس حادثۂ عظمٰی کے بعد اہلِ بیت کا قافلہ ابنِ زیاد کے پاس کوفہ بھیجا گیا اور شہدائے کرام کے سر اس کے دربار میں پیش کئے گئے۔ ابنِ زیاد نے حضرت امام حسینؓ کے دندانِ مبارک کو ایک چھڑی سے کھٹکھٹایا۔ حضرت زید بن ارقم صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف رکھتے تھے۔ آپ اس بے ادبی کو برداشت نہ کرسکے۔ فرمانے لگے :-

"واللہ! میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ہونٹوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے ان کی بے ادبی نہ کرو"

یہ فرماکر آپ بے اختیار رو پڑے۔ ابن زیاد نے کہا۔"اگر تم سٹھیا نہ گئے ہوتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا" حضرت زید بددُعا فرماتے ہوئے مجلس سے اُٹھ گئے۔

ابن زیاد نے اہلبیت کے اس قافلہ اور شہدائے کرام کے سروں کو شمر کے زیرِ نگرانی یزید کے پاس دمشق بھجوا دیا۔

یزید کے دربار میں جب امام حسینؓ کا سرِ مبارک رکھا گیا اور شمر نے ایک تقریر میں اپنی اور اپنے رفیقوں کی کارگزاری فخریہ بیان کی تو یزید نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

"افسوس تم پر اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا خدا کی لعنت ابنِ مرجانہ پر، اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو خدا کی قسم! میں حسینؓ کو معاف کر دیتا۔ خدا ان پر اپنی رحمت نازل کرے"۔ [1]

ہند بنت عبداللہ بن عامر یزید کی بیوی، چادر کا گھونگٹ کرکے دربار میں نکل آئی اور کہنے لگی اے امیر المومنین! کیا یہ جگر گوشۂ رسولؐ، حسین بن فاطمہؓ کا سر ہے۔ یزید نے جواب دیا :-

---

[1] اخبار الطوال صفحہ ۱۵۸۔

"ہاں! یہ حسینؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کا سر ہے۔ تم اس پر ماتم کرو۔ خدا ابنِ زیاد کو قتل کرے اس نے جلد بازی سے کام لے کر ان کو قتل کر دیا۔" [۱]

پھر یزید نے درباریوں کی طرف خطاب کر کے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ یہ حادثہ کیوں پیش آیا؟ حسینؓ نے کہا میرے باپ حضرت علی، یزید کے باپ سے بہتر ہیں۔ میری ماں سیدہ فاطمہ زہرا اس کی ماں سے بہتر ہیں۔ میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نانا سے بہتر ہیں۔ اور میں خود اس سے بہتر ہوں اور خلافت کا زیادہ حق دار ہوں۔ جہاں تک باپ کا تعلق ہے میرے باپ اور اُن کے باپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا۔ دُنیا جانتی ہے کہ خدا نے میرے باپ کے حق میں فیصلہ کیا۔ البتہ ان کی ماں فاطمہ بنت رسولؐ اللہ میری ماں سے بہتر ہیں اور اُن کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نانا سے بہتر ہیں۔ ہر شخص جو اللہ، یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمسر نہیں قرار دے سکتا۔ البتہ اُنہوں نے معاملہ کو سمجھا نہیں اور قرآن کی اس آیت پر اُن کی نظر نہیں گئی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ" [۲]

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یزید کے یہ الفاظ دل سے نکل رہے تھے یا زبان سے؟ اور اسکے یہ آنسو رنج و ندامت کے تھے یا ڈپلومیسی اور سیاست کے کہ تاریخِ عالم میں دوسری قسم کے آنسوؤں کی مثالیں بھی بہت ملتی ہیں۔ برادرانِ یوسف بھی یہ آنسو بہا چکے ہیں "وجاءوا اباھم عشاءً یبکون"۔ [۳]

---

[۱] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳۵ [۲] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳۵

[۳] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳۶

اہل بیت کی واپسی وطن

یزید نے خاندانِ نبوت کی عورتوں کو اپنی حرم سرا میں ٹھہرایا۔ چونکہ دونوں خاندانوں میں رشتہ داری تھی اس لئے خاندانِ یزید کی تمام عورتیں اُن کے پاس آئیں اور اُن کے رنج میں شریک ہوئیں اور شہداء کا ماتم کیا۔ یزید دونوں وقت امام زین العابدین علی بن حسین کو اپنے ساتھ شاہی دسترخوان پر کھانا کھلاتا تھا۔

چند روز خاطر و مدارت کے ساتھ ٹھہرانے کے بعد یزید نے اہل بیت کے قافلہ کو کچھ سامان دے کر ایک معتبر اور نیک آدمی کی نگرانی میں مدینہ منورہ روانہ کرا دیا۔

رخصت کرتے وقت یزید نے امام علی بن حسین سے کہا :-

"جو کچھ خدا کی مرضی تھی ہُوا اور میری منشاء کے خلاف ہُوا۔ اگر ملعون ابنِ زیاد کی جگہ میں ہوتا تو یہ صورت ہرگز پیش نہ آتی۔ حسینؓ میرے سامنے جو تجویز پیش کرتے اُسے قبول کر لیتا اور اُن کی جان کو ضائع نہ ہونے دیتا۔ صاحبزادے تمہیں جو ضرورت پیش آیا کرے مجھے لکھ دیا کرنا"۔ [1]

سکینہ بنتِ حسینؓ یزید کے اس سلوک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں۔ چنانچہ آپ فرماتی تھیں :-

"میں نے منکرینِ خدا میں یزید بن معاویہ سے بہتر کسی کو نہیں پایا"۔ [2]

حسینؓ و یزید

یہ حادثۂ فاجعہ تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک واقعہ ہے۔ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے نصف صدی بعد آپ ہی کے نام لیوا آپ کے اہلبیت کو انتہائی شقاوت کے ساتھ ذبح کر دیں۔ حقیقی فیصلہ تو وہ حاکمِ مطلق ہی کرے گا

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳۶ [2] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳۵

جو دلوں کے بھیدوں کا جاننے والا ہے اور ہر کھلے ڈھکے سے واقف ہے۔ تاہم ایک مؤرخ کی ذمّہ داری ہے کہ وہ اپنی دانست کے مطابق واقعات پر ایک نظر ڈالے۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی اہم اقدام سے پہلے جس کا تعلق اسلام کے اجتماعی مسائل سے ہو، یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ مصلحتِ اُمّت اس کی متقاضی ہے یا نہیں؟ پھر یہ بھی غور کر لینا چاہیئے کہ اس کے لئے مناسب اسباب ظاہری بھی موجود ہیں یا نہیں؟ یہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ یزید ایک فاسق و فاجر شخص تھا اور اس سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ جیسے جامع فضائل بزرگوں کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی اس لئے اس کی خلافت اسلام کے بلند پایہ نصب العین کی تکمیل کے لئے کوئی ضمانت پیش نہیں کر سکتی تھی۔

بے شک اسلام کا نظامِ شوریٰ اس وقت معطل ہو چکا تھا۔ لیکن اس جسم نیم جان میں ابھی حرارت باقی تھی۔ حضرت امام نے اس ڈھانچہ پر دوبارہ روحِ حیات خارج کرنے کی کوشش کی۔

حسنِ اتفاق سے اس نظام کی برہمی کی صورت میں انعقادِ خلافت کی جو دوسری شرط تسلطِ کامل ہے وہ بھی موجود نہ تھی۔

حضرت معاویہؓ کے زمانے میں یزید کی بیعت کو اگر اصولاً جائز تسلیم کیا جائے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول لا ابایع لامیرین فی زمان واحد نظرانداز بھی کر دیا جائے تو بھی اس بیعت کا تحقق خود محل نظر ہے۔

اسلام کے تین سیاسی مرکزوں میں سے شام تو دل و جان سے بنی اُمیّہ کے ساتھ تھا۔ عراق کی بیعت کا یہ حال تھا کہ عراقی نمائندوں کی رائے عراقی اُمراء نے چاندی سونے کی ٹکلیوں کے ذریعہ خریدی تھی۔ عام اہلِ عراق اس کے ذمّہ دار نہ تھے۔ خود امیر معاویہؓ اس سے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ جب عراق سے عراقی نمائندوں کا وفد دمشق پہنچا تو آپ نے امیر وفد سے پوچھا۔

بکم اشتری ابوك من هؤلاء دینهم۔ "تمہارے والد نے ان لوگوں سے ان کا دین کس قیمت پر خریدا"

تو اس نے جواب دیا :۔

باربعمائة دینار[1] "چار سو دینار میں۔"

رہ گئے اہلِ حجاز! اُن کی رائے مذکورہ بالا چاروں بزرگوں کی رائے کے تابع تھی اور جب فی الحقیقت ان بزرگوں نے یزید کی بیعت کی ہی نہ تھی تو عام اہلِ حجاز کی بیعت کے اعتبار کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد اہلِ حجاز دل وجان سے ان بزرگوں کے حامی تھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ بنی اُمیہ کا تسلط حجاز میں باوجود "واقعہ حرہ" جیسے خونین مناظر کی نمائش کے، حضرت معاویہؓ کی وفات سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت تک قائم نہ ہو سکا۔

اہلِ عراق نے بھی خطوط اور وفود کے ذریعے حضرت امام کو یقین دلایا کہ ان کا کوئی امام نہیں ہے اور وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے منتظر ہیں۔

بہرکیف حضرت امام کا اس وقت اس مقصدِ جلیل (احیاء نظامِ خلافتِ راشدہ) کے لئے اٹھ کھڑا ہونا جہاں تک مصلحتِ اُمت کا تعلق ہے اس کے مطابق تھا۔ اور اگر وہ خلافت کے خواہش مند بن کر کھڑے ہوئے تو یہ اُن کی خواہش بجا تھی۔

ب رہا یہ مسئلہ اسبابِ ظاہری کی فراہمی کا، بعد کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرت امام کی اجتہادی غلطی تھی۔ انہوں نے اپنی سرگرمی کا مرکز عراق کو بنانا تجویز کیا اور بار بار آزمانے کے بعد کہ عراق کے لوگ بزدل، لالچی اور ناقابلِ اعتبار ہیں، ان کی امداد کے بھروسہ پر حجاز کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۸۔

اگر حضرتِ امام اپنے بہی خواہوں اور ہمدردوں کی رائے کو مان لیتے اور قلب اسلام کو اپنی دعوت کا مرکز بناتے تو حالات کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ لیکن زبانِ قلم خاموش ہو جاتی ہے جب ابن اثیر کی اس روایت پر نظر پڑتی ہے :-

حضرت امام جب اپنے دوستوں کی رائے کے خلاف مکہ معظمہ سے روانہ ہو لئے، تو اُن کے بھائی عبداللہ بن جعفر نے اُنہیں راستہ میں جا لیا اور باصرار واپسی کی درخواست کی۔ حضرت امام نے اُنہیں بھی ٹالنا چاہا۔ مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے تو آپ نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ آپ نے فرمایا :-

"میں نے خواب میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے آپ نے مجھے ایک کام کر گزرنے کا حکم دیا ہے۔ میں اس کو ضرور کروں گا خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو"

عبداللہ بن جعفر نے پوچھا۔

"وہ کیا کام ہے ؟"

آپ نے جواب دیا :-

"یہ نہ میں نے کسی کو بتایا ہے اور نہ بتاؤں گا جب تک اپنے رب کے دربار میں حاضر نہ ہو جاؤں"۔ [1]

جب بات یہ تھی تو یہاں اسباب ظاہری کی فراہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ اِس علمی بحث کو چھیڑنے کی ضرورت ہے کہ "خواب حجت شرعی ہے یا نہیں؟" کہ یہ دُنیائے عشق و محبت ہے اور اس دُنیا کے آئین نرالے ہوتے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۷

واقعۂ حرّہ

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ عالمِ اسلام میں یزید کی اس حرکت پر نفرت کا اظہار کیا گیا اور حجاز میں مدینہ سے مکہ تک مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ معظمہ میں اس حادثہ کی خبر سن کر مجمع عام میں ایک پُرجوش تقریر کی۔ آپ نے فرمایا :-

"اہلِ عراق بڑے غدار اور فاجر ہیں اُنھوں نے امام حسینؓ کو بڑے بڑے وعدے کر کے بلایا۔ جب آپ تشریف لے گئے تو آپ کو گھیر لیا اور مجبور کیا کہ یا وہ غیر مشروط طور پر ابن زیاد کی اطاعت قبول کریں اور یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ حسینؓ نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ اپنے ٹڈی دَل دشمنوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔ اہلِ عراق کی یہ غداری و بدعہدی قابلِ عبرت ہے، لیکن جو خدا کو منظور تھا وہ ہُوا۔ کیا حسینؓ کی شہادت کے بعد ہم ان لوگوں کے قول و فعل کا اعتبار کر سکتے ہیں۔ واللہ دشمنوں نے اُس شخص کو شہید کیا ہے جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت کرتا تھا، بزرگی اور دین میں ان سے کہیں بڑھ کر تھا اور خلافت کا اُن سے کہیں زیادہ حق دار تھا جو قرآن کی ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو خدا کے خوف سے رونے کے مقابلہ میں گانے بجانے کو روزوں کے مقابلہ میں شراب خواری کو، مجلس میں بیٹھ کر ذکر اللہ کے مقابلے میں شکاری کتوں کے ذکر کو پسند نہیں کرتا تھا۔"

آپ کی اس تقریر کے بعد لوگوں نے آپ سے کہا حسین بن علیؓ کے بعد اب آپ ہی کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں۔ لہٰذا اپنی خلافت کی بیعت کھلم کھلا لیجئے۔ لیکن

آپ نے ابھی کھل کر میدان میں آنا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا۔

یزید کو عبداللہ بن زبیر کی طرف سے پہلے ہی کھٹکا تھا۔ اُسے جب اُن کی ان تیاریوں کی اطلاع پہنچی تو اُس نے کچھ آدمیوں کو نقرئی زنجیر دے کر اُن کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ وہاں کے حالات ایسے تھے کہ وہ گرفتار نہ ہو سکے۔

۶۲ھ میں یزید نے عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو والیٔ حجاز بنا کر بھیجا۔ عثمان نے اہلِ مدینہ کو ہموار کرنے کے لئے معززینِ مدینہ کا ایک وفد شام بھجوایا۔ اس وفد میں عبداللہ بن حنظلہ انصاری، عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص مخزومی اور منذر بن زبیر وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ جب یزید کے دربار میں پہنچے تو وہاں اُنہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ بڑی خاطر و مدارت کی گئی اور رخصت کے وقت گراں قدر نذرانے دیئے گئے۔ چنانچہ عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کو ایک لاکھ درہم اور اُن کے آٹھ بیٹوں کو دس دس ہزار درہم اور منذر بن زبیر کو ایک لاکھ درہم دیئے گئے۔

لیکن یزید کی یہ تدبیر بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوئی۔ یزید کی حرکات ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو اس کے مخالف ہو گئے اور مدینہ میں آکر بیان کیا:-

"ہم اس شخص کے پاس سے آرہے ہیں جسے دین سے کچھ واسطہ نہیں۔ شراب نوشی، نغمہ و سرود، سیر و شکار اس کے دلچسپ مشاغل ہیں۔ آوارہ لوگوں کی صحبت اس کو عزیز ہے۔ ہم اس کی بیعت توڑتے ہیں اور اُس کی دی ہوئی رقم اس کے مقابلہ کی تیاریوں میں صرف کریں گے۔"

اب مدینہ میں یزید کے خلاف عام شورش بھڑک اُٹھی۔ اہلِ مدینہ نے عثمان بن محمد کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا والی مقرر کیا۔

یزید کو مدینہ کے امویوں نے کل حالات کی اطلاع دی۔ یزید اس مرتبہ نرمی کے ساتھ کام لینا چاہتا تھا اُس نے بشیر بن نعمان انصاری کو مدینہ بھیجا۔ بشیر بن نعمان نے اہلِ مدینہ کو سمجھایا کہ دُشمن قوی ہے تم اس کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت اختیار کی جائے۔ مگر نعمان کی بات کو کسی نے نہ سُنا۔

نعمان بن بشیر کی واپسی کے بعد اہلِ مدینہ نے تمام امویوں کو مروان بن الحکم کے گھر میں قید کر دیا۔ امویوں نے ایک شخص کو یزید کے پاس بھیجا جس نے اُسے کُل حالات کی اطلاع دی۔

یزید نے عمر بن سعید سابق والیٔ حجاز سے مدینہ جانے کے لئے کہا۔ مگر عمر نے جواب دیا۔

"اب مَیں قریش کے خون بہانے کے لئے وہاں نہ جاؤں گا"

پھر یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ پر لشکر کشی کرے۔ عبید اللہ بھی تیار نہ ہُوا اور کہا۔

"مَیں یزید کے لئے ابن رسول اللہ کے قتل اور حرمین شریفین کی بیحُرمتی دو بڑے گناہوں کو مِلاؤں گا"

آخر اس بدبختی کا قرعہ مسلم بن عقبہ مری کے نام نکلا۔ وہ بوڑھا اور بیمار تھا مگر اسی حالت میں بارہ ہزار لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے چل پڑا۔ اس لشکر کو علاوہ تنخواہ کے فی کس سو دینار انعام کا لالچ دیا گیا تھا۔

یزید نے چلتے وقت مسلم کو ہدایت کی کہ اہلِ مدینہ کو تین مرتبہ اطاعت کی دعوت دینا۔ اگر نہ مانیں تو لڑنا اور کامیابی کے بعد تین دن مدینہ کو لوٹنا۔ تین دن کے بعد ہاتھ روک لینا۔ علی بن حسین کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔ ان کا خط میرے پاس آچکا ہے وہ اس ہنگامہ سے علیٰحدہ ہیں۔

مسلم بن عقبہ لشکرِ شام کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہُوا۔ اہلِ مدینہ کو معلوم

ہُوا تو انھوں نے محصور امویوں کے ساتھ سختی شروع کردی اور اُنہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر امویوں نے کہا کہ آپ ہمیں چھوڑ دیجئے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی مخالفت میں مسلم کی کوئی مدد نہیں کریں گے اور نہ آپ کا کوئی راز اُن پر ظاہر کریں گے۔ اہلِ مدینہ نے عہدو پیمان لے کر اُنہیں چھوڑ دیا۔

ان لوگوں کی وادی القریٰ میں مسلم بن عقبہ سے ملاقات ہوئی۔ مسلم نے عمرو بن عثمان بن عفان کو بلا کر مدینہ کے حالات پُوچھے۔ عمرو بن عثمانؓ نے کہا۔

"مجھ سے وعدہ لے لیا گیا ہے میں آپ کو کوئی بات نہیں بتا سکتا"

مسلم نے بِگڑ کر کہا :-

"اگر تم حضرتِ عثمانؓ کے بیٹے نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن اُڑا دیتا۔"

پھر مسلم نے عبدالملک بن مروان کو بلایا۔ عبدالملک نے تمام حالات بتا کر کہا :-

"یہاں سے چل کر مقام ذی نخلہ میں قیام کرو اور وہاں کے چھوارے کھاؤ۔ دوسرے دن صبح کو مدینہ کو بائیں جانب چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ۔ پھر گھوم کر حرّہ کی طرف سے، مشرق کی جانب سے تم مدینہ میں داخل ہو۔ اس طرح سورج کی تکلیف تم کو نہ پہنچے گی۔ بلکہ اہلِ مدینہ کو پہنچے گی اور جب سورج کی کرنیں تمہاری خودوں، زرہوں، اور تلواروں اور نیزوں پر پڑیں گی تو تمہارے دشمنوں کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی"

مسلم نے عبدالملک کی رائے کو پسند کیا اور حرّہ کی طرف سے مدینہ کو گھیر لیا۔

یزید کی ہدایت کے مطابق مسلم نے اہلِ مدینہ کو اطاعت کی دعوت اور تین دن کی مہلت دی۔ لیکن اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار شدید جنگ ہوئی۔

اہلِ مدینہ بڑی بڑی جماعتوں کے ساتھ اسلحہ سے آراستہ ہو کر میدان میں آئے تو اہلِ شام مرعوب ہو گئے اور لڑائی سے گریز کرنے لگے۔ مسلم نے انہیں بُرا بھلا کہا اور لڑائی پر اُکسایا تو لڑنے لگے۔ اہل مدینہ بڑی بہادری کے ساتھ دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ یکایک اُنہوں نے اپنی پُشت کی طرف سے تکبیروں کی آوازیں سُنیں معلوم ہُوا کہ بنی حارثہ نے اہلِ شام کو مدینہ میں داخل ہونے کا موقع دے دیا ہے۔ یہ سُن کر اہلِ مدینہ کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس بھگدڑ میں اُنہیں خندق کا بھی خیال نہ رہا۔ چنانچہ جو لوگ خندق میں گر کر جاں بحق ہُوئے اُن کی تعداد مقتولین سے زیادہ تھی۔

اس فتح کے بعد مسلم نے مدینہ کے لوٹنے کا حکم دیا۔ تین دن تک قتل وخون اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر مسلم نے اعلان کیا کہ جو شخص اس شرط پر یزید کی بیعت کرے کہ اسے اس کی جان اور مال میں ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوگا اُسے چھوڑ دیا جائے گا اور جو انکار کرے گا اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس اعلان پر سختی سے عمل کیا گیا اور جس نے ذرا بھی چُون وچرا کی اُسے تہ تیغ کر دیا گیا۔

یزید کی ہدایت کے مطابق مسلم نے امام زین العابدین علی بن حسین کو اس قسم کی بیعت پر مجبور نہیں کیا اور اُن کے ساتھ عزت سے پیش آیا۔

یہ افسوس ناک واقعہ جو یزید کی پیشانی کا دوسرا سیاہ داغ ہے ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ کو پیش آیا۔ اس حادثہ میں اکابر واشرافِ قریش عبداللہ بن حنظلہ فضل بن عباس بن ربیع، عبداللہ بن مطیع وغیرہ شہید ہُوئے۔

محاصرہ مکہ

نعمان بن بشیر جب اہلِ مدینہ کو سمجھانے کے لئے مدینہ آئے تو وہ یہاں سے فارغ ہو کر مکہ بھی گئے اور عبداللہ بن زبیرؓ کو یزید کی مخالفت سے باز رہنے کی نصیحت کی۔ مگر عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنا اور یزید کا موازنہ کرنے کے بعد نعمان سے پوچھا۔ کیا ان حالات میں بھی تم مجھے

یزید کی بیعت کا مشورہ دو گے؟ نعمان نے جواب دیا۔ مجھے آپ کی فضیلت کا اعتراف ہے، نہ میں آپ کو اس قسم کا مشورہ دوں گا۔ نہ آئندہ کبھی اس مقصد کے لئے حاضر ہوں گا۔

مدینہ کا انقلاب عبداللہ بن زبیرؓ ہی کی دعوت کا نتیجہ تھا اس لئے یزید کے حکم کے مطابق مدینہ کی غارت گری سے فارغ ہو کر مسلم بن عقبہ نے مکہ کی راہ لی۔ مسلم بہت بوڑھا اور پرانا مریض تھا۔ مقام مشلل میں ہی پہنچا تھا کہ فرشتہ موت نے اس کا راستہ روک دیا۔ مرتے وقت اس نے کہا۔

"اے اللہ! تیری وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اعتراف کے بعد میرا سب سے بہتر عمل جس پر مجھے ثواب آخرت کی توقع ہے اہل مدینہ کا قتل عام ہے"[۱]

مسلم نے حصین بن نمیر کو ایک قائم مقام مقرر کیا تھا۔ حصین بن نمیر نے ۲۶ محرم ۶۴ھ کو مکہ پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے پہلے مکہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ سخت جنگ ہوئی اور ان کے بھائی منذر بن زبیرؓ شہید ہوئے۔

آخر انہوں نے مکہ میں محصور ہو کر مدافعت کا فیصلہ کیا۔ وقتاً فوقتاً دونوں لشکروں میں معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ مگر مکہ فتح نہ ہوا۔ آخر حصین بن نمیر نے ۳ ربیع الاول ۶۴ھ کو منجنیقوں سے خانہ کعبہ پر سنگباری کی اور آتشبازی کی جس سے خانہ کعبہ کا کچھ حصہ منہدم ہو گیا اور اس کے پردے اور لکڑیاں جل گئیں[۲]

یہ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ شام سے یزید کی موت کی خبر آئی اور لڑائی ختم ہو گئی۔

---

[۱] ابن اثیر جلد ۴ ص ۴۹ [۲] ایضاً۔

فتوحات

فتوحاتِ افریقیہ

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ عقبہ بن نافع سے امیر معاویہؓ نے دوبارہ افریقہ کا والی مقرر کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر وہ اپنی زندگی میں اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے ۔ ۶۲ھ میں یزید نے اس وعدہ کو پورا کیا۔ عقبہ فوراً قیروان پہنچے اور وہاں کے امیر ابوالمہاجر کو قید کر کے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مگر عقبہ کو ایک جگہ بیٹھنے میں لطف نہ آیا۔ اور انہوں نے جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ انہوں نے اپنی اولاد کو جمع کر کے کہا۔

"میں نے اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیا ہے لہٰذا جب تک زندہ رہوں گا کفار سے جہاد کرتا رہوں گا۔"

پھر زہیر بن قیس بلوی کو قیروان پر اپنا قائم مقام بنا کر ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ کوچ کر دیا۔

پہلے باغایہ پہنچے۔ وہاں رومیوں کے ایک لشکرِ جرار سے مقابلہ ہوا۔ سخت جنگ ہوئی۔ مگر آخرکار مسلمان کامیاب ہوئے اور بہت کچھ مال و متاع ان کے ہاتھ آیا۔ رومی شکست کھا کر شہر میں محصور ہو بیٹھے۔ عقبہ کچھ عرصہ محاصرہ کئے رہے مگر زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور علاقہ زاب کا رخ کیا۔ یہ علاقہ بہت وسیع تھا اور یہاں بہت سے شہر اور قصبے آباد تھے۔ عقبہ نے زاب کے سب سے بڑے شہر اربہ پہنچ کر مقام کیا۔ اربہ میں رومیوں اور نصرانیوں سے متعدد مقابلے ہوئے۔ مسلمان فتحیاب ہوئے اور دشمن کچھ قتل ہوئے اور کچھ پہاڑی علاقوں کی طرف نکل گئے۔

یہاں سے عقبہ تاہرت کی طرف بڑھے۔ وہاں کے رومیوں کو جب مسلمانوں کے حملہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے بربریوں کو بڑی تعداد میں اپنی مدد کے لئے

بُلا لیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کو بڑی تشویش پیش آئی۔ لیکن آخر کار فائز و منصور ہوئے اور بہت کچھ مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

قاہرت سے عقبہ طنجہ پہنچے۔ یہ بحیرہ روم کے کنارے افریقہ کا آخری شہر تھا۔ یہاں کے حکمران یولیان نے اطاعت قبول کرلی اور مسلمانوں سے اچھی طرح پیش آیا۔ طنجہ سے عقبہ نے سوس ادنیٰ کا رُخ کیا۔ یہاں پر بربریوں سے مقابلہ ہُوا اور اُنہیں بے دریغ قتل کیا۔ بربری اِدھر اُدھر بھاگے۔ مگر مسلمانوں نے ہر جگہ اُنہیں گھیرا اور قتل کیا۔

سوس ادنیٰ سے فارغ ہو کر سوس اقصیٰ کا قصد کیا۔ یہاں بے شمار بربری مقابلے کے لئے جمع ہوئے۔ لیکن مسلمانوں نے اُنہیں شکستِ فاش دی اور خوب مالِ غنیمت حاصل کیا۔

عقبہ پے در پے فتوحات حاصل کرتے ہُوئے آگے بڑھتے رہے۔ جب خشکی کی حد ختم ہوگئی اور بحرِ ظلمات کے کنارے پہنچے تو اُنہوں نے کہا۔

"اے میرے خدا اگر یہ بحرِ زخار درمیان میں حائل نہ ہو جاتا تو تیرے راستہ میں جہاد کرتا ہُوا اسی طرح آگے بڑھتا چلا جاتا۔"[1]

اب عقبہ بن نافع واپس لوٹے۔ ماء الفرس ہوتے ہوئے طبنہ آئے۔ عقبہ کی فتوحات کی اس قدر دھاک بیٹھ گئی تھی کہ جس مقام سے گزرتے رومی اور بربری اس مقام کو چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ عقبہ نے اس کامیابی پر نازاں ہو کر اپنی فوج کو منتشر کر دیا اور ایک مختصر جمعیت کو ساتھ لے کر تہوذا پہنچے۔ وہاں کے رومیوں کو دعوتِ اسلام دی۔ رومیوں نے اس دعوت کو رد کر دیا۔ اور قلعہ بند ہو بیٹھے۔ پھر تہوذا کے رومیوں نے ایک ایسی چال چلی کہ عقبہ کی تمام فتوحات پر پانی پھر گیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۴۳۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کسیلہ بن مکرم ایک با اثر بربری سردار تھا اور یہ ابوالمہاجر کے زمانۂ حکومت میں مسلمان ہو گیا تھا اور وہ اس سے عزت و محبت کا برتاؤ برتتے تھے۔ کسیلہ نے بھی اپنے طرزِ عمل سے خود کو اس برتاؤ کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

جب عقبہ بن نافع والی ہو کر آئے تو ابوالمہاجر نے ان سے کسیلہ کی سفارش کی اور اس کے مرتبہ کا لحاظ رکھنے کا مشورہ دیا۔ عقبہ نے کسیلہ کو ابوالمہاجر کا آدمی سمجھ کر اس سے اچھا برتاؤ نہ کیا اور ایک مرتبہ اُسے جانور ذبح کرنے پر مجبور کیا۔ کسیلہ کو یہ توہین بہت ناگوار گزری اور وہ مُرتد ہو گیا اور عقبہ سے انتقام لینے کے لئے موقع کی تاک میں رہا۔ مگر بظاہر اُس نے اس طرزِ عمل میں فرق نہ آنے دیا۔

تھوذا کے رومیوں کو اس ارادہ کی خبر تھی۔ عقبہ تھوذا کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے کہ تھوذا کے رومیوں نے کسیلہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر عقبہ سے انتقام لینا چاہتے ہو تو فوراً اپنی جماعت کو لے کر چلے آؤ۔ عقبہ کے پاس اس وقت مٹھی بھر آدمی ہیں انہیں شکست دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ پھر ہم بھی تمہاری مدد کے لئے موجود ہیں۔

کسیلہ نے ایک لشکرِ جرار فراہم کر کے پیچھے سے مسلمانوں کو آ گھیرا۔ یہ دو طرف سے گھرے ہوئے مٹھی بھر مسلمان بڑی بہادری کے ساتھ لڑے اور آخر ایک ایک کر کے شہید ہوئے۔

مقابلہ سے پہلے عقبہ بن نافع نے ابوالمہاجر کو آزاد کر دیا اور کہا کہ "آپ لوٹ جائیں اور مسلمانوں کی دیکھ بھال کریں"۔

مگر انہوں نے میدان سے واپس ہونا پسند نہ کیا اور عقبہ کے پہلو بہ پہلو لڑ کر جان دیدی۔

تھوذا کی اس شکست نے افریقیہ میں مسلمانوں کی اقتدار کی جڑیں اکھاڑ

دیں۔ زہیر بن قیس بلوی نے قیروان میں مسلمانوں کو منظم ہو کر لڑنے کے لئے اُبھارا۔ مگر مسلمان کچھ ایسے شکستہ دل ہو چکے تھے کہ کوئی تیار نہ ہُوا۔

آخر زہیر قیروان چھوڑ کر برقہ چلے آئے اور کسیلہ نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ کسیلہ کا یہ قبضہ ۶۹ھ تک رہا۔

فتوحاتِ خراسان

۶۱ھ میں یزید نے مسلم بن زیاد کو خراسان و سجستان کا والی مقرر کیا اور عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ چھ ہزار منتخب سوار اپنے بھائی مسلم کے حوالے کر دے۔ مسلم نے اس جمعیت کو لے کر جس میں عمران بن فضیل، مُہلب بن ابی صفرہ، طلحہ، بن عبید اللہ وغیرہ شامل تھے دریائے جیحون کو پار کیا۔

خوارزم کے قریب خراسان اور ترکستان کے سرداروں نے ایک شہر کو اپنا مرکز بنا رکھا تھا۔ موسم سرما میں جب مسلمان حکام مرو شاہجہان چلے جاتے تو یہ سردار جمع ہو کر آپس میں مشورہ کرتے اور مسلمانوں کے مقابلے کی تدبیریں سوچتے۔ مسلم سے اجازت لے کر مہلب بن ابی صفرہ نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے سرداروں نے پانچ کروڑ کی قیمت کا سامان دیکھ کر مہلب سے صُلح کر لی۔

اس کے بعد مسلم نے سمرقند اور نجند پر فوج کشی کی۔

فتوحاتِ سجستان

مسلم بن زیاد نے اپنے بھائی یزید بن زیاد کو سجستان کا والی مقرر کیا تھا۔ مگر اہلِ کابل نے بغاوت کی اور ابو عبیدہ بن زیاد کو قید کر لیا۔ یزید بن زیاد ایک فوج لے کر مقابلہ کے لئے گیا مگر شکست کھائی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ مسلم کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے طلحہ بن عبد اللہ خزاعی کو بھیجا۔ طلحہ نے پانچ لاکھ درہم فدیہ دے کر ابو عبیدہ کو رہا کرایا۔

اس کے بعد طلحہ سجستان کے حاکم مقرر ہوئے۔ کامیابی کے ساتھ حکومت

کرنے کے بعد انتقال ہو گیا۔

مرگِ یزید ۱۴ ربیع الاوّل سنہ ۶۴ھ مطابق ۱۰ نومبر سنہ ۶۸۳ء کو یزید کی صبح زندگی کی شام ہوئی۔ موت کے وقت اس کی عمر اڑتیس سال تھی تین سال آٹھ مہینے چودہ دن برسرِ حکومت رہا۔

اولادِ یزید یزید کا نکاح ام ہاشم بنت عتبہ بن ربیعہ سے ہُوا۔ اس کے بطن سے دو لڑکے معاویہ اور خالد پیدا ہوئے۔

دوسرا نکاح ام کلثوم بنتِ عبداللہ بن عامر سے ہُوا اس کے بطن سے ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہُوا۔

ان کے علاوہ امہاتِ اولاد سے یزید کے یہ بیٹے ہوئے:۔

عبداللہ۔ اصغر۔ عمر۔ ابوبکر۔ عتبہ۔ حرب اور عبدالرحمٰن۔



معاویہ ثانی

سنہ ۶۴ ھ

یزید کی موت کے بعد دمشق میں ربیع الاول سنہ ۶۴ ھ میں اس کا بیٹا معاویہ بن یزید تخت نشین ہوا۔

معاویہ اکیس سال کا نوجوان صالح تھا۔ یزید کے زمانہ میں جو اموی مسندِ حکومت خونِ اہلبیت سے داغدار ہوچکی تھی وہ اس پر متمکن ہونا پسند نہ کرتا تھا۔ پھر وہ کچھ بیمار بھی تھا۔ بیعت کے چالیس دن بعد وہ خلافت سے دستبردار ہوگیا اور مجمع عام میں یہ تقریر کی۔

"میں خلافت کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں پاتا۔ میں نے چاہا کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ جیسا کوئی شخص اپنا جانشین بنادوں، مگر ایسا کوئی مجھے نہ ملا۔ پھر میں نے چاہا کہ حضرت عمرؓ کی طرح چند اہلِ شوریٰ کو نامزد کردوں۔ مگر اس کے لئے بھی موزوں اشخاص مجھے نہ مل سکے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام جسے مناسب سمجھو اپنا خلیفہ منتخب کرلو۔"

اس تقریر کے بعد معاویہ خانہ نشین ہوگیا اور بیعت سے تین مہینے بعد انتقال کرگیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا[1]



---

[1] ابن اثیر جلد ۴ ص ۵۱۔

عبداللہ بن زبیر — مروان بن حکم

سنہ ۶۴ تا ۷۳ھ — سنہ ۶۴ء تا ۶۵ھ

حصین بن نمیر مکہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا کہ دمشق سے یزید کی موت کی خبر آئی۔ یہ خبر پہلے عبداللہ بن زبیر کو معلوم ہوئی۔ انھوں نے اعلان کرایا:۔

"اے اہلِ شام کیوں لڑ رہے ہو؟ تمہارا سردار تو مر گیا۔"

اہلِ شام کو ابن زبیر کی بات کا یقین نہ آیا۔ مگر جب خود اُن کے خبر رساں نے انھیں یہ خبر پہنچائی تو حصین بن نمیر نے محاصرہ اٹھا لیا۔ حصین بن نمیر نے ابن زبیر کے پاس پیغام بھیجا کہ میں آج کی تنہائی میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مقام البطح میں ملاقات ہوئی تو حصین نے کہا۔

"اب آپ سے زیادہ خلافت کا حق دار کوئی نہیں ہے اور میرے ساتھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ شام چلیں۔ میرے ہمراہی شام کے شرفاء و معززین ہیں ان کی حمایت کے بعد کسی کو آپ سے اختلاف کی ہمت نہ ہوگی۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ اپنے دشمنوں کو امن عام دیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان جو خونریزی ہو چکی ہے اُسے معاف کر دیں۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا۔

"اہلِ حرم کے خونوں کو معاف کرنا ناممکن ہے۔ واللہ میں ایک ایک حجازی کے قصاص میں دس دس شامیوں کو قتل کر کے بھی نہ مانوں گا۔"

حصین بن نمیر نے کہا۔

"میں تو آپ کو مدبر آدمی سمجھتا تھا مگر میرا خیال غلط نکلا۔ میں آپ سے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہا ہوں اور آپ چیخ کر جواب دیتے ہیں۔ میں آپ کو خلافت کی پیش کش کرتا ہوں اور آپ قتل و ہلاکت کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر حصین بن نمیر اپنے لشکر میں چلا گیا اور مدینہ کے راستے شام کو روانہ ہو گیا۔

بعد میں عبداللہ بن زبیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ آپ نے راستہ میں حصین بن نمیر کو پیغام بھیجا۔

"میرا شام جانا تو ممکن نہیں ہے البتہ اگر تم لوگ یہیں میرے ہاتھ پر بیعت کر لو تو میں تمہیں امن دینے کے لئے تیار ہوں۔"

مگر حصین بن نمیر نے جواب دیا۔

"آپ کے شام تشریف لے جائے بغیر کام نہ چلے گا۔"[1]

یزید کے انتقال کے بعد حجاز میں عبداللہ بن زبیرؓ کی باقاعدہ حکومت قائم ہو گئی۔ انھوں نے اپنے بھائی عبیداللہ بن زبیر کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔ عبیداللہ نے بنی اُمیہ کے تمام افراد کو جن میں مروان بن حکم اور اُس کا بیٹا عبدالملک بھی تھا، مدینہ سے نکلوا دیا۔ یہ لوگ شام چلے گئے۔

مصر میں بھی عبداللہ بن زبیر کی خلافت تسلیم کی گئی۔ عبدالرحمٰن بن جحدم فہری مصر کے والی مقرر ہوئے۔ البتہ عراق و شام میں واقعات ذرا تفصیل طلب ہیں۔

عراق

بصرہ میں ابن زیاد کو جب یزید کے انتقال کی خبر پہنچی تو اُس نے عام جلسہ میں یہ تقریر کی :-

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صہ ۱۵

"اے اہلِ بصرہ! میں یہیں پیدا ہوا اور یہیں پلا بڑھا اور یہیں کا والی مقرر ہوا۔ جب یہاں کی ولایت پر میرا تقرر ہوا ہے تو فوجی دفتر میں تمہارے ستر ہزار جوانوں کے نام درج تھے لیکن آج ایک لاکھ جوانوں کے نام درج ہیں۔ اسی طرح انتظامی عہدوں پر تمہارے نوے ہزار آدمی مقرر تھے۔ لیکن آج یہ تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ تمہارے سب دشمنوں کو میں نے قید خانوں میں بند کر دیا ہے۔ اب کوئی ایسا نہیں جس سے تمہیں کھٹکا ہو۔

یزید کا انتقال ہو گیا ہے اور شام میں تخت نشینی کے متعلق جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ تم قوت و طاقت اور دولت و ثروت کے لحاظ سے دوسرے ملک کے لوگوں سے ممتاز ہو۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی شخص کو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔ جسے تم انتخاب کرو گے میں بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔

اہلِ شام نے کسی موزوں آدمی کو انتخاب کیا تو تمہیں اختیار ہو گا کہ تم بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو یا اپنی خلافت جداگانہ قائم رکھو تمہیں دوسرے ملکوں کی مدد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہی تمہارے محتاج ہیں۔"

حاضرین نے کہا۔ آپ کی تجویز معقول ہے ہم آپ سے زیادہ کسی کو اس منصب کے اہل نہیں پاتے۔ ہاتھ بڑھائیے کہ بیعت کریں۔

ابن زیاد نے تین مرتبہ انکار کیا۔ لیکن جب ان کا اصرار بڑھا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنی خلافت کی بیعت لے لی۔

مگر اہلِ عراق کی فطرت بدل نہ سکتی تھی۔ ادھر وہ بیعت کر کے نکلے اور ادھر انہوں نے دیواروں سے ہاتھ مل مل کر کہنا شروع کیا:۔

"کیا ابن مرجانہ سمجھتا ہے کہ ہم اداج کے زمانے میں بھی اور نراج کے

زمانے میں بھی اس کی اطاعت کریں گے۔"

اہلِ بصرہ سے بیعت لینے کے بعد ابن زیاد نے قاصد کوفہ بھیجا۔ اُس نے وہاں جاکر کہا۔

"اہلِ بصرہ نے ابن زیاد کے ہاتھوں پر بیعت کرلی ہے تم بھی اس بیعت میں شامل ہوجاؤ۔"

مگر انہوں نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہمیں ابن سمیّہ سے چھٹکارا ملا۔ اب ہم ہرگز اس کی بیعت نہ کریں گے۔"

پھر انہوں نے ابنِ زیاد کے قاصدوں کی سنگریزوں سے تواضع کی۔

اہلِ بصرہ کو جب اہلِ کوفہ کا حال معلوم ہُوا تو اُنہیں بھی جرأت ہوئی اور انہوں نے بھی کُھلّم کُھلا ابنِ زیاد کی بیعت سے انکار کرنا شروع کر دیا۔ ابن زیاد جس بات کو کہتا اُس کی مخالفت کی جاتی اور جو حکم دیتا اُس کی تعمیل سے انکار کر دیا جاتا۔ اسی دوران میں ایک شخص سلمہ بن ذویب تمیمی نے عبداللہ بن زبیر کی دعوت دینی شروع کر دی۔ لوگ دھڑا دھڑ اُن کی بیعت کرنے لگے۔

ابنِ زیاد نے حالات کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی۔ مگر بات اس کے قابو سے باہر ہوچکی تھی۔ اب بصرہ میں ٹھہرنا اُس کے لئے خطرناک تھا۔ چنانچہ مُنہ پر نقاب ڈال کر راتوں رات نکل بھاگا اور بنی ازد کے سردار مسعود بن عمر کو ایک لاکھ رشوت دے کر چند روز اس کے ہاں قیام کیا۔ پھر وہاں سے شام چلا گیا۔ ابن زیاد کے بصرہ چھوڑنے کے بعد اہلِ بصرہ نے عارضی طور پر عبداللہ بن حرث عرف "ببہ" کو اپنا والی منتخب کیا اور عبداللہ بن زبیر کو خلیفہ تسلیم کیا۔

اہلِ کوفہ نے بھی ابن زیاد کے مقرر کردہ والی کو نکال کر عامر بن مسعود کو عارضی طور پر والی مقرر کیا اور عبداللہ بن زبیر کو قبولِ بیعت کی اطلاع دی۔

عبداللہ بن زبیر نے ان دونوں شہروں میں اپنی طرف سے والی مقرر کرکے بھیج دیئے۔

شام ملک شام کا سیاسی مطلع نہایت غبار آلود تھا۔ شام میں بنو اُمیہ کی طاقت کا دارومدار دو بڑے قبیلوں بنو کلب اور بنو قیس پر تھا۔ بنو کلب میں یزید بن معاویہ کی ننھیال تھی۔ وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے خلافت کو بنو امیہ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر بنو قیس، عبداللہ بن زبیر کے حامی ہو گئے تھے۔ پھر بنو کلب اور ان کے ہم خیال بھی متفق الرائے نہ تھے۔ کچھ مروان بن حکم کو پسند کرتے تھے اور کچھ عمر بن سعید بن عاص کا نام لیتے تھے۔

ضحاک بن قیس والی دمشق جو بنو قیس کے سردار تھے، عبداللہ بن زبیر کی دعوت دے رہے تھے۔ نعمان بن بشیر امیر حمص اور زفر بن حارث امیر قنسرین اُن کے مددگار تھے۔ حسان بن مالک کلبی والی فلسطین جو بنو کلب کا سردار تھا بنو اُمیہ کا سرگرم حامی تھا۔

یہ حالات تھے جس وقت مروان بن حکم مدینہ منورہ سے شام پہنچا۔ شام کی جو بنو اُمیہ کا مرکز حکومت تھا یہ حالت دیکھ کر مروان بن حکم کا یہ ارادہ ہوا کہ عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ مگر اسی زمانے میں عبیداللہ بن زیاد عراق سے شام پہنچ گیا۔ اُس نے مروان بن حکم سے کہا کہ آپ قوم کے سردار ہیں آپ کو ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔

مروان بن حکم نے کہا اگر تمہاری یہی رائے ہے تو ابھی وقت باقی ہے۔ چنانچہ مروان دمشق پہنچا اور اُس نے بنو اُمیہ کے اقتدار کی گرتی ہوئی دیوار کو روکنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

جامع دمشق میں ہنگامہ اُدھر حسان بن مالک نے جو بنی اُمیہ کی دعوت کے سلسلہ میں اُردن آیا ہوا تھا، ضحاک بن قیس والی دمشق کے پاس ایک خط بھیجا جس میں بنی اُمیہ کی خوبیاں ان کے احسانات اور اُن کے

حقوق بیان کئے گئے تھے اور ابن زبیر کی مذمت کی گئی تھی اور انہیں باغی قرار دیا گیا تھا۔
اور ضحاک سے درخواست کی گئی کہ وہ اس خط کو جمعہ کی نماز کے بعد جامع دمشق میں پڑھ کر سنا دیں۔ ضحاک نے خط کو سنانے سے انکار کیا تو قاصد نے ان کی ہدایت کے مطابق خود منبر پر چڑھ کر یہ خط مجمع عام میں سنایا۔

اس پر جامع دمشق میں سخت ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ابن زبیر اور بنی اُمیہ کے حامی آپس میں دست و گریبان ہو گئے۔ خالد بن یزید کی مداخلت سے ہنگامہ رفع ہوا۔
ضحاک بن قیس نے بنی اُمیہ کے چند آدمیوں کو جو اس ہنگامہ میں پیش پیش تھے گرفتار کر لیا مگر ان لوگوں کے عزیز و اقارب زبردستی اُن کو چھڑا کر لے گئے۔
ضحاک بن قیس اس ہنگامہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ معاملہ اگر گفت و شنید کے ذریعے طے ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔
ضحاک نے اپنے اس خیال سے دمشق کے سردارانِ بنی اُمیہ کو آگاہ کیا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ مقامِ جابیہ میں ایک کانفرنس منعقد کی جائے اور وہاں گفت و شنید کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کیا جائے۔

ضحاک بن قیس دمشق سے جابیہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے مگر اُن کے بعض مشیروں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہاں جانا بیکار ہے۔ آپ کو ابن زبیر کی حمایت کے لئے میدان میں آنا چاہیئے۔ ضحاک نے جابیہ کا ارادہ فسخ کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر مرج راہط میں مقیم ہو گئے۔

موتمر جابیہ اور مروان کا انتخاب

موتمر جابیہ میں حامیانِ ابن زبیر نے تو شرکت نہ کی۔ مگر بنی اُمیہ کے تمام بہی خواہ و مددگار وہاں جمع ہوئے اور انھوں نے ایک مرکز پر جمع ہو کر اس نادر موقع سے فائدہ اُٹھانے کی پوری کوشش کی۔
چالیس روز تک یہ عظیم الشان موتمر جاری رہی اور گرما گرم تقریریں ہوتی رہیں۔
مالک بن ہبیرہ سکونی نے کہا "خالد بن یزید سے ہماری رشتہ داری کے تعلقات

ہیں۔ اس کے باپ نے ہمارے ساتھ جو احسانات کئے ہیں وہ سب کو معلوم ہیں خود خالد بھی ہمارے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گا۔ اس لئے ہم اسی کی بیعت کریں گے۔"

حصین بن نمیر نے کہا۔ کیا یہ مناسب ہے کہ ہمارے مخالف ہمارے سامنے ایک بوڑھے شخص کو پیش کریں اور ہم ایک بچہ کی طرف دعوت دیں۔ بہتر یہ ہے کہ مروان بن حکم کی بیعت کی جائے۔

آخر روح بن زنباع جذامی نے ایک فیصلہ کن تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

"مروان بن حکم کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔ اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید بن عاص کو خلیفہ نامزد کیا جائے۔"

یہ تجویز ایسی تھی کہ تمام مختلف الخیال عناصر کے لئے اطمینان بخش ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ۳ ذی قعدہ ۶۴ھ کو تمام بنو امیہ اور ان کے حامیوں نے مروان بن حکم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

جنگِ مرج راہط

خلیفہ منتخب ہونے کے بعد مروان بن حکم اپنے حامیوں کو ساتھ لے کر مرج راہط کی طرف بڑھا۔ جہاں ابن زبیر کے داعی ضحاک بن قیس مقیم تھے۔ ضحاک نے حمص میں نعمان بن بشیر اور قنسرین میں زفر بن حارث کو لکھ کر مدد حاصل کر لی۔ دونوں جماعتوں میں ہولناک لڑائی ہوئی۔ یہ لڑائی بیس روز تک جاری رہی۔ آخر ابن زبیر کے حامیوں کو شکست ہوئی ضحاک بن قیس اور بنو قیس کے دوسرے بڑے بڑے سردار میدانِ جنگ میں کام آئے۔ یہ واقعہ محرم ۶۵ھ کا ہے۔

اس جنگ نے شام کا میدان مروان بن حکم کے لئے صاف کر دیا۔ عبداللہ بن زبیر کے بچے کھچے حامیوں کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ نعمان بن بشیر والی حمص نے فرار ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر گرفتار ہوئے اور قتل کر دیئے گئے۔ زفر بن حارث والی قنسرین قیسیا کی طرف نکل بھاگے۔

مَروان کا مِصر پر قبضہ

مرج راہط کی فتح کے بعد مروان نے شام میں اپنے والی مقرر کئے۔ اور پھر انتظامات درست کر کے خود مصر کا رُخ کیا۔

مصر پر عبداللہ بن زبیر کی طرف سے عبدالرحمٰن بن جحدم والی تھے۔ انھیں مروان کی آمد کی خبر ہُوئی تو وہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ مگر مروان بن حکم نے عمرو بن سعید کو کچھ فوج دے کر دوسری طرف سے مصر میں داخل کرا دیا۔ ابن جحدم نے مقابلہ فضول سمجھ کر ہتھیار ڈال دیئے اور مصر بلا مقابلہ مَروان کے قبضہ میں آ گیا۔

وفات مروان

مروان لطفِ حکومت سے لطف اندوز ہونے کے لئے زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہا۔ رمضان المبارک ۶۵ھ میں یکایک اُس کا انتقال ہو گیا۔ انتقال سے پہلے اُس نے خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو یکے بعد دیگرے ولیعہد قرار دیا تھا اور لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لئے اس نے خالد کی ماں سے نکاح بھی کر لیا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ خالد بن یزید کو ولیعہدی سے علیحدہ کرنے کے بعد ایک دن بھرے دربار میں مَروان نے اس کی توہین کی تھی۔ خالد نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا۔ ماں نے مروان کو سوتے ہُوئے گلا گھونٹ کر مار دیا۔[۱]

ترجمہ مروان

مروان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ مروان بن حکم بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبدالشمس۔ ماں کا نام آمنہ بنت علقمہ بن صفوان تھا مروان ۳ھ میں پیدا ہُوا۔ مروان کے والد حکم نے فتح مکّہ کے دن اسلام قبول کیا تھا۔ مگر درپردہ مسلمانوں کی جاسوسی کرتا رہا۔ چنانچہ رسول اکرمؐ نے اُسے طائف جلاوطن کر دیا۔

حکم، عہدِ نبویؐ اور عہدِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں طائف ہی میں رہا۔ مگر حضرت عثمانؓ کا وہ حقیقی چچا تھا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کی واپسی کی اجازت حاصل کر لی تھی اس لئے اپنے زمانے میں آپ نے اُسے مدینہ بُلا لیا۔

۱؎ ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۷۰۔

حضرت عثمانؓ نے مروان کو اپنا کاتب و سیکرٹری مقرر کیا تھا اور آپ کی مہر بھی اسی کی تحویل میں رہتی تھی۔ مصری شورش پسندوں کے قتل کا حکم لکھ کر اسی نے حضرت عثمانؓ کی مہر اس پر ثبت کر دی تھی جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔

حضرت معاویہؓ کے زمانے میں وہ کئی مرتبہ مدینہ کا والی مقرر ہوا۔ حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ اس کے پیچھے نمازیں ادا کرتے تھے اور کبھی اعادہ نہ کرتے تھے[1] سب سے پہلے بنی امیہ میں اُسی نے عید کی نماز میں خطبہ کو مقدم کیا۔

یزید کے مرنے کے بعد جب وہ مدینہ سے نکل کر شام پہنچا تو عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار تھا، مگر عبیداللہ بن زیاد نے اُسے روک دیا اور حصولِ خلافت کی کوشش کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ اس نے کوشش کی اور کامیاب ہوا۔ اس کا دائرۂ حکومت شام و مصر تک محدود رہا۔

عبدالملک بن مروان   عبداللہ بن زبیرؓ

۶۵ھ   ۸۶ھ   ۶۴ھ   ۷۳ھ

عبدالملک بن مروان بن حکم ۲۶ھ میں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوا۔ عبدالملک کی نشوونما مدینہ ہی میں ہوئی۔ اس لئے اس کو فضلاء مدینہ کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کا پورا موقعہ ملا اور اپنے زمانے کے اساطین علم میں اُس کا شمار ہوا۔

شعبی کہتے ہیں کہ "میں نے جس کسی سے بھی گفتگو کی اپنے آپ کو اس سے برتر پایا، بجز عبدالملک کے کہ اس سے جب کسی حدیث یا شعر پر گفتگو ہوئی تو اس نے

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۶۵۔

میرے علم میں اضافہ کیا "۔

ابوالزناد کہتے ہیں۔

"اس زمانہ میں فقہاء مدینہ چار شخص شمار ہوتے تھے۔ سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قبیصہ بن ذویب اور عبدالملک بن مروان[1]

علم و فضل کے ساتھ ساتھ فہم و تدبر اور عزیمت و شجاعت کی دولت سے بھی مالامال تھا جس زمانہ میں تاج شاہی سر پر رکھا گیا عالم اسلامی میں سخت اضطراب پھیلا ہوا تھا۔ ایک طرف عبداللہ بن زبیرؓ جیسی باا ثر شخصیت مقابلہ پر تھی۔ دوسری طرف شیعہ و خوارج کی اندرونی شورشیں تھیں۔ عبدالملک اپنے فہم و تدبر اور مستقل مزاجی و سخت گیری سے تمام مخالف طاقتوں پر غالب آیا اور بنو اُمیّہ کی حکومت کی بنیادوں کی جو یزید کی موت کے بعد اکھڑ چکی تھیں از سرِ نو قائم کر دیا۔ اسی لئے عبدالملک کو حکومتِ امویہ کا بانی ثانی کہا جاتا ہے۔

توابین کا خروج

مروان نے اپنی موت سے پہلے عبیداللہ بن زیاد کو جزیرہ پر لشکر کشی اور قرقیسا میں زفر بن حارث کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا اور اُسے ہدایت کی تھی کہ یہاں سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھے۔ مروان نے عبیداللہ سے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ جس قدر علاقہ وہ فتح کرے گا، اسی کی حکومت بھی دے دیا جائے گا۔ ابن زیاد ابھی جزیرہ ہی میں تھا کہ مروان کی موت کی خبر پہنچی۔ اسی کے ساتھ اُسے عبدالملک کا فرمان ملا کہ اُسے مروان نے جس کام پر متعین کیا تھا اُسے جاری رکھے۔ چنانچہ عبیداللہ بن زیاد جزیرۂ قرقیسیا کے مہمات سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھا۔ عین الوردہ میں اس کا مقابلہ "گروہِ توابین" سے ہوا۔

توابین کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی حسرت ناک شہادت کے

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۹۹

بعد کچھ اہلِ کوفہ کو حضرت امام کے ساتھ اپنی بے وفائی اور بدعہدی پر سخت ندامت ہوئی اور انھوں نے طے کیا کہ اس گناہِ عظیم کا کفارہ یہی ہوسکتا ہے کہ قاتلینِ حسینؓ کو قتل کیا جائے یا اس کوشش میں اپنی جانوں کو قربان کیا جائے۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو منظم کیا اور سلیمان بن صرد خزاعی مشہور محبِ اہلِ بیت کو اپنی تحریک کا رہنما قرار دیا۔

عبداللہ بن یزید انصاری والئ کوفہ کو جب اس تحریک کا علم ہوا تو انھوں نے توابین سے تعرض نہ کیا بلکہ اُن کی ہمت افزائی کی اور کہا اگر تم قاتلِ حسین ابنِ زیاد کے مقابلہ کے لئے نکلو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔

حکومت کا ایماء پا کر ان لوگوں نے کھلم کھلا خونِ حسینؓ کے انتقام کی دعوت دینی شروع کر دی اور دھڑا دھڑ ہتھیار خریدے جانے لگے۔

ربیع الآخر ۶۵ھ کا چاند دیکھ کر پانچ ہزار توابین کوفہ سے نکل کر میدانِ نخیلہ میں جمع ہوئے۔ سلیمان بن صرد نے ایک پُرجوش تقریر میں کہا۔

"لوگو! جس شخص کو اللہ کی رضا اور روزِ قیامت کی بہتری مطلوب ہو تو ہمارے ساتھ چلے جسے دنیا درکار ہو وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دے۔"

ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ ہمارا مقصد صرف اپنے گناہ کی توبہ اور خونِ حسین کا انتقام ہے اور کچھ نہیں۔

عبداللہ بن سعد بن نفیل نے کہا بھائیو! قاتلینِ حسینؓ کی اکثریت تو کوفہ میں موجود ہے انھیں چھوڑ کر کسی اور طرف جانے کے کیا معنی؟ لوگوں نے کہا بات تو ٹھیک ہے مگر سلیمان بن صرد نے جواب دیا قاتلینِ حسینؓ کا سرگروہ عبیداللہ بن زیاد ہے پہلے اُسے کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہیئے۔ اہلِ کوفہ سے بعد میں نمٹیں گے۔

الحاصل یہ لوگ نخیلہ سے شام کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ پہلے میدانِ کربلا میں حضرت امام کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے۔ وہاں خوب گریہ و بکا کی اور

یہ دُعا مانگی :-

"اے اللہ! حسین شہید پر رحمت نازل فرما۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم اس کے دین اور اُس کے طریقہ پر ہیں۔ اس کے قاتلین کے دشمن اور اُس کے محبّین کی دوست ہیں۔ اے اللہ! ہم نے جگر گوشۂ رسول سے بے وفائی کی تو ہمارے اس گناہ کو معاف کر دے اور ہماری توبہ قبول فرما۔"

کربلا سے رخصت ہو کر یہ لوگ قرقیسیا پہنچے۔ وہاں زفر بن حارث کی مدد حاصل کر کے عین الوردہ کی طرف بڑھے۔ یہاں ابن زیاد کے ایک افسر شرجیل بن کلاع سے مقابلہ ہُوا۔ توابین نے شرجیل کے لشکر کو شکست دی۔ ابن زیاد نے پھر حصین بن نمیر کو دوسرا لشکر دے کر بھیجا۔ توابین نے اُسے بھی شکست دی۔ توابین بڑی بے جگری کے ساتھ لڑتے اور اپنے دشمنوں کو شکست دیتے رہے، مگر ابن زیاد اُن کے مقابلہ کے لئے تازہ دم فوج بھیجتا رہا۔ آخر سلیمان بن صرد اور ان کے ساتھی قتل ہُوئے اور جو باقی بچے وہ کوفہ واپس چلے آئے۔

خروج مختار ثقفی اس زمانہ کی بدنظمی و طوائف الملوکی کو دیکھ کر ایک چالاک اور بلند ہمت شخص مختار بن عبید ثقفی کے سر میں بھی حکومت کا سودا سمایا۔ شہادتِ امام حسینؓ کے زمانہ میں ابن زیاد نے مختار کو قید کر دیا تھا۔ مگر عبداللہ بن عمرؓ کی سفارش پر بعد میں اُسے رہا کر دیا۔ مگر کوفہ میں رہنے کی اُسے ممانعت کر دی۔ مختار کوفہ سے نکل کر حجاز چلا گیا اور مکہ معظمہ میں پہنچ کر عبداللہ بن زبیرؓ کی مجلس میں آمد و رفت شروع کر دی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ عبداللہ بن زبیر خفیہ طور پر اپنی بیعت لے رہے تھے۔ مختار نے ابن زبیر سے کہا میں آپ کی بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ کوئی کام میرے مشورہ کے بغیر انجام نہ دیں اور جب کامیاب ہو جائیں تو مجھے کوئی اہم ترین خدمت سپرد فرمائیں۔ ابن زبیرؓ نے کسی قدر تامل کے بعد اس کی یہ شرط قبول کر لی۔

مختار ابن زبیر کے پاس رہا اور حصین بن نمیر کی مکہ معظمہ کی لشکر کشی کے زمانہ میں اُن کی طرف سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جب یزید بن معاویہ کا انتقال ہو گیا اور اہلِ حجاز و عراق و مصر نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی تو وہ ان کے پاس پانچ مہینے اور مقیم رہا۔ مگر وہ ابن زبیر کی طرف سے بددل ہو گیا کیونکہ ابن زبیر سے اُسے جو توقعات تھیں وہ پوری ہوتی نظر نہ آئیں۔

عراق کا ملک ہمیشہ سے شورش و ہنگامہ کا آماجگاہ رہا ہے کسی انقلابی تحریک کے لئے اس سے موزوں تر کوئی اور علاقہ نہ تھا لہٰذا مختار کی نگاہیں اسی طرف اُٹھیں اور ہر آتے جاتے سے وہاں کے حالات کی کھود کرید کرتا رہا۔

ایک مرتبہ ہانی بن حجۃ الوداعی ابنِ زبیر کے پاس آیا تو حسب معمول مختار بھی اس سے ملا اور کوفہ کے حالات پوچھے۔ ہانی نے کہا۔ اہلِ کوفہ ابنِ زبیر کی اطاعت پر ثابت قدم ہیں مگر وہاں ایک بڑی جماعت ایسی بھی ہے کہ کوئی اُنہیں ایک نظام میں منسلک کر دے تو ساری دُنیا کو اپنے جھنڈے تلے لا سکتا ہے۔"

مختار نے کہا "واللہ میں انہیں حق پر جمع کروں گا" اور انہیں لے کر حامیانِ باطل سے مقابلہ کروں گا اور ہر ظالم اور دشمنِ حق کو ہلاک کر دوں گا۔

اب مختار نے کوفہ کی طرف کوچ کیا۔ جب وہ کوفہ پہنچا تو وہاں "تحریک توابین" کا زور تھا اور "انتقام حسینؓ" کی آوازیں دلوں کو گرما رہی تھیں۔

مختار نے بھی یہی نعرہ بلند کیا۔ مگر وہ سلیمان بن صرد کی رہنمائی کو اپنے مقصد کے خلاف سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی گروہ بندی علیحدہ کرنی شروع کر دی۔

اُس نے شیعانِ علی سے کہا۔

"سلیمان ناتجربہ کار آدمی ہے وہ جنگ کے ڈھنگ سے واقف نہیں۔"

وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ خود بھی قتل ہو اور تمہیں بھی قتل کرائے۔ میں ایک طے شدہ سکیم کے مطابق کام کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے مہدی بن وصی

محمد بن حنفیہ نے اپنا وزیر اور تمہارا امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ تمہاری مدد سے ملحدوں کو قتل کروں اور اہلبیت کے خون کا انتقام لوں"۔[1]

مختار نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ جہاں موقعہ دیکھا اپنے آپ کو نبی کی حیثیت سے بھی پیش کیا اور کہا کہ جبریل اس کے پاس وحی لے کر آتے ہیں اور اُسے غیب کی خبریں بتاتے ہیں[2]

چنانچہ سلیمان بن صرد کی جماعت سے علیحدہ مختار ثقفی کی ایک علیحدہ پارٹی بن گئی۔

سلیمان بن صرد کی روانگی کے بعد بعض لوگوں نے عبداللہ بن یزید خطمی اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ سے کہا کہ مختار بہت خطرناک آدمی ہے اس کے ارادے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ چنانچہ عبداللہ بن یزید نے مختار کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔

مختار کچھ عرصہ قید خانہ میں رہا مگر اُس نے پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سفارشی خط لکھوا کر اسی وعدہ پر رہائی حاصل کر لی کہ وہ حکومت کے خلاف بغاوت نہ کرے گا اور اگر وہ بدعہدی کرے تو اس کے سب غلام اور باندیاں آزاد ہو جائیں گی اور خانہ کعبہ پہنچ کر ایک ہزار اونٹنیاں قربان کرنا پڑیں گی۔

مختار کا کوفہ پر قبضہ

مختار رہا ہوتے ہی پھر اپنے کام میں لگ گیا اور اس نے زور شور کے ساتھ حکومت کے خلاف بغاوت کی تحریک شروع کر دی اور اس کے حامیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ مختار کی تحریک کو امام محمد بن حنفیہ کی تائید سے بہت فائدہ پہنچا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ کوفہ کے بعض شیعانِ علی نے مشورہ کیا کہ مختار نے یہ تحریک محمد بن حنفیہ کے نام پر شروع کر رکھی ہے ہمیں خود امام صاحب کے پاس

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص۶ [2] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ ابن اثیر ج ۶ ص۱۵۶۔

جاکر اس معاملہ کی تحقیق کر لینی چاہیئے۔ عراق سے ایک وفد مدینہ منورہ پہنچ کر محمد بن حنفیہ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اُنہیں تمام واقعات سنا کر اُن کی رائے معلوم کی۔

محمد بن حنفیہ نے اوّل اہل بیت کے مناقب بیان کئے پھر امام حسین کی حسرتناک شہادت کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا۔ تم لوگ مجھ سے ایک شخص کے متعلق پوچھتے ہو جو اہلبیت کے خون کا قصاص لینا چاہتا ہے تو بھائیو میری دلی آرزو یہ ہے کہ خدا ہمارے دشمنوں سے ان کے مظالم کا انتقام لے خواہ کسی شخص کے ذریعہ سے لے۔

اسی وفد کے جانے سے مختار کو بڑی تشویش ہو گئی تھی کہ دیکھئے محمد بن حنفیہ کیا جواب دیتے ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ چنانچہ جیسے ہی یہ لوگ واپس آئے۔ مختار نے گھبرا کر اُن سے پوچھا کہ کہو کیا معلوم ہُوا؟ مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ تم شک میں مُبتلا ہو گئے "

مگر جب اُنھوں نے امام صاحب کے جواب کو نقل کیا تو اُس نے بے اختیار نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فوراً ایک جلسہ منعقد کر کے کہا۔

"یہ لوگ امام مہدی کے پاس گئے تھے اُنھوں نے ان کو بتایا ہے کہ مَیں اُن کا وزیر، مددگار اور پیغامبر ہوں اور تمہیں حکم دیا ہے کہ بدعہدوں سے جنگ اور اہلِ بیت کے خون کے قصاص کے معاملہ میں تم میرا ساتھ دو"

اس دوران میں عبداللہ بن مطیع کوفہ کے نئے والی مقرر ہو کر آ گئے تھے۔ اُنھوں نے آتے ہی مختار کی تحریک کو دبانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ مختار نے اب کُھل کر میدان میں آنے اور کوفہ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعض مشیروں نے اُسے مشورہ دیا کہ اس قسم کے اقدام سے پہلے کوفہ کے بااثر رئیس اور اہل بیت کے محبّ ابراہیم بن الاشتر کی حمایت حاصل کرنی ضروری ہے۔ مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف سے ایک جعلی خط بنا کر ابراہیم کے سامنے

پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا :۔

"محمد مہدی کی طرف سے ابراہیم بن اشتر کے نام ۔ اما بعد!
مَیں تمہارے پاس اپنا وزیر اور معتمد بھیج رہا ہوں ۔ مَیں نے اُسے حکم دیا ہے کہ وہ میرے دشمنوں سے جنگ کرے اور اہل بیت کے خون کا انتقام لے ۔ جہاں تک ممکن ہو تم اُس کی مدد کرو ۔ کوفہ سے شام تک جس قدر علاقہ تمہاری مدد سے فتح ہو گا تم اُس کے حاکم بنائے دیئے جاؤ گے ۔"

ابراہیم نے خط کا عنوان دیکھ کر کہا میرے پاس محمد بن حنفیہ کے خط آتے رہتے ہیں اُنہوں نے کبھی اپنے آپ کو مہدی نہیں لکھا ۔ مختار نے کہا اب نیا زمانہ ہے اور نئے حالات ہیں ۔"

ابراہیم کے چند ساتھیوں نے گواہی دی کہ یہ خط ہمارے سامنے امام محمد بن حنفیہ نے لکھا ہے ۔ ابراہیم بن اشتر نے مختار کو تعظیم کے صدر میں بٹھایا ۔ اور مختار کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔

ابراہیم بن اشتر کی شمولیت سے مختار کی طاقت بہت بڑھ گئی ۔ ابراہیم اپنے مسلح ساتھیوں کی جماعتیں لے کر مختار سے ملنے جایا کرتے ۔ ایک دن ابراہیم اپنے سَو مسلح ساتھیوں کے ساتھ بازار کے بیچ میں سے گزر کر مختار کے پاس جا رہے تھے کہ کوتوالِ شہر ایاس بن مضارب نے انہیں راستہ میں روک لیا اور اُن سے امیر کوفہ عبداللہ بن مطیع کے پاس چلنے کے لئے کہا ۔ ابراہیم بن اشتر نے ایاس سے راستہ چھوڑ دینے کے لئے کہا اور جب وہ نہ مانا تو اُسے قتل کر دیا ۔

اس واقعہ کے بعد ۱۴ ربیع الاوّل ۶۶ھ کو مختار نے کوفہ میں علم بغاوت بلند کر دیا اور قصرِ امارت کا محاصرہ کر لیا ۔ عبداللہ بن مطیع نے جہاں تک ممکن ہو سکا مقابلہ کیا ۔ لیکن آخر کار ہتھیار ڈال دیئے اور کوفہ سے جان بچا کر نکل گیا ۔ کوفہ پر قابض ہونے کے بعد مختار عراق کے دوسرے شہروں پر بھی قابض

ہو گیا اور وہاں اُس نے اپنے حاکم مقرر کئے۔ البتہ بصرہ ابن زبیر ہی کے ماتحت رہا۔

انتقام حسینؓ

کوفہ پر جب مختار کا تسلط ہو گیا تو اُس نے قاتلین حسین کو چُن چُن کر قتل کرنا شروع کیا۔ جو کسی طرح جان بچا کر بھاگ گیا اس کے مکان کو کھدوا کر پھینک دیا۔ چنانچہ شمر ذی الجوشن، عمر بن سعد عبداللہ بن اسید جہنی، مالک بن بدی، حمل بن مالک محاربی، خولی، اصبحی، زیاد بن مالک ضبعی، عمران بن خالد تشیری، عبدالرحمٰن بن ابی فشارہ بجلی، عبداللہ بن قیس خولانی، عثمان بن خالد جہنی، بشیر بن شمیط قانصی وغیرہ کو قتل کرا دیا اور بعض کی لاشوں کو آگ میں جلا دیا۔ شمر ذی الجوشن کی لاش کو کتوں سے پھڑوا دیا گیا۔

محمد بن حنفیہ قید میں

عبداللہ بن زبیرؓ عرصہ سے محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن عباسؓ پر بیعت کے لئے زور دے رہے تھے۔ مگر یہ دونوں بزرگ کہتے رہے کہ جب تک عالمِ اسلام آپ کی خلافت پر متفق نہ ہو جائے گا ہم بیعت نہ کریں گے۔

جب مختار کا کوفہ پر قبضہ ہو گیا تو اس نے محمد بن حنفیہ سے باقاعدہ بیعتِ خلافت لینے کی اجازت طلب کی۔ اس سے پہلے مختار اسی قسم کی درخواست امام زین العابدین سے بھی کر چکا تھا۔ مگر آپ اس کے ہتھکنڈوں کو سمجھتے تھے اس لئے آپ نے علی الاعلان مسجدِ نبویؐ میں اس کی قلعی کھولی اور اس کی محبت اہل بیت کی حقیقت ظاہر کی۔ اُدھر سے مایوس ہو کر جب مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف رجوع کیا تو امام موصوف نے محمد بن حنفیہ کو بھی یہی رائے دی کہ وہ اس کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ وہ محض اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اہلبیت کا نام استعمال کرنا چاہتا ہے مگر محمد بن حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مشورہ سے ابن زبیر کے مقابلہ میں اس کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اس کی درخواست کو منظور کر لیا۔[1]

---

[1] مسعودی برحاشیہ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۵۶

اب عبداللہ بن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہؒ پر بیعت کے لئے سختی شروع کر دی اور جب وہ نہ مانے تو انہیں زمزم کی چہار دیواری میں قید کر دیا اور قتل کی دھمکی دی۔ محمد بن حنفیہ نے مختار کو اپنے حال سے مطلع کیا۔ مختار نے ایک فوج بھیج کر انہیں قید سے چھڑا لیا اور چار لاکھ کی رقم بھی اُن کے اخراجات کے لئے بھیج دی۔

ابن زیاد کا قتل

ابن زیاد موصل میں مقیم تھا اور عراق کی پیش قدمی کا ارادہ کر رہا تھا۔ مختار نے کوفہ پر قابض ہوتے ہی یزید بن انس اسدی کی سپہ سالاری میں اُس کے مقابلہ کے لئے ایک فوج بھیجی۔ ابن زیاد کو معلوم ہُوا تو اُس نے یزید کو روکنے کے لئے ربیعہ بن مخارق اور عبداللہ بن جبلہ کو تین تین ہزار کے دو لشکروں کے ساتھ بھیجا۔ مقام باقلی میں مقابلہ ہُوا۔ یزید بن انس نے شامیوں کو شکست فاش دی اور اُن کے بہت سے آدمی مقتول ہُوئے۔

مگر یزید بن انس سخت بیمار تھا۔ فتح کے فوراً بعد اُس کا انتقال ہو گیا۔ اُس کا جانشین ورقاء بن عازب اسدی مقرر ہُوا۔ ورقاء کو معلوم ہُوا کہ ابن زیاد اَسّی ہزار کا لشکر لے کر خود مقابلہ کے لئے آ رہا ہے۔ ورقاء نے مقابلہ مناسب نہ سمجھا اور واپس لوٹ آیا۔ مختار نے چند روز بعد ابراہیم بن اشتر کی سپہ سالاری میں ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے دوسری فوج بھیجی۔ اس فوج میں مختار کے بہترین اور آزمودہ کار افسر شامل تھا۔

ابن زیاد کو جب اس لشکر کے آنے کی خبر معلوم ہُوئی تو وہ بھی ایک زبردست فوج ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا۔ نہر خازر پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہُوا۔ شامی لشکر میں سے قبیلہ قیس کے آدمی ابراہیم بن اشتر سے مل گئے۔ ابن زیاد کو شکستِ فاش ہوئی اور وہ اشتر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ابن زیاد کے علاوہ دوسرا مشہور شامی سردار حصین بن نمیر بھی مقتول ہُوا۔

ابراہیم بن اشتر نے ابن زیاد کا سر کاٹ کر جسم جلا دیا اور سر مختار کے پاس کوفہ بھیج دیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابنِ زیاد اور دوسرے شامی افسروں کے سر قصرِ کوفہ کے ایک گوشہ میں پڑے ہُوئے تھے ایک پتلا سا سانپ آیا اُس نے ان سروں کے بیچ میں چکر لگایا اور پھر ابن زیاد کے منہ میں داخل ہو کر ناک میں سے اور ناک میں داخل ہو کر منہ میں سے نکل گیا [1]

اس فتح کے بعد ابن اشتر جزیرہ کے والی ہو کر وہیں ٹھہر گئے۔ انہوں نے جزیرے کے دوسرے شہروں کے لئے اپنی طرف سے حاکم مقرر کئے۔

مختار کی عرب دشمنی مختار کے ساتھی زیادہ تر عجمی موالی تھے۔ اس کی تحریک عام طور پر انہی میں مقبول ہوئی تھی۔ کوفہ پر قابض ہونے کے بعد اُس نے ان کو اعزازات و مناصب پر سرفراز کیا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ ان موالی نے اپنے آقاؤں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں عربوں کو قتلِ حسین کا الزام رکھ کر قتل کرا دیا اور ان کا مال و دولت خود حاصل کر لیا۔ عربوں کو قدرتی طور پر مختار کا یہ طرزِ عمل سخت ناگوار گزرا۔ جب مختار نے ابنِ زیاد کے مقابلہ کے لئے پہلی مرتبہ فوج بھیجی تو عربوں نے اُس کے خلاف سخت بغاوت کی مگر ابن اشتر کی مدد سے یہ بغاوت فرو کر دی گئی۔

اس کے بعد مختار نے عربوں کے خلاف سخت بغاوت کی روش اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ سینکڑوں اشرافِ کوفہ بھاگ بھاگ کر بصرہ چلے گئے۔ جہاں ابنِ زبیر کی حکومت تھی۔

کرسئ علیؓ اس کے علاوہ مختار نے اپنی تحریک کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے کرسئ علی کا ڈھونگ رچایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوفہ میں حضرت علیؓ کے ایک بھانجے جعدہ بن ہبیرہ رہا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مختار نے اُن کے بیٹے طفیل بن جعدہ سے کہا کہ تمہارے ہاں

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۰۳ بحوالہ جامع ترمذی

حضرت علیؓ کی ایک کرسی ہے وہ مجھے دے دو۔ جعدہ نے انکار کیا لیکن جب مختار نے بہت اصرار کرنا شروع کیا تو انہوں نے ایک روغن فروش پڑوسی کے ہاں سے ایک پرانی کرسی لا کر مختار کے حوالے کر دی۔ مختار نے اس کرسی پر ریشمی غلاف چڑھا کر اور ایک خوب صورت صندوق میں رکھ کر عام زیارت کے لئے جامع مسجد میں رکھا اور اعلان کیا کہ جس طرح خدا تعالےٰ نے بنی اسرائیل کے لئے تابوتِ سکینہ فتح و نصرت کی نشانی کے طور پر بھیجا تھا اسی طرح اس اُمت کے لئے یہ کرسی بھیجی ہے۔ ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے جو فوج گئی اُس کے ساتھ بھی برکت کے لئے ایک خچر پر لاد کر اور پردے ڈال کر یہ کرسی بھیجی گئی۔ جب میدانِ جنگ میں اہلِ کوفہ کو فتح ہوئی تو اُسے اس کرسی ہی کی کرامت قرار دیا گیا۔

سادہ لوح دماغ اس قسم کے ہتھکنڈوں کا بہت جلد شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کرسی کے متعلق عوام میں مشرکانہ عقیدے پھیل گئے اور اس کے گرد خانہ کعبہ کی طرح طواف ہونے لگا۔

صحیح العقیدہ مسلمان اس بدعقیدگی پر کڑھے اور انہوں نے مختار کی حرکتوں پر بیزاری کا اظہار کیا۔ چنانچہ اعشیٰ ہمدانی کہتے ہیں :-

شهدت عليكم انكم سبئية ۔۔۔ وانى بكم يا شرطة الشرك عارف

فاقسم ماكرسيكم بسكينة ۔۔۔ وان كان قد لفت عليه اللفائف

وان ليس كالتابوت فينا وان ۔۔۔ شيام حواليه ونهد وخارف

وانى امرؤ احببت آل محمد ۔۔۔ وتابعت وحيا ضمنته المصاحف

"میں گواہی دیتا ہوں کہ تم سبائی مذہب کے ہو اور شرک کے پاسبانو! میں تم کو خوب جانتا ہوں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی تابوتِ سکینہ نہیں خواہ اس پر تم کتنے ہی غلاف چڑھاؤ اور نہ یہ تابوت سکینہ کی مانند ہے خواہ شیام اور نہد اور خارف اس کے گرد چکر لگائیں۔ میں تو محبِّ آل محمد ہوں اور صرف

اس وحی کو مانتا ہوں جو کلام پاک میں محفوظ ہے"۔[1]

مصعب اور مختار کا مقابلہ کوفہ پر مختار کے قبضہ کے بعد عبد اللہ بن زبیرؓ نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو بصرہ کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ انہوں نے جامع کوفہ میں قرآن کریم کی ان آیات کے ذریعہ اپنا پیغام اہل کوفہ کو پہنچایا:۔

طٰسٓمٓ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ نَتْلُوا عَلَيْكَ مِن نَّبَإِ مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ (پ ۲۰ ع ۴)	"یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی ہم آپ کو موسیٰ اور ہارون کا کچھ حقیقی احوال سناتے ہیں ان لوگوں کے اطمینان کے لئے جو ایمان لائے ہیں درحقیقت فرعون ملک میں چڑھ رہا تھا اور اس نے اہل ملک کو کئی فرقوں میں تقسیم کر دیا تھا اس نے ان میں ایک فرقہ کو کمزور کر دیا تھا کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا درحقیقت وہ فسادی تھا۔

یہ بنی امیہ اور ان کے غیر امویوں کے ساتھ مظالم کی طرف اشارہ تھا۔

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ ۔ (پ ۲۰ ع ۴)	"ہم چاہتے تھے کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے ملک میں اور بنائیں ان کو سردار اور ملک کا وارث اور جما دیں ان کو ملک میں"۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۰۱

یہ عبداللہ بن زبیرؓ اور اُن کی متوقع کامیابی کی طرف اشارہ تھا۔

وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿پ۲۰ ع۴﴾ "اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کے سامنے وہی خطرہ لائیں جس کا انہیں ڈر تھا"

یہ مختار ثقفی اور اُس کی ہزیمت کی طرف اشارہ تھا۔

پھر کہا اے اہلِ کوفہ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ تم اپنے اُمراء کے لئے لقب تجویز کرتے ہو تو سُن لو میں نے اپنا لقب جزار (قصائی) تجویز کیا ہے۔

اشرافِ کوفہ جو بصرہ میں آ کر جمع ہو گئے تھے انہوں نے مصعب پر زور دیا کہ مختار پر جلد حملہ کیا جائے۔ مصعب نے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کو جو فارس کا عامل تھا بصرہ بُلا لیا اور اُس کو اور دوسرے سردارانِ کوفہ کو اپنے ساتھ مِلا کر کوفہ کی طرف بڑھے۔ مختار کو خبر ہوئی تو اُس نے احمد بن سلیط کو ساٹھ ہزار کا لشکر دے کر مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ مقام مذار پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہُوا مصعب فتح یاب ہُوئے اور مختار کے آدمیوں کا پیچھا کرتے ہُوئے کوفہ کے قریب پہنچ گئے۔

کوفہ میں مختار خود مقابلہ کے لئے نکلا۔ مگر اب وہاں کا رنگ بدل چکا تھا جب مختار اور اُس کے ساتھی بازاروں میں گزرتے تو مکانوں کی چھتوں پر سے اُن پر تیر برسائے جاتے اور گندگی پھینکی جاتی۔ مختار مجبور ہو کر قلعہ بند ہو بیٹھا۔

مصعب نے محاصرہ کو سخت کر دیا۔ جب مختار کو مایوسی ہُوئی تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "اس طرح بھوکوں مرنے سے لڑتے ہُوئے مر جانا بہتر ہے" مگر اس کے ساتھی اس کے لئے تیار نہ ہُوئے۔

آخر مختار اُنیس[۱۹] جان نثاروں کے ساتھ قصر کا دروازہ کھول کر نکلا اور مردانہ وار لڑتا ہُوا مارا گیا۔

جان کی بازی لگانے سے پہلے مختار نے اپنے ایک معتمد ساتھی سائب بن مالک اشعری کو بُلایا اور کہا "اے شیخ قصر سے نکلو ہم دین کے لئے نہیں بلکہ حُبِّ دُنیا

کے لئے اپنے دشمنوں کا مقابلہ کریں۔

سائب نے کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ اے ابو اسحاق! لوگ تو یہ سمجھتے تھے کہ تم دین کی خاطر اس کام کے لئے کھڑے ہوئے ہو۔

مختار نے جواب دیا۔

"میری جان کی قسم نہیں یہ سب طلبِ دُنیا کے لئے تھا۔ میں نے دیکھا کہ شام عبد الملک کے قبضہ میں ہے، حجاز عبد اللہ بن زبیر کے زیرِ حکومت ہے۔ عروض پر نجدہ حروری کا تسلط ہے اور خراسان پر عبد اللہ بن خازم حکمران ہے۔ میں اُن میں سے کسی سے کم نہ تھا۔ میرے دل میں بھی حکومت کی آرزو نے چٹکیاں لیں۔ اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے میں نے انتقامِ حسین کو وسیلہ بنایا۔" [۱]

مصعب بن زبیر نے مختار کا سر عبد اللہ بن زبیر کے پاس مکّہ معظمہ بھیج دیا۔ اور اُس کے ہاتھ کٹوا کر کوفہ کی جامع مسجد میں آویزاں کر دیئے۔ یہ واقعہ ۶۷ھ کا ہے۔

عبد الملک کا عراق پر حملہ

مختار کے خاتمہ کے بعد حجاز کے علاوہ عراق پھر عبد اللہ بن زبیر کے قبضہ میں آگیا۔ اِدھر شام اور مصر عبد الملک کے قبضہ میں تھا۔ بعض لوگوں نے عبد الملک کو مشورہ دیا کہ عبد اللہ بن زبیر سے مصالحت کر لو اور اپنے مقبوضہ ممالک پر قانع رہو۔ مگر عبد الملک نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا اور ایک بڑی جمعیت کے ساتھ عراق فوج کشی کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مصعب بن زبیر بھی مقابلے کے لئے نکلے۔ دیر جاثلیق میں دونوں فوجوں نے آمنے سامنے پڑاؤ ڈال دیئے۔

عبد الملک عراقیوں کی باغیانہ فطرت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُس نے

---

[۱] اخبار الطوال صـ۲۹۸۔

حکومت و دولت کا لالچ دے کر تقریباً تمام عراقی سرداروں کو عین میدانِ جنگ میں توڑ لیا۔ البتہ ابراہیم بن اشتر عبدالملک کے جال میں نہ پھنسے بلکہ انہوں نے عبدالملک کے خط کو پڑھنا کو پسند نہ کیا اور اسے سربمہر مصعب کے سامنے پیش کر دیا۔

ابراہیم نے مصعب سے کہا۔ اس قسم کے خطوط بھیج کر عبدالملک نے آپ کے تمام سرداروں کی وفاداری کو خرید لیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ ان سرداروں کو قصرِ ابیض میں قید کر دیں۔ مگر مصعب نے اس تجویز کو قبول کرنا مناسب نہ سمجھا اور افسوس کے ساتھ کہا۔

"خدا احنف بن قیس پر رحم کرے وہ مجھے اہلِ عراق کی غداری سے محفوظ رہنے کی نصیحت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اہلِ عراق فاحشہ عورتوں کی طرح ہیں۔ جس طرح انہیں ہر روز ایک نیا خاوند درکار ہوتا ہے اسی طرح انہیں ہر روز ایک نئے امیر کی ضرورت ہوتی ہے۔"

آخر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ سابقہ قرارداد کے مطابق عین موقعہ جنگ پر مصعب بن زبیر کے عراقی لشکر کے سرداروں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ البتہ ابراہیم بن اشتر نے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان دی۔

ابراہیم کے قتل کے بعد مصعب مایوس ہو گئے۔ سردارانِ عراق کی غداری نے میدانِ کربلا کا منظر ان کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا مگر انہوں نے بھی قافلہ سالارِ کربلا کی سُنّت پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ شعر پڑھا ؎

الا انّ لی بالطف من اٰلِ ہاشم　　تاسّوا فتسوا اللکرام التاسیا

عبدالملک بن مروان نے مصعب کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے آپ کو قتل کرنا منظور نہیں۔ میں آپ کو بلا شرط امان دیتا ہوں۔ مصعب نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت و عزیمت کے ساتھ لڑتے ہوئے جان دی۔

دیرِ جاثلیق کی فتح کے بعد عراق بھی عبدالملک کے قبضہ میں آ گیا اور اس نے کوفہ اور بصرہ میں اپنی طرف سے والی مقرر کئے۔

محاصرۂ مکہ عراق پر قابض ہونے کے بعد عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کے لئے حجاز روانہ کیا۔ حجاج جمادی الاول ۷۲ھ میں طائف میں آکر خیمہ زن ہوا۔ حجاج یہاں سے تھوڑی تھوڑی فوج کو میدانِ عرفات میں بھیجتا رہا اور یہاں عبداللہ بن زبیر کی فوج سے مقابلہ ہوتا رہا۔ مگر کوئی فیصلہ کن صورت پیدا نہ ہوئی۔

اب حجاج نے عبدالملک کو خط لکھ کر حرم میں داخل ہونے اور عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کرنے کی اجازت طلب کی اور کچھ کمک بھی مانگی۔ عبدالملک نے اُسے حرم میں داخل ہونے کی اجازت دے دی اور طارق کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ مدد کے لئے بھیجا۔ حجاج نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا اور کوہِ ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر سنگباری شروع کر دی۔ اسی دوران میں حج کا موسم آگیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی سفارش پر ایامِ حج کے لئے سنگباری موقوف رہی۔ ایامِ حج گزرتے ہی سنگباری پھر شروع کر دی گئی اور خانہ کعبہ کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔

محاصرے نے طول کھینچا اور مکہ میں سخت قحط پڑ گیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ کی طاقت روز بروز کم ہونے لگی اور اُن کے ساتھی ایک ایک کر کے اُن سے علیحدہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اُن کے دو بیٹے بھی اُن کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کی امان میں چلے گئے۔

یہ ناسازگار حالات دیکھ کر عبداللہ بن زبیرؓ مایوس ہو گئے۔ آپ اپنی والدۂ محترمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"اماں جان! میرے تمام ساتھی حتیٰ کہ میرے اہل و عیال میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں جو تھوڑے بہت باقی ہیں وہ بھی زیادہ صبر نہیں کر سکتے۔ اس حالت میں فتح کی تو کوئی اُمید نہیں، البتہ میرے دشمن مجھے امان دینے کے

لئے آمادہ ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے"؟

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا۔

"بیٹا! اگر تم سمجھتے ہو کہ تم حق پر تھے اور حق ہی کی تم نے دعوت دی تو تم بھی اپنے شہید ساتھیوں کی طرح حق کے لئے اپنی جان قربان کر دو اور اپنی باگ بنو اُمیّہ کے لونڈوں کے ہاتھ میں نہ دو۔ اور اگر تمہارا مقصد دُنیا کی طلب تھا تو افسوس تم پر کہ تم نے اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرا دیا۔ اگر تم یہ کہو کہ میں حق پر تو تھا مگر ساتھیوں کے ضعف کے سبب اب مقابلہ کی طاقت نہیں تو یہ شرفاء اور اہلِ دین کا شیوہ نہیں کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں۔ دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنا نہیں۔ راہِ حق میں جان کو قربان کر دینا ہی بہتر ہے"۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے عرض کیا۔

"اماں جان! مجھے موت کا تو ڈر نہیں۔ یہ ڈر ضرور ہے کہ میرے دشمن قتل کے بعد میرا مثلہ کریں گے اور میری لاش کو پھانسی پر لٹکائیں گے"۔

حضرتِ اسماءؓ نے فرمایا:۔

"بیٹا! بکری جب ذبح ہو گئی تو اُسے کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی جاؤ جو کچھ ارادہ ہو کر گزرو اور اللہ کی مدد پر بھروسہ کرو"۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی والدہ محترمہ کا سر چُوم کر عرض کیا:۔

"مجھے آپ کی رائے سے پورا اتفاق ہے۔ میں کبھی دُنیا کی طرف مائل نہیں ہُوا نہ میں نے دنیوی زندگی کو پسند کیا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ کی رائے کیا ہے۔ آپ نے میری بصیرت میں اضافہ کیا ہے۔ اماں جان میرے قتل سے آپ غمگین نہ ہوں اور معاملہ خدا کے سپرد کر دیں"۔

حضرت اسماءؓ نے فرمایا:۔

"مجھے امید ہے کہ میں صبر و شکر کے ساتھ تمہارا صدمہ برداشت کر سکوں گی۔ جاؤ اللہ کا نام لے کر اپنا کام کرو۔"

اس کے بعد حضرت اسماءؓ نے اپنے صاحبزادے کو دعائیں دیں اور رخصت کرنے کے لئے گلے سے لگایا۔ آپ کی ہاتھ عبداللہ کی زرہ پر پڑا تو فرمانے لگیں۔ بیٹا موت کے فدائی زرہ نہیں پہنا کرتے اسے اُتار دو۔ عبداللہ بن زبیر نے زرہ اُتار دی۔ اس کے بعد آستینیں چڑھا کر، کرتہ کو پاجامہ میں اُڑس کر اپنے چند ساتھیوں کو لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ جس طرف نکل جاتے تھے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے۔ آخر سینکڑوں کو خاک و خون میں لٹا کر قبیلہ سکون کے ایک شخص کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

آپ کی شہادت پر اہلِ شام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا "ان لوگوں کو دیکھو صحابہ کرامؓ نے تو ابنِ زبیر کی پیدائش کی مسرت میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے تھے اور یہ اُن کی موت کی خوشی میں تکبیر کے نعرے لگا رہے ہیں۔"

شہادت کے بعد حجاج نے آپ کا سر عبدالملک کے پاس شام بھیج دیا۔ اور جثہ مقام حجون میں پھانسی پر لٹکا دیا۔ حضرت اسماءؓ کا اُدھر سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا کیا اس شہسوار کے سواری سے اُترنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔

عبدالملک کو خبر ہوئی تو اُس نے اس حرکت پر حجاج کو ملامت کی اور لاش کو حضرت اسماءؓ کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مقامِ حجون میں آپ کی لاش کو دفن کر دیا گیا۔ عبداللہ بن زبیر کی شہادت ۱۷ جمادی الاخریٰ ۷۳ھ کو ہوئی شہادت کے وقت آپ کی عمر ۷۳ سال تھی آپ کی خلافت ۹ سال رہی۔ عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد میدانِ سیاست میں عبدالملک بن مروان کا کوئی حریف نہ رہا اور وہ تمام ممالکِ اسلامیہ کا بلا شرکتِ غیرے خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔

حجاج عراق میں

عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی دو سال تک حجاز کا والی رہا۔ عراق کی شورش پسند

سرزمین ابھی تک فتنوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ان فتنوں کی جڑیں اکھاڑنے کے لئے کسی سخت گیر حاکم کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ۷۵ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کو عراقین (بصرہ و کوفہ) کا والی بنا کر بھیجا گیا۔

حجاج صرف بارہ سواروں کو اپنے ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہوا۔ سب سے پہلے وہ جامع مسجد میں پہنچا اور تقریر کی منادی کرادی۔ جب وہ خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھا تو اس نے سرخ ریشمی عمامہ کا ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔ اہل کوفہ کے طرزِ عمل کا اندازہ کرنے کے لئے تھوڑی دیر وہ خاموش بیٹھا رہا۔ جب اہل کوفہ نے اپنی عادت کے مطابق اس پر سنگریزے برسانے چاہے تو اس نے ڈھاٹا کھول دیا اور حسبِ ذیل تقریر کی :-

"اے اہلِ کوفہ میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت سے سر پکے پھلوں کی طرح جھڑنے والے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ عماموں اور داڑھیوں کے درمیان خون کی موجیں اٹھ رہی ہیں۔ واللہ! مجھے آسانی سے نہیں دبایا جا سکتا اور شور و شر سے نہیں ڈرایا جا سکتا۔ میں گرم و سرد زمانہ چشیدہ ہوں"

امیر المومنین عبدالملک نے اپنے ترکش کا سب سے زیادہ سخت اور کڑوا تیر تمہاری طرف پھینکا ہے تم نے فساد کو اپنا مسلک اور گمراہی کو اپنا اوڑھنا بچھانا بنا لیا ہے۔ یاد رکھو میں تمہارے سب کس بل نکال دوں گا"

تمہاری حالت اس بستی والوں کی سی ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے کہ "وہاں ہر طرح امن و اطمینان کی فراوانی ہوگی۔ ہر قسم کی نعمتیں بکثرت ہر طرف سے چلی آتی تھیں مگر اس بستی والوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بھوک اور خوف کے عذاب مسلط کر دیا۔ واللہ میں جو کچھ کہتا ہوں اسے کر کے دکھا دیتا

ہوں۔ جو ارادہ کرتا ہوں اُسے پورا کر کے چھوڑ دیتا ہوں۔ امیرالمؤمنین نے حکم دیا ہے کہ تمہاری تنخواہیں تقسیم کر دی جائیں اور تم مہلب بن ابی صفرہ کے ساتھ خوارج کے مقابلہ کے لئے نکل جاؤ۔ اگر تنخواہ وصول کرنے کے تین روز بعد مجھے کوئی شخص کوفہ میں نظر آیا تو اس کی گردن اُڑا دوں گا۔"

اس تقریر کے بعد ساری مسجد میں سناٹا چھا گیا اور جن لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں وہ بلا قصد بکھر گئیں۔

اس کے بعد حجاج نے غلام کو عبدالملک کا فرمان سنانے کا حکم دیا۔ غلام نے پڑھنا شروع کیا "اما بعد، السلام علیکم" حجاج نے غلام کو روک دیا اور اہلِ کوفہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے مار کے یارو! امیرالمؤمنین! تمہیں سلام کہتے ہیں اور تم اس کا جواب تک نہیں دیتے۔ خدا کی قسم! میں تمہیں ادب سکھا کر رہوں گا" یہ کہہ کر غلام کو فرمان پڑھنے کا حکم دیا۔ اس مرتبہ مسجد میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے سلام کا جواب نہ دیا ہو۔ پھر حجاج نے تنخواہیں تقسیم کرانا شروع کیں۔

ایک بوڑھا شخص عمیر بن خیالی جس کے بدن میں رعشہ تھا حجاج کے پاس آیا اور کہنے لگا اے امیر! میں ایک بوڑھا اور بیمار شخص ہوں میری بجائے میرے جوان بیٹے کو فوج میں بھرتی کر لیا جائے۔ حجاج نے منظور کر لیا۔ کسی شخص نے کہا آپ کو معلوم بھی ہے یہ کون ہے؟ قاتلینِ عثمانؓ میں سے ہے اس نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اُن کی دو پسلیاں توڑی تھیں۔ حجاج نے یہ سن کر اُسے واپس بلایا اور کہا اے بوڑھے! تُو نے عثمانؓ کے قتل کے لئے اپنی جگہ کسی اور کو کیوں نہ بھیجا۔ پھر اُسے قتل کرا دیا۔

حجاج کے اس سخت طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ کوفہ بلا توشہ لئے مہلب کے پاس روانہ ہو گئے اور کوفہ کے پل پر چلنے کے لئے راستہ نہ رہا۔

کوفہ سے فارغ ہو کر حجاج بصرہ پہنچا اور وہاں بھی اسی قسم کی تقریر کی۔ ایک شخص شریک بن عمرو یشکری اس کے پاس آیا اور کہا اے امیر مجھے فتق کی بیماری ہے۔ سابق امیر بشیر بن مروان نے مجھے فوجی خدمت سے معذور رکھا تھا۔ میری آپ سے بھی یہی درخواست ہے۔ حجاج نے اُس کے قتل کا حکم دیا۔ یہ سختی دیکھ کر اہلِ بصرہ بھی مہلب کی فوج میں شریک ہونے کے لئے روانہ ہونے لگے۔ کسی کو تامل کی جرأت نہ ہوئی۔ مہلب بن ابی صفرہ نے یہ حال دیکھ کر کہا "ہاں اب عراق میں ایک مرد آیا ہے۔

فتنہ ابنِ جارود مہلب کی امداد کے لئے حجاج استقاباذ آیا۔ یہاں سے مہلب کی لشکرگاہ اٹھارہ فرسخ تھی۔ حجاج کا ارادہ یہ تھا کہ یہاں رہ کر مہلب کی امداد کرتا رہے۔

یہاں کے دورانِ قیام میں ایک سخت فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا جس سے پیچھا چھڑانا حجاج کے لئے مشکل ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مصعب بن زبیر نے اپنے دورِ حکومت میں اہلِ لشکر کے وظائف میں سو سو درہم کا اضافہ کر دیا تھا۔ حجاج کے پیش رو اموی والی بشیر بن مروان نے بھی اس اضافہ کو برقرار رکھا تھا۔ حجاج نے اُسے منسوخ کرنے کے ارادہ کیا اور ایک دن تقریر کرتے ہوئے کہا :۔

"ابن زبیر کے عہد میں وظائف میں جو اضافہ ہوا تھا میں اُسے منسوخ کرتا ہوں"

ایک با اثر شخص عبداللہ بن جارود نے فوراً کھڑے ہو کر کہا۔

"یہ ابنِ زبیر ہی کا اضافہ نہیں ہے بلکہ عبدالملک بن مروان نے بھی اُسے قبول کیا اور برقرار رکھا ہے"

حجاج کو یہ تردید سخت ناگوار گزری اور ابن جارود کو قتل کی دھمکی دی۔ اس وقت تو مصلحتً دونوں خاموش رہے مگر موقعہ کے انتظار میں رہے۔ چونکہ فوج

کے مفاد کا معاملہ تھا اس لئے بہت سے سردار ابن جارود کے ہمنوا ہو گئے اور انہوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے حجاج کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آخر ربیع الآخر ۷۶ھ میں ابن جارود ایک بڑی جمعیت کے ساتھ حجاج کے مقابلہ کو نکلا۔ ابتدائی معرکوں میں ابن جارود غالب رہا۔ حتیٰ کہ حجاج کا خیمۂ خاص لوٹ لیا اور اس کی دو بیبیوں کو قید کر لیا۔ مگر آخری معرکہ میں ابن جارود کے ایک تیر لگا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ ابن جارود کے مرتے ہی اس کی فوج میں بھگدڑ پڑ گئی۔ اُدھر حجاج نے مصلحتِ وقت پر نظر کرتے ہوئے امن عام کا اعلان کرا دیا۔ اس طرح حجاج نے ایک بڑی مصیبت سے نجات پائی۔

بغاوت رتبیل

سجستان کے نواح میں ایک ترک فرماں روا رتبیل مسلمانوں کا باجگزار تھا لیکن مسلمانوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے کچھ عرصہ سے اس کا رویہ یہ ہو گیا تھا کہ کبھی خراج دیتا اور کبھی نہ دیتا۔ ۷۹ھ میں حجاج نے عبیداللہ بن ابی بکرہ کو سجستان کا والی بنا کر بھیجا تو ایک سال تک رتبیل کا رویہ مصالحانہ رہا۔ اس کے بعد اس نے خراج دینے سے انکار کیا تو حجاج نے عبیداللہ کو اس پر فوج کشی کا حکم دیا۔

عبیداللہ اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ کی جمعیت کثیر کے ساتھ بلادِ رتبیل میں داخل ہوا۔ اس کے تمام قلعوں کو منہدم کر دیا اور خزانوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ رتبیل پسپا ہوتا ہوا جب دارالحکومت کے قریب پہنچا تو اس نے ترکوں کو حکم دیا کہ وہ پلٹ کر مسلمانوں کی واپسی کے راستوں کو بند کر دیں۔ چنانچہ مسلمان بلادِ ترک میں محصور ہو گئے۔ اور انہوں نے مجبور ہو کر رتبیل کو ۷ لاکھ درہم دے کر جان بچائی۔

لیکن فوج کے ایک حصہ نے ایک زیر دستانہ مصالحت کو پسند نہ کیا اور وہ شریح بن ہانی کی ماتحتی میں دشمن سے بہادری کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

حجاج کو مسلمانوں کی اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو اس نے عبدالملک کو

لکھ کر رتبیل کے مقابلہ کے لئے ایک لشکرِ عظیم بھیجنے کی اجازت حاصل کر لی۔
چنانچہ ۸۰ھ میں چالیس ہزار جنگ آزمودہ سپاہی بہترین اسلحہ سے آراستہ ہو کر مشہور سپہ سالار عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کی سرکردگی میں عراق سے سجستان کی طرف روانہ ہوئے۔ سجستان پہنچ کر محمد بن اشعث نے اہلِ سجستان کو بھی اپنے ساتھ لیا اور اس لشکرِ عظیم کے ساتھ بلادِ رتبیل میں پیش قدمی شروع کر دی۔

رتبیل کو جب اس مصیبت کا احساس ہوا تو بہت گھبرایا اور اطاعت کا وعدہ کیا۔ لیکن عبدالرحمٰن نے اس کا اعتبار نہ کیا اور اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ عبدالرحمٰن ایک کارآزمودہ افسر تھا جس شہر پر حملہ کرتا وہاں اپنا حاکم مقرر کر دیتا اور اس کی مدد کے لئے کچھ جمعیت بھی چھوڑ دیتا۔ پہاڑ کی گھاٹیوں پر چوکیاں قائم کر دیتا اور ہر خطرناک جگہ فوجی دستے متعین کر دیتا۔ پھر اپنے اور مفتوحہ علاقوں کے درمیان سلسلۂ مواصلت بھی قائم رکھتا۔ اس انتظام کے ساتھ جب وہ رتبیل کا کافی علاقہ فتح کر چکا تو اس نے پیش قدمی کو روک دیا اور کہا۔

"اس سال اتنی ہی فتوحات کافی ہیں۔ جب ہم مفتوحہ علاقوں کے انتظام پر قابو پالیں گے اور ہمارے آدمی یہاں کے راستوں سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے اور اس دوران میں سستا بھی لیں گے۔ تو ہم آئندہ سال آگے بڑھیں گے۔"

اس نے حجاج کو بھی اپنے اس فیصلہ کی اطلاع دے دی۔

خروج ابن اشعث

حجاج اور عبدالرحمٰن کے دل ایک دوسرے سے صاف نہ تھے۔ حجاج نے عبدالرحمٰن کو لکھا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم صلح کے خواہش مند ہو۔ رواداری اختیار کر کے آرام اٹھانا چاہتے ہو۔ کمزور اور ذلیل دشمن سے جس نے مسلمانوں کے قابلِ فخر لشکر کے ساتھ دھوکہ کیا۔ نرمی برتنا چاہتے ہو مجھے اسی وقت

اطمینان ہو گا جب تم صرف میری ایک فوج سے اس دشمن کا کامیاب مقابلہ کرو گے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ تمہاری یہ رائے کسی بدنیتی پر مبنی ہے لیکن اس میں تمہارے ارادہ کی کمزوری کو ضرور دخل ہے۔ لہٰذا میں تمہیں جو حکم دے چکا ہوں اس کی تعمیل کرو۔ دشمن کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لو۔ تمام قلعوں کو منہدم کر دو۔ لڑنے والوں کو قتل کر دو اور ان کے اہل وعیال کو گرفتار کر لو۔"

اس کے بعد ہی دوسرا خط لکھا جس کا مفہوم یہ تھا :-

"اگر تم میرے حکم کی تعمیل کے لئے تیار نہیں ہو تو اپنے بھائی اسحٰق ابن محمد کے حق میں دستبردار ہو جاؤ۔"

ابن اشعث کے پاس جب یہ خطوط پہنچے تو وہ سمجھ گیا کہ حجاج کا مقصد اپنی پرانی دشمنی نکالنا ہے۔ اس نے اپنے اہلِ لشکر کو جمع کر کے کہا "لوگو! میں نے جنگ کے مؤخر کرنے کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے وہ آپ کی فلاح وبہبود کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ کے اہل حل وعقد کی منظوری سے کیا۔ اب حجاج کا یہ حکم آیا ہے جو کچھ آپ کی رائے ہو وہ کیا جائے۔

یہ سُنکر سب نے بیک آواز کہا ہم اس خدا کے دشمن کی بات نہ مانیں گے۔ ابوطفیل عامر بن واثلہ صحابی نے فرمایا۔

"حجاج اس مثل پر عمل کر رہا ہے کہ "اپنے غلام کو لڑائی پر بھیجو۔ اگر مر گیا تو بھی تمہارا ہی فائدہ ہے اور اگر زندہ رہا تو بھی اُسے تمہاری ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ بس اپنے اعزاز و کرام میں اضافہ مطلوب ہے۔"

اس کے بعد سب نے مشورہ کر کے حجاج سے قطع تعلق کر لیا اور عبدالرحمان بن اشعث کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔

عبدالرحمٰن بن اشعث نے بیعتِ امارت لے لینے کے بعد رتبیل سے اس شرط پر مصالحت کر لی کہ اگر وہ کامیاب ہوا تو رتبیل سے کبھی خراج نہ لے گا

اور اگر شکست کھائی تو رتبیل اس کی مدد کرے گا۔ ادھر سے مطمئن ہو کر ابن اشعث حجاج کے مقابلہ کے لئے عراق کی طرف روانہ ہو گیا۔

فارس پہنچ کر ابن اشعث کے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ حجاج کو مقرر کرنے والے عبدالملک کی بیعت بھی فسخ کر دینی چاہیئے۔ چنانچہ یہاں عبدالملک کی بیعت توڑ دینے کا اعلان ہوا اور ابنِ اشعث کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی۔

حجاج کو یہ خبریں ملیں تو اُس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ اس نے فوراً عبدالملک کو تمام حالات کی اطلاع دی اور اس نے فوجی مدد طلب کی اور خود کوفہ سے بصرہ چلا آیا۔ عبدالملک نے فوراً اپنے درپے حجاج کی مدد کے لئے جمعیتیں بھیجنی شروع کر دیں۔

جنگِ تستر حجاج شامی فوجیوں کو لے کر بصرہ سے نکلا اور تستر میں مقیم ہوا۔ اس نے اپنے مقدمۃ الجیش کو دجیل کی طرف بڑھایا۔ عبدالرحمٰن کے ایک دستہ فوج سے اُس کی جنگ ہوئی۔ حجاج کی فوج نے شکست کھائی اور اُس کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ حجاج بصرہ کی طرف لوٹا مگر عبدالرحمٰن نے اس کا تعاقب کیا۔ حجاج مقابلہ کی طاقت نہ پا کر بصرہ کو چھوڑ کر زاویہ چلا گیا۔ عبدالرحمٰن کا بصرہ پر قبضہ ہو گیا۔ اہلِ بصرہ پہلے ہی حجاج سے نالاں تھے سب بخوشی عبدالرحمٰن کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور علماء و قراء بصرہ نے بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ واقعہ آخر ذی الحجہ ۸۱ھ کا ہے۔

جنگِ زاویہ محرم ۸۲ھ میں مقام زاویہ میں حجاج اور عبدالرحمٰن کی فوجوں میں خون ریز لڑائیاں ہوئیں۔ ابتداء میں عبدالرحمٰن کی فوجوں کو غلبہ ہوتا رہا۔ ایک دن حجاج نے مایوس ہو کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر کہا۔

"خدا مصعب بن زبیر کو جزائے خیر دے اُس نے مصیبت کے وقت فرار کے عار کو گوارا نہ کیا۔"

پھر اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اسی طرح وہ بھی جان دے گا مگر میدانِ جنگ

سے فرار نہ ہوگا۔

حجاج کی اس ہمت سے اِس کے ساتھیوں کو تقویت ہوئی اور اُنھوں نے پُوری طاقت سے عبدالرحمٰن کے میمنہ پر حملہ کر کے اُسے شکست دیدی۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور علماء و قراء کی بڑی تعداد میدانِ جنگ میں کام آئی۔ اب بصرہ پر پھر حجاج کا قبضہ ہوگیا۔ عبدالرحمٰن کوفہ میں داخل ہوکر وہاں کے قلعہ پر قابض ہوگیا۔ عبدالرحمٰن کے بہت سے ساتھی بصرہ سے آکر کوفہ ہی میں مجتمع ہوگئے۔

جنگِ دیرجماجم | حجاج بصرہ سے نکل کر دیر قرہ میں مقیم ہُوا۔ تازہ دم شامی فوجیں بھی یہاں اس کی مدد کے لئے پہنچ گئیں۔ عبدالرحمٰن بن اشعث بھی دو لاکھ سپاہیوں کو لے کر کوفہ سے نکلا اور دیرجماجم میں آکر ٹھہرا۔ فریقین نے خندقیں کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ اور لڑائی کا ایک طویل سلسلہ جاری ہوگیا۔

عبدالملک ان طویل اور بے نتیجہ خانہ جنگیوں سے تنگ آگیا۔ اس نے اپنے مشیروں کو جمع کر کے کہا۔

"اہلِ عراق کی یہ شورش حجاج سے ناراضگی کی بنا پر ہے۔ اگر ہم اس کو معزول کر کے اہلِ عراق کو راضی کر سکیں تو یہ سَودا مہنگا نہیں۔"

عبدالملک کے مشیروں نے اس کی رائے کی تائید کی۔ چنانچہ عبدالملک کی طرف سے شاہی کمیشن اُس کے بھائی محمد بن مروان اور بیٹے عبداللہ بن عبدالملک کی سرکردگی میں عراق آیا۔ اور ان دونوں نے اہلِ عراق کو یہ شاہی پیغام بھیجا۔

"امیرالمومنین حجاج بن یوسف کو عراق کی حکومت سے معزول کرنے کے لئے تیار ہیں اور یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اہلِ عراق کے وہی حقوق ہوں گے جو اہلِ شام کے ہیں اور عبدالرحمٰن بن اشعث کو جس خِطۂ ملک کی حکومت وہ چاہیں گے زندگی بھر کے لئے دیدی جائیگی۔

اگر آپ ان شرائط پر صلح کریں تو امیر المؤمنین محمد بن مروان کو عراق کا نیا امیر مقرر کرتے ہیں۔ اگر یہ شرائط منظور نہ ہوں تو پھر بدستور حجاج بن یوسف ہی عراق کا امیر رہے گا اور اُسے اختیار ہے کہ جس طرح مناسب سمجھے اہلِ عراق سے سلٹے۔"

عبدالرحمٰن بن اشعث کے ساتھیوں نے عبدالملک کی اس پیش کش کے متعلق آپس میں مشورہ کیا۔ عبدالرحمٰن کی رائے یہ تھی کہ اس پیش کش کو "جو آبرو مندانہ صلح" کی حیثیت رکھتی ہے، قبول کر لیا جائے۔ مگر اُن کے ساتھی اُن کی رائے سے متفق نہ ہوئے۔ انھوں نے کہا جب ہم اہلِ شام کو ہر طرح شکست دے سکتے ہیں تو صلح کیوں کریں۔ آخر یہ پیش کش رد کر دی گئی اور پھر جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

۱۴ جمادی الاخریٰ ۸۳ھ کو آخری اور فیصلہ کن معرکہ آرائی ہوئی۔ دونوں طرف کی فوجوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ آخر ۱۰۳ روز کی مسلسل لڑائی کے بعد عبدالرحمٰن کی فوج نے شکستِ فاش کھائی اور میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ حجاج بن یوسف فاتحانہ کوفہ میں داخل ہوا اور اُس نے ان الفاظ میں مفتوحین سے بیعت لی "میں نے امیر المؤمنین سے بغاوت کر کے کفر کا ارتکاب کیا۔ میں اس کفر سے توبہ کرتا ہوں"۔ جس کسی نے ان الفاظ کی ادائیگی میں تامل کیا اُسے بے دریغ قتل کر دیا گیا[1]

شعبی اور اعشیٰ

ابن اشعث کی حمایت میں جن اہلِ علم و قلم نے تلوار اٹھائی اُن میں فقیہ عراق عامر شعبی بھی تھے۔ فتح کے بعد حجاج نے اعلان کر دیا تھا کہ "جو شخص قتیبہ بن مسلم کے پاس "رے" چلا جائے گا اس سے تعرض نہ کیا جائے گا"۔

چنانچہ یہ بھی قتیبہ کے پاس چلے گئے تھے۔ حجاج نے قتیبہ کے پاس حکم بھیج

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۸۵

کر شعبی کو طلب کر لیا۔
شعبی کہتے ہیں کہ جب وہ کوفہ پہنچے تو اُن کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ جہاں تک ممکن ہو عذر معذرت سے کام لینا۔ مگر اُن کی جرأتِ عالمانہ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ جب حجاج کے دربار میں پیشی ہوئی اور جواب طلب کیا تو فرمایا :-

"اے امیر ہم نے آپ کے خلاف سرکشی کی۔ دوسروں کو سرکشی پہ آمادہ کیا اور اس سلسلہ میں ہر قسم کی کوشش عمل میں لائے لیکن وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ خدا نے آپ کو فتح عنایت فرمائی اور کامیابی عطا فرمائی۔ اب آپ ہم پر ظلم کریں تو ہم اُس کے مستحق ہیں اور اگر درگزر کریں تو یہ آپ کے حلم کا تقاضا ہے"۔

حجاج اُن کی صاف بیانی پر حیران رہ گیا اور کہنے لگا۔

"اے شعبی! تمہاری یہ صاف بیانی مجھے اس شخص کی معذرت سے زیادہ پسند ہے جس کی تلوار سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہوں اور وہ یہ کہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا اور مجھے کچھ خبر نہیں، جاؤ تم مامون ہو"۔

عربی کا شاعر شیریں بیان اعشیٰ ہمدانی بھی اس معرکہ میں ابنِ اشعث کے ساتھ تھا اور اپنی شعلہ بیانی سے اہلِ لشکر کے دل گرما رہا تھا۔ جب ابنِ اشعث سجستان سے عراق کی طرف روانہ ہوا تو اعشیٰ کا ایک قصیدہ زبان زدِ خاص و عام تھا اس کا ایک شعر یہ تھا۔

کذابہا الماضی وکذاب ثانی   امکن ربّی من ثقیف ھمدان

(بنو ثقیف میں دو کذاب ہوئے ہیں۔ کذاب سابق (مختار) اور کذاب ثانی حجاج۔ کاش مجھے خدا بنو ثقیف ہمدان سے بدلہ لینے کی قوت دے"۔

حجاج نے انہیں بھی طلب کر لیا اور کہا کہ اپنا ذرا قصیدہ تو سنائیے۔ اعشیٰ نے کہا اسے چھوڑیئے۔ میں اپنا تازہ کلام آپ کو سناتا ہوں۔ یہ کہہ کر ایک طویل قصیدہ حجاج کی مدح میں سنانا شروع کیا جس کا مطلع یہ تھا :-

ابی اللہ الا ان یتمم نورہٗ ویطفی نورالفاسقین فتخمدا

"خدا کو یہی منظور تھا کہ وہ نورِ حق کو مکمل کر دے اور فاسقوں کی روشنی کو بجھا دے کہ وہ ٹھنڈی ہو کر رہ جائے۔"

اعشیٰ کا یہ وجد آفریں قصیدہ سن کر تمام درباری عش عش کر اٹھے مگر حجاج نے اسے نہ بخشا اور قتل کرا دیا[۱]

یہ ہے فرق ایک عالم اور شاعر کے کیریکٹر کا۔

ابن اشعث کی موت

معرکہ "دیر جماجم" میں ابن اشعث کی قوت ٹوٹ گئی۔ اس شکست کے بعد بصرہ پہنچ کر اس نے منتشر طاقت کو مجتمع کر کے مقابلہ کیا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر وہ مایوس ہو کر کرمان و سجستان و لبست ہوتا ہوا اپنے حلیف رتبیل کے پاس اس کے علاقہ میں چلا گیا۔ یہاں پہنچ کر مرضِ سل میں اس کا انتقال ہو گیا۔

حجاج بن یوسف نے رتبیل کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ اگر وہ ابن اشعث کا سر کاٹ کر اس کے پاس بھیج دے گا تو وہ اس کا سات سال کا خراج معاف کر دے گا۔ رتبیل نے مرنے کے بعد اس کا سر کاٹ کر حجاج کو بھیج دیا اور سات سال کا خراج معاف کرا لیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رتبیل نے انعام کے لالچ میں زندہ ہی کا سر کاٹ کر بھیج دیا تھا اور یہ بھی روایت ہے کہ ابنِ اشعث کو گرفتار کر کے بھیج دیا تھا مگر اس نے راستہ میں خودکشی کر لی۔ یہ واقعہ ۸۵ھ کا ہے[۲]۔

خوارج

ابنِ زیاد نے کوفہ میں خوارج پر سختی کی تو خوارج نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مکہ معظمہ

---

[۱] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۸۸ تا ۱۹۰ [۲] ایضاً ص ۱۹۲۔

جا کر عبداللہ بن زبیر کا رنگ دیکھنا چاہا۔ اگر ہم سے متفق الرائے ہوئے تو اُن کے ساتھ مِل کر بنی اُمیّہ کا مقابلہ کریں گے اور اگر اختلافات کا اظہار کیا تو انہیں مکّہ معظمہ سے نکال دیں گے۔ چنانچہ خوارج مکّہ معظمہ پہنچ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یزید نے شامی فوجیں عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کے لئے روانہ کی تھیں۔

عبداللہ بن زبیر کو اس وقت فوجی مدد کی ضرورت تھی۔ انہوں نے اس وقت عقائد کی بحث نہ چھیڑی اور خوارج سے بنی اُمیّہ کے مقابلہ میں کام لیا۔

جب شام سے یزید کی موت کی خبر آئی اور شامی فوجیں محاصرہ اٹھا کر روانہ ہوگئیں تو خوارج نے آپس میں کہا، ہم نے ایسے شخص کی حمایت میں جنگ کی ہے جس کے عقیدے کا حال ہمیں معلوم نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نقطۂ نظر حضرت عثمانؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کے متعلق معلوم کر لیا جائے۔

چنانچہ نافع بن ارزق اور عبیدہ بن بلال وغیرہ اپنی جماعت کے ساتھ عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئے اور اصحابِ ثلثہ کی برائیاں کر کے حرفِ مطلب زبان پر لائے۔ عبداللہ بن زبیر نے اس وقت تو اُنہیں ٹال دیا اور دوسرے دن خوارج کی شرارت سے محفوظ رہنے کا انتظام کر کے ایک زبردست تقریر کی جس میں اصحابِ ثلثہ کے متعلق ایک ایک کے اعتراض کا کافی و شافی جواب دیا اور پھر فرمایا :-

"میں مجمع عام میں گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں حضرت عثمانؓ کا دوست اور اُن کے دشمنوں کا دشمن ہوں"

خوارج یہ تقریر سُن کر ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ آخر ناکام و نامراد مکّہ معظمہ سے رخصت ہوئے اور کچھ اہواز چلے گئے اور کچھ نے یمامہ کی راہ لی۔

اہواز جانے والی جماعت کا سردار نافع بن ارزق تھا۔ اُس نے اہواز پہنچ کر خلیفہ کے عامل کو نکال باہر کیا اور خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔ اب تک یہ فرقہ متحد تھا لیکن اہواز میں نافع کے طریقِ عمل کی وجہ سے ان میں عقیدہ و رائے

کا انعقاد رونما ہو گیا۔ نافع نے کہا۔

"تمام غیر خوارج کفارِ مکہ کی طرح کافر ہیں۔ ہمیں ان کے بچوں کا قتل کرنا اور اُن کی امانتوں کو غصب کر لینا حلال ہے۔ ان کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں اور ان سے مناکحت و وراثت کے تعلقات رکھنا بھی جائز نہیں ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص ہمارے پاس آئے تو ہمیں اس کے عقیدے کی جانچ کر لینی چاہیئے۔ اگر ہمارا عقیدہ قبول کرے تو فبہا ورنہ تلوار سے اس کی تواضع کرنی چاہیئے۔ جو لوگ جنگ سے علیٰحدہ رہنا پسند کریں اور حق کی حمایت کے لئے تلوار لے کر میدان میں نہ آئیں وہ بھی کافر ہیں۔"

عبداللہ بن اباض نے کہا۔

"ہمارے دشمن مباح الدم ہونے میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی طرح ہیں لیکن چونکہ وہ توحید و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے اُنہیں کافر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ کافرِ نعمت کہا جا سکتا ہے ان کے ساتھ مناکحت اور وراثت کے تعلقات رکھنا جائز ہے۔"

ابو بیہس ہیصم بن جابر ضبعی نے یہ رائے ظاہر کی کہ ہمارے دشمن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دشمنوں کی طرح ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بظاہر مسلمان اور درباطن منافق ہیں۔ اس لئے عنداللہ کافر ہونے کے باوجود ان سے مناکحت اور وراثت کے تعلقات رکھے جا سکتے ہیں۔

عبداللہ بن صفار نے خیال ظاہر کیا کہ جو لوگ ان ہنگاموں سے علیٰحدہ ہو کر گوشہ نشین ہو جائیں وہ مستحق مواخذہ نہیں۔

اس طرح خوارج کی جماعت چار فرقوں میں تقسیم ہو گئی (۱) ازرقیہ (۲) اباضیہ (۳) بیہسیہ (۴) صفریہ

ان چاروں فرقوں نے بھی آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر شروع کر دی۔

فتنۂ ازارقہ نافع بن ازرق چونکہ اپنے مسلک میں سب سے زیادہ سخت تھا اس لئے اہواز میں خوب کشت وخون کا بازار گرم کیا۔ پھر بصرہ کی طرف بڑھا اور بصرہ کے پُل پر پہنچ گیا۔ عبداللہ بن حرث نے جو اس زمانے میں عبداللہ بن زبیر کی طرف سے امیر بصرہ تھے مسلم بن عبیس کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ مسلم بن عبیس نے نافع کو شکست دے کر دولاب کی طرف ہٹا دیا۔ یہاں فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی جس میں نافع اور مسلم دونوں کام آئے۔ اہلِ بصرہ نے حجاج بن باب کو اور خوارج نے عبداللہ بن ماحوز کو اپنا سردار مقرر کرکے پھر لڑائی شروع کر دی۔ مگر یہ دونوں بھی مقتول ہوئے۔

اب اہلِ بصرہ نے ربیع بن احرم کو اور خوارج نے عبیداللہ بن ماحوز کو اپنا سردار تجویز کیا اور لڑائی پھر چھڑ گئی۔ لڑائی جاری تھی اور فریقین تھک گئے تھے کہ خوارج کے ایک تازہ دم دستہ نے لڑائی میں شریک ہوکر اہلِ بصرہ کو شکست دیدی۔ اور ان کا امیر ربیع مارے گئے۔ اب خوارج نے پھر بصرہ کا رُخ کیا۔ اہلِ بصرہ میں اس خبر سے گھبراہٹ پھیل گئی۔ عبداللہ بن زبیر نے عبداللہ بن حرث کو بصرہ سے معزول کرکے ان کی جگہ حرث بن ابی ربیعہ کو بھیجا[1]

حرث بن ابی ربیعہ نے بصرہ پہنچ کر اہلِ بصرہ سے مشورہ کیا تو احنف بن قیس اور دوسرے اہل الرائے نے بالاتفاق کہا کہ یہ کام مہلب بن ابی صفرہ کے سوا کسی کے بس کا نہیں۔

مہلب بن صفرہ خراسان کے والی ہوکر جارہے تھے مگر انہوں نے اس شرط پر یہ خدمت منظور کر لی کہ جس علاقہ کو وہ فتح کریں وہ ان کی حکومت میں دے دیا جائے۔ جس قدر رقم کی انہیں ضرورت ہو بیت المال سے ادا کی جاتے اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق اپنے ماتحت افسر انتخاب کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۷

مہلب بن ابی صفرہ بارہ ہزار کا لشکر لے کر خوارج کی طرف بڑھے اور انہیں بصرہ کے قریب سے دھکیلتے ہوئے اہواز تک لے گئے۔ یہاں ایک مقام سلی صبری پر پہنچ کر سخت لڑائی ہوئی جس میں ابتداءً خوارج کو فتح حاصل ہوئی مگر مہلب نے اپنی منتشر جماعت کو دوبارہ جمع کر کے خوارج کو شکست فاش دی۔ ان کا سردار عبیداللہ بن حوز قتل ہوا۔ اور بقیۃ السیف خوارج کرمان اور اصفہان کی طرف بھاگ گئے۔ مہلب برابر خوارج کے استیصال میں مصروف رہے۔ جب مصعب بن زبیر بصرہ کے والی مقرر ہو کر آئے تو انہوں نے مہلب کو موصل کا والی مقرر کر کے بھیج دیا اور خوارج کے استیصال پر عمر بن عبیداللہ بن معمر کو مقرر کیا۔ اس وقت خوارج ارجان میں تھے اور ان کا سردار زبیر بن علی سلیلی تھا۔ عمر بن عبیداللہ نے خوارج کو شکست دے کر ارجان سے نکال دیا۔

خوارج اصفہان چلے گئے۔ اصفہان پہنچ کر انہوں نے پھر اپنی قوت کو مجتمع کیا اور سابور آ گئے۔ عمر بن عبیداللہ بھی اپنی جمعیت کو لے کر سابور پہنچ گیا۔ خوارج نے ایک رات عمر بن عبیداللہ کے لشکر پر شبخون مارا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پھر عمر بن عبیداللہ خوارج کی طرف بڑھے اور دونوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ خوارج کو شکست فاش ہوئی اور عمر بن عبیداللہ کا بیٹا عبیداللہ لڑائی میں کام آیا۔ خوارج پھر فارس میں گھس آئے۔ عمر بن عبیداللہ نے انہیں اصفہان کی طرف بھگا دیا۔ کچھ عرصے بعد وہ پھر اہواز میں داخل ہو گئے۔ عمر بن عبیداللہ اس وقت اصطخر میں تھا۔

الغرض خوارج اسی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ قتل و غارت اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کرتے ہوئے پھرتے رہے اور ان کی قوت کو پوری طرح سے نہ توڑا جا سکا۔

مصعب بن زبیر نے اہل الرائے کو جمع کر کے مشورہ کیا تو سب نے یہ رائے دی کہ مہلب بن ابی صفرہ ہی ان کا انسداد کر سکتا ہے۔ چنانچہ مہلب کو موصل سے واپس

بُلا کر دوبارہ خوارج کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔

اس وقت خوارج کا سردار قطری بن فجاءہ تھا۔ مہلب اس کے مقابلے کے لئے نکلے۔ قطری کرمان کی طرف بھاگ گیا۔ مہلب نے اہواز میں قیام کیا۔ خوارج پھر تیار ہو کر مقابلہ کے لئے آئے۔ مہلب نے انہیں رامہرمز کی طرف بھگا دیا۔

اسی زمانے میں مصعب بن زبیر شہید ہو گئے اور عراق پر عبدالملک بن مروان کا قبضہ ہو گیا۔ عبدالملک نے خالد بن عبداللہ بن اسید کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔ خالد نے مہلب کو واپس بُلا کر اہواز کا حاکمِ خراج مقرر کیا اور اپنے بھائی عبدالعزیز بن عبداللہ کو خوارج کے مقابلے پر مامور کیا۔ لوگوں نے اُسے مشورہ دیا کہ خوارج کے مقابلے میں مہلب اور عمر بن عبیداللہ کا اہواز اور فارس کے محاذوں پر برقرار رہنا ضروری ہے مگر وہ نہ مانا۔ عبدالعزیز کا دارا لجبرو پر خوارج سے مقابلہ ہُوا۔ خوارج نے اُسے شکست دی۔ خالد نے عبدالملک کو شکست کی خبر دی تو عبدالملک نے اُسے سخت تنبیہ کی اور لکھا :-

"یہ سب کچھ اس لئے ہُوا ہے کہ تم نے مکّہ کے ایک اعرابی کو خوارج کے مقابلہ میں لشکرکشی پر مامور کیا اور مہلب جیسے جنگ جُو آزمودہ اور صاحبِ عقل و تدبیر شخص کو افسرِ خراج مقرر کر دیا۔ مہلب کو لکھو کہ وہ خوارج کے مقابلہ کے لئے اہواز جائے تم بھی اہلِ بصرہ کو ساتھ لیکر اہواز پہنچو۔ میں نے اپنے بھائی بشر کو کوفہ لکھ دیا ہے وہ بھی پانچ ہزار کے لشکر سے تمہاری مدد کرے گا اور دیکھو مہلب سے مشورہ کئے بغیر کوئی کام انجام نہ دو۔"

اس حکم کے مطابق مہلب خوارج کے مقابلے کے لئے اہواز کی طرف بڑھے بصرہ سے خالد بن عبداللہ اور کوفہ سے عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث اُن کی مدد کے لئے پہنچ گئے۔

خوارج اس لشکرِ عظیم کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہُوئے

خالد نے داؤد بن قحذم کو ان کے تعاقب کے لئے روانہ کیا اور خود بصرہ واپس چلا گیا۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بھی "رے" چلے گئے اور مہلب اہواز میں مقیم ہو گئے۔ داؤد بن قحذم تعاقب کرتے ہوئے اتنی دور نکل گئے کہ ان کے لشکروں کے گھوڑے ہلاک ہوئے اور ان کا تمام زادِ راہ ختم ہو گیا۔ آخر وہ پیادہ پا فاقہ کشی کی حالت میں اہواز واپس آئے۔

جس زمانے میں قطری اہواز میں برسرِ پیکار تھا بحرین میں ایک دوسرا خارجی سردار ابو فدیک روانہ ہوا۔ اُس نے نجدہ میں عامر حنفی کو قتل کر کے بحرین پر قبضہ کر لیا۔ خالد بن عبداللہ نے ابو فدیک کے مقابلہ کے لئے اپنے بھائی امیر امیہ بن عبداللہ کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ ابو فدیک نے امیہ کو شکست دے دی۔ عبدالملک کو یہ خبر پہنچی تو اُس نے ناراض ہو کر بصرہ سے خالد کو معزول کر دیا اور اپنے بھائی بشر بن مروان کو کوفہ کے ساتھ بصرہ کا والی مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ ۷۳ھ کا ہے۔

عراقین کی ولایت پر مامور کرنے کے بعد عبدالملک نے بشر کو لکھا کہ مہلب کو ازارقہ خوارج کے استیصال کے لئے بصرہ کے نامور اور بہادر شہسوار لیکے ساتھ روانہ کر دو اور کوفہ کے بھی جنگ آزمودہ اور شجاع سپاہیوں کا ایک لشکر اُس کی مدد کے لئے روانہ کر دو تاکہ یہ دونوں لشکر خوارج کا تعاقب کر کے انہیں نیست و نابود کر دیں۔

بشر کو یہ بات ناگوار گزری کہ عبدالملک نے مہلب کو براہِ راست سالار لشکر مقرر کیا اور وہ اس سے جلنے لگا۔ عبدالملک کے حکم کی تعمیل میں بشر نے کوفہ اور بصرہ سے مہلب کی مدد کے لئے دو فوجیں روانہ کیں۔ مگر بصرہ سے ایسے آدمی چھانٹے جو میدانِ جنگ سے فرار ہو جائیں اور کوفہ کی فوج کے سردار عبدالرحمٰن بن مخنف سے کہہ دیا کہ تم مہلب کے حکم کی تعمیل نہ کرنا اور اُسے حقیر و ذلیل کرنے کی کوشش کرنا۔

رامہرمز پہنچ کر یہ دونوں خوارج کے آمنے سامنے مقیم ہو گئے۔ ابھی دس روز ہی گزرے تھے کہ بصرہ سے بشر بن مروان کے انتقال کی خبر آئی۔ اہل کوفہ و بصرہ کی بڑی تعداد اس خبر کو سنتے ہی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئی۔ بشر کے قائم مقام خالد بن عبداللہ نے ہر چند انہیں واپس بھیجنے کی کوشش کی اور اور عبدالملک کی سزا و عقوبت سے ڈرایا مگر کوئی نہ مانا۔

آخر حجاج بن یوسف ثقفی کوفہ اور بصرہ کی ولایت پر مامور ہو کر آیا۔ اس نے پہلی ہی تقریر میں اُن کے حواس درست کر دیئے اور تین دن کے اندر اندر میدانِ جنگ کی طرف روانگی پر مجبور کر دیا۔ اس کی تفصیل حجاج کی امارتِ عراق کے بیان میں گزر چکی ہے۔

اہلِ کوفہ و بصرہ جب مہلب اور ابن مخنف کے پاس دو بارہ پہنچے تو ان دونوں سپہ سالاروں نے خوارج کو رامہرمز سے نکال دیا اور وہ سابور چلے گئے۔ مہلب اور ابنِ مخنف ان کے تعاقب میں سابور پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ مہلب کا یہ دستور تھا کہ جب وہ خوارج کے مقابلہ میں نکلتے تو اپنے لشکر کے گرد خندق کھود لیتے۔ انہوں نے ابن مخنف کو بھی یہی رائے دی۔ مگر ابن مخنف نے اس مشورہ پر عمل نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خوارج نے اُن کے لشکر پر شبخون مار کر شکست دیدی اور انہیں قتل کر دیا۔ مہلب سابور میں ایک سال تک مقیم رہے اور خوارج سے لڑتے رہے۔ پھر یومِ بستان کے معرکہ میں انہوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔

اس وقت کرمان پر خوارج کا قبضہ تھا اور فارس مہلب کے ہاتھ میں تھا۔ خوارج کے لئے بڑی دقت یہ تھی کہ فارس سے انہیں رسد وغیرہ کی کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ خوارج کرمان آکر مقیم ہو گئے۔ مہلب نے اپنی فوجوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور کرمان کے ایک شہر جیرفت میں آکر ٹھہرے۔ یہاں کئی بار خوارج سے لڑائی ہوئی۔ آخر جب تمام فارس پر مہلب کا قبضہ ہو گیا تو حجاج نے یہاں اموی حکام کا تقرر کیا اور دارالجبرد اور اصطخر کی آمدنی خوارج سے جنگ کے لئے وقف کر دی۔

خوارج سے معرکہ آرائی کا سلسلہ بہت طویل ہوگیا تھا۔ حجاج نے براء ابن قبیصہ کو مہلب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ خوارج کا زیادہ سخت مقابلہ ہونا چاہیئے۔ اور اس سلسلہ میں کوئی عذر نہ قبول کیا جائے گا۔

مہلب نے حجاج کا پیغام پہنچتے ہی کل لشکر کو صف آرائی کا حکم دیا۔ مہلب کے سات بیٹے اپنے اپنے دستوں کو لے کر میدانِ جنگ کی طرف بڑھے۔ فوجیں فوجوں کے ساتھ بھڑیں اور ہتھیار ہتھیاروں کے ساتھ ٹکرائے۔ صبح سے دوپہر تک ہولناک لڑائی ہوتی رہی۔ دوپہر سے عصر تک فریقین نے آرام کیا۔ عصر کے بعد میدانِ جنگ گرم ہوگیا اور دونوں طرف کے بہادر دادِ شجاعت دینے لگے۔ یہاں تک کہ رات کی تاریکی دونوں فوجوں کے درمیان حائل ہوگئی۔

براء بن قبیصہ ایک بلند ٹیلہ پر بیٹھا ہوا لڑائی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اُس نے مہلب سے کہا میں نے تمہارے بیٹوں سے زیادہ جنگ آزمودہ اور تمہارے سپاہیوں سے زیادہ جری کسی کو نہیں دیکھا اور تمہارے حریفوں سے زیادہ ثابت قدم اور بہادر بھی کسی کو نہیں پایا۔ خدا کی قسم تمہاری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہے۔ مہلب نے براء کو انعام واکرام دے کر رخصت کیا۔ براء نے اپنی چشم دید شہادت سے مہلب کی معذوری حجاج کے سامنے بیان کردی۔

اس کے بعد مہلب مسلسل اٹھارہ مہینے خوارج سے لڑتا رہا۔ مگر خوارج کا زور کسی طرح نہ ٹوٹتا تھا۔

اسی دوران میں خوارج کے لشکر میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔

قطری کے فوج کے ایک افسر مقعطر ضبی نے ایک دوسرے خارجی کو قتل کر ڈالا۔ یہ دوسرا خارجی بھی اپنی جماعت کا معزز آدمی تھا۔ مقتول کے حامیوں نے قطری سے مقعطر کو قصاص میں قتل کرنے کا مطالبہ کیا۔ قطری نے کہا قاتل سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے وہ عالم اور دین دار آدمی ہے میں اُسے قتل نہ کروں گا۔

اس بات پر ان میں جھگڑا بڑھا۔ ایک بڑے گروہ نے قطری کی بیعت توڑ کر عبد ربہ الکبیر کو اپنا سردار بنا لیا۔ قطری اور عبد ربہ الکبیر کے ساتھیوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اور خوارج آپس ہی میں ایک دوسرے سے گتھ گئے۔

حجاج بن یوسف کی رائے یہ تھی کہ اس وقت ان پر حملہ کر دیا جائے مگر مہلب نے کہا جب تک یہ خود ایک دوسرے کو ہلاک کر رہے ہیں ہمیں اپنی قوت خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خوارج پورے ایک مہینے تک آپس میں گتھے رہے۔ آخر قطری اپنے ساتھیوں کو لے کر طبرستان کی طرف چلا گیا اور کرمان پر عبد ربہ الکبیر قابض ہوگیا۔

مہلب نے اب عبد ربہ الکبیر پر فوج کشی کی اور اُسے جیرفت میں محصور کر دیا۔ خوارج نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ مہلب نے اُنھیں راستہ دے دیا۔ مگر کچھ دُور جا کر اُنھیں روک لیا۔ یہاں فریقین میں ہولناک لڑائی ہوئی۔ خوارج اس زور شور سے لڑے کہ مہلب نے اقرار کیا کہ اس سے پہلے اتنی سخت جنگ سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ لیکن آخر کار خوارج نے شکست کھائی اور اُن کی اکثر فوج میدانِ جنگ میں کھیت رہی۔ مہلب کو بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ خوارج کی عورتیں باندیاں بنالی گئیں۔ کیونکہ خوارج بھی عام مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے تھے۔

مہلب کی قدر افزائی

اس فتح عظیم کی خبر مہلب نے ایک قاصد کے ذریعہ حجاج کو بھیجی۔ حجاج نے قاصد سے مہلب کے بیٹوں کے اوصاف پُوچھے تو اُس نے بلیغانہ انداز میں ہر ایک کی خصوصیات بیان کیں۔ حجاج نے کہا ان میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ قاصد نے جواب دیا :-

"یہ سب ایک جوڑی زرہ کی مانند ہیں جس کا کنارہ نہیں ملتا"۔

حجاج نے مہلب کو لکھا کہ جن لوگوں نے میدانِ جنگ میں عمدہ خدمات انجام دی ہیں ان کو ان کی خدمات کا صلہ دو۔ جو لوگ ان خدمات میں ممتاز رہے اُن

کو انعام و اکرام سے سرفراز کرو جسے لائق سمجھو کرمان کا حاکم اور فوج کا سپہ سالار مقرر کردو اور خود مجھ سے کوفہ آکر ملو۔

مہلب نے اپنے بیٹے یزید بن مہلب کو کرمان کا حاکم مقرر کیا اور خود کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

مہلب کوفہ پہنچا تو حجاج نے اُس کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ دربار منعقد کر کے مہلب کو اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ مہلب کی تعریف و توصیف کی اور درباریوں سے کہا:-

"اے اہلِ عراق! مہلب تمہارا آقا ہے اور تم اُس کے غلام ہو"

پھر لقیط بن تعمیر کا مشہور عقیدہ جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

وقلدوا امرکم للہ درکم   رحب الذراع بامر الحرب مضطلعا

(خدا تمہارا بھلا کرے انہوں نے تمہارا سردار اُس شخص کو بنایا ہے جو بہادر اور فنِ جنگ کا ماہر ہے۔

سُنا کر کہا۔ اے مہلب! تمہارے اوصاف اس قصیدہ کے مضمون کے مطابق ہیں[1]

قطری کا قتل پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ازارقہ کا پہلا سردار قطری اپنے ساتھیوں کو لے کر طبرستان کی طرف نکل گیا تھا۔ عبدربہ الکبیر کی ہلاکت کے بعد حجاج نے سفیان بن ابرد کو اسحاق بن محمد بن اشعث کے ساتھ ایک بڑی فوج دے کر قطری کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ سفیان نے طبرستان کے کسی درہ میں قطری کو جا گھیرا۔ قطری کے ساتھیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ تنہا اپنی جان بچانے کی کوشش میں سرگرداں تھا کہ گھوڑے سے گر کر کسی گھاٹی میں جا پڑا۔ اور زخمی ہو گیا۔ کچھ اہلِ کوفہ نے اُسے دیکھ لیا اور قتل کر دیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۷۱

قطری کے قتل کے بعد ابوسفیان نے اُس کے ساتھیوں کا تعاقب کر کے اُنہیں قصرِ قوس میں گھیر لیا۔ یہ لوگ جب محاصرہ سے تنگ آ گئے تو جان پر کھیل کر نکلے اور بہادری کے ساتھ لڑتے ہُوئے سب کے سب مقتول ہُوئے۔

یہ واقعہ ۷۷ھ کا ہے۔

قطری کے قتل سے خوارج کے فرقہ ازارقہ کی سرگرمیاں جو بیس سال سے ملک کی امن وامان کو برباد اور ملت کو عروج کی شاہراہ سے روکے ہُوئے تھیں ختم ہوگئیں۔

ہنگامۂ صالح وشبیب

ازارقہ کا فتنہ ابھی نہیں دبا تھا کہ جزیرے میں ایک نئی شورش شروع ہوگئی۔ صالح بن سرح تیمی ایک عالم وزاہد شخص تھے جس کے شاگردوں اور معتقدوں کا سلسلہ موصل اور جزیرے کے علاقہ میں پھیلا ہُوا تھا۔ ایک دن صالح نے اپنی جماعت کو جمع کر کے کہا۔

"بنی اُمیہ کے مظالم روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں اور عدل اور انصاف مِٹتا جا رہا ہے۔ حکامِ وقت نے جور وجفا پر کمر باندھ رکھی ہے۔ حق کا پاس اور خدا کا خوف اُنہیں نہیں رہا۔ اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے اللہ کا نام لے کر باطل کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

ایک دوسرا خارجی سردار شبیب بن نعیم شیبانی بھی اسی زمانہ میں بنی اُمیّہ کے خلاف خروج کی تیاریاں کر رہا تھا اُسے جب صالح کے ارادہ کا علم ہُوا تو اُس نے اس کی جماعت میں شامل ہو کر کام کرنے کی درخواست کی۔

غرض صالح اور شبیب دونوں نے صفر ۷۶ھ میں ایک سو بیس رفقاء کے ساتھ مقام دارا میں بنی اُمیّہ کے خلاف علمِ مخالفت بلند کیا۔ محمد بن مروان حاکمِ جزیرہ نے عدی بن عدی کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ عدی نے پہلے مصالحت کا پیغام بھیجا۔ صالح نے اُسے رد کر دیا۔ آخر دونوں کا مقابلہ ہُوا۔ عدی نے شکست کھائی اور اس کا سامانِ جنگ صالح کے ہاتھ آیا۔

محمد بن مروان نے خالد بن جزء و حارث بن جعونہ کی ماتحتی میں تین ہزار کا ایک

اور لشکر صالح کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مقامِ آبد میں فریقین میں سخت جنگ ہوئی صالح نے جب دیکھا کہ غنیم پر غالب آنا مشکل ہے تو وہ اپنے لشکر کو لے کر جزیرہ اور موصل کے علاقہ سے نکل گیا۔

حجاج بن یوسف ثقفی کو معلوم ہوا کہ یہ فتنہ اس کی حدود میں آ گیا ہے تو اُس نے تین ہزار کا لشکر دے کر حارث بن عمیرہ کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مقامِ مدبج میں صالح نے نوّے ساتھیوں کے ساتھ اس لشکر کا مقابلہ کیا۔ صالح نے شکست کھائی اور مقتول ہُوا۔

صالح کے قتل ہونے کے بعد اُس کے ساتھیوں نے شبیب کو اپنا امیر تجویز کیا۔ شبیب نے اچانک حارث کے لشکر پر چھاپہ مار کر اُسے قتل کر دیا۔ حارث کا لشکر ہزیمت کھا کر مدائن چلا گیا۔

اب شبیب نے اپنے مُٹھی بھر ساتھیوں کو لے کر جن کی تعداد دو سو سے زیادہ نہ تھی۔ عام تاخت و تاراج شروع کر دی۔ حجاج نے یکے بعد دیگرے ان کے مقابلہ کے لئے فوجیں بھیجیں لیکن شبیب نے سب کو شکست دی۔

آخر شبیب کی جُرات یہاں تک بڑھ گئی کہ وہ لوٹ مار کرتا ہُوا حجاج بن یوسف کے دارالامارت کوفہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں پہنچ کر وہ بے باکانہ قصرِ امارت کی طرف بڑھا اور اپنے گرز سے قصر کے دروازے پر ضربیں لگائیں۔ پھر جامع مسجد پہنچا۔ اور وہاں کچھ لوگوں کو قتل کیا۔ پھر شہر کے مختلف حصّوں میں کشت و خون کرتا ہُوا کوفہ سے نِکل گیا۔

حجاج نے پے در پے عراقی فوجوں کو شبیب کے مقابلہ کے لئے بھیجا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ شاہی فوجوں کے مقابلہ میں شبیب کی یہ کامیابیاں دیکھ کر عراق کے کچھ شورش پسند بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔

کچھ دن بعد پھر شبیب نے آٹھ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر کوفہ کے ارادہ سے مدائن کا رُخ کیا۔ بابل مہروز کے زمیندار نے حجاج کو شبیب کی نقل و حرکت کی خبر دی۔ حجاج نے فوراً اہلِ کوفہ کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور کہا۔

"اے لوگو! تم اپنے مال دولت کی حفاظت اور ملک کی مدافعت کی خاطر لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ورنہ میں یہ کام ایک ایسی قوم کے سپرد کر دوں گا جو تم سے زیادہ صبر آزما اور اطاعت گزار ہو گی۔ وہ تمہارے دشمن سے مقابلہ کرے گی اور تمہارے حصّہ کا مالِ غنیمت بھی حاصل کرے گی۔"

حجاج کی اس تقریر سے اہلِ کوفہ میں جوش پھیل گیا اور عراقیوں کی بہت بڑی تعداد نے شبیب سے جنگ کرنے کے لئے اپنے نام پیش کئے۔ لیکن حجاج نے عراقیوں پر بھروسہ نہ کیا اور عبدالملک کو کُل حالات سے مطلع کر کے شامی فوج مدد کے لئے طلب کی۔ عبدالملک نے چھ ہزار منتخب شامی فوج سفیان بن ابرو کلبی اور حبیب بن عبدالرحمٰن کی زیرِ سرکردگی کوفہ کی حفاظت کے لئے روانہ کر دی۔ ابھی شامی فوج راستہ ہی میں تھی کہ حجاج نے پچاس ہزار عراقیوں کا لشکرِ عظیم عتاب بن ورقاء کی ماتحتی میں شبیب کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ حجاج نے رخصت کرتے وقت کہا۔

"اگر تم لوگوں نے پہلے کی طرح بزدلی کا اظہار کیا تو تمہیں ظالم حاکموں کے حوالہ کر دوں گا اور لشکرِ گراں سے پیس ڈالوں گا۔"

ساماپا کے قریب شبیب اور عتاب کا مقابلہ ہُوا۔ عراقی بہادری کے ساتھ لڑے مگر خوارج کی جان کی بازی نے جلد ہی اُن کے پَیر اکھاڑ دیئے۔

مقامِ حیرت ہے کہ ایک ہزار خارجیوں نے پچاس ہزار عراقیوں کو شکست دی۔ عتاب بن ورقہ اور اُس کا دوسرا سردار ساتھی زہر بن عوبہ میدانِ جنگ میں مقتول ہُوئے۔

اس دوران میں حجاج کے پاس شامی افواج پہنچ چکی تھی اور وہ عراقیوں کی امداد سے مستغنی ہو گیا تھا۔ اُس نے ایک تقریر میں اہلِ کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے اہلِ کوفہ جو شخص تمہارے ذریعے غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے خدا کرے وہ کبھی غالب نہ ہو اور جو تمہاری مدد سے کامیابی حاصل کرنا چاہے خدا

کرے وہ کبھی کامیاب نہ ہو۔ تم ہمارے سامنے سے دفع ہو جاؤ اور
کسی لڑائی میں ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ جاؤ حیرہ میں جاکر یہودیوں
اور نصرانیوں کے ساتھ بودوباش اختیار کرو۔"

شبیب ساباما سے سور آیا اور وہاں سے مقام حمامِ اعین میں آکر مقیم ہوا۔ حجاج نے حارث بن معاویہ ثقفی کو ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ جو عتاب کے لشکر میں شامل نہ تھے اُسے روکنے کے لئے روانہ کیا۔ شبیب نے حارث کو قتل کر دیا اور کوفہ کے کنارے آکر مقیم ہوا۔

اس مرتبہ حجاج خود شامی افواج کو اپنے ساتھ لے کر کوفہ سے نکلا۔ دونوں طرف فوجیں صف آرا ہو چکیں تو حجاج نے شامیوں کا دل بڑھانے کے لئے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا۔

"اے اہلِ شام تم مطیع و فرمانبردار اور بہادر و جان نثار لوگ ہو۔
دیکھو ان ناپاک دشمنوں کا باطل تمہارے حق کو مغلوب نہ کر دے۔
اپنی آنکھیں بند کر لو گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور اپنے نیزوں کی
انیاں دشمنوں کی طرف بڑھا دو۔"

آخر مقابلہ شروع ہوا۔ شامی پتھریلی زمین کے سنگریزوں کی طرح زمین سے چمٹ گئے اور خارجیوں کو نیزوں پہ لے لیا۔ خارجی بھی اپنی روایتی بہادری کے ساتھ لڑے سارا دن ہولناک لڑائی جاری رہی اور فریقین ایک دوسرے کی بہادری کا لوہا مان گئے۔

آخر خالد بن عتاب نے شبیب پر عقب سے حملہ کیا۔ اُس کے بھائی مصاد اور اُس کی بیوی غزالہ کو قتل کر دیا اور اُس کے خیمہ میں آگ لگا دی شبیب نے یہ حالت دیکھی تو اپنے ساتھیوں کو لے کر پیچھے ہٹ آیا۔ حجاج نے مقابلہ بند کر دیا اور شبیب کو موقع نکل جانے کا دے دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شبیب نے شکست کا منہ دیکھا۔ حجاج نے کہا "خدا کی قسم! آج سے پہلے کبھی شبیب کا

مقابلہ ہی نہیں کیا گیا۔

شبیب پہلے انبار گیا۔ پھر دریائے دجلہ کو عبور کر کے اہواز پہنچا۔ پھر فارس سے ہوتا ہوا کرمان آیا اور سستانے کے ارادہ سے مقیم ہو گیا۔ شبیب جہاں کہیں بھی پہنچا شامی فوجیں بھی اس کے تعاقب میں وہیں پہنچیں اور فریقین میں ہولناک معرکے ہوئے۔

شبیب آرام سے فارغ ہو کر کرمان سے لوٹا تو اہواز میں دجیل کے پل پر سفیان بن ابرد سے اس کی آخری معرکہ آرائی ہوئی۔

دریا کے ایک کنارے پر سفیان شامی فوجوں کو لئے پڑا تھا اور دوسرے کنارے پر شبیب۔ شبیب اپنی عادت کے مطابق دریا کو پار کر کے اپنے حریف پر حملہ آور ہوا۔ دونوں فوجیں بڑی بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ سارے دن لڑتے رہیں۔ شام ہوتے خارجیوں نے شامیوں پر تلواروں اور نیزوں سے سخت حملہ کیا اور انہیں چور چور کر دیا۔ سفیان نے شامیوں کے قدم ڈگمگاتے دیکھے تو انہیں تیر بازی کا حکم دیا۔

خوارج نے پوری طاقت سے شامیوں پر حملہ کر دیا اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ شبیب چاہتا تھا کہ سفیان پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دے مگر تاریکی اس قدر چھا گئی تھی کہ ایک دوسرے کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے شبیب نے لڑائی کو ختم کر دیا اور رات گزارنے کے لئے اپنی قیام گاہ کو واپس ہوا۔

شبیب دریا کا پل عبور کر رہا تھا کہ ایک گھوڑی کو دیکھ کر اس کا گھوڑا بدکا اور وہ دریا میں غرق ہو گیا۔ گرتے وقت شبیب نے کہا لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا اور جب وہ غوطہ کھا کر ابھرا تو اس کی زبان سے نکلا۔ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ اس طرح اس بہادر کی شمع حیات جس سے ہمیشہ گھر میں آگ لگتی رہی دریائے دجیل کے پانی کی لہروں میں گل ہو گئی۔

فتوحات

اگرچہ یہ زمانہ فتنہ وفساد کا تھا۔ باہمی اختلافات کی گھنگھور گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں۔ تاہم جب کبھی موقعہ ملا مسلمانوں کی برق بار تلوار دشمنوں پر چمکی اور اُن کی حریص نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔

مشرقی فتوحات

مہلب بن ابی صفرہ جب خوارج کا زور توڑ چکا تو حجاج نے اُسے خراسان کا والی مقرر کر دیا۔ چنانچہ ۸۰ھ میں اُس نے نہر بلخ کو پار کیا اور کش میں جا کر مقیم ہُوا۔ مہلب کے ساتھ پانچ ہزار فوج تھی اور اُس کے رفیق ابوالادہم زمانی کے ساتھ (جو ایک شجاع اور مدبر افسر تھا) تین ہزار فوج تھی۔

مہلب کش میں مقیم تھا کہ شاہِ ختل کا چچیرا بھائی اس سے آکر ملا اُسے ختل سے لڑنے کی ترغیب دی۔ مہلب نے اپنے بیٹے یزید کو اس کے ساتھ کر دیا۔ یزید اور شاہِ ختل کا چچیرا بھائی برابر اپنی فوجیں ڈالے پڑے تھے کہ شاہِ ختل نے اپنے چچیرے بھائی پر شبخون مارا۔ یزید نے اپنے لشکر کو آگاہ کرنے کے لئے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ شاہِ ختل کا چچیرا بھائی سمجھا کہ مُسلمانوں نے اُس کے ساتھ بدعہدی کی اور اس پر حملہ کر دیا۔ اس افراتفری میں شاہِ ختل نے اپنے چچیرے بھائی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

یزید بن مہلب نے شاہِ ختل کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ شاہ نے مجبور ہو کر جزیہ پر مصالحت کر لی۔ یزید اپنے باپ مہلب کے پاس لوٹ گیا۔

مہلب نے اپنے دوسرے بیٹے حبیب کو شاہ بخارا کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ شاہ بخارا چالیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ دونوں میں کئی مرتبہ لڑائیاں ہوئیں مگر کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا۔ حبیب واپس لوٹ آیا۔

مہلب، کش میں دو سال تک مقیم رہا۔ بعض مشیروں نے پیش قدمی کی رائے دی۔ مگر مہلب نے کہا جو فتوحات ہو چکی ہیں وہی کافی ہیں۔ اب اگر میں اپنی فوج کو صحیح سلامت لے کر مرو پہنچ جاؤں تو یہی غنیمت ہے۔ مہلب سے اہلِ کش نے فدیہ پر صلح کر لی۔

مہلب، کش ہی میں مقیم تھا کہ اُسے اپنے بیٹے مغیرہ کی (جو مرو میں اس کا قائم مقام تھا) خبرِ وفات پہنچی۔ مہلب کو اس کا بڑا صدمہ ہوا اُس نے اپنے دوسرے بیٹے یزید کو مرو کا عامل بنا کر روانہ کیا اور زرِ فدیہ وصول کرنے کے بعد خود بھی جلد ہی مرو کے ارادہ سے روانہ ہو گیا۔

وفاتِ مہلب مہلب ابھی مرو ہی میں پہنچا تھا کہ بیمار ہو گیا۔ جب اس کا وقت قریب آیا تو اُس نے اپنی اولاد کو جمع کر کے کہا میں اپنے بعد یزید کو خاندان کا سرپرست بناتا ہوں تم سب اس کی تابعداری کرنا۔ پھر اُس نے کچھ تیر منگائے اور اُنہیں رسّی سے باندھ دیا اور اپنی اولاد سے پوچھا کیا تم انہیں توڑ سکتے ہو؟ آلِ مہلب نے جواب دیا "نہیں"! مہلب نے کہا اگر انہیں الگ الگ کر دیا جائے تو توڑ سکتے ہو؟ آلِ مہلب نے جواب دیا۔ "ہاں توڑ سکتے ہیں۔"

مہلب نے کہا بس اتحاد و اختلاف میں یہی فرق ہے تم سب کو مِل جُل کر رہنا چاہیئے۔ پھر مہلب نے حسب ذیل وصیتیں کیں :-

"میں تمہیں خوفِ خدا اور صلۂ رحم کی وصیت کرتا ہوں اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ مال میں زیادتی ہوتی ہے اور قوت بڑھتی ہے۔ بے رحمی اور ظلم سے منع کرتا ہوں کہ اس کا نتیجہ آخرت میں دوزخ اور دنیا میں قلّت و ذلّت ہے۔ ایک دوسرے کی اطاعت و فرمانبرداری اور اتحاد و اتفاق کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ دیکھو جو کچھ کہو اس سے زیادہ کر دکھاؤ۔ زبان سے بات نکالتے وقت خوب

سوچ لو اور زبان کی لغزش کے نتائج سے ڈرو۔ کیونکہ آدمی کا قدم لڑکھڑائے تو وہ سنبھل سکتا ہے اور زبان لڑکھڑائے تو ہلاک ہو سکتا ہے۔

اپنے پاس آنے جانے والوں کے حقوق کا خیال رکھو۔ اُن کی صبح و شام کی آمد و رفت تمہاری یاد دہانی کے لئے کافی ہے۔ سخاوت کو بخل پر ترجیح دو۔ بھلائی کو عزیز رکھو اور سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اگر تم کسی عربی سے بھلائی کا وعدہ بھی کرو گے تو وہ تمہارے لئے اپنی جان قربان کر دے گا۔ لڑائی کے موقع پر تدبیر اور چالاکی سے کام لو کیونکہ یہ بہادری سے زیادہ مفید ہے۔ جب لڑائی شروع ہوتی ہے تو تقدیرِ الٰہی ہی اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن اگر تدبیر سے کام لے اور کامیاب ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اپنا فرض صحیح طور پر انجام دیا اور کامیاب ہوا اور ناکام ہو تو کہا جاتا ہے کہ کوشش میں کسر نہیں چھوڑی۔ مگر تقدیر میں کامیابی نہ تھی۔ تم قرآن کریم کی تلاوت کو ضروری سمجھو۔ سُنّتِ رسول اللہ کی تعلیم حاصل کرو اور بزرگانِ دین کے طور طریقوں پر کاربند رہو۔ دیکھو اپنی مجلسوں میں فضول گفتگو نہ کیا کرو۔"

مہلب کی یہ وصیتیں ہر نوجوان کے لئے بہترین نصیحتیں ہیں جو زندگی کی کٹھن منزل میں مشعلِ راہ کا کام دے سکتی ہیں۔

ذی الحجہ ۸۲ھ میں مہلب نے انتقال کیا۔ عبدالملک نے اس کی وصیت کے مطابق اُس کے بیٹے یزید بن مہلب کو خراسان کا حاکم برقرار رکھا۔

یزید نے اپنے زمانۂ حکومت میں نیزک کے قلعہ بادغیس کو فتح کیا۔ یہ قلعہ نہایت مضبوط و مستحکم تھا۔ نیزک جب اس میں داخل ہوتا تو تعظیماً اس کے سامنے سجدہ کرتا تھا۔ یزید نے جب اس پر قبضہ کر لیا تو نیزک نے درخواست کی کہ اسے اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جانے کا موقع دیا جائے۔ یزید نے درخواست منظور کر لی اِس قلعہ میں قیمتی خزانے اور سامان کے ذخیرے تھے یہ سب مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔

آلِ مہلب کی معزولی

آلِ مہلب کے عظیم الشان کارناموں اور ان کے داد و دہش کی وجہ سے ان کا اثر و اقتدار روز بروز بڑھ رہا تھا۔ حجاج نے اس کو خطرے کی نظر سے دیکھا اور عبدالملک بن مروان سے کہا کہ یہ "خاندان زبیریہ" ہے۔ یزید کو خراسان جیسے ملک کی حکومت پر قبضہ رکھنا مصلحت نہیں ہے۔

مگر عبدالملک نے حجاج کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ جب حجاج نے یزید کی معزولی پر زیادہ زور دیا تو لکھا کہ یزید کو معزول کر کے اس کے بھائی مفضل کو خراسان کا حاکم مقرر کر دو۔

چنانچہ ۸۵ھ میں یزید ولایتِ خراسان سے معزول ہوا اور اس کا بھائی مفضل اس کا جانشین مقرر ہوا۔ یزید جب خراسان سے خوارزم کو فتح کرتا ہوا عراق لوٹا تو وہ جس شہر سے گزرتا تھا وہاں اس کے اعزاز میں راستہ میں پھولوں کا فرش بچھایا جاتا تھا۔[1]

مفضل نے اپنے زمانہ حکومت میں بادغیس پر فوج کشی کی اور اُسے فتح کیا۔ پھر اس نے آخرون اور شومان پر حملہ کیا۔ یہاں مسلمانوں کو بہت مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ مفضل بیت المال میں روپیہ جمع نہ کرتا تھا بلکہ جو کچھ ہاتھ لگتا اُسے فوراً تقسیم کر دیا کرتا تھا۔

حجاج نے جب یزید کو معزول کر کے مفضل کو اس کا جانشین منتخب کیا تو یزید نے مفضل کو کہہ دیا تھا کہ حجاج نے میری مخالفت کے ڈر سے تمہیں میرا جانشین مقرر کیا ہے تم اپنا فرمانِ تقرر نقش بر آب سمجھو۔ یزید کی یہ رائے بالکل درست نکلی۔ ابھی مفضل کو حکومت کی مسند پر فائز ہوئے نو مہینے ہی گزرے تھے کہ اس کی معزولی کا فرمان آگیا اور قتیبہ بن مسلم باہلی اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اس

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۹۳

جلیل القدر فاتح کے کارنامے آئندہ بیان کئے جائیں گے ۔

افریقی فتوحات یزید کے عہد کے حالات میں بیان کیا جاچکا ہے کہ ۶۲ھ میں کسیلہ بن مکرم بربری نے عقبہ بن نافع کو شکست دیکر تمام شمالی افریقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ قیروان کی اسلامی نو آبادی بھی اس کے رحم و کرم پر تھی ۔ ۶۹ھ میں جب عبدالملک بن مروان کو ادھر توجہ کرنے کا موقع ملا تو اس نے زہیر بن قیس بلوی کو افریقہ کا والی مقرر کیا اور ایک زبردست فوج کے ساتھ قیروان پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔

زہیر بن قیس قیروان پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ کسیلہ قیروان چھوڑ کر ممش جاچکا ہے۔ زہیر نے تین دن شہر کے باہر آرام کیا۔ پھر کسیلہ کے دفتر میں روانہ ہو گئے۔ ممش کے قریب پہنچ کر مسلمانوں کا بربریوں سے مقابلہ ہوا۔ کسیلہ کے ساتھ بربریوں کے علاوہ رومیوں کی بھی بہت بڑی جمعیت تھی۔ دونوں فوجوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ فریقین جان توڑ کر لڑے۔ آخر کامیابی نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ کسیلہ اور اس کے ساتھ بڑے بڑے بربری اور رومی سردار میدانِ جنگ میں کام آئے۔

اس فتح کے بعد زہیر قیروان ہوتے ہوئے برقہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر رومیوں نے برقہ کو خالی پاکر جزیرہ صقلیہ سے بہت بڑی تعداد میں فوج لے کر برقہ پر حملہ کر دیا تھا۔ زہیر برقہ کے قریب پہنچے تو انہیں اس آفتِ ناگہانی کی خبر ہوئی۔ اگرچہ وہ جنگ کے ارادے سے نہ نکلے تھے لیکن اپنی مٹھی بھر جماعت کو لے کر مردانہ وار مقابلہ پر آگئے۔ رومیوں اور مسلمانوں کی تعداد میں کوئی تناسب نہ تھا۔ زہیر اور ان کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہوئے۔ رومیوں نے لوٹ کھسوٹ کر کے قسطنطنیہ کا راستہ لیا۔

عبدالملک کو اس حادثہ کی خبر ہوئی تو اسے بڑا رنج ہوا مگر چونکہ وہ عبداللہ بن زبیر سے لڑائی میں مشغول تھا اس لئے کچھ نہ کر سکا۔

عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد ۷۴ھ میں عبدالملک نے ایک عظیم الشان لشکر مرتب کیا اور حسان بن نعمان غسانی کو افریقہ کا والی بنا کر اُس کے لشکر کے ساتھ افریقہ روانہ کیا۔

حسان پہلے قیروان پہنچے اور وہاں سے تیاریوں کے بعد قرطاجنہ پر حملہ آور ہوئے۔ قرطاجنہ پر بادشاہ افریقہ کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ مسلمانوں کو اس سے مقابلہ کرنے کا ابھی تک اتفاق نہ ہوا تھا۔ مسلمان قرطاجنہ پہنچے تو وہاں رومیوں اور بربریوں کی بے شمار فوج کو مقابلہ کے لئے تیار پایا۔ فریقین میں خونریز جنگ ہوئی۔ آخر رومی اور بربری میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کچھ سسلی کی طرف فرار ہو گئے اور کچھ نے اسپین کی راہ لی۔

حسان نے قرطاجنہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور برقہ پر رومیوں کی غارت گری کا پورا بدلہ لیا۔

حسان کو معلوم ہوا کہ کچھ رومی اور بربری "صطفورہ اور بنزرت" میں جمع ہو کر دوبارہ مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ حسان نے فوراً اُن کو جا لیا اور شکست فاش دی۔ اس کے علاوہ حسان نے اور بھی جہاں کہیں رومیوں اور بربریوں کی طاقت پائی اُسے کچل دیا۔

حسان کی ان فتوحات سے مسلمانوں کا اُٹھا ہوا اقتدار پھر افریقہ میں قائم ہو گیا۔ اب حسان کی فوج تھک گئی تھی۔ زخمیوں کی تعداد بھی کافی تھی اس لئے حسان قیروان لوٹ گئے۔

جب کچھ دن آرام کر کے فوج تازہ دم ہو گئی تو حسان نے معلوم کیا کہ افریقہ کے بادشاہوں میں سے کوئی طاقتور بادشاہ تو باقی نہیں رہ گیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ملکہ دامیہ جو کاہنہ کے نام سے مشہور ہے اور جبل اوراس میں حکمران ہے، اب افریقہ کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ کسیلہ کے قتل کے بعد تمام بربریوں نے اسی کو اپنا سردار تجویز کیا ہے۔ اگر اُسے قتل کر دیا گیا تو افریقہ میں امن وامان

ہو جائے گا۔

حسّان مناسب جمعیت کے ساتھ کاہنہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ کاہنہ نے اس خیال سے کہ حسّان قلعوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے باغایہ کے مضبوط قلعہ کو گرادیا۔ لیکن حسّان آگے بڑھے چلے گئے اور نہر نینی پر ملکۂ کاہنہ کی فوج سے مقابلہ ہُوا۔ ایک خونریز معرکہ کے بعد مسلمانوں نے شکست کھائی۔ کثیر تعداد مقتول ہوئی اور کچھ گرفتار ہوئے۔

اس شکست سے افریقہ کے اسلامی مقبوضات پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور حسّان کو برقہ لوٹ آنا پڑا۔

عبدالملک اس زمانہ میں خوارج سے ہنگامہ آباد تھا اس لئے حسّان کی مدد نہ کر سکا۔ ملکۂ کاہنہ پانچ سال تک افریقہ پر قابض رہی۔ مگر اس نے اہلِ افریقہ سے اچھا برتاؤ نہ کیا۔ اس کے ظلم و ستم سے سب تنگ آ گئے۔

۷۴ھ میں جب حالات بہتر ہُوئے عبدالملک نے کثیر تعداد میں فوج اور سامان حسّان کے پاس بھیجا اور اُسے کاہنہ سے مقابلہ کرنے کے لئے افریقہ جانے کا حکم دیا۔

ملکۂ کاہنہ نے پہلی لڑائی میں جن لوگوں کو قید کر لیا تھا اُن میں ایک نوجوان خالد بن یزید قیسی بھی تھے۔ خالد بن یزید کو اُن کی بعض خوبیوں کی وجہ سے ملکۂ کاہنہ نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔

حسّان نے فوج کشی سے پہلے ایک خط دریافتِ حالات کے لئے خفیہ طور پر خالد کے نام بھیجا۔ خالد نے جواب دیا کہ اس وقت بربری منتشر ہو چکے ہیں حملہ کے لئے اچھا موقع ہے۔ کاہنہ کو کسی طرح اس پیام و سلام کی خبر ہو گئی اس نے اس خیال سے کہ مُسلمان سیم و زر اور مال و دولت کے لالچ میں بار بار افریقہ پر حملہ کرتے ہیں۔ افریقہ کے سب قلعوں کو برباد اور تمام ملک کو ویران کر دیا۔

ملکہ کی اس حرکت سے اُس کی تمام رعایا اُس کے خلاف ہو گئی۔ جب حسّان

اپنی فوج لے کر افریقہ میں داخل ہُوا تو بربریوں نے اُس کا خیر مقدم کیا اور ملکہ کے مقابلہ میں اس کا ساتھ دیا۔ حسان جب قابس، قفصہ، قسطیلیہ اور نفزادہ پر قبضہ کرتا ہُوا دارالحکومت کے قریب پہنچا تو ملکہ کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا اُس نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ تم خالد کے ساتھ اسلامی فوج کے سپہ سالار کے پاس جا کر اپنی جان بخشی کرا لو میں اب زندہ نہ بچ سکوں گی۔ چنانچہ اس کے دونوں بیٹوں نے اپنی جان بخشی کرا لی اور حسان کے پاس ہی رہ گئے۔

آخر ملکہ کاہنہ اور حسان کی فوجوں میں سخت مقابلہ ہُوا مسلمان کامیاب ہُوئے اور ملکہ کاہنہ گرفتار ہو کر قتل ہُوئی۔

اس شکست کے بعد مسلمان پھر تمام افریقہ پر قابض ہو گئے اور اس سرزمین میں کوئی اُن کا حریف نہ رہا۔ حسان نے امن عام کا اعلان کر دیا۔ بارہ ہزار بربری بھی اسلامی فوج میں بھرتی ہُوئے اور اُن کا سردار کاہنہ کے ان دونوں بیٹوں کو بنایا گیا۔

حسان اب قیروان سے واپس آ گئے اور عبدالملک کی موت تک وہیں مقیم رہے۔ اس دوران میں انھوں نے اشاعتِ اسلام کی طرف توجہ کی اور بربریوں کی بڑی تعداد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی۔[1]

شمالی فتوحات افریقہ کے میدانوں کے علاوہ شام کے ساحلی شہروں میں بھی مسلمانوں کی رومیوں سے معرکہ آرائیاں ہوئیں۔

سنہ ۷۰ھ میں جب عبدالملک مصعب بن زبیر کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا تھا رومیوں نے یکایک شام کے ساحلی شہروں پر حملہ کر دیا۔ عبدالملک نے مصلحتِ وقت دیکھ کر رومیوں سے ایک ہزار دینار فی ہفتہ پر صلح کر لی۔ لیکن جیسے ہی اسے اندرونی شورشوں سے نجات ملی اس نے "شواتی" اور "صوائف" کی دوبارہ تنظیم کی اور بلادِ روم

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۴۳، ۱۴۲ ملخصاً

پر فوج کشی شروع کر دی۔ پہلے قیساریہ میں عبدالملک نے رومیوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کر لی۔ پھر ۸۱ھ میں عبیداللہ ابن عبداللہ بن عبدالملک نے قالقیلا کو فتح کیا۔ پھر ۸۴ھ میں عبیداللہ نے مصیصہ کو فتح کیا۔ مصیصہ کی فتح کے بعد وہاں پہلی مرتبہ مسلمانوں کو آباد کیا گیا اور ایک قلعہ تعمیر کر کے تین سو سپاہیوں کو اس کی حفاظت پر مامور کیا گیا۔

ولی عہدی مروان نے اپنے بعد ترتیب وار عبدالملک اور عبدالعزیز بن مروان کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ ۸۵ھ میں عبدالملک نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو جو اس زمانے میں مصر کے والی تھے معزول کر کے اپنے بیٹے ولید کو ولی عہد بنانا چاہا۔ عبدالملک نے اس معاملہ میں قبیصہ بن ذویب سے جو اس کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا، مشورہ کیا تو اُس نے توقف کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن روح بن زنباع جذامی سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ یہ کام بآسانی ہو سکتا ہے۔

ابھی عبدالملک عبدالعزیز کی تدبیریں ہی سوچ رہا تھا کہ عبدالعزیز کی موت کی خبر آ گئی۔

اب عبدالملک نے ترتیب وار اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو ولیعہد مقرر کیا اور حکام کو ان کی بیعت کرنے کے لئے لکھا۔

سب نے بیعت کر لی البتہ فقیہ مدینہ اور مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا:۔

"میں ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی بیعت نہیں کر سکتا"

والئ مدینہ ہشام بن اسماعیل نے حضرت سعید بن مسیب کو مجبور کیا اور جب وہ نہ مانے تو انہیں کوڑوں سے پٹوایا اور شہر میں تشہیر کرا کے قید کر دیا۔

عبدالملک کو خبر پہنچی تو اُس نے ہشام پر ملامت کی اور لکھا:۔

"سعید کا دل ہماری طرف سے صاف ہے مار پیٹ کی بجائے اُن کے ساتھ اپنائیت اور محبت کا سلوک کرنا چاہیئے"

وفات عبدالملک وسط شوال ۸۶ھ میں عبدالملک بن مروان نے دمشق میں انتقال کیا۔ جب اس کا وقت قریب آیا تو اُس نے اپنے بیٹوں کو حسبِ ذیل وصیّت کی :-

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ بہترین زیور اور سب سے محفوظ جائے پناہ ہے۔ بڑوں کو چھوٹوں پر مہربانی کرنی چاہیئے اور چھوٹوں کو بڑوں کا حق پہچاننا چاہیئے مسلمہ کا خیال رکھنا اور اُس کی رائے پر عمل کرنا کیونکہ وہ تمہارا قوتِ بازو ہے۔ حجاج کا احترام کرنا کہ اُس نے تمہارے لئے حکومت کا میدان صاف کردیا ہے۔ ایک ماں کے نیک بیٹے بنے رہنا اور آپس میں محبت سے رہنا۔ شریفوں کی طرح لڑائی سے منہ پھیرنا۔ کیونکہ موت اپنے وقت پر ہی آتی ہے۔ نیکی کا منادبنا کیونکہ اس کا ثواب اور اُس کی یاد باقی رہتی ہے۔ بھلائی شریفوں ہی کے ساتھ کرنا۔ وہی اسے یاد رکھتے ہیں اور اُس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ خطاکاروں کی خطاؤں کو نگاہ میں رکھنا۔ اگر وہ معافی چاہیں تو معاف کردینا اور اگر خطا پر اصرار کریں تو بدلہ لینا۔"

وفات کے وقت اُس کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ کُل مدتِ خلافت ۲۱ سال ڈیڑھ ماہ اور ابنِ زبیر کی شہادت کے بعد سے ۱۳ سال چار مہینے ہوئی۔ دمشق میں باب جابیہ کے باہر دفن کیا گیا۔

تدفین کے وقت اس کے بیٹے ہشام نے یہ شعر پڑھا ؎

فما کان قیس ھلکہ ھلک واحد ولکنہ بنیان قوم تھدما

(قیس کا مرنا کسی ایک شخص کا مرنا نہیں ہے بلکہ یہ پوری قوم کی بنیاد کا گر جانا ہے۔)

ولید نے کہا لغو گفتگو نہ کرو بلکہ اوس بن حجر کا یہ شعر پڑھو ؎

اذا مقدم منا ذری حد نابہ　　تخمط منا ناب اخر مقدم

"جب ہمارے کسی سردار کے دانت کی تیزی کند ہو جاتی ہے تو دوسرے سردار کے دانت تیز ہو جاتے ہیں"۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کی زندگی کا اس قسم کے گرم جذبات سے ہی پتہ چلتا ہے۔

خاندانِ عبدالملک عبدالملک نے آٹھ بیبیوں سے نکاح کئے۔ اُن کے نام مع اُن کی اولاد کی تفصیل کے درجِ ذیل ہیں:۔

(۱) ولادہ بنت عباس:۔ اس کے بطن سے ولید، سلیمان اور مروان اکبر پیدا ہوئے۔

(۲) عاتکہ بنت یزید بن معاویہ:۔ اس کے بطن سے یزید، مروان اصغر، معاویہ اور اُمّ کلثوم پیدا ہوئے۔

(۳) اُمّ ہشام بنت ہشام مخزومی:۔ اس سے ہشام پیدا ہوا۔

(۴) عائشہ بنتِ موسیٰ تیمی:۔ اس سے ابوبکر بکار پیدا ہوا۔

(۵) اُمّ ایوب بنت عمرو بن عثمان رضؓ:۔ اس سے حکم پیدا ہوا۔

(۶) اُمّ مغیرہ بنتِ مغیرہ بن خالد مخزومی:۔ اس سے ایک لڑکی فاطمہ پیدا ہوئی۔

(۷) شقراد بنت مسلمہ طائی

(۸) اُمّ ابیہا بنتِ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

بیبیوں کے علاوہ امہاتِ اولاد سے چند بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں:۔

عبداللہ، مسلمہ، منذر، عنبسہ، محمد، سعید، خیر اور حجاج ؞

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صد ۱۹۹۔

سیرتِ عبدالملک

عبدالملک بن مروان، علم و فضل، فہم و تدبر، ہمت و جرأت اور شجاعت و بسالت کے اوصاف سے متصف تھا۔

۶۵ھ میں جب وہ تختِ شام پر متمکن ہوا ہے عالمِ اسلامی پر اضطراب و اختلاف کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ مگر ۸۶ھ میں جب وہ دُنیا سے رخصت ہوا۔ امن وامان کے سُورج کی کرنیں حکومتِ اسلامیہ کے چپہ چپہ کو منور کر رہی تھیں۔

اس کے علم و فضل کے متعلق ابوالزناد اور شعبی کی رائیں پہلے بیان کی جا چکی ہیں اس کی جرأت و شجاعت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے:-

"۶۶ھ میں جب وہ مختار ثقفی سے جنگ کرنے کے لئے جا رہا تھا اُسے ایک رات متواتر چار حوصلہ شکن خبریں ملیں۔ پہلے کسی قاصد نے اطلاع دی کہ عبیداللہ بن زیاد مختار کے مقابلہ میں مارا گیا۔ پھر خبر آئی کہ اُس کا ایک نامور افسر عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ میں کام آیا اور مصعب بن زبیر اپنی فوجیں لے کر سرزمینِ فلسطین میں داخل ہو گئے۔ پھر کوئی مخبر خبر لایا کہ شہنشاہِ روم کا لشکر سرحدِ شام کے شہر مصیصہ میں داخل ہو چکا ہے۔ پھر کسی نے یہ مژدہ سنایا کہ دمشق کے بدمعاشوں نے شہر میں غدر مچادیا۔ اور اعراب نے حمص اور بعلبک میں لوٹ مار شروع کر دی ہے"

مسعودی کا بیان ہے کہ عبدالملک ان خبروں کو سُن کر ذرا پریشان نہ ہُوا بلکہ اُس رات وہ زیادہ خوش اور بشاش نظر آیا۔[1]

اس کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۷۱ھ میں جب اُس نے مصعب بن زبیر کے مقابلہ میں عراق جانے کا ارادہ کیا تو

---

[1] مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۱۳

اُس نے اپنے احباب سے مشورہ کیا۔

بعض مشیروں نے کہا بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر جیسی با اثر طاقت سے نہ ٹکراؤ۔ تم اپنے مقبوضہ صوبوں پر قناعت کرو۔ اور عبداللہ بن زبیر کے لئے اُن کے مقبوضہ علاقے چھوڑ دو۔ لیکن عبدالملک نے حقارت کے ساتھ اس رائے کو ٹھکرا دیا۔ پھر بعض خیر خواہوں نے عرض کیا اگر جنگ کرنا ہی ہے تو کسی سپہ سالار کو بھیج دیا جائے اور امیر المؤمنین دارالحکومت میں رہ کر اس کی امداد کرتے رہیں۔ عبدالملک نے اس رائے کو بھی قبول نہ کیا اور کہا۔

"مصعب جیسے بہادر شخص کے مقابلہ کے لئے مجھ جیسے آزمودہ کار جنگجو کا میدان میں جانا ضروری ہے"

آخر کار جب وہ اس خطرناک مہم پر روانہ ہونے لگا تو اُس کی بیوی عاتکہ بنتِ یزید بے اختیار رونے لگی۔ اس کو روتے دیکھ کر اُس کی سہیلیاں بھی رونے لگیں۔ عبدالملک نے کثیر عزہ کے دو شعر پڑھے اور بلا پس و پیش میدانِ جنگ کو روانہ ہو گیا اور آخر کار کامیاب و بامراد واپس آیا[1]

تاریخ اس پر یہ نکتہ چینی کرتی ہے کہ اُس نے اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں سخت گیری اور عہد شکنی کو روا رکھا۔ چنانچہ حجاج بن یوسف جیسے ظالم شخص کو امیر عراقین مقرر کیا جس نے ہزارہا انسانوں کو خاک و خون میں تڑپایا اور عمرو ابنِ سعید کو امان دے کر دھوکہ سے قتل کر دیا۔

مگر اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عبدالملک ایک سلطان تھا خلیفہ راشد نہ تھا۔ سلطنت کی قبا کا گناہ گاروں اور بے گناہوں کے خون سے رنگین ہونا ایک معمولی بات ہے۔ پھر عبدالملک کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا وہ، وہ لوگ تھے جنہیں اپنی اغراضِ ذاتی کی تکمیل کے لئے اسلام کی مرکزیت کو پارہ پارہ کرنے میں کبھی باک نہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۲۵

ہوا اور بادشاہوں کے تاج و تخت سے کھیلنا اُن کا مفید مشغلہ رہا۔ چنانچہ وہ خود کہا کرتے تھے کہ

"ہر زمانہ کے حکّام کا رویہ اُس زمانہ کی رعایا کے طریقِ عمل کے مطابق ہوتا ہے۔ مجھے جن لوگوں سے واسطہ پڑا ہے اگر حضرت عمرؓ کو اُن سے واسطہ پڑتا تو وہ بھی یہی طریقِ عمل اختیار کرتے"

بہرکیف عبدالملک کا یہ بہت بڑا احسان ہے خواہ اُس کا اپنا مقصد یہ ہو یا نہ ہو کہ اس نے پھر ایک ایسی مضبوط اسلامی عربی حکومت کی بنیادیں استوار کر دیں۔ جو دشمنانِ اسلام کی اغراضِ فاسدہ کی تکمیل کی راہ میں حصار بن کر کھڑی ہو گئی اور جس کے زیرِ سایہ مدت دراز تک اعلائے کلمۂ اسلام، علومِ اسلامیہ کی اشاعت اور تمدنِ اسلامی کی حفاظت و ترویج کی خدمات انجام دی جاتی رہیں۔

فتوحاتِ اسلامیہ کے علاوہ جن کا ذکر ہو چکا ہے خاص عبدالملک کے عہد میں جو دینی و تمدنی کام انجام پائے۔ ان میں سے بعض قابلِ ذکر ہیں۔

تعمیرِ کعبہ بناءِ ابراہیمی کے ۲۷۵۵ سال بعد نبوتِ محمدیہ سے پانچ سال قبل قریش نے خانہ کعبہ کو منہدم کر کے اُسے دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ اس تعمیر کے وقت سرمایہ کی کمی کی وجہ سے حجرِ اسماعیل کی طرف بنیادِ ابراہیمی سے چند ہاتھ چھوڑ کر دیوار اُٹھائی گئی۔ نیز دروازہ بھی قدِ آدم اُونچا رکھا گیا تاکہ قریش کی بغیر اجازت اس میں کوئی داخل نہ ہو سکے۔

۶۴ھ میں جب یزید بن معاویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کے لئے حصین بن نمیر کو بھیجا تو اُس نے خانہ کعبہ پر سنگباری کرائی۔ اس سنگباری سے خانہ کعبہ کی دیواریں جھک گئیں۔ نیز آگ لگ جانے کی وجہ سے غلافِ کعبہ اور عمارتِ کعبہ کا چوبی حصہ بھی جل گیا۔

یزید کی موت کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیر کا حجاز میں پورا تسلط ہو گیا تو آپ نے ایرانی، مصری اور رومی کاریگروں کو بُلا کر خانہ کعبہ کو منہدم

کرکے دوبارہ اس کی تعمیر شروع کرائی۔ آپ کو اپنی خالہ محترمہ حضرت عائشہؓ سے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی تھی کہ اگر قریش جدید الاسلام نہ ہوتے تو میں کعبہ کو بنیادِ ابراہیمی پر لے آتا اور حجرِ اسماعیل (کعبہ کا چھوٹا ہوا حصہ بھی اس میں داخل کر دیتا۔"

لہٰذا تعمیرِ جدید میں کعبہ کا چھوٹا ہوا حصہ بھی داخل کر لیا۔ اس کے علاوہ آپ نے زمین سے ملا کر آمنے سامنے دو دروازے قائم فرمائے۔ تاکہ زائرین ایک طرف سے آئیں اور دوسری طرف سے نکل جائیں اور عمارت کی بلندی میں بھی نو ہاتھ کا اضافہ کر دیا۔

۷۳ھ میں جب حضرت عبداللہ بن زبیر شہید ہو گئے اور حجاج بن یوسف حجاز کا والی مقرر ہوا تو اس نے حجرِ اسماعیل کو پھر خانہ کعبہ سے خارج کر دیا۔ دروازہ جدیدہ کو تیغہ لگا کر بند کر دیا اور دروازہ قدیمہ کو اونچا کر دیا۔ یوں خانہ کعبہ پھر بناءِ قریش کے مطابق ہو گیا۔

خانہ کعبہ کی موجودہ عمارت وہی ہے۔ تینوں طرف بناءِ عبداللہ بن زبیر ہے اور شمالی جانب تعمیر حجاج بن یوسف ثقفی۔

اِسلامی دِینار کا اجراء

اسلام سے پہلے عرب میں ایرانی درہم اور رومی دینار چلتے تھے۔ ۱۸ھ میں حضرت عمرؓ نے درہم ڈھلوائے۔ یہ درہم ایرانی درہم کے نمونے پر ڈھالے گئے لیکن اُن کا نقش اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ قرار دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی اپنے عہد میں درہم ڈھلوائے۔ ۷۶ھ میں عبدالملک بن مروان نے خالد بن یزید بن معاویہ کے مشورہ سے دینار بھی ڈھلوائے۔

بات یہ ہوئی کہ عبدالملک کے پاس قیصرِ روم کے نام جو خطوط جاتے تھے اُن کی پیشانی پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

کا ذکر ہوتا تھا۔ قیصرِ روم نے عبدالملک کو لکھا کہ یہ ایک نیا طریقہ جاری کیا گیا ہے جسے میں نہیں پسند کرتا۔ اگر اسے بند نہ کیا گیا تو میں اپنے ہاں کے دیناروں پہ تمہارے نبی کی شان میں غیر مناسب الفاظ کندہ کرا کر بھیجوں گا۔

قیصرِ روم کی اس دھمکی کا جواب عبدالملک نے اس طرح دیا کہ رومی دیناروں کا داخلہ ممالکِ اسلامیہ میں بند کر دیا اور اسلامی دینار جاری کئے۔

حجاج بن یوسف کی نگرانی میں عراق میں اسلامی ٹکسال قائم کی گئی اور دوسروں کو سکہ ڈھالنے کی ممانعت کر دی گئی۔ چنانچہ سمیر نام ایک یہودی نے سکہ ڈھالا تو اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ سمیر نے دراہم و دنانیر کا وزن کرنے کے لئے کانٹا ایجاد کیا تاکہ اس کارگزاری پر حجاج کے عتاب سے بچ جاتے مگر حجاج نے اُسے قتل کرا دیا۔

عبدالملک کی ٹکسال سے جو سکہ جاری ہوا اُس میں ایک رُخ پر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور دوسرے رُخ پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نقش ہوتا تھا۔ دونوں رُخ حاشیہ پر ایک حلقہ بنا ہوتا تھا۔ ایک حلقہ میں تاریخ اور مقام درج ہوتا تھا اور دوسرے میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ لکھا ہوتا تھا۔[1]



[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۶۱ و تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ صفحہ ۳۴

ولید اوّل بن عبدالملک

۸۶ھ تا ۹۶ھ

ولید عبدالملک بن مروان کا بڑا بیٹا تھا جو ولادہ بنت عباس بن حزیز عبسی کے بطن سے ۵۰ھ میں پیدا ہوا۔ آغوشِ ناز و نعمت میں پلا بڑھا۔ اس لئے علم و فضل سے بے بہرہ رہا۔ مگر آئینِ جہاں بانی اور اصولِ حکمرانی سے پورے طور پر واقف تھا مزاج میں سختی تھی۔

باپ کے دفن سے فارغ ہو کر سیدھا مسجد میں پہنچا اور خطبہ دیا۔ پہلے عبدالملک کی خوبیاں بیان کیں پھر کہا۔

"لوگو! تمہارے لئے حکومت کی اطاعت اور جماعت کے ساتھ اتحاد ضروری ہے۔ جو شخص جماعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ شیطان کا بھائی ہے۔ لوگو! جو شخص مخالفت کا اظہار کرے گا اُس کا سر توڑ دیا جائے گا" اور جو اُسے چھپائے گا وہ اسی مرض میں ہلاک ہو جائے گا"

ولید کا عہدِ دولتِ بنی اُمیہ کی پیشانی کا نور ہے۔ عبدالملک حکومت کے راستہ کے تمام کانٹے صاف کر چکا تھا۔ خوارج کا فتنہ دب چکا تھا شیعہ اہلبیت کے جذبات سرد ہو چکے تھے۔ بنو اُمیہ کی رقیب طاقتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھیں اس لئے ولید کو اطمینان کے ساتھ داخلی انتظامات اور خارجی اقدامات کی طرف توجہ کرنے کا موقعہ ملا۔

خوش قسمتی سے اسے محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور مسلمہ ابن عبدالملک جیسے عظیم الشان فاتحین ہاتھ آگئے جنھوں نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے یورپ اور ایشیا کے میدانوں کو روند ڈالا۔

ان چاروں سپہ سالاروں کی فتوحات کی تفصیلات علیحدہ علیحدہ درج کی جاتی ہیں۔

فتوحات

محمد بن قاسم

ایران کی ساسانی حکومت اور سندھ کی بدھ حکومت میں جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں دوستانہ تعلقات تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں تو سندھی فوجیں بھی ایرانی فوجوں کے دوش بدوش مسلمانوں سے لڑیں۔ ساسانی حکومت کے خاتمہ کے بعد بہت سے ایرانی سرداروں نے سندھ میں بود و باش اختیار کی اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ان کے علاوہ بعض عربی سردار بھی حکومتِ وقت سے باغی ہو کر سندھ میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔

ان وجوہ سے کرمان و مکران پر قابض ہونے کے بعد سے مسلمانوں اور سندھیوں کے درمیان چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہا۔ تاہم اندرونِ ملک میں گھس کر مسلمانوں کو سندھ پر قبضہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بیوہ مسلمان عورت کی مظلومانہ فریاد نے اِدھر متوجہ کیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ جزیرہ سراندیپ میں کچھ عربوں کا جو بغرض تجارت وہاں ٹھہرے ہوئے تھے انتقال ہو گیا۔ راجہ سراندیپ ایک نیک دل اور صلح پسند شخص تھا اور مسلمانوں سے تعلقات پیدا کرنے کا خواہاں تھا۔ اس نے حجاج

اور ولید بن عبدالملک کو خوش کرنے کے لئے ان عرب تاجروں کے اہل وعیال کو ایک جہاز میں سوار کرا کر عراق روانہ کیا۔ اس کے علاوہ بہت سے قیمتی تحفے بھی ولید کے دربار میں پیش کرنے کے لئے روانہ کئے۔

جب یہ جہاز دیبل کے قریب پہنچا تو سندھ کے راجہ داہر کے سپاہیوں نے جہاز پر حملہ کر کے تمام مال ومتاع لوٹ لیا اور عرب عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔ عرب عورتیں اور بچے جب اس طوفانِ بلا میں گھرے تو ایک عورت کی زبان سے بے اختیار یہ فریاد نکلی :-

"اے حجاج ! ہماری مدد کر !"

حجاج کو جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی اور اس مظلوم عورت کی فریاد سنائی گئی تو اُس نے کہا۔

"میں ابھی مدد کو پہنچتا ہوں"

حجاج نے پہلے مصالحت سے کام نکالنا چاہا۔ داہر کو لکھا کہ آپ کے آدمیوں نے ہماری عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا ہے انہیں واپس کرا دو۔ مگر داہر شریر آدمی تھا اُس نے جواب دیا۔ یہ سمندری قزاقوں کا کام ہے میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔

اب فوج کشی کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ حجاج نے عبداللہ اسلمی کو چھ ہزار فوج کے ساتھ سرحدِ سندھ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ عبداللہ میدانِ جنگ میں کام آئے۔ دوسری بار حجاج نے بدیل بن طہفہ بجلی کو چھ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ بدیل میدانِ کارزار میں گھوڑے سے گر کر شہید ہوئے۔

تیسری بار حجاج نے اپنے نوجوان بھائی محمد بن قاسم کو سرحدِ سندھ کا والی مقرر کیا اور چھ ہزار شامی فوج دے کر سندھ کی مہم پر مامور کیا۔

محمد بن قاسم پہلے مکران آیا اور ضروری انتظامات کے لئے وہاں کچھ روز ٹھہرا۔ قنزپور و پنج گور کی طرف بڑھا اور اُسے فتح کیا۔ پھر اسا بیل (ارمن بیلہ) کو

فتح کیا۔ پھر مضافات دیبل میں آکر مقیم ہوا۔ محمد بن قاسم نے اپنے ہتھیار اور سامانِ رسد (جس میں سوئی تاگہ تک موجود تھا) سمندر کے راستے روانہ کر دیئے تھے جس دن وہ پہنچا اسی دن یہ اشیاء بھی پہنچ گئیں۔

فتح دیبل محمد بن قاسم نے دیبل پہنچتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اپنی فوج کے آگے خندق کھودی اور بہادرانِ اسلام کی صفیں ترتیب کے ساتھ قائم کر دیں منجنیقیں بھی مناسب مقامات پر نصب کر دی گئیں۔ ان میں وہ عظیم الشان منجنیق بھی تھی جسے پانچ سو آدمی کھینچتے تھے اور "عروس" کے نام سے مشہور تھی۔ مسلمان عرصہ تک دیبل کا محاصرہ کئے پڑے رہے مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

دیبل ایک تیرتھ گاہ تھا۔ وسطِ شہر میں ایک بہت بڑے مندر میں بدھ کا بت تھا۔ مندر کی شاندار عمارت پر ایک بہت اونچا مینار بنا ہوا تھا۔ مینار کے برج پر ایک بہت بڑا سرخ جھنڈا نصب تھا۔ جب ہوا چلتی یہ جھنڈا سارے شہر پر لہراتا۔ ایک دن مسلمانوں نے تاک کر منجنیق سے نشانہ لگایا تو مندر کے مینار کی برجی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور وہ مقدس سرخ جھنڈا زمین پر آرہا۔ اہلِ شہر نے اسے بدشگونی سمجھا اور ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔

مسلمانوں نے جوش و خروش کے ساتھ شہر پر حملہ کر دیا۔ کچھ نوجوان رسیوں کی کمند ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے اور شہر کو بزورِ شمشیر فتح کیا۔ راجہ داہر کا حاکم بھی موقع دیکھ کر بھاگ گیا۔

دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے چار ہزار مسلمانوں کو وہاں آباد کیا اور یہاں ایک جامع مسجد تعمیر کی۔ کفرستانِ ہند میں خدائے واحد کی یہ پہلی عبادت گاہ تھی۔

دیبل سے محمد بن قاسم بیرون کی طرف بڑھا۔ حاکم بیرون نے اپنے سفیر بھیج کر حجاج سے پہلے ہی مصالحت کر لی تھی۔ بیرون میں محمد بن قاسم مصالحانہ داخل ہوا اور وہاں اس کی بڑی خاطر تواضع کی گئی۔

محمد بن قاسم آگے بڑھا اور شہر پر شہر فتح کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ دریائے سندھ کے اِس پار ایک دریا کو عبور کر کے سربیدس (شہری ویدس) پر حملہ آور ہوا۔ سربیدس کے راجہ نے خراج پر صلح کر لی۔ یہاں سے محمد بن قاسم سہبان کی طرف چلا اور اسے فتح کیا۔

اب محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کی طرف پیش قدمی کی۔ راستہ میں ایک دستہ سدوستان (سہسوان) کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ اہل سدوستان نے امان مانگی اور خراج پر صلح کر لی۔ دریائے سندھ پر پہنچ کر محمد بن قاسم نے دریا پر پُل باندھا اور دریا کو پار کر کے راجہ راسل کی حدودِ سلطنت میں داخل ہوا۔

راجہ داہر دریائے سندھ کے کنارے، سندھ کے دوسرے راجاؤں کے ساتھ عظیم الشان لشکر لئے پڑا تھا۔ دریائے سندھ کو پار کرتے ہی محمد بن قاسم کا اپنے اصلی حریف سے مقابلہ ہوا۔ سندھی فوج کے آگے ہاتھی صف باندھے کھڑے تھے۔ خود راجہ داہر بھی درمیان میں ایک سفید ہاتھی پر سوار فوج کی کمان کر رہا تھا۔ دونوں فوجوں میں خونریز لڑائی ہوئی۔ آخر فتح کا سہرا محمد بن قاسم کے سر بندھا اور راجہ داہر میدانِ جنگ میں مقتول ہوا۔

راجہ داہر کا قاتل اس کارنامہ پر ان الفاظ میں اظہارِ فخر کرتا ہے ؎

الخیل تشھد یوم داھر والقنا ۔۔۔ ومحمد بن القاسم بن محمد

انی فرجت الجمع غیر معرد ۔۔۔ حتی علوت عظیمھم بمھند

فترکتہ تحت العجاج مجندلا ۔۔۔ متعفر الخدین غیر موسد

"داہر سے لڑائی کے دن گھوڑے، نیزے اور محمد بن قاسم بن محمد اس امر کے گواہ ہیں کہ میں بغیر پیچھے ہٹے میدان کو صاف کرتا ہوا بڑھتا رہا یہاں تک کہ میں نے اُسے اس وقت چھوڑا جب وہ غبار کی چادر میں لیٹا پچھڑا تھا۔ اس کے دونوں رخسار خاک آلودہ تھے اور اس کے سرہانے کوئی تکیہ بھی نہ تھا۔"

داہر کے قتل کے بعد محمد بن قاسم کا سندھ کے شہروں پر قبضہ ہوتا چلا گیا پہلے وہ راور پہنچا۔ یہاں داہر کی ایک بہادر رانی مسلمانوں سے انتقام لینے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ محمد بن قاسم نے پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور سنگباری شروع کر دی۔ رانی کو جب شکست کا یقین ہو گیا تو وہ اپنی سہیلیوں اور باندیوں کے ساتھ ستی ہو گئی قلعہ کا قیمتی سامان بھی اس نے چتا کی آگ میں جلا دیا۔

یہاں سے محمد بن قاسم نے برہمنا بانور (برہمن آباد) کا قصد کیا۔

برہمن آباد میں داہر کی باقی ماندہ فوج داہر کے بیٹے جے سنگھ کی زیر ہدایت لڑائیوں کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ محمد بن قاسم نے اسے بزور شمشیر فتح کیا اور وہاں اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کر دیا۔ جے سنگھ کسی طرف نکل گیا۔

برہمن آباد سے محمد بن قاسم رور اور بغرور کے ارادے سے نکلا۔ راستہ میں اہل ساوندری ملے اور صلح کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے دعوت کھلانے کی شرط پر صلح کر لی۔ اہل ساوندری نے مسلمانوں کی دعوت کی اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔

محمد بن قاسم بسمد پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے بھی اہل ساوندری کی طرح صلح کر لی۔ آخر محمد بن قاسم رور پہنچا۔ یہ شہر ایک پہاڑی پر واقع تھا یہاں مسلمان کئی مہینے تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ اہل شہر جب محاصرہ سے تنگ آ گئے تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ ہم اس شرط پر صلح کرنے کے لئے تیار ہیں کہ ہمیں امان دی جائے اور ہمارے بت خانہ کو مسمار نہ کیا جائے۔ محمد بن قاسم نے اس شرط کو قبول کر لیا اور مندر کو کنیسہ اور آتش کدہ کے حکم میں شمار کیا۔ محمد بن قاسم نے رور میں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی۔

فتح ملتان

یہاں سے روانہ ہو کر محمد بن قاسم نے سکہ کو فتح کیا۔ پھر دریائے بیاس کو عبور کر کے ملتان پہنچا۔ راجہ ملتان نے شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور شہر بند ہو بیٹھا۔ مسلمان بہت عرصہ تک شہر کا

محاصرہ کئے رہے۔ آخر ایک ملتانی کے مشورہ سے انھوں نے وہ نہر بند کردی جن سے اہلِ ملتان سیراب ہوتے تھے۔ مجبور ہو کر راجہ ملتان نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمان فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔

ملتان بھی بدھ مت کی بہت بڑی تیرتھ گاہ تھی۔ یہاں کے مندر کی یاترا کے لئے دُور دُور سے یاتری آتے تھے اور بدھ کے بت پر بیش قرار چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ یہ سب دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ صرف سونے کی مقدار اتنی تھی کہ ایک مکان میں جو دس گز لمبا اور آٹھ گز چوڑا تھا اُسے جمع کیا گیا تو وہ بھر گیا۔ اسی لئے عربوں میں ملتان "سونے کی کان" سے مشہور ہو گیا۔ حجاج نے حساب لگایا تو فتوحاتِ سندھ پر ساٹھ لاکھ درہم خرچ ہوئے تھے اور صرف مالِ غنیمت کی آمدنی ایک کروڑ بیس لاکھ درہم ہوتی تھی۔ اس نے کہا۔

"اس مہم میں ساٹھ لاکھ درہم کا فائدہ رہا اور ہم نے اپنا انتقام الگ لے لیا"

محمد بن قاسم ملتان ہی میں مقیم تھا کہ حجاج بن یوسف کی وفات کی خبر پہنچی۔
محمد بن قاسم رور اور بغرور کی طرف لوٹا جنہیں وہ فتح کر چکا تھا۔ یہاں سے اس نے ایک لشکر سلیمان کی طرف بھیجا۔ اہلِ سلیمان نے اطاعت قبول کی۔ پھر اُس نے سرشت کی طرف توجہ کی۔ یہاں کے باشندوں نے بھی اطاعت قبول کی۔
پھر محمد بن قاسم کیرج آیا۔ یہاں کے راجہ دوہر نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور قتل ہوا۔

ان عظیم الشان فتوحات کے بعد جنہوں نے اسلام کی روشنی سے سندھ کے بیابانوں کو جگمگا دیا، ولید بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا۔[۱]
بقیہ واقعات سلیمان بن عبدالملک کے عہد کے حالات میں بیان ہوں گے۔

---

[۱] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶ و فتوح البلدان صفحہ ۴۴۱

قتیبہ بن مسلم

۸۶ھ میں حجاج بن یوسف نے قتیبہ بن مسلم کو مفضل ابن مہلب کی جگہ خراسان کا والی مقرر کیا تھا۔ قتیبہ نے خراسان پہنچتے ہی جہاد کی اہمیت اور فضیلت پر ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ بہت سے راہِ خدا میں جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ قتیبہ ان مجاہدین کو ساتھ لے کر ترکستان کے فتنہ انگیز اور باغی سرداروں پر فوج کشی کے ارادے سے روانہ ہوا۔ قتیبہ طالقان پہنچا تو بلخ کے سردار بھی اس سے آ ملے۔ جب قتیبہ نے دریائے جیحون کے پار قدم رکھا تو صغانیان کے بادشاہ نے تحائف وہدایا کے ساتھ استقبال کیا اور سونے کی کُنجی اُس کی خدمت میں پیش کر کے اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔ قتیبہ نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔

شاہِ صغانیان نے اپنے علاقہ کو قتیبہ ہی کی نگرانی میں دے دیا۔ کیونکہ اس کا پڑوسی شاہِ آخرون وشومان اس کو بہت پریشان کرتا تھا۔

یہاں سے قتیبہ نے آخرون اور شومان (طخارستان) کا قصد کیا۔ شاہ آخرون وشومان کو جب اپنے حریف شاہ صغانیان کی اطاعت کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی فدیہ پیش کر کے صُلح کر لی۔

اس کے بعد قتیبہ مرو لوٹ آیا اور اپنے بھائی صالح کو مفتوحہ علاقے کی نگرانی اور لشکر کی سالاری کے لئے چھوڑ آیا۔ صالح نے نصر بن سیار کی مدد سے کاشان اور فرغانہ کے شہر اورشت بیغمر اور اخشیکت فتح کئے۔

۸۷ھ میں قتیبہ کے پاس نیزک (ایک تورانی امیر) آیا اور صلح کی درخواست کی۔ صورت یہ ہوئی کہ نیزک کے پاس کچھ مسلمان قید تھے۔ قتیبہ نے انہیں رہا کرنے کے لئے لکھا اور اُسے دھمکی دی۔ نیزک نے انہیں رہا کر دیا۔ قتیبہ نے اُسے لکھا اب اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو ہمارے پاس چلے آؤ ورنہ ہم تمہیں گرفتار کر لیں گے۔ نیزک نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ چنانچہ قتیبہ نے اس سے صلح کر لی اور وعدہ کیا کہ وہ بادغیس پر حملہ نہ کرے گا۔

اسی سال قتیبہ نے دریائے جیحون کو عبور کیا اور بخارا کے شہر بیکند پر جو جیحون کے کنارے واقع تھا حملہ آور ہوا۔ اہلِ بیکند نے صغد اور قرب و جوار کی دوسری قوموں سے مدد مانگی۔ چنانچہ بہت بڑی جماعت اُن کی مدد کے لئے آپہنچی اور مسلمانوں کو گھیر کر اُن کے راستے بند کر دیئے۔ دو مہینے تک یہ کیفیت رہی کہ نہ قتیبہ کا کوئی قاصد اسلامی علاقہ میں جا سکا اور نہ وہاں کا کوئی پیغامبر قتیبہ کے پاس پہنچ سکا۔ حجاج بھی اس صورتِ حال سے بہت پریشان ہوا۔ اس نے قتیبہ کی کامیابی کے لئے مسجدوں میں دُعائیں کرائیں۔

آخر محصور مسلمانوں نے ایک دن جان توڑ حملہ کیا۔ کافروں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ شہر کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور انہیں بے دریغ قتل اور قید کر دیا۔ پھر بھی کچھ لوگ شہر میں داخل ہو گئے اور دروازے بند کر لئے۔ قتیبہ نے حکم دیا کہ فصیل کو توڑا جائے۔ اہلِ بیکند کو جب یقین ہو گیا کہ سوائے اطاعت کے کوئی چارہ نہیں تو انہوں نے صلح کی درخواست کی۔ قتیبہ نے یہ درخواست قبول کر لی۔ اور اپنی طرف سے وہاں ایک عامل مقرر کر کے لوٹ آیا۔

ابھی قتیبہ پانچ فرسخ ہی گیا تھا کہ معلوم ہوا کہ اہلِ بیکند نے بغاوت کی اور اپنے عامل کو قتل کرا دیا۔ قتیبہ فوراً واپس لوٹ آیا اور فصیلِ شہر کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ اہلِ بیکند نے پھر صلح کی درخواست کی مگر قتیبہ نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور زبردستی شہر میں داخل ہو کر دشمن کے جوانوں کو چُن چُن کر قتل کیا۔ ایک کانا شخص جس نے اہلِ شہر کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ گرفتار ہو کر قتیبہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے کہا میں اپنی جان کے فدیہ میں پانچ ہزار ریشمی تھان جن کی قیمت دس لاکھ درہم ہے پیش کرتا ہوں۔ مگر قتیبہ نے کہا اب کوئی مسلمان تیرے دھوکہ میں نہ آئے گا اور اُسے قتل کرا دیا۔

بیکند میں مسلمانوں کو اسلحہ، سونے چاندی کے برتن اور دوسرا مالِ غنیمت اس قدر کثرت سے ہاتھ آیا کہ خراسان میں بھی ہاتھ نہ آیا تھا۔ اس کے بعد قتیبہ مرو لوٹ آیا۔

۸۸ھ کے موسمِ بہار میں قتیبہ پھر مناسب تیاریوں کے ساتھ مرو سے روانہ ہُوا۔ نہر جیجون کو پار کر کے نوشکت پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے صُلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ یہاں سے قتیبہ، اشتنہ پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے بھی صلح کی درخواست کی۔ قتیبہ نے اُن کی درخواست بھی منظور کی۔ ان مہمات سے فارغ ہو کر قتیبہ نے مرو کا ارادہ کیا۔

ادھر ترک، صغد اور اہلِ فرغانہ نے دو لاکھ کی تعداد میں جمع ہو کر شاہِ چین کے بھانجے کور مغابون کی سالاری میں قتیبہ کے لشکر کے پچھلے حصّے (ساقہ) پر حملہ کر دیا۔ قتیبہ اسلامی لشکر کے ساتھ آگے نکل چکا تھا۔ امیر ساقہ عبدالرحمٰن بن مسلم نے اپنے بھائی قتیبہ کو اس حملہ کی اطلاع دی اور خود اپنی مختصر جمعیت کے ساتھ بڑی بہادری سے دشمن کے لشکرِ عظیم کا مقابلہ کیا۔ قتیبہ بھی خبر ملتے ہی لوٹ پڑا۔ آخر مسلمانوں نے ترک، صغد اور اہلِ فرغانہ کے متحدہ لشکر کو شکستِ فاش دی۔

اس لڑائی میں رئیس بادغیس، نیزک نے مسلمانوں کی بڑی جان نثاری کے ساتھ حمایت کی۔

قتیبہ ترمذ کے راستہ سے مرو لوٹ آیا۔

فتح بخارا

۸۹ھ میں قتیبہ نے پھر بخارا کے قصد سے دریائے جیجون کو عبور کیا۔ خرقانہ سفلی پہنچا تو دشمنوں کی بہت بڑی جماعت سے مقابلہ ہُوا۔ قتیبہ نے اُن کو شکست دی اور بخارا کے قریب پہنچ گیا۔ شاہِ بخارا اور وان فدا کو قتیبہ کے حملہ کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے پوری تیاری کے ساتھ مقابلہ کیا قتیبہ بخارا کو فتح نہ کر سکا اور مرو واپس لوٹ آیا۔

حجاج کو اس ناکامی کی اطلاع پہنچی تو اس نے قتیبہ کو لکھا تم نے وان فدا کے مقابلہ میں جو کمزوری دکھائی ہے اس کی اللہ تعالےٰ سے معافی مانگو اور میرے مجوزہ نقشہ کے مطابق بخارا پر دوبارہ حملہ کرو۔

چنانچہ قتیبہ ۹۰ھ میں دوبارہ بخارا کے قصد سے مرو سے روانہ ہوا۔ شاہِ بخارا

نے اپنے پڑوسیوں صغد اور نیزک سے مدد مانگی۔ لیکن ابھی یہ مدد پہنچنے نہ پائی تھی کہ قتیبہ نے بخارا کا محاصرہ کر لیا۔

جب صغد اور ترک مدد کو آ گئے تو اہلِ بخارا کی ہمت قوی ہو گئی اور وہ بھی مقابلہ کے لئے نکلے۔ اس لڑائی میں دشمن ایسی بہادری سے لڑے کہ ایک مرتبہ وہ اسلامی فوج کے ایک حصّہ کو دھکیلتے ہوئے قلبِ لشکر میں پہنچ گئے۔ مسلمان عورتیں رونے لگیں اور اُنھوں نے اپنے مَردوں کے گھوڑوں کو مار مار کر میدانِ جنگ کی طرف دھکیل دیا۔

عورتوں کے اس اقدام سے مَردوں کو بڑی غیرت آئی اُنھوں نے پلٹ کر دشمن پر سخت حملہ کیا اور انھیں پیچھے ہٹا دیا۔ دشمن نے ایک اُونچے ٹیلے پر پناہ لی۔ اس ٹیلہ اور مسلمانوں کے لشکر گاہ کے درمیان ایک نہر حائل تھی۔

قتیبہ نے للکار کر کہا۔

"کوئی ہے جو دشمن کو اس ٹیلہ سے ہٹا دے؟"

بنی تمیم کے دو سردار وکیع اور تمیم اپنے قبیلہ کے جوانوں کو لے کر مردانہ وار نہر پار کر کے دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ دشمن نے شکستِ فاش کھائی اور بھاگ کھڑا ہُوا۔ یوں بخارا آخر کار مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

اس لڑائی میں شاہ ترک خاقان اور اس کا بیٹا بھی زخمی ہُوا۔ شاہِ صغد شاہِ بخارا کی اس شکست سے ایسا مرعوب ہُوا کہ اس نے میدانِ جنگ ہی میں قتیبہ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ قتیبہ نے جزیہ پر صُلح کر لی۔ اس کامیابی کے بعد قتیبہ مرو لوٹ آیا اور حجاج کو فتح کی خوشخبری بھیجی[۱]۔

نیزک کی بغاوت اور اُس کا قتل

بادغیس کا رئیس نیزک اب تک قتیبہ کے ساتھ تھا اُس نے مسلمانوں کے

---

[۱] ابنِ اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۷

بروزافزوں کامیابیاں دیکھیں تو ڈرا اور قتیبہ سے اجازت لے کر طخارستان واپس آیا یہاں آکر اُس نے بلخ، مرورود، طالقان، فاریاب، جوزجان اور کابل کے رئیسوں کو اپنے ساتھ ملا کر علمِ بغاوت بلند کیا۔

قتیبہ کو خبر ملی تو اس نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن مسلم کو بارہ ہزار فوج دے کر بروقان روانہ کیا اور وہاں اُسے ٹھہر کر انتظار کرنے کا حکم دیا۔ پھر جاڑوں کا زمانہ ختم ہوتے ہی مناسب تیاریوں کے ساتھ باغی سرداروں کی سرکوبی کے لئے خود روانہ ہُوا۔

پہلے طالقان پہنچا۔ یہاں ایک خونریز لڑائی کے بعد رئیس طالقان کو شکست دی۔ اہلِ طالقان کی بڑی تعداد مسلمانوں کے ہاتھ سے ماری گئی۔ پھر قتیبہ فاریاب کی طرف بڑھا۔ وہاں کے حکمران نے اطاعت قبول کر لی۔ پھر جوزجان کا رُخ کیا وہاں کا حکمران پہاڑوں کی طرف نکل گیا اور اہلِ شہر نے اطاعت قبول کی۔ پھر بلخ ہوتا ہُوا نیزک کی تلاش میں اپنے بھائی عبدالرحمٰن سے خلم کی گھاٹی میں جا ملا۔ نیزک اسی گھاٹی میں چھپا ہُوا تھا۔

یہ گھاٹی بہت پُرپیچ اور دشوار گذار تھی۔ نیزک کو جب قتیبہ کی آمد کی خبر ملی تو اُس نے گھاٹی کے دہانہ پر کچھ آدمی متعین کر دیئے اور پشت پر ایک محفوظ قلعہ میں فوجی دستہ کو چھوڑ دیا اور خود بغلان کی طرف نکل گیا۔

اس گھاٹی میں داخلہ کی قتیبہ کو کوئی صورت نظر نہ آتی تھی اور اس کے سوا نیزک تک پہنچنے کا کوئی راستہ بھی نہ تھا۔ قتیبہ اسی ششش و پنج میں تھا کہ ایک پہاڑی نے قتیبہ کے پاس آکر وہ پوشیدہ راستہ بتا دیا جو گھاٹی کی پُشت پر جا کر قلعہ میں نکلتا تھا۔ قتیبہ نے ایک دستہ پہاڑی کے ساتھ کر دیا۔ ان لوگوں نے یکایک اہلِ قلعہ پر حملہ کر دیا۔ کچھ قتل ہُوئے اور کچھ بھاگ گئے۔

اب قتیبہ اپنی فوج کے ساتھ خلم کی گھاٹی میں داخل ہُوا اور سمنجان پہنچا یہاں کچھ دن ٹھہر کر نیزک کی تلاش میں آگے بڑھا۔ نیزک نے وادی فرغانہ کو عبور کر کے

اپنا سامان شاہِ کابل کے پاس بھیج دیا اور خود کرز میں آکر پناہ گزین ہوا۔

قلعہ کرز بہت محفوظ تھا ایک راستہ کے سوا جس میں چوپائے داخل نہ ہو سکتے تھے کوئی راستہ وہاں تک پہنچنے کا نہ تھا۔ قتیبہ دو مہینے تک اس کا محاصرہ کئے پڑا رہا۔

اس محاصرہ کے زمانے میں نیزک کی فوج میں چیچک کی بیماری پھیل گئی اور سامانِ خوراک کا بھی قحط پڑ گیا۔ دوسری طرف قتیبہ کو بھی موسمِ سرما کے قریب آ جانے کی وجہ سے پریشانی پیدا ہوئی۔

قتیبہ نے ایک شخص سلیم کو جس پر نیزک کو اعتماد تھا نیزک کے پاس بھیجا اور اس سے کہا کہ جس طرح ممکن ہو نیزک کو سمجھا بجھا کر اس کے پاس لے آئے۔ سلیم نیزک کو جان بخشی کی امید دلا کر قتیبہ کے پاس لے آیا۔ قتیبہ نے نیزک اور اس کے ساتھیوں کو قید کر دیا اور حجاج سے ان کے معاملہ میں مشورہ طلب کیا۔ نیزک نے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کی تھی اور دوسرے حکمرانوں کو بھی اپنے ساتھ بغاوت پر آمادہ کیا تھا اس لئے حجاج نے اس کے قتل کا حکم دیا۔

چنانچہ نیزک اور اس کے سات سو ساتھی قتل کر دیئے گئے۔ البتہ جغوبہ جو طخارستان کا اصل حکمران اور نیزک کا آقا تھا اور اب نیزک کے ہاتھوں میں قید تھا آزاد کر دیا گیا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر قتیبہ مرو کی طرف لوٹ گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۹۱ھ کا ہے۔

سنہ ۹۳ھ میں قتیبہ نے خوارزم شاہ سے صلح کر لی۔ صورت یہ ہوئی کہ خوارزم شاہ ایک کمزور بادشاہ تھا۔ اس کا بھائی امورِ سلطنت پر حاوی ہو گیا تھا اور اسے عضوِ معطل بنا دیا گیا تھا۔ خوارزم شاہ جب اپنے بھائی کی زیادتیوں سے تنگ آ گیا۔ تو اس نے قتیبہ کو لکھا اگر آپ مجھے میرے بھائی کے پنجۂ ظلم سے نجات دیں تو میں آپ کی اطاعت قبول کر لوں۔

قتیبہ مرو سے روانہ ہو کر ہزار سلب میں مقیم ہوا۔ خوارزم شاہ نے ایک وفد

قتیبہ کے پاس بھیج کر شرائطِ صلح کی تکمیل کرلی۔ قتیبہ نے اس کے بھائی خرزاد اور اس کے دوسرے مخالفین کو قید کر کے اس کے پاس بھیج دیا۔ خوارزم شاہ نے سب کو قتل کرا دیا اور ان کا مال و متاع قتیبہ کے پاس بطور نذرانہ بھیج دیا۔

فتح سمرقند خوارزم شاہ سے مصالحت کے بعد قتیبہ نے بعض مشیروں کی رائے سے سمرقند کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ پہلے قتیبہ نے خاموشی کے ساتھ اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو سمرقند کی طرف روانہ کر دیا۔ پھر تین چار دن بعد اہلِ خوارزم و بخارا کو اپنے ساتھ لے کر خود بھی اپنے بھائی سے جا ملا۔

صغد (اہلِ سمرقند) نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی تو شہر بند ہو بیٹھے۔ مسلمان ایک مہینہ تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ جب صغد پریشان ہوئے تو انہوں نے اپنے پڑوسی حکمرانوں، بادشاہ شاش، خاقانِ چین اور حاکمِ فرغانہ وغیرہ کو لکھا کہ "آج ہم کل تمہاری باری ہے" یہ وقت ہے کہ تم جو ہماری مدد کر سکتے ہو کرو ورنہ عرب تمہارے قبضہ میں ایک چپہ زمین نہ چھوڑیں گے۔

صغد کے پیغام پر ان بادشاہوں نے غور کیا۔ آپس میں مشورہ ہوا کہ عربوں کو کامیابی اس لئے ہو رہی ہے کہ ان کے مقابلہ پر معمولی لوگ جا رہے ہیں۔ جب تک معزز شہزادے اور بہادر شرفاءِ قوم میدان میں نہ آئیں گے دشمنوں کا زور نہ ٹوٹے گا۔ چنانچہ خاقان چین کے لڑکے کی زیر قیادت ایک زبردست فوج جس میں شہزادے اور امیر زادے بڑی تعداد میں شریک تھے مسلمانوں پر شب خون مارنے کے لئے بھیجی گئی۔

قتیبہ کو اس فوج کے آنے کی خبر ملی تو اس نے چھ سو بہادروں کا ایک دستہ صالح بن مسلم کی سرکردگی میں ان کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا۔ صالح نے اپنی جماعت کے تین حصے کئے۔ دو حصے دائیں بائیں گھاٹیوں میں چھپا دیئے اور ایک حصہ کو لے کر امدادی فوج کے راستہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔

آدھی رات گزرنے کے بعد دشمن کی فوج آئی اور مسلمانوں کو دیکھتے ہی حملہ کر دیا۔

مسلمانوں نے سختی کے ساتھ اس کو روکا۔ تھوڑی دیر بعد بقیہ مسلمان بھی دائیں بائیں کی گھاٹیوں سے نکل کر عقاب کی طرح دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ دشمنوں نے اگرچہ بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا مگر فتح نے آخر مسلمانوں کے قدم چومے۔ بڑی تعداد شہزادوں اور رئیس زادوں کی میدانِ جنگ میں کھیت رہی باقی فرار یا گرفتار ہوئے۔

امدادی فوج کی اس شکستِ فاش کی خبر صغد کو پہنچی تو اُن کی ہمت ٹوٹ گئی۔ ادھر قتیبہ نے منجنیقیں نصب کر کے قلعہ پر سنگباری شروع کر دی جس سے اس کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ بہادرانِ اسلام ڈھالوں کو اپنے چہرے کی آڑ بناتے ہوئے قلعہ کی منہدم فصیل تک پہنچ گئے۔

اب بجز اطاعت کے صغد کے لئے چارہ نہ تھا۔ غوزک نے ان شرائط پر شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا :-

(۱) اہلِ سمرقند ۲۲ لاکھ سالانہ خراج ادا کریں گے۔

(۲) تین دن تک مسلمانوں کی دعوت کریں گے۔

(۳) بُت خانوں اور آتش کدوں پر مسلمانوں کو اختیار حاصل ہوگا۔

(۴) مسلمان مسجد تعمیر کر کے نماز ادا کیا کریں گے۔

چنانچہ مسلمان فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔ شرائطِ صلح کے مطابق قتیبہ نے بتوں کو جلانے کا حکم دیا۔ غوزک نے کہا میں تمہیں خیرخواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ انہیں نہ جلاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

قتیبہ نے کہا۔ اگر یہ خیال ہے تو میں انہیں اپنے ہاتھ سے نذرِ آتش کروں گا۔ چنانچہ بتوں کو پگھلایا گیا تو اُن میں سے ۵۰ ہزار مثقال سونا نکلا۔ اپنے معبودوں کی اس بے چارگی کو دیکھ کر صغد (اہلِ سمرقند) کی تعداد کثیر اسی وقت مشرف باسلام ہوگئی۔

قتیبہ نے سمرقند میں مسجد تعمیر کی اور مجاہدین کے ساتھ نماز ادا کی اور خطبہ دیا۔[۱]

---

[۱] فتوح البلدان صہ ۴۱۹ وابن اثیر ج ۴ صہ ۲۱۸ -

اس کامیابی کے بعد قتیبہ نے عبداللہ بن مسلم کو سمرقند کا حاکم مقرر کیا اور کچھ فوج اس کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر مرو لوٹ آیا۔

۹۴ھ میں قتیبہ نے پھر دریائے جیحون کو پار کیا۔ بیس ہزار اہلِ بخارا و خوارزم کو شاش کی طرف روانہ کیا جنہوں نے اسے فتح کیا۔ خود فرغانہ کی طرف بڑھا۔ اہلِ خجندہ نے جمع ہو کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ پھر قتیبہ کاشان پہنچا اور اُسے بھی فتح کیا۔ ان فتوحات کے بعد مرو واپس آگیا۔

چین پر حملہ اور خاقان سے صُلح

۹۶ھ میں قتیبہ نے چین پر حملہ کر کے خاقان چین کی فتنہ پردازیوں کے انسداد کا ارادہ کیا۔

مُرو سے اس مرتبہ جو لشکر روانہ ہُوا اس کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی تھے۔ عورتوں اور بچوں کو سمرقند چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہاں اسلامی نو آبادی قائم کرنے کا ارادہ تھا اور مرد قتیبہ کے ساتھ فرغانہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ فرغانہ پہنچ کر قتیبہ نے وہاں سے کاشغر تک پہاڑی راستہ کو درست کرایا اور ایک تجربہ کار سردار کبیر کو کاشغر پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ کاشغر چین ہی کا ایک سرحدی شہر ہے۔ کبیر نے کاشغر کو فتح کیا اور پھر چین کے علاقے میں دُور تک گھستا چلا گیا۔

خاقان چین مسلمانوں کی اس جُرأت سے گھبرا گیا۔ اس نے قتیبہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے پاس کسی معزز شخص کو بھیجو تاکہ میں اس سے تمہارے مقاصد اور مذہب کے متعلق معلومات حاصل کروں۔

قتیبہ نے ھبیرہ بن شمراج کلابی اور دوسرے چند عقلمند اور خوش بیان لوگوں کو امیرانہ شان و شکوہ کے ساتھ خاقانِ چین کے دربار میں بھیجا۔ یہ لوگ کئی روز تک وہاں رہے اور خاقانِ چین اور اُس کے درباریوں کی اُن سے بار بار ملاقاتیں ہُوئیں۔ آخری ملاقات میں خاقان نے کہا۔

"تم عقلمند آدمی معلوم ہوتے ہو جاؤ اور اپنے سپہ سالار سے کہہ دو کہ واپس لوٹ جانے ہی میں خیر ہے۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا لشکر بہت تھوڑا ہے۔ میری فوج تمہیں کچل کر رکھ دے گی۔"

ہبیرہ نے جواب دیا۔

"اے شہنشاہ! اس لشکر کو کون تھوڑا کہہ سکتا ہے جس کا ایک سرا کوہستانِ چین میں ہو اور دوسرا مرغزارِ شام میں۔ رہی قتل کی دھمکی تو ہمارا اعتقاد ہے کہ موت اپنے وقت پر ہی آئے گی۔ لہٰذا اگر وہ میدانِ جنگ میں آئے تو اس سے بہتر کیا بات ہے؟"

خاقانِ چین وفدِ اسلامی کی اس جرأت سے مرعوب ہو گیا۔ اس نے کہا۔ تمہارا سپہ سالار کن شرائط پر صلح کر سکتا ہے؟

ہبیرہ نے کہا۔ وہ قسم کھا چکا ہے کہ جب تک تمہاری زمین کو روند نہ ڈالے خاندانِ شاہی کے ارکان کے مُہریں نہ لگا دیں اور جزیہ وصول نہ کر لے واپس نہ ہو گا۔

خاقان نے کہا ہم تمہارے سردار کی قسم پوری کر دیں گے۔ پھر اس نے سونے کے چند طشتوں میں مٹی، کچھ نقد و سامان اور چار شہزادے قتیبہ کے پاس روانہ کئے قتیبہ نے خاقان کی صلح کی پیش کش کو قبول کر لیا۔ مٹی کو اپنے قدموں سے روند ڈالا۔ شہزادوں کے مہریں لگا کر واپس کر دیا اور نقد و سامان جزیہ کے طور پر قبول کر لیا۔[1]

اس کامیابی کے بعد قتیبہ مرو واپس لوٹ گیا۔ اس غزوہ کے آغاز میں ہی قتیبہ کو ولید بن عبدالملک کے انتقال کی خبر موصول ہو چکی تھی۔

موسیٰ بن نصیر ظلمت کدۂ یورپ کو شمعِ توحید سے روشن کرنے کا سہرا موسیٰ بن نصیر اور اس کے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد کے سر ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں تمام

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۱۲

برِ اعظم افریقہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں موسیٰ بن نصیر افریقہ کے والی کی حیثیت سے قیروان میں مقیم تھا۔

برِ اعظم افریقہ کے سامنے یورپ کے جنوبی و مغربی حصہ میں ایک جزیرہ نما ہے جسے اسپین یا اندلس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سمندر کی دس میل چوڑی دھجی اُسے افریقہ سے جُدا کرتی ہے۔ اس مُلک کی زمین سرسبز و شاداب اور زرخیز، اس کی آب و ہوا معتدل اور اس کی کانیں قیمتی دھاتوں سے لبریز ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہمیشہ یہ نئے نئے فاتحین کے حملوں کا آماجگاہ رہا ہے۔ پہلے اہلِ خوبنشیا (کنعان) نے اپنے عروج کے زمانے میں اس پر تسلّط قائم کیا۔ پھر اہلِ قرطاجنہ نے کوسِ لمن الملک بجایا۔ پھر رومتہ الکبریٰ کی شہنشاہیت کا ایک حصّہ بنا۔ آخر میں جب گاتھ قوم رومی سلطنت کو تہ و بالا کرتی ہوئی آگے بڑھی تو اس نے ۴۰۰ ء کے اندر اندلس میں اپنی حکومت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

یہ شہنشاہتیں قائم ہوتی رہیں اور مٹتی رہیں مگر سب فاتحین کا مقصد ایک ہی رہا اور وہ یہ کہ مفتوحین کو غلام بنا کر اس ملک کی دولت و ثروت پر قبضہ جمائیں اور رنگ رلیاں منائیں۔

ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں جب گاتھ قوم کی حکومت پورے شباب پر تھی ملک کی اندرونی حالت ابتر تھی۔ ملک میں غلامی عام تھی۔ ان غلاموں کی حالت جانوروں سے بدتر تھی۔ یہ بغیر اپنے آقاؤں کی اجازت کے شادی بیاہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ غلام اپنا خون پسینہ ایک کر کے جو دولت حاصل کرتے تھے وہ ان کے آقاؤں کے عیش و عشرت میں کام آتی تھی۔ ملک کا متوسط طبقہ گراں قدر محصولوں کے بار سے دبا ہوا تھا۔ امراء و پادری بڑی بڑی زمینداریوں کے مالک تھے۔ اُمراء کے محل اور پادریوں کی خانقاہیں حسین عورتوں سے پری خانہ بنی ہوئی تھیں۔ ملک کی حکومت پر پادریوں کا بڑا اثر تھا۔ پادری بادشاہ کو بھی تختِ حکومت سے برطرف کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہودی اقلیت کی حالت ناقابلِ بیان تھی۔ سترہویں

کونسل کے ایک حکم کے مطابق اُن کی تمام جائدادیں ضبط کر لی گئیں تھیں اور ان کو بامشقت غلامی کی سزا دی گئی تھی۔

سلطنت کی اصلاح کی صورت یہی تھی کہ بالادست طبقہ کے اقتدار کو توڑا جائے اور زیردست طبقہ کی معاشرتی حالت درست کی جائے۔ مگر پادریوں کا اقتدار جو کہ انجیلِ مقدس کے احکام کی رُو سے قائم تھا اسے ہاتھ لگانا آسان کام نہ تھا۔ جس زمانے میں مسلمان مصر و شام کے میدانوں اور بحرِ روم کے ساحلوں پر رومی طاقت سے ٹکر لے رہے تھے۔ اندلس میں شاہ وٹیزا تختِ سلطنت پر متمکن تھا۔ مظلوم و مقہور رعایا "تنگ آمد بجنگ آمد" کے اصول کے مطابق ہر ملک میں ناقابلِ اعتبار ہوتی ہے۔ اندلس میں بھی زیردست طبقہ کی سرد آہوں کا دُھواں کبھی کبھی فتنہ و فساد کے شعلوں کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ ایک مدبر بادشاہ کے لئے یہ صورتِ حال کچھ پریشان کن نہ تھی۔ اب اسے ان عرب بہادروں کے نعرہ ہائے تکبیر کی آواز بھی سنائی دینے لگی جن کے شوقِ شہادت کو سمندر کی یہ مختصر لہر سرد نہ کر سکتی تھی۔

وٹیزا نے ملک میں اصلاحات جاری کرنے کی مہم شروع کر دی مگر پادریوں کے اختیارات کو ہاتھ لگانا ایسا جُرم تھا جس کی سزا تخت و تاج سے دست برداری ہی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وٹیزا کو "یہود نوازی" کے جُرم میں تخت سے اتار دیا گیا اور اس کی بجائے ایک کار آزمودہ سپہ سالار رذریق (راڈرک) کو تخت نشین کیا گیا۔ رذریق نے پادریوں کے اختیارات بحال کر دیئے اور مذہب کی حمایت اور اُمراء کی اعانت کے بھروسہ پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنے دورِ حکومت کا آغاز کیا۔

مراکش کے شمالی ساحل پر قلعہ سبتہ ایک صُلح نامہ کی رُو سے ایک یونانی سردار یولیان (کاونٹ جولین) کے قبضہ میں تھا۔ سبتہ تاریخی اعتبار سے سلطنتِ روم کا علاقہ تھا مگر جب رومی حکومت کا افریقہ سے خاتمہ ہو گیا تو اُس نے اپنے تعلقات اندلس کی عیسائی حکومت سے قائم کر لینا مصلحت سمجھا۔ چنانچہ یولیان کا

شمار سلطنتِ اندلس کے امراء میں ہونے لگا اور سابق شہنشاہ وٹیزا نے اپنی بیٹی کی شادی بھی اس کے ساتھ کر دی۔

قومِ گاتھ میں یہ دستور تھا کہ امراء اور سرداروں کی اولاد شاہی محل میں پرورش پاتی تھی۔ ظاہر تو کیا جاتا تھا کہ ان کو آدابِ شاہی کی تعلیم و ترتیب دینی مقصود ہے۔ مگر اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ یہ بطور یرغمال رہیں۔ چنانچہ یولیان کی نازک اندام و مہ جبین لڑکی فلورنڈا بھی قیصرِ شاہی کی زینت تھی۔ رذریق کے سر پر جو شیطان سوار ہوا تو اُس نے خود پیکرِ فلورنڈا کے دامنِ عصمت کو داغدار کر دیا۔

لڑکی نے اپنے باپ کو اس مصیبت کی اطلاع دی اور لکھا کہ جس قدر جلد ہو سکے مجھے اس ظالم کے ہاتھ سے چھڑاؤ۔

لڑکی کی آبروریزی کے ساتھ ساتھ یہ قدیم شاہی خاندان کے خون کی بھی ہتک تھی۔ یولیان کو یہ خبر ملی تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ وہ فوراً اندلس روانہ ہو گیا اور رذریق کے دربار میں باریاب ہوا۔ اس نے بڑی عقلمندی سے اپنے غم و غصّہ کو چھپایا اور اپنی بیوی کی سخت علالت کا بہانہ کر کے فلورنڈا کی واپسی کی درخواست کی۔ عذر ایسا تھا کہ رذریق کسی صورت انکار نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے فلورنڈا کو باپ کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی اور رخصت کرتے وقت باپ بیٹی کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

رذریق نے یولیان سے رخصت کرتے وقت فرمائش کی کہ شکار کے لئے مجھے اعلیٰ قسم کے بازوؤں کی ضرورت ہے تم ضرور بھیجنا۔

یولیان نے جواب دیا۔

"میں آپ کے لئے ایسے باز لے کر آؤں گا جو آپ نے عمر بھر نہ دیکھے ہوں گے"

لہ مسلمانانِ اندلس (ترجمہ مورس ان اسپین) صفحہ ۹

یولیان دربار قیروان میں

سلبتہ پہنچتے ہی یولیان نے رذریق سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اشبیلیہ کے اسقف کو ہمراہ لے کر افریقہ کے اسلامی دارالحکومت قیروان پہنچا اور وہاں والی افریقہ موسیٰ بن نصیر سے ملاقات کی۔ موسیٰ نے بڑے احترام کے ساتھ اپنے معزز مہمان کا استقبال کیا اور اس سے تکلیف کرنے کی وجہ پوچھی۔

یولیان نے اپنی داستانِ مصیبت موسیٰ کو سنائی اور اس سے درخواست کی کہ وہ اندلس پر حملہ کر کے ایسے ظالم و وحشی بادشاہ کو تختِ سلطنت سے اتار دے۔ اس نے ہسپانیہ کی بل کھاتی ندیوں، لہلہاتے سبزہ زاروں، انگوروں، زیتونوں، شاندار شہروں اور خوب صورت محلوں اور قدیم خاندان گاتھ کے زر و جواہر سے لبریز خزانوں کا تذکرہ بڑے دلفریب انداز میں کیا۔ اس نے کہا یہ وہ سرزمین ہے جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں تمہیں صرف یہی کرنا پڑے گا کہ جاؤ اور ملک پر قبضہ کر لو۔

رہنمائی اور فوج کے لئے جہازوں کی فراہمی کی ذمہ داری بھی یولیان نے خود ہی قبول کی۔

موسیٰ اندلس پر قبضہ کرنے کے خواب پہلے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس امدادِ غیبی نے اس کی راہوارِ شوق پر تازیانہ کا کام کیا۔ تاہم وہ بہت محتاط و مدبر سپہ سالار تھا۔ اس نے خیال کیا کہ کہیں یہ دعوت کسی سازش کا نتیجہ نہ ہو۔

موسیٰ نے یولیان سے کہا کہ اتنی بڑی مہم کے لئے دربارِ خلافت سے منظوری حاصل کرنی ضروری ہے۔ لیکن فی الحال میں ایک مختصر جمعیت آپ کے ساتھ روانہ کرتا ہوں۔ آپ انہیں اپنے جہازوں میں ساحلِ اندلس پر پہنچا دیجئے تاکہ یہ چھیڑ چھاڑ شروع کر دیں۔ موسیٰ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ مسلمان خود اپنی آنکھوں سے دشمن کی طاقت کا اندازہ کر سکیں۔

چنانچہ موسیٰ نے اپنے ایک سردار طریف کو پانچ سو کی جمعیت کے ساتھ

یولیان کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ طریف یولیان کے جہازوں پر سوار ہو کر سنہ ۹۱ھ میں اندلس کی جنوبی راس کے کنارے بندرگاہ المخضرا (جزیرہ) پر اُترا اور مالِ غنیمت سے مالا مال واپس آیا۔ اس نے یولیان کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ اندلس پر قابض ہو جانا کچھ مشکل نہیں ہے۔

اس دوران میں دربارِ خلافت سے اجازت بھی آگئی۔ مگر خلیفہ ولید نے لکھا تھا کہ اسلامی فوج کی حفاظت پورے طور پر کی جائے اور فی الحال کوئی بڑی مہم نہ بھیجی جائے۔

طارق کی روانگی اندلس

موسیٰ نے اپنے پرجوش وبلند ہمت سپہ سالار ابنِ زیاد مراکشی کو جو طنجہ کا گورنر تھا اندلس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ طارق بن زیاد اپنے نائب مغیث الرومی اور مددگار کاؤنٹ یولیان کو ساتھ لے کر سات ہزار کے لشکر کے ساتھ جس میں اکثر بربری اور کمتر عربی تھے۔ ساحلِ افریقہ سے روانہ ہوا۔ لشکرِ اسلام کی کشتیاں سمندر کی موجوں کو چیرتی ہوئی جلد ہی اندلس کے دل کش ونظر فریب ساحل سے جا لگیں۔ اندلس کی وہ مشرقی ساحلی چٹان جسے سب سے پہلے مجاہدینِ اسلام کی قدم بوسی کا فخر حاصل ہوا جبل الطارق کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور معمولی تغیر کے ساتھ آج بھی جبرالٹر کہلاتی ہے۔

یہ واقعہ رجب سنہ ۹۲ھ کا ہے۔

طارق نے سب سے پہلا کام ساحلِ اندلس پر اُترتے ہی یہ کیا کہ جن کشتیوں میں اس کی فوج سوار ہو کر آئی تھی انہیں آگ لگا دی۔ اس طرح اسلامی فوج کے سامنے فتح یا شہادت کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہ رہا۔ اتفاقاً ذریق کا ایک مشہور سپہ سالار تدمیر نے (تھیوڈومر) زبردست فوج لئے ہوئے اسی نواح میں اترا ہوا تھا۔ تدمیر نے خبر ملتے ہی نووارد حملہ آوروں پر حملہ کیا مگر شکست فاش کھائی اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اس نے سخت پریشانی وحیرانی کے عالم

میں رذریق کو یہ اطلاع دی ۔

"اے بادشاہ! ہمارے ملک پر ایسے آدمیوں نے حملہ کیا ہے کہ نہ میں اُن کا نام جانتا ہوں اور نہ وطن نہ اصل و نسل ۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں سے آگئے ہیں ۔ آسمان سے گرے ہیں یا زمین سے نکل آئے ہیں"[1]

شاہِ رذریق کو جس وقت یہ خبرِ وحشت اثر پہنچی وہ باغیوں کی سرکوبی کے لئے مپلونہ کے نواح میں مقیم تھا وہ فوراً دارالسلطنت طلیطلہ آیا اور وہاں سے قرطبہ آکر اطرافِ ملک سے فوجیں فراہم کرنی شروع کر دیں ۔

طارق اس دوران میں برابر پیش قدمی کرتا رہا اور الجزائر اور شدونہ کے علاقوں کو فتح کرتا ہوا وادیٔ لک میں پہنچ گیا ۔ جلد ہی رذریق بھی ایک لاکھ کا لشکرِ جرار ساتھ لے کر قرطبہ سے روانہ ہوا اور طارق کے بالمقابل پڑاؤ ڈال دیا ۔ رذریق کی ایک عظیم الشان تیاریوں کا حال سن کر طارق نے اپنے سردار موسیٰ سے مزید فوجی امداد طلب کی تھی ۔ چنانچہ موسیٰ نے پانچ ہزار کی جمعیت روانہ کر دی ۔ اس طرح طارق بن زیاد کا کل لشکر بارہ ہزار ہو گیا تھا ۔

آخر کار ۲۸ رمضان المبارک ۹۲ھ (جولائی ۷۱۱ء) کو شہر شدونہ کے پاس وادیٔ لک کے کنارے دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں ۔ سپہ سالارِ اسلام طارق بن زیاد نے مجاہدین اسلام کے مختصر گروہ کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

"اے لوگو! میدانِ جنگ سے فرار کی کوئی صورت نہیں ہے، سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے صداقت پر استقلال کے ساتھ جمے رہنے ہی میں کامیابی ہے تعداد اور سامانِ جنگ کے لحاظ سے اس جزیرہ میں تمہاری کچھ حیثیت نہیں ۔ اگر تم نے ذرا کم ہمتی سے کام لیا تو صفحۂ ہستی پر تمہارا نام بھی نظر نہ آئے گا لیکن اگر تم نے

---

[1] اخبار الاندلس (ترجمہ ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ از ایس پی اسکاٹ) ج ا ص ۲۱

جرأت و ہمت دکھائی تو اس ملک کی دولت و ثروت تمہاری جوتیوں کی خاک ہوگی۔ امیر المومنین نے تمہاری بہادری و جانبازی پر اعتماد کر کے تمہیں اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبۂ دینِ اسلام کے لئے اس جزیرہ میں بھیجا ہے خداوند قدوس اس مقدس مہم میں جس کا ذکر رہتی دُنیا تک باقی رہے گا اور جسے عالمِ آخرت میں بھی بھلایا نہ جائے گا۔ تمہاری مدد کرے گا۔ میدانِ جنگ میں میرا قدم تم سب سے آگے رہے گا۔ میں سردارِ قوم رزریق پر حملہ کروں گا۔ تم بھی میرے ساتھ دشمن پر پل پڑنا۔ اگر میں دشمن کو ہلاک کرنے سے پہلے راہِ خدا میں شہید ہو جاؤں تو کسی اور کو اپنا سردار بنا کر فتح و نصرت سے ہمکنار ہونا۔"

شاہ اندلس رزریق بڑی شان و شوکت کے ساتھ میدانِ جنگ میں آیا۔ وہ نہایت پُر تکلف ہاتھی دانت کی گاڑی میں سوار تھا جس میں چاندی کا کام ہو رہا تھا سفید رنگ کے خچر شاہی گاڑی کو کھینچ رہے تھے۔ بادشاہ کے سر کا سُنہری تاج نگاہ کو خیرہ کر رہا تھا اور ملبوسِ شاہی کے جواہرات ستاروں کو شرما رہے تھے۔ قوم گاتھ کے شہزادے اور اندلس کے امراء و رؤساء اپنے لشکروں کے ساتھ جن کی مجموعی تعداد ایک لاکھ تھی اس لڑائی میں شریک تھے۔ سب سے آخر میں کئی ہزار باربرداری کے جانوروں پر وہ رسے لدے ہوئے تھے جن سے دشمن کے جنگی قیدیوں کو باندھنا تھا۔ دوسری طرف سروں پر سفید عمامے باندھے چمکدار زرہ بکتر پہنے، تلوار حمائل کئے اور نیزہ ہاتھ میں لئے بارہ ہزار جیالے مُسلمان تھے۔ ادھر فخر و ناز کے ساتھ گردنیں اکڑی ہوئی تھیں۔ ادھر عجز و انکسار کے ساتھ بارگاہِ ربّ العزت میں سر جھکے ہوئے تھے۔ ادھر اپنی زبردست عسکری طاقت پر اعتماد تھا۔ ادھر صرف اپنی قوتِ ایمانی پر بھروسہ تھا۔ وہ اپنے وطن کی سرزمین میں لڑ رہے تھے جہاں اُنہیں ہر وقت ہر قسم کی مدد مل سکتی تھی۔ یہ اپنے وطن سے دُور سمندر پار بے یار و مددگار تھے۔ ایک ہفتہ تک معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ آخرہ شوال المکرم ۹۲ھ کی صُبح کو

فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ اندلسی عیسائی بڑی بہادری کے ساتھ لڑے مگر عربی اور بربری مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ مجاہدینِ اسلام کی تکبیروں نے تثلیث پرستوں کے دلوں کو ہلا دیا۔ پہلے وہ لوگ بھاگے جو زبردستی یا لالچ دے کر میدان میں لائے گئے تھے اور پھر عام بھگدڑ شروع ہو گئی۔ عیسائی اس قدر گھبراہٹ کے عالم میں بھاگے کہ انہیں یہ بھی خیال نہ رہا کہ پسِ پُشت دریا ہے۔ ہزاروں مفرورین مسلمانوں کی تلوار آبدار کا شکار ہوئے اور ہزاروں دریا کی متلاطم موجوں کی نذر ہو گئے۔

شاہ رزیق بھی بھاگتا ہوا دریا میں ڈوب گیا اور اس کی لاش بہہ کر سمندر میں چلی گئی۔ اس کے مرصع جوتے اور گھوڑا دوسرے دن دریا کے کنارے ملے۔ مگر اہلِ کلیسا اور عام عیسائی اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ سمندر کے کسی جزیرے میں ٹھہرا ہوا ہے جہاں سے وہ اپنے زخموں کے اچھا ہو جانے کے بعد آئے گا اور کافروں کے مقابلہ میں عیسائیوں کا سردار بنے گا۔ رزیق کے واپس آنے کا انتظار صدیوں تک کرتے رہے۔[1]

اس لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ اس قدر مالِ غنیمت آیا کہ اس کا اندازہ مشکل ہوا۔ مفرورین کے گھوڑے ہی اتنے تھے کہ ساری فوج کے لئے کافی ہو گئے۔

دراصل اس لڑائی نے تاریخ اندلس کا ورق اُلٹ دیا اور آٹھ دن کے ان مسلسل معرکوں نے آٹھ صدیوں کے لئے اندلس کی قسمت کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کر دیا۔

طارق بن زیاد نے ایک قاصد فتح کی خوشخبری سنانے کے لئے اپنے آقا موسیٰ ابن نصیر کے پاس قیروان بھیجا۔ موسیٰ نے بہ نظرِ احتیاط جس کی دربارِ خلافت کی طرف سے پوری تاکید کی گئی تھی، طارق کو لکھا کہ وہ ابھی پیش قدمی نہ کرے۔ وہ خود اس

---

[1] مسلمان اندلس (ترجمہ مورس ان سپین) صفحہ ۱۸

کی مدد کے لئے آرہا ہے۔

پیش قدمی وادیٔ لک کی فتح کے بعد کارآزمودہ طارق نے اپنے دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ بقیۃ السیف اندلسی استجہ میں جمع ہوئے ہیں۔ وہ فوراً استجہ پہنچا۔ یہاں اندلسی بہت بہادری کے ساتھ لڑے مگر آخر کار شہر مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوا۔ اس کے علاوہ طارق نے جنوبی صوبہ اندلسیہ کے دوسرے شہر بھی فتح کر لئے۔ طارق کو موسیٰ کا حکم نامہ ملا تو اس نے سردارانِ فوج سے مشورہ کیا۔ سب نے متفقہ یہی رائے دی کہ اس وقت پیش قدمی جاری رکھنا ضروری ہے۔ اندلسیوں کو ذرا اگر دم لینے کا موقع دیا گیا تو وہ اپنے پراگندہ شیرازہ کو مجتمع کر لیں گے اور مسلمانوں کا کام بہت دشوار ہو جائے گا۔ کاونٹ بولیان نے بھی اس رائے کی پُرزور تائید کی۔

چنانچہ طارق نے اپنی فوج ظفر موج کو مختلف حصّوں میں تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ سرداروں کی ماتحتی میں جزیرہ نما میں پھیلا دیا۔ طارق نے ان سرداروں کو حکم دیا کہ وہ صرف ان لوگوں سے لڑیں جو ہتھیار باندھے ہوئے ہیں۔ غیر مسلح لوگوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں اور اندلس کی رعایا کے دینی و مذہبی خیالات کا احترام کریں۔

فتح قرطبہ طارق نے اپنے بہادر نائب مغیث الرومی کو سات سو سواروں کے ساتھ قرطبہ فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ حاکمِ قرطبہ جو شاہی خاندان کا ایک تجربہ کار سپہ سالار تھا، شہر بند ہو بیٹھا۔ خوش قسمتی سے مغیث کو ایک چرواہے نے وہ جگہ بتادی جہاں قلعہ کی دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ اتفاقاً اسی رات سخت طوفانِ بادو باراں آیا اور خوب اولے برسے۔ مسلمانوں نے اس موقع سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ طوفان کے زور شور نے ان کی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز کو دبا دیا

لہ اخبار الاندلس (از ایس پی اسکاٹ) جلد ۱ صفحہ ۲۲۷

اور وہ خاموشی کے ساتھ فصیل کے شکستہ حصہ کے نیچے جا پہنچا۔ ایک منچلا نوجوان انجیر کے درخت پر چڑھ گیا۔ پھر اس نے اپنی لانبی دستار نیچے لٹکا کر اپنے ساتھیوں کو فصیل پر کھینچ لیا۔ طوفان سے بچنے کے لئے محافظ سپاہی کسی محفوظ مقام پر چلے گئے تھے۔ مسلمان نوجوان شہر میں داخل ہو گئے اور محافظین کو قتل کر کے شہر کا دروازہ اپنے ساتھیوں کے لئے کھول دیا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی مسلمان شہر پر قابض ہو گئے۔

حاکم قرطبہ شہر کو چھوڑ کر سینٹ جارج کے گرجا میں جا چھپا۔ یہ گرجا ایک مضبوط قلعہ تھا جس کے گرد ایک خندق بھی تھی۔ اس گرجا میں قریب ہی کے ایک پہاڑی چشمہ سے نیچے ہی نیچے ہو کر پانی پہنچتا تھا۔ مغیث نے چشمہ کی نالی کو بند کرا دیا۔ محصورین نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور اس شہر کا حاکم مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔

فتح کے بعد مسلمانوں نے قرطبہ میں یہودیوں کو آباد کیا۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔

فتح مرسیہ ایک فوج رزیق کے چالاک اور بہادر سپہ سالار تھوڈ میر (تدمیر) کے مقابلہ کے لئے مرسیہ بھیجی گئی۔ اس کا دارالسلطنت اریولیہ تھا جو ایک مضبوط اور مستحکم شہر تھا۔ تدمیر بہت عرصہ تک مرسیہ کے پہاڑی دروں میں لڑتا رہا۔ لیکن جب اس کی تمام فوج مسلمانوں کے مقابلہ میں کام آ گئی تو وہ اریولیہ میں قلعہ بند ہو بیٹھا اور اس نے بڑی ذہانت سے مسلمانوں کو دھوکہ دے دیا۔

اس نے اریولیہ کی عورتوں کو مردانہ لباس پہنایا اور انہیں خود اور نیزوں کے زیورات سے آراستہ کیا۔ ان کے سر کے بالوں کو دو طرفہ ٹھوڑیوں کے نیچے اس طرح لٹکا دیا گیا کہ وہ داڑھیاں معلوم ہوں۔ اس کے بعد ان قلعہ داروں کا پہرہ فصیل پر جما دیا گیا۔

جب مسلمان تعاقب کرتے ہوئے شہر کی فصیل کے نیچے پہنچے تو انہوں نے شہر کو محفوظ پایا۔ تدمیر اب صلح کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر ایلچی کے لباس میں مسلمانوں کے لشکر میں آیا۔ اُس نے سپہ سالارِ لشکر سے کہا۔ شہر عرصہ دراز تک محاصرہ کو سنبھال سکتا ہے مگر ہمارے سردار کی خواہش یہ ہے کہ سپاہیوں کی جانیں بیکار ضائع نہ ہوں۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ باشندگانِ شہر کو مع اسباب وسامان کے اس شہر سے نکل جانے دیجئے اور صبح ہوتے ہوئے بغیر لڑے اس پر قابض ہو جائیے۔

اسلامی سپہ سالار نے یہ شرائط منظور کر لیں اور صلحنامہ پر اپنی مُہر ثبت کر کے مصنوعی ایلچی کے حوالہ کیا۔ اب تدمیر نے کہا میں ہی اس شہر کا حاکم تدمیر ہوں۔ پھر قلم لے کر اپنے بھی دستخط کر دیئے۔

صبح کی پو پھٹتے ہی شہر کے پھاٹک کھول دیئے گئے مگر شہر میں سے بجز تدمیر اور اس کے خادم کے کوئی سپاہی نہ نکلا۔ غول کے غول بوڑھے مردوں اور عورتوں اور بچوں کے تھے جو اپنا ساز وسامان لے کر باہر نکل رہے تھے۔

مراکشی سپہ سالار نے تدمیر سے پوچھا۔ آپ کے مسلح سپاہی کہاں ہیں جو کل فصیلوں پر صف بستہ تھے؟ تدمیر نے کہا۔ وہ سپاہی یہ عورتیں ہیں جو غول در غول چلی جا رہی ہیں۔

مراکشی سپہ سالار تدمیر کی اس ذہانت سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے تدمیر کو علاقہ مرسیہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ اور وہ صوبہ اسی ذہین افسر کے نام پر سالہا صوبۂ تدمیر کہلاتا رہا[1]

اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد اسٹینلی لین یوں لکھتا ہے:۔

"اس ابتدائی زمانہ میں بھی مراکشی مسلمان سچی بہادری کے اصول کو جانتے اور برتتے تھے۔ ان لوگوں نے اسی وقت واجب استحقاق بہادر

---

[1] مسلمانانِ اندلس (ترجمہ مورس ان اسپین) صدا۲۱

ہونے کا حاصل کر لیا تھا جس نے بعد کی کئی صدیوں تک فتح مند اہلِ ہسپانیہ کو اس پر مجبور کیا کہ انہیں بہادرانِ غرناطہ اور شرفاء کے نام سے پکاریں۔"

فتح طلیطلہ طارق خود دارالسلطنت اندلس طلیطلہ کی طرف بڑھا تھا۔ یہ شہر بہت بلندی پر واقع تھا اور دریائے ٹیگس اُسے گھیرے ہُوئے تھا۔ اس کی فصیل اتنے بڑے بڑے پتھروں کی بنی ہوئی تھی کہ گویا چٹانیں لاکر رکھدی ہیں۔

ان تمام قدرتی اور صنعتی تدابیر کے باوجود عیسائیوں پر مسلمانوں کا اس قدر رُعب غالب آگیا تھا کہ طارق کی آمد کی خبر سنتے ہی باشندگانِ شہر جبل شارات کے پار جلیقیہ یا استوریہ (ایسٹریاس) کو بھاگ گئے۔ فوجِ محافظ کے سپاہیوں نے ان بھاگتے ہُوئے شہریوں کو جو قیمتی اشیاء کو لدے پھندے تھے خوب لُوٹا۔ اہلِ کلیسا نے کلیساؤں کے قیمتی ذخائر کو محفوظ مقامات پر چھپا دیا۔ رئیس الاساقفہ اپنے رفقاء کے ساتھ گرجاؤں کی انتہائی بیش قیمت اشیاء کو ساتھ لے کر روم کی طرف بھاگ گیا اور بقول اسکاٹ اپنے پیچھے اپنے ماتحتوں کو چھوڑ گیا کہ کفار کے ہاتھ سے انعامِ شہادت حاصل کریں۔

مسلمان جب شہر کے قریب پہنچے تو انہیں کوئی مزاحمت کرنے والا نظر نہ آیا۔ مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور اپنے دستور العمل کے مطابق امن عام کا اعلان کر دیا۔ جن لوگوں نے شہر چھوڑ کر جانے کا ارادہ کیا انہیں اجازت دے دی گئی اور جنھوں نے شہر میں رہنے کا ارادہ کیا ان سے خفیف ٹیکس کی ادائیگی کی شرط پر کامل حفاظت کا وعدہ کیا۔

اگرچہ مفرورین بہت کچھ مال و دولت اپنے ساتھ لے گئے تھے تاہم جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا وہ بے اندازہ تھا۔ شاہی محل کا ایک کمرہ ان خزانوں سے لبریز تھا جو سلطنت وزیگاتھ کے عروج کے زمانے میں دارالسلطنت میں جمع ہُوئے تھے۔ سونے کی زنجیریں، ناتراشیدہ ہیرے، مرصع ہتھیار، قیمتی زرہ بکتر،

جواہر آلود کپڑے تو تھے ہی ان کے علاوہ شاہانِ گاتھ کے چوبیس تاج تھے جو ہر تاجدار کے مرنے کے بعد مُلکی رسم کے مطابق بطورِ یادگار بیت الملوک میں محفوظ کر دیئے گئے تھے۔

طارق نے شہر کو اسلامی فوج اور یہودی حلیفوں کے ہاتھ میں دیکر آگے کا رُخ کیا۔ کچھ ہی فاصلہ پر مسلمانوں نے چند عیسائی مفرورین کو گرفتار کیا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تاریخی میز لے جا رہے تھے۔ یہ میز خالص سونے کی تھی۔ اس کے گرد نیلم، یاقوت، موتی اور زبرجد کے جھالر لٹکے ہوئے تھے۔ اس کے چار پائے تھے جو سرتاپا زمرد میں مغرق تھے۔ مشہور یہ تھا کہ یہ میز بیت المقدس کی لوٹ میں ٹی ٹس کے ہاتھ لگی تھی اور اب طلیطلہ کے بڑے گرجا میں اس پر کتابِ مقدس رکھی جاتی تھی۔[1]

طارق شمال مغربی سرحدی صوبہ جلیقیہ کے شہروں کو فتح کرتا ہوا استرقہ تک گیا۔ وہاں سے ۹۳ھ میں سالماً غانماً طلیطلہ واپس آیا۔

موسیٰ کا ورودِ اندلس

طارق کی روانگی کے چودہ مہینے بعد والیٔ افریقہ موسیٰ ابنِ نصیر اندلس کی مہم میں بذاتِ خود حصّہ لینے کے لئے افریقہ سے روانہ ہُوا۔ اور رمضان المبارک ۹۳ھ میں ساحلِ اندلس پر لنگر انداز ہُوا۔ کاونٹ بولیان نے موسیٰ کا استقبال کیا اور مشورہ دیا کہ وہ طلیطلہ جانے کے لئے مغربی راستہ اختیار کرے تاکہ مغربی صوبوں کے اہم شہر فتح کر سکے۔

موسیٰ کو یہ معلوم ہُوا تو اُسے خوشی ہوئی کہ ابھی اپنے اشہب ہمّت کی جولانیاں دکھانے کے لئے اس کے پاس میدان باقی ہے اور اس نے بولیان کی رائے کو پسند کیا۔

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۱ صفحہ ۲۳۲، ۲۳۳۔

فتح قرمونہ موسیٰ نے پہلے ابن السلیم کو فتح کیا۔ وہاں سے یولیان کی سرکردگی میں ایک دستہ قرمونہ کی طرف بھیجا۔ اہلِ قرمونہ شہر بند ہو بیٹھے تھے۔ یولیان نے اپنے آپ کو اسلامی فوج کا شکست خوردہ ظاہر کرکے اہلِ قرمونہ سے پناہ طلب کی، اہلِ قرمونہ نے پناہ دیدی۔ جب رات ہوئی تو یولیان نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور مسلمان فاتحین بلامقابلہ شہر میں داخل ہو گئے۔

فتح اشبیلیہ قرمونہ سے موسیٰ نے اشبیلیہ کا رُخ کیا۔ یہ اندلس کا دولت مند خوب صورت اور قدیم شہر تھا۔ ایک مہینہ تک مقابلہ کے بعد یہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اہلِ اشبیلیہ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ موسیٰ نے وہاں یہودیوں کو آباد کیا۔

فتح ماردہ اشبیلیہ سے موسیٰ ماردہ (میریڈا) کی طرف بڑھے۔ یہ بھی بہت قدیم تاریخی شہر تھا۔ یہاں کی عظیم الشان عمارات، دولت مند بت کدے اور دل افروز تفرج گاہیں تمام اندلس میں مشہور تھیں۔ یہ ایک اہم دینی مرکز بھی تھا۔ چنانچہ عیسائیوں نے اس کی حفاظت کے بہترین انتظامات کئے تھے۔

اہلِ ماردہ نے شہر بند ہو کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ روزانہ ان کا لشکر لڑنے کے لئے نکلتا اور شام کو واپس جاتا۔ جب یہ سلسلہ طویل ہوا تو موسیٰ نے جنگی حیلہ سے کام لیا۔ رات کے وقت پہاڑی دَرّوں میں مسلمان سپاہی چھپا دیئے گئے۔ صُبح کے وقت جیسے ہی عیسائی فوج شہر سے نکلی مسلمانوں نے دَرّوں سے نکل کر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اکثر عیسائی فوج کام آئی۔ باقی سپاہی بھاگ کر شہر میں گھس گئے اور پھر نہ نکلے۔

شہر کی فصیل اور بُرج چونکہ بہت مضبوط تھے اس لئے مسلمانوں کو عرصہ تک شہر کے گرد پڑا رہنا پڑا۔ آخر موسیٰ نے ایک قلعہ شکن آلہ دبابہ بنایا۔ اس آلہ کو اِس زمانے میں ٹینک کہا جا سکتا ہے۔ کچھ بہادر سپاہی دبابہ کے اندر بیٹھ کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے اور دبابہ سے فصیل کو توڑ دیا۔ اہل شہر نے مجبور ہو کر صُلح کی درخواست

کی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

مار دہ میں بے شمار مال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ راڈرک کی بیگم ایجی لونا بھی یہیں مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ سپہ سالار اسلامی نے اُسے شاہانہ عزت کے ساتھ رکھا اور اپنے بیٹے عبدالعزیز سے اس کی شادی کر دی۔

بغاوت اشبیلیہ اسی دوران میں معلوم ہوا کہ اہلِ اشبیلیہ نے بغاوت کر دی ہے۔ اہلِ اشبیلیہ جو شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے واپس آ گئے اور یہودیوں نے اُن سے تعاون کر کے اسلامی محافظ فوج کو قتل کر دیا۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ادھر روانہ کیا۔ عبدالعزیز طوفان کی طرح اشبیلیہ پہنچا اور یہودی و عیسائی مفسدوں کو تہ تیغ کر کے شہر پر دوبارہ قبضہ کیا۔ اس کے بعد لبلہ اور باجہ کی طرف رُخ کیا اور ان شہروں پر قبضہ کر کے پھر اشبیلیہ لوٹ آیا۔

موسیٰ اور طارق کی ملاقات مار دہ سے موسیٰ طلیطلہ کی طرف روانہ ہوا۔ طارق نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنے افسر بالادست کا استقبال کیا۔ جوں ہی طارق کی نظر موسیٰ پر پڑی تو اپنے گھوڑے سے اُتر آیا اور وظائفِ احترام بجا لایا۔ تاہم موسیٰ نے فوجی نظم و ضبط کو قائم رکھنے کے لئے بلا اجازت اندلس میں پیش قدمی کرنے پر طارق کو زجر و توبیخ کی۔ طارق نے وہ وجوہ بیان کیں جن کی بنا پر اسے فوراً پیش قدمی کرنا ضروری تھا موسیٰ نے اس کے عذر کو قبول کر لیا۔[1]

بقیہ فتوحاتِ اندلس موسیٰ اور طارق دونوں نے طلیطلہ میں اندلس کے باقیماندہ علاقوں کو فتح کرنے کے لئے ایک جامع اسکیم بنائی۔ جب تمام فوجی انتظامات مکمل ہو گئے تو طارق کو فوج کا سپہ سالارِ اعظم بنا کر شمالی اور شمالی ومشرقی اور شمالی و مغربی صوبوں کو فتح کرنے کے لئے روانہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۹ بحوالہ ابن جریر طبری۔

کیا۔ روانگی کے وقت موسیٰ نے طارق کو مفید نصیحتیں کیں۔ بقول مسٹر اسکاٹ :-

"غیر مصافی لوگوں سے تعرض کرنے سے منع کر دیا گیا۔ لوٹ مار کی ممانعت کر دی گئی اور صاف کہہ دیا گیا کہ جو کوئی اس کا مجرم ہوگا اس کو سزائے موت دے دی جائے گی۔ رعایا کے مذہبی احساسات کا احترام کرنے کی تاکید کی گئی"

کچھ تو اندلسیوں کے دلوں پر مسلمانوں کی بہادری کی ہیبت اور کچھ اُن کے شریفانہ برتاؤ کا اثر، نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس کا تمام علاقہ کوہِ البرنات تک جلد ہی مسلمانوں کے زیرِ علم آگیا۔ طارق آگے آگے صلح ناموں کی بنیاد پر شہروں کو فتح کرتا جاتا تھا اور موسیٰ پیچھے پیچھے ان عہدناموں کی تصدیق کرتا جاتا تھا۔

فتح یورپ کا ایک رنگین نقشہ

البرنات کی بلند چوٹیوں پر کھڑے ہوکر موسیٰ نے یورپ کے علاقوں پر ایک نظر دوڑائی اور اپنے فکرِ عالی کے قلم سے صفحۂ دماغ پر فتح یورپ کا ایک حسین و جمیل نقشہ کھینچا۔ اسکاٹ کے الفاظ میں نقشہ یہ تھا :-

"خلافتِ حقہ کے وارثوں کے قدموں میں یورپ کے بہترین ملک کو لاڈالیں۔ جناب پوپ اعظم کے مستقر میں گرجاؤں کے میناروں سے کلمۂ توحید کی آواز بلند ہو اور وہاں سے مشرق کی طرف رُخ کر کے عین بیزنطینی دارالسلطنت (قسطنطنیہ) میں شام کی فوج سے معانقہ کریں اور اتنی بڑی فتوحات کی ایک دوسرے کو باسفورس کے کنارے پر مبارک باد دیں"

موسیٰ نے اپنی شمشیرِ خوں بار سے اس نقشہ میں رنگ بھرنا بھی شروع کر دیا۔ چنانچہ البرنات کے اس پار اتر کر فرانس کے چند سرحدی شہر فتح کر لئے۔ مگر دربارِ خلافت کے حکمِ امتناعی نے اس نقشہ کو پارہ پارہ کر دیا۔

موسیٰ کی اندلس سے واپسی

امیر المؤمنین ولید مرکزِ حکومت سے اس قدر دور کے ملکوں میں موسیٰ کی پیش قدمی کو خطرناک سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے ایک قاصد بھیج کر موسیٰ کو لڑائی بند کرنے اور دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ موسیٰ بادل نخواستہ اشبیلیہ آیا۔ یہاں کچھ دن ٹھہر کر سفر کے انتظامات کئے۔ پھر سنہ ۹۶ھ میں حکومت اندلس کی باگ ڈور اپنے بیٹے عبدالعزیز کے سپرد کر کے ملک شام کی طرف روانہ ہو گیا۔

موسیٰ دربارِ خلافت میں پیش کرنے کے لئے بے شمار اموال و خزائن ساتھ لے کر چلا تھا۔ قطار در قطار اونٹوں پر قیمتی اسلحہ، مرصع بجواہر کپڑے اور زیب و زینت کا سامان لدا ہوا تھا۔ سونے چاندی اور جواہرات بمشکل تین گاڑیوں پر بار کئے گئے تھے۔ تیس ہزار کنیزیں اور ایک لاکھ غلام جلو میں تھے۔

فاتح اندلس کا یہ شاندار جلوس بادیہ نشینان افریقہ کی نگاہوں کو محوِ حیرت کرتا ہوا جب سرحدِ شام پر پہنچا تو ولید بن عبدالملک بیمار تھا۔ سلیمان بن عبدالملک ولی عہد خلافت نے موسیٰ کے پاس خفیہ پیغام بھیجا کہ "چونکہ امیر المؤمنین کے جانبر ہونے کی اُمید نہیں ہے لہٰذا وہ قدرے توقف کرے"۔

سلیمان کا مقصد یہ تھا کہ اس کی تخت نشینی کے جشن کی شان و شوکت فاتح اندلس کے پیش کردہ تحف و ہدایا سے دوبالا ہو جائے۔

موسیٰ نے ولیعہدِ خلافت کے حکم کی تعمیل ضروری نہ سمجھی بلکہ امیر المؤمنین ولید کے زندگی کے آخری لمحات کو خوشگوار بنانا مناسب تصور کیا۔

موسیٰ دمشق میں داخل ہوا تو وہ نماز جمعہ کا وقت تھا۔ خلیفۃ المسلمین اپنی نوساختہ جامع بنی اُمیہ کے منبر پر خطبۂ جمعہ پڑھ رہا تھا۔ موسیٰ تیس اندلسی و افریقی شہزادوں کے جلو میں لئے ہوئے جن کے سروں پر زرنگار تاج جگمگا رہے تھے جامع مسجد میں داخل ہوا اور بارگاہِ خلافت میں سلام عقیدت گزارا۔ خلیفہ نے موسیٰ کو گلے لگا لیا اور اپنے ملبوسِ خاص سے سرفراز فرمایا۔

موسیٰ کے اشارے پر اسیر شہزادے منبر جامع مسجد کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ خلیفۂ وقت نے خطبہ میں ان عظیم الشان فتوحات مشرق و مغرب پر جو اس کے عہدِ حکومت میں ہوئیں خداوندِ قدوس کا شکر ادا کیا اور مزید کامیابی و کامرانی کے لئے طویل دُعا مانگی۔

نماز کے بعد موسیٰ نے افریقہ اور اندلس کا مالِ غنیمت ولید کے سامنے پیش کیا۔ ولید نے موسیٰ کو گراں بہا انعامات سے نوازا اور اس کے بیٹوں کے لئے گرانقدر وظیفے مقرر کئے۔[1]

مُسلمہ بن عبدالملک

ولید کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کا میدانِ ترکتاز شام اور ایشیائے کوچک کا سرحدی علاقہ رہا ہے۔ حضرت معاویہؓ کے مجوزہ طریقہ پر وہ ہر سال موسمِ سرما میں رومی علاقوں پر فوج کشی کرتا تھا اور دُنیا کی سب سے بڑی مسیحی طاقت کے دل سے اقتدارِ اسلامی کا رُعب کم نہ ہونے دیتا تھا۔ ان حملوں میں ان کا قوتِ بازو عباس بن ولید بن عبدالملک ہوتا تھا۔

مسلمہ اور عباس نے مختلف سنوں میں حصن طوانہ، حصن بولق، حصن اخرم، حصن بولس، قمقم، حصن عموریہ اور ولید ہرقلہ اور قمونیہ فتح کئے۔[2]

ولی عہدی

عبدالملک نے اپنے بعد اپنے دو بیٹوں ولید اور سلیمان کے علی الترتیب ولی عہد نامزد کیا تھا اور اپنے باپ کی وصیت کو عبدالملک کے بعد اس کے بھائی عبدالعزیز کے حق میں بھی منسوخ کر دیا تھا۔ ولید نے بھی اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے باپ کی تقلید کی کوشش کی اور اپنے بھائی سلیمان کو محروم کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز بن ولید کو ولی عہد بنانا چاہا۔ امراءِ

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۶ والبدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۷۳ و اخبار الاندلس صفحہ ۲۴۸

[2] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۱، ۲۰۴۔

حکومت نے حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم کے سوا اس کی اس رائے کو پسند نہ کیا۔ تاہم وہ اپنے ارادہ پر جما رہا۔ اس نے سلیمان کو کسی بہانے سے اس مقصد کی تکمیل کے لئے بلایا۔ سلیمان کو بھی حقیقت حال معلوم ہو گئی۔ اس نے بیماری کا عذر کر کے انکار کر دیا۔ ولید نے اب خود سلیمان کے پاس جا کر اُسے ولی عہدی سے دستبرداری پر مجبور کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ ابھی اس کے انتظامات ہی میں مصروف تھا کہ موت کا طاقت ور ہاتھ اس کے اور اس کے عزائم کے درمیان حائل ہو گیا۔ ولید کے اس ناکام اقدام نے حجاج بن یوسف، قتیبہ بن مسلم وغیرہ اور سلیمان کے دلوں میں فرق ڈال دیا جس کے نتائج ان اُمراء اور اُن کی اولاد کے حق میں اچھے نہ ہوئے۔

وفاتِ حجاج

شوال ۹۵ھ میں عراق میں حجاج بن یوسف ثقفی امیر العراقین کی موت واقع ہوئی۔ موت کے وقت اس کی عمر صرف ۵۴ سال کی تھی۔

حجاج بن یوسف کے سخت گیر ہاتھوں نے بنی اُمیہ کے ایوانِ عظمت کی تعمیر میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ وہ بیس سال تک بصرہ و کوفہ اور ان سے متعلقہ ممالک کا وائسرائے رہا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں عراقین کو جو بنی اُمیہ کے مخالفین کا مرکز تھا، عراقی شورش پسندوں کی فتنہ پردازیوں سے پاک وصاف کر دیا۔ مگر اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے جو ظلم ڈھائے انہیں کبھی قابلِ تعریف نہیں کہا جا سکتا۔

حجاج کے ظلم و ستم کو عذابِ الٰہی سمجھنا چاہیئے جو اہلِ عراق کی تاریخی بدعمالیوں کی بدولت اُن پر نازل ہوا۔ حضرت حسن بصری رضؒ نے فرمایا: میں نے حضرت علی رضؓ کو منبر جامع کوفہ پر یہ دُعا مانگتے سُنا۔

"اے اللہ! میں نے ان لوگوں کو رازدار بنایا مگر انھوں نے میرے ساتھ خیانت کی۔ میں نے ان لوگوں کی خیر خواہی کی مگر انھوں نے

مجھے دھوکہ دیا۔ اے اللہ! ان پر بنی ثقیف کے کسی غلام کو مسلط کر دے جو اُن کے مالوں اور جانوں کا فیصلہ جاہلیت کے (ظالمانہ) طرز پر کرے "

پھر حسن بصری رحؒ نے فرمایا:۔

"واللہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ظالم کی جو صفات بیان کی تھیں وہ سب حجاج میں موجود ہیں " [1]

ان برائیوں کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ خوبیاں بھی تھیں جن کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہے۔ وہ بے مثال سپہ سالار تھا۔ تمام مشرقی فتوحات اگرچہ اس کے ماتحت افسروں کے ہاتھوں انجام پائیں۔ مگر اُن میں دماغ حجاج بن یوسف ہی کا کام کر رہا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان تو حجاج کے احسان کے بارے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ ساحلِ ہندوستان پر سندھی ڈاکوؤں کے ہاتھوں جب مسلمان عورتوں اور بچوں کا قافلہ لٹا اور ایک لڑکی نے اغثنی یا حجاج کی فریاد بلند کی تو حجاج نے بے ساختہ لبیک کہا۔

پھر بلا توقف فتح ہند کے لئے مسلسل مہمیں روانہ کیں۔ آخر میں اپنے چچیرے بھائی محمد بن قاسم کو بھیجا اور اس شان سے بھیجا کہ تمام لشکر کی تمام ضروریات حتیٰ کہ سُوئی تاگہ تک ساتھ تھا۔ پھر اس توجہ اور اہتمام کے ساتھ اس مہم کی نگرانی کی کہ ہر تیسرے روز تازہ ترین خبریں منگا کر ہدایات روانہ کرتا تھا۔ چنانچہ جب محاصرہ طویل ہُوا تو حجاج نے لکھا کہ منجنیق کو ایک زاویہ کم کر کے مشرق کی جانب نصب کر کے دیبل پر سنگباری کی جائے"۔ حجاج کے اس مشورہ پر عمل کیا گیا تو دیبل کے مرکزی مندر کا گنبد پاش پاش ہو گیا اور کفرستانِ ہند میں پہلی مرتبہ اسلام کا پرچم لہرایا [2]

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۲۳

[2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۲۵ ::

حجاج کلام اللہ کا بڑا اچھا حافظ و قاری تھا۔ نو مسلموں کی ضرورت کا لحاظ کر کے اُس نے قرآن کریم پر سب سے پہلے اعراب لگوائے اور آیات و رکوع کی علامات قائم کیں۔ وہ عربی زبان کا شیریں بیان خطیب تھا۔ اس وصف میں اُسے حضرت حسنؒ بصری کا مماثل بتایا جاتا ہے۔

وفاتِ ولید وسطِ جمادی الاخریٰ ۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک نے دیرمروان میں وفات پائی۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور باب صغیر کے باہر دفن کیا گیا۔ اس کی عمر ۴۲ سال چھ مہینے ہوئی اور نو سال آٹھ مہینے تختِ خلافت پر متمکن رہا۔

اس نے انیس ۱۹ بیٹے یادگار چھوڑے۔

سیرت ولید بن عبدالملک

ولید بن عبدالملک اگرچہ علم و فضل سے بے بہرہ تھا مگر سلیقۂ حکمرانی و جہانبانی میں ممتاز تھا۔ خوش قسمتی سے اس نے ایسا زمانہ پایا کہ ملک میں داخلی فتنے دب چکے تھے اور مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے اس زریں موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی پوری توجہ اندرونی اصلاحات اور بیرونی فتوحات کی طرف مبذول کر دی۔

ولید نے رفاہِ عام کے بہت سے کام انجام دیئے۔ تمام ممالک محروسہ میں سڑکیں درست کرائیں میل نصب کرائے۔ نہریں اور کنوئیں کھدوائے مسافر خانے تعمیر کرائے۔ شفاخانے اور محتاج خانے جاری کئے۔ ہر اپاہج کے لئے ایک خدمت گار اور ہر اندھے کے لئے ایک راہنما حکومت کے خرچ پر مقرر کیا ضروریات زندگی کے نرخ پر بھی اس نے کنٹرول قائم کیا۔ اس کی عادت تھی کہ خود بازار میں نکل جاتا اور کسی سبزی فروش سے پوچھتا۔ یہ سبزی کا گٹھا کس قیمت کا ہے؟ وہ کہتا کہ ایک پیسہ کا! تو ولید کہتا کہ ایک پیسہ میں یہ کم ہے اس

میں اضافہ کرو"۔ [1]

دینداری کی طرف بھی اس کا میلان تھا۔ باوجود اپنے کثیر مشاغل کے ہر تیسرے دن ایک قرآن مجید ختم کرتا تھا اور رمضان المبارک کے مہینے میں سترہ قرآن ختم کر لیتا تھا۔

تعلیم قرآن کریم کی طرف اُس نے خاص طور پر توجّہ کی۔ اسی زمانہ میں قرآن کریم پر اعراب لگائے گئے۔ اس نے قراء و حفاظ کے وظیفے مقرر کئے اور حفظِ قرآن مجید میں انعامات دیئے۔

اس کو تعمیرات سے خاص دلچسپی تھی۔ لیکن اس نے اپنے اس ذوق کو مساجد کی تعمیر میں صرف کیا۔ یوں تو اس نے بہت سی مسجدیں بنائیں مگر مدینہ منورہ کی مسجدِ نبوی اور دارالخلافہ کی جامع دمشق کی تعمیر میں جس دریا دلی اور فن کاری کا ثبوت دیا وہ ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا۔

۸۸ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عہدِ امارت مدینہ میں مسجدِ نبویؐ نئے سرے سے تعمیر ہوئی۔ امہات المؤمنین کے حجرے جو اس وقت تک اپنی اصلی حالت میں تھے اور دوسرے متصلہ مکانات مسجد میں شامل کر لئے گئے اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بھی حدودِ مسجد میں آ گئی۔

مسجد کی تعمیر کے لئے شام و روم سے ماہر کاریگر بلائے گئے۔ قیصر روم کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مسجد تعمیر ہو رہی ہے تو اُس نے بھی ایک لاکھ مثقال سونا چالیس گھٹے ملبنت کاری کا سامان اور بہت سے کاریگر بھیج کر ولید کی خوشنودی حاصل کی۔

مسجد کے صحن میں ایک فوارہ بھی بنایا گیا جس میں بیرونِ شہر سے نلوں کے ذریعے پانی لایا گیا تھا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ

مسجد دمشق فن کاری کا ایک نادرہ کار نمونہ تھی۔ اس کا تمام فرش مرصّع تھا۔ دیواریں قدِ آدم سنگ رخام کی تھیں۔ اُس کے اوپر سونے کے ٹائل تھے جن میں جواہرات سے انگوری بیلیں بنائی گئی تھیں۔ اس سے اوپر مختلف الالوان کے جواہرات سے دنیا کے تمام مشہور شہروں کے نقشے بنائے گئے تھے۔ محراب پر کعبۂ مکرمہ کا نقشہ تھا

چھت سونے کی اینٹوں کی بنائی گئی تھی اور اس میں سونے کی زنجیروں میں بھی قندیلیں آویزاں تھیں "محراب صحابہ" میں ایک بہت بڑا جوہر تھا جو قندیلوں کے گل ہو جانے کے بعد بھی اپنی روشنی سے مسجد کو جگمگاتا رہتا تھا۔

اس مسجد کی تعمیر میں ہندوستان، ایران، افریقہ اور روم وغیرہ کے کاریگروں نے حصّہ لیا تھا اور دُنیا کے مختلف حصّوں سے سامانِ تعمیر فراہم کیا گیا تھا۔ بارہ ہزار مزدور روزانہ کام کرتے تھے اور آٹھ سال کی مدت میں بن کر تیار ہوئی تھی۔

علامہ ابن کثیرؒ کے بیان کے مطابق اس کی تعمیر و تزئین میں ایک کروڑ بارہ لاکھ دینار صَرف ہُوئے تھے[1]۔ امام شافعیؒ نے اس کو دنیا کے پانچ عجائبات میں شمار کیا تھا۔

ولید کے زمانہ کی فتوحات حضرت عمر فاروقؓ کے عہد کے بعد تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نصیر کے کارنامے تفصیل کے ساتھ ذکر کئے جا چکے ہیں۔ ان جلیل القدر فاتحین عظام کے زیرِ علم مجاہدینِ کرام کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے چین سے اسپین تک کے علاقہ کو روند ڈالا اور حالت یہ تھی کہ ؎

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

---

[1] البدایہ والنہایہ جز ۹ صفحہ ۱۶۵

سلیمان بن عبدالملک

۹۶ھ تا ۹۹ھ

سلیمان عبدالملک بن مروان کا بیٹا اور ولید کا حقیقی بھائی تھا۔ مدینہ منورہ میں محلہ بنی جذیلہ میں ۵۴ھ میں پیدا ہوا تھا اور ملک شام میں اپنے باپ کے پاس تعلیم و تربیت پائی تھی۔ راوی حدیث بھی تھا۔ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ولید کے بعد ۱۵ جمادی الآخری ۹۶ھ کو رملہ میں وارثِ تاج و تخت ہوا۔

سلیمان کی جبینِ حکومت کا دامن بعض نامور سپہ سالاروں کے شفق گوں خون سے رنگین ہے۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ولید نے اپنے باپ کی وصیت کے برخلاف سلیمان کو معزول کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنانا چاہا۔ امرائے حکومت میں سے حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم نے اس کی اِس رائے کی تائید کی۔ مگر دوسرے امراء کے اختلاف اور موت کی پیش دستی کے سبب یہ کام انجام نہ پا سکا۔

سلیمان طبعاً ان امراء سے ناراض تھا۔ یہ لوگ بھی اُن کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملت کو اپنے چند بہترین فرزندوں کا داغ سینہ پر لینا پڑا۔ حجاج کو اس بات کا بڑا ڈر رہتا تھا کہ ولید کا اس کی زندگی میں انتقال نہ ہو جائے مگر اُسے اس خطرہ سے دوچار نہ ہونا پڑا اور وہ خود ولید سے ایک سال قبل راہیٔ ملکِ عدم ہوا۔ مگر سلیمان نے حجاج کی بجائے اس کے نامور بھتیجے محمد بن قاسم سے انتقام لیا۔

محمد بن قاسم کا قتل | محمد بن قاسم اس زمانے میں فتوحاتِ سندھ کی تکمیل

میں مصروف تھا۔ سلیمان نے اُسے معزول کر کے یزید بن ابی کبشہ سکسکی کو سندھ کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ یزید نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر کیا اور اُسے صالح بن عبدالرحمٰن کے پاس واسط (عراق) بھیج دیا۔ صالح کے بھائی آدم کو حجاج بن یوسف نے خارجیت کے جرم میں قتل کیا تھا۔ صالح نے محمد بن قاسم اور اس کے اہلِ خاندان کو سخت سخت تکلیفیں دے کر قتل کر دیا۔

محمد بن قاسم نے اہلِ سندھ کے قلوب کو اپنے حسنِ سلوک سے فتح کر لیا تھا۔ چنانچہ اس کی مظلومانہ موت پر بقول ابنِ اثیر اُنھوں نے آنسو بہائے اور حسبِ بیان بلاذری اُنھوں نے اس کا بُت بنا کر اپنے مندر میں رکھا۔[1]

حمزہ بن بیض حنفی، محمد بن قاسم کا اس طرح ماتم کرتا ہے :-

ان المروۃ والسماحۃ والندی	"بہادری، نرم دلی اور سخاوت محمد بن
لمحمد بن القاسم بن محمد	قاسم بن محمد ہی کے لئے مقدر ہو چکی تھی
ساس الجیوش لسبع عشرۃ	سترہ سال کی عمر میں ہی اُس نے لشکروں
حجۃ یا قرب ذالک سوددا	کی سالاری کی اس کی سرداری کس
من مولد۔	قدر کم عمر میں تھی"

قتیبہ بن مُسلم کا قتل

قتیبہ بن مسلم حاکم خراسان، حجاج کا ساختہ پرداختہ تھا سلیمان کی ولیعہدی میں وہ بھی مزاحم ہوا تھا اسلئے اسکی تخت نشینی کے بعد اُسے فکر ہوا کہ کہیں سلیمان اس سے انتقام نہ لے چنانچہ اس نے پیش بندی کے طور پر اپنا ایک قاصد سلیمان کے پاس بھیجا اور اُسے سلیمان کے نام تین خط دیئے۔

پہلے خط میں اس نے سلیمان کو تخت نشینی کی مبارک باد دی تھی اور عبدالملک اور ولید سے اپنی وفاداری کا ذکر کیا تھا۔ پھر لکھا تھا کہ وہ سلیمان کا بھی اسی طرح

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۲۳ و فتوح البلدان۔

حلقہ بگوش رہے گا اگر اُسے معزول نہ کرے۔

دوسرے خط میں اُس نے خراسان و ترکستان کے دلوں میں اپنے رُعب و دبدبہ کا حال لکھا تھا۔ پھر لکھا تھا کہ اگر اسے خراسان سے معزول کر کے اس کے حریف یزید بن مہلب کو اس کا جانشین بنایا گیا تو وہ خلیفہ کی بیعت توڑ دے گا۔

تیسرے خط میں سلیمان بن عبد الملک کی بیعت توڑنے کا اعلان تھا۔

یہ تینوں خط ایک ساتھ قاصد کو دیئے اور کہا کہ پہلے پہلا خط خلیفہ سلیمان کو دینا اگر وہ اسے پڑھ کر یزید بن مہلب کی طرف بڑھا دے تو پھر دوسرا خط دینا۔ اگر وہ اسے پڑھ کر بھی یزید بن مہلب کے حوالے کر دے تو پھر تیسرا خط دینا۔

قتیبہ کا قاصد دربارِ خلافت میں حاضر ہُوا تو حسبِ توقع یزید بن مہلب وہاں موجود تھا۔ قاصد نے پہلا خط سلیمان کو دیا۔ سلیمان نے اُسے پڑھ کر یزید کے حوالے کر دیا۔ اب قاصد نے دُوسرا خط سلیمان کے حوالہ کیا۔ سُلیمان نے اُسے بھی پڑھ کر یزید کی طرف بڑھا دیا۔ اب قاصد نے قتیبہ کے ترکش کا آخری تیر نکالا اور سلیمان کی طرف بڑھایا۔ سلیمان اُسے پڑھ کر لال پیلا ہو گیا۔ تاہم اُس نے عاقبت اندیشی سے کام لیا۔ قاصد کو انعام واکرام سے نوازا اور قتیبہ کی ولایت خراسان پر برقراری کا پروانہ دے کر اُسے رُخصت کیا۔ مگر افسوس قتیبہ کی جلدبازی نے بنا بنایا کام خراب کر دیا۔

قاصد کو روانہ کرنے کے بعد قتیبہ نے اس بدگمانی پر کہ سلیمان اُسے ضرور معزول کر دے گا، سلیمان کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا۔ اُسے اپنے ماتحت سرداروں سے بڑی توقعات تھیں مگر خلیفۂ وقت سے بغاوت کے معاملہ میں اُس کے سرداروں نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ بنی تمیم کے سردار وکیع کو اپنا سپہ سالار بنا کر وہ قتیبہ کے مقابلہ پر آ گئے اور ایک معرکہ میں اُسے قتل کر دیا۔

بہرکیف قتیبہ بن مسلم جیسا فاتح اسلام جس سے شاہانِ عجم و ترکستان لرزہ براندام تھے آپس کی بدگمانی اور مخالفت کی نذر ہُوا۔

ایک خراسانی نے اس کے قتل کی خبر سُن کر کہا۔

"خدا کی قسم! اگر قتیبہ جیسا فاتح ہم میں ہوتا اور مر جاتا تو ہم اُسے تابوت میں رکھتے اور دشمنوں کے مقابلہ کے وقت اس تابوت کی برکت سے فتح طلب کرتے۔" [۱]

موسیٰ بن نصیر کی تعزیر سلیمان بن عبدالملک کے خنجر انتقام کا تیسرا شکار فاتح افریقہ و اندلس موسیٰ بن نصیر بنا۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سلیمان نے اس خواہش کی تھی کہ وہ دارالخلافہ میں داخل ہونے کے لئے اس کے عہدِ حکومت کا انتظار کرے مگر موسیٰ نے اس کی اس خواہش کو پورا کرنا ضروری نہ سمجھا تھا۔

سلیمان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد موسیٰ سے افریقہ کے خراج کی بقایا کا سختی کے ساتھ مطالبہ کیا۔ موسیٰ اس مطالبہ کو پورا نہ کر سکا تو اُس نے اُسے قید کر دیا اور اس پر گرانقدر تاوان عائد کیا۔ ۹۷ھ میں سلیمان نے حج بیت اللہ کیا تو موسیٰ بن نصیر اسیرانہ حیثیت سے اس کے ساتھ تھا۔ آخر مدینہ منورہ میں اسّی سال کی عمر میں اسلام کے اس فرزند سعید نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً کاملۃً شاملۃً۔ [۲]

فتوحات

فتح قہستان و جرجان جرجان اور طبرستان کے علاقے حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں سعید بن عاص کے ہاتھ پر فتح ہو چکے تھے مگر یہ ملک پہاڑی تھا اور یہاں کے رہنے والے سرکش اور

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ

[۲] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۷۴۔

شورش پسند واقع ہوئے تھے۔ جلد ہی یہ لوگ باغی ہو گئے بلکہ اسلام کو بھی خیر باد کہہ دیا۔

سلیمان کے عہدِ حکومت میں جب یزید بن مہلب خراسان کی امارت پر مامور ہوا تو اس نے ادھر توجہ کی اور ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ جرجان کی طرف روانہ ہوا۔

پہلے قہستان کے علاقہ کا محاصرہ کیا۔ ترکوں نے سخت مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ بے شمار مال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ پھر یزید جرجان پہنچا۔ شاہِ جرجان نے دیلم سے مدد مانگی۔ دیلم پوری طاقت کے ساتھ اہلِ جرجان کی مدد کے لئے آئے اور دونوں فوجوں میں سخت معرکہ ہوا۔ اسلامی لشکر کے ایک بہادر ابن ابی سبرہ نے بڑی جوانمردی کا ثبوت دیا۔ ایک دن کسی ترک سردار سے اُن کی مبارزت ہوئی۔ ترک نے اُن کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ اس کی تلوار اُن کے خود میں اُلجھ کر رہ گئی۔ انھوں نے اسی حالت میں پلٹ کر ترک پر جوابی حملہ کیا اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مبارزت سے فارغ ہو کر یہ اسلامی لشکر میں اس حال میں داخل ہوئے کہ اُن کی تلوار سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے اور خون کی تلوار ان کی کلاہِ افتخار کا طُرّہ بنی ہوئی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر یزید بن مہلب کی زبان سے بے اختیار نکل گیا میں نے اس سے بہتر منظر کبھی نہیں دیکھا۔ یہ کون بہادر ہے؟

لوگوں نے بتایا۔ "یہ ابن ابی سبرہ ہے"

یزید نے کہا "یہ بہترین شخص تھا اگر اسے شراب کی لت نہ ہوتی"

آخر اسی بہادر نے شاہِ دیلم کا سر تن سے جُدا کیا۔ شاہِ دیلم کے قتل سے غنیم کے پاؤں اُکھڑ گئے اور مجبوراً شاہِ جرجان کو بیش قرار فدیہ دے کر سعید بن عاص کے زمانہ کی شرائط پر صلح کرنی پڑی۔

اس غزوہ میں جو بیش قرار زر و جواہر مسلمانوں کے ہاتھ آیا اسی میں ایک

مرصع تاج بھی تھا۔ یزید بن مہلب کی خدمت میں جب وہ تاج پیش کیا گیا تو اُس نے کہا۔ کیا کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے جسے یہ تاج دیا جائے اور وہ اسے نگاہ میں نہ لائے۔ لوگوں نے کہا "ایسا کون ہو سکتا ہے؟"

یزید نے ایک رضا کار محمد بن واسع کو بُلایا اور اُس کو یہ تاج بطور عطیہ کے پیش کیا۔ محمدؒ نے کہا۔

"مجھے اِس کی ضرورت نہیں"

یزید نے قسم کھا کر کہا تمہیں ضرور لینا ہو گا۔ محمد نے تاج لے لیا اور اپنے خیمہ کی راہ لی۔ راستہ میں اُسے ایک سائل ملا اور اُس سے کچھ مانگا۔ محمد نے بے تکلف وہ تاج اُس کے حوالے کر دیا۔ آخر یزید کو یہ خبر ہوئی اور اُس نے مالِ کثیر دے کر اس سائل سے تاج واپس لے لیا۔ [1]

قسطنطنیہ پر حملہ

۹۸ھ میں سلیمان نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو قسطنطنیہ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ ایک لاکھ بیس ہزار کا ایک لشکر خشکی کی راہ سے اور اسی تعداد کا دوسرا لشکر سمندر کے راستہ سے قسطنطنیہ کی طرف بڑھا اور شہر کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا۔ مسلمان اس عزم سے آئے تھے کہ وہ شہر کو فتح کئے بغیر واپس نہ جائیں گے۔ چنانچہ اُنھوں نے قسطنطنیہ کے متصل ایک نیا شہر بسا دیا اور اپنی ضروریات کے لئے غلّہ اور ترکاری کے کھیت بو دیئے۔

رُومیوں نے جب مسلمانوں کے یہ حوصلے دیکھے تو اُنھوں نے صُلح کی پیش کش کی۔ مگر مسلمہ نے اس پیش کش کو رد کر دیا اور بنوکِ شمشیر شہر کے دروازے کھولنے کے عزم کا اعلان کیا۔

اب رومیوں نے ایک دوسری تدبیر کی سلطنتِ روم کا اندرونی نظام اِن

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۷۵، ۷۶

دنوں مختل ہورہا تھا۔ ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ بیس سال کے اندر اندر چھ قیصر تخت نشین ہوکر معزول ہو چکے تھے۔ انہیں کسی مدبر و منتظم بادشاہ کی ضرورت تھی جو اس وقت قوم کے بیڑے کو اسلامی حملہ کے طوفان سے صحیح و سلامت لے کر نکل جائے۔ ادھر مسلمہ کی فوج میں لیون عشی ایک بہادر اور چالاک سردار تھا جو اس مہم میں مشیر کار اور معتمد علیہ تھا۔ رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان نامہ و پیام بھی اسی کی معرفت ہوتا تھا۔ رومیوں نے اس سے خفیہ طور پر یہ معاہدہ کر لیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو ناکام لوٹا دے تو وہ اسے رومی بنزنطینی حکومت کا فرمانروا تسلیم کرلیں گے۔

ایک مرتبہ جب لیون مسلمہ کے ایلچی کی حیثیت سے قسطنطنیہ سے واپس آیا تو اس نے مسلمہ سے کہا۔

"رومی قسطنطنیہ کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں مگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ لشکر اسلامی محاصرہ اُٹھا کر دُور چلا جائے تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنا ساز و سامان لے کر شہر سے چلے جائیں۔ مسلمہ نے کسی قدر تامل کے بعد لیون کے اعتماد پر اس تجویز کو قبول کر لیا۔"

اسلامی فوجوں کے ہٹتے ہی رومیوں نے مسلمانوں کے خوراک کے تمام ذخائر کو راتوں رات شہر میں منتقل کر لیا اور فصیل بھی جہاں جہاں سے شکستہ ہوگئی تھی اُسے درست کر لیا اور لیون کو اپنا سردار بنا کر مسلمانوں کے مقابلہ پر نئے سرے سے صف آراء ہوگئے۔

ایک دوسری مصیبت مسلمانوں پر یہ نازل ہوئی کہ اس سال اس قدر سردی پڑی کہ عرب اسے برداشت نہ کر سکتے تھے تاہم مسلمانوں کے عزم و استقلال میں فرق نہ آیا اور وہ ان مصائب میں محصور ہوکر بھی دشمن سے جنگ کرتے رہے[1]۔ سلیمان جو اسلامی لشکر کی مدد کے لئے مرج وابق میں مقیم تھا اسی دوران میں

راہیٔ عدم ہوا اور حضرتِ عمر بن عبدالعزیزؒ اس کے جانشین منتخب ہوئے آپ نے مسلمہ کو واپسی کا حکم دیا۔ چنانچہ اسلامی لشکر جان و مال کے کثیر نقصانات اٹھا کر ناکام واپس آگیا۔

ولی عہدی سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعد اپنے بیٹے ایوب کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔ مگر ایوب اس کی زندگی ہی میں مر گیا۔ جب سلیمان مرضِ موت میں مبتلا ہوا تو اس نے رجاء بن حیوۃ کے مشورے سے اپنے چچیرے بھائی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ولی عہد نامزد کیا۔ مگر اسے معلوم تھا کہ ابن مروان حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کو خوشی سے منظور نہ کریں گے اس لئے اس نے ولی عہدی کے متعلق اپنے وصیت نامہ کو سربمہر کر کے رجاء بن حیوۃ کے حوالہ کر دیا اور اسے ہدایت کی کہ میرے خاندان کے افراد کو جمع کر کے جس شخص کا نام اس خط میں ہو اس کے نام کی بیعت لے لو۔ اس طرح بنی مروان نے نام سے آگاہ ہوئے بغیر خلیفہ کے نامزد کردہ شخص کی بیعت کر لی۔

وفاتِ سلیمان ۱۰ صفر ۹۹ھ کو جمعہ کے دن سلیمان بن عبدالملک نے مرج دابق (مضافاتِ قنسرین) میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ بیعت کے وقت اس کی عمر ۴۵ سال تھی۔ اور مدتِ خلافت دو سال آٹھ مہینے ہوئی۔

سیرتِ سلیمان

سلیمان بن عبدالملک اپنے اوصاف و خصائل کے لحاظ سے اکثر خلفائے بنی اُمیہ سے ممتاز تھا۔ وہ فصیح و بلیغ تھا۔ دینداری، نیکی، حق پرستی اور اہلِ حق کی محبت کی طرف اس کا میلان تھا۔ کتاب و سنت کا اتباع اور احکامِ شریعت کا اجراء اس کا مطمع نظر تھا۔

اس نے تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی قیدیوں کی رہائی کے احکام جاری کئے

یہاں تک کہ قید خانے خالی ہو گئے۔ رعایا کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آیا اور ظالم و جابر حکام کو معزول کر دیا۔ اس کے ان کارناموں کی وجہ سے لوگ اُسے مفتاح الخیر (بھلائی کی کُنجی) کے نام سے یاد کرتے تھے۔[1]

اس نے احکام جاری کئے کہ نمازیں اوّل وقت میں ادا کی جایا کریں۔

"جامع دمشق کی بنیاد بھی ولید نے اس کی رائے سے ڈالی تھی۔ پھر اس نے اپنے عہد میں اس کی تکمیل کی۔

۹۷ھ میں وہ حج بیت اللہ کے لئے گیا۔ اہلِ حرم کو داد و دہش سے نوازا صرف خاندانِ قریش میں چار ہزار وظیفے مقرر کئے۔

ایک مرتبہ اس نے اپنے لشکر گاہ میں کسی مغنی کی آواز سُنی۔ کہنے لگا جب مرد گاتا ہے تو عورت کو اس کی طرف کشش پیدا ہوتی ہے اور بدکاری کی راہیں کھلتی ہیں۔ پھر گانے والوں کو بُلایا اور حکم دیا کہ انہیں خصّی کر دیا جائے۔ اس کے بعد اُس نے تحقیق کی کہ غناء کا مرکز کہاں ہے؟ معلوم ہُوا کہ مدینہ منوّرہ ہے۔ اس نے وہاں کے عامل ابوبکر بن حزم کو حکم بھیجا کہ تمام مغنیوں کو خصّی کر دیا جائے۔[2]

اعلاءِ کلمۃ اسلام کا اُسے اس قدر خیال تھا کہ اپنے بھائی مسلمہ کو قسطنطنیہ روانہ کر کے خود مرابق میں اس کی مدد کے لئے پڑا رہا اور اعلان کر دیا کہ جب تک قسطنطنیہ کو فتح نہ کرلے گا وہاں سے نہ لوٹے گا۔ چنانچہ اُس نے مرکزِ خلافت سے دُور مرج دابق ہی میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

مگر اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے پاک باطن شخص کو زندگی میں اپنا وزیر اور اپنے مرنے کے بعد اپنا جانشین تجویز کیا۔ محمد بن سیرین نے فرمایا :-

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۰

"خدا سلیمان کو اپنی رحمت سے نوازے، اس کی خلافت کی ابتداء بھی خیر سے ہوئی اور انتہا بھی خیر پر، ابتداءً نمازوں کی بروقت ادائیگی کے اہتمام سے ہوئی اور انتہا حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ولیعہدی کے حکم پر۔"

قائدین ثلاثہ کا معاملہ مگر تعجب ہوتا ہے کہ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کا دامن موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم اور قتیبہ بن مسلم جیسے فاتحین اسلام کے ساتھ بے انصافیوں کے دھبوں سے داغدار ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان دھبوں کو جس قدر نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے حقیقتِ حال کے لحاظ سے وہ اس قدر نمایاں نہیں ہیں۔

قتیبہ بن مسلم کے قتل کا جہاں تک تعلق ہے سلیمان پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ باوجود اس دھمکی کے جو آدابِ شاہی کے سراسر خلاف تھی اس نے قتیبہ کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لیا، مگر افسوس کہ قتیبہ کی جلد بازی اور بے اعتمادی نے اس کا کام تمام کیا۔ اب موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم کا معاملہ رہ جاتا ہے۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے فاتحین روپے پیسے کے خرچ میں محتاط نہیں ہوتے۔ حضرت خالد بن ولید پر بھی اس قسم کی گرفت کی گئی تھی لیکن ایک خلیفۂ عادل کسی کی اہم خدمات کے عوض اموالِ مسلمین پر احتساب کو نہیں چھوڑ سکتا۔

سلیمان نے موسیٰ سے افریقہ کے خراج کی بقایا کا مطالبہ کیا اور جب وہ اس مطالبہ کو پورا نہ کر سکا تو اسے نظر بند کر دیا۔ بالکل قرینِ قیاس ہے کہ سلیمان کے اس برتاؤ میں اس کے مطابق الذکر جذبۂ انتقام کو بھی دخل ہو۔ لیکن اصولی اعتبار سے جو کچھ کیا گیا وہ اپنی جگہ صحیح تھا۔

یہ واضح رہے کہ عام مؤرخین نے سلیمان کے اس محاسبہ کی جو تفصیلات لکھی ہیں وہ مغربی مؤرخین کے معاندانہ بیانات پر مبنی ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے

جو مشہور محقق مؤرخ ہیں صرف اس قدر لکھا ہے :۔

"سلیمان موسیٰ سے ناراض تھا اس لئے اس نے اُسے نظر بند کر دیا اور کثیر رقم کا اس سے مطالبہ کیا۔ موسیٰ اسی نظر بندی کی حالت میں سفرِ حج میں سلیمان کے ساتھ تھا کہ اسی نے اسی سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی" ۔ ؎۱

پھر موسیٰ اگرچہ نظر بند تھا تاہم وہ سلیمان کا معتمد علیہ تھا اور اہم امور میں وہ اس سے مشورے کرتا رہتا تھا سلیمان کا دورِ خلافت کا سب سے اہم کارنامہ غزوۂ قسطنطنیہ سراسر اسی کے مشوروں کا رہینِ منت تھا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

وذالك كله من مشورة موسىٰ بن نصير حين قدم عليه من بلاد المغرب ؎۲	"اور غزوۂ قسطنطنیہ کے یہ تمام انتظامات موسیٰ بن نصیر کے مشورہ سے جب وہ بلادِ مغرب سے واپس آیا تھا، عمل میں آئے" ۔

مقامِ حیرت ہے کہ ایک طرف بقول ابن کثیر، سلیمان، موسیٰ کی رائے پر دو لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کی جانوں کی بازی لگا دیتا ہے اور خود بھی مستقرِ خلافت سے دور مرج وابق میں زندگی کے آخری لمحات پورے کرتا ہے اور دوسری طرف بقول مسٹر ایس پی سکاٹ موسیٰ کی اس کے دربار میں پوزیشن یہ ہے کہ :۔

"موسیٰ کی جائداد ضبط ہوتی ہے، دو لاکھ دینار جرمانہ کیا جاتا ہے پھر اُسے دھوپ میں پابہ زنجیر کھڑا کرنے کے بعد حکم دیا جاتا ہے کہ وہ دربارِ شاہی میں کبھی نہ پھٹکے۔ اس کے بعد وہ اپنے ایک غلام کو ساتھ لے کر اپنے وطن چلا جاتا ہے جہاں وہ بدوؤں سے بھیک مانگ کر اپنا پیٹ پالتا ہے۔ اس طرح اس کی زندگی گمنامی میں ختم ہو

؎۱ البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۷۲۔ ؎۲ ایضاً صہ ۱۷۹

جاتی ہے"۔[1]

اب محمد بن قاسم کا معاملہ رہ جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلیمان نے بنی عقیل (خاندانِ حجاج بن یوسف) کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔ اور مؤرخین نے اس کا سبب یہی لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف نے چونکہ سلیمان کی ولی عہدی کے معاملہ میں اس کی مخالفت کی تھی اس لئے ایسا ہوا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر حجاج کی مخالفت کی بناء کیا تھی؟ یہ بات بالکل صاف ہے کہ سلیمان حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی پارٹی کا آدمی تھا اور عمر بن عبدالعزیزؒ اور حجاج بن یوسف کے طرزِ سیاست میں بعد المشرقین تھا۔ حجاج کی رائے یہ تھی کہ عراقین میں آبِ شمشیر ہی فتنہ وفساد کی آگ فرو کرسکتی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خونِ مسلم کی اس ارزانی کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ اختلاف صرف نظری ہی نہیں بلکہ عملی بھی تھا۔ چنانچہ کئی مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حجاج میں ٹکر ہوئی۔

جب سلیمان کے ہاتھ میں عنانِ حکومت آئی تو حجاج تو قیدِ حیات سے آزاد ہوچکا تھا۔ اس کے اہلِ خاندان کو اس کے مظالم کا کفارہ ادا کرنا پڑا۔ سلیمان نے بنو عقیل کو جن میں محمد بن قاسم بھی تھا صالح بن عبدالرحمٰن کے حوالہ کردیا۔ صالح نے حجاج سے اپنی خاندانی کاوش کی بناء پر محمد بن قاسم کو تہ تیغ کردیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حجاج کے مظالم کتنے ہی ناحق کیوں نہ ہوں۔ محمد بن قاسم جیسے عادل نوجوان سے اُن کا انتقام کسی طرح حق بجانب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

---

[1] اخبار الاندلس جلد ا صفحہ ۱۴۹

حضرت عُمر بن عبدالعزیز

۹۹ھ تا ۱۰۱ھ

عمر، عبدالعزیز بن مروان بن حکم کے صاحبزادہ تھے۔ والدہ ماجدہ اُمِ عاصم، عاصم بن عمر بن خطاب کی صاحبزادی تھیں۔ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور دولت و حکومت کی آغوش میں پلے۔ بچپن ہی سے علم و تقویٰ کی طرف میلان تھا۔ تھوڑی ہی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ باپ نے طبیعت کا میلان دیکھ کر مدینہ منورہ کے مشہور محدث صالح بن کیسان کی خدمت میں تحصیلِ علم کے لئے بھیج دیا۔

زمانۂ طالب علمی میں ایک دن ان کی نماز باجماعت فوت ہوگئی۔ اُستاد نے جواب طلب کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا "انا میرے بال سنوار رہی تھی"

صالح نے عبدالعزیز کو جو اس زمانے میں مصر کے والی تھے واقعہ کی اطلاع دی اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ عبدالعزیز نے فوراً ایک قاصد کو مصر سے روانہ کیا جس نے عمر بن عبدالعزیز سے کسی قسم کی گفتگو کے بغیر اُن کے بال مونڈ دیئے[1]

عبدالعزیز ایک مرتبہ حج کے لئے آئے تو مدینہ منورہ میں بھی حاضری دی۔ صالح ابن کیسان سے پوچھا کہئے بچہ کا کیا حال ہے؟ صالح نے جواب دیا میں نے عمر سے زیادہ کسی بچہ کے دل کو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے لبریز نہیں پایا۔

صالح بن کیسان کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دوسرے صلحاءِ مدینہ سے بھی استفادہ کیا۔ حضرت انس بن مالک، سائب بن یزید، یوسف بن عبداللہ بن سلام، عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابۂ کرام و تابعین عظام

کے حلقہائے درس میں شریک ہوئے۔ فطری صلاحیت اور اکابر اُمت کی صحبت کا یہ نتیجہ ہوا کہ امام احمدؒ بن حنبل کا قول ہے :-

"میں تابعین میں سے بجز عمر بن عبدالعزیز کے کسی کے قول کو حجت نہیں سمجھتا "

طالب علمی ہی کے زمانے میں آپ کی ہمت بلند اور ارادے نیک تھے حکومتِ امویہ کو آپ خلافتِ راشدہ کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے تھے۔ داؤد بن ابی ہند کہتے ہیں کہ ایک دن عمر بن عبدالعزیزؒ مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوئے تو کسی نے کہا۔

"آپ کو دیکھو! آپ مدینہ میں کتاب وسنّت کی تعلیم حاصل کرنے آئے ہیں اور اور یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ سُنّتِ فاروقی کی پیروی کریں چہ خوش !"

داؤد کہتے ہیں خدا کی قسم! اس نوجوان نے جو ارادہ کیا تھا وہ پورا کر کے دکھایا۔

جوان ہوئے تو عبدالملک بن مروان کی بیٹی فاطمہ سے شادی ہوئی اور بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہوئے۔ تاہم مسندِ حکومت پر فائز ہو کر بھی دولتِ دینی ہاتھ سے نہ دیا۔ ولید نے جب انہیں مدینہ منورہ کی گورنری پر مامور کیا تو اس سے شرط ٹھہرالی کہ وہ "دوسرے حکام کی طرح ظلم نہ کریں گے "

بیعتِ خلافت

۱۰ ر صفر ۹۹ھ کو سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا۔ سلیمان اگرچہ رجاء بن حیوۃ کے ذریعہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بیعت لے چکا تھا۔ لیکن رجاء کو یقین تھا کہ بنی اُمیّہ آسانی سے عمرؒ کی خلافت کو منعقد نہ ہونے دیں گے۔ اس لئے سلیمان کے انتقال کی خبر کو رجاء نے مخفی رکھا۔ اور مرج وابق کی جامع مسجد میں خاندانِ حکومت کو جمع کر کے دوبارہ سلیمان کے نامزد کردہ شخص کی بیعت لی۔ جب سب نے دوبارہ بیعت کر لی تو رجاء نے آگے بڑھ کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بازوؤں کو پکڑا اور اُنہیں منبر کی طرف بڑھایا۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا اعلان ہوا تو اِنّا للہ کی دو صدائیں

بیک وقت مسجد میں گونجیں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس لئے اِنّا للّٰہ پڑھی کہ خلافت کا بارِ گراں اُن کے کندھوں پر آپڑا تھا اور ہشام بن عبدالملک نے اس لئے کہ وہ متوقع تختِ حکومت سے محروم رہا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ آخر بادلِ نخواستہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حسبِ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:۔

"برادرانِ ملت! نفسِ انسانی کی کمزوریوں سے میں بھی خالی نہیں ہوں میں بھی اپنے پہلو میں ایک حریص دل رکھتا ہوں۔ اس کا خاصہ یہ ہے کہ جب وہ کسی ایک مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے تو اس سے بالاتر مرتبے کے حصول کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ تختِ خلافت کے حصول کے بعد اب وہ اس سے بلند مرتبہ چیز کی فکر میں ہے اور وہ منزل جنت ہے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ ازراہِ کرم اس خواہش کی تکمیل میں میری مدد کریں۔"

مسجد سے باہر نکلے تو شاہی سواری آپ کے لئے پیش کی گئی اور بصورت جلوس آپ کو بیعتِ خلافت تک لے جانے کا ارادہ کیا گیا اور گھوڑوں اور خچروں کی قطاروں پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ارکانِ حکومت نے جواب دیا "شاہی سواری" آپ نے فرمایا جی نہیں۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میرا گھوڑا ہی میرے لئے زیادہ موزوں ہے۔

آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلے تو اپنے خیمہ کا راستہ لیا۔ ارکانِ حکومت نے عرض کی حضرت منزلِ خلافت (شاہی کیمپ) میں تشریف لے چلئے۔ آپ نے فرمایا "نہیں وہاں سُلیمان کے اہل وعیال ہیں انہیں تکلیف ہوگی۔ مجھے میرا خیمہ کافی ہے۔" [۱]

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۶ و البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۸۴

بیعت سے فراغت کے بعد گھر میں تشریف لائے تو بے حد مغموم تھے۔ غلام نے پوچھا۔ حضرت آپ اس قدر متفکر کیوں ہیں ؟ آپ نے جواب دیا۔ میرا فکر بے جا نہیں۔ مشرق و مغرب میں اُمتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کے حقوق کی ادائیگی میرے ذمہ نہ ہو خواہ وہ طلب کرے یا نہ کرے۔

پھر بیوی (فاطمہ بنت عبدالملک) سے کہا۔ میرے طرزِ زندگی کے ساتھ اگر تم نباہ دیکھو تو میرے ساتھ رہو۔ ورنہ تمہیں اختیار ہے کہ اپنے میکے چلی جاؤ۔ نیک نفس بیوی یہ سُن کر رونے لگیں۔ پھر بولیں میں تمہاری شریکِ زندگی ہوں۔

اصلاحات

حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے نیک ارادوں کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ اب ان کے پورا کرنے کا وقت آگیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ مختلف صوبہ جات کے امراء کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرما کر انہیں اپنے عزائم سے آگاہ کیا۔

"اما بعد سلیمان اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا جسے اُس نے نعمتِ خلافت سے بہرہ اندوز کیا تھا۔ اب اس کا انتقال ہوگیا اور میں اس کا قائم مقام بنایا گیا ہوں۔ خدا نے جو ذمہ داری مجھ پر عائد کی ہے وہ بہت سخت ہے۔ اگر بیویاں جمع کرنا اور دولت سمیٹنا مجھے منظور ہوتا تو مجھ سے زیادہ کسی کے لئے اس کے وسائل مہیّا نہ تھے۔ لیکن میرا تو حال یہ ہے کہ میں خلافت کی ذمہ داری کے سلسلے میں سخت محاسبہ سے لرزاں ہوں۔ البتہ اگر اللہ نے رحم و درگزر سے کام لیا تو اُمید ہے کہ چھٹکارا ہو جائے"

اس کے علاوہ مختلف صوبجات کے امراء کو وہاں کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر مخصوص احکام بھیجے۔ سلیمان بن ابی السری کے نام یہ حکم بھیجا۔

"تم مسافر خانے بنواؤ۔ جو مسلمان ادھر سے گزرے اُسے ایک دن اور ایک رات وہاں ٹھہراؤ۔ اس کی ضیافت اور اس کی سواری کے چارہ

کا انتظام مفت کرو۔ جو مسافر مریض ہو اُس کے لئے دو دن اور دو رات یہ انتظام ہو اور جو شخص پردیسی ہو اور اپنے وطن جانا چاہے اُسے حکومت کے خرچ پر گھر پہنچانے کا انتظام کرو ۔"

عبدالحمید کے نام یہ حکم بھیجا ۔

"گذشتہ زمانہ میں اہلِ کوفہ کو عمالِ سوء کے ہاتھوں سخت مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اُن کے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کیا گیا ہے۔ دیکھو دین کی بُنیاد عدل و احسان پر ہے تمہیں سب سے زیادہ اپنے نفس (کے محاسبہ) کا خیال رکھنا چاہیئے۔ تم اُسے گناہوں کے تھوڑے بوجھ سے بھی گراں بار نہ کرو۔ خراج کے معاملہ میں پوری احتیاط برتو۔ غیر آباد زمین سے آباد کے خراج کا مطالبہ نہ کرو۔ اس سے اسی قدر وصول کرو جو اُس کے لئے مناسب ہو۔ البتہ اُسے آباد کرنے کی فکر کرو۔ آباد زمین سے خراج وصول کرو اور اس میں بھی نرمی اور حسن تقاضا ملحوظ رہے۔ رعایا سے ٹکسال کے مصارف، نوروز اور مہرجان تہواروں کے ہدیے، قرآن کریم کی قیمت، پانی مہیا کرنے کا ٹیکس، مکانات کا کرایہ اور نکاحانہ وصول نہ کیا جائے۔ کوئی شخص کسی مُلک کا بھی اگر مُسلمان ہو جائے تو اس سے جزیہ ہرگز نہ وصول کیا جائے ۔"

امراء سے باز پُرس آپ نے صرف احکام کے اجراء ہی پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ امراء و ولاۃ کی کمزوریوں اور غلط کاریوں پر سختی سے احتساب کیا۔

یزید بن مہلب کے ذمہ بیت المال کے ایک گراں قدر مطالبہ تھا آپ نے یزید کو دارالخلافت میں طلب کر کے اس سے اس کی ادائیگی کا تقاضا کیا۔ یزید نے جواب میں کسی مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جب یزید کو سلیمان کے زمانہ کی اس کی وہ تحریر دکھلائی گئی جس میں اُس نے ان رقوم کا اقرار کیا تھا تو

اُس نے کہا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ میرا اور سلیمان کا معاملہ واحد تھا۔ میں نے اپنے مخالفین کو مرعوب کرنے کے لئے اُسے لکھ دیا تھا ورنہ حقیقت میں میرے ذمہ کچھ نہیں ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کے اس جواب کو قبول نہ کیا اور اُسے قید کر دیا۔ یزید کے بیٹے مخلد کو باپ کا حال معلوم ہُوا تو دربارِ خلافت میں حاضر ہُوا اور کہا۔

"یا امیرالمؤمنین! اللہ نے اس اُمت پر آپ کو خلیفہ بنا کر بڑا احسان فرمایا ہے۔ پھر ہم ہی آپ کے لُطف وکرم سے کیوں محروم رہیں؟ مناسب ہے کہ گھٹا بڑھا کر معاملہ طے کر لیا جائے۔"

حضرت عمرؒ نے فرمایا۔

"جب تک ایک ایک کوڑی وصول نہ کر لوں گا تمہارے والد کو نہ چھوڑونگا یہ معاملہ حقوقِ مسلمین کا ہے۔"

یزید بن مہلب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے آخر عہد تک مقید رہا۔ لیکن جب اُس نے سُنا کہ اُن کا وقتِ آخر ہے اور زمامِ خلافت یزید بن عبدالملک کے ہاتھ میں آنے والی ہے جس سے خاندانِ حجاج سے بدسلوکی کی وجہ سے اس کی مخالفت ہے تو وہ قیدخانہ سے فرار ہو کر بصرہ کی طرف چلا گیا۔ اُس نے حضرت عمرؒ کو خط میں لکھا۔

"خدا کی قسم! اگر مجھے آپ کی زندگی کا یقین ہوتا تو میں کبھی حکم عدولی نہ کرتا۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کے بعد یزید خلیفہ ہوگا اور وہ میری تِکہ بوٹی کر ڈالے گا۔"

جراح بن عبداللہ حاکمِ خراسان کے متعلق آپ کے پاس شکایت پہنچی کہ وہ نومسلموں سے بھی جزیہ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لوگ جزیہ کی ادائیگی سے بچنے

کے لیئے مسلمان ہوتے ہیں نجاتِ اُخروی کی خاطر نہیں۔ آپ نے اُسے لکھا۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ مبین کا داعی بنا کر بھیجا گیا تھا، ٹیکس وصول کرنے والا بنا کر نہیں۔ جو شخص نماز ادا کرے تمہیں اس سے جزیہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں۔"

جراح نے اس حکم کی تعمیل شروع کر دی تو لوگ گروہ در گروہ مسلمان ہونے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر بعض حاشیہ نشینوں نے پھر جراح کو بہکایا کہ ان لوگوں کی ختنہ کرا کر ان کے اخلاص کا امتحان کرنا چاہیئے۔ جراح نے حضرت عمرؓ سے رائے طلب کی۔ آپ نے جواب لکھا۔

"اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو داعیٔ اسلام بنا کر بھیجا تھا ختنہ کرنے والا بنا کر نہیں۔"

آخر کار حضرت عمرؒ نے جراح کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا۔[۱]

یہی نہیں بلکہ اپنے عہد سے پہلے کے عمال و امراء کے متعلق شکایات کا بھی آپ نے منصفانہ تدارک کیا اور جن لوگوں کے حقوق ظالمانہ طور پر چھین لئے گئے تھے ان کو واپس دلائے۔ اس میں مسلم و ذمی کی کوئی تفریق نہ تھی۔

اہلِ سمرقند نے آپ کے پاس ایک وفد بھیج کر شکایت کی۔ قتیبہ بن مسلم نے سمرقند پر نامنصفانہ طور پر قبضہ کر لیا تھا لہٰذا ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سلیمان بن ابی السری کو لکھا کہ اہلِ سمرقند قتیبہ بن مسلم کے قبضہ کو نامنصفانہ بتاتے ہیں۔ تم اس معاملہ کی تحقیق کے لئے ایک قاضی مقرر کرو جو شہادتوں پر غور کر کے ایمانداری کے ساتھ مقابلہ کا فیصلہ کرے۔ اگر فیصلہ اہلِ سمرقند کے حق میں ہو تو مسلمانوں کو شہر چھوڑ کر اپنی قدیم لشکر گاہ میں لوٹ آنا چاہیئے تاآنکہ نئے سرے سے معاملہ طے ہو۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۸۸ و ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۹ ملخصاً۔

سلیمان نے حکم کی تعمیل کی اور جمیع بن حاضر قاضی کو معاملہ کے تصفیہ کے لئے مقرر کیا۔ قاضی صاحب نے فیصلہ کیا کہ اہلِ سمرقند کی شکایت بجا ہے۔ لہٰذا مسلمان سمرقند پر سے قبضہ اٹھالیں اور باہر اپنی قدیم چھاؤنی میں چلے آئیں اور نئے سرے سے بزور شمشیر فتح حاصل کریں یا نیا صلح نامہ مرتب ہو۔

اہلِ سمرقند مسلمانوں کی اس انصاف پسندی سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم موجودہ صورتِ حال پر خوش ہیں۔ ہم ایسی عدل پرور قوم سے جھگڑا مول لینا پسند نہیں کرتے۔

فدک سے دستبرداری "فدک" خیبر کا ایک گاؤں تھا۔ فتح خیبر کے بعد جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "خالصہ" قرار دے لیا تھا۔ اس کی آمدنی کو آپ اہلِ بیت اور بنی ہاشم کی ضروریات میں صرف فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے باپ کا ورثہ ہونے کی حیثیت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس کا مطالبہ کیا۔ آپ نے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

"انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی"

البتہ میں اسے انہی مصارف میں صرف کرتا رہوں گا جن میں رسول اللہ صرف فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ فدک کی آمدنی انہی مصارف میں صرف ہوتی رہی حتیٰ کہ مروان بن حکم نے اسے غاصبانہ طور پر اپنے خاندان کے لئے مخصوص کر لیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک وہ بنی مروان کی جاگیر رہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے زمام حکومت ہاتھ میں لی تو آپ نے بنی مروان کو جمع کر کے فدک کی صحیح حیثیت واضح کی۔ پھر

فرمایا کہ میں اسے بنی ہاشم کی تحویل میں تو نہیں دے سکتا۔ کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہد میں خود ایسا نہیں کیا۔ لیکن میں اُسے انہی مصارف کے لئے مخصوص کرتا ہوں جن میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں صرف ہوتا رہا[۱]

جاگیروں کی واپسی آپ نے اپنے مولیٰ (غلام) مزاحم سے کہا مجھے سابقہ خلفاء نے کچھ جاگیریں دی ہیں لیکن نہ دینے والوں کو ان کے دینے کا حق تھا اور نہ لینے والے کو اُن کے لینے کا۔ میں اُن کو اُن کے حق داروں کو واپس کرنا چاہتا ہوں۔ مزاحم نے کہا اور اولاد کے لئے کیا بندوبست کیا ہے؟ اس پر آپ کے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا۔

"میں انہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں"

مزاحم نے اپنی خیر خواہی کے اظہار کے لئے صاحبزادہ (عمر) سے اس گفتگو کا ذکر کیا اور کہا میں نے انہیں اس کام سے روک دیا ہے۔ صاحبزادے نے جو باپ کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے مزاحم سے کہا۔

"تم خلیفہ کے اچھے وزیر نہیں"

پھر باپ کے پاس پہنچے اور کہا مزاحم سے مجھے آپ کے اس ارادے کا علم ہوا ہے۔ پھر اسے پورا کرنے میں کیا تامل ہے؟

حضرت عمرؒ نے جواب دیا۔ شام کو یہ کام ہو جائے گا۔ صاحبزادہ نے کہا۔

"جلدی کیجئے آپ کو کیا خبر کہ شام تک آپ زندہ رہتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر زندگی رہی تو آپ اس نیک ارادہ پر قائم رہتے ہیں یا نہیں؟"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہونہار بیٹے کی اس نصیحت کو سن کر بہت خوش ہوئے

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۵۶ بحوالہ ابوداؤد، والتاج الجامع جلد ۴ صفحہ ۳۸۹ بحوالہ ترمذی۔

[۲] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۴

فوراً اس پر عمل کیا اور پھر فرمایا "اے اللہ! تیرا شکر ہے تُو نے مجھے ایسی اولاد دی جو دینی کاموں میں میری مددگار ہے۔"[1]

سبِ علیؓ کا انسداد

لیکن اصلاحات کے سلسلہ میں سب سے بڑی اصلاح جو اُن کے نامۂ اعمال میں سنہری حروف سے ثبت ہے حضرت علیؓ کی شان میں بدگوئی کا انسداد ہے۔ عرصہ سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ خلفاء بنی اُمیہ اور اُن کے عمال خطبوں میں حضرت علیؓ پر لعن وطعن کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے والد بزرگوار عبدالعزیز بھی مصر کے والی کی حیثیت سے اس تکلیف دہ فرض منصبی کو ادا کرنے پر مجبور تھے۔ لیکن چونکہ دل زبان کا ہمنوا نہ تھا اس لئے اس موقع پر آپ کی آواز سٹ پٹا جاتی تھی۔ بیٹے نے باپ کی اس کمزوری کو بھانپ لیا اور ان سے اس کی وجہ پُوچھی۔ امیر عبدالعزیزؒ نے کہا۔

"بیٹا جو لوگ ہمارے ساتھی ہیں اگر اُنہیں علیؓ کے فضائل معلوم ہو جائیں تو کوئی ہمارے ساتھ نہ رہے اور سب ان کی اولاد کے حامی بن جائیں۔"

پھر مدینہ منورہ کے دورانِ قیام میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے جن کا حضرت عمر بن عبدالعزیز بڑا احترام کرتے تھے انہیں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر و اصحاب بیعتِ رضوان سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا ہے۔ پھر کیا حضرت علیؓ ان میں شامل نہیں؟ اگر شامل ہیں اور یقیناً شامل ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مقابلہ میں تمہاری ناراضی کے کیا معنی؟

یہ بات حضرت عمرؒ کے دل میں گھر کر گئی۔ انہوں نے فرمایا میں اس ناروا حرکت سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر جب آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے عمال کے نام حکم جاری فرمایا کہ خطبوں میں سے حضرت علیؓ پر لعن وطعن کو خارج کر دیا جائے اور اس کی بجائے یہ آیۃ کریمہ پڑھی جائے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ۲۲ ۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

حوادث خارجیہ و داخلیہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی توجہ حکومت کو وسیع کرنے کی طرف نہ تھی۔ آپ کی توجہ اس طرف تھی کہ اس کی داخلی کمزوریوں کو دور کیا جائے اور اُسے امن وامان اور عدل و انصاف سے معمور کر دیا جائے۔ اس لئے آپ کے زمانے میں قابلِ ذکر فتوحات نہیں ہوئیں۔

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ سلیمان بن عبدالملک نے قسطنطنیہ کی فتح کے لئے جو عظیم الشان لشکر بھیجا تھا موسم کی ناسازگاری اور دشمن کی عیاری کے سبب وہ سخت مشکلات میں مبتلا تھا۔ حضرت عمرؒ نے کثیر تعداد میں سامانِ خورد و نوش و حمل و نقل بھیج کر اُسے واپس بلا لیا۔

۹۹ھ میں ترکوں نے آذربائیجان پر حملہ کیا اور بہت سے مسلمانوں کو بے گناہ قتل کر دیا۔ آپ نے حاتم بن نعمان باہلی کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ حاتم نے اُن میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور جو بچے اُنہیں گرفتار کر کے دارالخلافہ کو روانہ کر دیا۔

۱۰۰ھ میں آپ نے طرندہ کی اسلامی نو آبادی کو ملطیہ منتقل ہونے کا حکم دیا۔ طرندہ ملطیہ سے تین مراحل پر بلادِ روم میں واقع تھا۔ ۸۳ھ میں عبداللہ بن عبدالملک نے اسے فتح کیا اور وہاں مسلمانوں کی نو آبادی بسادی۔ جزیرہ سے ایک فوج مسلمانوں کی حفاظت کے لئے وہاں آئی تھی لیکن برف باری کے زمانہ میں لوٹ جاتی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس انتظام کو ناکافی سمجھ کر مسلمانوں کو طرندہ کی بجائے ملطیہ میں آباد ہونے کا حکم دے دیا اور طرندہ کو اُجاڑ دیا۔

اسی سال خارجیوں کے فتنہ پرداز گروہ نے سر اُٹھایا اور عراق میں شورش

برپا کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے والیٔ کوفہ عبدالحمید کو حکم دیا کہ خارجیوں کو نرمی اور مہربانی کے ساتھ حق کو قبول کرنے اور فساد سے باز آنے پر آمادہ کیا جائے لیکن خارجی نہ مانے اور فساد پر اڑے رہے۔ مجبوراً عبدالحمید نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسلمہ بن عبدالملک کو جو جزیرہ میں متعین تھے عراق جا کر اس فتنہ کو دبانے کا حکم دیا۔ مسلمہ نے حکم کی تعمیل کی اور خوارج کو شکست فاش دی۔

اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خوارج کے سردار بسطام کو لکھا:۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میرے مقابلہ میں کیوں صف آراء ہوتے ہو۔ اگر حمیت دینی تمہیں مجبور کرتی ہے تو اس جذبہ میں میں تم سے کم نہیں ہوں۔ زبانی گفتگو کر کے کیوں نہ فیصلہ کر لیا جائے کہ حق و صداقت کس کے ساتھ ہے"

بسطام نے اپنے دو نمائندوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت عمرؒ نے ان کے ہر سوال کا کافی و شافی جواب دیا اور ان کے عقائد کا فساد اُن پر ظاہر کر کے مطمئن کر دیا۔ البتہ جب بسطام کے نمائندوں نے آپ سے پوچھا کہ اپنے بعد یزید بن عبدالملک کی ولی عہدی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا۔ "میں نے اُسے ولی عہد نہیں بنایا ہے"

بسطام کے نمائندوں نے کہا "اگر آپ اُسے اُمتِ محمدیہ کی امانت کا اہل نہیں سمجھتے تو اس کا اعلان کیوں نہیں فرما دیتے"

حضرت عمرؒ اس مطالبہ کو سن کر خاموش ہو گئے اور تین دن کی مُہلت مانگی۔ کہا جاتا ہے کہ بنی اُمیہ کو خوف ہُوا کہ کہیں وہ حکومت سے اُن کے خاندان کو محروم نہ کر دیں۔ اُنہوں نے آپ کو کھانے میں زہر دے دیا اور تین دن

گزرنے سے پہلے ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔[1]

وفات ۲۵ رجب ۱۰۱ھ کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، ایک روایت کے مطابق مرض طبعی سے اور دوسری روایت کے مطابق زہر کے اثر سے دیر سمعان میں راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔

تکلیف زیادہ ہوئی تو کسی نے کہا حضرت کوئی دوا کر لیجئے۔ آپ نے جواب دیا۔ بھائی اگر مجھے یقین ہو کہ صرف اپنے کان کو چھو کر میں تندرست ہو سکتا ہوں تو اتنا بھی نہ کروں۔ اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت سے زیادہ مجھے کیا چیز عزیز ہو سکتی ہے؟

آپ کی عمر ۳۹ یا ۴۰ سال ہوئی۔ دو سال پانچ مہینے چودہ دن مسندِ خلافت پر متمکن رہے۔

سیرت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

حکومت و سلطنت، علم و فضل، زہد و قناعت، اور عبادت و ریاضت کے حیرت ناک مناظر اگر آپ کو پہلو بہ پہلو دیکھنے ہوں تو سیرت عمر بن عبد العزیزؒ کا مطالعہ کیجئے۔

آپ نے دولت و ثروت کی آغوش میں آنکھ کھولی، تعیش و تنعم کے گہوارہ میں پلے بڑھے۔ مگر آپ نے اپنے سینہ کو علومِ نبوت کا گنجینہ بنایا اور اپنے دامنِ دل کو دولتِ آخرت سے پُر کرنا پسند کیا۔

ہو سکتا تھا کہ آپ ابوذر غفاریؓ کی طرح دنیا کو تین طلاقیں دے دیتے یا پھر ابراہیم بن ادہم کی طرح مسندِ حکومت کو ٹھکرا دیتے۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو تاریخ اسلام اس صفحۂ زرین سے خالی ہوتی جو یورپ، افریقہ اور ایشیا تین براعظموں پر پھیلی

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صد ۱۸۷

ہوئی ایک مہذب و متمدن حکومت کے فرمانروا کو "خلیفہ راشد" کی صورت میں پیش کرتا ہے اور بتایا ہے کہ حکومت کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے۔

آپ کو حکومت غیر متوقع طور پر نہیں ملی۔ آپ نے اس کے لئے شروع ہی سے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دیا تھا اور سُنتِ نبوی اور سُنتِ خلفائے راشدین کی روشنی میں حکومتِ اسلامیہ کے رُخِ زیبا کو قیصریت و کسرائیت کے دھبوں سے پاک و صاف کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

جب آپ کچھ بڑے ہوئے تو آپ کے والد امیر عبدالعزیز نے آپ کو دمشق سے مصر اپنے دارالامارت لے جانا چاہا مگر آپ نے فرمایا۔

"اے باپ! کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ مجھے مصر کی بجائے مدینہ منورہ حاضر ہونے کی اجازت دی جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہاں رہ کر علماء و فقہاء کی صحبت سے استفادہ کروں"۔ باپ نے اجازت دے دی۔

ذہانت و فطانت، شوق و محنت اور ریاست کی اعانت نے مل کر آپ کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اگر آپ کے لئے تختِ حکومت مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو آپ مسندِ علم و فضل کے صدر نشین ہوتے۔

ابو نصر مدینی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن سلیمان بن لیسار کو عمر بن عبدالعزیز کی قیام گاہ سے نکلتے دیکھا تو اُن سے پوچھا۔ کیا آپ انہیں پڑھاتے ہیں؟ سلیمان نے جواب دیا ہاں! لیکن خدا کی قسم وہ تم سب سے زیادہ جانتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں

"ہم عمر بن عبدالعزیزؒ کو پڑھانے آئے مگر اُن سے پڑھ کر اُٹھے"۔

میمون بن مہران کا قول ہے۔

"عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے علمائے وقت کی حیثیت شاگردوں کی سی ہے"۔

لیث کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے حلقہ ہائے درس میں بیٹھ چکا ہے کہ "ہم نے جس مسئلہ کی بھی تحقیق کی عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس کے اصول و فروع پر سب سے زیادہ حاوی پایا۔

علم وفضل کی اس دولتِ بے پایاں کو آپ کس مقصد کے لئے جمع کر رہے تھے؟ داؤد بن ابی ہند کی سابق الذکر روایت سے تصریح ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ سنتِ فاروقی کو زندہ کیا جائے اور خلافتِ راشدہ کے ٹوٹے ہوئے نظام کی دوبارہ شیرازہ بندی ہو۔

خلافتِ راشدہ کا سنگِ بنیاد "شوریٰ" ہے۔ یعنی احکامِ اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری جس شخص سے متعلق ہو وہ جمہور کی رائے سے منتخب ہوا ہو۔ نصف صدی سے زیادہ مدت گزر گئی تھی کہ یہ بنیاد متزلزل ہو چکی تھی۔ ہر خلیفہ اپنے بعد حکومت کے لئے ایک یا ایک سے زیادہ ولی عہد مقرر کر جاتا تھا۔ خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تقرر بھی اسی طرح ہوا تھا۔

آپ نے سب سے پہلے اس بنیاد کو درست کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اعلان کیا۔

"لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے کے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریاں سپرد کر دی گئی ہیں۔ میری اطاعت کا جو طوق جبر یہ تمہاری گردنوں میں ڈالا گیا ہے میں اسے خود اتارے دیتا ہوں تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔"

آپ کی اس تقریر پر ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں۔

"ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے ہم آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے خطبۂ خلافت میں اپنے نظامِ عمل کی وضاحت کی۔ اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

قول بغیر عمل کے دلوں میں گھر نہیں کرتا اس لئے آپ نے اصلاحِ امت کے لئے اپنی ذات کو ایک نمونہ کے طور پر پیش کیا۔ اپنی چہیتی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک کا جو بقول ایک شاعر کے ایک شہنشاہ کی بیٹی کئی شہنشاہوں کی بہن اور ایک شہنشاہ کی بیوی تھی، ایک ایک چھلا اتروا کر بیت المال میں داخل کرا دیا۔

فاطمہ کو اُن کے باپ عبدالملک نے ایک بیش قیمت ہیرا دیا تھا جو اُنہیں بہت عزیز تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ نے اُسے بھی نہ چھوڑا اور صاف کہہ دیا۔ یا ہیرا بیت المال میں داخل کر دو یا مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

عنان حکومت ہاتھ میں لینے سے پہلے ترفہ و تنعم میں کسی سے کم نہ تھے۔ جب مدینہ منورہ کی ولایت پر تقرر ہوا تو تیس اُونٹوں پر آپ کا ذاتی سامان بار تھا بہتر سے بہتر قمیص پیش کی جاتی مگر فرماتے کہ اچھی ہے لیکن کھردری ہے۔ مگر جب خلیفہ کی حیثیت سے ملت کے سامنے آئے تو طرزِ زندگی ہی بدل گیا کملی کی قمیص زیب بدن ہوتی تھی، پھٹی جاتی تھی اور اس پر تھیگیاں لگتی جاتی تھیں۔

مرض الموت میں جب قمیص بہت میلی ہو گئی تو مسلمہ بن عبدالملک نے بہن (فاطمہ) سے کہا۔ لوگ عیادت کو آتے ہیں دوسری صاف قمیص بدلوا دو۔ بہن خاموش ہو رہیں۔ جب دوبارہ بھائی نے کہا تو بولیں۔

"دوسری قمیص ہی نہیں ہے بدلواؤں کہاں سے؟"

مسور کی دال کھانے کے لئے تجویز کی تھی کہ اس سے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور آنسوؤں کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے۔ تین بانس کی کھپچیاں اور اُن پر ایک مٹی کا ٹھیکرا، یہ آپ کا شمعدان تھا۔

آپ کی یہی سادگی تھی جس کی بنا پر ابوسلیمان درّانی نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز، اویس قرنی خیر التابعین سے بھی زہد سے آگے ہیں اور وجہ یہ بتائی کہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس دُنیا پوری آن بان کے ساتھ آئی اور اُنھوں نے اُسے ٹھکرا یا مگر اویس قرنی کو دُنیا سے سابقہ ہی نہیں پڑا۔

اسی طرح مالک بن دینار سے منقول ہے آپ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں مالک زاہد ہے۔ مالک کا زہد کیا؟ زاہد عمر بن عبدالعزیز ہیں کہ دُنیا منہ کھولے ہوئے اُن کے سامنے آئی اور اُنھوں نے اُس سے منہ موڑ لیا۔

خشوع و خضوع اور رقت قلب کا یہ حال تھا کہ جب موت کا ذکر آتا تو آپ

کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھ دی:۔

وَإِذَآ أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ ۔ ترجمہ:۔

"اور جب وہ ڈال دیئے جائیںگے اس میں کسی تنگ جگہ ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے۔"

آپ اس قدر روئے کہ گھگھی بندھ گئی۔ آخر مجلس سے اٹھ کر گھر چلے گئے۔

آپ کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ عشاء کی نماز پڑھ کر مصلّے پر بیٹھ جاتے اور روتے رہتے یہاں تک کہ آنکھ جھپک جاتی۔ جب آنکھ کھلتی تو پھر رونے لگتے اور یہی سلسلہ صبح تک رہتا۔ کثرتِ گریہ سے بعض اوقات آپ کے آنسوؤں میں سُرخی جھلکنے لگی۔ عبادت کے لئے ایک حجرہ مخصوص تھا وہاں ایک موٹی کملی اور ایک لوہے کا طوق رکھا تھا۔ جب اس میں داخل ہوتے کملی پہن لیتے اور طوق گردن میں ڈال لیتے۔ جب صبح کو عبادت سے فارغ ہو کر نکلتے تو حجرہ کو تالہ لگا دیتے۔ وصال کے بعد یزید نے اُسے اس خیال سے کھولا کہ شاید کچھ خزانہ محفوظ کیا ہو۔ مگر دیکھا تو ایک موٹی کملی اور طوق کے سوا کچھ نہ تھا۔

اپنے بعد اپنے خاندان کی طرف توجہ کی۔ بنی اُمیہ نے بہت سی املاک ناحق دبا رکھی تھیں، ان سے چھین کر ان کے حق داروں کو واپس کیں۔ پھر عام منادی کرا دی کہ کسی کا حق کسی نے دبا رکھا ہو تو وہ مطالبہ پیش کرے۔ ایک ذمی نے عباس بن ولید کے خلاف دعویٰ کیا کہ اس نے میری زمین غصب کر لی ہے۔ شہزادہ عباس برابر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس سے جواب طلب کیا۔ شہزادہ نے کہا۔ امیر المؤمنین ولید نے مجھے اس کے متعلق فرمان لکھ دیا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ اللہ کا فرمان ولید کے فرمان سے زیادہ ماننے کے قابل ہے اور حکم دیا کہ ذمی کی زمین واپس کر دی جائے۔

شاہی خاندان کے ارکان اس سلوک کے عادی کب تھے۔ مروان کی بیٹی فاطمہ زندہ تھی اور خاندان کی بڑی بوڑھی سمجھی جاتی تھی۔ سب خلفاء اس کا احترام کرتے آئے تھے۔ بنو مروان جمع ہو کر اس کے پاس گئے اور اپنی سفارش کے

لئے حضرت عمرؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت نے اُسے تعظیم کے ساتھ اپنے برابر جگہ دی۔ فاطمہ نے ناراض ہو کر کہا۔

"اے عمرؒ! شاہی خاندان کے ارکان تمہاری حکومت کے زمانہ میں ذلیل ہو رہے ہیں۔ اُن کے املاک چھین چھین کر دوسروں کو دیئے جا رہے ہیں اُنہیں بُرا بھلا کہا جا رہا ہے اور تم کچھ نہیں کرتے۔"

حضرت عمرؒ نے جواب دیا۔

"اے پھوپھی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے دُنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ آپ نے ایک ایسا چشمہ چھوڑا جس سے سب کو سیراب ہونے کا حق حاصل تھا۔ پھر ابوبکرؓ نے بھی اس چشمہ کو اسی حال میں چھوڑا اور عمرؓ نے بھی۔ لیکن بعد میں یزید، مروان، عبدالملک اور اس کے بیٹوں نے اپنے آپ کو اس سے سیراب کیا اور دوسروں کو اس سے محروم کر دیا۔ مَیں اسے اس کی اصلی حالت پر لانا چاہتا ہوں۔"

فاطمہ بنت مروان نے کہا۔ مَیں تمہارا مطلب سمجھ گئی۔ اگر تمہارا ارادہ بزرگانِ سلف کی تقلید کا ہے تو مَیں تمہیں منع نہیں کر سکتی۔ پھر واپس آکر اپنے اہلِ خاندان سے کہا:-

"یہ تو سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ نہ عمر فاروقؓ کے گھر کی بیٹی بیاہ کر لاتے نہ اُس کی اولاد میں فاروقی رنگ آتا۔"

امراء و حکام بادشاہ کے دست و بازو ہوتے ہیں۔ امراء کے صحیح انتخابات اور اُن کی مکمل نگرانی کے بغیر کوئی بادشاہ ملک میں عادلانہ نظام قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ولات و حکام کے نام بکثرت فرمان جاری کئے۔ ان فرمانوں میں عدل و انصاف کے قیام، اخلاق کی اصلاح تعلیم کی اشاعت، ذِمیوں اور نو مسلموں کے حقوق کی حفاظت، اسلام کی تبلیغ اور رفاہِ عام کے کاموں کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی اور جہاں سختی کی ضرورت سمجھی

گئی وہاں سختی بھی کی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی دنیا امن و امان کا گہوارہ بن گئی۔ گلشنِ اسلام میں نئے سرے سے بہار آئی اور لوگوں نے پھر ایک مرتبہ عہدِ نبوت کے نظر نواز مناظر اپنی آنکھ سے دیکھے۔ گھر گھر میں دینداری کا چرچا ہوا۔ ہزار ہا ذمی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ راجاہانِ سندھ جو مرتد ہو گئے تھے دوبارہ آغوشِ اسلام میں واپس آئے۔ مگر

؎ حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد سیرِ گل خوش ندیدم و بہار آخر شد

وفات کی خبر سن کر شاہِ روم نے رو کر کہا۔

"اگر عیسیٰ مسیحؑ کے بعد کوئی شخص مُردوں کو زندہ کر سکتا تو وہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہوتے میں اس راہب کو پسند نہیں کرتا جو دنیا سے منقطع ہو کر عبادت خانہ میں جا بیٹھے۔ میں اس راہب پر تعجب کرتا ہوں جو دنیا کو اپنے قدموں کے نیچے رکھتا تھا اور پھر بھی راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔"

امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے جلیل القدر علماءِ اُمت کی رائے ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پہلی صدی ہجری کے مجدد تھے اور امام شافعیؒ و سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ آپ پانچویں خلیفہ راشد تھے [1]



[1] یہ تمام واقعات البدایہ والنہایہ جلد ۹، الکامل لابن اثیر جلد ۵ اور مروج الذہب مسعودی سے ماخوذ ہیں۔

یزید بن عبدالملک

۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ

یزید بن عبدالملک بن مروان ۶۵ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی نامزدگی کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے وصال کے بعد تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ جواں سال تھا اور پہلو میں جوان دل رکھتا تھا۔ بادہ و ساغر اور چنگ و رباب کا شغل جاری کیا اور دو کنیزوں حبابہ و سلامہ کو انیس و جلیس بنایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اصلاحات ختم کر دیں اور دربارِ اموی کا نظامِ قدیم پھر جاری کیا۔

آلِ مہلب کی بغاوت اور اس کا استیصال

پہلے ذکر آچکا ہے کہ یزید بن مہلب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے آخری عہد میں یزید بن عبدالملک کے انتقام کے ڈر سے قید خانہ سے فرار ہو کر بصرہ کی طرف چلا گیا تھا۔ یزید نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی عدی بن ارطاۃ والیٔ بصرہ کو یزید بن مہلب کے فرار کی اطلاع دی اور اس کے خاندان کو نظر بند کرنے کا حکم بھیجا۔ عدی نے یزید بن مہلب کے تین بھائیوں افضل، حبیب اور مروان کو قید کر دیا۔

یزید بن مہلب کا خاندان عراق میں بہت بااثر تھا اس نے بہت جلد ایک لشکرِ گراں جمع کر لیا اور بصرہ پر حملہ آور ہوا۔ عدی بن ارطاۃ نے شکست کھائی اور بصرہ پر یزید بن مہلب کا قبضہ ہو گیا۔ دارالحکومت بصرہ پر قابض ہونے کے بعد یزید نے تمام عراق و خراسان و کرمان میں اپنی فوجیں پھیلا دیں اور اپنی طرف سے حاکم و والی

مقرر کئے۔ یزید بن عبدالملک کی بیعت فسخ کر دی اور مسلمانوں کو کتاب و سنت کے نام پر بنی اُمیّہ کے خلاف لڑنے کی دعوت دی اور کہا۔

"ان سے لڑنا ترک و دیلم سے لڑنے سے بھی زیادہ ثواب کا باعث ہے"

حضرت حسن بصریؒ ابنِ اشعث کے فتنہ کا انجام دیکھ چکے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو اس بے نتیجہ خونریزی سے علیٰحدہ رہنے کی ہدایت کی اور فرمایا۔

"یہی یزید بن مہلب کل اہلِ عراق کی گردنیں کاٹ کاٹ کر بنو مروان کے پاس بھیجتا تھا اور اپنی قوم کو ہلاک کر کے ان کی خوشنودی کا طالب تھا۔ آج جب اُن سے بگڑ گئی تو میدان میں جھنڈا گاڑ کر کھڑا ہو گیا اور اہلِ عراق سے کہنے لگا "میں ان سے لڑ رہا ہوں تم بھی ان سے لڑو۔ میں تمہیں سُنّتِ عمرین کی طرف دعوت دیتا ہوں" حالانکہ سنتِ عمرین تو یہ ہے کہ اسے بیڑیاں پہنا کر جیل میں بند کر دیا جائے"

یزید بن عبدالملک نے اپنے بہادر بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو اسّی ہزار فوج دے کر یزید کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ یزید بن مہلب بھی ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ بصرہ سے نکل کر واسط آیا اور وہاں سے آگے بڑھ کر مسلمہ کے مقابلہ میں صف آراء ہُوا۔ یزید کو اہلِ عراق پر بھروسہ نہ تھا۔ اس نے اس ٹڈی دل فوج پر نظر ڈالی اور کہا کاش اس لشکرِ عظیم کی بجائے میرے ساتھ میرے گنے چنے خراسانی رشتہ دار ہوتے"۔

آخر وہی ہُوا جس کا یزید کو اندیشہ تھا۔ ابھی لڑائی شروع ہی ہوئی تھی کہ یزید کے لشکر میں یہ خبر پھیل گئی کہ دریا کا پُل جسے پار کر کے وہ آئے ہیں اُسے آگ لگا دی گئی ہے۔ اس خبر کے پھیلتے ہی عراقی بھاگ کھڑے ہُوئے۔ یزید نے بہت کچھ روکنے کی کوشش کی مگر کوئی نہ رُکا۔ یزید بن مہلب نے اپنے چند جانثاروں کے ساتھ بہادری کے ساتھ لڑتے ہُوئے جان دی۔ اس کے دو بھائی حبیب بن مہلب اور محمد بن مہلب بھی میدانِ جنگ میں مقتول ہُوئے۔

اس شکست کے بعد یزید کا بھائی مفضل اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ واسط پہنچا۔ واسط میں یزید بن مہلب کا بیٹا معاویہ مقیم تھا۔ مفضل اور معاویہ دونوں نے اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ بصرہ کا قصد کیا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے سامانِ سفر درست کیا اور یزید بن مہلب کی ہدایت کے مطابق قندابیل کے عازم ہوئے۔ کرمان تک کا سفر اس قافلہ نے کشتیوں کے ذریعہ طے کیا۔ وہاں سے خشکی کے راستے (قندابیل) سندھ پہنچا۔

قندابیل کا امیر وداع بن حمید، یزید بن مہلب کا پروردہ تھا۔ آلِ مہلب کو اس سے حسن سلوک کی توقع تھی۔ مگر جب وداع کو معلوم ہوا کہ مسلمہ کی طرف سے ہلال بن احوز تمیمی مفضل کے تعاقب میں چلا آرہا ہے تو اس نے آلِ مہلب کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ قندابیل کے باہر آلِ مہلب کا ہلال بن احوذ کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ خاندانِ مہلب کے تمام مرد مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے قتل ہوئے۔ عورتیں اور بچے گرفتار کرکے دمشق بھیج دیئے گئے۔ البتہ ابوعینیہ بن مہلب اور عثمان بن مفضل بچ کر زنبیل چلے گئے۔

اس طرح اس نامور خاندان کا جس نے اپنے قابلِ فخر کارناموں سے بنی امیہ کی عظمت میں چار چاند لگائے، ستارۂ اقبال غروب ہو گیا۔

جب مسلمہ بن عبدالملک یزید بن مہلب کے فتنہ کا قلع قمع کر چکا تو یزید بن عبدالملک نے اسے عراقین کا والی مقرر کر دیا۔ مسلمہ نے اپنے داماد سعید خذینہ کو حاکمِ خراسان مقرر کیا۔

صغد کی سرزنش

سعید ظالم و عیش پرست آدمی تھا۔ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اہلِ صغد نے خاقان اعظم کے امدادی لشکر سے ایک بہادر سردار کورصول کی رہنمائی میں قصرِ باہلی پر حملہ کر دیا۔ اس قصر میں بہت سے مسلمان آباد تھے جو محصور ہو کر رہ گئے۔ حاکمِ سمرقند عثمان بن عبداللہ نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر عارضی طور پر کورصول سے صلح کر لی اور آس پاس کے اسلامی حکام سے امداد طلب کی۔

ایک مسلمان سردار مسیب بن بشر ریاحی سات سو منتخب جنگجو سپاہیوں کو ساتھ

لے کر قصرِ باہلی کے محصور مسلمانوں کی امداد کے لئے پہنچ گیا۔ یہ وقت تھا کہ مسلمان یہ طے کر چکے تھے کہ اپنے اہل وعیال کو اپنے ہاتھوں ٹھکانے لگا کر ایک ایک کر کے کٹ مریں گے۔ مسیب بن بشر نے اہلِ قصر کو خفیہ طور پر اپنی آمد کی خبر دی اور کہا کہ وہ صبح تک اور صبر سے کام لیں۔

علی الصباح مسیب نے اپنے مٹھی بھر جانبازوں کو لے کر ترک محاصرین پر حملہ کر دیا۔ اندر سے محصور مسلمان بھی شمشیر بکف نکل آئے۔ سخت خونریز جنگ ہوئی جس میں فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے اور ترک بھاگ کھڑے ہوئے۔

اب مسیب نے مسلمانوں سے کہا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے۔ ہماری طاقت کم ہے اور دشمن کا علاقہ نزدیک۔ اس لئے جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے نکل چلو۔ مسلمان قصر کے ساز و سامان اور مالِ غنیمت کو ساتھ لے کر قصرِ باہلی سے نکل آئے۔ مسیب کی رائے بالکل درست ثابت ہوئی۔ دوسرے دن ترک اپنی طاقت کو مضبوط کر کے واپس آئے۔ مگر وہاں میدان خالی پایا۔ یہ واقعہ ۱۰۲ھ کا ہے۔

اسی سال مسلمہ بن عبدالملک کو عراقین کی امارت سے معزول کر دیا گیا۔ اور اس کی بجائے عمر بن ہبیرہ فزاری کو مقرر کیا گیا۔ عمر بن ہبیرہ نے سعید خذینہ کو خراسان کی حکومت سے معزول کر کے اس کی بجائے سعید حرشی کو مامور کیا۔

سعید حرشی بہادر سپہ سالاروں میں سے تھا۔ صغد و ترک کو اس کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بلادِ صغد کو چھوڑ کر چینی علاقہ کی طرف نکل گئے۔ سعید حرشی نے خجندہ تک ان کا تعاقب کیا۔ ان کی جمعیت کثیر کو تہ تیغ کیا۔ بہت سے قیدیوں اور مالِ غنیمت کو لے کر کامیاب و کامران واپس آیا۔

۱۰۴ھ میں عمر بن ہبیرہ والیٔ عراقین سے اختلاف ہو جانے کی وجہ سے سعید حرشی حکومتِ خراسان سے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ مسلم بن سعید کلابی کا تقرر ہوا۔ [۱]

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۲۲۲

خزر کی سرکوبی

اسی سال ثبیت نہرانی کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک لشکر خزر کی سرکوبی کے لئے آرمینیہ کی طرف بڑھا۔ خزر نے قبچاق و ایلن اور ترکوں کے دوسرے قبائل کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ مرج حجارہ میں ایک ہولناک معرکہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور دشمنوں نے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ دمشق میں یہ خبر پہنچی تو یزید نے جراح بن عبداللہ حکمی کو آذربائیجان و آرمینیہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا اور اسے خزر کی گوشمالی کی ہدایت کی۔

جراح بن عبداللہ حکمی تازہ دم شامی فوج کے ساتھ ترکستان کی طرف بڑھا۔ پہلے بزرعہ پہنچ کر دم لیا۔ پھر نہر کو عبور کر کے باب الابواب پہنچا۔ خزر اسے خالی کر کے پہلے ہی آگے بڑھ چکے تھے۔ جراح بلا مقابلہ اس پر قابض ہو گیا۔ جراح یہیں مقیم تھا کہ خزر اپنے شہزادہ کی رہنمائی میں ایک لشکر گراں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آئے۔ نہران کے کنارے سخت لڑائی ہوئی۔ مسلمان فتح یاب ہوئے اور ترک شکست کھا کر لوٹ گئے۔

جراح یہاں سے چل کر حصن حصین پہنچا۔ اہل قلعہ نے بغیر لڑے قلعہ مسلمانوں کے سپرد کر دیا اور وہاں سے اپنا مال و اسباب لے کر نکل گئے۔ اس کے بعد جراح نے بلنجر کا رخ کیا۔ یہ ترکوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا جہاں ان کی بڑی قوت مجتمع تھی۔ یہاں مسلمانوں اور ترکوں کے درمیان خون ریز جنگ ہوئی۔ مگر فتح مسلمانوں کی ہوئی۔ مسلمانوں نے بہت دیر تک ترکوں کا تعاقب کیا۔ ان کی جمعیت عظیم کو تہ تیغ کیا اور آس پاس کے تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

پھر ۱۰۵ھ میں جراح نے بلنجر سے آگے بڑھ کر بلادِ لان پر حملہ کیا۔ بہت سے قلعے فتح کئے۔ ترکوں کی جمعیت عظیم کو قید کیا اور مالِ کثیر لے کر واپس لوٹا۔

جراح کی ان پے در پے کامیابیوں سے ترکوں پر اس کا رعب چھا گیا۔ اور ترکستانی علاقہ میں دوبارہ امن و امان قائم ہو گیا۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۴۴

ولی عہدی یزید کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے بعد اپنے بیٹے ولید کو جانشین بنائے لیکن اس کے مشیروں نے کہا کہ ولید ابھی کم سن ہے اور خلافت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یزید نے اپنے بعد ترتیب وار اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک اور اپنے بیٹے ولید بن یزید کو ولی عہد سلطنت نامزد کیا۔

وفاتِ یزید ۲۵ شعبان ۱۰۵ھ کو یزید بن عبدالملک نے سِل کی بیماری میں بلقاء (مضافاتِ دمشق) میں انتقال کیا۔ اس کی عمر ۳۸ سال ہوئی اور چار سال ایک مہینہ تک تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔



ہشام بن عبدالملک

۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ

ہشام بن عبدالملک بن مروان ۷۲ھ میں عائشہ بنت ہشام کے بطن سے تولد ہوا۔ باپ نے اس کا نام منصور رکھا۔ کیونکہ اسی سال اُس نے مصعب بن زبیر کو قتل کیا تھا۔ ماں نے اپنے باپ کے نام پر اس کا نام ہشام تجویز کیا اور اسی نام سے مشہور ہوا۔

یزید کے انتقال کے وقت وہ رصافہ میں مقیم تھا۔ یہیں اُس کی تاجپوشی ہوئی اور عصاء و خاتم اس کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ پھر دمشق پہنچ کر اس نے بیعتِ عام کی۔ خلافت کی وقت اس کی عمر ۳۴ سال تھی۔ ۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ تک تقریباً بیس سال وہ تختِ حکومت پر متمکن رہا۔ وہ حلیم، عفیف، مدبر اور حوصلہ مند بادشاہ تھا۔ اُس کے زمانہ میں بہت سے اندرونی حالات اور بیرونی مہمات پیش آئے مگر سب میں وہ کامیاب و کامران رہا۔ وہ بنی اُمیہ کے بہترین خلفاء میں شمار کیا جاتا ہے۔

مہماتِ عراق و خراسان

ہشام بن عبدالملک نے تخت نشین ہوتے ہی عراق کی امارت سے عمر بن ہبیرہ کو معزول کر دیا۔ اور اس کی جگہ خالد بن عبداللہ قسری کو مامور کیا۔

مسلم بن سعید

اس زمانہ میں مسلم بن سعید حاکم خراسان ترکوں سے برسرِ پیکار تھا۔ خالد قسری نے اُسے اپنا کام جاری رکھنے کا حکم دیا۔ مسلم بن سعید فرغانہ پہنچا۔ وہاں اُسے معلوم ہوا کہ خاقان اپنا لشکر لئے اُس کے مقابلہ کے لئے آ رہا ہے۔ مسلم بن سعید اُسے روکنے کے لئے آگے بڑھا۔ مسلمانوں کی

ایک چھوٹی جماعت کی خاقان کے لشکر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ترکوں نے ان کو سخت نقصان پہنچایا اور کئی بہادر افسروں کو جن میں مسیب بن بشیر ریاحی بھی تھے، قتل کر دیا۔

اسلامی فوج کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے آدمیوں کو دشمنوں کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ کیونکہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے مسلم بن سعید نے مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور کترا کر نکل گئے۔ آٹھ روز تک برابر چلتے رہے۔ نویں دن ایک دریا پر پہنچے۔ دریا کے اس پار اہلِ فرغانہ اور شاش مجتمع تھے۔ مسلم بن سعید نے حکم دیا کہ تمام مسلمان اپنی تلواریں میان سے نکال لیں۔ آن کی آن میں تلواروں کا جنگل نظر آنے لگا۔

مسلمانوں نے دریا کو پار کیا اور دوسرے کنارے پر اُتر گئے۔ ایک دن ٹھہرے تھے کہ معلوم ہوا خاقان کا بیٹا دو لاکھ ترکوں کے ساتھ تعاقب میں چلا آرہا ہے۔ مسلم بن سعید نے فوج کو رُک جانے کا حکم دیا۔ یہاں ترکوں اور مسلمانوں کا خون ریز مقابلہ ہوا۔ مٹھی بھر مسلمانوں نے ترکوں کے ٹڈی دل کا مُنہ پھیر دیا۔ ترک و صغد کے ممتاز افسر جن میں خاقان کا بیٹا بھی شامل تھا مقتول ہوئے۔

مسلمان اگرچہ مظفر و منصور ہوئے۔ مگر انہیں اس جنگ میں بھوک اور پیاس کی سخت تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ مسلم بن سعید سالارِ فوج کے لئے جب ایک گلاس پانی لایا گیا تو اُسے دوسرے سپاہیوں نے چھین کر پی لیا۔ مسلم نے کہا۔ کچھ حرج نہیں یہ مجھ سے زیادہ پیاسے تھے۔

اب مسلمان بہت تھک گئے تھے اس لئے خجندہ میں آکر مقیم ہو گئے۔ یہیں قاصد نے اطلاع دی کہ عبداللہ قسری نے مسلم بن سعید کو معزول کر کے اپنے بھائی اسد بن عبداللہ کو حاکمِ خراسان مقرر کیا ہے اور جدید والیٔ خراسان اسد نے اسلامی فوج کا سپہ سالار عبدالرحمٰن بن نعیم کو مقرر کیا ہے۔ مسلم کو جب

یہ اطلاع ملی تو اُس کے چہرے پر بَل تک نہ آیا اور اُس نے بخوشی عبدالرحمٰن کی سیادت کو قبول کر لیا۔[1]

اسد بن عبداللہ

اسد بن عبداللہ ایک بہادر و دلیر افسر تھا۔ اس نے سنہ ۱۰۷ھ میں جبال ہرات میں غور پر فوج کشی کی۔ اہل غور نے اپنا سامان ایک گہرے غار میں چھپا دیا اور خود ہٹ گئے۔ اسد نے زنجیروں میں صندوق باندھ کر اپنے آدمیوں کو غار میں اُتارا اور تمام سامان نکلوا لیا۔

سنہ ۱۰۸ھ میں اسد نے پھر ختل و غور پر فوج کشی کی۔ مسلمانوں نے بہادری کے بڑے جوہر دکھائے۔ اور کامیاب واپس ہوئے۔

اسد میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ اس میں قبائلی عصبیت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس نے قحطان کی طرفداری اور مضر کی مخالفت برملا شروع کر دی۔ اس نے نصر بن سیار، عبدالرحمٰن بن نعیم، سورہ بن حر، بختری بن ابی درہم جیسے سرداران مضر کے کوڑے لگواتے اور اُن کے سر منڈوا کر اپنے بھائی خالد کے پاس عراق بھیج دیا۔

سنہ ۱۰۶ھ میں بروتان میں قحطانی اور مضری قبائل میں ایک جنگ بھی ہو چکی تھی۔ اسد کے طرزِ عمل نے عصبیت کی آگ پر تیل کا کام دیا اور مسلمانوں میں جاہلیت کی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ہشام کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے خالد کو لکھا:۔

"اپنے بھائی کو معزول کر کے اس کی جگہ اشرس بن عبداللہ کو حاکمِ خراسان مقرر کرو۔"

اشرس

اشرس سنہ ۱۰۹ھ میں خراسان آیا۔ وہ عالم فاضل اور متدین امیر تھا۔ اہلِ خراسان اس کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ اشرس نے

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۴۸

سمرقند اور ماوراء النہر کے علاقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے ابوالصیدا ایک بزرگ کو مامور کیا۔ ابوالصیدا کی کوشش سے ترک جوق در جوق داخل اسلام ہونے لگے۔ ذمیوں کے قبول اسلام سے جزیہ کی رقم میں بہت کمی آگئی۔ عامل سمرقند ابن عمرطہ نے اشرس کو جزیہ کی کمی کی اطلاع دی۔ اشرس نے جواب میں لکھا۔

"جزیہ کی رقم مسلمانوں کی طاقت ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ذمی دین کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ جزیہ سے بچنے کی خاطر مسلمان ہو رہے ہیں۔ تم امتحان کرو جو ذمی ختنہ کرالے، فرائض اسلامی ادا کرے اور قرآن کی کوئی سورت بھی یاد کرلے اُسے چھوڑ دو باقی سب سے حسب دستور جزیہ لو۔"

نومسلم اشرسؔ کے اس حکم سے برہم ہو گئے اور سات ہزار کی تعداد میں لڑنے کے لئے میدان میں آگئے۔ بہت سے نیک نہاد مسلمانوں نے بھی اُن کا ساتھ دیا جن میں ابوالصیدا بھی تھے۔ اشرس نے مخشر بن مزاحم کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مخشر نے ابوالصیدا اور دُوسرے مسلمانوں کو جو نومسلموں کے حامی تھے دھوکہ سے گرفتار کرکے اشرس کے پاس بھیج دیا۔ پھر نومسلم ترکوں سے بزورِ شمشیر جزیہ وصول کیا۔ اور اُن کے سرداروں کی توہین کی۔

مخشر کے اس طریق عمل سے سمرقندی نومسلم مرتد ہو گئے۔ انہوں نے ترکوں سے مدد طلب کی اور مسلمانوں کے مقابلہ پر آگئے۔

صُورتِ حال کی نزاکت کو دیکھ کر اشرس خود مقابلہ کے لئے نکلا۔ دریا کے پار آمل کے قریب اشرس کا متعدد ترک کے متحدہ لشکروں سے مقابلہ ہوا قریب تھا کہ مُسلمان شکست کھا جائیں۔ لیکن آخر اشرس کی ہوشیاری سے اُنہیں کامیابی حاصل ہُوئی۔

پھر اشرس آگے بڑھ کر بیکند پہنچا۔ یہاں ترکوں نے مسلمانوں کا پانی بند کردیا۔ چنانچہ سات سو مسلمان پیاسے مر گئے۔ آخر مسلمانوں نے بڑی جدوجہد سے پانی

پر قبضہ کیا اور سیراب ہو کر دُشمنوں کو اُن کے ٹھکانوں سے ہٹا دیا اور انہیں شکست پہ پے دی۔

واقعہ کمرجہ ابھی یہ لڑائی جاری ہی تھی کہ خاقان نے اہلِ فرغانہ، افشینہ و نسف کو ساتھ لے کر خراسان کی اسلامی نو آبادی "کمرجہ" کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کمرجہ کے مُسلمانوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے۔ خندق کا پُل توڑ دیا اور شہر بند ہو کر کفار کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ ترکوں نے شہر کے گرد کی خندق کو گیلی لکڑیوں سے پُر کر کے راستہ نکالنے کی کوشش کی مُسلمانوں نے اندر سے خشک لکڑیاں ڈال کر اُن میں آگ لگادی۔ ترکوں کی سات دن کی محنت ایک گھنٹہ میں ختم ہو گئی۔ ترکوں نے مُسلمانوں کو ضدانے کے لئے ایک سو مُسلمان قیدیوں کو شہر کی فصیل کے نیچے قتل کر دیا اور اُن کے سر کاٹ کر شہر میں پھینک دیئے۔ مسلمانوں نے اتنی ہی تعداد میں تُرک قیدیوں کے سر کاٹ کر باہر پھینک دیئے۔ غرض مٹھی بھر مسلمان مرد، عورتیں اور بچے سر بکف ہو کر دو مہینے تک ٹڈی دل دُشمنوں کے دانت کھٹے کرتے رہے۔

خاقان کو دورانِ محاصرہ ہی میں اطلاع ملی کہ اسلامی فوجیں فرغانہ پہنچ گئی ہیں اس نے کمرجہ کے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ ہماری عادت یہ نہیں ہے کہ جس شہر کا محاصرہ کریں اُسے بغیر فتح کئے چھوڑ دیں۔ البتہ ہم تمہارے ساتھ اتنی رعایت کر سکتے ہیں کہ تم شہر چھوڑ کر نکل جاؤ اور ہم تم سے تعرض نہ کریں۔"

مسلمانانِ کمرجہ نے جواب دیا۔

"ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جو شہر ہمارے قبضہ میں ہو جیتے جی ہم اُسے اپنے ہاتھ سے دے دیں۔ آخر کار مُسلمانوں اور ترکوں میں یہ معاہدہ طے پایا کہ مسلمان بھی کمرجہ کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں اور ترک بھی اپنی فوجیں لے کر ہٹ جائیں۔ چنانچہ فریقین نے ایک دوسرے سے ضمانت لی اور مسلمان کمرجہ چھوڑ کر دبوسیہ چلے گئے[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۵۶

جنید بن عبدالرحمٰن ۱۱۱ھ میں ہشام نے اشرس بن عبداللہ کو معزول کر دیا۔ اور اُس کی جگہ جنید بن عبدالرحمٰن مری کو حاکم خراسان مقرر کیا۔ جنید مضری تھا۔ اس نے اپنے تمام ماتحت حکام مضری ہی مقرر کئے۔

واقعۂ شوب ۱۱۲ھ میں جنید طخارستان پر حملہ آور ہونے کے ارادہ سے نکلا۔ ترکوں کو یہ خبر پہنچی تو وہ ایک کثیر فوج کے ساتھ سمرقند کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے۔ عامل سمرقند سورہ بن حر نے جنید کو اطلاع دی اور لکھا کہ :-

"مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ دشمن کی اس جمعیت عظیم کا مقابلہ کر سکوں آپ فوراً میری مدد کے لئے پہنچیے"

جنید نے اپنے بارہ ہزار ساتھیوں کے ساتھ سمرقند پہنچ کر سورہ کی مدد کا ارادہ کیا۔ اس کے رفقاء نے سمجھایا کہ پہلے امراء خراسان میں سے کسی نے بھی پچاس ہزار سے کم فوج کے ساتھ کبھی دریائے جیحون کو عبور نہیں کیا ہے۔ آپ مزید کمک کا انتظار کیجئے مگر جنید نے کہا مجھے سورہ کی مدد کے لئے جلد سے جلد پہنچنا ضرور ہے۔

غرض جنید دریا کو پار کر کے "کس" میں مقیم ہوا اور ترکوں سے مقابلہ کی تیاری کی۔ پھر وہاں سے چل کر سمرقند کے قریب ایک گھاٹی میں خیمہ زن ہوا۔ خاقان کو خبر ہوئی تو وہ ترکوں کے مختلف قبائل کی جمعیتِ عظیم لے کر اندھیرے منہ مسلمانوں پر آ پڑا۔ مسلمانوں نے باوجود قلتِ تعداد بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور ترکوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ لیکن دو دن کے سخت مقابلے کے بعد مسلمانوں نے کمزوری کے آثار پائے۔

جنید سمرقند میں جو قریب تھا۔ سورہ بن حر کو حالات کی اطلاع دی اور مدد طلب کی۔ سورہ بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ سمرقند سے نکل کھڑا ہوا۔ جب جنید اور سورہ کے درمیان ایک فرسخ فاصلہ رہ گیا تو ترک بیچ میں حائل ہو گئے اور دریا کے کنارے کے جھاڑ جھنکاڑ میں آگ لگا دی۔

سورہ نے ترکوں کو ہٹا کر جنید سے مل جانے کا عزم کیا مسلمانوں نے ایسا سخت حملہ کیا کہ ترکوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہُوئے ۔ لڑائی کے گرد و غبار کی وجہ سے آگ کے شعلے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے ۔ مسلمان ترکوں کے تعاقب میں گئے تو بہت سے مسلمان اور ترک آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گئے ۔ اس افراتفری میں سورۃ امیر سمرقند گھوڑے سے گر گیا اور اُس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی ۔

سورہ کے زخمی ہونے سے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گیا ۔ ترکوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی اکثر فوج کا صفایا کر دیا ۔

اس حادثہ کی اطلاع سُن کر جنید نے سمرقند کی طرف کوچ کیا ۔ ابھی گھاٹی سے نکلے بھی نہ تھے کہ ترکوں کا لشکر نمودار ہُوا ۔ مسلمانوں نے فوراً مقابلہ کے لئے صفیں درست کر لیں ۔ چونکہ مسلمان دشمن کے مقابلہ میں کم تھے اس لئے جنید نے اعلان کر دیا ۔

" اس معرکہ میں جو غلام کارہائے نمایاں انجام دے گا وہ آزاد ہے "

یہ سُن کر غلام اس بہادری سے لڑے کہ دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے ۔

جنید سمرقند پہنچا اور مصلحتِ وقت دیکھ کر مسلمانوں کے اہل و عیال کو مرو پہنچا دیا ۔ جنید سمرقند ہی میں مقیم تھا کہ معلوم ہُوا خاقان بخارا کے ارادہ سے نکل کھڑا ہُوا ہے ۔ جنید بھی فوراً بخارا کی طرف روانہ ہو گیا ۔ راستہ پہاڑی اور بڑا پُرخطر تھا لیکن مسلمان پوری احتیاط اور انتظام کے ساتھ اس راستے کو طے کر گئے ۔ کرمینیہ کے قریب خاقان اپنی فوج لئے نمودار ہُوا ۔ مگر مسلمانوں نے ترکوں کو شکست دیدی ۔ جنید بخیر و خوبی بخارا میں داخل ہُوا ۔ اہلِ بخارا نے اس مدد پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور ہر مسلمان سپاہی کو شکرانہ کے طور پر دس درہم نذر کئے ۔[1]

عاصم بن عبداللہ

۱۱۶ھ میں ہشام بن عبدالملک نے جنید کو اس جرم میں معزول کر دیا کہ اُس نے یزید بن مہلب کی لڑکی سے

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۶۳

شادی کرلی تھی اور اس کی بجائے عاصم بن عبداللہ ہلالی کو حاکم خراسان کر کے بھیجا۔ ہشام نے عاصم کو یہ بھی ہدایت کی کہ اگر وہ جنید پر قابو پالے تو اُسے زندہ نہ چھوڑے مگر جنید مرضِ استسقاء میں مبتلا تھا۔ عاصم کے پہنچنے سے پہلے ہی اُس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ عاصم نے جنید کے جانشین اور اس کے عمال کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔

بغاوت حارث بن سریج

اسی سال حارث بن سریج نے خراسان میں علمِ بغاوت بلند کیا۔ اس نے سیاہ لباس کو اپنا شعار بنایا اور لوگوں کو کتاب اللہ و سنّتِ رسول اللہ اور آزادی انتخاب خلیفہ کے نام پر بیعت کی دعوت دی۔ بہت سے مسلمانوں نے اُس کا ساتھ دیا۔ حارث نے بلخ، جوزجان طالقان اور مرورود پر قبضہ کر لیا۔ پھر وہ خراسان کے صدر مقام مرو کی طرف بڑھا۔

عاصم نے مرو کے دروازوں پر اس کا مقابلہ کیا۔ حارث کو شکستِ فاش ہوئی اور اُس کے بہت سے ساتھی بھاگتے ہوئے دریا میں ڈوب گئے۔ حارث جان بچا کر وادئ مرو سے نکل گیا۔ عاصم نے اس کا تعاقب مناسب نہ سمجھا۔

اس کے بعد عاصم نے ہشام بن عبدالملک کو لکھا۔

"خراسان کا امن و امان اس امر کا مقتضی ہے کہ اُسے ولایتِ عراق سے ملحق کر دیا جائے۔ اس صورت میں وقت ضرورت فوجی مدد پہنچنے میں آسانی ہوگی ورنہ مرکز سے دور ہونے کی وجہ سے بغاوت و شورش جاری رہے گی۔"

اسد بن عبداللہ قسری

ہشام نے عاصم کی اس رائے کو پسند کیا اور خراسان کے صوبہ کو ولایتِ عراق کے ماتحت کر دیا۔ مگر عاصم کو معزول کر کے خالد بن عبداللہ قسری والئ عراق کے بھائی عبداللہ کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

عاصم کو معزولی کی خبر پہنچی تو وہ بہت برافروختہ ہوا۔ اُس نے حارث بن

سریج کے پاس پیغامبر بھیج کر اس شرط پر صلح کر لی کہ حارث خراسان کے جس پرگنہ میں چاہے اقامت اختیار کرے اور دونوں مل کر ہشام کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیں۔

عاصم کی اس مصالحت کو امراءِ لشکر نے پسند نہ کیا اور اُسے حارث سے لڑنے پر مجبور کیا۔ مجبوراً عاصم کو حارث کے مقابلہ میں آنا پڑا۔ حارث کو شکست ہوئی اور وہ مرو رُوذ کی طرف چلا گیا۔

اس دوران میں اسد خراسان پہنچ گیا۔ اُس نے عاصم کو گرفتار کر لیا اور اُس سے بیت المال کی ایک لاکھ درہم کے بقایا کا مطالبہ کیا۔ اسد نے جنید کے عمال کو بھی جنہیں عاصم نے گرفتار کر لیا تھا، رہا کر دیا۔

اسد ایک مدبر اور جنگ آزما سپہ سالار تھا۔ خراسان پہنچ کر اس نے ملک میں امن و امان قائم کرنے کی طرف پوری توجہ مبذول کی۔

سنہ ۱۱۹ھ میں اسد نے ختل پر فوج کشی کی اور ان کے سب سے بڑے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ بے تعداد کثیر مالِ غنیمت اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اس کے بعد اسد نے ختل کی وادیوں میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ ختل اپنے علاقہ کو چھوڑ کر چین کی طرف نکل گئے۔

خاقان کا قتل اسی سال اسد کی جوزجان کے قریب خاقان سے مڈبھیڑ ہوئی۔ خاقان کے ساتھ حارث بن سریج بھی تھا۔ اسد نے خاقان کو شکستِ فاش دی اور تین فرسخ تک اس کا تعاقب کیا۔ بے شمار ترک قتل ہوئے اور مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مالِ غنیمت آیا۔ اسد بلخ میں اپنے مستقر حکومت میں واپس آگیا اور خاقان اپنے علاقے میں چلا آیا۔ خاقان نے پھر مسلمانوں سے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور اس مقصد کے لئے پانچ ہزار چھروں سے حارث بن سریج کی مدد کی۔ مگر اسی دوران میں اتفاقاً خاقان اور مشہور ترک سردار کورصول کے درمیان نرد کھیلتے ہوئے لڑائی ہو گئی۔ کورصول نے خاقان کا ہاتھ

توڑ دیا۔ خاقان نے قسم کھائی کہ وہ کورصول کو قتل کر کے رہے گا۔ کورصول کو خاقان کی اس قسم کی اطلاع ہوئی تو اُس نے شبخون مار کر خاقان کو قتل کر دیا۔

خاقان کے قتل سے ترکوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ان کی طاقت ٹوٹ گئی اور اُن میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اسد نے ہشام کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو وہ بہت خوش ہُوا اور اُس نے درگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ سنہ ۱۲۰ھ میں اسد نے بلخ میں وفات پائی۔

اسی سال ہشام بن عبدالملک نے خالد بن عبداللہ کو اُس کے مخالفوں کی ایک سازش کی بنا پر معزول کر دیا اور اس کی بجائے یوسف بن عمر نے عراق پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خالد اور اُس کے عمال کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ یوسف نے نصر بن سیار کو خراسان کا حاکم مقرر کیا۔

نصر بن سیار

نصر بن سیار بھی ایک مدبر عادل اور شجاع افسر تھا اس نے آتے ہی مظالم کی تحقیقات کا انتظام کیا۔ معلوم ہُوا کہ تیس ہزار مسلمان ایسے ہیں جن سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے اور اسّی ہزار غیر مسلم ایسے ہیں جن کا جزیہ معاف کر دیا گیا ہے۔ اس نے اس بدعنوانی کا ایک ہفتہ کے اندر اندر انسداد کر دیا۔ پھر اُس نے خراج کی بدنظمی کو دُور کیا۔ اندرونی اصلاحات سے فارغ ہو کر اُس نے ترکوں کے علاقوں پر پے در پے فوج کشی کی۔

کورصول کا قتل

سنہ ۱۲۰ھ میں جب نصر تیسری مرتبہ جہاد کے لئے شاش کی طرف نکلا تو اتفاقاً ترکوں کا سالارِ اعظم کورصول جو بہتر مرتبہ مسلمانوں کیساتھ جنگ کر چکا تھا ایک مسلمان کے ہاتھ میں قید ہو گیا۔ نصر نے اُسے قتل کرا کر دریا کے کنارے منظرِ عام پر لٹکا دیا۔

کورصول کے قتل سے ترکوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ اُنھوں نے اس کے ماتم میں اپنے کان کاٹ لئے اور اپنے گھوڑوں کی دُم کے بال تراش دیئے اور اپنے گھروں کو آگ لگا کر نکل گئے۔

حارث بن سریج کی غدارانہ سرگرمیاں برابر جاری تھیں۔ اس معرکہ میں بھی وہ کورصول کے ساتھ تھا۔ یوسف بن عمر نے نصر کو لکھا کہ وہ اس کا تدارک کرے۔ نصر نے یحییٰ بن حصین کو حارث کے استیصال کے لئے شاش روانہ کیا۔ حارث ایک ترک سردار خرم کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ خرم جنگ میں قتل ہوا اور ترک میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس ہزیمت کے بعد فرماں روائے شاش نے نصر کو صلح کا پیغام بھیجا۔ نصر نے اس شرط پر قبول کر لیا کہ حارث کو شاش سے نکال دیا جائے۔ حارث شاش سے نکل کر فاریاب آیا اور آخر کئی سال بعد اپنی حرکات پر نادم ہو کر ۱۲۷ھ میں مسلمانوں سے آملا۔

شاش سے فارغ ہو کر نصر فرغانہ کی طرف بڑھا۔ والی فرغانہ نے نصر سے صلح کر لی اور اپنی ماں کو جو ایک مدبر عورت تھی، شرائط کی تکمیل کے لئے نصر کے پاس بھیجا۔

آرمینیہ و آذربائیجان

آرمینیہ و آذربائیجان کے علاقے بھی برسوں مسلمانوں اور ترکوں کا میدانِ جنگ بنے رہے۔ یہاں کا والی جراح بن عبداللہ حکمی تھا۔ جراح نے بلنجر تک فتوحات حاصل کیں۔ ۱۰۵ھ میں ہشام نے جراح کو معزول کر کے مسلمہ بن عبدالملک کو وہاں کا والی مقرر کیا۔ مسلمہ نے حارث بن عمر طائی کو اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ حارث نے ترکوں کے بہت سے شہر فتح کر لئے اور ان پر اپنی دھاک بٹھا دی۔

۱۱۰ھ میں مسلمہ بنفس نفیس باب الدان سے ترکی علاقہ میں بڑھا۔ خاقان بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ ایک مہینہ تک لڑائی جاری رہی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور خاقان نے فرار اختیار کیا۔

۱۱۱ھ میں ہشام نے مسلمہ کو معزول کر کے پھر جراح بن عبداللہ کو مامور کیا۔ جراح نے تفلس کی طرف سے بلادِ خزر پر حملہ کیا۔ مدینہ بیضاء مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہوا اور جراح سالم و غانم لوٹا۔

مسلمانوں کی واپسی کے بعد خزر نے مسلمانوں کے مقابلہ کی زور شور سے تیاری کی۔ علاقہ لان سے ترک بھی اُن کے ساتھ آملے۔ جراح نے آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ مرج وابیل میں نہایت ہولناک جنگ ہوئی جس میں جراح بن عبداللہ حکمی کام آئے۔ جراح کے قتل سے ترکوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے اسلامی علاقہ کی طرف رُخ کیا اور موصل کے قریب پہنچ گئے۔ ترکوں کا یہ اقدام مسلمانوں کے لئے بڑا خطرناک تھا۔

ہشام کو خبر ہوئی تو اُس نے سعید حرشی کو ترکوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اور دُوسرے مسلمان افسروں کو اس کی مدد کا حکم دیا۔ سعید ترکوں کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ ارزن پہنچے تو وہاں جراح کے باقی ماندہ ہمراہی ان کے ساتھ ہو گئے۔ پھر خلاط پہنچے اور اُسے بزورِ شمشیر فتح کیا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے اور بہت سے شہروں اور قلعوں کو فتح کرتے ہوئے برزعہ پہنچ گئے۔

خاقان کا بیٹا اس وقت ورثان کا محاصرہ کئے پڑا تھا۔ حرشی نے ورثان کے محصور مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ صبر و استقامت سے کام لیں۔ ہم جلد پہنچتے ہیں۔ خاقان کے بیٹے کو جب مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ محاصرہ اُٹھا کر چلا گیا۔ حرشی نے بلامقابلہ شہر پر قبضہ کر لیا۔

ورثان سے حرشی اردبیل آیا۔ وہاں سے باجروان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہُوا کہ قریب ہی دس ہزار کی تعداد میں خزر کا لشکر خیمہ زن ہے اور اُن کے ساتھ پانچ ہزار مسلمان قیدی بھی ہیں۔ حرشی نے راتوں رات چل کر پَو پھٹتے خزر کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ خزر اس مصیبتِ ناگہانی کی تاب نہ لا سکے۔ سب مقتول ہوئے اور مسلمان قیدیوں نے رہائی پائی۔

اس شکست کے بعد پھر خزر نے اپنی قوت مجتمع کی۔ حرشی بھی اپنی فوج کو لے کر آگے بڑھا۔ برزند کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہُوا۔ سخت ہولناک جنگ ہُوئی۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کے قدم لڑکھڑا جائیں مگر خزر کے ساتھ جو

مسلمان قیدی تھے انہوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ مسلمانوں کو جوش آیا اور پھر جو پلٹ کر حملہ کیا تو دشمنوں کو میدان سے بھگا کر چھوڑا۔ اس لڑائی میں مسلمان قیدیوں کے علاوہ بہت کچھ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

اس کے بعد خزر نے اپنی منتشر قوت جمع کی اور اپنے شہزادہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ نہر بیلقان پر سخت جنگ ہوئی۔ فریقین نے بڑی بہادری کے ساتھ جنگ لڑی آخر کار مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ خزر کے بہت سے ساتھی مقتول ہوئے۔ اور باقی دریا میں غرق ہو گئے۔

حرشی نے مالِ غنیمت کا خمس اور فتوحات کی اطلاع ہشام کو بھیجی۔ ہشام نے اظہارِ خوشنودی کیا۔

۱۱۳ھ میں ہشام نے سعید حرشی کو واپس بلا لیا اور اپنے بھائی مسلمہ ابن عبدالملک کو دوبارہ والی آرمینیہ و آذربائیجان مقرر کر کے بھیجا۔

مسلمہ نے آتے ہی خاقان کے علاقہ میں اسلامی فوجیں پھیلا دیں۔ بہت سے شہر اور قلعے فتح کئے۔ بہت سے ترک قید کئے اور ماورائے بلنجر کے تمام علاقے پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔

اسی دوران میں خاقان کا لڑکا مسلمانوں کے ہاتھ مارا گیا۔ خزر اور دوسرے قبائل جوشِ انتقام میں متحد ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے میدان میں آ گئے۔ اس وقت ترکوں کی تعداد بے اندازہ تھی۔ مسلمہ اس وقت بلنجر کو پار کر چکا تھا وہ تدبیر سے اپنی فوج کو خطرہ سے نکال کر بسرعت تمام باب الابواب لوٹ آیا۔

مسلمہ نے جو کچھ کیا وہ اگرچہ عین مصلحت تھا تاہم اسے اس کی کمزوری پر محمول کیا گیا۔ چنانچہ ۱۱۴ھ میں ہشام نے مسلمہ کو واپس بلا لیا اور مروان بن محمد کو اس کی جگہ مقرر کیا۔

مروان بن محمد ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکرِ عظیم لے کر بلادِ خزر میں داخل ہوا اور تمام علاقے کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک روند ڈالا۔ بہت سے

شہر فتح کئے، بہت سے قلعوں پر قبضہ کیا اور سریر، تومان، زرکیران، حمزین ستعدان لکز اور شروان کے فرماں رواؤں سے طوعاً و کرہاً اطاعت کا وعدہ کیا اور خراج مقرر کیا۔

الغرض مروان بن محمد نے آرمینیہ و آذربیجان کے تمام علاقے میں اسلامی طاقت کی دھاک بٹھادی۔ بحر خزر کے کنارے کے تمام شہر مسلمانوں کے زیرنگیں ہوگئے اور ملک خزر ذلت کے ساتھ سرحدی علاقہ کی طرف بھاگ گیا[1]

ایشیائے کوچک

بلادِ اسلامیہ کی حدود شمالیہ میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان برابر چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی۔ چونکہ یہاں عظیم الشان رومی سلطنت سے مقابلہ کا معاملہ تھا اس لئے خلفاء کی توجہ اس طرف بہت تھی "شواتی" اور صوائف کی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا اور ان فوجوں کے سالار اکثر نامور فوجی افسر اور خاندان شاہی کے ممتاز ارکین منتخب کئے جاتے تھے۔ مروان بن محمد، مسلمہ بن عبدالملک، معاویہ بن ہشام اور سلیمان بن ہشام نے اس نواح میں اسلامی جرأت و بسالت کے بے نظیر نمونے پیش کئے۔ قونیہ، خرشنہ، قیساریہ اور دوسرے بہت سے شہر اور قلعے رومیوں سے چھین کر ان کے دلوں پر مسلمانوں کی بہادری کی دھاک بٹھادی۔

ان کے علاوہ عبداللہ بطال اور عبدالوہاب بن بخت دو جاں باز افسروں نے اپنی جانبازی سے دشمنوں کو حیران کر دیا۔

عبداللہ بطال نے رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں حصہ لیا۔ اس کی بہادری کے افسانے اس علاقے میں زبان زد ہو گئے تھے۔ خود عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ وہ رومی علاقے میں چپکے سے کسی گاؤں میں پہنچے تو وہاں دیکھا کہ ایک ماں اپنے بچے کو یہ کہہ کر رونے سے منع کر رہی ہے۔ بچے اگر تو روتا رہا تو میں

---

[1] یہ تمام واقعات ابنِ اثیر کے مختلف ابواب سے ماخوذ ہیں۔

بطال کو بلا لوں گی۔ جب بچہ روتا ہی رہا تو ماں نے اُسے گہوارہ سے نکال کر کہا۔ "لے بطال اسے لے جا" بطال فوراً گھر میں داخل ہو گئے اور بچے کو گود میں لے لیا۔ ماں حیران رہ گئی۔

عبدالوہاب بن بخت ایک ممتاز تابعی مجاہد تھے۔ وہ رومی معرکوں میں بطال کے ساتھ رہتے تھے ۱۱۳ھ میں کسی لڑائی میں بطال کے ساتھیوں نے رومیوں کے مقابلہ میں کمزوری دکھائی اور بھاگنے کا ارادہ کیا۔ عبدالوہاب اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر میدان میں پہنچ گئے۔ پھر چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا۔

"بہادر! ادھر آؤ! جنت کا راستہ یہ ہے۔ افسوس کیا تم جنت کے راستہ سے منہ موڑتے ہو"

پھر بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔[1]

ان دونوں کی بہادری کے متعلق اور بہت سے واقعات مشہور ہیں جن میں سے بعض مبالغہ آمیز ہیں۔

علاوہ ازیں حکومتِ اسلامیہ کے بحری بیڑے بھی بحری راستہ سے حدودِ روم میں حملہ کرتے رہتے تھے۔ ہشام کے زمانہ میں عبدالرحمٰن بن معاویہ بن خدیج امیرالبحر تھا اور عبداللہ بن عقبہ افواج بحریہ کا ایک ممتاز افسر۔

شہادتِ زید بن علی

بنو ہاشم امر خلافت میں بنو امیہ کے پرانے حریف تھے تاہم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدانِ کربلا میں جو لرزہ انگیز سلوک ہوا اُس نے بنو ہاشم کو عرصہ تک مہر بلب رکھا۔ حضرتِ امام زین العابدین علی بن حسینؓ جنھوں نے غیروں کی جفا کاری اور اپنوں کی غداری کے ہوشربا مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے انھوں نے "تختِ خلافت" کا خیال بھی کبھی دل میں نہ آنے دیا۔ لیکن نئی نسل کے دل میں یہ جذبۂ خفتہ پھر بیدار

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۴-۳، ۳۲۱

ہُوا اور حصولِ خلافت کی آرزو دل سے نکل کر کبھی کبھی زبانوں پر بھی آنے لگی۔

ہشام بن عبدالملک کے عہد میں خانوادۂ نبوت کے ایک بزرگ حضرت زید بن علی بن حسینؓ بھی اسی قسم کی آرزو کا اظہار کر چکے تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے ایک خاندانی وقف سے متعلق نزاع کے سلسلہ میں دمشق گئے۔ خلیفہ ہشام نے اُن سے ان کے درجہ کے مطابق سلوک نہ کیا۔ کچھ عرصہ تک تو اُس نے انہیں ملاقات کا موقع ہی نہ دیا۔ جب ملاقات کے لئے بُلایا تو ایک بلند بالاخانہ پر طلب کیا۔ زید بن علی فربہ جسم کے آدمی تھے انہیں چڑھنے میں کافی تکلیف ہوئی۔ بہرکیف گفتگو شروع ہوئی۔ امام زید نے دورانِ گفتگو میں کسی بات پر قسم کھائی۔ ہشام نے کہا "میں تمہاری بات کی تصدیق نہیں کرتا"۔

امام زید نے فرمایا "اے ہشام (اس قدر مغرور نہ ہو) دنیوی عزت و ذلت خدائے تعالیٰ کی رضامندی و ناراضی کی دلیل نہیں ہے"۔

اس پر ہشام برافروختہ ہوا اور اُس نے کہا "اے زید مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم خلافت کی آرزو رکھتے ہو۔ حالانکہ تم ایک باندی کی اولاد ہو"۔

زید نے جواب دیا "حضرت اسمٰعیلؑ باندی کے بطن سے تھے اور اُن کے بھائی حضرتِ اسحاقؑ وغیرہ آزاد عورت کے بطن سے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بھائیوں پر فضیلت دی اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُن کی اولاد میں پیدا کیا۔ اس سے زیادہ کسی شخص کی کیا عزت ہو سکتی ہے کہ اس کے نانا جناب رسول اللہ ہوں اور اس کے باپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ"۔

اس گفتگو کے بعد ہشام نے ان کو مجلس سے چلے جانے کا حکم دیا۔

زید بن علی شام سے کوفہ آئے۔ اہلِ کوفہ اپنی پرانی عادت کے مطابق خفیہ طور پر اُن سے ملتے اور اپنی امداد و حمایت کا یقین دلا کر دعوائے خلافت پر اُبھارتے۔ انہوں نے اپنے چچیرے بھائی ابوجعفر سے مشورہ کیا۔ ابوجعفر نے کہا۔

"اہلِ عراق کا ہرگز اعتبار نہ کیجئے انہوں نے ہمارے باپ اور دادا کو دھوکہ دیا۔

مگر زید آخر کوفیوں کے جال میں شکار ہو گئے۔ پندرہ ہزار کوفیوں نے خفیہ طور پر اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ایک تاریخ حکومت کے خلاف خروج کے لئے مقرر کی گئی۔

یوسف بن عمر والیٔ عراق کو وقت سے پہلے اس سازش کی اطلاع ہو گئی۔ اُس نے عامل کوفہ کو سختی سے شورش دبانے کے احکام بھیجے۔ مبایعینِ زید پر جب حکومت کی طرف سے سختی ہوئی تو انہوں نے امام سے ایک حیلہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔

وہ امام زید کے پاس پہنچے اور اُن سے سوال کیا۔

"آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟"

امام زید نے کہا "اللہ انہیں اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دے۔ میں نے اپنے بزرگوں کو اُن کے حق میں کلماتِ خیر کہتے سُنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اہلِ بیتِ نبویؐ خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ ان بزرگوں نے اپنے آپ کو اہلِ بیت پر ترجیح دی۔ تاہم یہ کوئی کفر و اسلام کا معاملہ نہیں۔ انہوں نے اپنے عہد میں عدل سے کام لیا اور کتاب و سنّت پر عمل کیا۔

کوفی بولے "پھر ہم بنو امیہ سے کیوں لڑیں ان کی حالت بھی یہی ہے؟"

امام زید نے جواب دیا "ان کی صورت ان سے مختلف ہے یہ اپنے نفس پر اور دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور میں کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ پر عمل کی دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں۔ تمہیں میری مدد کرنا بہتر ہے"

مگر یہ لوگ تو اپنے سر سے اُلانا اُتارنے کے لئے آئے تھے یہ کہہ کر چل دیئے۔

"اگر آپ کے یہی خیالات ہیں تو ہم آپ سے بے تعلق ہیں"

آخر جس رات خروج کا فیصلہ کیا گیا تھا وہ رات آ گئی۔ کل دو سو اٹھارہ آدمی امام زید کے ساتھ میدان میں نکلے۔

ادھر یوسف بن عمر خود جمعیتِ کثیر لے کر مقابلہ کے لئے آ گیا۔ زید کی مختصر سی جماعت نے جانبازی سے مقابلہ کیا۔ آخر ایک تیر امام کی پیشانی پر آ کر لگا اور اُس نے آپ کا کام تمام کر دیا۔

یوسف بن عمر نے آپ کی شہادت کے بعد آپ کی لاش کو قبر سے نکلوا کر سُولی پر آویزاں کیا۔[1]

دعوتِ عباسیہ حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کے علاوہ بنو ہاشم کے دوسرے دو گھرانے بھی خلافت کے خواہشمند تھے - یہ گھرانے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غیر فاطمی فرزند، محمد بن حنفیہ اور حضرت عباس ابن ابی طالب کے گھرانے تھے۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ عبدالملک کے زمانے میں مختار ثقفی اور بعض شیعیانِ علیؓ نے حضرت امام زین العابدینؓ کے انکار کے بعد، محمد بن حنفیہ کو منصب امامت پر فائز کیا تھا۔ اگرچہ بعد میں محمد بن حنفیہ نے عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ لیکن اُن کے حامی انہی کو امام تسلیم کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد اُن کے صاحبزادہ ابو ہاشم عبداللہ کو ان کا جانشین تجویز کیا گیا۔

اگرچہ حضرت عباسؓ عمِ رسولؐ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی اقرب تھے، تاہم آپ نے اور آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کبھی خلافت کی آرزو نہیں کی۔ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پوتے علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے دل میں یہ خواہش موجود تھی۔

یہ مدینہ اور دمشق کے راستہ پر حمیمہ نامی ایک گاؤں میں جو حکومت کی طرف سے اُن کو جاگیر میں دے دیا گیا تھا رہتے سہتے تھے۔

سنہ ۹۸ھ میں ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ، سلیمان بن عبدالملک سے

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۹۱ -

ملنے کے لئے دارالخلافہ دمشق گئے۔ سلیمان یوں تو اُن سے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا۔ مگر اُن کے علم و فضل اور اُن کی فصاحت و طلاقت کو دیکھ کر اُسے اُن کی طرف سے خطرہ پیدا ہُوا۔ اور جب دمشق کی حدود سے نکل گئے تو انہیں زہر دلوا دیا۔

ابو ہاشم اپنی حالت کو خطرناک دیکھ کر حمیمہ میں علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے ہاں اُتر گئے اور یہیں اُن کا انتقال ہُوا۔ مرنے سے پہلے ابو ہاشم نے علی بن عبداللہ بن عباس کے بیٹے محمد کو اپنا جانشین بنا لیا اور اپنے حامیوں کو ان کی حمایت و نصرت کی وصیت کی۔

ابو ہاشم کی وصیت سے محمد بن علی کو بڑی مدد ملی۔ فرقہ کیسانیہ (حضرت محمد بن حنفیہ کے اتباع) نے جس کی تعداد عراق و خراسان میں بہت کافی تھی اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور امامت کا منصب اس طرح علویین سے عباسیین کے خاندان میں منتقل ہو گیا۔

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ایک مدبر و منتظم شخص تھے۔ اُنھوں نے تحریکِ امامت کا ایک نظام قائم کیا۔ کوفہ اور خراسان کو تحریک کا مرکز قرار دیا گیا۔ کوفہ اس لئے کہ وہ شیعیانِ علیؓ کا پرانا گہوارہ تھا اور خراسان اس لئے کہ شاہانِ عجم کے دستور کے مطابق وہاں کے لوگ خلافت میں وراثت کے اصول کو آسانی سے قبول کر سکتے تھے اور سلطنت سے محروم ہو جانے کے بعد ہر انقلاب کو اپنے لئے تقدیر آزمائی کا ایک موقع تصوّر کرتے تھے۔

کوفہ کا قائم بالامر محمد بن علی کا خانہ زاد غلام میسرہ مقرر کیا گیا اور خراسان کا ابو محمد صادق، محمد بن خنیس اور حیان عطار کو ابو محمد کا مددگار تجویز کیا گیا۔ ابو محمد نے بارہ کارآزمودہ داعیوں کو خراسان میں تحریک کا نقیب مقرر کیا اور ان نقبہاء کی "مجلسِ خصوصی" کے ماتحت ستر داعیوں کی "مجلسِ عمومی" مقرر کی۔ محمد بن علی نے تحریک کو ہمہ گیر اور مؤثر بنانے کے لئے مناسب قواعد بنائے۔

اور وہ طریق کار تجویز کیا جس سے اُس کا راز افشا نہ ہونے پائے۔

غرض بنی اُمیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے یہ تحریک نہایت نظم و ضبط کے ساتھ خفیہ طور پر شروع ہو گئی۔ بنی عباس کے داعی تاجروں اور مبلغوں کا بھیس بدل کر تمام عراق و خراسان میں پھیل گئے اور بنی اُمیہ کے مظالم اور بنو عباس کے حقوق کی تشہیر شروع کر دی۔

خوش قسمتی سے انہیں شروع میں حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے نیک نہاد اور رحمدل خلیفہ کا زمانہ میسر آ گیا۔ آپ کے اوصاف سے انہوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور آپ کے عہد میں اس تحریک نے بلا مزاحمت نشو و نما پائی۔

یزید بن عبدالملک کے عہد میں امیر خراسان سعید خذینہ نے اس جماعت کے کچھ لوگوں کو مشتبہ سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ مگر ان لوگوں نے کہا ہم تو تجارت پیشہ ہیں ہم کو سیاست سے کیا تعلق؟ امیر نے کچھ معززین کی ضمانت لے کر ان کو رہا کر دیا۔

ہشام کے زمانہ میں بکیر بن ماہان اور دوسرے متمول لوگوں کی شرکت سے اس تحریک کو بڑی قوت حاصل ہوئی۔ اسد بن عبداللہ قسری نے اپنے عہدِ امارت میں متعدد داعیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ مگر اس سختی سے کچھ فائدہ نہ ہوا بلکہ تحریک کے علمبرداروں میں قربانی کا جذبہ اُبھر گیا اور تحریک کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بکیر بن ماہان نے جو میسرہ کے مرنے کے بعد کوفہ کو قائم بالامر منتخب ہو گیا تھا۔ جب محمد بن علی کو ان قربانیوں کی اطلاع دی تو وہاں سے جواب آیا۔

"الحمدللہ کہ تمہاری دعوت اور تمہارے پیغام کی صداقت ظاہر ہو گئی ابھی یہ دعوتِ حق مزید قربانیوں کی طلب گار ہے"۔ [1]

سنہ ۱۲۵ھ میں امام محمد بن علی کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے اپنے بیٹے ابراہیم کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ امام ابراہیم نے بھی اس تحریک کو پوری قوت سے جاری رکھا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۵۱۔

ان کے عہد کے آغاز میں اس تحریک میں مشہور داعی ابومسلم خراسانی شریک ہوا۔ ابومسلم نے وقت کے مساعد حالات اور اپنی دماغی صلاحیتوں سے پورا فائدہ اٹھایا اور اس خاموش تحریک کو ہنگامہ خیز انقلاب میں بدل دیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ولی عہدی یزید بن عبدالملک نے اپنے بعد ہشام بن عبدالملک اور اپنے بیٹے ولید کو علی الترتیب ولی عہد نامزد کیا تھا۔ ہشام نے ولید کو محروم کر کے اپنے بیٹے مسلمہ کو ولی عہد بنانا چاہا۔ بعض امراء کی مخالفت کی وجہ سے ہشام کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ البتہ ہشام اور ولید کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی۔ ولید علاقہ اردن میں اپنی جاگیر میں چلا گیا اور ہشام کی موت تک وہیں مقیم رہا۔

وفاتِ ہشام ۶ ربیع الثانی ۱۲۵ھ کو ہشام بن عبدالملک نے رصافہ میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت اس کی عمر تقریباً پچپن سال تھی۔ مدتِ خلافت کچھ کم بیس سال ہوئی۔

سیرتِ ہشام بن عبدالملک

ہشام بن عبدالملک بنی اُمیہ کے ان تین ممتاز ترین خلفاء میں سے تھا جنھوں نے اپنے تدبر و سیاست کا نقش تاریخ کے صفحات پر ثبت کر دیا ان تینوں میں سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جنھوں نے اموی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ دوسرا عبدالملک تھا جس نے اس کی گرتی ہوئی دیواروں کو دوبارہ تھام لیا۔ تیسرا یہ خود تھا جس نے اس کی عمارت کو تکمیل تک پہنچا دیا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہشام بن عبدالملک دور بینی کفایت شعاری تیز فہم اور باتدبیر بادشاہ تھا سلطنت کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات اسکی نگاہوں سے

مخفی نہ رہتے تھے۔ بردباری اور تحمل اس کی امتیازی خصوصیات تھیں[1]

خوش قسمتی سے اُسے بیس سال کا طویل زمانۂ حکومت میسر آیا۔ اس نے اپنی ان صفات سے کام لے کر حکومتِ امویہ کے آفتابِ اقبال کو نصف النہار تک پہنچا دیا۔

ہشام کی انتظامی قابلیت کے دشمن بھی قائل ہیں۔ عبداللہ بن علی عباسی کہتا ہے "میں نے بنی اُمیہ کے تمام خلفاء کے دفاتر کی جانچ پڑتال کی مگر ہشام کے دفاتر داعی اور رعایا کے حق میں سب سے بہتر پائے"۔

وہ اپنے عمال کی پوری نگرانی رکھتا تھا۔ مدائنی کہتا ہے۔

"بنو اُمیہ کا کوئی خلیفہ ہشام سے زیادہ عمالِ حکومت اور دفاترِ حکومت کی نگرانی کرنے والا نہ تھا"۔

مالیات کے سلسلہ میں اس کی پالیسی بہت سخت تھی۔ مسرفانہ اخراجات کو وہ قطعاً روا نہ رکھتا تھا بلکہ جائز اخراجات میں بھی جزرسی سے کام لیتا تھا اس تشدد کی وجہ سے لوگوں میں وہ بخیل مشہور ہو گیا تھا۔

اس کی اپنی معاشرت بھی بہت سادہ تھی۔ معمولی کپڑے پہنتا تھا اور معمولی غذا کھاتا تھا۔ عقال بن شبہ کہتے ہیں۔

"جب ہشام نے مجھے خراسان کی طرف بھیجنے کے لئے بلایا تو میں نے اُسے ایک سبز سوتی قبا میں ملبوس دیکھا۔ مجھے یاد آیا کہ ولی عہدی کے زمانے میں بھی میں نے اُسے یہی قبا پہنے دیکھا تھا"۔ ہشام میری نگاہوں کو تاڑ گیا اور کہنے لگا۔

"کیا بات ہے؟"

میں نے کہا ولی عہدی کے زمانہ میں میں نے آپ کو ایسی ہی قبا پہنے دیکھا تھا۔ یہ وہی تو نہیں ہے۔ ہشام نے قسم کھا کر کہا۔ یہ وہی قبا ہے۔ میرے پاس اس کے سوا اور کوئی قبا نہیں ہے[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۳۵۱ [2] ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۹۶۔

اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی وہ بہت سادہ مزاج تھا۔ شاہانہ غرور و تمکنت اس کے پاس بھی نہ پھٹکتی تھی۔ اپنی غلطی کو وہ بے تامل تسلیم کر لیتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کسی معزز شخص کو گالی دے بیٹھا۔ اُس شخص نے بگڑ کر کہا۔ خلیفۂ وقت ہو کر آپ کو گالی دیتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ہشام سخت شرمندہ ہُوا اور کہنے لگا تم مجھ سے اس زیادتی کا بدلہ لے لو۔ معزز شخص نے کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بھی تم جیسا کمینہ ہو جاؤں۔ ہشام نے کہا تو کچھ مال لے کر معاف کر دو۔ اس شخص نے یہ جواب دیا کہ یہ بھی میں نہیں کر سکتا۔ اس پر ہشام نے کہا تو خدا کے واسطے معاف کر دو۔ وہ شخص کہنے لگا یہ منظور ہے۔ میں خدا کے واسطے اور تمہارے واسطے معاف کرتا ہوں۔ یہ سُن کر ہشام نے اپنی گردن جُھکا لی اور ندامت کے ساتھ کہا[1]

"واللہ آئندہ ایسی حرکت نہ ہو گی"[1]

عیش و عشرت سے اُسے لگاؤ نہ تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے اپنے باپ کو لکھا میرے محل میں نو نازک بدن و خوش جمال کنیزیں ہیں مگر میں کسی سے متمتع نہیں ہوتا۔ اسی طرح رقص و سرود اور لہو و لعب سے اُسے نفرت تھی جس کسی کو اس میں مبتلا پاتا اُسے سخت سزا دیتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص کو اس جرم میں اس کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ مے نوشی و عیش کوشی کا شغل رکھتا ہے۔ ہشام نے حکم دیا کہ اس کا طنبورہ اس کے سر پر توڑ دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل ہُوئی تو وہ شخص رونے لگا۔ ہشام نے کہا صبر سے کام لو۔ وہ شخص بولا کہ میں تکلیف کے سبب نہیں رو رہا۔ بلکہ اس بدذوقی پر رو رہا ہوں کہ اب بربط کو طنبورہ کہا جاتا ہے[2]

عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے بھی ہشام ایک سچا اور پکا مسلمان تھا۔ ایک دن نمازِ جمعہ میں اس نے اپنے کسی بیٹے کو غیر حاضر پایا تو اس سے باز پُرس کی شہزادے نے عذر کیا کہ میری سواری ناکارہ ہو گئی تھی۔ ہشام نے کہا۔ کیا پیدل نہیں آسکتے تھے؟ پھر ایک

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۹۷ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۳۵۲

سال کے لئے سواری استعمال کرنے کی شہزادہ کو ممانعت کر دی [1]

رومی و ایرانی اقوام کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور مفتوح قوموں سے مسلمانوں کے ملنے جُلنے کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کے عقائد میں پہلی سی سادگی اور پختگی رہنی مشکل تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے ہشام کے زمانہ میں جعد بن درہم نے عقیدہ "خلقِ قرآن" کا اظہار کیا۔ ہشام نے امیرِ عراق خالد بن عبداللہ قسری کے ذریعے اُسے عین بقرعید کے دن قتل کرا دیا۔

اسی طرح غیلان بن یونس نے سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں قدریہ خیالات کا اظہار کیا تھا۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سمجھانے سے اُس نے توبہ کر لی تھی۔ ہشام کے زمانے میں اُس نے پھر اپنے خیالات کا اعادہ کیا ہشام نے اُسے بھی قتل کرا دیا [2]

ہشام کے زمانے میں بڑے بڑے حوادث پیش آئے۔ مگر مشرق اور مغرب میں اسلام کا جھنڈا ہمیشہ اُونچا رہا۔ ترکستان و آذربائیجان میں ترک و تاتار کی کمر توڑ دی گئی۔ سندھ میں بغاوت ہوئی تو اُس کا سختی سے استیصال کیا گیا اور مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم کر کے اُنہیں محفوظ کر دیا گیا۔ ایشیائے کوچک میں بہت سے قلعے مسلمانوں نے رُومیوں کے ہاتھ سے چھین لئے۔ شمالی افریقہ میں بربریوں نے سر اُٹھایا تو اُنہیں دبا دیا گیا۔ اندلس میں نظم ونسق کو درست کیا گیا اور وہاں سے کئی بار فرانس پر حملے کئے گئے۔

الغرض ہشام کا دَور ہر اعتبار سے کامیاب دَور کہا سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ اموی حکومت کے چراغِ سحری کی جس کا روغن آہستہ آہستہ کم ہو رہا تھا۔ آخری لپک تھی۔



---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۳۵۲ [2] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۹۶

ولیدِ ثانی بن یزید بن عبد الملک

۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ

ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان، اپنے باپ یزید بن عبدالملک کی وصیت کے مطابق، ہشام کی وفات کے بعد ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں اردن میں تخت نشین ہوا۔

ولید ایک عیش پسند اور آوارہ مزاج نوجوان تھا۔ اُسے نغمۂ شیریں اور بادۂ رنگین کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ ہشام نے پہلے تو اُسے درست کرنے کی کوشش کی۔ مگر جب یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی تو اُسے ولی عہدی سے محروم کر کے اپنے بیٹے مسلمہ کو ولی عہد بنانا چاہا۔ ابھی یہ تجویز پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ ہشام نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ہشام کے اس اقدام سے ولید اس سے کھٹک گیا۔ وہ دارالخلافہ چھوڑ کر اپنی جاگیر اردن میں ایک چشمہ کے کنارے جا بسا۔

ولید کو یہیں ہشام کی موت کی خبر ملی۔ سب سے پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ عباس بن عبدالملک بن مروان کو حکم دیا کہ فوراً رصافہ جا کر ہشام کے اہل و عیال کو نظر بند اور اُس کے مال و منال پر قبضہ کرے۔ البتہ اُس نے مسلمہ کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے کی ہدایت کی۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کے ساتھ متفق الرائے نہ تھا۔ عباس بن عبدالملک نے رصافہ پہنچ کر ولید کے احکام کی تعمیل کی۔

ولید نے ان ارکانِ دولت و امراءِ حکومت کو بھی نہ چھوڑا جو ولید کی برطرفی

کی کوشش میں ہشام کے مددگار تھے۔ ولید نے ان سے سخت انتقام لیا اور ان کی تحقیر و تذلیل میں کسر اٹھا نہ رکھی۔

ہشام کے دونوں ماموؤں محمد اور ابراہیم کو پابہ زنجیر کر کے دمشق طلب کیا وہاں اُن کے کوڑے لگائے گئے۔ پھر انہیں یوسف بن عمرو والئ عراق کے پاس عراق بھیج دیا۔ یوسف نے اُنہیں سخت عذاب دے کر قتل کر دیا۔

سلیمان بن ہشام کو گرفتار کر کے اُس کے سو کوڑے لگائے گئے اور اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال مونڈھ کر اسے عمان کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ یزید بن ہشام کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ روح بن ولید اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی گئی۔ ولید کی اولاد میں سے بھی کئی ایک قید خانہ میں ڈال دیئے گئے۔

خالد بن عبداللہ قسری سابق والئ عراق یمنی قبائل کا ممتاز سردار تھا۔ ولید نے اُسے حکم بھیجا کہ اس کے بعد اس کے دونوں بیٹوں حکم اور عثمان کی ولی عہدی کی بیعت کرے۔ خالد نے انکار کیا تو ولید نے اُس کے عصبی دُشمن یوسف بن عمر ثقفی نزاری کے حوالے کر دیا۔ یوسف بن عمر نے اُسے برہنہ کر کے ایک چادر اوڑھادی اور ہولناک عذاب دے کر قتل کر دیا۔[1]

خالد کے ساتھ اس سنگدلانہ برتاؤ سے اہلِ یمن اور قضاعہ میں سخت برہمی پھیل گئی حالانکہ یہی قبائل بنوامیہ کے دست و بازو تھے۔

یحییٰ بن زید کا خروج اور شہادت

۱۲۵ھ ہی میں یحییٰ بن زید کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ یحییٰ اپنے والد زید بن علی کی شہادت کے بعد خراسان چلے آئے تھے اور بلخ میں اپنے ایک متوسل حریش بن عمر کے ہاں مقیم تھے۔ یوسف ابن عمر والئ عراق نے حاکم خراسان نصر بن سیار کو لکھا کہ یحییٰ کو گرفتار کر لو۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۰۲

نصر نے حریش کو طلب کر کے یحییٰ کی سپردگی کا مطالبہ کیا۔ حریش نے لاعلمی ظاہر کی۔ مگر جب نصر نے سختی کی تو حریش کے بیٹے نے یحییٰ کا پتہ بتا دیا اور نصر نے اُنہیں گرفتار کر لیا۔ ولید کو یحییٰ کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو اُس نے نصر کو لکھا کہ یحییٰ کو گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ انہیں خراسان سے شام بھیج دو۔

نصر نے یحییٰ کو دو ہزار درہم دے کر انہیں شام روانہ ہونے کی ہدایت کی۔ یحییٰ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ابھی وہ بیہق ہی پہنچے تھے کہ اُنہیں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں اُن کے ساتھ دھوکہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ نیشاپور لوٹ گئے اور وہاں خروج کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حاکم نیشاپور عمرو بن زرارہ نے نصر کو کل حالات سے مطلع کیا۔ نصر نے اُسے مقابلہ کا حکم دیا۔ عمرو دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ یحییٰ کے مقابلے کے لئے نکلا۔ یحییٰ نے اپنے ستر ساتھیوں سے اُسے شکست دیدی۔ عمرو بن زرارہ لڑائی میں کام آیا۔ نصر کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اُس نے سالم بن احوفہ کو اُن کے مقابلہ پر مامور کیا۔ جوزجان میں دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ سخت خوں ریز جنگ ہوئی۔ اتفاقاً ایک تیر یحییٰ کی پیشانی پر آ کر لگا۔ یحییٰ شہید ہوئے اور اُن کی لاش جوزجان میں منظرِ عام پر لٹکا دی گئی [1]

یزید کی مخالفت

محولہ بالا واقعات کی وجہ سے عوام و خواص سب ولید سے بیزار ہو گئے۔ شاہی خاندان کے ارکان نے اس کے خلاف سازش شروع کر دی۔ یزید بن ولید نے جو اپنے اخلاق و اعمال کی وجہ سے نیک نام تھا۔ خلافت کے لئے منتخب کیا گیا۔ یمنی قبائل نے جن پر حکومت کی فوجی طاقت کا دارومدار تھا اس کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کرنی شروع کر دی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۹۹

مروان بن محمد بن مروان کو جو اس وقت آرمینیہ میں تھا ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اس تجویز کو پسند نہ کیا۔ اس نے سعید بن عبدالملک کو لکھا[۱] لوگوں کو اس فتنہ کی آگ میں کُودنے سے روکو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری خانہ جنگی سے ہمارے دشمن فائدہ اٹھائیں گے اور حکومت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی ''۔

سعید کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی اُس نے مروان کے اس خط کو عباس ابنِ ولید کے پاس بھیج دیا کہ وہ اپنے بھائی یزید بن ولید کو سمجھائے۔ عباسؓ نے یزید کو بُلا کر اُسے نشیب و فراز سمجھایا اور خانہ جنگی سے باز آنے کا مشورہ دیا۔ یزید کو اپنی کامیابی پر یقین تھا کہ عباس کے کہنے سے بظاہر تو اُس نے اس ارادہ سے باز آنے کا وعدہ کر لیا مگر اندرونی طور پر کام میں مصروف رہا۔

قتلِ ولید

جب یزید کی تیاریاں مکمل ہوگئیں تو اُس نے دارالخلافہ دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ولید اس وقت اغدف مضافاتِ عمان میں مقیم تھا۔ یزید نے عبدالعزیز بن حجاج بن عبدالملک کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ ولید کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ ولید کے پاس کوئی بڑی طاقت نہ تھی۔ مقابلہ کیا مگر جب مایوسی ہوگئی تو میدان کو چھوڑ کر اپنے محل میں آیا اور قرآن کھول کر بیٹھ گیا۔ اسی حالت میں قتل ہوا۔ ولید کا سر کاٹ کر یزید کے پاس دمشق بھیج دیا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانیہ ۱۲۶ھ کا ہے۔ ولید کی خلافت کی مدت صرف ایک سال تین مہینے ہوئی۔

---

[۱] ابنِ اثیر جلد ۵ صفحہ ۹۹

یزید بن ولید بن عبدالملک
اور
ابراہیم بن ولید بن عبدالملک

۱۲۶ھ تا ۱۲۷ھ

یزید بن ولید بن عبدالملک ابن مروان۔ اس کی ماں شاہ آفرید، فیروز بن یزدگرد شہنشاہ ایران کی بیٹی تھی۔ ولید کے قتل کے بعد آخر جمادی الاخر ۱۲۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ ولید نے اپنے عہد میں فوج کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ یزید نے اس اضافہ کو منسوخ کر دیا۔ اس لئے "ناقص" کہلایا۔

یزید اگرچہ عابد و زاہد خلیفہ تھا مگر چونکہ اس نے ولید کو قتل کر کے خلافت حاصل کی تھی اور یمینیوں کی فوجی امداد سے حاصل کی تھی اس لئے ولید کے رشتہ داروں کے علاوہ مضری بھی جو یمنیوں کے حریف تھے اس کے خلاف صف آراء ہو گئے۔

اس طرح ولید کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد ایک طرف قصر شاہی میں مخالفت کے شرارے بھڑک اٹھے اور دوسری طرف ملک میں قبائلی عصبیت کا فتنہ خوابیدہ بیدار ہو گیا۔

شام کی شورش سب سے پہلے اہل حمص نے مخالفت کا اظہار کیا۔ انہوں نے ولید کی خلافت کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ امیر حمص مروان بن عبداللہ ابن عبدالملک نے ان کی ہمنوائی کی۔

اہل حمص نے معاویہ بن یزید بن حصین کو اپنا سردار بنایا اور یزید کے مقابلہ کے لئے دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ یزید کو اطلاع ہوئی تو اس نے یعقوب بن ہانی اور دوسرے لوگوں کو اہل حمص کی فہمائش کے لئے بھیجا اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ "مجھے خلافت کی خواہش نہیں ہے اگر تم مجھے ناپسند کرتے ہو تو

کسی اور کو شوریٰ کے ذریعہ خلیفہ منتخب کر لو "

لیکن اہلِ حمص نے یزید کی اس پیش کش کو بھی رد کر دیا اور مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔

یزید نے اُن کے مقابلہ کے لئے سلیمان بن ہشام کو بہت بڑی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ سلیمان دمشق سے چل کر حوارین میں مقیم ہوا۔

مروان بن عبداللہ نے اہلِ حمص سے کہا کہ دمشق جانے کی بجائے حوارین پہنچ کر سلیمان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اہلِ حمص نے اس رائے کو پسند نہ کیا اور مروان کو یزید سے ساز باز رکھنے کا الزام لگا کر قتل کر دیا اور اس کی بجائے ابو محمد سفیانی کو اپنا والی بنایا۔

اہلِ حمص دمشق کی طرف بڑھے تو سلیمان بھی ان کو روکنے کے لئے نکلا۔ مقام سلیمانیہ میں اس نے ان کو جالیا۔ ادھر یزید نے عبدالعزیز بن حجاج کی سرکردگی میں ایک دوسرا لشکر روانہ کیا۔ ان دونوں لشکروں نے مل کر اہلِ حمص کو شکست دے دی اور اُن کی بہت بڑی تعداد میدانِ جنگ میں کام آئی۔ اہلِ حمص نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی۔

کچھ ہی عرصہ بعد اہلِ فلسطین نے بھی یزید کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا انہوں نے سعید بن عبدالملک عاملِ فلسطین کو نکال کر یزید بن سلیمان بن عبدالملک کو اپنا عامل مقرر کر لیا۔

اہلِ اردن کو اہلِ فلسطین کی بغاوت کی خبر پہنچی تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ یزید نے پہلے تو اہلِ فلسطین کے لیڈروں کو انعام و اکرام دے کر توڑ لیا جب اہلِ اُردن تنہا رہ گئے تو سلیمان بن ہشام کو ایک لشکرِ گراں دے کر اُن کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ سلیمان کے مقابلہ کی اہلِ اُردن تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر اپنے گھروں کی راہ لی۔

عراق وخراسان کی شورش یہ تو ملک شام کے حالات تھے عراق وخراسان کی فضاء میں بھی فتنہ وفساد کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔

یزید نے یوسف بن عمر کو معزول کر کے منصور بن جمہور کو عراق کی ولایت پر مامور کیا۔ منصور نے عراق پہنچ کر یوسف کے زمانہ کے انتظامات کو بدلا اور اپنے بھائی کو خراسان کا حاکم بنا کر بھیجا۔ نصر بن سیار حاکم خراسان نے جو وہاں بہت ذی اثر تھا اپنے منصب سے دستبرداری سے انکار کر دیا۔

ابھی یہ قضیہ چل ہی رہا تھا کہ یزید نے منصور کو حکومت عراق سے معزول کر کے اس کی جگہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو بھیجا۔ عبداللہ بن عمر نے نصر کو حکومت خراسان پر بحال کر دیا۔

اسی دوران میں خراسان میں پھر قبائلی عصبیت کا فتنۂ خوابیدہ جاگ اُٹھا۔ حدیع بن علی ازدی کرمانی جو ایک یمنی سردار اور نصر بن سیار کا پرانا دوست تھا کسی بات پر نصر سے بگڑ بیٹھا۔ یمنی قبائل اُس کی حمایت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اس پر نصری قبائل نصر کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ نصر نے کسی بہانہ سے کرمانی کو قید کر دیا۔ کرمانی کے حامی اُسے قید خانے سے نکال لائے۔ کرمانی کے فرار کے بعد نصر نے اُسے منانے کی کوشش کی۔ مگر اُس نے نصر پر اعتماد کرنے سے انکار کر دیا اور نصر کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کرمانی نے ربیعہ اور یمن کے عہدِ جاہلیت کے پُرانے معاہدے کی تجدید کر کے قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔

نصر اور کرمانی کے ان اختلافات نے عباسی داعیوں کے لئے خراسان میں مناسب فضا پیدا کر دی۔ اسی سال ابراہیم بن محمد نے جو اپنے والد کے انتقال کے بعد سلسلۂ عباسیہ کے امام مقرر ہوئے تھے ابو ہاشم بجیر بن ماہان کو وصیتوں اور ہدایتوں کے ساتھ خراسان بھیجا۔ اُس نے مرو پہنچ کر نقباء اور دعاۃ کو جمع کیا۔

محمد بن علی کے صاحبزادے نے محمد بن علی کے بعد بیعت لی اور فرمانِ امامت انہیں سنایا۔

وابستگانِ تحریک نے جدید امام سے عقیدت کا اظہار کیا اور ایک معقول رقم اُن کی خدمت میں بطور نذر پیش کرنے کے لئے بکیر کو دی۔[1]

وفاتِ یزید بن ولید صرف پانچ مہینے بائیس روز تختِ حکومت پر متمکن رہنے کے بعد یزید بن ولید نے مرض طاعون میں ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۶ھ کو وفات پائی۔

ابراہیم کی جانشینی اور دستبرداری یزید نے اپنے بعد اپنے بھائی ابراہیم بن ولید کو اور اس کے بعد عبد العزیز بن حجاج بن عبد الملک کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔ چنانچہ یزید کے انتقال کے بعد ابراہیم خلیفہ ہوا۔

پہلے ذکر آچکا ہے کہ مروان بن محمد بن مروان والئ آرمینیہ ولید کے قتل کے سلسلہ میں یزید سے ناراض تھا۔ چنانچہ یزید کے آخری عہد میں اُس نے موقع دیکھ کر جزیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ یزید نے مصلحتاً جزیرہ کو اس کی حکومت میں دے کر اس کی مخالفت کو دبا دیا تھا۔

یزید کے انتقال کے بعد مروان ابن محمد مروان نے ابراہیم کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور اہلِ جزیرہ کی جمعیتِ کثیرہ ساتھ لے کر شام کی طرف روانہ کیا۔ قنسرین اور حمص پر قبضہ کرنے کے بعد وہ آگے بڑھا تو عین الحر پر ابراہیم کے لشکر سے اُس کا مقابلہ ہوا۔ مروان نے ابراہیم کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ ولید کے دونوں لڑکوں حکم اور عثمان کو جو اس کی قید میں ہیں رہا کر دے تو وہ مقابلہ سے دست بردار ہو جائے گا۔ ابراہیم نے انکار کیا۔ دونوں فریقوں میں

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۱۲

خون ریز جنگ ہوئی۔

آخر ابراہیم کی فوج کو شکست فاش ہوئی اور مروان فاتحانہ دمشق میں داخل ہوا۔

یہ واقعہ صفر ۱۲۷ھ کا ہے۔

مروان ولید کے دونوں بیٹوں میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔ مگر اس کے دمشق میں داخلہ سے پہلے ہی انہیں قتل کیا جا چکا تھا اس لئے وہ خود تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ ابراہیم بن ولید مروان کی آمد کی خبر سن کر دمشق سے بھاگ گیا تھا مگر مروان نے اُسے امان دے کر واپس بلا لیا۔

چونکہ ابراہیم کا دورِ حکومت نہایت مختصر رہا اور پھر اس مختصر زمانے میں بھی اس کی خلافت کو متفقہ طور پر تسلیم نہ کیا گیا۔ اس لئے مؤرخین نے اُسے مستقل خلیفہ تسلیم نہیں کیا ہے۔



مروان بن محمد بن مروان

۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ

مروان بن محمد بن مروان بن حکم اس کی ماں ایک کُردی اُمّ ولد تھی ۷۲ھ میں پیدا ہُوا۔ اپنے باپ کے بعد جزیرہ آرمینیہ کا والی مقرر ہُوا۔ ابراہیم کی شکست اور فرار کے بعد صفر ۱۲۷ھ میں دمشق میں تختِ خلافت پر متمکن ہُوا۔

مروان بہادر، جفاکش، معمّر اور تجربہ کار بادشاہ تھا۔ مگر اُس نے زمانہ ایسا پایا کہ حکومتِ امویہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور اس کی تمام صلاحیتیں اس کے منتشر اجزاء کو مجتمع کرنے میں ناکام ثابت ہوئیں۔

عبداللہ بن معاویہ کا خروج

اس کا تمام عہد، حوادث و اضطراب سے لبریز ہے۔ سب سے پہلے کوفہ میں عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ایک ہاشمی بزرگ نے خروج کیا اور کوفیوں کی بڑی تعداد اُن کے ساتھ ہو گئی۔ اس زمانے میں عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز والئ عراق تھے۔ ان کے والد کی بزرگی کی وجہ سے لوگ اُن سے محبت کرتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے اثر و اقتدار سے کام لے کر عبداللہ بن معاویہ کی طاقت کو توڑ دیا۔ کوفی منتشر ہو گئے۔ عبداللہ بن معاویہ اپنی جان بخشی کرا کر عراقِ عجم کی طرف نکل گئے۔

شام کی بغاوتیں

مُلکِ شام میں جو حکومت کا گہوارہ تھا۔ جا بجا بغاوتیں رونما ہوئیں۔ پہلے حمص میں بغاوت ہُوئی۔ مروان

بنفسِ نفیس وہاں پہنچا۔ خون ریز جنگ کے بعد اہلِ حمص کو مطیع کیا۔ باغیوں میں سے پانچ سو آدمیوں کو شہر کے اطراف میں سُولی پر لٹکایا اور شہر کی فصیل کا کچھ حصّہ مسمار کر دیا۔ مروان کو حمص ہی میں خبر پہنچی کہ اہلِ غوطہ نے مجتمع ہو کر دمشق پر حملہ کر دیا ہے۔ اس نے فوراً ابوالورد کی سرکردگی میں دس ہزار کی جمعیت اہلِ غوطہ کے مقابلہ کے لئے روانہ کی۔ اہلِ دمشق شہر بند ہو بیٹھے تھے۔ شاہی فوج کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ بھی دروازے کھول کر اندر سے نکل آئے۔ اہلِ غوطہ شکست کھا کر بھاگے اور اُن کا سردار یزید بن خالد بن عبداللہ قسری گرفتار ہو کر قتل ہُوا۔ اسی دوران میں اہلِ فلسطین نے بغاوت کر دی اور ثابت بن نعیم کو اپنا سردار بنا کر طبریہ پر حملہ آور ہُوئے۔ مروان نے دمشق سے ابوالورد کو طبریہ جانے کا حکم دیا۔ ابوالورد کے طبریہ پہنچنے سے پہلے ہی اہلِ طبریہ دُشمنوں کو شکست دے کر بھگا چکے تھے۔ ابوالورد نے ان کا تعاقب کر کے ان کے منتشر جتھوں کو شکست دی۔

سلیمان بن ہشام کی مخالفت

ابھی یہ بغاوتیں فرد نہ ہُوئی تھیں کہ دشمنوں نے ایک نیا فتنہ اُٹھا کھڑا کیا۔ کچھ مفسدین سلیمان بن ہشام کے پاس گئے اور اُسے اہلِ شام کی حمایت کا یقین دلا کر دعوائے خلافت پر اُبھارا۔ سلیمان تیار ہو گیا اور ستر ہزار کی جمعیت اپنے گرد قنسرین میں جمع کر لی۔ مروان اس وقت قرقیسیا میں تھا مقابلہ کی تیاری کر کے قنسرین کی طرف روانہ ہُوا۔ مقام صناف میں دونوں فوجوں میں سخت جنگ ہُوئی۔ سلیمان نے شکست کھائی اور اس کی فوج کی تیس ہزار آدمی قتل ہُوئے۔ سلیمان بھاگ کر حمص پہنچا۔ یہاں اس کے بقیۃ السیف ساتھی اُس سے آملے۔ مروان اس کے تعاقب میں حمص کی طرف روانہ ہُوا۔ ابھی مروان راستہ ہی میں تھا کہ سلیمان کے کچھ سرداروں نے اس پر شبخون مارا مگر مروان نے انہیں شکست دے کر بھگا دیا۔ سلیمان کو اس شکست کا علم ہُوا تو وہ حمص سے تدمر

چلا گیا۔ مروان نے آگے بڑھ کر حمص پر قبضہ کر لیا۔

خوارج عراق

بنو امیہ کو اس طرح دست و گریباں دیکھ کر اُن کے پرانے حریفوں نے موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور وہ بھی میدان میں نمودار ہو گئے۔ خوارج ضحاک بن قیس شیبانی کے زیرِ علم منظم ہوئے اور کوفہ پر حملہ کر دیا۔ امیر کوفہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے ان کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور کوفہ چھوڑ کر واسط چلے گئے۔ ضحاک بن قیس نے عبداللہ بن عمر کا تعاقب کیا اور واسط پہنچا۔ کئی مہینے کی جنگ کے بعد عبداللہ نے ضحاک سے مصالحت کر لی اور واسط پر بھی ضحاک کا قبضہ ہو گیا۔ اسی دوران میں سلیمان بن ہشام بھی مروان کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر ضحاک سے آملا۔

اب ضحاک کی قوت بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ اُس نے موصل کو بھی فتح کر لیا۔ مروان اس زمانہ میں حمص میں مقیم تھا اُسے ضحاک کی ان کامیابیوں کی خبر پہنچی تو اُس نے اپنے بیٹے عبداللہ بن مروان کو جو والیٔ جزیرہ تھا حکم بھیجا کہ وہ جزیرہ میں ضحاک کو داخل ہونے سے روکے۔ عبداللہ بن مروان سات ہزار کی جمعیت کے ساتھ ضحاک کو روکنے کے لئے نصیبین میں مقیم ہوا۔ ضحاک نے مروان کی آمد کی خبر سُن کر نصیبین کا محاصرہ اُٹھا لیا اور مروان کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ کفر توثا کے نواحی میں فریقین میں ہولناک جنگ ہوئی جس میں ضحاک مقتول ہوا۔ خوارج نے سعید بن بہدل خیبری کو امیر منتخب کر کے پھر جنگ شروع کر دی۔ خیبری نے مروان کی فوج کے قلب پر حملہ کر کے اُسے شکست دے دی۔ مروان قلب کے دستہ کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر جب خیبری مروان کی خیمہ گاہ کی طرف بڑھا تو مروان کے خدمت گاروں نے اس کے ساتھیوں کی قلتِ تعداد دیکھ کر اُسے گھیر لیا اور قتل کر دیا۔ مروان کو لڑائی کا نقشہ بدل جانے کی خبر پہنچی تو وہ لوٹ آیا اور پھر نئے سرے سے صفیں درست کیں۔

خوارج نے خیبری کے قتل کے بعد شیبان بن عبدالعزیز لشکری کو اپنا سردار مقرر

کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ اُس کے ساتھیوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے تو لڑائی ملتوی کر کے موصل چلا گیا۔ مروان بھی اُس کے تعاقب میں موصل پہنچا اور چھ مہینے تک اس سے جنگ کرتا رہا۔

اسی اثناء میں مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو عراق سے خارجیوں کا اثر زائل کرنے کے لئے بھیجا۔ ابن ہبیرہ نے پہلے کوفہ اور پھر بصرہ سے خارجیوں کو نکالا۔ عراق سے مطمئن ہو کر ابن ہبیرہ نے عامر بن ضبارہ کو سات ہزار کی جمعیت کے ساتھ مروان کی مدد کے لئے جو شیبان کے مقابلہ میں صف آرا تھا موصل بھیجا۔

شیبان کو عامر بن ضبارہ کی روانگی کی اطلاع ملی تو اُس نے خود کو دو دشمنوں کے درمیان گھروانا مناسب نہ سمجھا اور موصل سے روانہ ہو گیا۔ مروان نے عامر کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مقام جیرفت میں عامر نے شیبان کو جا لیا۔ دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ شیبان کو شکستِ فاش ہوئی وہ سجستان کی طرف نکل گیا۔ اور وہاں ۱۳۰ھ میں مر گیا۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ان تمام مراحل میں سلیمان بن ہشام برابر خوارج کے ساتھ رہا اور اُن کی ہر قسم کی مدد کرتا رہا۔ خوارج کی قوت ٹوٹ جانے کے بعد وہ مع اہل و عیال دریائی راستہ سے سندھ چلا آیا۔ انقلاب حکومت کے بعد اس نے بڑی آرزوؤں کے ساتھ سفاح کے دربار میں حاضر ہو کر اس کی دست بوسی کی۔ سفاح نے بھی اس کے ساتھ عزت و اکرام کا برتاؤ کیا، مگر عین اس موقعہ پر جب سفاح کی نظرِ عنایت اس پر مبذول تھی سفاح کے غلام سدیف نے چند اشتعال انگیز شعر پڑھے۔ سفاح کے سینے میں انتقام کی چنگاریاں بھڑک اُٹھیں اور اُس نے سلیمان کا سر قلم کرا دیا۔ [1]

خوارج یمن و حجاز

جس زمانہ میں ضحاک اور اُس کے ساتھیوں نے عراق اور جزیرہ میں شورش برپا کر رکھی تھی۔ اسی زمانے میں ایک دوسرے خارجی سردار ابو حمزہ مختار بن عوف الازدی نے حجاز کو اپنی فتنہ انگیز

میں ایک دوسرے خارجی سردار ابو حمزہ مختار بن عوف ازدی نے حجاز کو اپنی فتنہ انگیز سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ ابو حمزہ نے ۱۲۹ھ میں اپنے سات سو رفقاء کے ساتھ عین حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں خروج کیا۔ حجاج ان کے سیاہ جھنڈے اور نیزوں پر سیاہ بلند عمامے دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ عبدالواحد بن سلیمان والیٔ مکہ نے ابو حمزہ سے مراسلت کر کے یہ طے کیا کہ "ایامِ حج میں شورش برپا نہ ہو گی اور حجاج کو مناسکِ حج کی ادائیگی کا اطمینان سے موقع دیا جائے گا۔

حج سے فراغت کے بعد عبدالواحد بن سلیمان خاموشی کے ساتھ مکہ سے مدینہ چلا گیا اور ابو حمزہ نے بلا مزاحمت مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر عبدالواحد نے اہلِ مدینہ کو خوارج کے فتنہ سے آگاہ کیا اور انہیں ان کے مقابلہ میں نکلنے کے لئے ابھارا۔ چنانچہ اہلِ مدینہ عبدالعزیز بن عبداللہ کی سرکردگی میں خوارج کے مقابلہ کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ پر قابض ہونے کے بعد ابو حمزہ بھی مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو پڑا۔

مقامِ قدید میں دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا۔ خوارج نے اہلِ مدینہ کو پیغام بھیجا تھا کہ "انہیں اہلِ مدینہ سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ وہ صرف بنو امیہ کے مقابلہ کے لئے نکلے ہیں لہٰذا وہ درمیان سے ہٹ جائیں۔"

مگر اہلِ مدینہ نے مقابلہ پر اصرار کیا۔ اہلِ مدینہ عرصہ سے عافیت پسندانہ زندگی کے عادی ہو گئے تھے اور خوارج مردِ میدان تھے۔ اہلِ مدینہ نے بری طرح شکست کھائی اور ہزاروں کی تعداد میں مقتول ہوئے۔ مدینہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے آہ و بکا کی آوازیں بلند نہ ہو رہی ہوں۔ اب ابو حمزہ مدینہ پہنچا اور ایک طویل خطبہ میں بنو امیہ کے معائب اور اپنی جماعت کے نیک عزائم بیان کئے۔ عبدالواحد مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر پہلے ہی شام کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ مدینہ پر قابض ہونے کے بعد ابو حمزہ بھی مروان کے مقابلہ کے لئے شام کی طرف روانہ ہوا۔ مروان کو خبر ہوئی تو اس نے چار ہزار منتخب سواروں کو عبدالملک

بن محمد بن عطیہ کی ماتحتی میں ابوحمزہ کو روکنے کے لئے روانہ کیا۔ وادی القراء میں دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا۔ شامیوں نے خارجیوں کو شکستِ فاش دی۔ خود ابوحمزہ بھی مارا گیا۔ بقیۃ السیف خوارج نے بھاگ کر مدینہ میں پناہ لی مگر عبدالملک نے مدینہ پہنچ کر انہیں بھی قتل کیا۔

خوارج کے اس گروہ کا امیر عبداللہ بن یحییٰ (طالب حق) تھا جو صنعاء (یمن) میں مقیم تھا۔ ابوحمزہ اسی کا داعی تھا۔ مدینہ میں ایک ماہ قیام کر کے عبدالملک نے صنعاء کی راہ لی۔ عبداللہ بن یحییٰ کو عبدالملک کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ ابنِ یحییٰ قتل ہوا اور عبدالملک نے اس کا سر مروان کے پاس بھیج دیا[۱]

خراسان میں فتنۂ عصبیت

حکومتِ امویہ کے مختلف صوبوں میں جس وقت یہ شورشیں برپا ہو رہی تھیں تو خراسان کی حالت سب سے زیادہ خطرناک تھی۔ پہلے ذکر آچکا ہے کہ یہاں قبائلی عصبیت کا فتنۂ خوابیدہ بیدار ہو چکا تھا۔ امیر نصر بن سیار والیٔ خراسان مضری قبائل کا قائد تھا اور جدیع بن شبیب کرمانی یمنی قبائل کا رہنما۔ ان دونوں سرداروں کے زیرِ علم مضری اور یمانی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں تھے۔ چونکہ زمانہ جاہلیت کے قدیم معاہدۂ صلح کی تجدید ہو گئی تھی اس لئے قبائل ربیعہ بھی یمنی قبائل کے ساتھ تھے ان کا سردار شیبان بن سلمہ حروری تھا۔

ابومسلم خراسانی

عین اس موقعہ پر ابومسلم خراسانی ایک عجمی النسل اور پارسی نژاد نوجوان خراسان کی سیاست میں داخل ہوا۔ اس نے حالات کا رخ ہی بدل دیا۔ ابومسلم قائم کوفہ بکیر بن ماہان کا غلام تھا۔ بکیر نے اسے جوہرِ قابل دیکھ کر عباسی تحریک کے اصول تلقین کئے۔ پھر اسے حمیمہ میں امام ابراہیم

---

[۱] ابنِ اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۴۶

کی خدمت میں نذر گزرانا۔

۱۲۸ھ میں ابراہیم نے ابومسلم کو امیر جماعت خراسان بنا کر بھیجا اور اُسے یہ وصیت کی۔

"تم ہمارے گھر کے آدمی ہو، میری وصیت کو اچھی طرح یاد رکھو، یمن کے قبیلہ کا خیال رکھنا اور انھیں اپنے ساتھ ملائے رکھنا اور اُن ہی کے ساتھ رہنا سہنا، تم اپنے مقصد میں ان کو ساتھ ملا کر ہی کامیاب ہو سکتے ہو۔ ربیعہ پر اعتماد نہ کرنا اور نصر کو تو قریبی دشمن سمجھنا، پھر تم جس کسی کو شکوک میں پاؤ اُس کو قتل کر دینا اور جب موقع آئے تو کسی عربی بولنے والے کو خواہ مصری ہو یا یمنی یا ربعی زندہ نہ چھوڑنا۔" [1]

ابومسلم نے خراسان آکر ایک سال تک حال کا جائزہ لیا اور اس دوران میں اپنا حلقۂ اثر بڑھایا۔ ۱۲۹ھ میں اُسے امام ابراہیم کی طرف سے دو جھنڈے "ظل اور سحاب" موصول ہوئے اور دعوتِ عباسیہ کے اظہار و اعلان کا حکم ملا۔

ظہورِ دعوتِ عباسیہ

۲۵ رشعبان ۱۲۹ھ کو جمعرات کے دن معینہ لائحہ عمل کے مطابق ابومسلم نے "یومِ آزادی" منایا۔ سفید بخ میں تمام وابستگانِ تحریک سیاہ لباس پہن کر مجتمع ہوئے۔ تمام رات آگ روشن کی جاتی رہی اور ابومسلم نے ظل اور سحاب کو یہ آیت مبارک تلاوت کرتے ہوئے مجمع میں بلند کیا:۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (الحج)

"ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں جنگ کا حکم دیا گیا کیونکہ اُن پر ظلم توڑا گیا اور اللہ تعالیٰ اُن کی مدد پر قادر ہے۔"

---

[1] ابنِ اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۰

مختلف قبائل و بلاد کے عباسی جو اس تقریب میں شرکت کے لئے گروہ در گروہ جمع ہوئے تھے ساری رات نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے۔ "ظل" اور "سحاب" سے یہ فال لی گئی کہ جدید التاسیس حکومت عباسیہ بادل کی طرح ساری زمین کو محیط ہو جائے گی اور سایہ کی طرح ہر زمانے میں اس کا وجود باقی رہے گا۔

پھر اسی قریہ سفید بنج کو حکومتِ عباسیہ کا عارضی مرکز مقرر کیا گیا۔ اس کے قلعہ اور فصیل کی مرمت کرا کر اُسے مضبوط کر لیا گیا [1]۔

ان تیاریوں کے بعد ابو مسلم نے نصر بن سیار کو ایک خط لکھا جس میں اُسے صرف "نصر" کہہ کر مخاطب کیا اور قرآن کی چند آیات اس میں درج کیں جن میں منکرینِ رسول کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا تھا۔

نصر نے اب ابو مسلم کی اہمیت محسوس کی اور ایک دستہ اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا مگر ابو مسلم نے اسے شکست دے کر بھگا دیا۔ اس کامیابی کے بعد ابو مسلم کی طرف رجوعات بڑھ گئی اور لوگ جوق در جوق اس کی جماعت میں شریک ہونے لگے۔

اسی زمانے میں مرو کے قریب نصر اور کرمانی میں جنگ چھڑ گئی۔ ابو مسلم بھی اپنی جمعیت کو لے کر فریقین کے درمیان مقیم ہوا۔ پھر اس نے کرمانی کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

نصر نے کرمانی کے پاس پیغام بھیجا کہ ابو مسلم کے دھوکہ میں نہ آؤ وہ سب عربوں کا دشمن ہے۔ بہتر ہو کہ ہم آپس میں صلح کر لیں۔ کرمانی نے اس پیغام کو قبول کر لیا۔ مگر جب کرمانی نصر سے صلح کرنے کے لئے اپنے لشکر سے نکلا تو نصر نے اُسے دھوکے سے قتل کرا دیا۔ کرمانی کے قتل کے بعد اس کا بیٹا علی نصر کے مقابلہ کے لئے میدان میں آ گیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۲، ۱۳۴۔

قبائلِ عربیہ کا اتحاد اور افتراق

اس دوران میں ابومسلم کی دعوت زور شور سے جاری تھی مختلف بلادِ خراسان سے لوگ آتے تھے اور عباسی تحریک کے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے۔ اتفاقاً مرو سے ایک وفد اس کے پاس آیا اور اس نے مسائل فقہیہ کے متعلق ابومسلم سے کچھ سوالات کئے۔ ابومسلم نے کہا ان باتوں میں کیا رکھا ہے میرے ساتھ تحریک میں شریک ہو کر نے کا کام ہی ہے۔ وفد نے کہا تمہارے ساتھ شریک ہونے سے کیا فائدہ ؟ یہ دونوں امیر جب تک برسرِ پیکار ہیں تمہارا کام چل رہا ہے۔ ان دونوں میں اتحاد ہوتے ہی تمہارا خاتمہ ہے۔ ابومسلم کی زبان سے نکل گیا" میں ان دونوں کو ٹھکانے لگا دوں گا"

اہل وفد نے اس گفتگو کا ذکر نصر سے بھی کیا اور شیبان بن مسلمہ سردار ربیع سے بھی جو اب تک کرمانی کا معاون تھا۔ ابومسلم کے ان عزائم پر مطلع ہو کر یحییٰ بن نعیم شیبانی کی کوشش سے نصر، شیبان اور علی بن کرمانی نے آپس میں مصالحت کر لی۔

ابومسلم کا مرو پر قبضہ

ابومسلم کو عربی قبائل کے اتحاد کی خبر ملی تو اس کو اپنا بنا بنایا کھیل بگڑتا ہوا نظر آیا۔ اس نے علی بن کرمانی کو نصر سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے پر اکسایا۔ علی ابومسلم کے جال میں پھنس گیا اور عربی اقوام کے اتحاد کا شیرازہ بکھر گیا [1]

ابومسلم علی بن کرمانی کو ساتھ لے کر نصر بن سیار کے مقابلہ کے لئے اپنے جدید مرکز "ماخوان" سے مرو کی طرف بڑھا۔ نصر کو شکست ہوئی اور ابومسلم مرو پر قابض ہو گیا۔ نصر نے شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کی۔ یہ واقعہ ۱۳۰ھ کا ہے۔

مرو پر قبضہ کے بعد ابومسلم کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اب اُسے نہ ربیعہ کی مدد

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۳۷!

کی ضرورت رہ گئی تھی اور نہ بین کی۔ چنانچہ جلد ہی اُس نے پہلے شیبان بن سلمہ حروری کو قتل کرا دیا اور پھر علی بن کرمانی سے درخواست کی کہ وہ اپنے خاص خاص سرداروں کے نام بتائے تاکہ انہیں حُسنِ خدمات کے صلے میں انعام و اکرام سے سرفراز کرے۔ علی نے نام بتا دیئے تو ابومسلم نے علی کو اُسکے تمام معاونین کیسا تھ تہ تیغ کر دیا۔[1]

خراسان و عراق عجم کی تسخیر

ابومسلم کے مرو پر قبضہ ہوتے ہی تمام خراسان جلد ہی اُس کے جھنڈے تلے آگیا۔ اس نے مفتوحہ علاقوں کا انتظام کیا اور قحطبہ بن شبیب طائی کو عراق عجم کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ قحطبہ نے معمولی مزاحمتوں کے بعد رے، اصفہان اور نہاوند پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قحطبہ نے ابوعون عبدالملک کو شہرزور کی طرف بھیجا۔ مروان کی طرف سے وہاں عثمان بن سفیان متعین تھا۔ ابوعون نے عثمان کو شکست دے کر بھگا دیا اور بلادِ موصل میں قیام کیا۔ قحطبہ نے ابوعون کی مدد کے لئے مزید فوج بھیج دی اور اب اس کے پاس تیس ہزار کی جمعیت ہو گئی۔

مروان کی مجبوری

مروان ان واقعات سے بالکل بے خبر نہ تھا جس زمانہ میں نصر اور کرمانی کے درمیان جنگ چھڑی اور ابومسلم اپنی جمعیت کو لے کر دونوں لشکروں کے درمیان مقیم ہُوا تو نصر نے ابومسلم کے حالات سے مروان کو ان اشعار کے ذریعے اطلاع دی۔

اری بین الرماد ومیض نار	واخشی ان یکون لھا ضرام
"مجھے راکھ میں چنگاریاں چمکتی نظر آتی ہیں	اور ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ بھڑک نہ اُٹھیں
فان النار بالعودین یذکی	وان الحرب مبدأہٗ کلام
آگ دو لکڑیوں سے سلگائی جاتی ہے	اور لڑائی کی ابتداء گفتگو سے ہو جاتی ہے
فقلت من التعجب لیت شعری	أ أیقاظ امیۃ ام نیام
میں نے تعجب سے کہا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ	بنوامیہ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں"

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۶ و الاخبار الطوال صفحہ ۳۴۴

لیکن مروان بُری طرح خوارج کی کش مکش میں مُبتلا تھا وہ کوئی مدد نہ کر سکا۔ اسی دوران میں ایک قاصد جو حمیمہ سے امام ابراہیم کا خط ابو مسلم کے پاس لے کر خراسان جا رہا تھا کہ پکڑا گیا۔ اس خط میں لکھا تھا :۔

"ابو مسلم نصر اور کرمانی کی آویزش سے فوراً فائدہ اُٹھائے اور خراسان میں کوئی عربی بولنے والا زندہ نہ چھوڑے" [۱]

مروان کے سامنے یہ خط پیش ہُوا تو اُس نے امام ابراہیم کو قید کر دیا اور وہ اسی حالت میں میں انتقال کر گئے۔ امام ابراہیم نے اپنی گرفتاری کے وقت اپنے بھائی ابوالعباس سفاح کو اپنا قائم مقام بنایا اور اُنہیں ہدایت کی کہ وہ اپنے تمام خاندان کو لے کر کوفہ چلے جائیں۔ ابوالعباس سفاح نے اس ہدایت کی تعمیل کی اور وہ کوفہ میں مخفی طور پر اپنے داعی ابو سلمہ خلال کے ہاں آکر مقیم ہُوئے۔

عراق پر قبضہ

عراقِ عجم پر قبضہ کرنے کے بعد قحطبہ ابو مسلم کے حکم سے عراقِ عرب کی طرف بڑھا مروان کی طرف سے یزید بن عمرو بن ہبیرہ وہاں کا والی تھا۔ وہ اپنی جمعیت کے ساتھ قحطبہ کو روکنے کے لئے نکلا۔ دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں کا مقابلہ ہُوا۔ ابن ہبیرہ کو شکست ہوئی اور وہ واسط کی طرف چلا گیا۔ خود قحطبہ بھی اس لڑائی میں گُم ہو گیا اور اس کا بیٹا حسن بن قحطبہ اُس کا جانشین تجویز کیا گیا۔

خلیفۂ عباسی کی تخت نشینی

اب کُوفہ پر عباسی عَلم لہرا رہا تھا۔ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو ابوالعباس عبداللہ بن علی سفاح کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت لی گئی اور اُس نے جامع کوفہ میں خلافتِ عباسیہ کے پہلے تخت نشین کی حیثیت سے خُطبہ دیا۔

فیصلہ کُن جنگ

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قحطبہ نے ابو عون کو بلادِ موصل میں رُکنے کا حکم دیا تھا۔ مروان بن محمد نے جب دیکھا کہ مصیبت سر پر آ ہی پہنچی ہے تو وہ بھی ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیتِ عظیم کے ساتھ

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۶ والاخبار الطوال صفحہ ۳۴۴

حلوان سے چل کر نہر زاب کے کنارے خیمہ زن ہوا۔

بیعتِ خلافت سے فراغت کے بعد ابوالعباس سفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو ایک لشکرِ گراں دے کر مروان بن محمد کے استیصال کے لئے روانہ کیا۔ ابوعون پہلے ہی مروان کے مقابلہ میں صف آرا ہو چکا تھا۔

۲ رجمادی الآخری ۱۳۲ھ کو فریقین میں جنگ شروع ہوئی۔ مروان بن محمد کو شکست ہوئی۔ اموی بُری طرح عباسیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور جتنے قتل ہوئے اُن سے زیادہ دریا میں ڈوب کر مرے۔

مروان کا فرار اور قتل اس لڑائی کے نتیجہ نے اموی حکومت کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ مروان بھاگ کر موصل آیا۔ موصل سے حران، قنسرین، حمص، دمشق، اُردن اور فلسطین ہوتا ہوا حدود مصر میں داخل ہوا۔ مروان جہاں جاتا تھا عباسی فوج اُس کے تعاقب میں وہاں پہنچ جاتی تھی اور اُسے سنبھلنے کا موقع نہ دیتی تھی۔ آخر مصر کے قریہ بوصیر کے ایک کنیسہ میں اُسے گھیر لیا گیا۔ مروان مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ یہ واقعہ ۲۸ ر ذی الحجہ ۱۳۲ھ کا ہے[1]۔

مروان کی عمر باسٹھ سال ہوئی اور مدت خلافت پانچ سال دس مہینے۔ مروان کے قتل سے حکومت امویہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ



---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۶۰



خلافتِ ہسپانیہ

تعارف

تاریخ اسلام کے ایک مختصر اور جامع نصاب کی ترتیب کا مسئلہ شروع ہی سے کارکنان "ندوۃ المصنفین" کے پیش نظر تھا اور وہ اس کی ضرورت محسوس کر رہے تھے چنانچہ ادارے کے قیام کے چند ماہ بعد ہی یہ خدمت قاضی زین العابدین صاحب فاضل دیوبند (قاضی شہر میرٹھ) کے سپرد کی گئی۔ قاضی صاحب نے شوق، تن دہی اور خوش اسلوبی سے اس کام کی ابتداء کی اور ۳۹ء کے ختم پر اس سلسلہ کا حصہ اوّل "نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم" مرتب ہو گیا جسے محسنین و معاونینِ ادارہ کی خدمت میں ۴۰ء کی مطبوعات کے ذیل میں پیش کر دیا گیا۔ دوسرا حصہ "خلافتِ راشدہ" ۴۲ء کے شروع میں تیار ہوا۔ اس حصہ کا معیار، مضامین، زبان اور حجم کے اعتبار سے پہلے حصے سے کافی بلند تھا۔ تیسرا حصہ خلافت بنی امیہ بھی اسی معیار کے مطابق ترتیب دیا گیا۔ یہ دونوں حصے علی الترتیب ۴۲-۴۳ء کی مطبوعات میں شامل کر کے ممبروں کو دیئے گئے اور بہت سے اسکولوں اور انٹرمیڈیٹ کالجوں میں انہیں داخل نصاب کر لیا گیا۔

۴۳ء کے بعد سے کچھ ایسے موانع پیش آتے رہے کہ قاضی صاحب موصوف ارادہ کے باوجود یہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔

اور یہ مفید کام کئی سال تک نامکمل حالت میں یوں ہی پڑا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا تو دہلی کے آسمان کا رنگ ہی بدلنے لگا اور ۸ر ستمبر ۴۷ء کا آفتاب، آفتابِ محشر بن کر اُفقِ دہلی پر کچھ اس طرح طلوع ہوا کہ صحیح معنی میں قیامت برپا ہو گئی۔ ندوۃ المصنفین اور اُس کے ارادوں کی بساط الٹ کر رہ گئی اور اُس کی زندگی کا سارا نقشہ ہی منقلب ہو گیا۔

جنوری ۴۸ء میں جب کام کے بکھرے ہوئے سروں کو از سرِ نو جوڑنا شروع کیا

تو دوسری اہم تالیفی ضرورتوں کے ساتھ "تاریخ ملت" کے اس ٹوٹے ہوئے سلسلہ کو مکمل کرنے کی ضرورت بھی سامنے آئی اور اس دفعہ یہ خدمت ملک کے مشہور مصنف جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی کو سونپی گئی۔ مفتی صاحب اپنی زود نویسی اور کثرتِ تالیف کے لئے شہرتِ عام رکھتے ہیں اور جو کام کرتے ہیں محنت و انہماک سے کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس مشکل اور حد درجہ نازک وقت میں جناب مؤلف اس سلسلہ کو جلد سے جلد مکمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ مبارک اور مفید خدمت آپ ہی کے قلم سے انجام پذیر ہوگی اور جس کام کو ایک "قاضی" نے شروع کیا تھا وہ ایک "مفتی" کے ہاتھ سے پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔

تاریخوں کی عام ترتیب کے مطابق خلافت بنی اُمیہ کے بعد "خلافت عباسیہ" آنی چاہیئے تھی لیکن فاضل مؤلف نے خلافتِ عباسیہ سے پہلے خلفائے بنی امیہ اندلس کا تذکرہ مناسب جانا کہ "تاریخ ملت" کے حصہ سوم و چہارم کے بنو اُمیہ شام اور اندلس دونوں کی تاریخ پوری ہو جائے۔ یقین ہے قارئین اس جدت کو پسند کریں گے۔

اب خدا نے چاہا خلافتِ عباسیہ بغداد کے دونوں حصے بھی جلد ہی طباعت کے مرحلے سے گزر کر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچیں گے اور بقیہ حصے بھی جلد جلد طبع ہوتے رہیں گے۔

عتیق الرحمٰن عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین

۲۷ رشوال ۶۸ھ مطابق ۱۲ راگست ۴۹ء

مقدّمہ

سلاطینِ اندلس کی تاریخ لکھنے سے پہلے اُن کے اسلاف کی جہانبانی کے واقعات اور کارنامے اجمالاً ذکر کیے دیتے ہیں۔ کیونکہ عموماً مؤرخین نے خلفائے بنی اُمیّہ کے مثالب پر نظر زیادہ رکھی محاسن پر توجّہ کم کی۔

شاہانِ عالم کے مقابلہ میں خلفاء بنی امیہ کا درجہ بہت بلند نظر آتا ہے۔ مگر مؤرخین اسلام نے جب اُن کا مقابلہ کیا خلافتِ راشدہ کو سامنے رکھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ خلفائے بنی امیہ شہنشاہ تھے صحیح معنی میں خلفائے راشدین کے جانشین نہ تھے کیونکہ خلافتِ راشدہ حقیقی معنی میں "اسلامی حکومت" تھی۔ فاتحانہ سرگرمیوں کے ساتھ عدل و انصاف میں قیاصرۂ روم و شاہانِ عجم سے بڑھے ہوئے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اُن کا سا طمطراق نہ تھا۔ بے حد اُن کی سادگی تھی، دامن بے جا تمدّنی تکلفات سے پاک و صاف تھا۔ گو جائز حدود کے اندر شریعتِ اسلامیہ نے عیش و تنعم کی اجازت دی ہے۔ لیکن ہر وہ شے جو سادگی اور جُہد و عمل کے خلاف ہو وہ اسلامی روح کے منافی سمجھی گئی۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم صحیح نمونہ تھے۔ اُن کے دَور تک اسلام کی سادگی قائم رہی۔ باوجودیکہ اس عہد میں فتوحات کی کثرت سے اموال کی فراوانی بڑھی ہوئی تھی۔ صحرائے عرب میں گنگا جمنی دریا بہنے لگے۔ ایران و روم کے خزانے کھنچ کھنچ کے مدینہ کی گلیوں میں آ گئے مگر مسلمانوں کی سادگی میں کوئی فرق نہ آسکا۔ خلیفۃ المسلمین کے جسم مبارک پر پیوند لگا کُرتہ ہوتا اور غذا میں جَو کی روٹی جو روغن زیتون سے کھائی جاتی۔ دربار کے لئے کوئی قصر نہ تھا صرف مسجد تھی جہاں اصحابِ شوریٰ (جلیل القدر صحابہ) جمع ہوتے۔ اس جگہ سے مفتوحہ علاقہ کا کل انتظام کیا جاتا۔ اس عہدِ خجستہ کے خاتمہ کے بعد جو حکومت قائم ہوئی وہ شہنشاہی تھی۔ صرف بیعت کا طریقہ ضرور قائم رکھا گیا۔ امیر معاویہ حکومت بنی امیہ کے بانی مبانی تھے۔

خلفائے بنی امیہ میں خلافتِ راشدہ کی طرح اسلامی روح نہ تھی لیکن پھر بھی عربوں

کی جملہ خصوصیات کے منفرد حامل تھے بلکہ انہوں نے اس کے تحفظ کا کُلّی لحاظ رکھا۔ بقول علامہ ابن خلدون، ان میں عربی عصبیت پوری طرح موجود تھی۔

بنی اُمیہ کا پایۂ تخت دمشق (شام) رُومیوں کا ملک تھا۔ مسلمان اس سے متاثر ہوتے مگر پھر بھی وہ بیچے رہے۔ ان پر ان کے تمدّن و تہذیب کا غلبہ نہ ہونے پایا بلکہ اپنا اثر ضرور ڈالا۔ البتہ بنی عباس عجمی تمدّن سے اثر پذیر ہو گئے۔ بنی امیہ نے عربی خصوصیات و شعار کو بڑی حد تک برقرار رکھا۔

بنی امیہ کا نظامِ حکومت مخادعاتِ سیاسیہ سے بالکل ناآشنا تھا اور اس کی تمام تر بنیاد قوت، بسالت اور عربی شجاعت پر قائم رہی۔ گو دو ایک خلفائے بنی اُمیہ خلفائے راشدین کے قدم بقدم چلے۔ زیادہ حضرات نے راستہ غلط اور آئینِ اسلام کے خلاف اختیار کیا۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اُموی دَور میں فتوحات کو جس قدر وسعت ہوئی اسلام کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

خلافتِ راشدہ میں اگرچہ اسلام کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا تاہم مجاہدینِ کرام کا قدم حدودِ عرب دیارِ شام اور مصر و ایران سے آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ لیکن خلفائے بنی اُمیہ کے دَور میں طرابلس، طنجہ، اندلس، چین، ہند، قسطنطنیہ، عراق، تونس، مراکش، خراسان، فارس، توران، طبرستان، جرجان، سجستان، افغانستان سبھی اسلام کے زیرِنگین آگئے اور بحروبر پر اُن کا کوئی مدمقابل نہ رہا تھا۔ اگر وہ آپس کی خانہ جنگی کا شکار نہ بنتے تو کیا عجب کہ تمام ربع مسکون پر مسلمان تسلط کر چکے ہوتے۔ بقول لیبان جس طرح عرب تھوڑے عرصہ میں ملک کے بڑے حصے پر متصرف ہو گئے اسی طرح علوم و فنون پر چھا گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سو برس کے اندر ہی اندر خلافتِ راشدہ اور خلفائے بنو اُمیہ کے دَور میں تہذیب و تمدّن، عدل و انصاف کے ساتھ علم و ہُنر کی پرورش اور ترویج عرب قوم کا جزو لاینفک بن گئی تھی۔



کثرتِ فتوحات

اوّلین خلفائے بنی اُمیّہ میں مُلکی فتوحات ہوئیں مگر ولید کا زمانہ خصوصیت رکھتا ہے۔
علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ :-

"اُس نے اپنے زمانہ میں جہاد کو قائم کیا اور اُس کی خلافت میں بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں" [۱]

یہ فتوحات ہشام تک وسعت اختیار کرتی رہیں۔ علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ :-

"ہشام نے عمدہ لباس، عمدہ فرش اور عمدہ آلاتِ حرب تیار کرائے، فوجی کام کے لئے سپاہی تیار کئے اور سرحد کو مضبوط کیا۔" [۲]

بحری جنگ

بحری جنگ کا آغاز عہدِ امیر معاویہ سے شروع ہوگیا تھا اس کو ہر زمانے میں خلفاء نے ترقی دی اور ساحلی قلعہ بندی کا انتظام کیا اور جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے۔

نظامِ حکومت

خلافتِ راشدہ میں خلفاء "مجلسِ شیوخ" سے انتظامی امور اور حکومت کے نظم و نسق میں امداد لیا کرتے۔

اس مجلس کے عناصرِ ترکیبی میں جلیل القدر صحابہ داعیانِ مدینہ و سردارانِ قبائل شامل تھے۔ مسجد نبوی میں اس مجلس کا اجلاس ہوتا تھا۔ خلیفہ اس مجلس کے مشورہ کے بغیر کسی امر کا قطعی فیصلہ نہ کرتا تھا۔ اسلام کا نظامِ حکومت خلافتِ راشدہ کے اتنی سالہ دور میں

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۴ [۲] مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۲۱

بڑی حد تک جمہوری رہا۔

خلافتِ راشدہ کے بعد زمامِ حکومت امیر معاویہؓ کے ہاتھ آئی۔ انہوں نے خلافت کو حکومت کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ پہلا نظامِ سیاسی بدل کر شخصی حکومت کی بنا ڈال دی۔ ان کے بعد کے لوگوں نے سیاسی مصلحتوں کے سامنے مذہبی اصول ثانوی درجے پر رکھ دیئے۔

شہری نظام | عہد بنی اُمیہ میں اسلامیہ سلطنت کا دائرۂ عمل وسیع ہو گیا تھا۔ اس لئے پانچ بڑے صوبے بنا دیئے گئے۔

۱۔ حجاز، یمن اور عرب وسطیٰ

۲۔ مصر، مصر کا مرتفع حصّہ۔ مصر کا نشیبی علاقہ

۳۔ عراق عرب (بلاد بابل اور اشور قدیم) عراق عجم (بلاد فارس، عمان، بحرین کرمان، سجستان، کابل، خراسان، باد، ماوراء النہر اور سندھ پنجاب کے علاقے) ایک بڑا صوبہ قرار دیا گیا اور گورنر عراق کے ماتحت کیا گیا۔ جس کا کوفہ صدر مقام تھا۔

۴۔ بلاد الجزیرہ، ارمینیہ، آذربائیجان اور ایشیائے کوچک۔

۵۔ شمالی افریقہ۔ اس کے حدود مغربی مصر بلاد اندلس جزیرہ سسلی سردانیہ بلیارس کا صدر مقام قیروان تھا۔ گورنر افریقہ، طنجہ، بحرِ روم کے جزائر اور بلاد اندلس پر حاکم مقرر کرتا تھا جس کا دارالحکومت قرطبہ ہوتا تھا۔

فوج | بنی اُمیہ نے فوجی نظام کو کمال کی حد تک پہنچا دیا۔ عبدالملک نے جبری فوجی بھرتی کا قانون بنایا۔ اس کے عہد میں فوج میں عربی عنصر زیادہ تھا۔ اور بلاد اندلس کی تسخیر کے بعد بربر قوم سے بھی خدمات لی گئیں۔

نظامِ پولیس | پولیس افسر کو صاحب شرطہ کہتے تھے۔ ہشام بن عبدالملک نے اس

لے مسلمانوں کا نظمِ مملکت صفحہ ۲۰۰

محکمہ کو بہت توسیع دی۔ ایک نیا محکمہ نظامِ احداث قائم کر کے اس محکمہ کو سپرد کر دیا۔

نظامِ مالیات مالیات کا صحیح نظام اور آمد و صرف میں توازن ریاست کا اہم عنصر ہے۔ ابتدائی دور میں مالیات کا شعبہ (بیت المال) تھا۔ بیت المال کے اہم ذرائع آمدنی خراج، جزیہ، زکوٰۃ، فیٔ، مالِ غنیمت اور عشر تھے۔ خراج وصول کرنے کے لئے باقاعدہ افسر مقرر تھے۔ بنی امیہ نے خراج کا نظم و نسق اعلیٰ پیمانہ پر کیا تھا۔ عبدالملک خراج کے بددیانت افسروں کو برطرف کرنے کے بعد نہایت سختی سے ان کی ثروت کا جائزہ لیتا تھا۔

جزیہ جزیہ کی رقم ایک معین مقدار کا نام ہے جو ذمیوں سے حفظ جان و مال پر لی جاتی۔ خراج اور جزیہ میں فرق یہ تھا کہ خراج زمین سے لیا جاتا مسلمان ہونے کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جزیہ جانوں کا ٹیکس تھا اسلام لانے پر معاف ہو جاتا۔ دولتمندوں سے ۴۸ درہم (بارہ روپیہ سالانہ) متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم (چھ روپیہ سالانہ) ادنیٰ طبقہ سے ۱۲ درہم (تین روپیہ)، غریبوں، بے بسوں (اپاہجوں، مجنونوں اور مفردوں اور عورتوں، بچوں اور راہبوں سے نہ لیا جاتا۔ جزیہ وصول کرنے میں عدل و انصاف اور نرمی کا برتاؤ کیا جاتا۔

عشر سامان کا ۱/۱۰ حصہ ان غیر مسلم تاجروں سے لیا جاتا تھا جو دارالحرب سے دارالاسلام میں تجارت کرنے آتے تھے، سال میں ایک دفعہ لیا جاتا۔

حقوق مساوی عمر بن عبدالعزیز نے عرب و عجم کے مسلمانوں کے معاشی، سیاسی اور تمدنی حقوق مساوی قرار دیئے تھے۔ عربوں کی طرح عجمی مسلمانوں کے وظائف بھی مقرر کئے تھے۔

دفاتر عہد بنی امیہ میں حکومت کا نظام چار بڑے بڑے محکموں میں تقسیم تھا۔ دیوان خراج۔ دیوان رسل و رسائل۔ غلّہ اور دوسری پیداوار کے انتظام کا محکمہ دیوان خاتم۔

عربی زبان تمام ملکوں میں عربی زبان رائج تھی۔ عبدالملک نے تمام صیغوں کی

زبان عربی کر دی[1]۔ حجاج بن یوسف کے دفتر میں صالح نامی تھا جس نے دفتر کو فارسی سے عربی میں منتقل کیا ورنہ فارسی یونانی میں دفاتر کے کام ہوتے تھے۔عربی زبان قرار دینے سے سیاسی اور ادبی دونوں حیثیت سے اثر پڑا۔ مناصب پر عرب ممتاز ہو گئے۔ ادبی اثر یہ پڑا کہ بہت سے فارسی اور رومی اصطلاحات معرب ہو گئے۔ گورنروں نے بھی اس پر عمل کیا۔

ملک شام میں ولید کے زمانے میں سلیمان بن سعید کاتب نے دفتر کو سریانی سے عربی میں منتقل کیا۔ مصر میں عہدِ ولید ۸۷ھ میں والیِ مصر عبداللہ بن عبدالملک نے ابن یربوع فزاری حمصی سے قبطی سے دفتر عربی میں ترجمہ کرائے[2] غرضیکہ اس طرح پر اسلامی حکومت کے کل دفتر عربی میں آ گئے۔

دربارِ شاہی عہدِ خلفائے راشدین میں مسجدیں جائے دربار تھیں۔ اجتماعی اور سیاسی اغراض کا یہی مرکز تھا۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ سے بادشاہ کی شان و شوکت اور دربار کے جاہ و جلال کا آغاز ہوا۔ اس کے جانشینوں نے تمام درباری کر و فر اور لوازمات اختیار کئے۔ بلاذری لکھتا ہے۔

"عبدالملک پہلا خلیفہ تھا جس نے جاہ و جبروت کے تمام لوازم اختیار کئے[3] خلیفہ تختِ شاہی پر جلوہ فرما ہوتا تھا۔ دائیں جانب امراء کی نشست ہوتی تھی اور بائیں جانب سلطنت اور شاہی محل کے ممتاز افراد بیٹھتے تھے۔ سامنے کھڑے ہو کر سلاطین کے سفراء، شعراء اہلِ قلم اور فقہاء وغیرہ اپنی اپنی عرضداشتیں پیش کرتے تھے۔"

حجابت خلفائے راشدین نے ملاقات کے لئے عام اجازت دے رکھی تھی۔ امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے دروازہ پر حاجب مقرر کئے[4] حاجب اعلیٰ عہدہ دار ہوتا تھا۔ وہ خلیفہ اور ملاقاتی کا درمیانی واسطہ تھا۔ حاجب کے ذریعہ خلیفہ

---

[1] عرب سلطانیہ صفحہ ۱۱۰ [2] فہرست ابن ندیم [3] فتوح البلدان از احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری (۲۰۹ھ)

تک استدعا پہنچائی جاتی تھی۔ عبدالملک نے حاجب مقرر کئے تو یہ ہدایت کردی کہ مؤذن ڈاکیہ اور کھانے کے لئے بلانے والے کو بھی میرے پاس ہر وقت آنے کی اجازت ہے[1]۔

عبدالملک بن مروان نے اپنے بھائی عبدالعزیز گورنر مصر کو نصیحت کی تھی۔ دیکھو حاجب کے فرائض اپنے اہل ترین آدمی کے سپرد کرنا وہ تمہاری زبان اور دل و دماغ ہے اسے ہدایت کرنا وہ ملاقات کے خواہش کے مرتبہ پورے حالات اور ضروریات کی اہمیت سے پہلے آگاہ کرے۔ اس کے بعد اگر تم ضرورت سمجھو تو بلالو ورنہ واپس کردو[2]۔

محکمہ قضاۃ بنی امیہ کے زمانے میں قضاۃ کا عہدہ خلفائے راشدین کے عہد میں جیسا تھا وہی قائم رہا۔ پھر دارالخلافہ کے لئے قاضی کا انتخاب خود خلیفہ کرتے اور امراء منتخب کرتے یا دربارِ خلافت سے مقرر کر کے دوسرے علاقوں میں بھیج دیئے جاتے۔

انتظامِ ملک مفتوحہ ممالک میں پہلے سے بہت زیادہ رعایا کی فلاح و بہبود کا انتظام کیا گیا۔ تمدنی معاشرتی حالت درست کی۔ زراعت کا معقول انتظام اور رفاہِ عام کے متعلق ضروری خدمات انجام دیں۔ ملکوں کو ترقی کے راستہ پر لگایا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ذرائع آب پاشی کو نہایت ترقی دی۔ چنانچہ خلاصۃ الوفاء میں ہے۔

مدینہ شریف اور اس کے اطراف میں بہت سی نہریں جاری تھیں اور امیر معاویہؓ کو اس کا خاص اہتمام تھا۔ ان کے عہد میں نہر کظامہ، نہر ازرق اور نہر شہداء وغیرہ نہیں[3]۔

امیر نے پہاڑوں کی بعض گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر ان کو بھی تالاب کی صورت میں بدل دیا۔ جس میں پانی جمع ہوتا تھا اور اس سے زراعت کی پیداوار کو جو ترقی ہوئی

---

[2] مقدمہ ابن خلدون۔ تحفۃ النجوی فی آداب السلطانیہ صفحہ ۱۱۱ (بحوالہ مسلمانوں کا نظم مملکت)

[3] وفاء الوفاء صفحہ ۳۲۱۔

اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان نہروں کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گندم کی پیداوار ہوئی۔[1]

سلیمان بن عبدالملک نے مکہ میں آبِ شیریں کا ایک چشمہ جاری کرایا جس کا پانی سیسے کے نل کے ذریعے مسجد حرام تک پہنچایا جاتا تھا۔ پھر ایک فوارے کے ذریعہ سے ایک سنگی حوض میں گرتا تھا جو رکن اسود اور زمزم کے درمیان تیار کرایا گیا تھا۔

ہشام نے بھی مکہ معظمہ کے راستے میں متعدد حوض و تالاب تیار کرائے تھے

یزید نے بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوائی جس کا نام نہر عمر تھا۔

عمال بنی امیہ نے بھی نہریں بصرہ میں کثرت سے کھدوائیں جن کے نام فتوح البلدان میں تحریر ہیں۔

راستے ولید نے رفاہِ عام کے جہاں اور بہت سے کام کئے اس سلسلہ میں عرب سے سنگستانی مقام میں راستے ہموار کر دیئے اور جگہ جگہ پر کنوئیں کھدوائے۔[2]

مہمان خانہ خلفائے بنی اُمیہ نے مہمان خانے تیار کرائے۔[2]

شفا خانہ مؤرخ یعقوبی لکھتا ہے کہ ولید پہلا شخص ہے جس نے مریضوں کے لئے شفا خانے بنائے۔

بیکسوں کی امداد ولید نے یتیموں، اپاہجوں اور گداگروں کے لئے وظائف جاری کئے۔ یتیموں کی تعلیم و تربیت کے لئے معلمین کا تقرر کیا۔ اندھوں کے لئے آدمی رکھے۔ اپاہجوں کو خدام دیئے جو ان کی ضروریات کو پورا کرتے۔

علامہ ابوالفرج ولید ثانی کے لئے لکھتا ہے:

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۶۷ [2] ابن اثیر

[3] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۴۸۔

"جب ولید بن یزید خلیفہ ہوا تو اس نے شام کے اپاہجوں اور اندھوں کے لئے وظائف مقرر کئے اور ہر ایک کو کپڑے عطا کرتا تھا۔"

تعمیرات امیر معاویہ پہلے فرد ہیں جنہوں نے اپنے عہد میں شاندار عمارتیں بنوائیں۔ یعقوبی لکھتا ہے:-

"انہوں نے نہایت شاندار عمارتیں بنوائیں[1]۔"

عبدالملک بن مروان علاوہ فاتح ہونے کے فن تعمیر کا مربی تھا۔ اس نے مدینہ کی مسجد اور یروشلم میں قبۃ الصخرا اور ایک دوسری مسجد (مسجد الاقصیٰ) ۱۱۹ھ مطابق ۷۳۷ء سات سالہ خراج مصر کے صرف سے تعمیر کرائی۔ ان مساجد کی تعمیر کے لئے عبدالملک نے شاہ روم کو معماروں کے لئے لکھا[2]۔ اس کے بیٹے خلیفہ ولید نے مسجد الاقصیٰ کو ترقی دی اور جامع مسجد دمشق پر آٹھ کروڑ ۴۰ لاکھ روپے صرف کئے اور مسجدِ نبویؐ کی توسیع و تعمیر کرائی۔ آدابِ سلطانیہ میں ہے:-

"اس کو عمارات اور قلعہ وغیرہ بنانے کا نہایت ذوق تھا[3]۔"

نئے شہر بسائے حجاج بن یوسف ثقفی کا سا ظالم و جابر اس نے عہد عبدالملک میں کوفہ اور بصرہ کے درمیان میں واسطہ شہر بسایا۔ سلیمان بن عبدالملک نے رملہ آباد کیا۔ محل کی تعمیر ہوئی۔ مسجدیں اور کنوئیں بنوائے اور تالاب کھدوائے۔

عقبہ بن نافع نے قیروان (افریقہ) آباد کیا۔ ایسے اور بھی شہر ہیں جو عہد بنی اُمیہ کی یادگار رہے ہیں۔

انتظام ڈاک امیر معاویہ نے سب سے پہلے برید صیغہ قائم کیا۔ اس غرض سے مختلف مقامات پر تیز گھوڑے بارہ بارہ میل پر مقرر تھے جن کے ذریعہ سے خبر رسانی میں آسانیاں ہو گئیں۔

---

[1] مختصر الاول صفحہ ۲۰۹۔ [2] تمدن عرب صفحہ ۱۷۲ [3] آداب السلطانیہ صفحہ ۱۱۲

دیوانِ خاتم حضرت امیر معاویہ نے خاص محکمہ قائم کیا۔ اس محکمہ سے فرمان صادر ہوتے۔ اس کی باضابطہ دفتر میں نقل رہتی فرمان پر مہر لگتی۔[1] زیاد نے اس محکمہ کو بڑی ترقی دی ہے سرکاری کاغذات لکھنے کے لئے فصیح عرب اور موالی مخصوص کئے۔[2]

ٹکسال عبدالملک نے رومی سکوں کے بجائے ۶۹۵ھ میں سونے کا دینار اپنے نام سے اور چاندی کا درہم جاری کئے۔ ٹکسال دمشق میں پہلے پہل قائم کی۔ دوسرے خلفاء عراق، واسط جزیرہ میں ٹکسالیں قائم کیں۔

ترقی صنعت و حرفت عبدالملک کے زمانہ میں کارخانہ پارچہ بافی قائم ہوگئے تھے۔ مگر سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں پارچہ بافی کی صنعت کو بہت بڑی ترقی ہوئی۔ چنانچہ مسعودی لکھتا ہے :-

"اور اس کے زمانہ میں یمن، کوفہ، سکندریہ میں رنگین اور عمدہ کپڑے بُنے گئے اور لوگوں نے ان کپڑوں کے جُبّے، چادریں، پاجامے، عمامے اور ٹوپیاں پہنیں۔"[3]

شاہی لباس عبدالملک کے زمانہ تک شاہی لباس روم سے بن کر آتا تھا۔ پھر مصر سے آنے لگا۔ لباس پر "اب ابن روح القدس" نقش و نگار کی شکل میں بنا ہوتا۔ عبدالملک کو اس کے معنی کا علم ہوا تو اس کو گراں گزرا۔ اس نے اپنے بھائی عبدالعزیز بن مروان گورنر مصر کو لکھا کہ "اب ابن روح القدس" کی جگہ لا الٰہ الا اللہ نقش و نگار کی شکل میں بنایا جائے اور اپنے حدودِ خلافت میں مصری پارچے پہننے اور خریدنے کی ممانعت کر دی اور خلاف ورزی کی صورت میں سزائیں دی جانے لگیں۔ پارچہ بافی کے کارخانے قائم کئے جانے لگے بلکہ حکومت کی طرف سے ایک محکمہ دیوان طراز کے نام سے قائم کیا گیا۔

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صہ ۲۸۹ [2] مروج الذہب صہ ۶۱۱ [3] ایضاً

یہ دفتر شاہی پارچہ بافی اور ان کے اسماء اور القاب کو خوشنما بننے کے لئے کارخانوں میں انتظام کرتا تھا اور اہل حرفہ کی تنخواہ کی تقسیم بھی اس دفتر سے متعلق تھی۔[1]

کارخانہ کاغذ سازی ۸۸ھ میں یوسف بن عمر نے مکہ معظمہ میں قطن (روئی) سے کاغذ بنانے کا کارخانہ قائم کیا تھا۔ موسیٰ بن نصیر فاتح افریقہ نے مغرب کے علاقے میں کتاں وغیرہ سے کاغذ بنانے کا طریقہ مروج کیا۔ ریشم سے بھی کاغذ بنایا جاتا تھا۔ انہی ایام میں ایسے کاغذ تیار ہونے لگے تھے جس میں آدمی کو اپنا چہرہ تک نظر آسکتا تھا۔[2]

رعایا کی خوشحالی

مذہب حکومت اخلاق قانون غرض تمام اجتماعی چیزوں کا آخری نتیجہ صرف یہ ہے کہ دنیا فارغ البالی سے زندگی بسر کرے اور اس نتیجہ کے لحاظ سے عمر بن عبدالعزیز کا دورِ حکومت دنیا کے کل بادشاہوں سے زیادہ کامیاب رہا۔"

بیہقی دلائل میں لکھتے ہیں :-

"عمر بن عبدالعزیز نے صرف اڑھائی برس خلافت کی لیکن اس مختصر زمانے میں یہ حالت ہوگئی کہ لوگ ان کے عمال کے پاس بکثرت مال لے کر آتے تھے کہ فقراء کو دیدو لیکن ان کو اپنا مال واپس لے کر جانا پڑتا تھا۔"

طبقات ابن سعد میں محمد بن قیس سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ مستحقین پر صدقہ تقسیم کیا جائے لیکن میں نے دوسرے سال دیکھا کہ جو لوگ صدقہ قبول کرتے تھے وہ خود صدقہ دینے کے قابل ہو گئے۔

رعایا کی خبر گیری ولید خود رعایا کی خبر گیری رکھتا تھا ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ تھی۔ اشیاء کے نرخ کی نگرانی خود کرتا۔ ولید

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت ۲۱۶ [2] دینیات الاسلاف للشہاب المرجانی ص ۳۳

خود بازاروں میں جاکر چیزوں کی قیمت طے کر کے ان کو مقرر کرتا۔[1]

علوم وفنون کی ترویج اشاعت

اسلامی علوم وفنون میں کوئی فن ایسا نہیں ہے جس کی ترتیب وتدوین تہذیب و پرداخت اور ترقی واشاعت میں خلفائے بنی اُمیہ کی مساعی کو دخل نہ ہو۔

قرآن مجید قرآن مجید پر اعراب بنی امیہ کے زمانے میں لگائے گئے۔ حجاج بن یوسف نے ابواسود دولی سے امتیازی نقاط اور تحریری عبارتوں کے ساتھ اعراب لگوا کر مروج کیے۔[2]

الوالاسود الدولی قاضی الکوفۃ تابعی جلیل الذی نسب الیہ علم النحو و یقال انہ اوّل من تکلم فیہ قال ابن خلکان وقیل انہ توفی فی خلافۃ عمر بن عبدالعزیز۔[3]

حفظِ قرآن حفظ قرآن کے طریقہ کو وسیع کیا۔ ولید لوگوں کو ہمیشہ حفظِ قرآن کی ہدایت دیا تھا۔ حفاظ کو نیا صانہ صلے عطا کرتا اور جو لوگ قرآن حفظ نہیں کرتے تھے اُن کو سزا دیتا۔[4]

تفسیر بنوامیہ کے زمانے میں یہ فن مدفون ہوا اور انہیں کے زمانہ میں بڑے بڑے مفسّرین پیدا ہوئے۔ تفسیر کی پہلی کتاب جو سعید ابن جبیر اسدی کوفی متوفی ۹۵ھ نے لکھی۔ وہ عبدالملک کے حکم سے لکھی گئی۔

تدوین حدیث علم حدیث کی تدوین وتالیف کا شرف بھی عہدِ بنو اُمیہ کو حاصل ہے۔ سعید بن جبیر شاگرد عبداللہ بن عباس کا تفسیر کے علاوہ مجموعہ حدیث بھی یادگار ہے۔[5]

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اوّل [2] ابن خلکان تذکرہ حجاج [3] البدایۃ والنہایۃ الجزء الثانی صد ۳۱۲
[4] عقد الفرید اخبار ولید [5] میزان الاعتدال ذہبی [6] مسند دارمی باب من رخص فی کتاب العلم۔

امام ابو عمر بن العلاء عہد بنی امیہ میں تھے۔ بصرے میں قیام تھا۔ الیافعی نے لکھا ہے۔

کانت کتبہ التی کتب عن العرب الفصحاء قد ملأت بیتاً لہ الی السقف۔ (الیافعی جلد ۱ صہ ۳۲۵)

"ابو عمر بن العلاء نے فصحائے عرب کی جن چیزوں کو لکھ کر جمع کیا تھا ان کی کتابوں سے چھت تک کمرہ بھرا ہوا تھا۔"

ابو قلابہ متوفی ۱۰۴ھ ان کے یہاں بھی علمی سرمایہ تھا۔ الذہبی کہتے ہیں:۔

"ابو قلابہ کا جب انتقال ہوا تو وفات سے پہلے اپنی کتابوں کے متعلق انھوں نے وصیت کی تھی کہ ایوب سختیانی (ان کے شاگرد) کے سپرد کر دی جائیں۔ کتابیں جب ایوب کے پاس آئیں تو ایک اونٹ کا نصف بار تھیں" [1]

طبقات ابن سعد میں ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا۔

"ہمارے پاس عبداللہ بن عباس کے مولیٰ کریب نے ابن عباس کی کتابیں رکھوائی تھیں جو ایک بار شتر تھیں" [2]

جب عمر بن عبدالعزیز سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے ابوبکر بن محمد بن [3] عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت آپ کو ملے تو اس کو لکھ لیجئے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں علمِ حدیث مٹ نہ جائے اور علماء فنا نہ ہو جائیں۔ اور آپس میں مجالست کرو تاکہ جو شخص نہیں جانتا وہ بھی جان لے۔ [4]

امام شہاب زہری کو بھی احادیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ باوجودیکہ شہاب زہری عبدالملک کے زمانہ سے احادیث کے جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے اور اس کے کہنے سے ایک مجموعہ حدیث کا اس کے لڑکے کی تعلیم کے لئے تیار کر دیا تھا۔ [5] مغازی میں کتاب تالیف کی۔ علامہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ الذہبی جلد ۱ صہ ۸۸ [2] طبقات ابن سعد جلد ۵ صہ ۲۱۶ [3] قاضی مدینہ منورہ کے تھے خاندان انصار سے تھے تابعی تھے۔ حدیث و خبر کے بڑے امام مانے جاتے تھے (تاریخ تدوین حدیث از انتظام اللہ)

[4] بخاری کتاب العلم کیف یقبض العلم [5] تہذیب الاسماء جلد ۱ صہ ۹۱۔

ابن عبد البر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں کہ سعد بن ابراہیم محدث قاضی مدینہ کہتے تھے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے دفتر کے دفتر لکھے۔ عمر نے جہاں جہاں ان کی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا[1]

ابوبکر بن حزم نے رسول اللہ کی سنتیں جمع کر کے عمر بن عبدالعزیز کے پاس بھیجا۔ وہ انتقال کر چکے تھے[2]

ابو قلابہ تابعی[3] جن کا ذکر پیشتر آ چکا ہے بشیر بن نہیک صنعانی[4] خلاس بن مقدان شامی کلاعی[5]، اجابن حیاۃ فلسطینی تابعی[6]، عبدالرحمان نبیرہ عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبداللہ تحریری سلیمان بن قیس[7]۔ صالح بن کسان جامع سنن رسول[8] وہب بن ہمنہ کامل الیمانی، صنعانی[9]۔ خلاص بن عمرو النجری البصری متوفی ۱۱۵ھ۔ ان سب کے احادیث کے مجموعے تھے۔

ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایت کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف شہاب زہری کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں[10]

(نوٹ) جابر بن عبداللہ کی روایتوں کا مجموعہ وہب تابعی مذکور نے تیار کیا تھا جو اسمٰعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا۔

روایات ابی ہریرہ کا مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار کیا تھا جو صحیفہ ہمام کے نام سے تھا[11]

اصولِ لغت عہدِ بنی اُمیّہ میں اصولِ لغت کی تدوین ہوئی۔ ابواسود دولی نے زیاد بن اُمیّہ سے اجازت لے کر نحو کے قواعد وضع کئے۔ ان سے

---

[1] زرقانی ص۱ سطر ۹ و فتح الباری [2] تذکرۃ الحفاظ ۸۰، [3] مسند جلد ۱ ص۸۴ [4] تہذیب جلد ۶ ص۲۱۳
[5] تذکرۃ الحفاظ [6] تذکرۃ الحفاظ ص۱۹ [7] ابن سعد ص۱۹ [8] مقدمہ کشف الظنون ص۲۶
[9] تہذیب جلد ۹ ص۶۱۳ [10] مسند امام ابن حنبل [11] الفہرست ابن ندیم ص۶۱۔

عتبہ بن مہران المیری نے اس کی تعلیم حاصل کی۔ اسی سلسلہ سے خلیل منسلک تھے۔[1]

تاریخ فن تاریخ کی تدوین و ترتیب عہد بنی اُمیہ میں ہوئی۔ سب سے پہلے اُنہی کے زمانے میں تاریخی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ ایک طرف تو فن سیر و مغازی کے بڑے بڑے علماء مثلاً وہب بن منبہ محمد بن مسلم الزہری موسیٰ بن عقبہ عوانہ جو اس فن کے متعلق کتابوں کی تدوین و تالیف میں مصروف تھے۔ دوسری طرف خلفائے بنواُمیہ کو فن تاریخ کے ساتھ خود نہایت شغف تھا۔

علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ ہمیشہ عشاء کے بعد بیٹھ کر تاریخی واقعات سنتے۔ جب رات کا ثلث حصہ گذر جاتا تو سو جاتے۔ پھر اُٹھتے اور دوبارہ یہی مشغلہ شروع ہو جاتا۔ متعدد لڑکے تاریخی کتابیں لے کر آتے اور اُن کو پڑھ پڑھ کر سناتے۔ جب اس پر قناعت نہ ہوئی تو یمن سے ایک عالم کو جس کا نام عبید بن شریہ تھا بلایا اور اس سے بہت سے تاریخی واقعات سُنے اور ان واقعات کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے ان کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا جس کا نام اخبار الماضیین ہے۔[2] صحار العبدی نے امیر معاویہ کے لئے کتاب الامثال لکھی۔[3]

عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں عامس عبید بن شریہ نے کتاب الامثال لکھی اور کتاب الملوک لکھی (فہرست ابن ندیم صہ ۱۳۲) عاش عبید بن شریہ الیٰ ایام عبدالملک ولہ من الکتب کتاب الامثال کتاب الملوک اخبار الماضیین (ابن ندیم)

ہشام کے شوق و ایما سے عربی لٹریچر میں اور بھی مفید و تاریخی تصنیفات کا اضافہ ہوا۔ چنانچہ جبلہ نے اس کے لئے ایران کی بعض تاریخی کتابوں کا ترجمہ فارسی سے عربی میں کیا۔ ہشام نے اور بھی مترجمین کے ذریعہ سے کتاب تاریخ الملوک الفرس کا ترجمہ

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صہ ۳۸۰ [2] فہرست ابن ندیم صہ ۱۳۲ [3] اصابہ و کشف الظنون و تذکرۃ الحفاظ (بحوالہ سیرت عمر بن عبدالعزیز صہ ۱۸۲)

کرایا جس میں ایرانی سلطنت کے قوانین اور مشاہیر ایران کے حالات تھے [1]

عبدالملک ابن محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم الانصاری نے عہد بنی امیہ میں کتاب المغازی لکھی جس کو ہارون الرشید کی خدمت میں پیش کیا۔

یونانی علوم کے ترجمے

امیر معاویہ کا پوتا خالد بن یزید جس کی کنیت ابو ہاشم ہے اس کو حکومت سے لگاؤ نہ تھا۔ اس نے علوم دینی حاصل کرنے میں سعی بلیغ کی۔ اس کے شیخ الحدیث حضرت وحیہ تھے۔ حضرت رجا بن حیاۃ اور امام شہاب زہری جیسے جلیل القدر محدث اس کے شاگرد تھے۔ ابن ندیم الفہرست میں لکھتا ہے :-

"خالد بن یزید بن معاویۃ کان خطیبا شاعراً حازماً فارذا رائی هو اوّل من ترجم له کتب الطب والنجوم وکتب الکیمیا" [2]

ابن خلکان لکھتا ہے :-

خالد نے چند مصری علمائے طب کو بلا کر اپنے پاس رکھا۔ انہوں نے دمشق میں رہ کر علمی کتابوں کے ترجمے کئے۔ ان علماء میں ایک پادری مریانوس تھا جس نے خالد کو علم کیمیا کی تعلیم دی اور اصطفان نے اس فن کی کتابیں عربی میں خالد کے لئے نقل کیں [3]۔

اس نے ایک معمل (لیبارٹری) قائم کی۔ علماء ملازم رکھے۔ آثار الباقیہ میں ہے :-

"خالد نے معمل قائم کیا جہاں اپنے کیمیاوی تجربات کے نتائج معلوم کر کے چند رسائل میں محفوظ کر دیئے"

اس کو طب میں بھی دستگاہ کامل تھی۔ فن کیمسٹری کا بانی خالد کہا جاتا ہے محقق البیرونی خالد کو اسلام کا سب سے پہلا حکیم (فلسفی) قرار دیتا ہے [4]۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں ۔

---

[1] کتاب التنبیہ والاشراف صـ ۱۰۶ [2] المعارف صـ ۱۲۰ الفہرست، ۹۷ ۳۔ [3] ابن خلکان جلد ۲ صـ ۱۶۸
[4] آثار الباقیہ صـ ۳۰۲

اوّل من یکلم فی علم الکیمیا و وضع فیھا الکتب وبین صفۃ الاکسیر والمیزان ونظر فی کتب الفلاسفۃ عن اھل اسلام خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان و اول من اشتھر ھذا العلم عنہ جابر بن حیان الصوفی من تلامذۃ خالد کما قیل [1]

خالد کا ۸۵ھ میں انتقال ہوا [2]

طِبّ یہ حقیقت ہے کہ یونانی علوم وفنون کے ترجمہ کی ابتداء بنی امیہ ہی کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ چنانچہ ابن اثال نے امیر معاویہ کے لئے یونانی زبان سے طِب کی متعدد کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا اور یہ پہلا ترجمہ تھا جو اسلام کے دورِ حکومت میں کیا گیا۔

مروان بن حکم کے زمانہ میں سرجویہ نے سریانی زبان سے عربی زبان میں ایک طب کی کتاب کا ترجمہ کیا۔ یہی کتاب تھی جس کو عمر بن عبدالعزیزؒ نے شام کے کتب خانہ میں پایا۔ اور ممالکِ محروسہ میں اس کے مختلف نسخے تقسیم کیے [3]

ہشام کے زمانہ میں ایرانی تاریخ کے علاوہ بعض یونانی کتابوں کا ترجمہ بھی ہوا۔ چنانچہ ابوجبلہ نے ارسطو کے ان خطوط کا ترجمہ کیا جو اس نے سکندر کو لکھے تھے۔ غرضیکہ دوسری السنہ سے عربی میں عہدِ بنی امیہ میں کثرت سے کتابیں منتقل ہونے لگیں تھیں۔

شعروشاعری

عہدِ بنی اُمیہ میں عربی شاعری نے بھی فروغ پایا۔ ایامِ جاہلیت کے کلام میں جو خوبیاں تھیں وہ تھیں مگر اس عہد کے کلام میں بلند اور نازک تخیلات سے ایک عجیب قسم کی لطافت، لچک اور سلاست پیدا ہو گئی تھی۔ جریر،

---

[1] کشف الظنون صفحہ ۱۴۱۳ [2] کتاب الاغانی جلد ۱۶ صفحہ ۸۸

[3] مختصر الدول صفحہ ۱۹۲

فرزدق[1]، اخطل وغیرہ نے بنی امیہ کے درباروں میں تربیت پائی تھی۔

ادب کی کتابوں میں یہ تمام ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس جگہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ غرضیکہ بنی امیہ کا دورِ علمی شان دار ہے اور ان کے بعض علمی آثار آج بھی باقی ہیں۔

یہ تھی عہد بنی اُمیّہ کی علمی تمدنی ترقی جس کی طرف سے مؤرخین چشم پوشی کرتے رہے۔

---

[1] الفرزدق واسمہ ھمام بن غالب بن صعصعۃ بن ناجیۃ تمیمی البصری طلق امرأتہ ثم ندم علی طلاقہا فقال قلوانی ملکت یدی وقلبی۔ لکان علی للقدر الخیار۔

(البدایہ والنہایہ الجزء التاسع ص ۲۶۵۔



عربوں کا تمدّن شام میں

موسیو لیبان لکھتا ہے :۔

"خلفائے بنی اُمیّہ کے زمانہ میں شام کا تمدن ایک اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا عربوں نے اپنی رعایا کے ساتھ نہایت انصاف اور انسانیت سے برتاؤ کیا اور ان کو پوری آزادی مذہب کی دے رکھی تھی۔ اُن کے عہد میں کلیسہ مشرقی و مغربی دونوں کے ذی‌ہیں اساقفہ کو اس قدر آرام ملا کہ انہیں اس وقت تک اپنی علوئے حکومت میں ہرگز نصیب نہ ہوا تھا۔ شام کے تمام بڑے شہر بیت المقدس، صیدون، دمشق، صور بہت ہی سرسبز ہو گئے اور حرفت اور فلاحت نے بے انتہا ترقی کی۔ فتح ہونے کے ساتھ ہی اس مُلک میں اعلیٰ درجہ کی ترقی شروع ہو گئی۔ عربوں کو علوم یونان و روم کا ایسا ہی جوش پیدا ہو گیا جیسا کہ انہیں لڑنے کا جوش تھا۔ ہر طرف مدارس کثرت سے قائم ہو گئے اور چند روز میں شاگرد استادوں کا مقابلہ کرنے لگے اور علوم و شاعری و صنعت میں ترقی نمایاں ہونے لگی اور دمشق جو اُن کا دارالسلطنت تھا مرکزی شہر تجارت کا بن گیا۔ یہاں علمی اور حرفتی ترقی کی شہرت دُور دُور تھی۔ طبی مدرسہ، قصور شاہی تمام عالم میں مشہور و معروف تھے"[1]

(از۔ انتظام اللہ شہابی)



---

[1] تمدن عرب صفحہ ۱۴۹ ۔

تاریخ اندلس

اندلس جزیرہ نما ملک اندلس یورپ کے مغربی جنوبی حصے کی طرف واقع ہے اس کے اور ملک افریقہ کے درمیان صرف بارہ میل کا سمندر جو بحرِ ظلمات (بحرِ محیط) کو بحرِ متوسط سے ملاتا ہے جس کو آبنائے طارق کہتے ہیں، حائل ہے۔ اس ملک کے مشرق کی جانب بحرِ متوسط اور شمال کی طرف جبل البرتات (پیرا نیز) جو ملک فرانس کی سرحد اندلس سے جُدا کرتا ہے اور بے آف بسکے واقع ہیں۔ غرب کی جانب ملک پرتگال اور بحرِ ظلمات اور جنوب کی طرف آبنائے طارق اور ملک افریقہ اس کے حدود کو ختم کرتے ہیں۔

قدیم تاریخ اندلس (اسپین) کے قدیم باشندے قوم سلیٹ سے تھے جن کا اصلی وطن فرانس تھا۔ ان کے بعد اور بھی اقوام مثل آئی بیری، فلیقی مرجنی یہاں آئے اور رہ پڑے ۲۰۳ ق م اہل ردم اس پر حملہ آور ہوئے۔ دوسری مرتبہ کی جنگ میں جو پیونک کے نام سے مشہور ہے قرطاجینوں کو شکست ہوئی۔ چنانچہ ۴۰۵ء تک اہلِ روما قابض رہے۔ پھر شمالی وحشی قوموں نے اندلس پر قبضہ کر لیا۔ ان کے بعد ایک دوسری بُت پرست قوم گاتھ کو عروج حاصل ہوا۔ مگر دو سو برس سے زیادہ اُن کا اقتدار نہ رہا۔

گاتھ کے زمانہ میں اندلس کے باشندے نصف سے زیادہ غلامی کے پھندوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ ریاست چھوٹے بڑے جاگیرداروں میں بٹی ہوئی تھی اور زمیندار غلاموں سے کاشت کا کام مثل جانوروں کے لیا کرتے تھے۔ ذرا سی خطا یا عدول حکمی پر نہایت بے رحمی سے یہ لوگ قتل کر دیئے جاتے۔ ان کے مذہبی پیشوا بھی ایسے ہی تھے لاطینی عیسائیوں کا دور دورہ تھا۔ وٹیزا کو قوم نے تخت سے اتار کر لرزیق (راڈرک) کو اپنا بادشاہ بنایا۔ کچھ عرصہ تک متانت اور سنجیدگی سے کام لیا۔ آگے چل کر عیاش اور کاہل بن گیا اور امراء کی بہو بیٹیوں کو تاکنے لگا۔ گورنر سوطا کونٹ جولین کی لڑکی فلورنڈا

دارالسلطنت طلیطلہ میں بغرض تحصیلِ علم آئی ہوئی تھی اس کو جبرًا اپنے تصرف میں لایا۔ اس کی خبر جولین کو لگی۔ چونکہ جولین خاندان ڈنیرا کا رکن اعظم تھا اس واقعہ سے اُس نے بڑا اثر لیا اور یہی گورنر عربوں کو اندلس کی طرف متوجہ کرنے کا باعث ہُوا۔

شمالی افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر سے جولین ملا۔ انہوں نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی منظوری سے کر جنرل طارق بن زیاد کو جولائی ۷۱۱ء ۹۲ھ میں عرب اور بربریوں کی بیس ہزار فوج کے ساتھ ہسپانیہ روانہ کیا جس نے گاؤتھ فرمانروا راڈرک کو دریائے باربیٹ کے دہانہ پر شکست دی۔ اس کے بعد آرکاڈینا۔ قرطبہ۔ ملاغہ ایلودیرا اور ٹولیڈو (طلیطلہ) فتح ہو گئے۔

۷۱۵ء میں ولید نے شام میں موسیٰ بن نصیر کو طلب کیا۔ یہ طارق کو لے کر معہ گاتھک شہزادوں اور مالِ غنیمت کے دمشق پہنچا۔ ولید کے بعد سلیمان خلیفہ ہُوا۔ اس نے موسیٰ کے ساتھ بُرا سلوک کیا۔ آخر میں موسیٰ جلد ہی بحالتِ افلاس وفات پا گئے اس جگہ خلفائے بنی امیہ کی طرف سے جو اندلس کے گورنر مامور ہوئے صرف اُن کے نام لکھے دیتے ہیں تفصیلی حالات جلد سوم میں آ چکے ہیں۔

(۴) امرائے اندلس جو منجانب ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید، اور ہشام مقرر ہوئے۔

نام والی	مدت حکومت	کیفیت
طارق ابن زیاد	شوال ۹۲ھ تا ۹۳ھ جمادی الاوّل	
موسیٰ بن نصیر	۹۳ھ تا ۹۵ھ	
عبدالعزیز بن موسیٰ	۹۵ھ تا ۹۷ھ	
ایوب بن حبیب اللخمی	۹۷ھ تا ۹۸ھ	
الحر بن عبدالرحمٰن الثقفی	۹۸ھ تا ۱۰۰ھ	
اسمح بن مالک القولانی	۱۰۰ھ تا ۱۰۲ھ	بغیر حکم خلیفہ منجانب فوج حاکم ہُوا۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ الغافقی	سنہ ۱۰۲ تا سنہ ۱۰۳ھ	
عقبہ بن سحیم الکلبی	سنہ ۱۰۳ تا سنہ ۱۰۷ھ	
عذرہ بن عبداللہ الفہری	شعبان ۱۰۷ تا شوال ۱۰۷ھ	
یحییٰ بن سلمۃ الکلبی	سنہ ۱۰۳ تا سنہ ۱۰۷ھ	
عثمان بن ابی عبیدہ	شعبان سنہ ۱۰۷ تا شوال سنہ ۱۰۷ھ	
عثمان بن ابی نعیع القبصی	سنہ ۱۰۷ تا سنہ ۱۰۸ھ	
حذیفہ بن الاحوص القیسی	سنہ ۱۰۸ تا سنہ ۱۰۹ھ	
الہثیم بن عبداللہ الکلابی	سنہ ۱۰۹ تا سنہ ۱۱۰ھ	
محمد بن عبداللہ اشجعی	سنہ ۱۱۰ تا سنہ ۱۱۱ھ	
عبدالرحمٰن بن عبداللہ الغافقی	سنہ ۱۱۱ تا سنہ ۱۱۳ھ	
عبدالملک بن القطن الفہری	سنہ ۱۱۳ تا سنہ ۱۱۳ھ	چار ماہ
عقبہ بن الحجاج	سنہ ۱۱۳ تا سنہ ۱۱۴ھ	
عبدالملک بن القطن الفہری	سنہ ۱۱۴ تا سنہ ۱۱۶ھ	
عقبہ بن الحجاج	سنہ ۱۱۶ تا سنہ ۱۲۳ھ	
عبدالملک بن القطن الفہری	سنہ ۱۲۳ تا سنہ ۱۲۳ھ	دوبارہ حاکم مقرر ہوئے
بلج ابن بشر العیاض القشیری	سنہ ۱۲۳ تا سنہ ۱۲۴ھ	
ثعلبہ بن سلامۃ العاملی	سنہ ۱۲۴ تا سنہ ۱۲۵ھ	
ابوالعطاء بن ضرار الکلبی	سنہ ۱۲۵ تا سنہ ۱۲۷ھ	
ثوابہ بن سلامۃ الجزائلی	سنہ ۱۲۷ تا سنہ ۱۲۹ھ	
یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری	سنہ ۱۲۹ تا سنہ ۱۳۸ھ	یہ آخری حاکم منجانب ہشام مقرر ہوا۔

۴۶

رَوداد چھیالیس سال

۹۲ سنہ تا ۱۳۸ سنہ ہجری

"طارق بن زیاد کی فتوحات ۹۲ سنہ سے آخری گورنرِ اندلس یوسف بن عبدالرحمن الفہری تک اندلس میں حمیری، شامی اور عراقی عرب قبائل کثرت سے آکر آباد ہو گئے تھے اور افریقہ سے بھی بربری پہنچ گئے تھے۔ عرب، بربریوں کو حسد سے دیکھتے۔ ان ہر دو کی آپس میں اور شامی، عراقی، حمیری (یمنی) کی باہمی سیاسی مسابقت رہتی۔ اس سے خانہ جنگی کی نوبت پہنچ جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس بدنظمی کا شکار ہو گیا۔ اس کے سوا حکام کا طریقہ بھی اچھا نہ تھا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک گروہِ عظیم اس امر کے لئے مستعد ہو گیا کہ اسپین میں کوئی جدید حکومت قائم کی جائے۔

اس زمانے میں وہاں یہ شہرت اُڑ گئی کہ خلیفہ ہشام کا پوتا سفاح کے ہاتھ سے بچ کر افریقہ آگیا ہے اور قبیلہ زناتہ کے یہاں مقیم ہے۔ الداخل کے پہنچنے پر میدان موافق تھا جلد برسرِ اقتدار ہو گیا اور نئی حکومت قائم ہو گئی۔"

امیر عبدالرحمٰن الداخل

امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ بن خلیفہ ہشام اموی معاویہ نے ۲۱ برس کی عمر میں ۱۱۸ھ میں انتقال کیا۔ عبدالرحمٰن ۱۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ خلیفہ ہشام کے زیر سایہ عبدالرحمٰن کی پرورش و تعلیم ہوئی۔ خلیفہ کا یہ خیال تھا کہ عبدالرحمٰن کو ہی اپنا ولی عہد مقرر کرے۔ اس وجہ سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور تربیت اس شہزادہ کو دی گئی [۱] اپنے کنبہ میں عبدالرحمٰن بلند حوصلہ شہزادہ تھا۔

عبدالرحمٰن کی عمر دس برس کی تھی کہ ایک دن اپنے بھائیوں کے ساتھ رصافہ گیا رصافہ قنسرین کے علاقہ میں ایک بڑا عالی شان قصر تھا جہاں خلیفہ ہشام اکثر سکونت رکھا کرتے تھے۔ یہ بچے جب قصر کے دروازے کے پاس پہنچے تو ادھر سے مسلمہ برادر ہشام گھوڑے پر سوار آرہے تھے۔ بچوں کو دیکھ کر گھوڑے کو روکا اور پوچھا کہ یہ کس کے بچے ہیں؟

جب معلوم ہوا کہ معاویہ مرحوم کے ہیں تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور یہ کہہ کر کہ معاویہ کے یتیم ہیں" ملازم کو حکم دیا کہ دو دو بچوں کو قریب سے دکھاؤ۔ سب بچوں میں عبدالرحمٰن سب سے بھلا لگا۔ اُسے اپنے سامنے کاٹھی پر بٹھا کر بہت پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اسی وقت اتفاق سے خلیفہ ہشام محل سے نکلے۔ مسلمہ سے کہا یہ کس کے بچے کو لئے ہوئے گھوڑے پر ٹہلا رہے ہو۔ مسلمہ بولے آپ کے معاویہ مرحوم کا بچہ ہے۔ اور ہشام کی طرف جھکے اور کہا وہ امر اب عنقریب پیش آنے والا ہے جس کا ذکر از روئے نجوم میں کر چکا ہوں اور یہی بچہ وہ مرد نکلے گا جس کی نسبت

---

[۱] خلافت اندلس صفحہ ۷۵۔

آپ کو مجھ سے خاص خاص باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔

خلیفہ ہشام نے پوچھا کیا واقعی تم کو اس کا یقین ہے؟ مسلمہ بولے میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اس بچے کے چہرے اور گردن پر صاف صاف علامتیں اس بات کی موجود ہیں۔ مسلمہ بن عبدالملک علوم تری کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عبدالرحمٰن کے بشرہ کو دیکھ کر پیشین گوئی کر دی تھی کہ یہ عظیم المرتبت انسان ہوگا۔

خلیفہ ہشام کی نظریں التفات کی اس پر زیادہ رہنے لگیں[1]۔ ہشام بچوں کو جو چیزیں بھیجتا ان میں ہمیشہ عبدالرحمٰن کے لئے خاص اشیاء بھیجتا تھا۔"

ہشام کے بعد شیرازہ حکومتِ بنی امیہ بکھر گیا۔ جب مروان ابن محمد کے ہاتھ میں زمامِ حکومت آئی تو رہی سہی قوت بھی ٹھکانے لگ گئی۔ ابوالعباس عبداللہ نے حکومت سے ٹکراؤ کا ارادہ کیا۔ اُدھر شام کی رعایا یزید اور مروان کے ظلم وستم سے عاجز اور بددل ہوگئی تھی۔ اہلِ کوفہ نے ادھر ابوالعباس کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی تھی اور سلطنت کا ان کو حق دار سمجھ لیا تھا۔ اہلِ کوفہ بغاوت کر بیٹھے۔ خلیفہ نے فوج بنی عباس کے مقابلہ کے لئے روانہ کی لیکن آخر کو فتح ونصرت بنی عباس کو ہی نصیب ہوئی۔

ابوالعباس مروان کی فوج کو متواتر شکستیں دیتا ہوا دمشق میں داخل ہوا۔ مروان مصر کو چلتا بنا۔ قبل اس کے کہ یہ مصر میں داخل ہو ابوالعباس کے بھائی صالح نے مروان کو شہر نصیر میں گرفتار کر لیا اور جمادی الثانی ۱۳۲ھ ۷۵۰ء میں یہ قتل کر دیا گیا۔ سلطنت بنی امیہ کا اس کے بعد خاتمہ ہو گیا اور اس کے بعد دورِ خلافت عباسیہ شروع ہوا۔

اب خلیفہ اموی کے اہلِ خاندان کو تباہی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ عباس نے تاج وتخت حاصل کیا تو ممالک محروسہ میں حکم دیا کہ بنی امیہ کے خاندان کے ایک شخص زندہ نہ رہنے پائے۔ جہاں کہیں اس خاندان کا کوئی آدمی نظر آتا وہ نہایت بے رحمی سے قتل کیا جاتا۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۲۵۷۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ کسی ترکیب سے اپنے دشمنوں کی نگاہ سے بچ کر اپنی بی بی اور لڑکے کے ساتھ دریائے فرات کے قریب ایک خطرناک جنگل میں پناہ گزین ہوا۔ مگر یہاں بھی بنی عباس کے جاسوس پہنچ گئے تو فرات میں کود پڑا اور دریا سے پار ہو گیا اور پھر افریقہ کی طرف روانہ ہوا۔

عبدالرحمٰن افریقہ پہنچ کر اپنے غلام بدر اور سالم اور اپنی بہن ام الاسباغ سے ملا۔ مگر یہاں بھی فضاء خراب تھی۔ والیٔ افریقہ عبدالرحمٰن بن حبیب الفہری بنی عباس کا حامی اور بنی امیہ کا دشمن تھا۔ اس نے بھی ظلم و ستم شروع کر دیئے ہمراہیوں کو لے کر بنی رستم کے پاس فروکش ہوا۔ یہ شخص قبیلۂ بربر کا تھا۔ عبدالرحمٰن نے یہاں مقیم ہو کر اندلس کے حالات کی جستجو کی۔ اس کے اہلِ خاندان سے اندلس میں علم برداری کے عہدہ پر مامور تھے۔ چنانچہ اپنے غلام بدر کے ہاتھ ابو عثمان عبیداللہ بن عثمان اور عبداللہ بن خالد کو خطوط روانہ کئے جن میں وہ احسانات درج تھے جو خلفائے بنی امیہ نے بنی عباس کے ساتھ کئے تھے۔ اس کے بعد اپنے حقوق سلطنت کا اظہار کیا اور ان سے دریافت کیا کہ وہ معاون ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جن امور پر ان کی کامیابیاں منحصر ہیں ان کا تذکرہ بھی کیا اور یہ بھی یقین دلایا کہ آج کل اہلِ یمن اور بنی مضر میں نزاع پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ آپس کی خانہ جنگیوں میں مصروف ہیں۔ اگر تم ہماری معاونت کرو گے تو ہم کامیاب ہو جائیں گے۔

ابو عثمان نے خط پڑھنے کے بعد مدد دینے کا وعدہ کر لیا اور امیر جمیل ابن حاتم سے بھی مشورہ کرنا چاہا۔ امیر یوسف اندلس کا خود مختار گورنر تھا۔ اس سے ابن حاتم سے کشیدگی تھی۔ ابو عثمان نے ابن حاتم سے اس واقعہ کا اظہار کیا۔ ابوالجوشن حاتم نے امیر یوسف کی شکایت کی اور کہا ہم تمہاری مدد کو موجود ہیں۔ شہزادہ عبدالرحمٰن کو یہاں آنے کا مشورہ دو میں اندلس میں داخل ہوتے ہی امیر یوسف کو اس امر پر آمادہ کر دوں گا کہ وہ عبدالرحمٰن کو شاہانہ استقبال سے شہر میں لائے اور اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے۔ اگر امیر اس پر راضی ہو گیا تو بغیر کشت و خون کے ہی تمہارا مطلب نکل

آئے گا اور اگر وہ راضی نہ ہوا تو اسے عہدۂ حکومت سے جُدا کر کے تمہارے دوست کو خلیفہ بنا دیں گے۔

اس قرارداد کے بعد ابوالجوشن صوبہ طلیطلہ کو روانہ ہوا۔ ابو عثمان اور عبداللہ ابن خالد شہر البیسرۃ آئے اور انہوں نے راہ میں یہ طے کیا کہ یمانیہ سے مل کر ہی معد سے باہمی چپقلش کرادی جائے۔ اس اثناء میں جمیل بن حاتم نے ان کو مطلع کیا کہ میری رائے اب وہ نہیں ہے مگر ابو عثمان نے ہمت نہ ہاری۔ اس کے ساتھ پانچ سو موالی جو بنی امیہ کے یہاں آباد تھے ان کو اپنا لیا۔ ان ہر دو نے یہ ارادہ مصمم کر لیا کہ انجام کچھ ہو عبدالرحمٰن کو اندلس میں بلانا ضروری ہے۔ یمانیہ اور بنی معد میں کچھ دن پہلے شقندہ پر جنگ ہو چکی تھی یمانیہ کو شکست ہوئی اس بنا پر وہ بھی معد سے انتقام لینا چاہتے تھے۔

امیر یوسف گورنر اندلس اور جمیل شمالی علاقہ میں مصروف پیکار تھے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر موالی بن امیہ نے اپنے آقا عبدالرحمٰن کو اندلس میں مدعو کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک جہاز خرید کر ابو غالب تمام بن علقمہ کو گیارہ آدمیوں اور پانچ سو دینار کے ساتھ بدر کی ہمراہی میں افریقہ کو روانہ کر دیا۔

بدر کا عبدالرحمٰن انتظار کر رہا تھا قبیلۂ نفزہ سے علیحدہ ہو کر "بربر مغلیہ" میں چند روز سے جو بحر متوسط کے ساحل پر ہے قیام پذیر تھا۔

ایک دن عبدالرحمٰن بعد نماز عصر سمندر کے کنارے چہل قدمی کر رہا تھا کہ ایک جہاز کنارہ پر نظر آیا اور ایک شخص کود کر جلد اس کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے تیراک کو پہچان لیا کہ بدر کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ وہ قریب آیا اس سے پوچھا کیا خبر لائے؟ اس نے کہا "اچھی خبر لایا ہوں" اور کل حالات شہزادے کو سنا دیئے اور ان سرداروں کے نام بتائیے جو دل سے شہزادے کی نصرت پر آمادہ تھے اور کہا یہ جہاز آپ کو لینے کے لئے آیا ہے۔ ہمراہیوں کو شہزادے کے سامنے پیش کیا اور ان کے سردار کو کہا کہ ان کا نام ابو غالب تمام بن علقمہ ہے۔

نفح الطیب میں ہے :-

"بدر نے (اپنے آقا کے پاس) پہنچ کر معاملہ کے مستحکم و استوار ہونے کی بشارت دی اور تمام بن علقمہ نے بڑھ کر (۳۱) کی تائید کی۔ عبدالرحمٰن نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ کہا تمام۔ عبدالرحمٰن نے پھر پوچھا کنیت؟ کہا ابو غالب۔ شہزادہ بولا۔ اللہ اکبر اب ہمارا تمام کام پورا ہو گیا اور ہم اللہ کے حول اور قوت سے غالب آئے۔"

اپنے ملنے والے بربریوں میں روپیہ تقسیم کیا گیا اور شہزادہ کو جہاز میں سوار کر کے اندلس روانہ ہوئے۔ جہاز کو رنگ برنگ کی جھنڈیوں سے سجایا تھا۔ چند روزہ سفر کے بعد جہاز ساحل اندلس المنکب (بندر المنقاب) کی بندرگاہ میں خیریت سے پہنچ گیا۔ یہ غرہ ربیع الاول ۱۳۸ھ کا دن تھا۔

اندلس کے ساحل پر شہزادہ کا خیر مقدم شایانِ شان کیا گیا۔ ابو عثمان ابو خالد یوسف ابن بخت ابو عبیدہ، حسین ابن مالک کلبی اور دوسرے امرائے بنی امیہ لبِ دریا موجود تھے سب سے زیادہ عبید اللہ اور ابن خالد کو بیحد مسرت تھی۔

باغ الفنیتین میں جو عبداللہ بن خالد کا نزہت گاہ ارجزونہ اور البیرہ کے درمیان شہر لوشہ سے قریب واقع تھا۔ شہزادہ اقامت پذیر ہوا۔ کچھ دن بعد قلعہ طرش میں یہ سب لوگ آ گئے۔ شہزادہ کے تشریف لانے کی خبر دور دور پہنچ چکی تھی۔

امیر یوسف کو جو خبر لگی اُس نے کچھ تحفے روانہ کئے اور اپنے کنبہ میں شادی کا پیغام دیا۔ مگر ایک ناگوار واقعہ نے صورت پلٹ دی۔ یوسف نے امیر حاتم سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا وہیں چل کر شہزادہ سے دو دو ہاتھ کر کے فیصلہ کر لو۔ اُس نے کہا۔ پہلے قرطبہ میں فوج درست کی جائے پھر بنتا جائے۔ چنانچہ طلیطلہ سے امیر یوسف قرطبہ روانہ ہوا۔ ادھر شہزادہ عبدالرحمٰن سات سو سواروں کے ہمراہ ریّہ آیا۔ یہاں کے لوگ معاونت پر آمادہ ہو گئے۔ حاکم شہر عیسیٰ ابن مساود نے بحلف اطاعت قبول کر لی۔ یہاں سے شذونہ اور مورود ہوتے ہوتے یہ لوگ اشبیلیہ میں داخل ہوئے۔ ان شہروں کے حاکم عتاب ابن علقمہ اور ابو الصباح ابن یحییٰ سردار اہل یمن بھی باظہار اطاعت

فرمانبرداری اپنی اپنی فوج کے ہمراہ شہزادہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ شہزادے نے تمام سرداروں سے مشورہ کیا۔ سب نے قرطبہ پر حملہ کرنے کی رائے دی۔ چنانچہ قرطبہ پر یورش کر دی گئی۔ امیر یوسف مقابلہ کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ دونوں فوجیں وادی الکبیر کے متصل میدان مصارۃ میں نبرد آزما ہوئیں۔ مگر امیر یوسف کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ عبدالرحمن بن یوسف گرفتار ہوا۔ ابن حاتم ابوالجوشن یوسف فہری بچ کر نکل گئے۔ ابوالصباد غا پر آمادہ ہوا مگر شہزادہ بہادر اور بلند اقبال تھا۔ ابوالصبا کی چلی نہیں۔ شہزادہ عبدالرحمٰن دارالسلطنت قرطبہ کی جانب روانہ ہوا شہر میں داخل ہوا اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص اطاعت کرے گا اس کی خطا معاف ہے اور لوٹنے والوں کو روک دیا اور محل امیر یوسف میں داخل ہوا۔

محل میں مستورات جس قدر تھیں ان کی حالت بھی خطرناک تھی۔ یمانیہ کے فوجی کچھ لحاظ نہ کرتے تھے۔ یوسف کی بیوی ام عثمان اور اس کی دو لڑکیوں نے عبدالرحمٰن سے امان چاہی۔ ام عثمان نے کہا یا بنی عم ہمارے ساتھ ایسا ہی اچھا سلوک کرو جیسا اللہ تعالےٰ نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا یقینی آپ کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔"

اس وقت صاحب الصلوٰۃ کو حکم دیا جو موالی یوسف تھے ان کو بلا کر تمام بیگمات کا سامان دلوایا اور اس کے بعد یہ اُن کے مہمان رہے۔ بغرضیکہ چند روز میں شہزادہ ہر دلعزیز ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس مُلک کے بڑے بڑے حاکموں نے بھی اطاعت قبول کر لی[1]

امیر یوسف اور ابی حاتم پھر مقابل آئے مگر شہزادہ نے ان کو رام کر لیا۔ اس کے بعد ۱۲۱ھ سے خلافت اندلس شروع ہوئی۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۹۶ جلد اوّل۔

تختِ حکومت پر اجلال

شہزادہ سلطان عبدالرحمٰن کے نام سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔ یوسف فہری ابن حاتم قرطبہ میں رہنے لگے۔ سلطان انصرامِ سلطنت اور استحکامِ مملکت کی طرف متوجہ ہوا۔ تھوڑے عرصہ میں ایسا انتظام کیا کہ رعایا کو اطمینان ہو گیا۔ چند امراء بانی فساد کے سوا تمام ملک نے بطیبِ خاطر غاشیہ اطاعت عبدالرحمٰن کا اپنے دوش پر رکھا۔

امیر یوسف نے پھر بغاوت کی مگر امیر عبدالملک عمر بن مروان نے اس کی مزاج پرسی ایسی کی کہ طلیطلہ بھاگا۔ وہاں ابن عمر انصاری کے ہاتھوں اس کی شمع حیات ہی گل ہو گئی۔ سلطان بھی مریدہ معہ فوج کے امیر عبدالملک کی اعانت کے لئے گیا ہوا تھا۔ یوسف کے فرار کے بعد سلطان مریدہ میں داخل ہوا۔ یہاں خبر لگی کہ اس کی ملکہ سخت علیل ہے۔ چنانچہ عبدالملک کو صوبہ کا حاکم مقرر کر کے قرطبہ لوٹا۔ پہنچنے کے چوتھے روز اس بیگم سے فرزند وارث تخت و تاج پیدا ہوا۔ اس کا نام ہشام رکھا گیا۔

سلطان عبدالرحمٰن نے بخیال رفع فساد ابن حاتم اور یوسف کے لڑکوں ابوالاسود محمد الفہمی اور عبدالرحمٰن کو نظر بند کر دیا کچھ روز بعد ابن حاتم زیادہ شراب پینے کی وجہ سے مر گیا۔ چند ماہ بعد یوسف کے لڑکے نگران کو دھوکہ دے کر چلتے ہوئے عبدالرحمٰن گرفتار ہوا اور قتل ہوا۔ ابوالاسود ۱۶۹ھ تک سلطان کا مقابلہ کرتا رہا اور بالآخر اپنی موت سے مر گیا۔

خلیفہ ابوجعفر المنصور عباسی نے ۱۴۶ھ میں اندلس پر فوج کشی کی اور اپنے ایک امیر العلاابن مغیث التجیبی کو مع فوج کثیر اندلس روانہ کیا۔ اس امیر نے سرحد پر قدم رکھتے ہی شہر بنیرا (بیجتہ) کو فتح کیا۔ سلطان کو خبر لگی وہ فوج جس قدر ممکن ہوئی

لہ عبرت نامہ اندلس۔

لے کر اشبیلہ پہنچا۔ مغیث تسخیر اشبیلہ کے لئے آچکا تھا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مغیث مع اپنے افسران فوج کے گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے ان قیدیوں کے سر کاٹ کر دمشق اور مکہ بھیج دیئے۔ اس وقت خلیفہ ابو جعفر حج کی غرض سے مکہ آیا ہوا تھا۔ ایک روز صبح کو دربانوں نے خلیفہ کے خیمہ کے سامنے صندوق رکھا پایا تو خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔ کھولا گیا تو اس میں خلیفہ کے سپہ سالار حاکم افریقہ کا سر تراشیدہ رکھا ہوا تھا اس امر کے مشاہدہ سے خلیفہ کو بے حد رنج ہوا۔

بغاوت اہلِ یمن ۱۵۱ھ میں یمنیوں نے بغاوت کر دی اور قرطبہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ سلطان نے عبدالملک بن عمر حاکم اشبیلہ کو حکم دیا کہ باغیوں کی سرکوبی کو روانہ ہو۔ عبدالملک نے اپنے بیٹے اُمیہ کو ہراولِ لشکر کر کے آگے جانے کا حکم دیا اور عقب میں خود روانہ ہوا۔

امیر اُمیہ باغی فوج کے پاس جلد پہنچ گیا۔ دیکھا فوجِ مخالف کی تعداد زیادہ ہے گھبرا کر پیچھے ہٹنا شروع کیا تاکہ باپ کی فوج سے ملحق ہو جائے۔ عبدالملک نے دیکھا بیٹا باغیوں کے سامنے سے بھاگ آیا۔ سخت غضب ناک ہوا اور اُمیہ سے کہا پست ہمت کیا میں نے اس روز کے لئے تجھ کو اپنی فوج کا ہراول مقرر کیا تھا۔ اہلِ اندلس اور افریقہ یہ نہیں جانتے کہ ہم نے کس محنت و مشقت سے خون بہا دے کر جان عزیز کے عوض اس ملک کو خریدا۔

یہ کہہ کر بیٹے کو قتل کر دیا اور خود مقابلہ کے لئے آگے بڑھا اور ایک جگہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور افسرانِ فوج کو جمع کر کے یہ کہا کہ :۔

"کیا ہم مشرق سے اس ملک کی انتہا تک بغیر محنت و مشقت کے پہنچ گئے تھے اور کیا ہم ان سخت مشکلات کو فراموش کر گئے جو ہم کو اپنی کامرانی و فتوحات میں پہنی پڑی تھیں۔ کیا ہمارے جسم میں وہ گردش خون کی باقی نہیں رہی جس نے ہم کو ہمیشہ فتوحات اور اپنے ارادوں میں کامیاب کیا تھا۔ اپنی اپنی تلواروں کو غلاف سے نکالو اور مردانہ وار میدانِ

جنگ میں مرنا قبول کرو۔"

اس تقریر کے بعد ہی اہلِ یمن پر حملہ بول دیا۔ ہر دو طرف کے ۳۰ ہزار افراد قتل ہوئے۔ مگر کامیابی عبدالملک کو ہوئی۔ اتنے میں سلطان فوج لے کر پہنچا۔ اس خبر سے بیحد خوشی ہوئی اور زخمی عبدالملک سے مخاطب ہوا۔

"اے بھائی! میری یہ خوشی ہے کہ میں اپنے بیٹے ولی عہد ہشام کے ساتھ تیری بیٹی کی شادی کروں۔"

اس جنگ کے صلہ میں سلطان نے اپنے وفادار امیر کو وزیر اور مشیرِ سلطنت مقرر کیا اور دولتِ دُنیا سے مالا مال کر دیا۔

اہلِ خاندان کی دُشمنی

سلطان نے اپنے خاندان کے افراد کو بنی عباس کے ظلم و ستم سے بچانے کے لئے اپنے پاس بلا لیا تھا مگر وہ ایسے کم ظرف نکلے کہ بنی عباس کے مقابل تو آئے نہیں سلطان کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے درپے ہو گئے۔ سلطان کو سازش کا پتہ لگ گیا۔

عبدالسلام بن یزید بن ہشام اس کا بھانجہ عبداللہ بن معاویہ بن ہشام کو ٹھکانے لگا دیا گیا۔ ابو عثمان جس کو پہلی خدمت کے صلہ میں وزارت کا عہدہ عطا کیا تھا وہ بھی سازش میں شریک تھا۔ مگر بلحاظ حقوقِ خدمات اس کی جان بخشی کی۔ المغیرہ ابن الولید بن معاویہ اور تہریل بن حاتم بھی سازش کے رکن تھے ان کو کچھ دن بعد قتل کرا دیا۔ ایک عرب نے سفارش کی تو سلطان نے کہا۔

"کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ جن کی جان و مال بچانے میں مَیں نے اپنی جان و مال کی پرواہ نہیں کی ایسے احسان فراموش بلکہ محسن کش نکلے کہ آخر کار میرے ہی مخالف اور دُشمن بن گئے جب کہ یہ لوگ دُشمنوں کی تلواروں کے خوف سے دربدر اور تباہ حال پھر رہے تھے۔ مَیں نے اُن کی ہر طرح اعانت اور مدد کی اور ان کے واسطے اس مُلک میں آرام و آسائش کا سامان مہیا کر دیا۔ مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے ان لوگوں کے حالات کو ظاہر کر دیا اور ہر ایک نے اپنی بدنیتی اور بداعمالی کی سزا پائی۔" [1]

شام پر حملے کے ارادے

۱۶۳ھ میں سلطان کا ارادہ ہوا کہ بنی عباس سے بھی اپنے خاندان کی تباہی کا بدلہ لے اور اپنے بیٹے شہزادہ سلیمان کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے اندلس سے روانہ ہوا۔ دفعتہً سرقسطہ میں حسین الانصاری کی بغاوت کی خبر لگی۔ سلطان نے سفر ملتوی کیا۔ دیگر امرائے عرب حیات ابن صلابس حاکم اشبیلیہ، عبدالغفار بن حامد حاکم نبیلہ اور عمر حاکم بنیر امشترکہ طاقت سے فوجِ کثیر کے ساتھ قرطبہ پر حملہ آور ہوئے مگر سلطان نے ان سب کو ایسی شکست دی کہ یہ لوگ گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔

ان واقعات سے سلطان کو عرب پر جو بھروسہ تھا وہ جاتا رہا اور اُس نے اہل بربر کو اندلس آنے کی ترغیب دی۔ چالیس ہزار فوج بربریوں کی بھرتی کر لی گئی۔ بربریوں کو بڑے بڑے عہدے بھی عطا کئے گئے۔

سلطان اندرونی بغاوت کے فرو کرنے میں لگا ہوا تھا۔ فرولیہ بن الفانزو (الفانسو) عیسائی نے سرحدی قلعوں و شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ عیسائی لوگ تفالی اور قسطلہ پر قابض ہو گئے۔

ادھر چند امرائے عرب نے شارلیمن کو آمادہ کیا کہ وہ اندرونی بغاوت سے فائدہ اُٹھائے۔ چنانچہ شارلیمن (فرانس) نے بھی حملہ سرحد پر بول دیا۔ سلطان نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ شارلیمن کو ناکام ہو کر واپس جانا پڑا۔

المقری کہتا ہے شارلیمن نے اندلس پر حملہ کیا لیکن عربوں نے فرانسیسیوں کو شکست دے کر اندلس سے خارج کر دیا۔"

---

[1] خلافت اندلس صفحہ ۶۲ ۔

پھر دوبارہ ۲۶۰ھ میں شارلیمین حملہ آور ہوا مگر کچھ سوچ کر سلطان کے پاس سفارت روانہ کی اور اپنی بیٹی کے ساتھ شادی کرنے کی درخواست اور صلح کی خواہش کی۔ سلطان نے شادی کو نامنظور کیا اور صلح پر آمادہ ہو گیا[1]

شارلیمین خود بدکار تھا اور اس کی لڑکیاں علانیہ عصمت فروشی کیا کرتیں۔ اس وجہ سے حرم سرا میں داخل نہ کی گئیں۔ (تاریخ ہسپانیہ)

خاتمۂ بغاوت سلطان نے اپنی حسن تدبیر سے چند سالوں میں بغاوت کا ایک حد تک خاتمہ کر دیا تھا۔ دو، چار امیر ایسے رہ گئے تھے جن سے خطرہ تھا مگر وہ ایسا انتظام کر چکا تھا کہ فتنہ اُٹھتے ہی دبا دیا جائے۔

سیرت سلطان نہایت نیک سیرت اور منصف مزاج تھا اقربا تو کجا اگر رعایا میں سے کوئی مرجاتا تھا تو وہ کیسا ہی غریب کیوں نہ ہو سلطان جنازہ میں شریک ہوتا اور بذات خود نماز جنازہ کی امامت کرتا تھا۔

۱۷۰ھ میں معاویہ بن صلح قرطبہ کے قاضی القضاۃ نے انتقال کیا، سلطان شریک میت تھا اور بذاتِ خود نماز جنازہ کی امامت کی[2]

اگر کوئی شخص بیمار ہوتا تو عیادت کو خود تشریف لے جاتا۔ غرضیکہ اپنی رعایا کی شادی اور غم میں برابر کا شریک تھا۔

نمازِ جمعہ نمازِ جمعہ خود پڑھاتا اور خطبہ بڑی فصیح عربی میں پڑھتا۔ اس کا خطبہ شجاعانہ جذبات کا برانگیختہ کر دینے والا ہوتا۔

دادرسی ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان بعد شرکتِ میت واپس ہو رہا تھا کہ اثنائے راہ میں ایک معمولی آدمی نے گھوڑے کی باگ کو پکڑ لیا اور کہا اے امیر! قاضی نے میرے حق میں ناانصافی کی ہے جس کی داد میں تجھ سے چاہتا ہوں۔ سلطان بولا

---

[1] ہسٹری آف دی سارا سینس ص ۲۷۰ از امیر علی۔

[2] عربس ان اسپین مصنفہ کونڈ جلد ا صفحہ ۲۱۲۔

اگر تو سچا ہے تو میں تیرے حق میں انصاف کروں گا۔ چنانچہ وہیں کھڑے کھڑے قاضی کو بلا کر سختی سے ان سے کہا۔ قاضی صاحب اس شخص کا انصاف ہونا چاہیئے۔

خطابت سلطان کی تقریر نہایت شستہ اور دلآویز تھی۔

معاملہ فہمی عبدالرحمٰن نہایت سنجیدہ اور معاملہ فہم اور منتظم تھا کسی کام کے کرنے میں جلدی نہیں کرتا تھا اور جب کام کا قصد کر لیتا تو پھر اس کو بغیر ختم کئے ہر گز نہ ہٹتا تھا۔[1]

استقلال مستقل مزاج ایسا تھا کہ بڑی سے بڑی مصیبت کو ہنس کے ٹال دیتا۔ افریقہ کے دوران قیام میں پانچ برس گزرنے پر ہمت نہیں ہارا۔ ارادہ کر چکا تھا کہ اندلس کو زیر نگیں کرنا ہے۔ باوجود یکہ گورنر افریقہ حبیب نے ہشام کے دو لڑکوں کو قتل کرا دیا اور سلطان کے درپئے آزار تھا مگر اپنی کوشش میں یہ لگا رہا۔

لہو ولعب سے اجتناب سلطان تمام عمر کبھی لہو ولعب میں مبتلا نہ ہوا۔ اس سے بڑھ کر ضرورت سے زیادہ آرام کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا تھا۔ ہر وقت حکومت کے کاموں میں لگا رہتا۔

نظام حکومت سلطان حکومت کے معاملات میں زیادہ تر اپنی رائے پر بھروسہ کرتا تھا مگر مشکل معاملہ میں اپنے لائق اور خیر خواہ مشیروں کی رائے بھی ضرور لے لیا کرتا۔

سخاوت سلطان فیاض کمال درجہ کا تھا۔ اس کی سخاوت کی دُور دور شہرت تھی خُلق اور فیاضیاں عام طور پر ضرب المثل بن گئی تھیں جس وقت یوسف الفہری اور دوسرے مخالفوں پر کامیاب ہوا اور اطمینان سے سریر آرائے سلطنت

---

[1] خلافتِ اندلس ص ۲۸۔

ہُوا تو ملک اندلس کے ہر صوبہ اور شہر سے حاکم اور رئیس اطاعت قبول کرنے قرطبہ آئے۔ ان کی تواضع و مدارات خوب کی اور ہر رئیس سے خلوت میں خلق سے پیش آیا اور اس قدر مال دولت سے ان کو نوازا جو واپس ہُوا وہ مطیع و فرمانبردار تھا۔

ایک واقعہ ایک روز ایک غریب عرب بنی قناصرین سے دربار میں آیا اور سلطان سے کہا :-

"یا سلطان خدائے تعالیٰ نے تجھ کو بادشاہ اور بے انتہا خزانوں کا اس لئے مالک کیا ہے کہ تو غریب اور یتیم اور بیواؤں کے حق میں انصاف اور مدد کرے"

سلطان نے کہا تمہاری ہی مدد ہو گی اور ہر ایسے شخص سے کہہ دو جو تمہارے مِثل ہوں اُن کے لئے دربار کھلا ہے۔ وہ درخواست میرے سامنے پیش کریں تاکہ مَیں بذاتِ خود اُن کو ہر قسم کی مدد دوں اور اُن کو پریشانیوں سے نجات دوں۔ غرضیکہ اس عرب کو خوش وخرم روانہ کیا اور حکم دیا کہ ضرورت مند خود درخواست لے کر میرے سامنے فوراً پیش ہُوا کریں۔

کھانے کے وقت کوئی اہلِ غرض آجاتا تو اس کو اپنے ساتھ شریکِ طعام کرلیتا پھر اس کی غرض خوش اسلوبی سے پوری کرتا۔

ہر دلعزیزی سلطان نے اپنے طریقۂ عمل سے ہر ایک کو گرویدہ کر لیا تھا۔ ایسے ہر دلعزیز بادشاہ کم گزرے ہیں۔

اہلِ خاندان کے لوگوں کو بُلا کر جاگیریں دیں۔ فوجی اور دیوانی خدمات عطا کئے اور ان کو انتظام سلطنت انصرام مملکت میں مشیر بنایا۔

خُطبہ میں نام دس برس تک خطبہ میں سلطان ابو جعفر عباسی کا نام خود لیتا رہا۔ مگر عبدالملک بن عمر نے کہا۔ سلطان آپ کا نام خطبہ میں آنا چاہیئے۔ کیونکہ صحیح معنی میں آپ خود امیر المومنین ہیں۔ چنانچہ اس دن سے تمام اندلس میں عبدالرحمٰن کا نام خطبہ میں لیا جانے لگا۔

حاجب | عبدالرحمٰن کے تمام بن علقمہ، یوسف بن بخت عبدالکریم ابن مہران عبدالرحمٰن بن مغیث ابن صیدشا منصور خواجہ سرا یہ حاجب تھے۔

مجلسِ شوریٰ | سلطان نے ایک وزیر کے بجائے مجلس امراء مقرر کی ان کے مشورہ سے ضروری امورِ مملکت طے کرتا۔ ارکانِ مجلس شوریٰ میں ابوعثمان مشیر اوّل، عبداللہ بن خالد، ابوعبیدہ حاکم اشبیلہ، شہید ابنِ عیسٰی تلابہ ابن عبید حاکم سرقسطہ، آثم ابن مسلم تھے۔

عہدۂ خطابت | سلطان کے عہد میں ابوعثمان عبداللہ بن خالد، امیہ بن زید یکے بعد دیگرے عہدۂ خطابت پر مامور ہوئے۔ عہدۂ قضاۃ پر یحییٰ ابن زید، ابوعمر، معاویہ مقرر تھے۔

حُلیہ | سلطان نہایت خوب صورت اور وجیہ تھا۔ رنگ بہت صاف، بال بھورے اُس کی صرف ایک آنکھ کام دیتی تھی قوتِ سامعہ سے بے بہرہ تھا۔

اولاد | بیسؔ بچے تھے گیارہ بیٹے اور نو بیٹیاں [1]

قاضی کے تقرر کا واقعہ | سلطان نے قرطبہ کے قاضی کے لئے ندیموں سے مشورہ کیا۔ دونوں شہزادے سلیمان و ہشام بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا مصعب کو کیا جائے۔ ہر ایک نے اُن کا تقرر پسند کیا۔ مصعب جب آئے تو اُن سے کہا تو اُنھوں نے کہا "میں ضعیف ہوں قضاۃ کا کام سنبھال نہ سکوں گا"۔ بادشاہ کو یہ جواب گراں گزرا اور اُن سے کہا جائیے اور لعنت ہو ان پر جو آپ کو یہاں لائے [2] صرف یہ تھا غصہ کا اظہار۔ ایک منصور عباسی تھا جس نے عہدۂ قضا کے پیچھے امام اعظم کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا۔

انتقال | سلطان کا ۱۷۲ھ میں عہدِ خلیفہ ہارون رشید میں انتقال ہوا اور قرطبہ میں دفن ہوا۔

---

[1] خلافتِ اندلس صفحہ ۵، [2] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۳۲۰۔

عمارات

عبدالرحمٰن نے ملکِ اندلس میں عربی صنعت اور دست کاری کی بنیاد ڈالی۔ قرطبہ میں مشہور و معروف عمارات مسجد اور قصر باغ رصافہ کی تعمیر شروع کی جس کی تکمیل ہشام نے کی۔

سلطان نے اس مُلک کی ایک سال کی آمدنی کا پانچواں حصہ (اسّی ہزار دینار طلائی) اس عمارت پر صرف کئے تھے۔ قصر کی چھت میں اس قدر سونا چڑھایا گیا تھا کہ اس کی چمک سے دیکھنے والی کی آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔

عبدالرحمٰن اس قصر میں رہتا تھا۔ قصر کا باغ بھی لاجواب تھا۔ میوہ دار درختوں میں اپنے وطن کی یادگار خرمہ کا درخت بھی لگایا تھا۔ عبدالرحمٰن نے بہت سی عمارتیں، مساجد اور حمام پُل قلعے ممالک محروسہ میں عامہ خلائق کے آرام و آسائش کے واسطے بنائے تھے۔

اس نے دورانِ حکومت میں سب سے بڑا کام یہ کیا کہ عرب اور بربر میں تعلقات خوشگوار قائم کرادیئے۔ اس دن سے ایک دوسرے کے معاون ہو گئے۔

امن یہ زمانہ امن و عافیت سے اہلِ اندلس پر گزر رہا تھا۔ تعلیم بھی عام کر دی تھی، ہر مسلم و غیر مسلم تک علم تحصیل کر سکتا تھا کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ دوسری اقوام کے ساتھ سلطان کے ایسے سلوک تھے جس نے اُن کے خیالات پر بڑا اثر کیا اور بہت سے عیسائی آغوشِ اسلام میں آ گئے۔

غیور طبیعت بغاوت کے سلسلہ میں اپنے بھائی ولید کے لڑکے کو جو سلطان نے قتل کرادیا تھا اس کا اس کو بڑا افسوس تھا۔ چنانچہ اپنے ملازم سے کہا تم اسی وقت ولید کے پاس جاؤ اور میری طرف سے عذر خواہی کرو، پانچ ہزار دینار دے کر اُن سے کہنا آپ کسی دوسری جگہ تشریف لے جائیں کیونکہ میرا اس واقعہ سے صلۂ رحم ختم ہو گیا۔ بھائی اگر سامنے ہو گا میں آنکھ نہیں ملا سکوں گا

چنانچہ ولید افریقہ چلا گیا۔[1]

مسجدِ اعظم میریا کالیکٹ تاریخِ اسپین میں لکھتا ہے :-

"عبدالرحمٰن اپنے ہمراہ مشرق سے علم معماری اور مذاقِ عمارت کی عالی شان اور خوشنمائی کا لایا تھا اور یہ صرف نقشہ جات ہی کے بنانے میں واقف کار اور ہوشیار نہیں تھا بلکہ عمدہ معمار بھی تھا اور یہ مذکور ہے کہ مسجدِ اعظم کا ڈاڈا (قرطبہ) کو اپنے ہاتھ سے بنانا شروع کیا تھا۔

اس مسجد کی تعمیر میں دو لاکھ سکہ طلائی سے زیادہ صرف کیا تھا اور وہ مسجد چھ سو فٹ طول اور اڑھائی سو فٹ عرض میں تھی اور شمال سے جنوب تک انیس محرابیں تھیں اور ایک سو ترانوے ستون سنگِ مرمر کے نہایت خوب صورت تھے اور انیس کلاں دروازے جانب جنوب کے پیتل کے ڈھلے ہوئے تھے۔ بیچ کے دروازے میں بالکل سونے کے پتر جڑے ہوئے تھے اور نو دروازے شرق اور نو دروازے غرب میں تھے۔ منارہ مسجد کا دو سو چالیس فٹ بلند تھا اور تین سنہرے گولے مینار پر تھے اور گولوں پر بشکل انارہ مخروطی کلس طلائی تھا۔ روزانہ روشنی کے لئے چار ہزار چھ سو فتیل سوز روشن کئے جاتے۔ تیل کا خرچہ تین سو من سالانہ تھا۔ عنبر، عود اور لوبان خوشبو کے لئے جلتا رہتا اور امام کی جگہ سونے کا چراغ دان جلتا تھا۔ اس میں نہایت درجہ کارسازی اور عمدہ صناعی تھی"[2]

مدارس سلطان نے مساجد سے متعلق مدارس قائم کئے تھے۔ حکومت کی طرف سے گراں قدر رقم ان پر صرف ہوتی تھی اور ان مدارس کے لئے سلطان نے جاگیر وقف کر دی تھی۔ اساتذہ نامی گرامی عالم مقرر کئے۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس صہ ۳۲۳

قرطبہ کے مدارس میں طلباء کثرت سے تعلیم حاصل کرنے لگے تھے۔ یہ طلباء عمدہ لیاقت اور قابلیت رکھتے تھے۔ سلطان نے یہ حکم عام دے رکھا تھا کہ امراء کے لڑکے لڑکیاں نامی گرامی قضات کے درباروں میں بعد تعلیم کے حاضر ہوا کریں اور علم مجلسی حاصل کریں۔ جب ہوشمند ہو جائیں تو خلیفہ کے دربار شاہی میں شریک ہوں[1]۔

مہمان سرائے سلطان نے ہر مسجد کے قریب ایک مہمان سرائے تعمیر کرائی تھی۔ ان میں چند روز تک زائرین اور مسافر اور سیاح کی مہمانداری بھی ہوتی تھی اور جس کسی کو ان میں سے ضرورت ہوتی تھی اس کو نقد بھی بطور خیرات کے عطا ہوتا تھا[2]۔

دیوان مسجد سے ہی ملحق "دیوان" تھا۔ یہاں امراء اور رؤسا آکر امورات ملکی پر مشورہ کیا کرتے۔

امام قاضی امامت بھی کرتا اور جمعہ کی نماز خود سلطان پڑھاتا تھا۔



سلطان ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل

ہشام سلطان الداخل کی تمام اولاد میں پیارا تھا اُس کی کنیت ابوالولید تھی۔ عبدالرحمٰن نے اپنے حین حیات میں ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اس کی ماں کا نام "حلیل خاتون" تھا جو ملکۂ دوراں تھی۔ سنہ ۱۴۰ھ میں پیدا ہوا بچپن ہی سے علماء اور اہل کمال کی صحبت میں رکھا گیا۔ ابتدائے عمر سے ہی خصائل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ سے متصف تھا۔

---

[1] تاریخ اسپین صفحہ ۲۶۰ [2] تاریخ اسپین صفحہ ۲۵۹۔

سلطان نے اپنے تمام بچوں کی تعلیم کا خاص طور سے انتظام کیا تھا۔ ہشام اور سلیمان دونوں کو حکم تھا کہ دارالقضاۃ میں جا کر کام سیکھا کریں۔

اور جس وقت مجلسِ امراء کا انعقاد ہوتا تو شہزادے تا ختم مجلس وہاں موجود رہتے۔ شعراء علماء سلطان کی سالگرہ کے روز نظم و نثر سلطان کی تعریف میں لکھ کر شہزادوں کے سامنے پیش کرتے تھے اور جس کی نظم یا نثر سب سے عمدہ ہوتی تھی۔ اس کو انعام دیا جاتا [1]

تخت نشینی سلطان عبدالرحمٰن کی زندگی میں ہشام صوبہ مریدہ کا گورنر تھا۔ وہیں اس کو باپ کے انتقال کی خبر لگی۔ اعیانِ سلطنت کو جمع کر کے اپنی حکومت کا اعلان کیا اور عنانِ حکومت اسی وقت سے ہاتھ میں لی۔ رعایا نے بلاعذر عبدالرحمٰن کا جانشین تسلیم کیا۔ وہاں سے قرطبہ آ کر تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ باپ کے عہد کے افسران کو برقرار رکھا۔ اہلِ خاندان کی توقیر و منزلت میں کمی نہ کی مگر شہزادے سلیمان نے اپنے دوسرے بھائی عبداللہ کو لے کر فوجِ کثیر کے ساتھ قرطبہ پر حملہ کیا اور سلطنت کا دعوےٰ کیا۔ سلطان ہشام خود مقابل آیا اور ہر دو بھائی شکست یاب ہوئے۔ سرحد پر اس باہمی جنگ و پیکار کی خبر پہنچی وہ بھی ہاتھ پیر مارنے لگے۔ سلطان خود فرانس کی طرف متوجہ ہوا اور شہر اربونیہ دوبارہ فتح کیا [2]

صوبہ جلیقیہ کے ماتحت عیسائی امراء نے عجز کے ساتھ ہشام سے صلح کی درخواست کی۔ سلطان نے بایں شرط قبول کیا کہ اربونیہ کی شکستہ دیواروں کے ملبہ کو ڈھو کر قرطبہ پہنچائیں جس کی تعمیل امراء نے کی۔

اس ملبہ سے مسجد باب الجنہ کے محاذی حصہ کی تعمیر کی۔

اندفاع ۱۷۸ھ میں البہ اور ارض القلاع کے عیسائی باغی ہو گئے۔ سلطانی فوج نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ اس سال سلطان نے اپنے وزیر یوسف ابن بخت کو فوجِ کثیر کے ساتھ صوبہ جلیقیہ کے لئے روانہ کیا تاکہ ان کی شورش ختم کی

---

[1] عربس ان اسپین از کونڈ صفحہ ۲۱۳ جلد ۱ [2] المقری (وفی ایامہ فتحت اربونیہ)

جائے۔ یوسف نے رئیس صوبہ برمیوڈو کے مزاج صحیح کرائے اور وہ اس قدر پامال ہوا کہ اپنا بڑا علاقہ چھوڑ گیا جو ممالک مفتوحہ میں شریک کیا گیا۔ البہ اور ارض القلاع کے عیسائی۔ پھر سن۱۶۳ھ میں بغاوت کر بیٹھے۔ ان کی سرکوبی کے لئے وزیر عبدالملک ابن عبدالواحد ابن مغیث کو جانا پڑا۔ عبدالملک نے گوشمالی اچھی طرح کر دی۔ واپس قرطبہ آکر معلوم ہوا کہ اربونیہ اور جرندہ کے لوگ مائل بہ فساد ہیں۔ ہشام نے اس مہم کے لئے عبدالملک کو ہی روانہ کیا جس نے جا کر خودسر عیسائیوں کو صحیح الدماغ کر دیا۔

دربارِ ہشام دربار علماء وفضلاء اور بہادران و مدبرانِ وقت اور صاحبِ کمال لوگوں سے معمور رہتا۔ بعض درباری علماء اور فقہاء حج کی نیت سے مکہ معظمہ گئے۔ فرعون ابن العاس عسٰی ابن دینار سعید بن ابی ہند حجاج کا امیر تھا شام میں یہ حضرات امام مالک ابن انس سے فیضیاب ہوئے اور وہاں سے آکر انہیں خیالات (مالکی عقائد) کی اندلس میں اشاعت کی۔

مخبر تمام ممالک محروسہ میں مخبر پھیلے ہوئے تھے جن کے ذریعے سے سلطان ہشام کو عمال کی طرزِ حکومت کی خبر دم بدم پہنچتی رہتی تھی۔

العادل ہشام کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے اپنی محنت اور جفاکشی، عدل، وجود و سخا کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھا رعایا نے ہشام کو العادل کا خطاب دیا۔

مسلمانوں کا تمدنی اثر سلطان عبدالرحمٰن اور ہشام کے عہدِ حکومت میں اسپین کے اصلی باشندوں پر بھی بڑا اثر پڑا۔

میریا کالیکٹ کہتا ہے:۔

"جب خلفائے امیہ کی حکومت اسپین میں قرار پائی تو اسپین کے باشندوں کی اوضاع اور اخلاق درست ہوئے۔ خاندانِ بنی امیہ اس ملک میں اپنے ہمراہ علوم اور فنون کا مذاق لائے اور زیب و زینت صرف مساجد اور عمارات کے واسطے مخصوص نہیں تھی بلکہ عام آدمیوں کے

مکانات میں بھی مثل محل کے آرام کی چیزیں ہوتی تھیں اور لوگ اپنے مکانات میں حوض اور فوارے اور باغات اور کتب خانے بہت کچھ صرف کر کے بناتے تھے اور جو بزم ضیافت عالی شان اور پُر رونق ہوتی تھی اُس کا اصل مقصد اور منشاء صرف تفریح ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ شاعری اور علم موسیقی کا مشغلہ ہوتا تھا اور گفتگو بھی علماء اور فضلاء میں ہوتی تھی اور نوعمر اطفال مختلف شہروں سے ملک اسپین کے مدارس شرقیہ اسلامیہ میں تعلیم پانے آتے تھے اور جب تعلیم پا کر واپس جاتے تھے تو اپنے ملک میں مدرسے جاری کرتے تھے اور مدارس شرقیہ اسلامیہ میں عربی میں علم فقہ اور فن شاعری اور علم ہیئت اور ہندسہ اور طب سکھایا جاتا۔

ہشام نے تعلیم کا افسر اعلیٰ سقاتورین سلیما کو کیا تھا جو انڈالوشیا کا رہنے والا تھا جس نے قرطبہ میں علم تحصیل کر کے یہ فضل و کمال حاصل کیا۔

اس عالم نے مطابق رائے مشہور عالم و فاضل ایا نہ دمشقی اور آیاتِ احکامی کی تفسیر لکھی۔ یہ عالم ان ائمہ اربعہ سے پہلے گذرا ہے جن سے چار فرقے قائم ہوئے[1]

تعمیرات ہشام کو بھی مثل اپنے باپ کے عمارات سے دلچسپی تھی۔ مسجدِ اعظم کی تکمیل ہشام نے کرائی۔

قرطبہ میں ایک جدید پُل شاندار بنایا فارقد بن عین العدنی میر عمارت نے خلیفہ کے حکم سے ایک شاندار حوض تعمیر کیا تھا۔ یہ حوض عین الفارقد کے نام سے مشہور تھا۔

مدارس مثل اپنے باپ کے مدارس عربی تعمیر کرائے اور ان کے مصارف کا خود کفیل تھا۔ علماء اور اطباء کی سرپرستی کرتا تھا۔ اطباء عموماً یہودی تھے۔ لاطینی زبان کے بجائے عربی کی ترویج مدِ نظر رکھتا تھا۔ ہشام کو علمِ نجوم کا

---

[1] تاریخ اسپین صفحہ ۲۵۸

شوق بہت تھا۔

باغات باغات سے سلطان ہشام کو دلچسپی تھی۔ بڑے بڑے باغات قرطبہ میں لگوائے۔ خود بھی پودے لگاتا اور میوہ کے درخت عرب سے منگا کر اپنے باغ میں لگائے [1]

شاعری ہشام علم وفضل کے ساتھ شعر وشاعری کا ذوق رکھتا تھا شعراء کا قدردان تھا۔

خود شعر اعلیٰ درجہ کے کہتا تھا اور ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا مطرب اپنے شوق سے گاتیں [2]

ہشام کو علمی ذوق اوائل عمر سے تھا ایک دن اپنے باپ کے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اہلِ دربار حاضر تھے۔ سلطان نے یہ دو شعر پڑھے [3]

وَتَعْرِفُ فِيْهِ مِنْ اَبِيْهِ شَمَائِلًا ۔۔۔ وَمِنْ خَالِهٖ اَوْ مِنْ يَزِيْدَ وَمِنْ حُجْرٍ

سَمَاحَةَ ذَا وَبِرَّ ذَا وَوَفَاءَ ذَا ۔۔۔ وَنَائِلَ ذَا اِذَا صَحَا وَ اِذَا سَكِرْ [3]

(ترجمہ:۔ اس کے باپ اور ماموں کی یا یزید کی و حجر کی شمائل سے تو اس کو معلوم کر سکتا ہے کہ وہ صاحبِ بخشش ونکوئی و صاحبِ وفا و صاحبِ جود ہے صحت و نشہ کی حالت میں۔")

سلطان نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کس کے شعر ہیں۔ ہشام نے فوراً کہا امرأ القیس کے ہیں اور آپ کی شان میں لکھ گیا ہے۔ سلطان بیٹے کی حاضر جوابی سے بہت خوش ہوا۔

معدلت گستری ہشام کی فیاضی اور معدلت گستری کی نظیروں سے تاریخ بھری ہوئی ہے اس نے اپنی بیدار مغزی اور دانش وری سے سلطنت کو ایسے مستحکم اصول پر قائم کیا کہ اگر ان کی پابندی اس کی جانشین کرتے تو اس وقت

---

[1] تاریخ اسپین صفحہ ۲۴۲ [2] ایضاً ص ۲۴۲ [3] کتاب شعراء النصرانیہ الجزء الاول صفحہ ۲۰

یورپ کا مغربی کونہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتا [1]

ولی عہد | بیماری کی حالت میں ہشام نے ارکانِ سلطنت کو جمع کیا اور ان سے الحکم کے لئے قسم لی کہ اس کے ساتھ وفادار رہیں گے۔"

خلیفہ نے حالتِ نزع میں الحکم کو بلایا۔ اس کی عمر بائیس سال کی تھی نہایت حسین اور ذہین و طباع تھا۔ خلیفہ ہشام نے الحکم کو خطاب کیا :-

"اے میرے بیٹے! میری نصیحتیں اپنے دل میں رکھنا۔ تقاضائے محبت سے تم کو سناتا ہوں ان باتوں کو گرہ میں باندھ لینا۔ بیٹا یہ خیال رکھو کہ سلطنت اور حکومت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور جب وہ چاہتا ہے چھین لیتا ہے پس جب خداوند تعالیٰ اپنے عطایائے ربانی سے اختیار اور دبدبہ شاہی عطا فرمائے تو ہم کو اس کی نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس کی پاک مرضی کا پورا کرنا واجب ہے اور وہ اصلی غرض یہ ہے کہ ہم تمام مخلوقات کے ساتھ نیکی کریں اور خصوصاً اس کے ساتھ جن کو ہماری حفاظت میں تفویض کیا ہے۔ امیر اور غریب کے ساتھ برابر عدل کرو، ظلم روا مت رکھو اس لئے کہ ظلم دروازہ تباہی کا کھولتا ہے۔ اپنی رعایا اور نوکروں پر مہربان رہ، اس لئے کہ ہم سب ایک خالق کی مخلوق ہیں اور حکومت، ممالک اور احصار کی انہی اشخاص کے سپرد کر کہ جو صفات پسندیدہ رکھتے ہیں اور ایسے وزراء کو بے رحمی سے سزا دینا چاہیے جو بے فائدہ اور بے قاعدہ محصولات سے رعایا کو تنگ کریں اور نرمی اور مستقل مزاجی سے فوج پر حکومت کر اور جب لشکر کشی پر مجبور ہو تو ہمارا لشکر محافظ ملک ہو نہ کہ غارت گر ملک، اس لئے ہمیشہ فوج کے آدمیوں کا روزینہ ادا کرنے کا خیال رکھنا چاہیئے اور ان سے جو اقرار ہو وہ پورا ہو اور

---

[1] خلافتِ اندلس صفحہ ۸۰

رعایا کی رضا جوئی سے غافل مت ہو اس لئے کہ ان کی محبت سے حفاظت ملک کی ہے اور ان کی ناراضگی میں مضرت ہے اور ضرور ان کی حقارت باعث زوالِ سلطنت ہے اور کاشت کاروں کی خبر گیری رکھنا چاہیئے جو ہماری روزی کے واسطے زمین سے غلہ نکالتے ہیں اور ان کی زراعت اور باغات کا پامال ہونا روا نہ رکھنا چاہیئے۔

خلاصہ یہ کہ اپنا طریقہ ایسا رکھنا چاہیئے کہ رعایا دُعا گو رہے اور ہماری حفاظت کے سایہ میں بخوشی زندگی بسر کرے اور ہم بھی حلاوتِ زندگی کا مزہ آسودگی میں پاویں۔ پس اس طریقہ میں سلطنت اچھی رہتی ہے اور اگر تم اس پر عمل کرو گے جو میں نے بیان کیا ہے تو تم خوش حال رہو گے اور جو نامور روئے زمین کے بادشاہ ہیں ان کے مانند تم کو دبدبہ اور سطوت حاصل ہوگا۔

سیرت ہشام میں مذہبیت بہت تھی اپنے بزرگ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے طریقہ کا لحاظ بہت رکھتا تھا۔ نیک کاموں میں زیادہ مصروف رہتا۔ نہایت سیدھا سادا لباس پہن کر قرطبہ کے گلی کوچوں میں پھرا کرتا۔ غریبوں سے ملتا۔ بیماروں کی عیادت کو جاتا۔ مفلسوں کے گھر پہنچتا اور نہایت دردمندی سے ان کی تکلیفوں اور ضرورتوں کو معلوم کر کے ان کو رفع کرنے کی کوشش کرتا۔

اکثر ایسا ہوا ہے کہ بارش ہو رہی ہے زیادہ رات گئے ہشام قصرِ امارت سے چپکے سے نکل گیا۔ کسی غریب بیمار کے لئے کھانا ساتھ لیتا گیا۔ اس کے گھر جا کر بیمار کے پاس تنہا بیٹھا اس کی تیمارداری کی اور صبح چلا آیا۔

عبادت گزاری ہشام اوقاتِ نماز کے نہایت پابند تھے۔ لوگوں کو بھی نماز پڑھنے کی ہدایت کرتے اور جب اندھیری راتوں میں بارش کا طوفان ہوتا اور دیکھتے کہ نمازی باوجود موسم کی خرابی کے نماز کے لئے مسجد

مسجد میں وقت پر آ گئے ہیں تو اُن کو انعام دیتے۔[1]

امام مالک بن انس سے بے حد حسنِ عقیدت تھی۔ چنانچہ مالکی عقائد کی ہشام کے عہد میں اندلس میں اشاعت ہونے لگی تھی۔ ادھر یحییٰ ابن یحییٰ بربر قبیلہ معمودہ کے نوجوان امام کے شاگرد تحصیلِ حدیث کے بعد قرطبہ آ گئے تھے۔

حکومت ہشام نے سات سال آٹھ ماہ حکومت کی۔

وفات ۱۸۰ھ/۷۹۶ء میں ہشام نے انتقال کیا اور قرطبہ میں دفن ہُوا۔ ہشام نے صرف چالیس سال عمر پائی۔ خلیفہ کے جنازے کے ساتھ خلائق کا نہایت ہجوم تھا۔

الحکم نے خود باپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ بعد اس کے الحکم کے خلیفہ ہونے کی شہرت دی گئی اور خطبہ اس کے نام کا تمام مساجد میں پڑھا گیا۔[2]

سُلطان الحَکم

سلطان الحکم اپنے باپ سلطان ہشام کے بعد تختِ حکومت پر بیٹھا ذی علم تھا مگر تلون مزاجی بہت زیادہ تھی۔ باپ کے عہد کے عہدیدار قائم رکھے۔ وزارت کے عہدے پر اپنے استاد اور حاجب امیر عبدالکریم بن مغیث کو سرفراز کیا سلیمان اور عبداللہ نے الحکم کی حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہا۔ ادھر اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سرحدی عیسائی شورش پر آمادہ ہو گئے۔ الحکم نے وزیر کو گراں قدر فوج

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۳۶۸ جلد ا [2] خلافتِ اندلس۔

کے ساتھ سرحد بھیجا جہاں عبدالکریم نے فتنہ کو دبا دیا۔

فرانسیسیوں نے ۱۸۵ھ میں برشلونہ پر حملہ کر کے قبضہ کیا۔ عبدالکریم نے اُن کو مار بھگایا۔ ادھر الحکم نے ہر دو چچا کو اچھی طرح سے کچلا۔ سُلیمان مر گیا۔ عبداللہ کو معافی دے دی گئی۔ اندرونی بغاوتوں میں فقہاء بھی کُود پڑے۔ حضرت یحییٰ ابن یحیی الیقسی شاگرد امام مالک نے الحکم کو حکومت سے بے دخل کرنا چاہا مگر سازش کا پتہ چل گیا۔ الحکم لہو و لعب میں مبتلا نہ تھا جو اس سازش کا شکار ہوتا۔ اس نے فقہاء کی گرفتاری کا حکم دیدیا کہ جو ہاتھ لگے جرمِ بغاوت میں سزاوار دار ہوئے۔ یحییٰ الیقسی روپوش ہو گئے۔ یہ قصہ ختم ہو گیا تو الحکم سرحد کی درستی اور حفاظت کی طرف مائل ہوا۔ قلعہ جات سرحد کو اور مستحکم کر دیا۔

۱۹۲ھ میں شاہِ فرانس کی سازش سے لذریق نے طرطوشہ کا محاصرہ کر لیا۔ الحکم خود روانے ہونے کو ہُوا۔ پہلے اپنے بیٹے عبدالرحمن ثانی کو بھیجا۔ شہزادے نے لذریق کو پہلے حملہ میں شکست دے دی اور اپنی حدود سے باغی عیسائیوں کو نکال کر باہر کیا۔ اس واقعہ کے چار برس بعد ۱۹۶ھ میں الحکم نے جنگ کا عزم کیا اور وزیر عبدالکریم کو فرانسیسیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اس نے جلیقیہ پر بلا مزاحمت قبضہ کیا اور قرطبہ لوٹ آیا۔

اس زمانے میں اندلس میں قحطِ عظیم پڑا۔ سلطان کو خواب و خورد حرام ہو گیا۔ اس نے بہت کچھ خزانے سے غرباء کی مدد کی اور رعایا کی خبر گیری میں دن رات ایک کر دیئے۔

عباس ابن ناصح الجزائری نے اس واقعہ پر یہ شعر کہے ؎

نَكِدَ الزَّمَانُ فَأَمَّنَتْ أَيَّامُهُ ۔۔۔ مِنْ أَنْ يَكُونَ بِعَصْرِهِ عُسْرُ
طَلَعَ الزَّمَانُ بِأَزْمَةٍ فَتَجَلَّتْ لَهُ ۔۔۔ تِلْكَ الْكَرِيمَةُ جُوْدُهُ الْغَمْرُ

(ترجمہ) زمانہ خراب ہو گیا تھا مگر اس کے ایام نے اس بات سے بچایا کہ اس کے عہد میں تنگی و پریشانی ہو مصیبتوں کی کثرت سے زمانہ تنگ ہو رہا تھا مگر اس کی

دریادل بخشش نے اس رنج کو دور کر دیا۔"

عدل گستری الحکم میں مثل اپنے باپ کے عدل گستری تھی اور اس بادشاہ کو ضد نہ تھی۔ اگر کوئی غلطی کرتا تو اعتراف بھی کر لیا کرتا۔ اتفاقیہ خلیفہ الحکم کے محل کی توسیع میں ایک غریب بیوہ کی جائداد آگئی۔ اس سے کہا بھی گیا کہ اس جائداد کو معقول داموں میں علیحدہ کر دے۔ مگر موروثی جائداد کی وجہ سے اس نے انکار کر دیا۔ مگر میر عمارت نے زبردستی وہ زمین لے لی اور بنگلہ تعمیر ہو گیا۔ اس عورت نے قاضی کے روبرو استغاثہ پیش کیا۔ قاضی نے فرمایا کہ تو تامل کر میں انصاف سے کام لوں گا۔

جس روز خلیفہ الحکم پہلے پہل مکان اور باغ ملاحظہ کرنے گیا قاضی بھی خبر پا کر پہنچ گئے۔ ایک گدھا معہ خالی بورے کے ہمراہ لیا۔ الحکم کا سامنا ہوا تو قاضی صاحب نے کہا امیر المومنین اس زمین کی مٹی مجھے چاہیے اجازت ہو تو لے لوں۔ خلیفہ نے مسکرا کر اجازت دے دی۔ قاضی نے بورا مٹی سے بھر لیا اور خلیفہ سے درخواست کی کہ مجھ کو اس بورے کو گدھے پر رکھنے میں حضور ذرا معاونت فرماویں۔

خلیفہ قاضی کی اس حرکت کو مزاح سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ بورا ہر دو اٹھانے لگے۔ مگر بھاری وزن تھا اٹھ نہ سکا۔ خلیفہ ہانپ گئے۔ قاضی نے کہا۔ سرکار! اس بوجھ کو تو آپ اٹھا نہ سکے تو انصاف کے دن (یوم قیامت) کو یہ جو زمین بڑھیا کی ضبط کر لی گئی ہے وہ کس طرح اٹھائیے گا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ بڑھیا دعوے ضرور کرے گی۔

شاہ الحکم آبدیدہ ہو گیا اور میر عمارت کو حکم دیا فوراً بڑھیا کی زمین اس کو واپس کر دو اور محل کا وہ حصہ جو ہے معہ ساز و سامان کے میں نے اس کو دیدیا۔ غرضیکہ بڑھیا مالا مال ہو گئی۔

واقعہ خلیفہ کی بہن الکنزہ تھی وہ اصفا چچا زاد بھائی کو منسوب تھی۔ اصفا کا جھگڑا الحکم سے ہو گیا۔ بہن نے آکر بھائی سے کہا

مجھ کو طلاق دلوا کر گھر بٹھاؤ گے! خلیفہ نے بہن کی بات کا اثر لے کر اصفا سے تعلقات قائم کر لئے۔

وزراء الحکم کے گرد و پیش جو مشیر اور ارکانِ سلطنت تھے وہ اپنے اپنے فن میں وحیدِ عصر تھے۔

علامہ اسحاق ابن المنذر، علامہ عباس ابن عبداللہ، عبدالکریم ابن مغیث، سعید ابن حسین۔

قاضی شہر قرطبہ کی قضات عمر ابن بشیر، بشیر ابن قطن، عبداللہ ابن موسیٰ اور حمید ابن محمد ابن یحییٰ۔ یہ حضرات علم فقہ کے اعیان سے تھے یکے بعد دیگرے عہدۂ قضاۃ پر مامور ہوئے۔

خطیب حجاج ابن العقیلی، قطیس ابن سلیمان اور عطاف ابن یزید تھے۔

قاضی القضات ابن عمران کے انتقال کے بعد محمد ابن بشیر کو قاضی الجماعت کا عہدہ تجویز ہوا۔ محمد ابنِ بشیر کا باپ سعید ابن بشیر وہ مشہور واجب التعظیم عالم علم فقہ اور حدیث تھا جس کو سلطان عبدالرحمٰن اوّل نے اس عہدے کے لئے منتخب کیا تھا۔ اس کا انصاف صرف اندلس ہی میں نہیں بلکہ کل ممالکِ اسلام میں ضرب المثل ہو گیا تھا[1]

المقری نے نفح الطیب میں ابن بشیر کے ایک انصاف کا واقعہ لکھا ہے۔

"الحکم کے چچا سعید الخیر ابن عبدالرحمٰن الداخل نے ایک دعویٰ کیا اس کے مختار نے ایک دستاویز جائداد متنازعہ کی نسبت قاضی محمد بن بشیر کے سامنے پیش کی۔۔۔

اس دستاویز پر مختلف لوگوں کی شہادت موجود تھی لیکن ان میں سے صرف

---

[1] خلافتِ اندلس ص ۸۵۔

سلطان الحکم زندہ تھے باقی گواہ مر چکے تھے۔ فریقِ ثانی نے یہ عذر پیش کیا کہ جب تک دستخطوں کی تصدیق نہ ہو دستاویز منظور نہیں کی جا سکتی۔

قاضی نے الحکم کو حکم بھیجا وہ عدالت میں آیا اور اپنے دستخطوں کی شناخت کی سلطان الحکم میں جہاں نرمی تھی وہاں بعض وقت مجبوری درجہ سختی بھی برتتا تھا۔ مغربی غیر منصف مؤرخین اس سختی کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ طلیطلہ کے باشندے بلاوجہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔

طلیطلہ شاہان قوط کا ایک زمانہ تک دارالسلطنت رہ چکا تھا۔ یہاں پر پادریوں کی ایک جماعت رہتی تھی جو عیسائیوں کو ورغلا کر حکومت سے بھڑوانے کی ترغیب دیا کرتی۔

طلیطلہ کے اردگرد علاقوں میں عرب امراء بربر آباد تھے۔ خاص شہر میں عیسائی اور مولدین زیادہ آباد تھے۔

اہلِ طلیطلہ کی شورش کی خبر الحکم کے کانوں تک پہنچی۔ اُس نے عمروس بن یوسف جزدثقہ کا باشندہ تھا اور عیسویت سے تائب ہو کر داخلِ اسلام ہوا تھا اُس کو یہاں کا حاکم مقرر کیا اور اس کو کچھ ہدایتیں دیں۔ اس کے مطابق اُس نے غدارانِ حکومت کو لالچ دے کر اپنا کر لیا اور اُن سے کہا کہ جو یہاں حکومت کے فوجی دستے رہتے ہیں اُن کی وجہ سے ہی آئے دن بدمزگی رونما ہوتی ہے۔ لہٰذا شہر سے باہر اُن کے لئے مکانات بنوا دیئے جائیں۔ اس رائے کی سب نے تائید کی۔ جب عمارت تیار ہو گئی اس میں فوجی آباد کر دیئے گئے۔ الحکم کو اطلاع دی گئی اس نے سرحد کے لئے فوج یکجا کر کے اپنے ولی عہد عبدالرحمٰن ثانی کی سرکردگی میں روانہ کی۔ یہ فوج طلیطلہ پہنچی تھی کہ سرحد کی شورش کرنے والے راہِ فرار اختیار کر گئے۔

شہزادہ طلیطلہ میں مقیم ہو گیا۔ عمائد اور رؤساء سامنے آئے۔ ظاہر تو اطاعت تھی مگر باطن میں کھوٹ تھی۔ شہزادے نے رنگ دیکھ کر سب کی ایک دن ضیافت کر دی۔ جب سب محل میں آ گئے اور غدارِ حکومت میں سے کوئی باقی نہ رہا ان کو ایک

ایک کر کے عمارت میں داخل کر لیا گیا اور وہاں کے گورنر نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا۔ سب کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر ایک گڑھے میں ڈال کر پھونک دیا۔

اس واقعہ کا اثر اہلِ طلیطلہ پر یہ پڑا کہ خود سری بھول گئے۔ پادریوں نے یہ رنگ دیکھ کر راہِ فرار اختیار کی۔ اگر الحکم یہ صورت نہ کرتا اور جو آگ طلیطلہ میں سلگائی گئی تھی اگر وہ ختم نہ کی جاتی تو اس کے شعلے قصرِ عمارت کو بھی جلا دیتے۔ پھر آٹھ برس تک کوئی واقعہ نہیں ہوا۔

اب کے قرطبہ کے لوگوں نے شورش مچانا شروع کر دی۔ شہر کے جنوبی حصہ میں جس کو ربض شقندہ کہتے ہیں وہاں چار ہزار فقیہ اور طلباء نومسلم عیسائی آباد تھے۔ یہ لوگ سب سے زیادہ شورہ پشت تھے۔ کوئی سرکاری آدمی اُن کے علاقہ سے گزرتا تو اس کو ذلیل کرتے حتیٰ کہ الحکم پر بھی آوازے کسے گئے۔

اَلحکم پہلے تو طرح دے گیا مگر امام یحییٰ بن یحییٰ فقیہ صاحب فضل و کمال ہوتے ہوئے وہ بھی بغاوت میں حصہ لے رہے تھے۔ یہ حضرت طلیطلہ سے قرطبہ تشریف لے آئے تھے۔ ڈوزی لکھتا ہے:-

"وہ وعظ اور خطبوں اور زیادہ تر اپنی شہرت و ناموری کے اثر سے سرکشی کی تحریک کو قوت دینے لگے بلکہ خود راہنما بن گئے"[۵]

حضرت یحییٰ کے ساتھ فقہاء کی بڑی جماعت تھی سب نے مل کر شہر میں آتشِ مخالفت بھڑکا دی۔ ایک دن محل کو ہزارہا آدمیوں نے گھیر لیا۔ الحکم دیکھ رہا تھا اس نے زنطو غلام سے کہا حرم سرا میں سے بیگم سے عطر لاؤ وہ عطر لایا تو تمام چہرے پر ملا اور اپنے عمزاد بھائی عبداللہ سے کہا کہ تم چند چیدہ شہسواروں کو ہمراہ لے کر بلوائیوں کے ہجوم سے نکل جاؤ اور ربض شقندہ کے گھروں میں آگ لگا دو۔ چنانچہ عبداللہ نے وہاں آگ لگا دی۔ بلوائیوں نے جو سُنا گھبرا کر بھاگے۔ الحکم نے فوج جو محل میں تھی

---

[۵] عبرت نامہ اندلس صد ۳۷۹

اس کو حکم دیا کہ ان کی مدارات اچھی طرح کر دو۔ سامنے کے رُخ سے عبداللہ حملہ کرتا ہُوا بڑھا۔ عقب سے الحکم کی فوج نے خبر لی۔ ہزار ہا بلوائیوں کا کھیت رہا۔ فقہائے کرام روپوش ہو گئے۔ کچھ گرفتار کئے گئے۔ پھر تو جو بقیہ باغی تھے وہ بال بچے لے کر افریقہ چلتے ہُوئے اور جہاں موقعہ ملا آباد ہو گئے۔ جب یہ فتنہ ختم ہو گیا تو فقہائے کرام کو بھی چھوڑ دیا اور اُن کی بے حد خاطر و مدارت کی [1] فقیہہ طالوت کو بھی الحکم نے بلا کر اُن کو بھی معاف کر دیا۔

۲۰۲ھ میں سلطان الحکم نے اپنے امراء اور اراکینِ سلطنت کو جمع کر کے کہا کہ :-

"اب میری زندگی کے بہت تھوڑے روز باقی رہ گئے ہیں۔ میری خوشی ہے کہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن ثانی کو اپنا ولی عہد مقرر کروں۔ تم سب اُس کی اطاعت کو بحلف قبول کرو۔"

سب سے پہلے شہزادوں نے اور ان کے بعد حاجب اور قاضی القضاۃ اور دیگر ارکانِ سلطنت نے عبدالرحمٰن ثانی کے ہاتھ پر بوسہ دے کر اطاعت و فرماں برداری قبول کی۔ چونکہ ملک میں امن و امان تھا اس واقعہ سے عام طور پر خوشی اہلِ شہر نے منائی۔ سلطان نے بقیہ عمر آرام سے گزاری۔

وفات سلطان الحکم نے ۲۵ ذی الحجہ ۲۰۶ھ روز پنجشنبہ کو انتقال کیا۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۳۷۹ -

سلطان عبدالرحمٰن ثانی

سلطان الحکم کی وصیت پر عبدالرحمٰن ثانی سریر آرائے خلافت ہوا حکومت کو ہاتھ میں لیتے ہی سرحدی جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے جلیقیہ پر فوج کشی کی اور اس ملک کا بڑا حصہ اندلس میں شریک کر لیا۔

۲۰۸ھ میں امیر عبدالکریم ابن عبدالواحد کو معہ فوج "قسطلہ" اور "البہ" کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ امیر نے البہ کے قلعوں پر قبضہ کیا اور والی سے خراج دینے کا وعدہ لیا اور جو مسلمان قید تھے اُن کو آزاد کرا کر واپس آ گیا۔ اہلِ قسطلہ کی شورش کے دفع کرنے کے لئے عبداللہ البلنسی کو ۲۲۳ھ میں بھیجا اور جلیقیہ والوں کی سرکوبی کے لئے ابن موسیٰ روانہ کیا گیا۔ ان دونوں جرنیلوں نے سرحد اندلس سے باغی گروہ کو نکال باہر کیا۔

۲۲۶ھ میں عبدالرحمٰن ثانی نے موسیٰ کو فرانسیسیوں کی سرکوبی کو بھیجا۔ موسیٰ اس جگہ تک پہنچ گیا جہاں سے موسیٰ بن نصیر نے فرانسیسیوں کو شکست دی تھی۔ چنانچہ اس موسیٰ نے بھی معرکہ کو جیتا۔ وہاں سے واپس آ کر سلطان کے مصاحب خوز بن موفق سے رد و کد ہو گئی۔ سلطان نے خوز بن موفق کی طرف داری کی۔ موسیٰ بن موسیٰ ناراض ہو کر غرسیہ بادشاہ نبلونہ سے ساز باز کر گیا۔ غرسیہ نے حملہ کر دیا۔ اس کے مقابلہ پر الحریث گیا جو دھوکے سے گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے اپنے بیٹے محمد بن عبدالرحمٰن ثانی کو فوجِ کثیر دے کر روانہ کیا۔ اس نے شہر تطلیتہ (دیوڈلہ) کو گھیر لیا۔ موسیٰ عیسائی فوج کے ساتھ تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر موسیٰ نے عفو قصور کی استدعا کی شہزادہ محمد نے درخواست منظور کر لی اور پھر غرسیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ شہزادہ نے ایسا حملہ کیا کہ عیسائی بہت سے مارے گئے۔ بادشاہ بھی کام آیا۔

اس فتح عظیم نے جو ۲۲۹ھ میں حاصل ہوئی تھی عربوں کو بے حد فائدہ پہنچا۔

سلطان نے غرسیہ کے بعد جلیقیہ کے بادشاہ کی گوشمالی کا ارادہ کیا مگر وہ پیٹ کر بھاگ گیا۔ سرکاری فوج قرطبہ لوٹ آئی۔ مگران حملوں نے عرب کی طرف سے تمام سرحدی علاقہ کو خوف زدہ کر دیا۔ جتنے حکمرانِ یورپ کے تھے وہ متوحش تھے۔ آخرش طوفیلس بادشاہ قسطنطنیہ نے دُور بینی سے کام لیا اور عبدالرحمٰن سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہے۔ خلیفہ المامون اور المعتصم کی طرف سے یونان پر فوج کشی ہوئی۔ طوفیلس نے اس معاملہ میں مدد چاہی۔ چنانچہ فوج اور روپیہ کی مدد سلطان نے دی۔ گمان یہ تھا کہ اس طرح شام پر کسی وقت قبضہ ہو سکے گا۔

سلطان نے اپنے وزیر یحییٰ الغزال کو معہ تحائف کے طوفلیس کے پاس بربنائے دوستی روانہ کیا۔ طوفیلس نے نہایت اعزاز و اکرام سے یحییٰ کا خیر مقدم کیا۔ دعوت و مہمان نوازی میں بادشاہِ یونان نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ یحییٰ کامیاب ہو کر اندلس آیا سلطان مسرور ہُوا۔

اس زمانہ میں مجوس (نارمنز) نے اندلس پر حملہ کیا۔ مگر ان کو جواب معقول دیا گیا وہ ایسے فرار ہُوئے پھر پتہ نہ لگا کہاں گئے۔ اس واقعہ کے بعد سمندر کے کنارے کے حملوں کے خیال سے قلعہ مستحکم کئے گئے اندرونی و بیرونی شورش ختم ہو چکی تھی۔

اصلاحات

خلیفہ عبدالرحمٰن نے ملک کی اصلاح کی طرف قدم بڑھایا۔ تھوڑے عرصہ میں ملک آراستہ ہو گیا اور اس کی مالی حالت درست ہو گئی۔ بہ نسبت سلاطین سلف کے اس کے عہدِ حکومت میں اب ملک کے بیرونی حملوں اور خانہ جنگی کا امکان نہ رہا۔ امن و امان سے باشندے زندگی گزار رہے تھے جس سے اندلس کی آمدنی پہلے سے دوچند ہو گئی۔

جس وقت سلطان عبدالرحمٰن تخت نشین ہُوا تھا چھ لاکھ دینار سرخ کی آمدنی تھی اس کے حُسنِ انتظام سے دس لاکھ دینار تک پہنچ گئی۔ یہود و نصاریٰ سے ان کی حیثیت کے موافق جزیہ وصول ہوتا تھا۔

مسلمانوں پر البتہ جدید ٹیکس لگائے گئے۔ یہ رقم المستخلاص اور جبایہ کہلاتی

تھی۔ یہ محاصل سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار سالانہ ہوتے تھے۔ بقیہ رقم جزیہ وغیرہ کل ملا کر دس لاکھ ہو جاتے تھے۔

تعمیر محلّات محلات اور باغات پر روپیہ کافی صرف کیا گیا۔

واٹر ورکس اس عہد میں ایک ایسی یادگار قائم ہوئی جس سے عبدالرحمٰن کی روشن خیالی کا پتہ چلتا ہے۔ سلطان نے آب رسانی کا محکمہ قرطبہ میں جاری کیا اور پانی کے متعدد خزانے بنا کر نلوں کے ذریعہ شہر میں پانی پہنچایا۔

پُل و مساجد ملک بھر میں جہاں جہاں ضرورت تھی پُل بنوائے۔ سڑکیں نکلوائیں۔ مساجد تعمیر کرائیں اور قرطبہ کی مسجد کو اور وسیع کیا۔

جہاز ایک جنگی جہاز کا بیڑہ سلطان نے تیار کیا جو ساحلی علاقہ پر گشت کرتا تھا عبدالرحمٰن ثانی خود عالم تھا۔ علماء کی بڑی قدر کرتا تھا۔

امام یحییٰ ابن یحییٰ اللیثی شاگرد امام مالک ابن انس کو اپنا مشیر کار بنایا اور ان کے صاحبزادے عیسیٰ بن یحییٰ کو قرطبہ کا قاضی القضاۃ کیا۔ اس عہد میں ابو مروان عبدالملک ابن حبیب تھا جو سلطان کے مشورے میں شریک رہتا تھا۔ یہ عقیل دانا شخص تھا۔

واقعہ ایک دن سلطان نے علماء کے سامنے امام یحییٰ سے مخاطب ہو کر کہا مجھ سے یہ سخت سزا سرزد ہوئی ہے کہ میں رمضان میں دن کو محل میں چلا گیا اس کا کفارہ کس طرح ممکن ہے؟ یحییٰ نے تمام علماء کے سامنے کہا دو ماہ روزے متواتر رکھو تو البتہ تمہاری بخشش کی صورت ہو سکتی ہے۔ حاضرین یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ جب علماء دربار سے اٹھ آئے تو یحییٰ سے پوچھا۔ کیا امام مالک نے اس کفارہ کا بدل بھی کوئی بتایا یا نہیں۔ جواب دیا کہ معاوضہ ضرور ہے لیکن اگر میں سلطان کو اس سخت سزا کا معاوضہ بتا دیتا تو اس کو مکرر اسی گناہ کے کرنے کی جرأت ہوتی۔ اس پابندِ شرع بادشاہ کی ہمت کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے امام یحییٰ کے حکم

کی پوری تعمیل کی ۔

عبدالرحمٰن کی قدردانی کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا تھا ۔ اصحابِ ہُنر و اہلِ سیف و اہلِ قلم سلطنت عباسیہ کو چھوڑ کر اندلس چلے آئے ۔ ان میں علی بن نفی معروف بہ زریاب تھا جو فنِ موسیقی میں دُور دُور تک مشہور تھا ۔ علاوہ اس کے علمِ نجوم اور ہئیت اور جغرافیہ و انشاء پردازی میں کامل دست گاہ رکھتا تھا ۔ ایک ہزار غزلیں حفظ تھیں ۔ نہایت مہذب و با اخلاق خلیفہ ہارون الرشید کی صحبت میں رہ چکا تھا سلطان نے اس کو اپنا ندیم بنایا اور بڑی قدردانی کی ۔

غرضیکہ عبدالرحمٰن ثانی کے تاج میں علم و فضل و کمال کے ایسے بے بہا جواہر جڑے ہوئے تھے جنکی آب و تاب پر شرق و غرب عش عش کرتا تھا ان ہی علماء کی فیضانِ صحبت کی بدولت اس کی شوکت اور دبدبہ نے دُنیا کو اپنا مرعوب کر لیا تھا اور ہر بادشاہ اس سلطنت سے اتحاد اور دوستی بڑھانا باعث عزت و فخر تصور کرتا تھا ۔

تاریخ ہسپانیہ میں میریا کالیکٹ لکھتا ہے ۔

"عبدالرحمٰن دوم دانا اور مدبر اور نامی سپہ سالار تھا ۔ اگرچہ شروع سلطنت میں ہنگامے اور فتور برپا رہے ۔ لیکن اس کی رعایا دولت مند اور خوشحال تھی اور علوم کا شائق تھا اور فلسفہ اور فنِ شاعری کا زیادہ شوق رکھتا تھا اور جس وقت اُس کو معاملاتِ سلطنت سے فرصت ہوتی تھی تو علماء فضلاء اور شعراء کی صحبت میں اپنا وقت صرف کرتا تھا ۔ فنِ موسیقی کا بھی شوق رکھتا تھا ۔"

اخلاق عبدالرحمٰن کا حلم اور فیاضی اس سے ثابت ہوتی ہے کہ جب اُس کی ایک کنیز حسینہ و جمیلہ نے اُس سے آزُردہ ہو کر اپنا دروازہ بند کر لیا اور سلطان کو آنے سے روکا تو سلطان نے چاندی کی اینٹوں سے دروازہ بند

۱؎ خلافت اندلس صفحہ ۹۵ ۔

کرایا اور کہا جب ان اینٹوں کو خود گرا کر لے لے گی تب اُس کی سلطان صورت دیکھے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔

رواداری سلطان نے یہود و نصاریٰ کے محصولات کو معاف کر دیا اور خراج بھی ملک مُلک کا آخر میں کم کر دیا۔ ہر قوم کے محتاجوں کو شاہی عمارت کے کام میں لگایا۔ نہر، حوض، تالاب بنوائے تاکہ آئندہ خُشک سالی ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔"

دریا کے کنارے پر باغ عام باشندگانِ شہر کی تفریح کے لئے بنوائے۔ صرف قرطبہ ہی کو زیب و زینت نہیں دی بلکہ تمام سلطنت میں محتاجوں کو کام میں لگایا۔ مساجد، عام جلسوں کے مکانات، مدارس، شفاخانے اور حمام تعمیر کرائے۔

ولی عہدی ۸۵۰ء، ۲۲۶ھ کے موسمِ بہار میں اُس نے تمام حکامِ سلطنت کو جمع کیا اور محمد اپنے بیٹے اور صحیح وارث سلطنت کے ساتھ وفادار اور خیر خواہ رہنے کی قسم لی اور اس موقع پر خلیفہ نے تمام حکام کی نہایت تزک و احتشام سے دعوتیں کی تھیں اور زرہ اور جوشن اور قیمتی گھوڑے سرداروں کو بطور تحفہ دیئے تھے اور تمام دستہ محافظان کو نہایت رونق دار لباس پہنائے تھے اور محتاجوں نے بہت کچھ خیرات پائی تھی اور نہ صرف شہروں میں بلکہ دُور دراز شہروں اور دیہاتوں میں خیرات تقسیم کرائی گئی اور کوئی آدمی ایسا نہ ہو گا جس نے کہ انعام اور اکرام اور خیرات نہ پائی ہو اور خلیفہ کے ساتھ خوشی حاصل نہ کی ہو[1]

دوزی لکھتا ہے:-

> "سلاطینِ اسپین کے دربار کو جیسی رونق عبدالرحمٰن بن حکم کے زمانے میں ہُوئی ایسی کبھی پہلے نہ ہُوئی تھی۔ شان و شوکت میں خلفائے بغداد کی ہمسری کے خیال سے اُس نے بڑا خدم و حشم اپنے گرد جمع کر لیا تھا اور

---

[1] تاریخ ہسپانیہ صفحہ ۲۸۷

قرطبہ کو بڑی زیب و زینت بخشی تھی"۔

فتنہ سلطان کے آخری زمانے میں یولوجیوس نے ایک فتنہ کھڑا کیا۔ عیسائیوں کو قاضی اور بادشاہ کے سامنے بھیجا جاتا اور وہ آکر اسلام اور داعیٔ اسلام کے خلاف جو منہ میں آتا کہتے۔ مگر سلطان نے ٹھنڈے دل سے اس حماقت کا مقابلہ کیا۔

وفات سلطان عبدالرحمٰن ثانی نے اکتیس سال تک حکومت کر کے ۲۳۸ھ ۸۵۲ء میں انتقال کیا۔

یہ نہایت نیک نیت، ہر دلعزیز اور بیدار مغز بادشاہ تھا اس کی عظیم الشان فتوحات سے رعایا اس کو المظفر کے لقب سے یاد کرتی تھی۔ قیافہ شناس بے مثل تھا اور کہا کرتا کہ :-

"حکومت اور اعزاز کی خواہش ایسے لوگوں کو رہتی ہے کہ جن کو ان کی قدر نہیں۔ پس بادشاہ کو چاہیئے کہ اجزائے حکومت کے انتخاب میں انتہا احتیاط اور دور اندیشی سے کام لے اور کم ظرف سے اجتناب کرے"۔

سُلطان محمد اوّل

سلطان عبدالرحمٰن ثانی کے بعد ۲۳۸ھ میں اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔

بقول "لین پول": ۱؎

"یہ شخص مزاج کا سخت اور سنگدل اور خود بین تھا"

یہ فقرہ لین پول نے اس وجہ سے لکھا کہ سلطان محمد نے پادریوں کی مجنونانہ حرکت اور اسلام و داعی اسلام پر جو رکیک حملے وہ کرتے تھے اس نے باپ کی طرح چشم پوشی نہیں کی بلکہ اس نے اس فتنہ کو بقوت دبا یا۔ کیونکہ پُرجوش خبطی عیسائیوں نے اسلام اور داعیٔ اسلام پر جو توہین کی بوچھاریں کی تھیں ان کا پُورا انتقام لیا۔ اُس نے گرجے جو فتنوں اور راہبوں کی خوش فعلیوں کے مرکز بن گئے تھے، گرادیئے۔ عیسائیوں کو اچھی طرح سے کُچلا۔ یوبی جیلس جس نے ایک مسلمان لڑکی فلورا کا اغوا کیا تھا اا رمارچ ۸۵۹ء میں قتل کرادیا گیا۔

اس واقعہ کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عیسائی اپنی حماقت پر شرمندہ ہُوئے۔ شہادت کے ڈھونگ سے ان کو ایسی نفرت ہُوئی کہ مذہب عیسویت کو چھوڑ بیٹھے۔ مگر اندلس میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ ملک کا انتظام سلطان سے نہ سنبھل سکا۔ آخر صفر ۲۷۳ھ ۸۸۶ء میں فوت ہوگیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان المنذر ۸۸۶ء میں تخت نشین ہُوا۔ اس کے عہد میں پہلے سے زیادہ اندلس کی حالت خراب ہوگئی۔ امرائے عرب اور بربری رؤساء خودسر ہوگئے۔ سرحدی عیسائیوں نے آپس کی خانہ جنگی دیکھ کر سر اُٹھایا۔ ان کو سلطان المنذر کی نااہلیت سے سرحدی قلعے مل گئے۔ آخر ش ۸۸۸ء، ۲۷۵ھ میں المنذر قتل کردیا گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی سلطان عبداللہ تخت نشین ہُوا۔

عبداللہ بن محمد کا زمانہ بھی اندلس کے لئے خیر و خوبی کا نہ تھا۔ وہ بذاتِ خود ایسا دنی الطبع بے رحم تھا کہ اُس کی مملکت کے کل فرقے اُس سے نفرت کرنے لگے۔ اور اُس کی حکومت کو بالائے طاق رکھ دینے پر یک دل و یک زبان ہو گئے۔ اس کو سلطنت کرتے ہوئے تین سال بھی نہ ہوئے تھے کہ اندلس کا بہت بڑا حصہ خود بخود خود مختار ہو گیا۔ اس کا بیٹا محمد اور اس کا بھائی قاسم بن عبداللہ باپ سے باغی ہو گئے۔ مگر مقابلہ پر گرفتار ہوئے اور قید کئے گئے۔ عرب امراء نے یہ رنگ دیکھ کر اپنی خود مختار ریاستیں قائم کر لیں۔

اشبیلیہ قرطبہ کا ہولناک رقیب ہو گیا۔ لورقا مرسیطہ حکومت قرطبہ سے الگ ہو گئے۔ بربری امراء نے بھی اطاعت کا جوا اُتار پھینکا۔ ہسپانیہ (اندلس) کے مغربی اضلاع مثل اسٹریمیڈورا اور پرتگال کے دکھن رخ کے ضلعے اب بربریوں کے خود مختارانہ قبضے میں تھے اور وہ خود بربری اندلس میں مختلف اہم عہدوں پر مامور تھے۔

اس سے بڑھ کر ذوالنون بن موسیٰ نے ایک بر گر لٹیروں کا بنا رکھا تھا جو چاروں طرف لوٹ مار اور غارت گری کر رہا تھا۔ ان سب سے بڑھ کر سرحدی ڈاکو ابن غصون نصرانی تھا جس نے غرناطہ کے کوہی علاقہ پر اپنی ریاست قائم کر لی تھی۔ سلطان عبداللہ نے بار بار اس پر حملے کئے اور ہر مرتبہ شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخرش ابن غصون سے سلطان نے صلح کر لی۔

مرشیا پر ایک نومسلم خود مختار فرماں روا تھا اس نے اپنی رعایا پر عاقلانہ حکومت کی۔ رعایا اس سے خوش تھی وہ شاعرانہ دل و دماغ رکھتا تھا۔ اس نے فوج بھی بھرتی کی جس میں صرف پانچ ہزار سوار تھے۔

طلیطلہ بھی باغی ہو گیا تھا۔

اشبیلیہ کا عربی بادشاہ ابن الحجاج نے سلطان سے تعلقات اچھے قائم رکھے اور اُس نے اپنے غیر محدود اقتدار کو نہایت شریفانہ طور پر نبھایا اور کام میں لایا

اس نے حکومت قابل مدح کی۔ امن وامان کا بے خلش دور دورہ تھا۔ اس نے سلطان عبداللہ کے مقابلہ میں بہتر اپنی حکومت کا انتظام کر رکھا تھا۔ جب سواری ابن الحجاج کی نکلتی پانچ سو سوار اس کے جلو میں ہوتے اور اس کی قبائے شاہی زربفت کی ہوتی تھی جس پر اس کا نام وخطاب سونے کے کلابتون سے منقش رہتا تھا۔ سمندر پار کے سلاطین اس کے پاس تحائف بھیجتے تھے۔

مصر سے ریشمی کپڑے آئے۔ مدینہ سے علماء اور بغداد سے مغنی اس کے دربار میں آ جمع ہوئے۔ اس کے عہد میں ایک فاضلہ خاتون قمر نامی تھی حسن صورت وسیرت میں بے عدیل تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ شاعرہ تھی۔ بلاغتِ کلام اور دل سوز نظم میں شہرۂ آفاق تھی۔ ابن الحجاج کی تعریف میں کہتی ہے ؎

ما فی المغارب من کریم یرتجیٰ الا حلیف الجود ابراھیم

انی حللت لدیہ منزل نعمۃ کل المنازل ما عداہ ذمیم

ترجمہ :-

نیست در مغرب کریمے کز وے دارد چشمہا جز براہیم کو ہم عہد باشد باسخا

نزد او در منزل رحمت فروکش گشتہ ام غیر آں ہر منزلے زشت است و ویراں زعیمہا

غرضیکہ ابن الحجاج نے سلطان عبداللہ کے مقابلہ میں وہ کارہائے نمایاں کئے کہ قرطبہ سے شعراء اور علماء اس کے دربار کی جا کر زینت بنے۔

بایں ہمہ تہذیب وشائستگی کی یہ شعاعیں جو جھلک رہی تھیں اندلس کے صدر حکومت کے ضعف سے زیادہ دقیع معلوم نہ ہوتی تھیں۔ قرطبہ سرحدی خلفشار سے پریشان حالی کو پہنچ گیا تھا۔ سلطان کی کاہلی اور کمزوری حد کو پہنچ گئی۔ خزانہ خالی تھا۔ فوج کو تنخواہیں دیر میں ملتی تھیں کیونکہ اضلاع کے محاصل بند ہو چکے تھے۔ تجارت کو بھی فروغ نہ تھا۔

بالآخر سلطان ۱۵ اکتوبر ۹۱۲ء ۳۰۰ھ کو اڑسٹھ برس کی عمر میں چوبیس سال کی ناخوش وبے مزہ سلطنت کو خیر باد کہہ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔



سلطان عبدالرحمٰن (ثالث)

عبدالرحمٰن ثالث بن محمد اموی

تخت نشینی جس دن سلطان عبداللہ کو دفن کیا اسی روز عبدالرحمٰن سوم تخت نشین ہُوا۔ ان کی والدہ مریم نامی ایک امیر نصرانی خاندان کی صاحبزادی تھیں[1]۔ جس دن عبدالرحمٰن نے حکمرانی شروع کی اُس وقت اس کی عمر بائیس سال کی تھی۔

سلطان کی خصلت اور طبیعت نیک تھی اس کے ساتھ بڑا عالم اور فاضل تھا۔ اس کی دانائی بلحاظ عمر کے بہت زیادہ تھی۔ چہرہ سلطان کا باتمکنت اور شاندار تھا۔ موزوں قد اور گورا رنگ، خوب صورت نیلگوں آنکھ اور گفتار شیریں و نرم تھی حلیم الطبع اور رحم دل تھا۔

ان صفات کی وجہ سے اپنی رعایا کو اس قدر عزیز تھا کہ جس دن وہ تخت نشین ہُوا تمام سلطنت میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور ہر ایک نے خوشی منائی۔

عبدالرحمٰن نے اولاً فوج کی تربیت شروع کی اور تمام ممالک محروسہ میں حکم بھیجا کہ جو شاہی حکم سے انحراف کرے گا وہ قتل کیا جائے گا۔ امراء اور عہدے دار جو باغی ہو گئے تھے وہ فوراً طلب کئے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ہر امیر اور صوبہ دار جو خودسر تھے رام ہو گئے تھے۔

سلطان نے فوج کی آراستگی کے ساتھ باڈی گارڈ مقرر کیا جس میں عیسائی اور مسلمان بھرتی کئے گئے۔

---

[1] تاریخ اسپین صفحہ ۳۴۹۔

فوج کشی سلطان نے فوج کی آراستگی کے بعد باغی علاقے کی طرف توجہ منعطف کی ۔

اسٹینلی لین پول "مورس ان سپین" میں لکھتا ہے :-

"عبدالرحمٰن نے باغی علاقوں پر فوج کشیاں شروع کیں تو باغیوں کو اطاعت قبول کرنے پر آدھے سے زیادہ رضامند پایا۔ اس کے سپاہی اپنے بہادر نوجوان بادشاہ کو اپنے سروں پر دیکھ کر پھولے نہیں سماتے تھے"

غرضیکہ دکھلاوے کی مزاحمت کے بعد عبدالرحمٰن کے لئے دروازے کھول دیئے گئے یکے بعد دیگرے اندلس کے بڑے شہروں نے سلطان کو اپنی دیواروں کے اندر بلا لیا۔ اشبیلہ کی طرف عبدالرحمٰن متوجہ ہُوا۔ وہاں کے لوگ خود ہی قدموں پر آگرے اس کے بعد بچھم کے بربری سردار سر کئے گئے اور الغرب کا ئیلیں خود خراج دینے کو دوڑ آیا۔ اس کے بعد سلطان عبدالرحمٰن ضلع ریگیور کے عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا اور اس کو حسن تدبیر سے قبضہ وتصرف میں لایا۔ اس کے بعد اس کے قدم آگے بڑھتے رہے۔ بوباسٹرو تک فوج اسلامی پہنچ گئی۔ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر اپنی فتوحات کا جائزہ لیا اور عظیم الشان فتح پر دو رکعت نماز خدائے قادر کے شکر کی ادا کی۔ اس کے بعد وہ مہربانی اور معافی کے کاموں کی طرف متوجہ ہُوا۔ جب تک اس قلعہ میں رہا خلوص سے خدا کے لئے روزے رکھتا رہا۔

حاکم شیہ نے بھی اس وقت آکر سلطان کی اطاعت قبول کی۔ اس کے بعد طلیطلہ پر بھی قبضہ جمایا۔ غرضیکہ سنہ ۹۲۰ء ۳۱۸ھ میں اپنی پوری وسعت کو عبدالرحمٰن کی حکومت پہنچ گئی۔[1]

سلطنت کے جتنے حصے باپ دادا نے کھوئے تھے اُن کو پھر سے حاصل کرنے میں اٹھارہ برس صرف کئے لیکن یہ کام پُورا ہوگیا اور شاہی اقتدار مضبوطی کے ساتھ عربوں،

---

[1] مورس ان سپین صفحہ ۸۵ -

بربریوں، اسپینوں، مسلمانوں، عیسائیوں پر یکساں قائم ہو گیا۔ اس کے بعد عبدالرحمن نے کسی فریق کو خاص فوقیت حاصل کرنے نہ دی۔

سلطان نے اندلس کی حالت کو سدھارنے کے بعد افریقہ کے علاقہ پر نظر ڈالی کیونکہ اس طرف بنی فاطمہ کا اقتدار دن بدن بڑھ رہا تھا اور خلفائے بنی فاطمہ کے ارادے تھے کہ اندلس پر بھی قبضہ جمائیں حتیٰ کہ سبتہ پر ان کا قبضہ تھا۔ سلطان نے فقہاء کی جماعت سے کام لیا۔ انھوں نے بربریوں میں اپنی تقریروں سے شیعہ سنی کا فتنہ کھڑا کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان نے فوج جو روانہ کی اس نے ساحل کے علاقہ کو تسخیر کر لیا اور سبتہ کا مستحکم بالشان قلعہ قبضہ میں لے لیا۔ اس کی آمدنی شاندار بیڑے بنوانے میں صرف کر دی گئی جس نے تھوڑے عرصہ میں بحر روم میں گشت کرنا شروع کر دیا اور ہر سرحد کے عیسائیوں نے شورش بپا کی۔ ان کی سرکوبی کے لئے افسر کو روانہ کیا۔ اس نے لیون کے بادشاہ پر حملہ کیا اور اس میں کام آیا۔ اس کا سر اتار کر قلعہ پر لٹکایا گیا۔

اس واقعہ سے سلطان کو سخت طیش آیا۔ اس نے ۹۲۰ء، ۳۰۸ھ میں فوج گراں ہمراہ لے کر سین اسٹون پر حملہ کیا اور اس کو تباہ کر دیا۔ اور آگے النوار کی طرف متوجہ ہوا۔ ویلڈ بجینکر کے درے پر مقابلہ عیسائیوں سے ہوا جن کو شکست اٹھانا پڑی۔ مسلمانوں میں بربریت عود کر آئی کہ قلعہ میوز کے باشندوں کو تہ تیغ کر دیا۔ غرضیکہ اس کامیاب جنگ سے مظفر و منصور سلطان واپس قرطبہ ہوا۔

۹۲۹ء، ۳۱۷ھ میں الناصر لدین اللہ خطاب سے سلطان سرفراز ہوا۔ ۹۲۷ھ میں سرقسطہ کو سر کیا تھا اور النوار پر دھاوا بولا تھا۔ اس ہیبت سے ملکہ نائبۃ السلطنۃ تھوڈا نے فوراً عبدالرحمن کے آگے سر اطاعت خم کیا۔ مگر امیر و ملکہ کی طاعت گزینی کا شریک نہ تھا اس نے بغاوت کر دی ۹۳۹ء، ۳۲۸ھ میں بمقام الخندق (الھندیگا) مسلمانوں سے مقابلہ کیا۔ یہاں پچاس ہزار مسلمان کام آئے اور سلطان کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اہل قرطبہ نے اس واقعہ کا بڑا سوگ منایا۔ مگر پھر جو عبدالرحمن نے انتقام لیا

توسرحدیوں کی خودسری کا خاتمہ کر دیا۔ جس کا یہ اثر قرب وجوار پر پڑا کہ بقول لین پول :۔

"اس کی خوشامد کرنے کو قسطنطنیہ کے شہنشاہ اور فرانس، جرمنی اور اطالیہ کے شاہوں کے سفیر حاضر ہوئے"[1]

نظام حکومت عبدالرحمٰن نے فتوحات حاصل کرنے کے لئے مختلف ذرائع آمدنی کے ایجاد کئے۔ چون لاکھ اسّی ہزار دینار اصل مالگذاری داخل خزانہ عامرہ ہونے لگے۔ علاوہ اس کے ۷ لاکھ ۶۵ ہزار دینار مختلف ذرائع سے وصول ہوتے تھے۔ یہ تمام آمدنی مُلک کی بہبود اور رعایا ہی پر خرچ کی جاتی تھی۔ علاوہ اس کے جو روپیہ کہ بطور خراج وجزیہ عیسائیوں اور یہودیوں سے وصول ہوتا تھا وہ خاص ذاتی خزانہ شاہی میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ اس آمدنی کی کوئی تعداد معین نہ تھی نہ کوئی باضابطہ حساب اُس کا رکھا جاتا تھا۔ اس میں سے ایک ثلث فوج اوزاعیان وملازمان سلطنت پر خرچ ہوتا تھا۔ ایک ثلث خاص سلطان کی جیب خاص کے لئے مقرر تھا۔ باقی کل رقم عمارات اور پلوں اور مُلک کی سڑکوں پر خرچ کی جاتی تھی۔

اس کے زمانہ حکومت میں شہر قرطبہ خوبصورتی اور خاص قسم کی آرائش میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ عبدالرحمٰن کو ہر طرح کی عمارت کا کمال شوق تھا جن کے آثار اس وقت تک اس زمانہ کی بے نظیر صنعت وحرفت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ قرطبہ کی مشہور مسجد اور قصر الزہرا وہ عمارتیں ہیں جو دنیا میں حُسن وخوب صورتی اور صنعت معماری میں بے مثل وبے عدیل ہیں۔

اس زمانہ جدید میں اگرچہ اہلِ یورپ ہر چیز میں معاذ اللہ خدائی کا دعوے کرتے ہیں تاہم ان عمارات کو عجوبہ روزگار سمجھتے ہیں۔ مسجد کی تعمیر فی الحقیقت عبدالرحمٰن اعظم کے زمانہ میں شروع ہوئی تھی اور ہشام نے اس کو اختتام تک پہنچایا تھا۔ لیکن

---

[1] مورس ان اسپین صفحہ ۹۸۔

ان کے بعد بھی ہر بادشاہ نے مسجد کے بڑھانے اور شاندار بنانے میں دولت کی پرواہ نہیں کی۔

اس مسجد کا طول شرق سے غرب تک قریب قریب پانچ سو فٹ کے تھا اور اس کی خوشنما محرابیں ایک ہزار چار سو سترہ سنگِ مرمر کے ستونوں پر قائم تھیں جن پر سنہرا کام کیا ہوا تھا۔ محراب اس مسجد کی سات سنگِ مرمر کے ستونوں پر قائم اور اس قدر بلند اور خوب صورت تھی کہ صرف اس کے دیکھنے کے لئے لوگ دور دور سے آتے تھے۔ محراب کے قریب ایک بلند ممبر خالص ہاتھی دانت اور چھتیس ہزار مختلف رنگ اور وضع کی لکڑی کے ٹکڑوں سے بنا اور ہر قسم کے جواہرات سے جڑا ہوا رکھا تھا۔ اس ممبر ہی کی قیمت ۳۵۰۷۰۵ دینار تھی اور سات برس میں تیار ہوا تھا۔

عبدالرحمٰن ثالث نے قدیم میناروں کو گرا کر ایک نیا مینار ایک سو آٹھ فٹ بلند تیار کرایا جس میں چڑھنے اترنے کے دو زینے تھے اور ہر زینے میں ایک سو سات سیڑھیاں تھیں۔ اس مسجد میں دس ہزار جھاڑ روشنی کے چھوٹے بڑے جلا کرتے تھے۔ جن میں سے تین سب میں بڑے جھاڑ خالص چاندی کے اور باقی پیتل کے تھے۔ بڑے سے بڑے جھاڑ میں ایک ہزار چار سو اسی پیالے روشن ہوتے تھے اور ان تین چاندی کے جھاڑوں میں چھتیس سیر تیل جلا کرتا تھا۔ تین سو ملازم اور خدام اس مسجد پر متعین تھے جو بخوردان میں عود و عنبر جلاتے تھے۔

مسجد کے متعلق جو جدید تعمیر اس عہد میں کی گئی اس میں دو لاکھ اکسٹھ ہزار پانچ سو تیس دینار سرخ خرچ ہوئے تھے۔



قصرِ زہرا

عبدالرحمٰن نے علاوہ مسجد مذکور کے قرطبہ سے چار میل کے فاصلہ پر جبل العروس کے پرفضا دامن میں ایک رفیع الشان قصر تیار کیا اور اس کو اپنی محبوبہ کنیز الزہرا کے نام سے موسوم کیا۔

یہ اس قدر وسیع عمارت تھی کہ اس کو قصر نہیں بلکہ مدینۃ الزہرا کہتے تھے اور فی الحقیقت یہ ایک چھوٹا شہر تھا جس میں علاوہ شاہی مکانات اور متعدد باغات کے ہزاروں ملازمین اور فوج شاہی کے لئے علیحدہ عمارتیں تیار کی گئی تھیں۔ اس محل کی وسعت کا صرف اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کے حدود کی دیواروں میں پندرہ ہزار بلند اور مشبّک دروازے نصب تھے۔

جس وقت یہ قصر ایک کروڑ پچاس لاکھ دینار سُرخ کی لاگت سے تیار ہُوا اور سُلطان مع الزہرا کے اس میں رونق افروز ہُوا اور دونوں نے اس مرغزار کو جھروکوں سے دیکھا۔ سامنے قصرِ شاہی سنگِ مرمر کی عمارات اور بُرجوں اور میناروں سے آراستہ مثلِ موتی کے دکھائی دیتا تھا اور اس کی پُشت پر ایک کوہ سیاہ سربفلک کشیدہ اپنا لُطف علیحدہ دے رہا تھا۔

الزہرا نے جس وقت اس بے نظیر سماں کو دیکھا قصر اور سیاہ پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یا امیر المومنین! یہ قصر مثل ایک معشوقِ نازنین کے ہے جو بصد ناز و انداز اس حبشی کے پہلو میں متمکن ہے۔" عبدالرحمٰن نے یہ جملہ سُن کر حکم دیا کہ یہ پہاڑ اُسی وقت بیخ و بن سے کھود ڈالا جائے۔

یہ سُن کر اُمرائے دربار نے خلیفہ سے کہا کہ انسان کی کیا مجال کہ کوہ کو جنبش دے سکے۔ اس کا اس مقام سے علیحدہ کرنا اسی خالقِ حقیقی کے دستِ قدرت میں ہے جس نے اس کو اور ہم کو پیدا کیا۔ اس تقریر سے عبدالرحمٰن بھی اپنے دل میں قائل ہُوا اور یہ حکم دیا کہ اس کوہ کو فوراً صاف کر کے تہہ سے چوٹی تک درختہائے میوہ دار

مثل بادام اور انجیر وغیرہ کے نصب کئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس حبشی نے سبز پوشاک زیب بدن کی درختہائے میوہ دار نے اپنی خوشبو سے دشت کو معطر کر دیا۔ طول اس قصر کا تقریباً چار میل اور عرض قریب تین میل کے تھا۔ ۳۲۵ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی تھی اور پچیس سال میں ختم ہوئی۔ دس ہزار معمار اور مزدور اور قریب چار ہزار اونٹ اور خچروں سے روزانہ اس کے بنانے میں کام لیا جاتا تھا۔ قصر چار ہزار تین سو سولہ بُرجوں اور ستونوں پر جو کئی اقسام کے پتھروں مثل سنگِ مرمر وغیرہ کے بنے ہوئے تھے، قائم تھا۔ ان ستونوں میں سے بعض ستون بادشاہانِ یورپ مثل فرانس اور قسطنطنیہ وغیرہ نے تحفتہً عبدالرحمٰن کو بھیجے تھے۔ باقی خاص اندلس سے فراہم ہوئے تھے۔ کچھ سنگِ مرمر معمار عبداللہ اور حسن ابن محمد اور علی ابن جعفر کی نگرانی اور ذریعہ سے افریقہ سے بھی منگایا گیا تھا۔ ان ستونوں کو اندلس پہنچانے کی اُجرت دس دینار سُرخ فی ستون مقرر کی گئی تھی۔

قصر میں دو فوارے نصب کئے گئے تھے ایک جو سب سے بڑا تھا بجرس کا تھا اور اس پر اس قدر ملمع کیا گیا کہ خالص سونے کا معلوم ہوتا تھا اور اس پر نہایت خوشنما انسانی صورتیں بنی ہوئی تھیں۔ احمد یونانی اور ربیع پادری اس فوارے کو قسطنطنیہ سے لائے تھے۔ چھوٹا فوارہ سنگ سبز کا شام سے منگوایا گیا تھا۔ یہ اس قدر خوبصورت تھا کہ خلیفہ نے اس کو قصر المونس میں نصب کرنے کا حکم دیا تھا۔ بارہ پرند اور چرند جانوروں کی صُورتیں مختلف جواہرات اور سونے سے بنی ہوئی اس میں لگائی گئی تھیں اور ہر جانور کے مُنہ اور چونچ میں سے پانی کا فوارہ جاری ہوتا تھا۔ اس فوارے میں کاریگر نے وہ دست کاری ظاہر کی تھی کہ جن اہلِ یورپ سیاحوں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے بیان کرتے ہیں کہ دیکھنا اور سُننا تو ایک طرف، خواب و خیال کو بھی مجال دخل نہ تھی۔

قصر کا ایک اور حصّہ قصر الخلفاء بھی قابلِ دید تھا۔ اس کی چھت طلائی بے غش اور سنگِ مرمر سے جو ایسا صاف و شفاف تھا کہ دوسری طرف کی چیز مثل آئینہ کے نظر آتی تھی بنی ہوئی

اور باہر کی جانب سونے اور چاندی کے سفالوں سے سجی ہوئی تھی۔ اس کے وسط میں ایک خوبصورت مرصع فوارہ نصب تھا جس کے سر پر وہ مشہور موتی جڑا تھا جس کو شہنشاہ یونان نے بطور تحفہ کے عبدالرحمٰن الناصر کو بھیجا تھا۔

سوائے اس فوارے کے قصر کے درمیان میں ایک فوارہ نما طشت پارہ سے لبریز رکھا تھا اور اس کے دونوں جانب آٹھ دروازے فیل دنداں، آبنوس کے منڈھے ہوئے تھے جو جواہرات سے مرصع تھے جس وقت ان دروازوں میں سے آفتاب کی شعاعیں آتیں اور پارے کے حوض میں جنبش پیدا ہوتی تھی تو سارا کمرہ بجلی جیسی چمک سے بھر جاتا تھا اور اہلِ دربار اپنی چکا چوند لگی ہوئی آنکھوں کو چھپا لیتے تھے۔

اس قصر میں تیرہ ہزار سات سو پچاس خدام تھے اور ملکہ زہرا کی خدمت میں چھ ہزار تین سو چودہ تھیں۔ غلام و خواجہ سرا تین ہزار تین سو پچاس تھے۔ الزہرا کے تالاب (کبیرۃ الزہرا) کی مچھلیوں کو روزانہ بارہ ہزار روٹیاں ڈالی جاتی تھیں۔ غرضیکہ یہ قصر کیا تھا ایک طلسمی کارخانہ تھا۔ قصر الزہرا کے علاوہ قصر المعشوق و قصر السرور قصر التاج قصر الدمشق، یہ ایسے محلات تھے جن کا ثانی روئے زمین پر نہ تھا۔

مقری لکھتا ہے :۔

"ومن قصورہ المبثورۃ وبساتینہ المعروفۃ الکامل والمجدد والحائر والروضۃ والزاھر والمعشوق والمبارک والرشق وقصر السرور والتاج والبدیع [۱]"

قصر دمشق بنی امیہ کے پرانے وطن کی یاد تازہ رکھتا تھا۔ اس قصر کی چھتیں سنگ مرمر کے ستون پر قائم تھیں اور اس کے فرش پر پچیکاری کا کام تھا اور یہ اس قدر حسین تھا کہ ایک شاعر اس کی تعریف میں کہتا ہے :

کل قصر بعد الدمشق یذم فیہ طاب الجنی ولذا المشم

---

[۱] مقری جلد اوّل صفحہ ۲۱۶

منظر رائق و ماء نمیر ——— وتربة عاطر وقصر الشید
بت فیه واللیل والفجر عندی ——— عنبر اشہب ومسك دقم

ترجمہ :-

ہر قصر بجز دمشق زشت است ——— از میوہ وبوئے خوش بہشت است
منظر عجیب و آب صافی ——— خاکش خوشبو و قصر عالی !
از صبح و شبش بہ نزد دانا ——— با عنبر و مشک ہست مانا

سفرائے مغرب سرزمین اندلس سے ملحق خود مختار بادشاہوں نے سلطان عبدالرحمٰن کی خوشنودئ مزاج اور رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے سفیر قرطبہ بھیجے۔ چنانچہ ۳۳۶ھ ۹۴۷ء میں قسطنطین شہنشاہ قسطنطنیہ نے بیش بہا تحائف دیکر اپنے سفیر بھیجے۔ خلیفہ نے سفیر کا نہایت اعزاز واحترام کیا۔ شہر کثرت آئینہ بندی اور آرائش سے مثل دلہن معلوم ہوتا تھا۔ نئے سازوسامان واسلحہ سے آراستہ قصر اور دربار کی آراستگی کی تعریف نہیں ہوسکتی تھی۔ تخت پر خلیفہ رونق افروز، گرد و پیش شہزادے اور والیانِ ملک اور ارکانِ سلطنت دست بستہ حاضر۔ جس وقت سفیر اور اس کے ساتھی سامنے پیش ہوئے تو رعب وداب شاہی اور دربان کی شان وشوکت دیکھ کر دنگ ہوگئے اور سر جھکائے تخت کے قریب آکر اپنے بادشاہ کا نامہ پیش کیا۔

عبدالرحمٰن نے علماءِ حاضر دربار کو حکم دیا کہ وہ اسلام کی شان وشوکت اور بزرگی اور خلفائے اندلس کی فتوحات بیان کریں۔ لیکن حاضرین دربار کے دلوں پر کچھ ایسا رعب چھایا ہوا تھا کہ ان مشہور علماء میں یکے بعد دیگرے ہر شخص نے تقریر شروع کی لیکن دو چار لفظوں سے زیادہ نہ کہہ سکے۔

خلیفہ نے ولی عہد الحکم کے اتالیق ابوعلی القالی کی طرف اشارہ کیا یہ حال ہی میں عراق سے اندلس آیا تھا اور علم وفضل میں بے نظیر سمجھا جاتا تھا مگر اس کو بھی یارائے گویائی نہ ہوا۔

یہ حالت دیکھ کر منذر ابن سعید اپنے مقام پر کھڑا ہوا گو مثل علمائے دیگر کے اس کا

علم وفضل اس قدر مشہور نہ تھا لیکن اس نے اس خوش اسلوبی اور نہایت شستہ تقریر میں خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور ایک ایسا پُرجوش برجستہ قصیدہ پڑھا کہ اہلِ دربار کی زبانوں پر تعریف جاری ہو گئی۔ خلیفہ اس قدر خوش ہُوا کہ اس کو اسی وقت قاضی القضاۃ کے عہدے پر سرفراز کیا۔

اس دربار کے بعد عبدالرحمٰن نے کئی روز تک سفیروں کی مہمانداری کی اور ہشام بن ہذیل کو اپنی جانب سے بصیغۂ سفارت یونانی سفیر کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا اور یہ حکم دیا کہ دونوں سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی غرض سے ایک عاہدہ لکھوائے۔ ہشام دو سال کے بعد کامیاب واپس آیا۔ اُس کے بعد دو تو بادشاہ سلاونزا اور شاہان المان اور فرانس نے یکے بعد دیگرے اپنے سفیر عبدالرحمٰن کے پاس بھیجے خلیفہ ان سب سے نہایت اخلاق ومروت کے ساتھ پیش آیا اور مناسب جوابات اور خلعت فاخرہ سے سرفراز فرما کر ان سب کو رخصت کیا۔

لین پول لکھتا ہے :۔

"عبدالرحمٰن کی سلطنت کا نصف حصّہ ابھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اُس نے سارے ممالک اسلامیہ میں اس سِرے سے اُس سِرے تک امن وامان ونیک عملی قائم کر دی۔ فرقوں کی حکومتیں دُور کیں اور اپنی رعایا کی ساری جماعتوں پر سلطان کا ہی اقتدار تھا اور ان کے قلوب پر سکّہ بیٹھ گیا تھا۔ دوسرے نصف میں اُس نے بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی سلطنت قائم کی اور اندلس کو صاحبِ عظمت اور مرفہ الحال بنا دیا۔ قرطبہ کبھی ایسا مالا مال اور خوشحال نہیں ہُوا تھا جیسا کہ عہدِ عبدالرحمٰن ثالث میں ہُوا۔"

غرضیکہ قرطبہ عہدِ سلطان عبدالرحمٰن میں معراجِ کمال پر پہنچ گیا تھا جہاں متعدد قصور، معافیہ مساجد، عدالت، شفاخانہ، دارالخیرات، پُل، فصیل، نہر، رصدگاہ، خانقاہ، رباط اور قلعے وغیرہ تعمیر تھے۔[1]

---

[1] مورس ان اسپین صفحہ ۹۹۔

علمی ترقی شہر قرطبہ میں مدارسِ ثانیہ کی تعداد آٹھ سو کی تھی۔ سب سی بڑی جامعہ (یونیورسٹی) جامع مسجد اعظم تھی۔ یہی وہ جامعہ ہے جہاں سے حکیم ابن رشد، ابن سعد ادریس، ابن بشکوال، ابن زہر، ابن طفیل، اسقوطیہ ابن حزم، ابن زیدون المنصور ابوالقاسم اوّلین موجد طیارہ اور ابن عمار جیسے باکمال و یگانہ روزگار افراد نکلے۔

اس جامعہ میں فلسفہ، منطق، ریاضی، طبیعات، طب، قانون، فلکیات الٰہیات حدیث و فقہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ صرف مسلم طلباء ہی نہیں بلکہ فرانس، اطالیہ، جرمنی اور انگلستان کے طالب علم علماء عرب سے علومِ تحصیل کرتے تھے۔ نصرانیت کے سب سے بڑے پیشوا اسلوستر پاپائے روم نے بھی اس جامعہ میں تعلیم پائی۔

قرطبہ میں جامعہ کے سوا خلفائے اندلس کا دربار خود ایک جداگانہ کالج تھا جہاں ہر وقت علماء مبصرین کے مناظرے و مباحثے ہوا کرتے تھے۔

دربارِ خلافت کے علاوہ ہر والی کا دیوان خانہ علماء و فقہاء اطباء و مہندسین شعراء و محققین کے گھر اور درس گاہ بنی ہوئی تھی۔

شہر کے ایک حلقہ میں ۱۷۰ تعلیم یافتہ، زاہدہ، عابدہ، خوشنویس خواتین ایسی رہتی تھیں جو خطِ کوفی میں کلام مجید لکھا کرتی تھیں۔

لین پول "مورس ان اسپین" میں لکھتا ہے:۔

"سائنس (علوم) کی ہر شاخ کی قرطبہ میں تعلیم ہوتی تھی اور علم طب میں جتنی ترقی جالینوس کے زمانہ سے اس وقت تک کل صدیوں میں ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ اور عمدہ اضافہ یہاں کے حکماء و اطباء کی تحقیقاتوں اور تجربوں سے ہوا۔ ابوالقاسم جس کو اہلِ مغرب البوکیس کہتے ہیں ایک نامور سرجن تھا۔ ابن زہیر (اون زور) بھی موجد علم جراحی تھا۔ ابن بیطار علم نباتات کا ماہر بھی یہیں کا تھا"[1]

---

[1] مورس ان اسپین صفحہ ۱۰۳

نفح الطیب میں ہے :-

" فنون میں اندلس بہت فائق تھا۔ قرطبہ میں ایک لاکھ تیس ہزار حریر باف تھے۔ علوم وفنون تہذیب میں مسلمانوں کا شہر قرطبہ فی الحقیقت ساری دُنیا کا سب سے زیادہ چمکیلا و پُر رونق تھا "

وادی الکبیر پر پُل تعمیر کیا گیا تھا۔ سترہ محرابیں اس پُل کی تھیں۔ سارا قرطبہ عالی شان، عمارتوں سے معمور تھا۔ پچاس ہزار سے زیادہ امراء وعہدے داروں کے ایک لاکھ سے زیادہ عوام کے مکان تھے۔ سات سو مسجدیں اور نو سو حمام تھے۔ ۸۰۴۵۵ دوکانات تھیں۔

شاہراہ | پتھر کی سڑکیں دونوں جانب راہرو کے لئے پٹریاں تھیں۔

روشنی | بقول علامہ ابوالولید اسمٰعیل متقندی رات کو دس میل تک قرطبہ کے چراغوں کی روشنی میں مسافر جا سکتا تھا۔

آبادی | قرطبہ کی آبادی گیارہ لاکھ اور اندلس کی چھ کروڑ تھی۔

صفائی | قرطبہ میں بدر ونالیاں بکثرت تھیں۔

آب رسانی | جبل قرطبہ سے تین میل کے فاصلے سے تمام شہر میں جست کے نلوں کے ذریعے سے پانی لایا گیا تھا۔ امراء کے محلات میں سنگِ مرمر کے سقائے تھے۔ ٹونٹیاں سنہری اور روپہلی لگی تھیں۔ فوارے جا بجا نصب تھے۔ فصیل قرطبہ عبدالرحمٰن الداخل نے تعمیر کرائی تھی۔ دور فصیل کا ۱۴ میل کا تھا۔

دروازے | نو دروازے فصیل میں تھے۔ باب القنطرہ باب جزیرۃ الخضرا باب سرقسط۔ باب ابن عبدالجبار باب رومیہ، باب طلیرہ، باب عامر القرشی باب بطلیوس باب العطارہ۔

حلقہ | شہر پانچ حلقوں میں منقسم تھا۔ ربض شقندہ، ربض الیہود، ربض مسجد ام مسلمہ۔

لہ قصبہ المریہ میں ریشمین کپڑوں و قالینوں کے بڑے بڑے کارخانے تھے۔ میجورقہ میں کاسہ گری کے کارخانے تھے۔ شیشے کے ظروف وہاں بنتے تھے۔ پیتل اور لوہے کے ظروف المریہ میں بنتے تھے۔

ربض محلہ ربض رصافہ، ربض البیع، ربض الرقافین۔ ربض مسجد اُلقاد۔ ربض الروضتہ۔ ربض مسجد مسرور مشہور محلے تھے۔

قرطبہ سے بارہ بارہ دری سید یحییٰ ابن ابو یعقوب قصر المصحفی، قصر السرادق، باغ سدرہ تعمیر تھے۔

قاضی مُنذر مدینتہ الزہرا کی دلچسپی نے عبدالرحمٰن کو ایسا اُلجھائے رکھا کہ چند جمعہ کی نمازیں وہیں کی مسجد میں ادا کیں۔ ایک جمعہ کو جامع مسجد نماز پڑھنے کے لئے چلا۔ جامع اعظم میں قاضی المُنذر[1] نمازِ جمعہ پڑھاتے تھے۔ جب عبدالرحمٰن قاضی کے سامنے آئے تو خطبہ میں ایسی تہدید و تنبیہ کی کہ امیرالمؤمنین کا چہرہ شرم وندامت سے سُرخ ہو گیا۔ اس کے بعد سے پھر نماز جمعہ سلطان نے کبھی ترک نہ کی۔

نماز استسقاء مدینتہ الزہرا کے میدان میں نماز استسقاء کے لئے خلیفہ عبدالرحمٰن گئے۔ اہلِ قرطبہ بھی لاکھوں پہنچے۔ امساک باراں سے ملک بے حال تھا۔ قاضی المنذر ایک بلند و بالا مقام پر مجمع کو دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں کسی نے کہا۔ جلالت مآب تشریف لا رہے ہیں۔ قاضی نے بے رخی سے کہا یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ مدینۃ الزہرا میں آرام کریں۔ کسی ندیم نے یہ فقرہ الناصر سے جا لگایا۔ وہ سُن کر بے اختیار رونے لگا۔ عمامہ اُتار کر زمین پر ڈال دیا۔ برہنہ سر برہنہ پا باحال تباہ بارگاہ غفور الرحیم میں گڑگڑا کر عرض کرنے لگا کہ الٰہی میرے گناہوں کی پاداش میں میری رعایا کو کیوں ستاتا ہے مجھ کو سزا ملے لیکن میری رعایا کی تکلیف دُور کر دے۔
الناصر کا حال روتے روتے بے حال ہو گیا۔ ڈاڑھی جو آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی اب سرخ بجری سے لت پت ہو گئی۔ المنذر نے اس کی الحاح وزاری سُن کر کہا کہ مسلمانو!

---

[1] القاضی المنذر البلوطی رحمہ اللہ القاضی قضاۃ الاندلس کان اماماً فصیحاً خطیباً شاعراً ادیباً کثیر الفضل جامعاً لصنوف من الخیر والتقوی والزھد و لہ مصنفات
البدایۃ والنہایۃ للحافظ عماد الدین ابی الفداء دمشقی الجزء الثانی عشر ص ۲۸۹۔

ذرا اور خضوع وخشوع سے دُعا مانگو باب رحمت کھلنے والا ہے۔ کیونکہ جب جبا یہ دُنیا سے عجز وانکسار ظاہر ہوتا ہے تو جبار آسمان کو رحم آتا ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ لوگ ابھی میدان میں جمع تھے کہ نزولِ بارانِ رحمت ہوا اور لوگ بھیگتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس لوٹے۔

ملکہ مرجانہ

ملکہ مرجانہ والدہ ولی عہد الحکم مستنصر باللہ بڑی فاضلہ عورت تھی اور بڑی شاعرہ۔ ایک روز عبدالرحمٰن الناصر نے فصد لینے کے لئے طبیب کو طلب کیا۔ طبیب چاہتا تھا کہ نشتر لگائے۔ دفعتاً ایک مینا اُڑتی ہوئی آئی اور مکان کے اندر سونے کے گلدستہ پر جو قریب رکھا تھا بیٹھ گئی اور یہ شعر پڑھا ؎

أَيُّهَا الْفَاصِدُ رِفْقاً بِأَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَا
إِنَّمَا تَفْصِدُ عِرْقاً فِيْهِ مُحْيِ الْعَالَمِيْنَا

ترجمہ:۔ اے فصد کھولنے والے نرمی سے امیرالمومنین کی فصد کھولنا۔ اس لئے کہ جس رگ پر تو نشتر لگانا چاہتا ہے یہ رگ اُس کی ہے جو زندہ کرنے والا عالموں کا ہے"

سلطان پھڑک گیا۔ پُوچھا یہ کس کی مینا ہے؟ کوئی جواب دے کہ مینا نے کہا میں ملکہ مرجانہ کی مینا ہوں۔ الناصر بہت خوش ہوا اور بطور تحفہ اپنی بی بی مرجانہ کو تیس ہزار دینار سُرخ دیئے۔

---

۵۱ خلافتِ اندلس ص۱۲۲۔

خلیفہ الحکم ثانی المستنصر باللہ

سلطان عبدالرحمٰن الناصر نے الحکم کی تعلیم و تربیت علامہ عثمان ساکن بلنسیہ سے دلائی۔ علامہ عثمان ساکن بلنسیہ درباری علماء سے تھا۔ یہ مصحفی کا باپ تھا۔ دیگر علماء دربار کی صحبت میں عالم شہزادگی میں عموماً الحکم وقت گزارا کرتے تھے ان کو زیادہ شوق کتب بینی کا تھا۔ لڑائی جھگڑے سے اُن کو نفرت تھی۔ ذہین طبع، خوش مذاق، متواضع علماء کا احترام کرنے والا اور طبیعت میں انصاف اور رواداری کوٹ کوٹ کر قدرت نے اس کے طبائع میں بھر دی تھی۔ غیر متعصب بادشاہ تھا جو مسلمانوں کے ساتھ کرتا وہی نصاریٰ و یہود کے ساتھ حسن سلوک روا رکھتا۔

تخت نشینی ۳۵۰ھ، ۹۶۱ء میں باپ کی جگہ تخت نشین ہوا اُس نے عقلی علوم وفنون کی طرف غیر معمولی توجہ کی۔ مصر و بغداد سے ان علوم کی کتابیں منگوا منگوا کر اس کثرت سے جمع کیں کہ خلفائے عباسیہ کا دورِ حکومت اپنے علمی ساز و سامان کے ساتھ لوگوں کی نگاہ کے سامنے آگیا۔ علامہ ابن صاعد اندلسی لکھتا ہے:-

"اس نے بغداد مصر اور اُن کے علاوہ دیارِ مشرق سے علوم قدیم و جدیدہ کی نہایت عمدہ کتابیں منگوائیں اور اُن کو اپنے باپ کی بقیہ زندگی کے زمانے میں پھر اُس کے بعد اپنے دورِ حکومت میں اس طرح جمع کیا جو خلفاءِ عباسیہ کے اس علمی سرمایہ کی ہمسری کرنے لگا جو انہوں نے ایک طویل زمانے میں جمع کیا تھا اور اُس کی یہ سرگرمی صرف اس لئے تھی کہ اس کو علم سے محبت تھی کسب کمالات میں نہایت بلند ہمت تھا اور ان سلاطین کے مشابہ بننا چاہتا تھا جو بادشاہ ہونے کے ساتھ حکیم بھی تھے۔ اس کا نتیجہ یہ

ہوا کہ لوگوں نے اس کے زمانہ میں متقدمین کی کتابوں کے پڑھنے کی طرف نہایت شدت سے توجہ کی اور ان کے مذاہب کی تعلیم حاصل کی۔"[1]

ڈوزی لکھتا ہے :-

"گو خلیفہ الحکم کے بزرگ بھی عالم و علم دوست اور کتابیں جمع کرنے کے شائق تھے لیکن الحکم کے برابر عالم و فاضل بادشاہ اسپین میں نہیں گزرا۔ نہ علوم و معارف میں کسی کو اتنی قدرت ہوئی اور نہ کسی نے اتنی کتابیں جمع کیں۔ خلیفہ کے گماشتے قاہرہ، بغداد، دمشق اور اسکندریہ میں موجود رہتے تھے۔ یہ لوگ کتابیں نقل کرتے یا ان کو مول لیتے تھے قطع نظر اس کے کہ کتاب پرانی ہے یا نئی جس قیمت پر ملتی خرید لی جاتی۔ ان نادر خزانوں سے الحکم کا قصر معمور تھا۔ ہر طرف کاتب، خطاط اور جلد ساز بیٹھے کام کرتے تھے۔

المستنصر باللہ کے کتب خانہ کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی اور ہر جلد میں پچاس ورق تھے۔ ان جلدوں میں صرف کتابوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ کتابوں کی تعداد چار لاکھ، بقول بعض کے چھ لاکھ تھی اور تمام کتابوں کو الحکم نے خود پڑھا تھا۔ ان میں سے اکثر پر حواشی الحکم نے نہایت محنت سے لکھے تھے۔[2] ادبیات عرب یعنی فن رجال اخبار و انساب میں خلیفہ الحکم اپنا مثل نہ رکھتا تھا۔

ایران اور شام میں جو کتابیں لکھی جاتی تھیں، مشرق میں ابھی کوئی ان کو پڑھنے بھی نہ پاتا تھا کہ خلیفہ کو ان کی خبر لگ جاتی تھی۔ چنانچہ مؤرخ ابوالفرج اصفہانی عراق میں کتاب الاغانی جس میں عرب کے شعراء اور مغنیوں کے حالات لکھ رہا تھا اس کو الحکم نے ایک ہزار دینار سرخ اس درخواست کے ساتھ بھیجے کہ کتاب ختم ہوتے ہی اس کی نقل فوراً قرطبہ روانہ

---

[1] طبقات الامم ابن ساعد اندلسی [2] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۸۰

کی جائے ۔

علماء کے حق میں خواہ اسپین کے ہوں یا باہر کے مستنصر باللہ نہایت سخی تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار میں اہلِ علم کا مجمع رہتا تھا۔ خلافت پناہی نہ صرف علماء کو بلکہ فلسفیوں کو بھی اپنی پناہ میں لے لیتے تھے۔ تاکہ وہ متعصب لوگوں سے بے خوف ہو کر تحصیلِ علوم میں مصروف رہیں ''

ایسے معارف پرست اور علم دوست بادشاہ کے سایۂ عاطفت میں تمام علوم وفنون کو ترقی رہی۔ ابتدائی مدارس اچھے تھے اور بہت تھے۔ اسپین اسلامیہ میں ہر متنفس لکھنا پڑھنا جانتا تھا لیکن مسیحی یورپ میں سوائے بڑے درجہ کے لوگوں یا پادریوں کے سب ناخواندہ ہوتے تھے ۔ نحو اور معنی کی تعلیم بھی مدارس میں عام تھی ۔

غریبوں کے خیال سے ستائیس مدرسے ایسے کھول دیئے کہ غریبوں کے بچے مفت تعلیم پائیں معلموں کی تنخواہ بادشاہ کے صرفِ خاص سے ملتی تھی۔ جامع مسجد قرطبہ میں جہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا ابوبکر بن معاویہ قرشی حدیث کا سبق دیتے تھے ۔

ابوعلی القالی بغدادی نے ایک بہت بڑی مستند کتاب زبانی لکھوا ڈالی ۔ نحو کی تعلیم ابن القوطیہ دیتے تھے ۔

اس دار العلوم میں طلباء کی تعداد جو ان علماء کے درس میں حاضر ہوتے تھے ہزارہا تھی ۔ اکثر طلباء فقہ پڑھتے تھے۔ کیونکہ اس علم کو پڑھ کر ان کو سلطنت میں عہدے ملتے تھے[1]

جنگیں خلیفہ مستنصر کی طبیعت کو جنگ سے لگاؤ نہیں تھا گو تھا بڑا بہادر، فن سپہ گری کا ماہر سرحدی بادشاہ ہوس غرسیہ، فرڈ بنید وغیرہ نے سر

---

[1] مقری جلد اوّل صفحہ ۱۲۶ ۔

اُٹھایا تو ۹۶۲ء میں الحکم نے والیانِ صوبجات کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔

اسی اثناء میں اردون چہارم لیون کے مسیحی امراء کو جو اس کے غم گسار تھے، ساتھ لے کر مدینہ سالم آیا اور غالب مولائے الحکم سے جو مدینہ سالم کا حاکم تھا التجا کی کہ خلیفہ کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔ اس نے سلطان کو لکھا وہاں سے حکم آیا کہ اس کو یہیں بھیج دو۔ چنانچہ غالب نصرانی بادشاہ کو لے کر اپریل ۹۶۲ء ۳۵۱ھ میں قرطبہ آیا۔ راہ میں دربارِ خلافت کے افسرانِ سوار مہمان کی پیشوائی کے لئے موجود تھے۔ اردون نے افسرانِ سوار کی بڑی خوشامد کی کہ وہ بھی سفارش کریں۔ قرطبہ کے داخلہ کے وقت روضہ ناصر پر گیا اور سر سے ٹوپی اُتار لی۔ پھر قصر ناطورہ میں ٹھہرا۔ ددون پُرتکلف و آراستہ قصر میں قیام کرنے کے بعد اطلاع ملی کہ خلافت مآب قصر زہرہ میں اس کو شرفِ حضوری بخشیں گے۔

اردون نے دیبائے سپید کا لباس پہنا اور ایک رومی ٹوپی سر پر رکھی جس میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر اندلس اسلامیہ کے چند مسیحی امراء مثلاً قرطبہ کے عیسائیوں کا قاضی ولید بن خیزران اور طلیطلہ کا مطران عبید اللہ بن قاسم اس غرض سے اردون کے پاس آئے کہ دربارِ مستنصر میں حاضری سے پہلے وہاں کے قواعد اور آداب سے جن کی پابندی لازمی ہے، اردون کو آگاہ کر دیں۔

قصر ناطورہ سے قصر زہرا تک تمام راستے میں فوجوں کی صفیں دو طرفہ کھڑی تھیں جس کا اثر ان لوگوں پر یہ پڑا کہ خوف زدہ ہو کر نظر نیچی کر کے نشانِ صلیب ہاتھ کے اشارہ سے بنانے لگے۔

قصر زہرا کے پہلے دروازہ پر جب پہنچے تو سوائے اردون اور اس کے لیونی سرداروں کے سب لوگ گھوڑوں پر سے اُتر پڑے۔ باب السدہ پر لیونی سردار بھی پیدل ہو گئے۔ صرف اردون اور ابن طملس جس کی خدمت خلیفہ کے سامنے اردون کو پیش

کرلے کی تھی۔ گھوڑوں پر سوار رہے۔ صحن میں امن نشست کے پاس آ گئے جو اُن کے لئے مقرر تھی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں شانجہ کو طلب امداد کے لئے خلیفہ کے سامنے حاضر ہونے کا انتظار کرنا پڑا تھا۔

کسی قدر توقف کے بعد لیونی مہمانوں کو دربارِ خلافت میں حاضر ہونے کا حکم ہُوا۔ ایوان کے دروازے سے اردون نے ادب سے ٹوپی اور پھر ردا اُتار دی۔ اس کے بعد اُسے تخت کے قریب آنے کا اذن ہُوا۔

خلیفہ اس وقت مجلس شرقی میں سریر آرائے سلطنت تھے۔ ان کے بھائی بھتیجے، وزراء اور امراء اپنے اپنے مرتبہ پر چپ و راست بیٹھے تھے۔ انہی میں قاضی القضاۃ منذر بن سعید اور دیگر حکام اعلیٰ قدر اور فقہاء بھی تھے۔

اردون تخت خلافت کی طرف آہستہ آہستہ گھٹنے زمین پر ٹیک کر تعظیم دیتا ہُوا تخت کے نزدیک پہنچا۔ خلافت پناہی نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اُس نے بوسہ دیا اور پیچھے قدموں ہٹا اور دیبا کی مطلا مذہب مسند پر بیٹھ گیا۔ یہی طریقہ ہمراہیوں کا تھا۔

اردون کا ترجمان، قاضی ولید بن خیزران پہلے سے دربار میں حاضر تھا۔ خلیفہ نے بخندہ پیشانی اردون سے خطاب کیا کہ تمہارا ہمارے حضور آنا باعثِ کامیابی ہُوا۔ ہمارے جودوسخا سے تمہاری امیدیں بر آئیں گی۔ تم دیکھو گے کہ ہم تمہارے اچھے مشیر ہیں اور جتنا تم مانگو گے اس سے زیادہ پاؤ گے۔"

اردون یہ سُن کر بہت خوش ہُوا اور اُٹھ کر تخت کی سیڑھیوں کے غالیچہ کو چُوم کر کہنے لگا۔

"میں امیر المؤمنین کا غلام ہوں اپنا آقا اور مالک سمجھتا ہوں۔ حضور کے مراحم خسروانہ پر بھروسہ ہے۔"

اس کے بعد اس کا ملک بخش دینے کا حکم خلیفہ نے دے دیا اور خلعتِ فاخرہ عنایت ہُوا۔

یہاں کے واقعات اس کے ابنِ عم شانجہ کو پہنچے وہ پریشان ہو گیا اور دربار

میں اپنے نمائندے بھیج کر عرضداشت پیش کی کہ جو حکم خلافتِ پناہی سے ملا ہے اس کو بسر وچشم منظور ہے۔

اسی طرح جلیقیہ کے رئیس اکبر کونٹ روڈریگو ولاسیکز نے اپنی ماں کو خلیفہ مستنصر کے دربار میں بھیجا۔

نفح الطیب میں ہے :۔

"الحکم نے اس ملکہ کے استقبال کے لئے اپنے اہلِ دولت کو بھیجا اور اس سے ملاقات کے لئے ایک دن دربار کیا۔

یہ دن بھی یادگار تھا کونٹ روڈریگو (الزریق) کی ماں کو کامیابی ہوئی اور اس کے بیٹے سے عہدنامہ صلح ہو گیا۔ ملکہ کو بہت سا مال عطا ہوا اور وہ اس قدر تھا کہ اُس نے اپنے ہمراہیوں میں اُسے تقسیم کیا۔ خود اس کو بھی بہت سے تحائف دیئے گئے اور سواری کے لئے ایک بہت قیمتی خچر زریں زین ولگام کا جس پر دیبا کا زین پوش پڑا تھا دیا گیا"

سرحد کے جن عیسائی حکمرانوں نے سر اُٹھایا اس کا سر کچل دیا گیا۔ اردون مر گیا تو شانجہ نے فرولند، قومس تشتالیہ اور بادشاہ بزہ اور نوابان قیطلونیہ بوریل اور میردن کو گانٹھ لیا اور نقض عہد کیا۔ الحکم نے توجہ کر کے ان کی سرکوبی کر دی۔ غالب سپہ سالار نے فرولند کو شکست دی۔ اس کے بعد عرسیہ کو بھی کچلا اور شہر قلہرہ کو فتح کر لیا غرضیکہ شانجہ بادشاہ لیون ۹۶۶ء، ۳۵۶ھ میں خلیفہ مستنصر باللہ سے امان کا خواستگار ہُوا۔ قیطلونیہ وغیرہ بھی خلیفہ کے قدموں میں آگرے۔ ان کے سرحدی قلعے مسمار کر دیئے گئے۔

اب اندلس میں امن وامان تھا۔ علمی چہل پہل تھی۔ پندرہ سال حکمرانی کر کے اکتوبر ۹۷۶ء، ۳۶۹ھ میں الحکم نے انتقال کیا۔

مذہب الحکم نہایت پابندِ مذہب اور متشرع تھا۔ نمازِ جمعہ ہمیشہ مسجدِ قرطبہ میں اپنی رعایا کے ساتھ پڑھتا تھا۔

علماء اور حکام کو تاکید تھی کہ قلمرو میں کسی فرد سے کوئی فعل خلافِ شرع سرزد نہ ہونے پائے۔ شراب فروشوں اور مے نوشوں کو سخت سزا دیتا۔ کروڑہا روپیہ مدارس اور مساجد پر خرچ کرتا تھا۔

آثار حمام سرائیں اور آب دار خانے اور تجارت گاہیں تمام ممالک محروسہ میں بخرچ سرکاری قائم ہوئیں۔

اخلاق الحکم بڑے اونچے اخلاق کا انسان تھا رحم دل بے حد تھا۔ اکثر عدول حکمی سے چشم پوشی کرتا۔ علماء کا بڑا احترام کرتا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ابراہیم فقیہہ مسجد ابوعثمان میں وعظ کہہ رہے تھے، ہزارہا علماء و طلباء فقیہہ کے وعظ میں تھے کہ سلطانی خواجہ سرا مسجد میں آیا اور فقیہ سے کہا۔ خلافت پناہ یاد فرماتے ہیں اور منتظر ہیں۔ فقیہ نے کہا کہ میں امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل کرتا۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو میں خانۂ خدا میں اپنے معبود برحق کے کام میں مشغول ہوں۔ یہاں سے فارغ ہو کر مل سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر فقیہ وعظ کہتے رہے۔

خواجہ سرا ڈرتے ڈرتے خلیفہ کے پاس حاضر ہوا اور جواب پہنچایا۔ اور پھر مسجد میں آکر ابراہیم سے کہا۔ امیر المؤمنین نے بعد سلام کے کہا ہے کہ میں یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ تم خدا کے کام میں بدل مصروف ہو۔ بعد ختم وعظ فقیہ کو دربار میں آنے کے لئے خواجہ سرا نے کہا۔ فقیہ بولا۔ خلیفہ سے کہنا میں کمزور بہت ہوں باب الصنع جو مسجد سے قریب ہے کھلوا دیجئے تو آؤں۔ وہ دروازہ کھلا تو ابراہیم گئے۔ خلیفہ بے حد اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔

الحکم کا دربارِ علمی

الحکم علم و کمال کا والہ و شیدا اور علم و فن کا فریفتہ تھا۔ اہلِ کمال دور دور سے اس کی بیدار مغزی اور قدردانی کی خبریں سن کر اندلس کی طرف کھنچے چلے آتے

تھے۔ قلیل عرصہ میں اُس کا دربار مشہور علمائے وقت اور کملائے عصر سے معمور ہو گیا۔
ابو علی القالی بغدادی صاحب الامالی کی یہ قدر تھی کہ الحکم اپنے پاس سے ایک دم جُدا نہ کرتا تھا۔
ابوبکر ان ازرق اپنے عہد کا نامور عالم تھا۔ ۳۴۲ھ ۹۵۳ء میں قاہرہ آیا۔ وہاں سے ۳۴۹ھ ۹۶۰ء میں قرطبہ پہنچا۔ الحکم کے دربار کا رکن بنا۔ ۵۶ سال کی عمر میں ۳۸۵ھ ۹۹۵ء میں انتقال کیا۔
ثقر البغدادی اپنے زمانہ کا نامور خوشنویس تھا۔ وطن سے قرطبہ آرہا۔ الحکم کے دربار کا خوشنویس ہو گیا القیاس ابن عمر الصیقلی۔ یوسف البلوطی مقابی خوشنویس تھے۔ یہ بھی دربار الحکم سے وابستہ تھا۔
اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن ابن علی القرشی قاہرہ سے اندلس آیا۔ الحکم کے دربار سے متعلق ہو گیا۔
قاسم بن اصفی، احمد بن وہیم محمد بن عبدالسلام، زکریا ابن خطاب، ثابت ابن قاسم بھی دربار سے وابستہ تھے۔ ان کے اہتمام میں کتب خانہ الحکم تھا۔ الحکم کا سرکاری طبیب ابو عبداللہ محمد ابن عبدون العذری تھا۔

فقیہ ابو عبداللہ محمد ابن مفرج جنہوں نے علم و فقہ اور حدیث میں نام پایا ہے۔

شعراء ابن مغیث اور احمد ابن عبدالملک اور ابن ہشام القوی یوسف ابن ہارون ابوالولید یونس۔ احمد ابن سعید ابن ابراہیم الہمدانی شعرائے دربار سے تھے۔

مؤرخین محمد بن یوسف التاریخی جو الورق کے لقب سے مشہور ہے درباری مورخ تھا۔ اس نے خلیفہ الحکم کے حکم سے ایک صحیح تاریخ ملک افریقہ کی معہ جغرافیہ کے لکھی۔
عیسیٰ بن محمد ابوالاصبغ اور ربزعمر ابن فرج اور یعیش ابن سعید ابن محمد ابن ابوعثمان اندلس کے نامی مؤرخ تھے۔ ان کی تصانیف الحکم کے کتب خانہ میں تھیں۔

سُلطان ہشام ثانی المؤید باللہ

الحکم نے مرنے سے پہلے ہشام کو ولی عہد قرار دیا۔ اس کی عمر گیارہ سال کی تھی اور اپنے معتبر حاجب ابوالحسن جعفر بن عثمان الملقب[1] بہ مصحفی کے سپرد کیا کہ تمام اس کم عمر بادشاہ کے نگران رہنا۔

ہشام کی والدہ ملکہ عورہ (صبیح) نے حکم کے زمانہ میں انتظام مملکت میں دخل دینا شروع کر دیا تھا۔ جس وقت ہشام ثانی تخت نشین ہوا تو وہی ملکہ صاحب اقتدار بنی رہی آخر ابن ابی عامر مشہور المنصور نے ملکہ کی قوت کو توڑا اور ہشام کو گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا۔ المنصور مصحفی کو ہٹا کر خود حاجب بن گیا۔ خلیفہ ہشام محل سرا کے ہو کے رہ گئے۔

---

[1] ابوالحسن جعفر بن عثمان الملقب بہ مصحفی علامہ عثمان علاقہ بلنسیہ کے بربری عالم تھے۔ ابوالحسن نے باپ سے اور دیگر علماء قرطبہ سے تحصیل علم کی الحکم استاد زادہ سے انس رکھتے تھے اپنا معتمد خاص بنایا پھر شہر کی فوج محافظ کی خبر رسانی کا افسر اعلیٰ مقرر کیا۔ بعد کو جزیرہ میورقہ کے حاکم ہوئے۔ آخر میں درجہ اوّل کی وزارت پر ممتاز کئے گئے۔ مگر وہ سیاست اور تدبر مملکت میں اعلیٰ قابلیت نہ رکھتا تھا۔ وزیر ہوتے ہی تمام اعلیٰ مناصب کو اپنے کنبہ کے افراد پر تقسیم کر دیا اور فضول خرچ زیادہ تھا یہی سبب اس کے زوال کا ہوا۔

ابن ابی عامر المنصور وزیر ہشام ثانی

المنصور کا باپ عامر عبداللہ دارالعلوم قرطبہ کا ذی علم فقیہہ و محدث تھا جس کا سلسلہ نسب عبدالملک المعافری سے ملتا ہے جو طارق کے ساتھ اندلس آیا تھا۔ المنصور نے دارالعلوم میں علمی منازل طے کئے۔ طالب علمی کے زمانہ میں وہ حاجب بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا بلکہ اپنے ہم سبقوں سے ذکر کرتا تو وہ مذاق اڑاتے اور ان دوستوں سے کہتا کہ تم کو کون کون سے عہدے دوں؟ وہ از راہ تفریح قاضی کوتوال وغیرہ عہدوں کے طلب گار ہوتے۔ المنصور نے وعدہ کر لیا۔

المنصور فارغ التحصیل ہو چکا تو اُس نے پہلے پہل دربار کے ملازموں کے خطوط نویسی کی خدمات انجام دیں۔ تھوڑے عرصہ بعد مصحفی جو اعلیٰ حاجب تھا اس تک رسائی ہو گئی۔ اس نے اس ہونہار طالب علم کی بڑی قدر کی اور دربارِ سلطان میں اس کو خطوط نویسی کی خدمت سپرد کر دی۔ اس تعلق سے محلاتِ سلطان تک پہنچ ہو گئی۔ ملکہ عورہ صبیح بھی اس کی حسن لیاقت کی قدر کرنے لگی۔ اس نے سلطانہ صبیح کو ایک مکان کا نقشہ چاندی کا نذر کیا۔ بلکہ ایک عمر رسیدہ خاتون تھی مگر بڑی تجربہ کار عورت تھی۔ اس نے نظام سلطنت کی حالت بگڑتے دیکھ کر المنصور کو نوازا تاکہ اس لائق نوجوان سے حکومت سنبھلی رہے۔

المنصور ایک عرصہ تک ولی عہد ہشام کا اتالیق بھی رہا تھا۔ المنصور کی اکتیس سال کی عمر تھی کہ اُس نے اپنے اخلاق، سخاوت اور مصیبت زدوں کی دستگیری سے تمام قرطبہ کی رعایا کو گرویدہ بنا لیا اور ہشام کی تخت نشینی میں معاون ہوا۔ اس نے قضاۃ کا عہدہ خود سنبھالا اور مصحفی کی حکمت عملی میں شریک رہا۔

شمالی سرحدوں میں عیسائیوں نے شورش برپا کردی۔ مصحفی حاجب سپاہی نہ تھا، وہ گھبرا گیا۔ المنصور باوجودیکہ قاضی اور محتسب کے عہدہ پر سرفراز تھا اور اس کے علمی مشاغل تھے۔ مگر وہ ان عربوں کی اولاد سے تھا جو طارق کی فوج کے افسر ہو کے آئے تھے۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ خود امیر المجاہدین بن کر اس شورش کو دبائے گا۔ چنانچہ وہ فوج گراں لے کر لیون پر حملہ آور ہوا اور کامیاب ہو کر باجگذار بنا کر لوٹا۔[1]

مالِ غنیمت سے جو کچھ ہاتھ لگا وہ ساتھی سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ قرطبہ واپس آیا تو فتح مند سپہ سالار کی حیثیت میں تھا۔ اس فوج میں سپہ سالار غالب تھا جو سرحدی فوج کی کمان لئے ہوئے تھا اس کو اس قدر نوازا کہ وہ المنصور کا غلام بن گیا۔ دوبارہ شمال کے عیسائیوں نے پھر ہاتھ پیر مارے تو غالب نے اُن کی اچھی طرح سے سرکوبی کر دی۔ اب منصور کا اثر تمام قرطبہ پر تھا۔ مصحفی کا لڑکا کوتوالِ شہر تھا وہ انتظام میں بیٹھا نکلا اس کو علیحدہ کر کے المنصور کوتوالِ شہر ہو گیا۔ چند عرصہ میں شہر امن و امان کا مرکز بن گیا تھا اور اہلِ قرطبہ منصور کے انتظامِ شہر سے اس کے متوالے بن گئے تھے۔ غالب اور مصحفی میں کچھ چپقلش رونما ہوئی تو اس نے غالب کی دُختر سے خود شادی کر لی اور مصحفی پر بیت المال کی خیانت کا الزام لگا کر المنصور نے اس کو گرفتار کر لیا۔ مقدمہ چلا، ثبوت کافی تھا، مصحفی سزایاب ہوا۔ اُس نے پانچ برس تک حاجب رہ کر مجلس میں وفات پائی۔

مصحفی کے علیحدہ ہوتے ہی جس ہم سبق سے کوتوال بنانے کا وعدہ کیا تھا اس کو اس عہدے پر سرفراز کیا اور خود حاجب بن گیا۔ اب عملاً سارے اسلامی اسپین کا المنصور حکمران تھا۔ اندلس کا انتظام خلیفہ کونسل کے مشورہ سے کیا کرتا تھا۔

المنصور نے ہشام کو محل نشین بنا دیا تھا۔ ارد گرد جس قدر امراء تھے وہ المنصور کے اطاعت گزار تھے۔ تھوڑے عرصہ میں حکومت کے سیاہ و سپید کا خود مالک بن

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۱۵۶

گیا۔ فرمان و اعلان اس کے نام کے جاری ہوتے۔ منبروں پر ہشام کے ساتھ المنصور کے لئے بھی دُعائیں کی جاتی تھیں۔

محل کے غلاموں نے سازش کی کہ المنصور کو قتل کر دیا جائے۔ وقت پر منصور کو اطلاع مل گئی۔ اُس نے چن چن کے ان سازشیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

اس سازش میں فقہائے قرطبہ نے بھی کچھ دلچسپی لی تھی۔ المنصور چونکہ اہلِ علم سے تھا اور علماء کی جماعت کا رکن بھی تھا اس نے ان کی جلالتِ شان کا لحاظ کرتے ہوئے بڑے بڑے مستند فقہاء کو بلوا کر ایک مجلس منعقد کی اور اُن سے کہا آپ جن فلسفہ کی کُتب کو زندقہ پھیلانے والی سمجھتے ہیں ان کی فہرست تیار کر کے مجھ کو دیں۔ کیونکہ مسلمانانِ اندلس کا ایک بہت بڑا طبقہ فلسفہ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ چنانچہ فقہاء نے فہرست بنا کر پیش کر دی۔ منصور نے علیٰ رؤس الاشہاد ان کو جلا دیا۔ اس تدبیر سے تمام علماء منصور کے حامی ہو گئے اور ان کی غلط فہمیاں جاتی رہیں۔

المنصور اب قرطبہ میں سب سے بالادست بن چکا تھا اُس نے پوری توجہ فوج کی درستی پر مبذول کر دی۔ ہر فوجی سے مثل اولاد کے برتاؤ رکھتا۔

ایک مرتبہ منصور چھاؤنی میں بیٹھا ہُوا تھا کہ اس کے سپاہی حواس باختہ چلے آ رہے ہیں اور اُن کے عقب میں عیسائی آ رہے ہیں۔ فوراً منصور نے تخت سے اُتر کر خود سر سے اُتار پھینکا اور خاک پر بیٹھ گیا۔ سپاہی اپنے سالار کے مایوسانہ طرز و انداز کو سمجھ گئے اور فوراً اُلٹ پڑے اور ایسا دشمنوں پر حملہ کیا کہ ان کے کشتوں پر پشتے لگا دیئے اور لیون کی گلیوں میں گھس کر مارا۔

منصور نے پچاس جہاد کئے اور ہر ایک میں کامیاب و فاتح رہا۔ غالب بھی ایک جنگ میں وفات پاگیا۔

المنصور نے نصرانی بادشاہوں کو اپنے اخلاق اور انعام و اکرام سے ایسا رام کر لیا تھا کہ وہ فوج میں داخل ہو کر سرحدی عیسائیوں سے مقابلہ کرتے تھے۔ ایک سرحدی جنگ میں المنصور اس فوج کو لے کر لیون تک جا گھسا اور اس کے قلعہ کو مسمار

کر دیا۔ آگے بڑھ کر برشلونہ پر قبضہ جمایا اور جلیقیہ کے دروں میں گھس کر سنیٹیا گوڈی کمپو سٹیلا کے شوکت دار گرجے کو جہاں نینن پادریوں کی ہوس رانی کا شکار ہوتی رہتی تھیں۔ نصرانیوں کے ہاتھوں خاک میں ملوا دیا۔ یہ زیارتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ سینٹ جیمس کو جہاں نماز ہوتی تھی اس کو باقی رکھا جو راہب عبادت گزار تھے ان کو امان دی۔ آخرکار المنصور نے سرحد کی ریاستوں کو باجگذار بنا لیا۔ قشتالیہ۔ برشلونہ۔ النوار کو بھی اپنے قدموں سے پامال کر دیا۔ النوار کے بادشاہ نے المنصور کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ یہاں سے فارغ ہو کر قرطبہ کی طرف واپس ہوا۔ راہ میں ایک مورچہ پر نصرانی قابض ہو گئے منصور ٹھہر گیا اور سپاہیوں سے کہا اپنے لئے جھونپڑیاں ڈال لو اور قرب و جوار سے کاشتکاری کا سامان لا کر زراعت کا کاروبار پھیلاؤ۔ ایک عیسائی نے پوچھا تو نہایت اطمینان سے فوجی نے جواب دیا :-

"ہم آج کل گھر جانا مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ دوسری جنگ کے لئے ہم کو جلد آنا تھا اس لئے اپنی دل بستگی کا سامان کر لیا ہے۔"[1]

عیسائیوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے دائمی قبضہ کا سامان ہو رہا ہے تو سخت گھبرائے اور ہتھیار منصور کے سامنے ڈال دیئے اور مالِ غنیمت کی باربرداری کے لئے خچر بھی فراہم کر دیئے۔

المنصور کے زمانے میں علمی ترقی بھی ہوئی۔ لطف یہ کہ جنگ پر منصور جاتا تو شعراء اس کے جلو میں ہوتے۔ فتوحات کے موقعہ پر وہ قصائد کہتے اور وہیں صلہ و انعام پاتے۔

مذہبیت المنصور عالم فاضل فقیہ ہونے کے ساتھ خدا پرست تھا۔ نصرانی حکمرانوں کی طرف سے عورتیں اس کے سامنے پیش کی جاتیں، آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ المقری کہتا ہے کلام پاک اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا۔

اس نے اپنی ۲۶ سالہ عہدِ حجابت میں تقریباً پچاس جہاد کئے۔ ہر جنگ سے

---

[1] مورس ان اسپین صفحہ ۱۲۳ ؎

واپس آکر اپنے کپڑوں کی خاک جھڑوا کر جمع کرتا جاتا تھا کہ بوقت تجہیز و تکفین بہ مٹی اُس کے چہرے پر چھڑک دی جائے تاکہ شاید اس کی شرم میں خدا اس کی شفاعت کر دے۔ اس نے اپنے خاص آبائی کھیت کی رُوئی سے اپنی لڑکیوں سے سُوت کتوا کر کفن تیار کرایا تھا جو ہمیشہ اُس کے ساتھ رہتا تھا۔

۳۹۳ھ، ۱۰۰۲ء میں اُس کا انتقال ہُوا۔ تمام اندلس میں صفِ ماتم بچھی۔ مدینہ سالم میں دفن ہُوا۔ اس کے مزار پر کُتبہ جو لگایا اس میں یہ عبارت کندہ تھی۔

آثَارُہٗ تُنْبِیْکَ عَنْ اَخْبَارِہٖ   حَتّٰی کَاَنَّکَ بِالْعِیَانِ تَرَاہُ

تَاللّٰہِ لَا یَاْتِی الزَّمَانُ بِمِثْلِہٖ   اَبَدًا وَلَا یَحْمِی الثُّغُوْرَ سِوَاہٗ

(ترجمہ) اس کی نشانیاں تمہیں اس کی خبر بتائیں گی۔ اس جیسا زمانہ کبھی نہ رکھے گا۔ گویا تم اسے اپنے سامنے دیکھ رہے ہو۔ اور نہ بچائیں گے رخنہ سوائے اس کے"

منصور کی زندگی کے چند واقعے

المنصور ۳۷۵ھ مئی ۹۸۵ء میں قیطلونیہ کی فتوحات کو جا رہا تھا۔ چالیس شاعر ساتھ تھے کہ فتح کے موقعہ پر قصیدے لکھ کر پڑھیں[۱]

قرطبہ سے کوچ کر کے البیرہ، بیاسہ اور مورقہ کے شہروں سے گزرتے ہوئے صوبہ فرسیہ میں آئے۔ یہاں المنصور ابن خطاب کے مہمان ہوئے۔ ابن خطاب کوئی سرکاری عہدہ نہ رکھتے تھے۔ لیکن وہ بہت بڑے زمیندار اور وسیع علاقوں کے مالک تھے اور ان علاقوں کی آمدنی کثیر تھی۔ یہ بنی اُمیّہ کے مولیٰ بھی تھے اور غالباً نسل فسیقوط سے بادشاہ تدمیر قوطی کی اولاد میں سے تھے۔ تدمیر صوبہ مرسیہ کا بادشاہ تھا جس نے

۱؎ ابن الخطیب۔

فتوحاتِ اسلامیہ کی شروع میں مسلمانوں سے اپنے حق میں عمدہ شرائط پر صُلح کی تھی اور ایک مُدت تک خود اور اُس کے بیٹے اتھانا جلد نے مرسیہ پر خود مختارانہ حیثیت سے حکومت کی تھی۔

بہرکیف یہ جو کچھ بھی ہُوا ابن خطاب جس قدر دولت مند تھے اسی قدر حوصلہ سے المنصور کی خاطر و مدارات میں مصروف ہوئے۔ تیرہ دن تک المنصور اور جو امراء ان کے ہمرکاب تھے اور تمام اہلِ فوج وزیر سے لے کر معمولی سوار تک اُن کے مہمان رہے۔ منصور کے سامنے جو دسترخوان بچھتا تھا اُس پر دُنیا بھر کی نعمتیں ہوتی تھیں۔ انھوں نے اپنے باورچیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر وقت نئی نئی قسم کے کھانے دسترخوان پر ہوں۔ انھوں نے خاطر تواضع میں یہاں تک اہتمام کیا کہ منصور کے لئے ایک روز غسل کے پانی کی جگہ عرق گلاب رکھا گیا۔ المنصور خود نہایت تکلف سے رہتے تھے مگر میزبان کی تواضع نے اُنہیں متحیر کر دیا۔ انھوں نے ابن خطاب کی بہت تعریف کی اور اظہارِ خوشنودی میں زمین کے محصول کا ایک حصّہ اُن کو معاف کر دیا اور صوبہ مرسیہ کے عمال کو جو خلافت کی طرف سے علاقہ کا انتظام کرتے تھے ہدایت کر دی کہ ابن خطاب کے ساتھ ہمیشہ بہت ادب اور تعظیم سے پیش آیا کریں اور ہر معاملے میں ان کی خوشی اور مرضی دریافت کر لیا کریں۔

پروفیسر رائس ہارٹ ڈوزی لکھتا ہے :-

"منصور نے سلطنت کو وہ شان و عظمت بخشی تھی جو پہلے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آسکتی تھی[1] المنصور بڑے دل گردہ کا شخص تھا اور وہ قوم و ملک کا بہی خواہ تھا مگر پھر بھی اس کے خلاف اندیشہ دوانیاں ہوتی رہتی تھیں۔ حتیٰ کہ بعض امرائے عرب نے سلطانہ صبیح کو اُس کے خلاف بھڑکا دیا۔ سلطانہ صبیح والدہ ہشام بڑی لئیق اور عصمت مآب خاتون تھیں۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۱۷۵ ؞

یہی المنصور کو اس کی لیاقت اور مذہبیت و پاک بازی کو دیکھ کر اس درجہ پر پہنچانے کا سبب بنی تھی مگر بہکانے میں آگئی۔ ہشام کو سلطانہ نے چاہا کہ زمامِ حکومت ہاتھ میں لے مگر وہ تو کنیزوں کے جھرمٹ میں زندگی بسر کرنا خود بہتر سمجھتے تھے مگر ماں کے سمجھانے سے کچھ رضامند ہوئے۔

سلطانہ نے مغرب اقصیٰ کے ایک حاکم زیری بن عطیہ کو بلا بھیجا۔ وہ آیا تو منصور نے بڑی خاطر کی۔ سلطانہ نے خفیہ اس سے مدد طلب کی اور حاجب کا عہدہ پیش کیا۔ وہ واپس گیا۔ اُس کے پیچھے سلطانہ نے خزانہ میں سے ۶۰ لاکھ اشرفیوں میں سے اَسّی ہزار نکال کر کسی ترکیب سے اُس کے پاس روانہ کیں۔ مگر منصور کا انتظام معقول تھا اس کو پتہ لگ گیا اُس نے ہشام سے مل کر خزانہ کو ہٹا دیا۔ سلطانہ کو ناکامی ہوئی تو اُنھوں نے قسمت پر صبر کیا اور بقیہ عمر کا حصہ عبادت گذاری میں صرف کر دیا۔[1]

ملکہ صبیح کا انتقال ہوا تو ابن دراج قسطلی نے مرثیہ لکھا جس میں ملکہ کے محامد اور فضائل بیان کئے ہیں۔ منصور نے کبھی خلافِ شان ملکہ کے کوئی بات نہیں کی۔

واقعہ (۱) منصور سرحدی علاقہ کے نصاریٰ کی شورش کو دفع کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ جب سرحد کے قریب فروکش ہوا تو ایک معتبر سوار کو درہ طلیارش کی طرف روانہ کیا کہ وہاں پہرہ دے اور جو پہلا آدمی درّے سے گزرے اس کو میرے سامنے لایا جائے۔

تمام رات برف باری اور بارش میں گزری۔ صُبح لشکر گاہ سے ایک بڈھا آدمی گدھے پر سوار درّے کی سمت آرہا تھا۔ صورت لکڑہارے کی سی تھی۔ سوار نے اُس سے کہا۔ کہاں جاتے ہو؟ اُس نے کہا جنگل سے لکڑیاں کاٹنے۔ مگر سوار نے کہا تم منصور کے پاس تک چلو۔ چنانچہ اس کو زبردستی لے آئے۔ ادھر منصور رات بھر سویا نہ تھا۔ جب لکڑہارا سامنے لایا گیا تو منصور نے صقلبی غلاموں سے کہا اس

---

[1] عبرت نامہ اندلس ص ۱۸۰۔

بڈھے کی تلاشی لو۔ مگر لباس میں کچھ نہ نکلا تو منصور نے حکم دیا کہ گدھے کا پالان دیکھو، اس کی تلاشی لی تو ایک خط نصرانیوں کی طرف سے بادشاہ لیون کے نام تھا جس میں لکھا تھا کہ اسلامی لشکر گاہ کا ایک رُخ کمزور ہے اس پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔

اس خط سے منصور کو سازش کا پتہ چل گیا۔ اس نے ان عیسائیوں اور اس بڈھے کو کیفر کردار کو پہنچایا۔ یہ تدبیر بہت مؤثر ہوئی۔ پھر کسی عیسائی کو سازش کی جرأت نہ ہوئی۔

واقعہ (۲) منصور کا ایک سفیر نبرہ کے عیسائی بادشاہ غرسیہ کے پاس گیا اس نے بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ وہ سفیر دورہ کرتا ہوا اتفاق سے ایک گرجا میں گیا۔ وہاں ایک مسلمان ضعیفہ ملی جو بچپن سے عیسائیوں کی قید میں لونڈی کی حیثیت سے تھی اور گرجا میں رہتی تھی۔ سفیر سے کل حال بڑھیا نے کہا۔ جب وہ قرطبہ آیا منصور سے عام حالات بیان کئے۔ جب منصور سن چکا تو پوچھا کوئی ناگوار واقعہ تو نہیں گزرا۔ سفیر کو بڑھیا کا خیال آیا اور اس نے پورا واقعہ سنا دیا۔ منصور نے کہا۔ یہ واقعہ پہلے کہنا تھا۔ چنانچہ جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ غرسیہ بادشاہ کانپ اٹھا اور اس نے خط لکھا کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی جو عتاب نازل ہو رہا ہے"۔

جو پیامبر شاہ غرسیہ کا خط لائے تھے اُن سے کہا "مجھ سے قسمیہ کہا گیا تھا کہ اب کوئی مسلمان مرد عورت میری قید میں نہیں ہے اور نہ رکھوں گا مگر گرجا میں مسلمان عورت قید ہے"۔

وہ پیامبر لوٹ گیا۔ شاہ غرسیہ نے اس بڑھیا کو اور دو عورتیں مزید تلاش کرا کر منصور کی خدمت میں بھیج دیں اور بقسم کہا کہ ان عورتوں کا مجھ کو مطلق علم نہ تھا اور میں نے اس گرجا کو مسمار کرا دیا جس میں بڑھیا کو قید رکھا تھا۔[1]

ڈوزی لکھتا ہے کہ :۔

"دشمن اس کے نام سے تھراتے تھے، فوج اس پر جان دیتی تھی۔ یہ المنصور

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۱۹۴ ∴

ہی کی تربیت دی ہوئی قواعد دان فوج تھی جس نے اسپین کی سطوت و اقبال کو اس بلندی پر پہنچایا جو کبھی پہلے اس کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ یہ عروج اس کو خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے زمانہ میں بھی نہیں ہوا تھا۔

منصور کا صرف یہی ایک کارنامہ نہ تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے صرف ملک ہی کو نہیں بلکہ تہذیب و تمدن کو بھی اپنا ممنونِ احسان کیا تھا۔ اہلِ ملک کی علمی و ذہنی قابلیتوں کی قدر کر کے ہمیشہ اُن کی عزت افزائی کی۔"

ابوالعلا صاعد بن الحسن ربعی بغدادی ادب و تاریخ کے بڑے عالم تھے ان کی منصور بڑی قدر کرتا تھا۔ صاعد اندلسی کا حافظہ غضب کا تھا۔ کوئی کتاب سرسری دیکھ لیتے اُس کے مضمون پر حاوی ہو جاتے۔ ابوعلی قالی بغدادی کی کتاب الامالی منصور نے صاعد کو دیکھنے کو دی۔ انہوں نے کہا ایسی تو میں بھی لکھ سکتا ہوں۔ چنانچہ مدینۃ الزہرا کی جامع مسجد میں پہنچ کر منصور کے کاتبوں سے چند ضخیم جلدوں میں لکھوا دی جس کو علمائے معاصرین نے ذوق و شوق سے پڑھا منصور نے بہت انعام دیا۔

ایک مرتبہ صاعد ان تھیلیوں سے جن میں منصور نے اکثر موقعوں پر صاعد کو انعام دیا تھا اس کا جبہ سلوا کر اور غلام کو پہنا کر منصور کے سامنے لائے۔ منصور نے کہا۔ صاعد یہ کیا ڈھونگ رچا لائے؟"

صاعد بولا۔ اس طرح آپ کے انعامات کی یاد تازہ رہتی ہے اس لئے آپ کو بھی دکھانے لایا۔

منصور سُن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ صاعد واقعی خوب صورتی سے کسی کا شکر ادا کرنا تم کو خوب آتا ہے۔ میں بہت خوش ہوا اور بہت سے تحائف سے صاعد کو نوازا اور کافور غلام کو بھی لباس عطا کیا۔

قاضی ابن السری صدر مجلس تھے۔ فقیہ ابن المقواسی قاضی تھے ان کا طوطی بول رہا تھا۔

منصور کے متعلق مؤرخین کا فیصلہ ہے کہ وہ صادق العمل، فیاض، عادل تھا۔

ڈوزی لکھتا ہے :۔

"منصور کا انصاف ضرب المثل ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ عوام الناس میں سے ایک شخص منصور کے سامنے آیا اور کہا اے مظلوموں کے دادرس اس آدمی نے جو حضور کے پیچھے کھڑا ہے مجھ پر ظلم کیا۔ عدالت نے طلب کیا تو گیا نہیں۔"

منصور کے پیچھے صقلبی سپر بردار تھا جس پر منصور بہت مہربان تھا مگر فریادی سے تفصیل سُننے کے بعد منصور نے حکم دیا کہ قاضی عبدالرحمٰن ابن فوطس سے جا کر کہو کہ اس معاملے کا فیصلہ کریں اور حق و انصاف ملحوظ رہے۔" قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ دیا۔ مدعی منصور کے پاس آ کر شکریہ ادا کرنے لگا۔ منصور نے کہا۔ شکریہ کی ضرورت نہیں تمہارا انصاف ہو گیا اور تم کو اطمینان ہو گیا۔ مگر مجھے ابھی اطمینان نہیں ہُوا۔ کیونکہ مجھے اس نالائق صقلبی کو سزا دینی ہے جس نے باوجود اس کے کہ میرا ملازم تھا ایک ذلیل کام کرنے میں شرم نہ کی۔"[1]

عُلماء کی قدردانی

المنصور خود عالم اور فقیہ اور محدث کا بیٹا اہلِ علم کی قدر و منزلت و جلالت شان سے واقف تھا اس کی صحبت میں عبدلوہ ابن ہمیا صاحب تذکرۃ الشعراء اور حبیب الصقلبی صاحب الاستظہار والمغالبہ علی من انکر فضائل الصقالبہ۔ المغیرہ ابن خرم۔ ابوالولید۔ ابن الدباغ۔ یوسف ابن عبدالبار۔ یہ لوگ بڑے صاحب وفضل کمال اور مؤرخ صاحب تصنیف تھے۔

---

[1]

المنصور نے ابوعلی سعید ابن الحسن ابن علی اللغوی کو بغداد سے بلایا اُس کے بہت سے حاسد ہو گئے۔

ایک دن المنصور کے پاس ابوعلی سعید بیٹھا ہُوا تھا۔ غیر موسمی گلاب کا پھُول ایک شخص نے منصور کے سامنے پیش کیا۔ سعید نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

آتَتْكَ بُوعَامِرٍ وَرْدَةٌ ‏ ‏ ‏ يُذَكِّرُكَ الْمِسْكُ أَنْفَاسَهَا

كَعَذْرَاءَ أَبْصَرَهَا مُبْصِرٌ ‏ ‏ ‏ فَغَطَّتْ بِأَكْمَامِهَا رَاسَهَا

(ترجمہ) جبکہ باغ میں ہَوا آئی تو اُس نے ہم پر عطا کے ریزہائے مشک کو چھڑکا ہمارا جام شراب اس پرندے کی مثل ہے کہ جس کی منقار میں دانۂ یاقوت ہو۔"

منصور ایسے نادر کلام کو سُن کر بے حد مسرور ہُوا۔

تعمیرات المنصور کو مکانات تعمیر کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس نے وادی الکبیر کے پُل پر ایک لاکھ چالیس ہزار دینار سُرخ صرف کئے۔ اس کے علاوہ اُس نے افریقہ اور اندلس میں بھی پُل بنوائے۔



عبدالملک ملقب بہ المظفر حاجب

منصور کے مرتے ہی اندلس میں تہلکہ مچ گیا۔ بربری امراء نے اور غلاموں خواجہ سراؤں نے سر اٹھانا شروع کیا۔ سلطان ہشام کو محل سے باہر لانا چاہا مگر وہ رضامند نہ ہوا۔ آرام طلب ہو چکا تھا۔ منصور کے لڑکے کو حاجب مقرر کیا۔ یہ بھی لائق تھا۔ اس نے چھ برس تک باپ کے قدم بقدم چل کر سلطنت کی ہیئت اجتماعیہ کو سنبھالے رکھا۔ حریص قسمت آزماؤں، معاند فرماں رواؤں نے طوفان شروع کر دیا اور ہشام کو حرم کی خلوت سے جہاں تیس برس تک فرحناک نظر بند رہا، کھینچ لائے اور اس سے زبردستی حکومت کرائی مگر وہ مجبور ولاچار نظر آیا تو اس کو معزول کر دیا۔

محمد ثانی مہدی کو ۳۹۹ھ ۱۰۰۸ء میں تخت نشین کیا۔ ایک سال بعد مستعین کو لا بٹھایا۔ کچھ دن بعد محمد ثانی کو پھر تخت پر لے آئے۔ پھر ہشام ثانی کو لا بٹھایا۔ پھر اس سے چند دن بعد بگڑ بیٹھے۔ سلیمان کو لے آئے۔ علی بن حمود نے ۴۰۶ھ میں علم حریت بلند کیا۔ سلیمان مقابل آیا۔ معرکہ میں کام آیا تو علی بن حمود نے قرطبہ پر قبضہ کیا مگر شہریوں نے کچھ عرصہ بعد مار ڈالا۔

اس کے بعد اس کا بھائی قاسم بن حمود تخت نشین ہوا۔ ایک سال بعد قتل کر دیا گیا۔ پھر اس کا برادر زادہ یحییٰ ۴۰۹ھ ۱۰۱۸ء میں تخت پر بیٹھا۔ تین سال بعد قتل ہوا تو اس کے بعد ۴۱۲ھ میں ہشام سوم بن سلیمان تخت قرطبہ پر بیٹھا۔

یہ زمانہ بیس سال کا اندلس کے لئے بے حد کاہ کاری کا تھا۔ ہشام ثانی محل سے نکل کر مکہ معظمہ پہنچا اور وہیں عبادت گزاری میں زندگی ختم کی۔

المنصور کے دشمنوں نے اس کے بیٹے مظفر سے انتقام لیا۔ اس کے محلات کو

لوٹا اور تباہ کر دیا۔ یہ سب کارگزاری اہلِ قرطبہ کی تھی۔ اس کے بعد قصر الزہرا بربلوائیوں نے ہاتھ صاف کیا۔ جامع مسجد میں جو پناہ گیر تھے وہاں بھی وہ بربریوں کے ظلم وستم کا شکار ہوئے۔ یہ زمانہ سنہ ۴۰۱ھ سنہ ۱۰۱۰ء کا تھا۔

اہلِ قرطبہ کی اس سرکشی اور بدحالی کا اثر یہ پڑا کہ گیارہویں صدی عیسوی کے نصفِ اول میں کوئی بیس خودسر خاندان اتنے ہی شہروں یا اضلاع میں صاحبِ اقتدار بن گئے جن میں اشبیلیہ میں عباد ئین، ملاغہ دالجرہ میں جمود کا خاندان غرناطہ میں، زہیر کا سرقسطہ میں، بنی ہود کا طلیطلہ میں ذوالنون کا اور بلنسیہ مرسیہ والمریہ کے حکمراں اوروں سے زیادہ سربرآوردہ تھے۔ اس طوائف الملوکی کا اثر سرحد کے عیسائیوں پر بھی پڑا اور وہ بھی خودسر ہو گئے۔

الفانسو ششم نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ اُس نے الجوریا، لیون اور قشتالیہ کی سلطنتوں کو باہم ملا کر اپنے ماتحت کر لیا تو ان امراء سے دست بگریبان ہو گیا۔ پہلے تو یہ امراء الفانسو سے اپنے رقیبوں کو کچلواتے رہے۔ جب اس کا اقتدار بڑھ گیا تو گھبرائے تو اشبیلیہ کے بادشاہ معتمد نے شمالی افریقہ کے حاکم بربری جو مردانی کہلاتے تھے امداد کے لئے طلب کیا وہ الجریا سینٹگل تک چھائے ہوئے تھے اور اندلس پر نگاہیں پڑ رہی تھیں فوراً سمندر کو عبور کر کے آ گئے۔ مردانی بادشاہ یوسف بن تاشقین تھا پہلے الجبرہ پر قبضہ کیا۔ پھر زلاقہ پہنچا اور سنہ ۴۷۹ھ اور سنہ ۱۰۸۶ء کو الفانسو سے جا کر مقابل ہوا۔ اس نے بہت فوج یکجا کر لی

نوٹ :۔ علی بن جمود سادات حسنیہ ادریسیہ سے تھا ادریس ابن عبداللہ ابن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ ادریس سنہ ۱۷۲ھ میں خلفائے بنی عباس کے ظلم وجور سے مغرب چلے آئے اور ملک کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کے بعد عمر بن ادریس حکمران رہے۔ عبداللہ بن عمر پھر علی بن عبداللہ، اس کے بعد احمد بن علی پھر یعقوب بن احمد، پھر جمود بن یعقوب اور اس کے بعد علی بن جمود ایک دوسرے کے بعد حکمراں رہے پھر علی بن جمود نے قرطبہ پر قبضہ جمایا۔

تھی۔ مگر یوسف نے گھیر کر ہزارہا عیسائیوں کا خاتمہ کر دیا۔ الفانسو بمشکل پانچ سو سواروں کو لے کر بھاگا۔ تشتالیہ کے کئی ہزار عمدہ ترین اہلِ سیف اس خونخوار موت کے بازار میں کھیت رہے [1] یوسف ابن تاشقین بانی خاندان المرابطہ حکمران مراکش ۴۷۹ھ ۱۰۸۶ء میں حسب وعدہ مراکش لوٹ گیا اور تین ہزار جرار آدمی اسپین میں حفاظت کے لئے چھوڑ گیا۔ صرف الجیراس پر اپنا قبضہ رکھا۔

۴۸۳ھ ۱۰۹۰ء میں پھر عیسائیوں نے شورش مچائی۔ قلعہ آلیڈو کو چھوڑ کر گیڈرون کی طرف نکل کر حملہ کیا۔ اہلِ سوائل نے یوسف سے مدد طلب کی۔ وہ اندلس آیا۔ اہلِ کسٹائل کو رگیدا۔ اور اندلس کا آئے دن کا قصہ اس طرح طے کیا کہ خود ۴۸۳ھ، ۱۰۹۰ء میں غرناطہ میں داخل ہوا۔ مال و دولت پر قبضہ کیا۔ اسی طرح طاریفا پر تسلط کیا۔ الفنسو نے اس قوت کے روکنے کے لئے الورفنیر کو بھیجا۔ وہ شکست یاب ہوا۔ تمام جنوبی اندلس پر یوسف کا قبضہ ہو گیا۔ البتہ صوبہ

نوٹ:۔ سلطنت مرابطین کی تاریخ یہ ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی کے وسط میں دو آدمی یحییٰ بن ابراہیم اور عبداللہ بن یٰسین مکہ معظمہ میں علوم اسلامیہ کی تحصیل کر کے افریقہ تبلیغ اسلام کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ کوہ اطلس کی اقوام ان کی خدا پرستی کی گرویدہ ہو گئیں۔ یہاں ایک حکومت کی بنیاد قائم کی۔ یہ لوگ المرابطین کہلائے (باہم دوستی رکھنے والے) عبداللہ کا لقب امیر مشہور ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد ابوبکر نامی قائم مقام ہوا۔ افریقہ کے فتح کرنے کے ارادے سے جنگل (کوہ اطلس) سے کوچ کیا۔ ان کے بنی عم یوسف بن تشقین شہر فاس اور مراکو کے بڑے حصہ ملک پر قابض ہو گئے۔ ۱۰۷۳ء میں مرابطین کا اقتدار شمالی اور وسط افریقہ میں بھی تسلیم کر لیا گیا۔ اب یہ گروہ ایک شاہی حیثیت کا ہو گیا۔ مرابطین کا بادشاہ یا سپہ سالار یوسف بن تشقین تھا۔

---

[1] مورس ان اسپین۔ صفحہ ۱۳۴

ویلنشیا سرکشی پر جما رہا۔ اب اندلس افریقہ کا باجگذار بن گیا۔
۵۰۱ھ، ۱۱۰۶ء میں مراکش میں یوسف نے انتقال کیا۔ اس کا بیٹا علی جانشین ہوا۔ اس نے ۵۰۲ھ ۱۱۰۸ء میں قسطلانی فوج کو جس کا بادشاہ الفنسو تھا اکلس کے قریب بڑی شکست دی اور الفنسو کے نابالغ بیٹے ڈون سانچو کو بذریعہ عہدنامہ اپنی اطاعت میں کر لیا۔ مگر ۵۱۲ھ، ۱۱۱۸ء میں شہر سارا گوزا مسلمانوں کے قبضے سے نکل گیا۔
۵۳۸ھ، ۱۱۴۳ء میں علی بن یوسف نے بھی قضا کی۔ اس جگہ اس کے بیٹے تشفین بن علی نے لی۔ مگر اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ۵۴۰ھ ۱۱۴۵ء میں نصرانیوں نے الجیر اس پر قبضہ کیا۔ ۵۴۱ھ ۱۱۴۶ء میں بیوائل اور اتکا بر عیسائی متصرف ہو گئے۔
تشفین نے ۵۴۰ھ، ۱۱۴۵ء میں انتقال کیا۔ اس کا بیٹا ابو اسحاق جانشین ہوا جو آخری بادشاہ تھا۔ عبدالمومن مہدوی نے مراکش اور فاس پر قبضہ کیا۔ اسحاق مرابطی قتل ہوا۔ عبدالمومن نے لشکر جرار لے کر اندلس پر حملہ کرنا چاہا مگر موت نے اس کی تمنا پوری نہ ہونے دی۔ ۱۱۷۳ء میں الفانسو ہشتم شاہ قسطلان پر ایک بڑی فوج لے کر ابو یعقوب یوسف بن عبدالمومن حملہ آور ہوا۔ سارا ملک تاخت و تاراج کر ڈالا۔ چند قلعوں پر قبضہ کر لیا اور چند محافظ چھوڑ کر افریقہ واپس آ گیا۔ پھر شورش کی خبر سن کر دریائے شور سے عبور کر کے اسپین میں داخل ہوا۔ پرتگال میں سانتارم کے مقام پر معرکہ میں زخمی ہوا اور ۵۸۰ھ ۱۱۸۴ء میں انتقال کیا۔ اس کا جانشین ابو یوسف یعقوب الملقب منصور ہوا۔

ف منصور الجزائر پر دریا کی راہ سے اترا اور الارکوس پر الفانسو سے ۵۹۲ھ، ۱۱۹۵ء میں مقابلہ کیا اور اس کو شکست دی اور بعد فتح کے تولیدو کا محاصرہ کیا۔ مگر وہ مسخر نہ ہو سکا مگر میڈرد اور گواد الاکترا پر قبضہ کر لیا۔ ۵۹۶ھ ۱۱۹۹ء میں اس شجاع لائق نامور بادشاہ نے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سلطنت میں فتور آگیا۔ چودہ برس حکمران رہ کر ۱۲۲۴ء کو قضا کر گیا اور اپنا کوئی وارث نہ چھوڑا۔

۶۲۱ھ، ۱۲۲۴ء میں ابوالملک عبدالواحد قائم مقائم ہوا۔ مگر چند ماہ بعد ابومحمد ملقب بہ عادل اس سلطنت کا دعوے دار پیدا ہوا۔ ابوالملک سے معرکہ آرائی ہوئی اس میں یہ کام آیا۔ اب ابومحمد حاکم ہوگیا۔ ۱۲۲۷ء، ۶۲۵ھ میں یہ بھی قتل ہوا۔ اس کی جگہ ابوعلی المامون تخت نشین ہوا تو اس کے مقابل یحییٰ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس زمانہ میں ابن ہود پیدا ہوگیا۔ اس کے ساتھ ایک جماعت ہوگئی۔ اس نے اندلس کا بادشاہ اپنے کو قرار دے لیا۔ المامون ۱۲۳۲ھ، ۶۳۰ء میں مر گیا تو ابن ہود کے لئے میدان صاف تھا۔ ایوانِ حکومت کو خالی دیکھ کر اس پر قبضہ کیا اور اندلس کے بیشتر جنوبی حصہ پر حکومت کرنے لگا۔ المامون کے قائم مقام محمد نے اپنا اقتدار اسپین پر جمانا چاہا مگر تمام مساعی بے سود رہیں۔ اسپین کی حکومت چند حصوں میں تقسیم ہوگئی۔

ابن ہود ایک حصہ پر، ارا کان کچھ حصۂ اندلس پر حاکم ہوا۔ محمد بن الاحمر صوبہ عینین اور غرناطہ کا بادشاہ تھا۔ جمعیت بن زید وانشیا کے اضلاع پر قابض ہوا۔ یہ تینوں بادشاہ ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو کر ضعیف ہوتے چلے

(بقیہ حاشیہ صد۲۳ سے آگے) انتقال کیا۔

اس کے بعد محمد بن عبداللہ جس کا لقب ناصر لدین اللہ تھا، تخت نشین ہوا۔ کئی لاکھ کی فوج لے کر ۱۲۱۱ء، ۶۰۸ھ میں افریقہ سے روانہ ہوا اور آبنائے ہسپانیہ کو عبور کر کے لاس ناداس کے میدان میں پڑاؤ کیا۔ اس خبر سے نصرانیوں میں وحشت پھیل گئی۔ پوپ اعظم انوسنت نے تمام سلطنتوں کے باشندوں کو حکم دیا کہ وہ ناصر لدین اللہ سے مقابلہ کریں۔ چنانچہ کئی لاکھ فوج آ جمع ہوئی۔ مسلمانوں کا کشت وخون بہت ہوا۔ چند نفوس جان بچا سکے۔ سلطنت مہدویہ کا زوال ہوا۔ ۶۱۰ھ، ۱۲۱۳ء میں ناصر الدین مر گیا۔ یوسف دوم تخت پر بیٹھا۔ گیارہ برس کی عمر تھی۔ اس سے انتظام سلطنت نہ ہو سکا۔

گئے۔ اب ان مسلمان بادشاہوں کا یہ عالم ہُوا کہ عیسائیوں نے حملہ کیا تو ان میں قوت باقی نہ تھی کہ ان کا حملہ روکتے۔ آخر کار یہ تینوں حکمران عیسائی بادشاہ سے مغلوب ہو گئے۔ قرطبہ کو جو دارالسلطنت اسپین کا تھا ۶۳۴ھ، ۱۲۳۶ء میں عیسائی حکمران نے لے لیا۔ دانشیا پر ۱۲۳۸ء میں عیسائی قابض ہو گئے۔ وینسیا ۶۴۲ھ، ۱۲۴۴ء میں مسلمانوں کے قبضہ سے نکلا۔ ۶۴۴ھ، ۱۲۴۶ء میں تمام قلعے جو دریائے گوادل کو پر واقع تھے جن کا سلسلہ جیّن سے سَوَیلی تک تھا عیسائی مملکت سے جا ملے سویلی میں برائے نام اسلامی حکمرانی رہ گئی تھی۔

غرضیکہ اب عام مسلمان سردار اور خود مختار صوبہ تباہ و برباد ہو چکے تھے صرف ایک نصر بن عمر بچ رہا تھا۔ اس کے قبضہ میں اندلس کا جنوبی حصہ یعنی صوبہ غرناطہ رہ گیا تھا جس کا رقبہ اس زمانہ میں پچاس ساٹھ ہزار میل مربع ہو گا۔

امرائے اندلس

نام	تاریخ خلافت	نام	تاریخ خلافت
عبدالرحمٰن الداخل	۱۳۸ھ لغایۃ ۱۷۲ھ	محمد ثانی	ربیع الاوّل ۴۰۰ھ
ہشام	۱۸۰ھ	سلیمان	شوال ۴۰۰ھ
الحکم	۲۰۶ھ	محمد ثانی مکرر	ذی الحجہ ۴۰۰ھ
عبدالرحمٰن ثانی	۲۳۸ھ	ہشام مکرر	۴۰۳ھ
محمد	۲۷۳ھ	سلیمان مکرر	۴۰۷ھ
المنذر	۳۰۰ھ	عبدالرحمٰن المرتضیٰ	۴۰۹ھ
عبداللہ		القاسم بن حمود	۴۱۰ھ
خلفائے اندلس		عبدالرحمٰن المستظہر	۴۱۳ھ
عبدالرحمٰن الناصر	۳۵۰ھ	القاسم بن حمود	۴۱۴ھ
الحکم ثانی	۳۶۶ھ	یحییٰ بن حمود	۴۱۲ھ
ہشام	۳۹۹ھ	القاسم بن حمود	۴۱۶ھ

ہشام ثالث	سنہ ۴۲۲ھ	(قرطبہ)		
علی بن حمود	سنہ ۴۰۷ھ تا سنہ ۴۰۸ھ	حسن (المستنصر باللہ)	سنہ ۴۳۴ھ	
القاسم المامون	سنہ ۴۰۸ھ	نجا صقلبی		
یحییٰ المعتلی	سنہ ۴۱۰ھ	ادریس (العلی باللہ)	سنہ ۴۳۴ھ تا سنہ ۴۳۸ھ	
القاسم مکرر	سنہ ۴۱۳ھ	محمد (المہدی)	سنہ ۴۴۴ھ	
عبدالرحمٰن خامس (بنی امیہ)		ادریس ثالث (الموافق)	سنہ ۴۴۶ھ	
محمد ثالث	"	ادریس ثانی مکرر	سنہ ۴۴۶ھ	
یحییٰ مکرر	سنہ ۴۱۶ھ	محمد ثانی	سنہ ۴۴۹ھ	
مالقہ		اس کے بعد مالقہ سلطنت غرناطہ میں ختم ہوگئی۔		
ادریس از سنہ ۴۲۶ھ سنہ ۴۳۱ھ		الجزیرہ		
المتاحد باللہ		محمد بن القاسم بن حمود	سنہ ۴۳۱ھ تا سنہ ۴۴۰ھ	
یحییٰ	ایک ماہ	القاسم بن محمد		

موحدین

مغرب کے قبائل میں سے ایک فرد محمد بن عبداللہ بن تومرت تھا۔ جامع قرطبہ میں اُس نے معمولی ملازمت کر کے علومِ دینی کی تحصیل شروع کر دی، پھر بغداد کا سفر کیا اور مدرسہ نظامیہ کے متبحر صدر مدرس امامِ وقت حضرت محمد بن غزالیؒ کے درس میں شریک ہُوا۔ بعد فراغت مغرب میں واپس آیا اور امام غزالیؒ کے خیالات کی اشاعت شروع کی۔ پھر کوہِ اطلس کے قریب صحرا میں قیام کیا۔ اس کے مذہبی شغف سے بہت سے لوگ معتقد ہو گئے تومرت نے مہدیت کا دعویٰ کر دیا۔ معتقدین میں ایک نوجوان عبدالمومن بھی تھا۔ اس نے تومرت کی بڑی خدمت کی اور اس کے

خیالات کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی۔

اس زمانے میں مرابطین کا اقتدار بڑھا ہوا تھا۔ جب تومرت اور عبدالمومن کے ساتھ ایک بڑی جماعت ہو گئی تو انہوں نے حکومت مرابطین کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ بادشاہ مرابطین علی بن تشقین تھا۔

تومرت نے تمام مسلمانوں کو دعوت دی کہ یہی زمانہ آوابِ دینیہ کے پھر زندہ کرنے کا ہے اور میں مہدی ہوں اور فضائلِ اسلام اور عدل کو از سرِ نو پھیلانے کے لئے آیا ہوں۔ کثرت سے لوگ اس کی طرف کھینچنے لگے تو ترک مکانی کر کے سوس کے شہر تنمال کو جائے اقامت ٹھہرایا اور قلعہ تعمیر کیا۔ مجلسِ شوریٰ خواص کی قائم کی۔ جس میں انفوس جیسے دانش مند شاگرد شامل کئے۔ دوسری مجلس عام ستر آدمیوں کی قائم کی۔ مجلس خواص کا رکن رکین عبدالمومن تومرت کا شاگرد رشید تھا۔

بعض قبائل مرابطین سے عناد رکھتے تھے جن میں خطوط ہرجہ حدمیہ قبائل پیش پیش تھے۔ وہ سب تومرت کے جھنڈے تلے آ جمع ہوئے۔ جب فدائی کثرت سے جمع ہو گئے تو ۵۰۶ھ، ۱۱۱۲ء میں مرابطین سے لڑائی شروع کر دی اور تین لڑائیوں میں ان پر فتح حاصل کی۔ ۵۱۷ھ، ۱۱۲۳ء میں شہر مراکش کا محاصرہ کر لیا جو مرابطین کا دار السلطنت تھا مگر ناکامی سے تومرت کو ہٹنا پڑا۔ مگر عبدالمومن نے پھر ہمت سے کام لیا اور تمام نقصانات کی تلافی کر لی۔ تومرت نے عبدالمومن کو اپنا جانشین قرار دیا۔ ۵۲۵ھ، ۱۱۳۰ء میں تومرت انتقال کر گیا۔

عبدالمومن نے بارِ خلافت کو سنبھالا۔ یہ عالم بھی تھا اور سپہ سالار بھی۔ اس کی جبلت میں استقلال کُوٹ کُوٹ کر بھرا تھا اپنے ساتھیوں جن کو موحدین کہا جاتا تھا ان کی دلجوئی اور خاطر و مدارت اس طرح کرتا تھا کہ ہر ایک اس کا گرویدہ ہو گیا۔ اب اس کی توجہ ملک گیری کی طرف منعطف ہوئی۔ تھوڑے عرصہ میں ایک ایسی مملکت پیدا کر لی جو مملکت مرابطین سے بدرجہا بڑھ کر تھی۔ جس قدر قبائل تنمال سے لے کر شہر ضالہ تک تھے وہ سب عبدالمومن کے تابع فرمان ہو گئے ۵۳۶ھ

۱۱۳۷ء میں بلاد فاس اور بلاد تلالہ کو بھی لے لیا۔ پھر تلمان اور شہر عران پر بھی قبضہ جمایا۔ اور اب اس کی نگاہ مراکش پر تھی۔ اس وقت تشفین بن علی سردار مرابطین تھا اس سے تلمان پر جنگ کی وہ شکست کھا گیا اور ۵۴۰ھ ۱۱۴۵ء میں مر گیا۔

عبدالمومن، قلعے جو سامنے آتے گئے فتح کرتا ہوا ساحلی قلعہ تک پہنچا۔ اس قلعہ کے لوگ قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ عبدالمومن نے اس دریا میں نہایت مضبوط بند باندھا جس کی وجہ سے اس کا پانی بڑھنے اور چڑھنے لگا۔ پھر اس نے دفعتہً اس بند کو کھول دیا۔ اس ناگہانی سیلاب سے شہر پناہ گر پڑی اور شہر غارت ہو گیا۔ ان حوادث کے بعد ۵۴۱ھ، ۱۱۴۶ء میں مراکش پر بھی قبضہ کر لیا اور ۵۵۳ھ ۱۱۵۸ء تک شہر سلجلمش اور ان تمام کو اپنے زیر حکومت کر لیا جو عران تلمان کے مابین بلاد واقع تھے۔

عبدالمومن نے نارمنڈی کے نصرانیوں کی طرف توجہ کی۔ شہر صالہ سے کوچ کا حکم دیا۔ ایک طبل بجوایا جس کا عمق پندرہ گز کا تھا اور اس کی آواز نصف میل کے فاصلہ سے سنائی دیتی تھی تونس کی طرف روانہ ہوا۔

سفر میں اُسے چاروں طرف سے معزز سردارانِ قریش اور اکابر و مشائخ اپنے درمیان گھیرے ہوئے تھے وہ سب عمدہ گھوڑوں پر سوار تھے جن پر طلائی و نقرئی زین کسے ہوئے تھے اور اُن کے ہاتھوں میں نیزے تھے جن کے نیچے ہاتھی دانت کی بوریاں تھیں اور اُوپر بھالوں کے قریب بیرقیں اور مختلف رنگوں کی ڈوریاں لگی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے باجے والے تھے جن کے پاس قرنائیں اور جھانج وغیرہ آلاتِ طرب تھے۔

یہ لشکر صبح سے دوپہر تک چلتا باقی وقت آرام کرتا۔ اس لشکر کے چار حصے تھے۔ ہر ایک کا علم جداگانہ تھا اور ہر ایک کا زادِ راہ اور جملہ لوازمات ساتھ رہتے۔ آخر ش نارمنڈیوں سے مقابلہ کیا۔ پھر تونس، طرابلس، نکلس، مہدیہ، قابس قیروان فتح کر لئے اور ۵۷۶ھ، ۱۱۸۰ء میں جزیرہ سسلیا کے بادشاہ کو بھی زک دی۔

پھر جزائر بلیارہ تک ۵۸۱ھ، ۱۱۸۵ء میں موحدین نے اپنی حکومت کے دائرہ کو وسیع کر لیا۔ پھر اندلس کی طرف متوجہ ہوا۔ الجرف پر جو پہلے سے جو گورنر تھا وہ تومرت کا معتقد تھا اس نے اپنے ہم عقیدان برادران کو اندلس کے ممالک پر حملہ کی دعوت کو قبول کیا اور زبردست حملہ کیا۔ الجرف پر قبضہ کیا۔ ۵۴۲ھ، ۱۱۴۷ء سے ۵۵۱ھ، ۱۱۵۶ء سے ۵۵۵ھ کو روک دیا۔

موحدین نے ۵۰۹ھ، ۱۱۵۰ء سے ۵۵۱ھ، ۱۱۵۶ء میں المریۃ تسخیر کیا جو الفنس ہفتم کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ موحدین کا تیسرا حملہ ۵۵۱ھ، ۱۱۵۶ء سے ۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء تک رہا۔ غرناطہ فتح ہو گیا۔ پھر شہر دلنسہ پر قبضہ جمایا۔ مگر اندلسی عربوں نے ان سے چھین لیا۔

عبدالمومن کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ اس کا نام یوسف تھا۔ ان موحدین نے اندلس کے سرحدی نصرانیوں کو بڑی بڑی شکستیں دیں۔ الفنس ثالث کے مقابلہ میں کامیابی پر بیس ہزار عیسائی گرفتار کئے۔ بقیہ حالات بیان کئے جا چکے ہیں۔

موحدین نے اندلس میں اس کی وہی قدیم رونق وعظمت از سر نو زندہ کر دی تھی جو اس ملک کو خلفائے بنی اُمیّہ کے عہد میں حاصل رہ چکی تھی۔ عبدالمومن، یوسف یعقوب تینوں حکمران تمام قومی عیدوں اور ایام مسرت میں جوشِ مسرت اور قومی شان وشکوہ اور زیب وزینت دکھانے کے بے حد شائق رہے۔ ان کے عہد میں ہر تہوار کمال رونق اور دھوم دھام سے ادا کیا جاتا تھا۔

یہ حکمران علوم فنون اور صنعت وحرفت کے بھی بڑے حامی تھے۔ ان کا عمل بالکل احکام شریعتِ اسلامیہ کے مطابق تھا۔ انہوں نے ترویج وتوسیع علوم کے لئے عام مدارس قائم کئے اور نوعمروں کے لئے جداگانہ مدرسے بنائے تھے۔ یہ موحدین علمائے اسلام سے نہایت فیاضی کے ساتھ پیش آتے تھے[1]

---

[1] تاریخ عرب موسیو ص ۳۱۶

امیر یوسف نے اشبیلیہ میں قصر اور مساجد تعمیر کرائیں اور دریا پر ایک بہت عمدہ پُل کشتیوں کا بنایا اور شہر فصیل بھی درست کرائی۔ دریائے وادی الکبیر میں بند باندھ کر ایک نہر نکالی جس سے تمام شہر میں بہت کثرت سے پانی جاری رہتا تھا۔

امیر یعقوب نے عمر قوص کی فتح پر وہاں شاندار مسجد تعمیر کی جس کا ارتفاع ۲۱۷ قدم تھا اور اس کی چوٹی پر ایک آہنی کرہ (گنبد یا گولا) بنایا تھا جس پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ سونے کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی۔ یہ کرہ ایک ستون پر رکھا ہوا تھا اور فقط اس ستون کا وزن دس قنطار تھا۔

امیر یعقوب نے اپنی سلطنت کے ہر حصہ میں فقراء کے لئے تکئے، عام مریضوں کے لئے شفاخانے اور نیز خاص لوگوں کے لئے جو لڑائی میں زخمی ہوں علیحدہ شفاخانے تیار کئے تھے۔ اس نے بیابانوں میں کنوئیں کھدوائے اور مسافروں کے لئے مسافر خانے بنوائے تھے۔ قاضیوں اور دینی عالموں کو آسودہ حال بنایا۔

امیر یعقوب سنہ ۶۱۹ھ ۱۲۲۲ء میں انتقال کر گیا۔ اس کے خاندان سے محمد بن ہتود نے حکومت اندلس چھین لی۔

موحدین کا فرمانروا مامون نے تومرت کے مقرر کردہ قوانین سب باطل کر دیئے۔ اس سے سلطنتِ موحدین کو بڑا ضرر پہنچا۔ سنہ ۶۴۰ھ ۱۲۴۲ء میں والی تونس نے بغاوت کر دی۔ سنہ ۶۴۶ھ ۱۲۴۸ء میں بنو زیان نے تلمسان اور الجزائر کے شہروں میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کا دائرہ کچھ عرصہ میں فاس تک پھیل گیا۔

ابو یوسف بنی مرین سے بلاد مغرب میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے علم بغاوت بلند کر کے فاس، طارہ اور مراکش موحدین سے چھین لئے اور سنہ ۶۴۸ھ ۱۲۵۰ء سے سنہ ۶۶۹ھ ۱۲۷۰ء تک اُن سے لڑ کر غالب ہو گیا۔ مغرب کے بربری عرب اس کے مطیع ہو گئے۔

پھر ان لوگوں کے خاندان میں حکومت متوارث ہو گئی اور تونس میں بنو حفص تلمسان میں ربانیہ اور مراکش میں مرینیہ خاندان والے تیرھویں صدی عیسوی

سے سولہویں صدی عیسوی تک حکومت کرتے رہے۔

عُلمائے قرطبہ

ابو عمر احمد بن محمد بن زید بن حبیب بن قدیر بن سالم قرطبی سلطان ہشام ابن الحکم کے آزادہ کردہ غلام کا بیٹا تھا۔ علم حدیث و تاریخ کا مستند عالم تھا۔ ۲۴۶ھ ۸۶۰ء میں پیدا ہوا اور ۳۲۹ھ، ۹۴۰ء میں انتقال ہوا۔ اس کی تصنیف عقد الفرید ہے۔ قرطبہ میں دفن ہوا۔[1]

یحییٰ بن یحییٰ ابن کثیر اللیثی بربری الاصل تھا۔ زیاد بن عبدالرحمٰن عرف شیطون قرطبی سے موطا امام مالک سنی اور یحییٰ بن نصر القیسی سے سند لی۔ ۲۸ سال کی عمر میں مدینہ پہنچ کر امام مالک کے درس میں شریک ہوئے مکہ گئے سفیان ابن عیینہ سے اور مصر میں لیث بن عبداللہ اور عبدالرحمٰن بن القسم سے احادیث کی سند لی[2]۔ تلامذۂ امام مالک سے سند فقہ لی۔ اندلس واپس آئے۔ بقول ابو الولید ابن الفرضی یحییٰ تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر آئے تو وہ علم و فضل اور عقل و دانش میں یگانہ روزگار اور نہایت متقی و پرہیزگار تھے۔

سلطان عبدالرحمٰن ثانی نے عہدۂ قاضی القضاۃ پیش کیا۔ تقویٰ کی وجہ سے قبول نہیں کیا۔ مالکی مذہب اندلس میں یحییٰ کی بدولت شائع ہوا۔

۸ رجب ۲۳۴ھ، ۸۴۸ء میں انتقال کیا۔ مقبرہ بنی عامر میں دفن ہوئے۔[3]

ابن الفرضی ابو الولید عبداللہ بن محمد یوسف بن نصر الفرضی فقیہ و محدث تھا۔ المختلف والموتلف مشتبہۃ النسبۃ تصنیف سے ہے۔ ۳۸۲ھ میں حج کیا اور ۴۰۳ھ، ۱۰۱۳ء میں قرطبہ میں قتل ہوا[4]۔ اس کا ذکر تفصیل سے علمائے

---

[1] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۳۰ [2] تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۶ [3] الاعلام جلد ۳ صفحہ ۱۱۵۷

اندلس میں آگئے ہے۔

ابن زیدون ابوالولید احمد بن عبداللہ بن احمد بن زیدون المخزومی الاندلسی ۱۰۰۳ء ۳۹۴ھ میں پیدا ہوئے، وطن قرطبہ تھا۔ نثر ونظم میں امام فن تھا۔ المعتضد رئیس اشبیلیہ کا وزیر تھا۔ حکمرانی کی اعلیٰ قابلیت تھی۔ شاعر "بیعدیل" تھا۔ صاحب دیوان ہے ۴۶۳ھ ۱۰۷۰ء میں انتقال ہوا[1]

ابوعمر یوسف ابن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عاصم النمری القرطبی ۳۶۸ھ میں پیدا ہوا۔ حافظ خلف ابن قاسم۔ عبدالوارث بن سفیان اور ابوسعید بن سفر محمد بن عبدالمومن، ابوعمر دباجی، ابوعمر الطلمنکی اور ابوالولید بن الفرضی وغیرہ سے قرطبہ میں روایت حدیث کی۔ ابوالقاسم السقطی المکی حافظ عبدالغنی بن سعید ابوذر ہروی ابومحمد بن نحاس مصری سے احادیث تحریری لی ہیں۔ ابوعمر فقہ میں بھی متبحر عالم تھے۔ مؤطا امام مالک پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ۷۰ جلدیں الاستذکار لمذہب ائمہ الامصار فی ما تضمنہ الموطا من معانی الرائے والاثار (شرح موطا) کتاب الاستیعاب (اسماء صحابہ) الدرر فی اختصار المغازی والسیر۔ غرضیکہ بہت سی تصانیف ہیں۔

۲۹ ماہ ربیع الآخر ۴۶۳ھ ۱۰۷۰ء شہر شاطبہ میں بروز جمعہ انتقال کیا۔ امام ابن حزم ظاہری قرطبہ میں ۲۰ رمضان ۳۸۴ھ ۹۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ حدیث وفقہ کے مستند عالم تھے۔

ان کا مفصل ذکر راقم سطور نے علمائے حق میں لکھا ہے کچھ ذکر آگے آتا ہے کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل۔ الاجماع مراتب العلوم۔ تقریب نقط العروس وغیرہ یادگار سے ہیں۔ ۲۷ شعبان ۴۵۶ھ ۱۰۶۳ء کو انتقال ہوا۔

ابن جلجل ابوداؤد سلمان بن حسان جلیل القدر طبیب اندلس تھا تشریح

---

[1] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۵۳ ..

اسمائے مفردات ایک کتاب خلیفہ ہشام کے نام سے معنون کی تھی جو ۳۷۲ھ، ۹۸۲ء میں لکھی گئی۔

ابو غالب التیانی کا ۴۳۶ھ میں اور ابوالولید الباجی کا جو کتاب المنتقی اور احکام الفصول فی احکام الاصول اور بہت سی کتابوں کا مصنف ہے۔ ۴۷۴ھ میں انتقال ہوا۔[1]

ابن بشکول ابوالقاسم خلف بن عبدالملک بن مسعود الخزرجی انصاری قرطبی مصنف صلہ (تذکرہ علمائے اندلس) ۵۷۸ھ میں انتقال کیا۔

فیلسوف اندلس ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد ۵۱۴ھ، ۱۱۲۰ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا متبحر فقیہ حافظ بن محمد بن رزاق سے تحصیل علم کی اور پیروان بن زہر سے طب حاصل کی۔ دنیائے اسلام میں یگانہ روزگار ہستی تھی۔ تفصیلی حالات راقم کی تصنیف "فلاسفہ اسلام" میں دیکھئے۔[2]

المنصور سلطان قرطبہ اور خلیفہ الناصر ابن رشد کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ ایک عرصہ تک قرطبہ اور اشبیلیہ کا قاضی القضات رہا۔ ۵۹۵ھ ۱۱۹۸ء میں انتقال ہوا۔

قرطبہ میں ہزار علماء تھے جن کے حالات عربی تصانیف میں محفوظ ہیں۔ ابوعلی الغسانی، ابوعلی الحسین بن محمد بن احمد الغسانی۔ الجیانی محدث و فقیہ تھے۔ مدت العمر مسجد قرطبہ میں درس حدیث میں لگے رہے۔ ۴۹۷ھ ۱۱۰۳ء میں انتقال ہوا۔

تباہی کے اسباب

مرکزی حکومت قرطبہ کی تفصیل سامنے آ چکی۔ مگر اس جگہ مختصراً وہ اسباب بیان

---

[1] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ [2] فلاسفہ اسلام از انتظام اللہ شہابی صفحہ ۱۳۵

کرنے ہیں جو اس حکومت کی تباہی کا باعث ہوئے۔

بنی امیہ نے اندلس میں کئی سو برس حکومت کی اور جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

خلفائے بنی اُمیّہ میں پہلی خانہ جنگی ہشام کے زمانہ میں اُس کے بھائی سلیمان اور عبداللہ نے ۱۸۱ھ، ۷۸۹ء میں کی۔ مگر ہشام کی قوت کے مقابلہ میں زیر ہوا لیکن وہ پھر ہشام کے بیٹے الحکم کے مقابلہ میں آیا۔ سلیمان مرگیا۔ عبداللہ کا عفو تقصیر ہوا۔ مگر الحکم کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی خلیفہ ہوا تو عبداللہ نے والنسیہ پر افریقہ کے بربر قوم کے افراد لے کر حملہ کردیا۔ مگر کچھ سوچ کر عبدالرحمٰن سے صلح کرلی۔ تاہم یہ آگ خاندانی سلگتی رہی۔ پھر نمایاں صورت ۷۹۶ھ سے ۱۱۰۰ء تک جھگڑے کی نہ پیدا ہوئی۔

البتہ خلفائے اندلس نے عرب امراء اور دوسرے سرگروہوں کو سراہا اور ان کو ترقی کرنے کے مواقع دیئے اور انہوں نے جب خلفاء کو کمزور دیکھا اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں سب سے بڑھ کر کارمونہ اور بائُطہ کے والی تھے۔

۷۶۱ء، ۳۵۹ھ میں علی بن مغیث نے حکومتِ اندلس کے خلاف چڑھائی کی تو یہ اس کے مددگار ہوئے۔

والی طرطوس وہ تھا جس نے مذکور الذکر اور سلیمان اس کے بھائی عبداللہ کی بغاوت میں حصّہ لیا۔ سرقسطہ مریدہ، طلیطلہ کے والیوں نے بھی موقعہ بہ موقعہ کشت و خون و ہنگامے میں حکومت کے خلاف کمی نہ کی۔ عمرو بن حسن اور کالب کی کارفرمائی کو زیادہ دخل رہا۔

عمرو بن حسن نے دستور رہزنی کا اختیار کرلیا تھا۔ سلطنت مسلمان اور عیسائیوں کی کے درمیان اپنی حکمرانی قائم کی تھی۔ ۲۴۹ھ، ۸۶۳ء سے ۲۵۲ھ، ۸۶۶ء تک صوبہ ارغون کے اکثر حصّہ پر علمبردار بن گیا تھا اور اس نے بہت سے والیوں اور سرداروں سے سازباز کر رکھا تھا۔ اس کی سرکوبی کے لئے سلطان محمد اٹھا تو اندلس اور فرانس کے درمیان کوہستان برنیہ میں جاکر پناہ گیر ہوا اور شاہ نوارہ سے مل گیا اور پھر فوج لے کر

صوبہ ارغون پر قابض ہو گیا۔ ابرہ ندی تک اس کا تسلط تھا۔ ایبر کی جنگ میں کام آیا۔ مگر اس کا بیٹا کالب سلطان منذر کے مقابل آیا۔ طلیطلہ اور فونسو نے اس کی معاونت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ۲۷۲ھ، ۸۸۶ء میں ان پر قابض ہو گیا اور خلفائے بنی امیہ کے جس قدر مخالف تھے ان کو ایک محاذ پر لے آیا۔ شہر طاتون سے لے کر منبع دریائے تاج تک تمام ملک کا مالک بن بیٹھا اور اس پر بس نہیں کیا۔ ایالت اور انمون اور قطالونیہ کے ایک حصہ اور طرطوس سے شہر مرسیہ تک کے سواحل پر بھی قبضہ جمایا۔

یہ اندرونی خانہ جنگی خلفائے اندلس کی قوت کو کمزور کر رہی تھی۔ کالب کا دل مسلمانوں پر حملہ کرنے سے بھر گیا تو نصاریٰ جن کو حکومت کے خلاف ابھارا تھا اُن کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ ۲۷۸ھ، ۸۹۱ء میں جنگِ زامورہ میں اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ادھر مجبوری درجہ اس فتنہ کے دفعیہ کے لئے خلفائے امویہ اور بادشاہانِ مملکتِ لیون متفق ہو گئے۔ ۳۰۱ھ، ۹۱۳ء میں سلطان عبدالرحمٰن ثالث نے اس پر فتح پائی اور شرقی اندلس کا تمام ملک اس کے قبضہ سے چھڑا لیا۔ کالب کے ہاتھ میں بجز طلیطلہ اور ایالت اڈموتن کے سوا کچھ نہ رہا۔ آخر ش ۳۱۰ھ، ۹۲۲ء میں وہ مر گیا۔

مریدہ والوں نے بھی کچھ فتنے ۲۱۲ھ، ۸۲۷ء اور ۳۱۴ھ، ۹۲۶ء میں اُٹھائے مگر جلد دب گئے۔ ان عرب امراء سے زیادہ بربریوں نے حکومت کے قصر کو ڈھانے کی سعی کی۔

عبدالرحمٰن اوّل نے بربریوں کو نوازا۔ انھوں نے مغربی زناتہ قبائل کے لوگ بلا کر اپنے خفیہ (باڈی گارڈ) مقرر کئے۔ پھر عبداللہ اور ۲۸۸ھ، ۹۰۰ء تک دیگر خلفاء ان کو نوازتے رہے۔ اس پر ان خلفاء نے یہ کیا کہ قسطنطنیہ سے سلاوریہ قوم کے غلام منگوائے اور ان کو ہتھیار باندھنے اور ان کو استعمال میں لانے کے قواعد سکھائے اور اپنا باڈی گارڈ بنایا۔ جس سے یہ ضرور ہوا کہ کچھ عرصہ کے لئے خود سر عرب اور بربر دب گئے۔ ۱۳۸ھ، ۷۵۵ء سے لے کر ۳۹۹ھ، ۱۰۰۸ء تک

بالکل کوئی جھگڑا اُن سے سرزد نہ ہوا۔ کچھ عرصہ بعد یہ غلام سیاسی کاموں میں بھی دخیل ہونے لگے۔ حکومت کے انحطاط پر اُنھوں نے بھی نمک حرامی کی جس سے حکومت امویہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔

اقتدار نصاریٰ

بعض کوتاہ اندیش خلفائے اندلس اور امرائے عرب کی خانہ جنگی نے سرحدی نصرانی حکومتوں کو اپنی پائمال شدہ حالت سدھارنے کا موقعہ دیا۔ چنانچہ سرحدی ریاستوں نے یورپ میں اپنے نمائندے بھیج کر مسلمانوں کے فرضی ظلم کی داستانیں سنائیں جس سے تمام یورپ میں مسلمانوں سے لڑنے کا عام جوش پھیل گیا اور جوق در جوق ادھر سرحد کی معاونت کے لئے نصرانی آنے لگے۔ ان میں ریمنڈ بوگونی اور ہنری بینزونی دو سرداروں نے ایسی جنگی خدمتیں اور کارہائے نمایاں کئے کہ شاہ الفنس نے اپنی بیٹی پرنسس اورا قہ ریمنڈ کو بیاہ دی اور دوسری لڑکی پرنسس طیر نبرہ ہنری کے حبالہ عقد میں دیدی۔ ہنری نے ریاست لوزیتانیا کا جس قدر ملک فتح کیا تھا وہ بھی شہزادی طیرنبرہ کے جہیز میں ہنری ہی کے حوالہ کیا۔

ریمنڈ کو کوئی ملک نہیں ملا مگر اسے یہ توقع تھی کہ قسطیلہ کی سلطنت اس کے حصہ میں آئے گی۔ چنانچہ شاہ الفنس کے بعد وہ قسطیلہ اور لیون کا بادشاہ ہو گیا۔ ۵۱۴ھ ۱۱۲۰ء میں نصاریٰ اسپین کی حکومت اندلس کے اس تمام حصہ ملک پر قائم تھی جو طیطلہ سے دریائے ابرہ تک ممتد ہوتا چلا گیا ہے۔

اس کے بعد ریاست اراگون کے فرمانروا الفنس نے شہر دانتہ پر چڑھائی کی اور افریقہ کے سلطان مرابطین کی طرف سے اس ملک میں جتنے گورنر تھے وہ سب کو شکست دی اور اندلس کے میدانی علاقوں کو فتح کر لیا۔ اس حملہ میں نواح غرناطہ کے بارہ ہزار مسلمان عرب بھی الفنس کے زیر علم سرفروشی کر رہے تھے جس کی وجہ ان کا مرابطین سے برسر عناد ہونا تھا۔ پھر ۵۱۹ھ ۱۱۲۵ء میں الفنس نے مملکت

مرسینہ پر حملہ کیا اور غرناطہ کے حوالی کو دل کھول کر تاخت و تاراج کیا۔ وہ اس لڑائی میں مملکت غرناطہ وغیرہ کے بہت سے عربوں کو بھی اپنے ساتھ پکڑ لے گیا تھا جنہوں نے شہر مراغوسہ میں سکونت اختیار کر لی۔

الفنس کی یہ حرکت دیکھ کر مرابطین کے فرماں رواؤں نے اپنی سپاہ کو شدید حکم دے دیا کہ ممالکِ اسلامیہ کی حدود میں جس قدر نصرانی آباد ہیں انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ اور ان کے مجمعے متفرق کر دیئے جائیں۔

اس حکم کی پُورے طور پر تعمیل کی گئی۔ بلکہ اس پر اتنا اور اضافہ بھی ہُوا کہ جن نصرانیوں پر دُشمن سے مراسلت کرنے کا شُبہ ہوا تھا ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی جائدادیں اور گھر بار فروخت کر کے بلادِ مغرب یعنی افریقہ میں منتقل ہو جائیں۔

یہ کارروائی الفنس ریمنڈ شاہ قسطیلہ و لیون کے جواب میں اثر ڈالنے کے لئے کی گئی تھی۔ مگر وہ اس سے کچھ بھی متاثر نہ ہُوا۔ بلکہ ۵۲۸ھ ؁۱۱۳۳ء میں پھر ایک سپاہ جرار کے ساتھ اندلس کے اسلامی ممالک پر حملہ آور ہُوا۔ اس حملہ میں اس نے اشبیلیہ اور قادس کے اطراف کو خوب تباہ و برباد کیا۔

الفنس ریمنڈ کچھ تو ان مجاہدانہ کارناموں کی وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ نوارہ اور اراغون کے نصرانی بادشاہوں کے مابین ثالث بنایا گیا اور مناسب و مُوثر فیصلہ کیا تھا۔ امپر یعنی شہنشاہ کے لقب کا مستحق ہو گیا اور اب وہ امپراطور کہلانے لگا۔

اسی طرح اس کے ہم زلف ہنری نے بھی الجرف کی ہمت بلاد اسلامیہ پر حملہ کیا۔ جادا چوڑا سبجا۔ آفوزہ اور انوآنہ کے والیان تک متفق و متحد ہو کر ہنری کی مقاومت کے لئے آئے اور اس متفقہ لشکر نے دشمن کا مقابلہ کیا لیکن اودلیقہ کی سنگستانی سرزمین کے نزدیک مسلمانوں کے اس متحدہ لشکر کو شکست ملی۔

اب ہنری کی قوت و شوکت بھی خوب مستحکم ہو گئی کیونکہ وہ ان منظم والیان ملک کے علاقہ کا حکمران ہو گیا تھا اور مسلمان اب کچھ حصہ ملک پر حکمران رہ گئے تھے۔

اشبیلہ

خلیج بسکی سے ۶۲ میل کے فاصلہ پر ساحل وادی الکبیر پر جبل اشرف کے دامن میں اشبیلہ آباد ہے۔ یہ شہر موسیٰ بن نصیر کے بعد اولین عامل عیسیٰ بن عبداللہ الطویل کی ماتحتی میں تھا۔ لیکن بعد میں عبدالعزیز بن موسیٰ گورنر مقرر ہوا جس نے لذریق کی نوعمر بیوہ اشلونہ سے عقد کر لیا تھا۔ بغاوت کے الزام میں خلیفہ اموی کے حکم سے گرجا سے روفینیہ میں قتل کیا گیا۔

۵½ سال تک مسلمانوں کے زیرنگیں رہا۔ اولین فرماں روائے اشبیلہ قاضی ابوالقاسم محمد بن اسمٰعیل یمنی لخمی عبادی ساکن شام تھا۔ اس کے بعد المعتضد بیٹھا جس نے اپنے ولی عہد اسمٰعیل کو خود قتل کیا۔

۴۱۴ھ/۱۰۲۳ء میں قاضی ابوالقاسم تھا ۴۳۴ھ، ۱۰۴۲ء میں المعتضد حکمران رہا ۴۶۱ھ، ۱۰۶۸ء لغایۃ ۴۸۴ھ، ۱۰۹۱ء المعتمد تھا۔ یہ عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ یورش نصاریٰ پر اس نے ہی یوسف بن تاشقین کو دعوتِ اندلس دی تھی، وہی اس پر قابض ہو گئے۔

مسلمانوں کے عہد میں بہت بارونق شہر تھا۔ روئی کی منڈی تھی پانچ ہزار کارخانے پانی کی طاقت سے چلتے تھے۔

ابن خلدون جیسے مؤرخ ابن عربی جیسے محدث ابن ہشیم اور ابن زویدن سے شاعر۔ زہری خطیب ابن زہر ابوبکر جیسے فلسفی یہاں پیدا ہوئے۔ یہاں بھی چند عمارتیں حکمرانوں نے بنوائیں مگر وہ جلد مسمار ہو گئیں۔

اشبیلہ کے حمام میں المعتضد نے ۶۰ سرداران بربر کو بلوا کر ابلوا ڈالا تھا۔ یہاں ایک قصر یوسف ابویعقوب نے تعمیر کرایا تھا۔ اس نے ایک مسجد بھی تعمیر ۵۶۸ھ، ۱۱۷۲ء میں کی تھی۔ برج الذہب ۶۱۷ھ، ۱۲۲۰ء میں سید ابوالعلا گورنر الموحدی نے ساحل وادی الکبیر پر قائم کیا تھا۔ نصرانیوں کے غلبہ پر دارالخیرات شفاخانے

مساجد وغیرہ ڈھادیئے گئے اور مساجد کو گرجے کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا۔

علمائے اشبیلہ

ابوعلی عمر بن عبداللہ الملقب بہ الشلوبینی بھی از وے تھا۔ صرف ونحو کا عالم تھا۔ التوطیہ (صرف نحو) تصنیف سے ہے ۶۲۵ھ میں اشبیلہ میں وفات پائی[1]

قاضی ابومروان محمد بن احمد بن عبدالملک الباجی متوطن اشبیلہ ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد متوطن اشبیلہ۔ ابوبکر ابن زہر الحفید طبیب و وزیر وقت تھا۔ امیر یوسف یعقوب المنصور اور عبداللہ محمد الناصر کے پاس رہا۔ آخر میں مراکش جاکر ۵۹۶ھ میں انتقال کیا۔

محمد بن علی بن عبداللہ ابن الحاج اشبیلہ میں ۶۶۰ھ میں پیدا ہوا۔ علمائے عصر سے اکتسابِ علوم وفنون کیا۔ امیر نصیر نے اپنا وزیر ۷۰۹ھ میں بنایا۔ ابن الحاج کو کمسنی میں مختلف قسم کی چکیاں بنانے کا شوق تھا اس نے بزمانہ ابویوسف یعقوب المنصور ایک بہت بڑا کارخانہ افریقہ میں قائم کیا تھا۔ آلاتِ حرب توپ وغیرہ ڈھلتی تھیں۔ یہی توپ کا موجد ہے۔ پہلے محمد ثانی امیر غرناطہ کا ملازم ہوا۔ پھر نصیر کا وزیر ہوا۔ ۷۳۰ھ میں انتقال کیا[2]

عبداللہ السلیمانی لسان الدین ابن خطیب فاضل جلیل تھا۔ امیر یوسف غرناطی کا وزیر رہا۔ اللمحۃ البدریہ فی تاریخ دولت النصریہ لکھی ۷۶۰ھ تک وہ بقید حیات تھا۔

○

طلیطلہ

یہ قدیم قوطی سلاطین کا دارالحکومت اور خاندان ذوالنون کا مستقر رہا ہے

---

[1] ابن خلکان [2] المقری وابن الخطیب۔

دریائے تاجو کے کنارے ایک بلند مقام و دشوار گذار پہاڑ پر واقع ہے۔ دریائے تاجو پر ایک محراب کا پل مسلمانوں نے تعمیر کیا تھا۔

طلیطلہ کے داخلہ کے لئے باب الشمس اور باب المسکرہ جیسے پندرہ دروازے تعمیر کئے گئے۔ مسجد باب المردان بنائی گئی۔ طلیطلہ بغاوت کا گھر ہر زمانہ میں رہا جیسا کہ پچھلے اوراق میں جس کی تفصیل آچکی ہے یہاں کے حکمرانوں میں المامون ابن ذوالنون نامور ہے۔ اس نے ایک عالی شان محل تعمیر کرایا تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے فلسفی اور امراء تھے

ابوالقاسم المزرقال مہندس وصناع نے ایک ایسا گھڑیال بنایا تھا جو پندرہ روز بڑھتا اور پندرہ روز گھٹتا تھا اور جس کے خطوط سے تاریخ اور وقت دریافت کیا جاتا تھا۔

خاندان ذوالنون طلیطلہ

اسماعیل	۴۲۷ھ	م	۱۰۳۵ء
یحییٰ مامون	۴۲۹ھ	م	۱۰۳۷ء
یحییٰ قادر	۴۳۹ھ	م	۱۰۴۷ء

ممالک وقریہ اندلس

جزیرۃ الخضرا جبل الطارق کے پاس یہ چھوٹا سا شہر ہے جہاں سے طنجہ اور رباط کے لئے جہازی راستہ ہے مسلمانانِ مراکش نے ۹۰ھ میں تسخیر کیا تھا۔ یہاں کی نارنگیاں مشہور ہیں۔

طریفہ ساحل اندلس کا قصبہ ہے۔ طریف ابن ندعہ پہلے پہل یہاں آئے تھے۔ یہاں قلعہ تعمیر کیا تھا۔

قادس یہ شہر جزیرۃ القادس کہلاتا ہے۔ یہاں ایک مینار بنا ہے، میوہ کثرت سے ہوتا ہے ایسا ہی سرلیش ہے۔ یہی وادی بکر کا میدان ہے جہاں طارق کی فوج مقیم ہوئی تھی۔ اس شہر میں ابوالعباس پیدا ہوا تھا جس نے مقامات حریری کا حاشیہ لکھا۔ یہیں قاضی جمال الدین قاضی القضات دمشق پیدا ہوئے۔

طنطو اشبیلہ سے شمال رخ ۵۰ میل پر ہے۔ یہاں تانبا کے کان ہے، معدن طلاء بھی ہے۔

اطالفہ۔ طاشہ۔ قرمونہ۔ استیجہ۔ ولبہ۔ یہ سب اشبیلہ کے توابعات سے ہیں۔ شقندہ قرطبہ کے پل وادی الکبیر کے قریب ہے المدور یہاں جامع مسجد ہے۔ ماذدہ یہاں غلہ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اس سے ۹ میل پر میدان زلاقہ ہے۔ بطلیوس کا یہاں دارالعلوم تھا۔ علماء و فضلاء یہاں پیدا ہوئے۔ بلش۔ محراط۔ ایلہ۔ مدینہ سالم۔ الحامہ یہیں قلعہ ایوب ہے۔ شقوبیہ۔ طبیدہ میدر سے ۱۸ میل پر القلعۃ الانہار ہے۔ قرطبہ سے قریب قلعۃ الریاح ہے۔ یہیں واقعہ یوم عقاب پیش آیا۔ محمد الناصر موحدی کی فوج ۱۲۱۲ء میں نصرانیوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی۔

قلاہورہ دلکر لوقریہ سرا قسطہ (مدینۃ البیضا) اس کی سنگ بنیاد حضرت

خلش بن عبدالصناعی تابعی نے رکھی۔ سلیمان عربی اسلامی پل، قصر الجعفریہ مشہور ہیں۔ یہی بنی تجیب حکمراں رہے۔

منذر بن یحییٰ تجیبی ۴۱۰ھ م ۱۰۱۹ء

یحییٰ منظفر ۴۱۴ھ م ۱۰۲۳ء

منذر بن یحییٰ ۴۲۰ھ م ۱۰۲۹ء

مرا قسطہ سے ۱۴ میل پر وشقہ کی آبادی ہے۔ یہاں دارالعلوم تھا۔ بدروہ، طرکونہ، طرطوشہ، مربیطر، برشلونہ، بدلونہ، الجیرہ، القنت اریولہ، شاطبہ، مرسیہ، مالقہ، طروش، مریہ بسطہ، الہرہ، ادرقہ، البشرات، لوشہ، رندہ جبل مولائے حسن، الجام، شوریانہ، پادل، قریہ، ندویلہ، یہ تمام شہر و قریہ اندلس کے مشہور تھے۔

ندبرہ لسطہ سے ۹ میل ہے۔ المعاون شلنکہ شہر موسیٰ نے فتح کیا تھا۔ مولدین کا آخری قافلہ ۱۰۱۹ھ، ۱۶۱۰ء میں یہیں سے خارج البلد کیا گیا۔ سمورہ مدینۃ الولید سے چھوٹا ہے۔ عبدالرحمٰن ناصر سے معرکہ یہیں نصرانیوں سے ہوا۔ اسے دافعۃ الخندق کہتے ہیں۔

استرقہ۔ مدینۃ الولید۔ منقس۔ ندرے ابرون۔ سنت سیش۔ صوبہ البہ نبلیونہ۔

یہاں خلیفہ ہشام کے زمانہ میں عثمان ابن ابی ٹرنع گورنر تھا۔ یہ حبشی تھا۔ قمر طلعت دختر شہزادہ لودس نصرانی والی کوطالیہ کی عثمان سے بیاہی گئی۔ جب وہ قوم سے غداری کر کے شرمندہ ہوا تو خودکشی کر لی۔ یہ شہزادی دمشق جا کر سلیمان کی حرم بنی۔

۴

غرناطہ

اندلس کے دارالخلافہ قرطبہ کی امرائے عرب بربر مولدین کی آپس کے فتنہ وفساد سے اینٹ سے اینٹ بج گئی اور اکثر اسلامی ممالکِ اندلس پر نصاریٰ کا قبضہ ہوگیا۔ غرناطہ بے یارومددگار رہ گیا۔ سلاطینِ قرطبہ کی طرف سے گورنر رہا کرتے تھے۔ طوائف الملوکی کے زمانے میں ارجونہ کا ایک یمنی الاصل چابک سوار توسن صبا رفتار پر جنوب اندلس میں نمودار ہُوا۔ اس کی بہادری کو دیکھ کر اشبیلہ وغیرہ کے سپاہی اس کے ہمراہی میں ہو گئے۔ اس نے جس طرف کا رخ کیا زیروزبر کرتا ہوا جبل اسالقہ پر بنو نصر کا پرچم نصب کر دیا۔

اس بانی حکومت غرناطہ کا نام محمد الاحمر تھا اور یہ حضرت سعد ابن عبیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :-

"محمد بن یوسف ابن محمد احمد خمیس ابن احمر ابن قیس الخزرجی انصاری"

جس سال نصاریٰ کو میدانِ ارکہ میں شکست فاش ہوئی اس سال یہ بانی حکومت غرناطہ پیدا ہُوا تھا۔

غریب گھرانے کا فرد تھا۔ ایک کھیت کی کاشت باپ کرتے تھے۔ مگر بچپن سے اس کو شہسواری اور نیزہ بازی کا شوق تھا۔ محمد ابن احمد نے قرطبہ اور اشبیلہ ارجونہ وجیان کو زیروزبر کرتا ہوا ۶۳۶ھ ۱۲۳۸ء میں غرناطہ کو فتح کیا۔ اور باہزاراں جاہ وجلال شہر میں داخل ہُوا۔

ابھی باب البنیطہ میں داخل ہوا ہی تھا کہ شارع منشا کی مسجد سے آوازِ اذان بلند ہوئی۔ محمد ابن احمد فوراً گھوڑے سے اُترا اور نمازِ مغرب باجماعت ادا کی۔ پھر القصر دیک الروح میں پہنچ کر نزول اجلال فرمایا۔

محمد الاحمر نے تھوڑے عرصہ میں غرناطہ کو عروس البلاد بنا دیا۔ دارالمشورہ باب الشریعۃ قائم کیا۔

اس عرب نژاد بادشاہ نے قصر الزہرا کے مانند مدینۃ الحمرہ کی بنا ڈالی۔ ۱۲۴۸ء میں بیرونِ شہر غرناطہ جبل سابقہ الحمرا کی ایک مختصر سی سطح و مرتفع مقام پر ۶۰ بیگھہ زمین مدینۃ الحمرہ کی سنگ سرخ سے تعمیر شروع کی۔ دن رات مسلمان مہندسین کی ہفت صد سالہ محنت و کاوش کا خلاصہ یہ عمارت تعمیر ہوئی۔ ابھی تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ محمد ابن احمد الغالب باللہ نے بعمر ۹۰ سال انتقال کیا۔ مسجد القلعہ میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور الحمرہ کے گوشہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ دارالمشورہ مسجد سے ملحق تھا جہاں سلطانِ وقت علمائے دین متین کی صحبت میں بیٹھ کر فقہ و حدیث سنتا اور پیچیدہ مسائلِ شرعی پر مشورہ کرتا تھا۔

شہر غرناطہ دامن جبل سابقہ میں سواحل حدرہ و شنیل پر آباد ہے فصیل میں ۱۰۳۰ برج اور ۱۲ پھاٹک تھے :۔

باب النبوت ۔ باب البیرہ ۔ باب المنیطہ ۔ باب الرملہ ۔ باب السلطان
باب الجدا د ۔ باب الحارہ ۔

محمد ابن احمد کے بعد محمد ثانی المعروف بہ فقیہ تخت پر بیٹھا۔ اس نے بھی شاندار حکمرانی کی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے محمد ثالث مخلوع ابوالجیوش نصر۔ ابوالولید اسمٰعیل۔ محمد رابع۔ ابوالحجاج یوسف اول۔ محمد خامس الغنی باللہ اسمٰعیل سعید یوسف ثانی نے غرناطہ پر حکمرانی کی۔

الحمرا کی عمارت کئی بادشاہوں کے عہد میں تکمیل کو پہنچی۔ یہ تیرہویں صدی میں بننا شروع ہوئی اور چودہویں صدی میں اتمام کو پہنچی۔

اس محل سرا کو مجلا سنہری پھول پتیوں اور عربی جالی دار محرابوں سے جو اس وقت تک سب ملکوں کے صناعوں کو متحیر کرنے والی ہیں آراستہ کیا۔

صنعت کاری کا تناسب عمارت اور کمالات فنِ انجنیئری نے اس کو سرتاج اندلس بنا دیا۔ اس عمارت کے قریب خیابان الحمرہ اور نہر ہے۔ یہیں مقام بنی احمر ہیں۔

بروج | برج البارود، برج القفرالہ تقاع ۸۵ فٹ بلند۔ برج الکتکوت (مرغی خانہ) تھا۔ برج السیف، برج القمارش ۱۰۸ فٹ بلند، برج المحراب برج النبات، برج الدمدمہ، برج القندیل، برج لجن، برج الاطفال، برج الابلیس اور برج الماء والحمرا کے لئے آب رسانی کا یہاں ذخیرہ تھا۔ برج ہفت منزل، برج القائد۔ برج طلسم۔ برج الفرق۔

الحمرا میں داخلہ کے لئے ڈیوڑھی (دارالبرکہ) ہے، صحن میں حوض ہے۔ طول صحن ۱۲۰ فٹ۔ عرض ۷۵ فٹ صدر محراب پر خوب صورت جالی دار کارنس ہے۔

مسجد الحمرا ۱۳۰۵ء میں محمد ثالث نے تعمیر کی تھی۔ اپنی خوب صورتی میں لاجواب ہے۔ اس مسجد میں یوسف حجاج جس نے الحمرا میں متعدد عمارات باب الشریعۃ باب الخمر۔ بیت الاختین۔ دیوانِ خاص۔ حوض حمام وغیرہ تعمیر کئے تھے۔ وہ ۱۳۵۴ء میں شہید ہوا۔

دیوانِ خاص | خوشنمائی ونزاکتِ نقش ونگار اور فنِ تعمیر سے تاج الحمرا کا گوہر شب چراغ ہے۔ منقش وشبک نیم قوسی محراب سڈول ستون جن پر سونا چڑھایا گیا تھا۔ یہ عمارت یوسف اوّل کی تعمیر ہے۔

دار الاساد | ۹۲ × ۵۲ فٹ ہے۔ صحن میں خوب صورت وشاندار فوارہ ہے جس کا پانی اچھل کر طشت میں گرتا تھا اور طشت سے پھر شیروں کے منہ کے ذریعہ خارج ہوتا تھا۔ یہ طشت شیروں کی پشت پر قائم کیا گیا ہے۔ صحن کے ہر چہار طرف نازک بارہ دری ہے۔ ستون خوب صورت اور لاجواب ہیں۔ چھت چوبی، محراب وکارنس پر پلاسٹر ہے۔ اس کے بعد ایوان بنی سراج کا ہے۔ دار الاسادہ سے ملی ہوئی شاہی بارہ دری ہے۔

مدینۃ الحمرا میں حرم سرا خوب صورت وسبک ہے۔ اس عمارت کو اہل مغرب دار الاختین کہتے ہیں جس میں جھروکہ عائشہ ہے۔

الحمرا سے ایک فرلانگ پر قبۃ العارف باغ اور بنگلہ ہے۔ شہر غرناطہ کی

آبادی تین لاکھ تھی ۔ البازین ۔ انت قیرہ ۔ شہر خاص ۔ باب السلطان ۔ باب الرملہ ۔ بازار القادیہ ۔ یہ مشہور محلے و بازار غرناطہ کے تھے ۔ دوسری مشہور چیزیں دار العلوم ۔ حمام الجوزہ ۔ باب التوابین ۔ مسجد المنظور ۔ مسجد تابعین ۔ مسجد وداع ۔ جسکے زیر سایہ ابو عبداللہ نے نصرانی تاجدار کو کلید الحمراء سپرد کر کے سلطنت سے خلع کیا ۔

تاریخ غرناطہ

محمد بن احمر نے غرناطہ پر شایانِ شان حکمرانی کی ۔ اس نے دست کاروں اور موجد پیشہ وروں کو نئی چیزیں بنانے اور دربار شاہی میں پیش کرنے پر صلے اور انعامات عطا کئے ۔

مملکتِ غرناطہ میں حریر (ریشم) کے کپڑے بُننے کا بہت رواج ہُوا اور نئی نئی وضع ایجاد ہوئیں ۔

علوم کی ترقی میں وہ خلفائے اندلس سے پیچھے نہیں رہا ۔ فلکیات ۔ طب ۔ ریاضی ۔ کیمیا ۔ نحو اور منطق میں جو ائمہ فن تھے اُن کی سرپرستی کی ۔

غرناطہ میں حکومت کی طرف سے آئے دن مصنوعی جنگ ، تیر اندازی ، نیزہ بازی ، بیلوں کی لڑائی ۔ گھوڑ دوڑ وغیرہ ہوتی اور ان تماشوں میں اعیانِ مملکت اور عام رعایا شریک ہوتی [1]

اس کے زمانے میں غرناطہ عروس البلاد بن گیا تھا ۔

محمد بن احمر نے غرناطہ کی بہت مضبوط بنا ڈالی ۶۳۲ھ ، ۱۲۳۸ء سے ۷۵۳ھ ، ۱۳۵۲ء تک اس کا خاندان حکمران رہا ۔ جس نے ۶۳۶ھ ، ۱۲۳۸ء سے ۶۷۲ھ ، ۱۲۷۳ء تک رعب و جلال اور خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ حکمرانی کی ۔ اس کے بعد محمد ثانی اورنگ سلطنت پر جلوہ فرما ہُوا جس نے ۶۷۲ھ ، ۱۲۷۳ء سے ۷۰۲ھ ، ۱۳۰۲ء تک حکمرانی کی ۔

---

[1] تاریخ عرب از موسیو میدیو فرانسیسی صفحہ ۳۴۳

غرناطہ سے ساز باز کر کے یوسف کو معزول کیا اور خود حکمران ہو گیا۔ ۸۴۹ھ، ۱۴۴۵ء تک اچھی طرح حکومت کرتا رہا۔ عثمان اسمٰعیل ثالث نے اس کے خلاف سازش کی جس میں عثمان کامیاب رہا اور محمد نہم کے نام سے ۸۵۸ھ، ۱۴۵۴ء میں تخت پر قابض ہو گیا۔ پھر اسمٰعیل اس کو زیر کر کے تختِ حکومت کو قبضہ میں لایا اور کچھ دنوں میں مر گیا تو اس کا بیٹا حسن تخت غرناطہ پر متمکن ہوا۔

اس نے اپنا نام محمد دہم اسمٰعیل رکھا۔ اس کے معاون نصرانی تھے۔ اکیس برس بادشاہت کی۔ ۸۶۵ھ، ۱۴۶۰ء میں عیسائیوں نے جبرالٹر جبل طارق اور ارکیڈونا پر قبضہ کر لیا اور تمام ممالک متوسط کو مغلوب کر لیا۔ غرناطہ کے اضلاع بھی نکل گئے تو عیسائی بادشاہ نے ایک عہدنامہ لکھوایا کہ مسلمان دس ہزار اشرفی سالانہ خراج دیں اور تابعدار رہیں۔ اس عہدنامہ کے تین برس بعد ۸۷۱ھ، ۱۴۶۶ء میں محمد دہم انتقال کر گیا۔

ابوالحسن شاہِ غرناطہ

ابوالحسن ملقب بہ علی اپنے باپ محمد دہم کے بجائے تخت غرناطہ پر بیٹھا۔ یہ جاہ و جلال کا بادشاہ تھا۔ اس کے زمانہ میں بڑا واقعہ فتح زاہرہ اور محاصرہ مالگا کا تھا اس زمانے میں ملکہ قسطیلہ، ایزبلہ کی شادی فرڈیننڈ بادشاہ نوار سے ہوئی۔ اب ہر دو زن و شوہر قسطیلہ نوار۔ ارغون تینوں مملکت کے بادشاہ تھے۔ ایزبلہ اور فرڈیننڈ نے دربار غرناطہ کو سفارت بھیجی اور سلطان حسن کو پیام دیا گیا کہ تمہارا باپ شاہ قسطیلہ کو خراج دیتا تھا تم بھی بدستور خراج ادا کرو اور جو واجب الادا ہے وہ بھی جلد ارسال کرو۔

سلطان ابوالحسن نے سفیروں سے کہا کہ تم لوگ واپس جا کر ہر دو فرمانرواؤں سے کہہ دو کہ غرناطہ کی ٹکسال میں اب سونا نہیں ڈھلتا بلکہ آبدار تلوار ڈھلتی ہے۔

سلطان ابوالحسن کا یہ جواب صرف زبانی نہ تھا بلکہ اُس نے ۸۸۶ھ میں شاہ قسطیلہ

پھر سلطان ثالث تخت نشین ہوا۔ جو ۷۰۳ھ ؍ ۱۳۰۳ء سے ۷۰۹ھ ؍ ۱۳۰۹ء تک فرماں رواں رہا۔

ان تینوں بادشاہوں میں سے دو نے بڑی خوبی کے ساتھ انتظام سلطنت قائم رکھا۔ تیسرے کے زمانے میں نصاریٰ ابوا عبوش نے اہلِ غرناطہ کو ملا کر محمد شاہ کو معزول کیا اور خود ۷۰۹ھ ؍ ۱۳۰۹ء سے ۷۱۳ھ ؍ ۱۳۱۳ء تک سریر آرائے سلطنت رہا۔ اس لئے اس کے بھائی اسمٰعیل بن فرج نے اس کو تاخت و تخت سے بے دخل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد رابع ۷۲۶ھ ؍ ۱۳۲۵ء سے ۷۳۴ھ ؍ ۱۳۳۳ء تک حکمران رہا۔ پھر اس کا بھائی یوسف اوّل ۷۳۴ھ ؍ ۱۳۳۳ء سے ۷۵۵ھ ؍ ۱۳۵۴ء تک حکمرانی کرتا رہا۔ یہ ایک ذی حوصلہ اور صاحب عزم بادشاہ تھا۔ اس نے انتظامِ سلطنت کے گذشتہ اصول اور بہترین عادلانہ قوانین کی تجدید کی۔ نصاریٰ سے معرکہ رہا جس میں ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد محمد پنجم ابن یوسف ملقب بہ جادیش منصبِ سلطنت پر فائز ہوا۔

مگر اس کے خلاف اسمٰعیل ابن یوسف اور ابوسعید نے سازش کر کے اس کو معزول کر دیا۔ اور آپس میں حکومت کے لئے جھگڑے پڑے۔ شاہِ قسطیلہ نے ابوسعید کا خاتمہ کرا دیا اور محمد کو کمک دے کر کامیاب بنایا۔ ۷۶۵ھ ؍ ۱۳۶۳ء سے ۷۹۳ھ ؍ ۱۳۹۰ء تک محمد پنجم حکمران رہا۔ اس کے بعد یوسف ثانی بادشاہ ہوا۔ پھر محمد ششم اورنگ نشینِ سلطنت ہوا۔ جس نے اپنے بھائی یوسف کو دائم الحبس کر دیا۔ جب محمد ششم مرض الموت میں گرفتار ہو کر مر گیا تو یوسف ثالث حکمران ہوا۔ پھر محمد ہفتم الملقب بہ الیسر ۸۲۷ھ ؍ ۱۴۲۳ء سے ۸۴۲ھ ؍ ۱۴۳۸ء تک بادشاہ رہا۔ یہ ظالم تھا رعایا ناخوش تھی، اس کو معزول کر کے اس کے رشتہ دار محمد العفیر کو بادشاہ بنا لیا گیا جو ایک سال حکمران رہا۔ اس کو بھی معزول کر کے پھر محمد ہفتم کو بادشاہ کر دیا گیا۔ غرناطہ کی اندرونی بدنظمی سے فائدہ اُٹھا کر قسطیلہ کے بادشاہ نے حملہ کر دیا اور یوسف رابع کو سلطنت پر بٹھایا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد محمد ہفتم نے امرائے

کے قلعہ صخرہ پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ یہ مستحکم اور بلند و بالا قلعہ تھا۔ مگر سلطان نے ایک ہی شب میں اسے تسخیر کر لیا۔ اس کے بعد جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔

۸۸۶ھ میں قلعہ الحمرا کو مسلمان فوجوں سے خالی پا کر شاہ کیٹیل فرڈیننڈ نے اس پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ ہزاروں مسلمان مرد و عورت اور بچے اس کے دندانِ آز کا شکار ہوئے۔ سلطان حسن کو اس کے مظالم اور درندگی کی اطلاع پہنچی اور یہ کہ شاہ کیٹیل بذاتِ خود ایک فوجِ گراں کو لے کر غرناطہ پر بڑھ رہا ہے جس نے اپنی عنانِ توجہ لوشہ کی طرف کر دی۔ شاہ کیٹسل نے سلطان حسن سے شکست کھائی۔ پھر تو مسلمان اس کی فوج کے مال و اسباب پر قابض ہو گئے۔

اِدھر عیسائیوں کے ساتھ جنگ جاری تھی اُدھر مسلمان خطرناک خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ سلطان حسن کی ایک عیسائی کنیز تھی جس سے اُس کو بے حد انس تھا۔ اس جاریہ کے علاوہ سلطان کی ملکہ سلطان عبداللہ کی بیٹی تھی۔ بیوی اور جاریہ ہر دو سے اولاد تھی۔ بیوی کے بطن سے ابوعبداللہ اور یوسف تھے۔ لیکن سلطان کی توجہ جاریہ پر زیادہ تھی۔ اس بنا پر ابوعبداللہ اور یوسف دونوں کو خوف تھا کہ کہیں سلطان حسن تاج و تخت سے ہم کو محروم نہ کر دے اور جاریہ کی اولاد کو اپنا جانشین نہ بنا دے۔ اس اندیشہ سے اس وقت جبکہ سلطان مقام لوشہ میں شاہ کیٹسل سے نبرد آزما تھا ابوعبداللہ اور یوسف باپ کے خلاف عَلم بغاوت بلند کر بیٹھے اور غرناطہ کے ایک حصہ پر قابض ہو گئے۔

ادھر عیسائیوں کے ساتھ جنگ جاری تھی اس بغاوت کے فرو کرنے کی تدبیر میں لگ گیا کہ عیسائیوں نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر مالقہ پر حملہ کر دیا۔ مگر ان کو ناکامی ہوئی اور شاہ کیٹسل کے تجربہ کار سپہ سالاروں اور دس ہزار سپاہی سلطان کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔

ابوعبداللہ نے باپ کو پریشان کرنے کے لئے مالقہ پر حملہ کر دیا۔ باپ بیٹے ہر دو صف آرا ہوئے۔ ابوعبداللہ کو شکست ہوئی اور وہ غرناطہ بھاگ آیا۔ اس کے

بعد اس نے ۸۸۰ھ میں شہر یوشیہ پر چڑھائی کر دی۔ لوٹ مار میں لگ گیا۔ عیسائیوں نے گھیر ڈال کر ابو عبداللہ کو گرفتار کر لیا اور شاہ قسطیلہ فرڈیڈینینڈ کے سامنے لا کھڑا کیا۔

سلطان حسن کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ مالقہ سے غرناطہ آگیا۔ لیکن اپنے بیٹوں کی باغیانہ سرگرمیوں کے باعث امورِ سلطنت سے دل اچاٹ ہو گیا اور اس درجہ حکومت سے بیزار ہوا کہ اپنے بھائی عبداللہ الزاغل کے حق میں سلطنت سے دستبردار ہو گیا۔ ابھی الزاغل نے حکومت کو سنبھالا نہ تھا کہ ۸۹۰ھ میں عیسائیوں نے صوبہ مالقہ پر یورش کر دی اور سرحد کے چند قلعوں پر قابض ہو گئے۔

سلطان عبداللہ الزاغل نے ان عیسائیوں کی قوت کے ساتھ سرکوبی کر دی۔ فرڈینینڈ نے ابو عبداللہ کو جو نظر بند تھا آزاد کیا اور الزاغل کے مقابلہ پر بھیجا۔ یہ شاہ کیٹسل کی امداد کے بھروسہ پر اور وعدہ وعید کر کے اپنے چچا سے لڑ بیٹھا۔

اس جنگ میں ابو عبداللہ کو جو علاقہ ہاتھ لگتا وہ معاہدہ کے مطابق فرڈینینڈ کے حوالہ کرتا رہا۔ سلطان الزاغل اس صورت حال کو دیکھ کر غرناطہ سے مالقہ پر حملہ آور ہوا۔ یہاں فرڈینینڈ مسلمانوں کو ذبح کر رہا تھا۔ ابو عبداللہ غرناطہ خالی دیکھ کر خود قابض ہو گیا۔

الزاغل اب غرناطہ لوٹا نہیں بلکہ وادیِ آش جا کر مقیم ہو گیا۔ شاہ کیٹسل قسطیلہ نے مالقہ کے بقیہ مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ ۸۹۲ھ اتارا اور جو بچے وہ لونڈی غلام بنا لئے گئے۔

فرڈینینڈ دو برس بعد ۸۹۴ھ میں معاہدے کو بالائے طاق رکھ کر ابو عبداللہ پر حملہ آور ہوا یہ تابِ مقابلہ نہ لا سکا۔ صوبہ بسطہ فرڈینینڈ کے حوالہ کر کے صلح نامہ کر لیا۔

شرط یہ تھی کہ مسلمانوں کے جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا مگر فرڈینینڈ نے صلح نامہ کی پابندی نہ کی اور مسلمانوں کے مال و اسباب پر قبضہ بھی کر لیا۔

اب شاہ کیٹسل نے سلطان الزاغل کو سبز باغ دکھائے۔ صوبہ ایلیریہ اور وادی آش اس سے لے کر اشبیلیہ کے علاقے میں کچھ اراضی دے دی اور اب فرڈیننڈ نے ابوعبداللہ کو یہ پیغام بھیجا :۔

"جس طرح الزاغل نے ایلیریہ اور وادی آش خود اپنی رضامندی سے ہمارے سپرد کر دیئے تم بھی غرناطہ کا قلعہ الحمرا ہمارے حوالے کر دو۔ اس کے بدلے جتنی دولت طلب کرو گے وہ دے دی جائے گی اور اس کے علاوہ اندلس کا جو صوبہ کہو گے اس پر تمہاری حکومت قائم کر دی جائے گی۔"

ابوعبداللہ نے کہا میں تعمیل کو تیار ہوں مگر میری رعایا کسی طرح آمادہ نہیں ہے اور ابوعبداللہ نے کچھ عرصہ بعد اکثر عیسائیوں کے بعض قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

شاہ کیٹسل نے غرناطہ پر فوج کشی کر دی لیکن عین غرناطہ کی دیواروں کے سایہ میں مسلمانوں نے بڑی دادِ شجاعت دی کہ شاہ کیٹسل نے محاصرہ اٹھا لیا تو ابوعبداللہ نے آگے بڑھ کر البشرات کی پہاڑی پر قبضہ کر کے نصرانیوں کو تہ تیغ کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی سلطنت تمام جزیرہ نمائے اندلس میں صرف غرناطہ کے چھوٹے سے رقبہ میں محدود ہو کر رہ گئی۔

یہ سب کچھ خانہ جنگی کی بدولت ہوا۔ الزاغل نے البشرات پر حملہ کر دیا عقب سے شاہ کیٹسل آکودا اور مسلمان قتل کئے گئے۔ جلاوطن ہوئے اور الزاغل سے کہا تم افریقہ جانا چاہو تو چلے جاؤ ہم انتظام کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ افریقہ روانہ ہو گیا اور تلمسان جا کر رہا اور وہیں انتقال کیا۔ اب صرف ابوعبداللہ کل اندلس میں ایک مسلم حکمراں کی صورت میں رہ گیا تھا۔

۸۹۶ھ میں ازبلہ کی ترغیب سے فرڈیننڈ نے غرناطہ پر بڑے ساز و سامان سے حملہ کا ارادہ کیا اور غرناطہ کے سامنے خیمہ فگن ہو کر ایک شہر کی بنیاد بھی رکھ دی۔

یہ محاصرہ سات آٹھ ماہ تک جاری رہا۔ موسم سرما کے آنے سے رسد اہلِ شہر کے

لئے بند ہوگئی۔ سلطان کے پاس صرف بیس ہزار فوج اور شاہ کیتھسل کے پاس ایک لاکھ عیسائی تھے۔

محاصرہ کی سختی سے تنگ آکر مسلمان گھبرا گئے اور مشورہ سے افریقہ کے مسلمان بادشاہوں کو اور قسطنطنیہ کے بادشاہ بایزید ثانی کو اپنی معاونت کے لئے خط لکھا۔ جس میں تحریر تھا کہ :-

"صدیوں سے عیسائی ہم کو دباتے چلے آرہے ہیں، اب ہم ان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے ہیں ہم کو ہر طرح کا نقصان پہنچایا جارہا ہے۔ باوجودیکہ ہم نے بڑی سی بڑی قربانیاں دیں۔ اب مسلمان غلام بنا لئے گئے جن مشکلات اور مصائب میں ہم آج گرفتار ہیں ان کا آخری نتیجہ یہ ہونے والا ہے کہ مذہب اسلام کی ہستی اس ملک میں ختم ہوجائے گی اور کوئی مسلمان باقی نہ رہے گا۔"

مسٹر اسکارٹ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"سلطان بایزید ثانی اپنے ہم مذہبوں کی یہ دردناک تحریر دیکھ کر ایسا اثر پذیر ہوا کہ اس نے دو فرانسکن راہبوں کو روم بھیجا اور پوپ کو یہ دھمکی دی کہ سلطنت ٹرکی میں تمام عیسائی آزادی خیال وافعال رکھتے ہیں۔ اگر مسلمانانِ اندلس پر یہی ظلم جاری رہا تو اس کا بدلہ وہ اپنی عیسائی رعایا سے لیں گے ورنہ فوراً اپنے رعب و اقتدار کو کام میں لاکر اپنے کیتھولک غلاموں کو ان حرکتوں سے باز رکھیں جو وہ کر رہے ہیں۔"[1]

پوپ نے سلطان کے ایلچیوں کو اپنا خط دے کر فرڈیننڈ کے پاس بھیج دیا مگر اس نے زیادہ توجہ نہ دی۔ بایزید ثانی امیر مصر سے برسرپیکار تھا۔ فرڈیننڈ نے

[1] اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۶۹۱ ٭

اس سے مدد کا وعدہ کیا جس کی بنا پر اُسے مسلمانانِ اندلس سے ہمدردی جاتی رہی۔
اسکاٹ لکھتا ہے :-

"اسلام کے نام لیواؤں کو اپنے حال اور اپنی قسمت پر چھوڑ دیا گیا۔"[1]

ابوعبداللہ نے قصر الحمراء میں مجلس مشاورت منعقد کی۔ تمام اکابر غرناطہ شریک ہوئے۔ غیرت مند چاہتے تھے بہادری سے مرا جائے مگر زیادہ وہ بزدل تھے جو یہ چاہتے تھے کہ حکومتِ اسلامی رہے یا نہ رہے اپنا مال اور جان محفوظ ہو جائے۔ چنانچہ وزیر ابوالقاسم عبدالملک کی معرفت شاہ کیٹیسل سے صلح کی باتیں ہونے لگیں جو شرائط کی گئیں وہ مسلمانوں کے تحفظ جان و مال کے لئے دکھاوے کے لئے اچھی تھیں۔ اس پر فرڈینینڈ اور ازبلا نے دستخط کئے۔ اس کے ساتھ ابوعبداللہ نے ایک عہدنامہ اور کیا کہ شاہ کیٹیسل غرناطہ کے معاوضہ میں ایک کروڑ چالیس لاکھ پانسو کی رقم اس وقت دے گا جب پہلے قلعہ الحمراء پر قبضہ ہو جائے اور یہ چاہے اندلس رہے یا افریقہ رخصت ہو جائے بحری سفر کے اخراجات بھی عطا کئے جائیں گے"
اس کے لئے صرف دو ماہ کی مہلت دی گئی تھی۔

دو ماہ گزرنے کو ہوئے تو ابوعبداللہ نے پھر ایک دن عمائدین شہر کو جمع کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ سب کا مشورہ ہوا کہ فرڈینینڈ کو حکومت سپرد کر دی جائے۔ موسیٰ غسانی افسر فوج نے کہا کہ اس ذلت سے بہتر ہے کہ لڑ کر جان دے دی جائے۔ مگر کوئی رضامند نہ ہوا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور نصرانیوں سے بھڑ گیا۔ زخمی ہو کر دریائے شنبل میں کود پڑا۔

شاہ ابوعبداللہ الزغبیہ نے ۲ جنوری ۱۴۹۲ء مطابق ۴ ربیع الاول ۸۹۷ھ بعد نمازِ فجر اپنے اہل وعیال کو الحمراء سے روانہ کر دیا۔ اور خود مع پچاس رفقاء اور خدام تین بجے سہ پہر کو باب الجدور سے نکل کر جہاں فرڈینینڈ اور ازبیلہ مع حشم وخدم

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۶۹۱

کھڑے تھے۔ ابو عبداللہ نے تعظیماً گھوڑے سے اُترنا چاہا لیکن فرڈیننڈ نے منع کیا۔ صرف مصافحہ کر کے کنجی لے لی اور ملکہ ساییل کو دے دی۔ ملکہ نے اپنے فرزند کو دی اس نے اپنے سپہ سالار توطیلہ کو تفویض کی۔

ولی عہد ابو عبداللہ یرغمال میں تھا آزاد ہُوا اس کو ساتھ لے کر جبل البشرات پر شاہ عبداللہ گیا اور سرزمین اندلس سے رخصت ہو گیا۔ ہلال غروب ہُوا اور صلیب بلند ہُوئی۔

ایک لاکھ عربی کُتب جلا کر نصرانیوں نے شہر میں چراغاں کیا۔ تمام دنیائے مسیحی میں جشن ہائے مسرت منائے گئے۔

کچھ دن بعد اسی نصرانی حکمراں نے اہلِ غرناطہ کو حکم دیا "عیسائی بنو یا نکل جاؤ اور زبردستی بتپسما دیا گیا۔ مسلمان عورتوں کو مسجد میں بند کر کے بارود سے اڑا دیا۔ لاکھوں مسلمان جلا دیئے گئے۔ بہت سے افریقہ چلے گئے۔ ابو عبداللہ نے کچھ عرصہ فاس (افریقہ) میں قیام کیا۔

المقری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے :-

"جس وقت میں فاس میں اپنی تاریخ لکھ رہا تھا ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء ابو عبداللہ کے پسماندگان کی گزر اوقات خیرات پر تھی۔ ۹۴۱ھ، ۱۵۳۴ء میں ابو عبداللہ فاس میں مر گیا۔

مسلمانانِ غرناطہ پر مظالم

سقوطِ غرناطہ کے بعد اندلس کی حکومت جو تقریباً آٹھ سو برس سے قائم تھی باہمی خانہ جنگیوں سے ختم ہو گئی۔ جس کے بعد سے مسلمانوں پر شاہ کیٹسل نے ظلم و سفاکی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔

۹۰۵ھ، ۱۴۹۹ء میں فرمانِ شاہی صادر ہُوا کہ جو لوگ مذہبِ عیسوی قبول نہیں کرتے وہ اسپین سے نکل جائیں۔"

اس کا اثر یہ ہُوا کہ کمزور طبیعت کے مسلمان گرجوں میں آنے جانے لگے، ان

کے برخلاف جو مسلمان کٹر تھے کسی عنوان مذہب اسلام کو نہیں چھوڑنا چاہتے تھے ان پر طرح طرح کی سختیاں کی گئیں مسلمان بچوں کو جبراً بپتسمہ دیا گیا۔

سنہ ۹۳۱ھ ۱۵۲۴ء میں دربار شاہی میں ان مظالم کی شکایت کی تو ان کا معاملہ محکمہ تفتیش مذہبی کے سپرد کر دیا گیا۔ اس محکمہ کے فیصلہ کے مطابق ہزاروں مسلمان نذرِ آتش کر دیئے گئے۔

پھر اس محکمہ کے صدر لارڈ بشپ نے یہ تجویز کی کہ مسلمان مذہبی مراسم ادا نہیں کر سکتے۔ نہ اپنا لباس پہن سکتے ہیں نہ عربی بول سکتے ہیں اور نہ غسل کر سکتے ہیں اور مغربی رقص میں شریک ہونا لازمی ہے۔ عورتیں برقعہ استعمال نہیں کر سکتیں۔

موسیو لیبان تمدن عرب میں لکھتا ہے :-

"اندلس کے غریب مسلمانوں پر جو مظالم توڑے گئے دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حالانکہ یہی وہ مسلمان تھے جنہوں نے اپنے اقتدار اور حکومت کے زمانے میں عیسائیوں پر کبھی اس قسم کے ظلم نہیں کئے۔ اگر وہ ایسا کرنے پر آجاتے تو آج پورا جزیرہ نمائے اسپین عیسائیوں کے نام ونشان اور ان کے وجود سے یکسر خالی ہو جاتا۔"

پندرہویں صدی کے آخر میں اندلس کا لارڈ بشپ منیڈڈرا کے مرنے کے بعد فرانسسکو شمینس ڈی سینر دراس اس عہدہ پر مقرر ہوا۔ یہ بدکار انسان تھا۔ تمام نصرانی عمائد شہر کے گھرانوں کی لڑکیاں اس کے ادرگرد رہتیں۔ مگر مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ ایک طرف مساجد کو گرجا بنواتا۔ دوسری طرف مسلمانوں کو ذرا ذرا سی بات پر تلوار کے گھاٹ اتارتا تھا۔

اس کے بعد مسلمانوں کے علمی ذخائر کو تباہ کرنا شروع کیا۔ دس لاکھ کتابیں اندلس میں تھیں جو جگہ جگہ جلائی گئیں۔ علوم وفنون کے یہ بے بہا خزانے باب الرملہ کے چوک میں ڈھیر کئے گئے اور ان کو آگ لگا کر راکھ کر دیا گیا۔

مسٹر ای پی اسکاٹ اس واقعہ کا یوں ذکر کرتا ہے :-

"اس وحشیانہ مذہبی جوشش سے جو نقصان دُنیا کو پہنچا اس کا ادنیٰ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ غالباً دُنیا بھر کے ایسا قیمتی ذخیرہ علوم و فنون کا کہیں نہ ہوگا جس کو شہنشاہ نے اس تاریخی چوک میں خاک و سیاہ کر دیا"۔[۱]

اس بشپ نے کتابوں ہی پر بس نہیں کیا بلکہ وہیں مسلمانوں کو مجرم بنا کر زندہ آگ میں جلا دیا۔[۲]

اور شاہ کیسٹل کی حکومت نے حکم دیا کہ دو سال کی مُدت میں مسلمان اندلس سے بالکل چلے جائیں۔ چنانچہ مرکھپ کر تیس لاکھ بچے تھے جو افریقہ روانہ ہوئے تو راہ میں نصرانی درندوں نے ۲/۳ کو قتل کر دیا۔ آخر سترہویں صدی عیسوی کے شروع میں مُسلمانوں کو اسپین سے بالکل دیس نکالا مل گیا اور کوئی متنفس باقی نہ رہا۔

اندلسی عربوں کا زمانہ
اور
علوم و فنون و سائنس

۱۴۳ھ، ۷۶۰ء سے ۸۵۴ھ، ۱۴۵۰ء

شاہان اندلس انواع علوم عقلیہ و نقلیہ سائنس و فلسفہ میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔

مُسلمانوں کی تشنگی ملک گیری جس کو جوشِ مذہبی کی سرگرمی نے بھڑکا رکھا تھا انہیں ان ممالک پر قابض کرا کر رہی جو حدودِ مملکت و دولت و ثروت و زرخیزی میں قیاصرہ روم کے ممالک سے کم نہ تھے۔

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۳ صفحہ ۲۷۵۔

عالمِ روحانی وجسمانی میں جو ترقیات اہلِ عرب نے کیں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

جس زمانہ میں کہ اندلس میں اسلامی سلطنت اپنے شباب پر تھی ان دنوں جہالت عیب سمجھی جاتی تھی۔

بادشاہانِ اندلس نے مکاتب ومدارس اپنے قلمرو میں اس قدر کھول دیئے تھے جس کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی۔ قرطبہ اور اشبیلہ کی یونیورسٹیوں میں یورپ کے طالب علم تحصیلِ علم کے لئے آتے تھے۔

قرطبہ کے دار العلوم نے بڑے بڑے فاضل پیدا کئے۔ ابن خطیب قرطبی جو یہیں کا تعلیم یافتہ تھا اس نے علم ما بعد الطبیعہ تاریخ، طب وغیرہ پر گیارہ سو تصانیف یادگار چھوڑیں۔ ابن حسن نے فلسفہ اور فقہ پر چار سو پچاس کتابیں لکھیں [1]

ایسے ایسے کثرت سے علماء اس دار العلوم سے نکلے۔ خلفائے اندلس بڑے بڑے انعامات اہلِ علم حضرات کو دیتے بلکہ خود صاحبِ فضل وکمال بنتے۔

عبد الرحمٰن الداخل نجومی اور بلند پایہ شاعر تھا۔ ہشام اور الحکم بڑے عالم اور نقّاد تھے۔ عبد الرحمٰن ثانی کے جوہر اور علم نے ان کی زندگی اور خصلتوں کو مشہورِ عالم کر رکھا تھا علوم فقہ فلسفہ طبیعہ کی قابلیت اور علم کی قدر دانی اور قدر افزائی کی وجہ سے وہ مشہور خلیفہ بغداد المامون کے مماثل سمجھے جاتے تھے۔ الحکم ثانی کی فضیلت و اکتسابِ علمی اپنے زمانے کا ایک عجوبہ تھا۔ قرطبہ کا کتب خانہ جس کی بیشتر کتابوں پر حاشیے اور شرحیں اس کی تحریر کردہ تھیں۔

امیر عبد اللہ کی شہرت اس مرثیہ کی وجہ سے ہوئی جو انہوں نے اپنے خاندان کے مصائب پر لکھا۔

سلطان کا خوف اس کی ہجو گوئی کی وجہ سے رعایا کو بھی رہتا تھا۔ المقتدر شاہِ

---

[1] اخبار الاندلس جلد سوم صفحہ ۴۷۲ ؛

سرقسطہ اپنے علم وفضل کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ فلسفہ، ہندسہ اور ہیئت میں اُس کا علم اُس کے دربار کے تمام علماء سے زیادہ تھا۔

المظفر بادشاہ بطلیوس ایک انسائیکلوپیڈیا کا مصنّف تھا۔ المریلہ بلنسیہ اور اشبیلیہ کے بادشاہ اپنے علم وفضل اور قدردانی علم میں کچھ کم درجہ نہ رکھتے تھے۔ شاہانِ بنوعباد خصوصاً امیر معتمد اپنے اشعار کی خوبی ولطافت کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ خاندانِ موحدین کے بادشاہوں میں عبدالمومن وہ تھا جس کے دربار میں ابن طفیل ابن زہر اور ابن رشد جیسے حکماء تھے[1]

مذکورالذکر سلاطین کے زمانے میں ریاضی وہئیت میں بے نظیر ترقی ہوئی۔ تواریخ وفقہ کی ضخیم وجسیم کتابیں لکھی گئیں عظیم الشان کتب خانے امراء نے قائم کئے۔ اندلسی عربوں کی ادبی تصانیف عالمانہ اور ضخیم ہوتی تھیں۔

سلاطینِ اندلس کے عہد میں علوم وفنون کی بڑی ترقی ہوئی۔ اشبیلیہ، قرطبہ، غرناطہ مرسیہ، طلیطلہ میں عظیم الشان کتب خانے و مدارس تھے۔ ان میں علوم دینی کے ساتھ فنون ریاضیہ کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔ سبتہ طنجہ میں بھی مدرسے موجود تھے۔ ان مدارس میں یہود اور نصرانی عالم بھی ملازم تھے۔ ان ہی مدارس کا کامیاب طالب علم مدرس ابوالحسن تھا۔

اس فاضل ریاضی داں نے تیرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں جزیرہ نمائے اندلس اور شمالی افریقہ کے ایک بہت بڑے حصہ کا سفر کیا اور قطب شمالی کی بلندی کو اکتالیس شہروں میں تکمیل کے ساتھ جا پنچا۔ ان اکتالیس شہروں میں پہلا شہر افرانہ تھا جو بلادِ مغرب کے مغربی ساحل میں واقع ہے۔ آخری شہر قاہرہ تھا۔ اس تحقیق کے بعد اس نے اپنی کتاب البدایات والنہایات تالیف کی[2]

---

[1] اخبار الاندلس حصہ سوم صفحہ ۴۷۹۔

[2] تاریخ عرب موسیو سیدیو صد ۱۱۰۔ ایضاً صفحہ ۴۲۱ ⁘

۴۹۳ھ ۱۰۹۹ء میں شہر ستبہ میں ادریسی پیدا ہوا۔ قرطبہ میں تعلیم پائی۔ جزیرہ سسلی کے علم دوست بادشاہ اوجیر کا ملازم ہوا اور اس کے لئے چاندی کی گول تختی تیار کی۔ اس پر عربی زبان میں تمام دنیا کا نقشہ کھودا اور ایک رسالہ فن جغرافیہ پر تالیف کیا۔[1]

علمِ نباتات علمائے اندلس نے بھی نباتات کے خواص پر توجہ کی۔ عبدالرحمٰن الداخل نے قصرِ خلافت کے پاس ہی نباتات کا ایک خاص باغ لگایا اور شام وغیرہ مشرقی ملکوں میں آدمی بھیجے اور نادر الوجود درختوں کے تخم منگائے اور اپنے باغ میں بو دیئے۔

موسیو سدیو تاریخ عرب میں لکھتا ہے :۔

"عربوں نے علمِ زراعت کو انتہائے کمال تک ترقی دی۔ انہوں نے اسپین میں آب پاشی اور آب رسانی کے بالکل وہی آلات استعمال کئے تھے جیسے اس وقت یورپ میں مستعمل ہیں" (ص ۲۱۲)

علمِ حیوانات عربوں نے علم حیوانات میں انکشافات کئے تھے۔

فنِ طِب اسپین کے دارالعلوم میں سب سے نامی طبیب ابوالقاسم خلف ابن عباس فنِ جراحی کا موجد ہے۔ ۵۰۰ھ میں انتقال کیا اور یہ مبسوط کتاب التفریف لمن عجز عن التالیف لکھی۔

حکیم ابومروان عبدالملک بن زہر امیر یوسف تاشقین کے زمانے میں گزرا اس نے طبی مفرد دواؤں میں کئی کئی ادویات کا اضافہ کیا۔

عبداللہ بن احمد بن علی البیطار اندلسی علم نباتات کا بہترین عالم اور زمرۂ اطباء میں اس خاص کام کا فرد یگانہ ماہر تھا۔ اس نے مشرقی ممالک کی سیاحت کی اور جڑی بوٹیوں کا حال خود تحقیق کیا اور ایک جامع کتاب ادویات مفردہ پر لکھی

---

[1] تاریخ عرب موسیو سدیو ۰ ام۔ ایضاً ص ۲۱۲

اس کا نام ادویہ مفردہ ہے۔

ایجادات اندلس کے حکماء نے رقاص سے چلنے والی گھڑی اور میزان کا اختراع کیا۔ دھوپ گھڑیاں۔ اصطرلاب۔ مقیاس انکسار الاشعہ مداری اور استدلال لیل ونہار کے دوائر مسجد کے میناروں پر رکھے گئے ہئیت میں بڑی ایجادیں کیں۔ ارضی وسماوی کرہ تانبے کے بنائے الزاغل ابن عبدالرحمان الزرقال[1] باشندہ طلیطلہ نے مزولہ ایجاد کیا۔ علم الحیوانات پر کتابیں لکھیں۔

اندلس میں کثرت سے ریاضی دان اور فلکی عالم ہوئے مسلمہ مجریطی مشہور منجم الزاغل کا ہم عصر تھا۔ اس نے التبانی اور ابن ابی طلحہ کی زیجون کو مختصر کیا۔ اس فلکی عالم نے تیس سال کے عرصہ میں کئی مشہور اور صحیح ارصاد کئے اور اس بارے میں (الزاغل) الزرقال فلکی نے اس کا تتبع کیا اور اس نے بلندی آفتاب کی حد مقرر کرنے کے لئے چارسو دو رصدیں لکھیں اور حقیقی تقویم میں مبادرت اعتدالین کی حرکت معلوم کرنے کے واسطے کئی ارصاد کئے۔ اہل طلیطلہ کو اس شخص کی ایجاد کردہ گھڑیاں بہت پسند تھیں۔

اس شخص نے کتب ازیاج الطلیطلہ اور الاقوال الفرضیہ فی تباعد الشمس مرکز افلاک الکواکب الیسارہ تالیف کیں۔ جابر بن افلح الشبلی اشبیلہ کا باشندہ اور فلکیات کا معتبر عالم تھا۔ ایک رسالہ تالیف سے ہے"

حکیم ابوالولید محمد بن رشد اندلسی اس نے مثلثات کرویہ کی مساحت کے بارے میں ایک فلکی موجز تالیف کیا ہے۔ اس کی ایک شرح مجسطی بھی ہے۔ اس نے جس دن فلکی حساب سے ستارہ عطارد کے مرور کا زمانہ معلوم کیا ہے اس دن اس کی نگاہ کو ایسا گمان ہوا کہ قرص آفتاب میں ایک خفیف سا سیاہ نشان موجود ہے یہ ۵۸۴ھ جو ۱۱۸۸ء میں مشہور ہو چکا تھا[2]

---

[1] [2] تاریخ عرب صفحہ ۳۸۵ *

تعلیمِ نسواں

اندلس میں فرقہ اناث کو ہی عظمت حاصل نہیں ہوئی بلکہ خلفاء کے عہد کے درباریوں کی رشتہ دار عورتیں ترقی علم و ادب میں بھی مشہور تھیں۔ شہزادہ احمد کی بیٹی عائشہ کو نظم میں کمال حاصل تھا وہ فصیح و بلیغ خطیبہ تھی۔ خاندان موحدین کی شہزادی ولیدہ خوبی جمال شاعری اور علم بلاغت و بیان میں شہرت رکھتی تھی۔

دارالسلطنت کے مجالس ادبیہ و مذاکرہ علمیہ میں اندلس کے علماء خطیب جمع ہوتے۔ ان میں ولیدہ بھی شریک ہوتی۔ اشبیلہ کی عفیفہ اور صنفیہ شاعری میں صاحب کمال تھی۔

ام سعد مشہور محدثہ قرطبہ کی تھی۔ خاتون لبانہ علم ہندسہ کی بڑی ماہر تھی۔ الجبرا اور مساحت کے نہایت پیچیدہ سوالات وہ باتوں میں حل کر دیتی تھی۔ الحکم ثانی نے ان کو اپنا پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کیا تھا۔ زینب اور حمدا متوطن دارالحمہ زیاد کتب فروش کی بیٹیاں تھیں جو علم و فضل میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔

ابن عباد اپنی تصنیف تحفۃ القدیم میں لکھتا ہے۔

"باوجود حسن عصمت و دولت کے نامی علماء کی مجلس میں یہ شریک ہوتیں۔ حفصہ نے خوشنویسی میں کمال پیدا کیا تھا۔ العارد ضیہ معنی و بیان کی فاضلہ تھی"۔

مریم بنت یعقوب الانصاری اشبیلی شاعری و ادب کی ماہر تھی۔

ام انسی قانون کا درس دیتی تھی۔

غرض کوئی فن ایسا نہ تھا جو خواتین اندلس سے بچا ہو۔

تاریخ | شعبہ تاریخ و سیر میں اندلسی عربوں نے خوب خوب جوہر دکھائے ابن اقطس بادشاہ بطلیوس نے ایک بیش قیمت کتاب اندلس کی سیاسی اور

ادبی حالت پر لکھی۔ ابن احمد الطیسی نے ایک کتاب تمام قبائل کی مکمل تاریخ میں لکھی۔ ابوالمنذر بلنسی اور ابن زید العربی القرطبی نے گھوڑوں کے نسب پر ایک کتاب لکھی۔ ابن بطوطہ مشہور سیاح یہیں کا تھا۔ عبید البکری انوبی نے ایک مدلیعت دار فن جغرافیہ پر کتاب لکھی۔ ابن حسان نے اندلس کی دو تاریخیں لکھیں۔ ایک دس جلدوں میں دوسری ساٹھ جلدوں میں، صرف اندلس کی تاریخ ایک ہزار سے زیادہ مؤرخین نے لکھی۔[1]

شاعری

عربی شعر گو اندلس میں کثرت سے پیدا ہوئے۔ ابن حسن عباس بن احنف غزل کی شیرینی و لطافت میں مشہور تھا۔ ابن خفاشہ باشندہ بلنسہ کا رجزیہ کلام اور ابن ہانی متوفی ۳۶۳ھ، ۹۷۳ء اور سعید اشبیلوی کا رندانہ کلام بہت مقبول تھا۔ ابوعمر احمد بن محمد متوفی ۳۶۰ھ، ۹۷۰ء نے اندلس کے سنہ وار حادثات تاریخیہ کو نظم کا لباس پہنایا۔

ابوبکر بن قزمان متوفی ۱۱۶۰ء نے سوقیانہ زجل کو ادب کے معیار تک بلند کیا۔ عبدالرحمٰن سوم کا درباری شاعر ابن عبدربہ متوفی ۳۲۹ھ مصنف عقد الفرید تھا۔ عربی زجل اور موشح کے زیر اثر اسپین اور فرانس میں سوقیانہ شعر گوئی اور گیتوں کی بڑی قدر ہونے لگی۔ رزمیہ فرانسیسی گیت مسلم اسپین اور عیسائی تصادم کا نتیجہ تھا۔ ابوسید احمد زیدون متوفی ۱۰۷۱ء اندلس کا سب سے بڑا شاعر تھا۔ اس کو شہزادی دلادہ سے عشق تھا۔ کچھ عرصہ قید رہا۔ یہاں پر معتضد العبادی کا وزیر اعظم اور سپہ سالار فوج ذوالوزارتین کے لقب سے مقرر ہوا۔ شعر گوئی کے علاوہ نامہ نویسی مثلاً خط متعلق ابن عبدوس میں بھی اس کو کمال حاصل تھا۔ ابن قزوین متوفی ۱۲۵۳ء

---

[1] تاریخ عرب سید یونس ص ۳۰۰

لکھتا ہے کہ شعرائے اندلس کے اثر سے جنوبی پرتگال میں ہل چلانے والے کسان بھی شعر گوئی کیا کرتے تھے۔

(۱) دیارِ اندلسیہ کے شاعر ادیب وادیب ابوالقاسم محمد بن ہانی الازدی اندلسی ہمزیہ طویل قصیدہ میں خلیفہ معز لدین اللہ کی تعریف میں حسب ذیل شعر لکھتا ہے :-

۱۔ إِنَّ الْمَكَارِمَ كُنَّ سِرْبًا رَائِدًا ... حَتَّى كُنِسْنَ كَأَنَّهُنَّ ظِبَاءُ

۲۔ وَطَفِقْتُ أَسْأَلُ عَنْ أَغَرَّ مُحَجَّلٍ ... فَإِذَا الْأَنَامُ جِبِلَّةٌ دَهْمَاءُ

۳۔ حَتَّى دُفِعْتُ إِلَى الْمُعِزِّ خَلِيفَةً ... فَعَلِمْتُ أَنَّ الْمَطْلَبَ الْخُلَفَاءُ

(۲) دوسری جلد علامہ ادیب وزیر ابو عبداللہ بن زمرک غرناطی لسان الدین بن الخطیب اندلسی کے شاگرد ایک قصیدہ میں حضرت سرورِ دو عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت شریف کے بیان اور تعریف میں حسب ذیل اشعار لکھتا ہے :-

۴۔ يَا مَلْجَأَ الْخَلْقِ الْمُشَفَّعَ فِيهِمُ ... يَا رَحْمَةَ الْأَمْوَاتِ وَالْأَحْيَاءِ

۵۔ يَا أَسِيَ الْمَرْضَى وَمُنْتَجَعَ الرِّضَى ... وَمُوَاسِيَ الْأَيْتَامِ وَالضُّعَفَاءِ

۶۔ أَشْكُو إِلَيْكَ وَأَنْتَ خَيْرُ مُؤَمَّلٍ ... دَاءَ الذُّنُوبِ وَفِي يَدَيْكَ دَوَائِي

ترجمہ :-

۱۔ بلاشبہ اخلاقِ عالیہ حسینوں کے جھگمٹوں کی طرح ہر طرف چہل پہل کرتے نظر آتے تھے۔
مگر اب وہ اس طرح مخفی ہوگئے ہیں جس طرح خوب صورت ہرنوں کی ٹاڈیں ہوں۔

۲۔ گو عالم میں انسان بتھیرے ہیں جن میں میں برابر ایک پیکرِ اخلاق بزرگوار کی جستجو کرتا رہا۔

۳۔ یہاں تک کہ خلیفہ وقت معز لدین اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ درحقیقت حضرات خلفاء ہی اخلاقِ حسنہ کے مجسمہ ہیں۔

۴۔ اے مخلوق کی جائے پناہ اور اے ان کے مقبول سفارشی اور اے زندوں اور مُردوں کے لئے باعثِ رحمت !

۵۔ اے مریضوں کے غم خوار اور اے رضامندی کی جائے تلاش اور اے یتیموں اور کمزوروں کے غم گسار۔

۶۔ میں اپنے امراضِ گناہ کی شکایت آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا ہوں کیونکہ آپ بہترین اُمید گاہ ہیں۔ نیز میرا علاج آپ ہی کے دونوں مبارک ہاتھوں میں ہے۔"

فنونِ لطیفہ کی ترقی

زریاب کا عبدالرحمٰن دوم کے زمانہ میں اسپین میں خیر مقدم کیا گیا تھا۔ اس نے مشروبات کے لئے فلزی پیالے استعمال کرنے کے بجائے شیشہ کا جام ایجاد کیا۔ موسیقی کو بھی اس کی وجہ سے عام مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ابوالقاسم عباس ابن فرناس تاریخ وفات ۲۷۴ھ، ۸۸۸ء نے مشرقی موسیقی کو مغربی یورپ میں مروج کیا۔ پسند عام گردانا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا شخص ہے جس نے اڑنے کی کوشش کی اور جیسا کہ کہا جاتا ہے پر کے پھوسٹے لگا کر اور پروں کا لباس پہن کر ہوا میں دور تک اُڑ سکا۔ لیکن اُترتے وقت اُس کے چوٹ آئی اس لئے کہ سنبھالنے کے لئے دُم نہیں لگائی گئی تھی۔

اس زمانہ میں جب کہ بغیر بیرونی میکانی طاقت کے ہوا کے بالائی نفوذ کی مدد سے پرواز کے مختلف طریقے رائج ہو چکے ہیں ابن فرناس کی پرواز کی تفصیل معلوم کرنا مفید ثابت ہوگا۔ اس مواد کی تلاش کی جانی چاہیئے۔ اس نے اپنی ذہانت طبع سے ایک پلانیٹریم بھی بنایا جس میں ستاروں کی حرکت اور رعد و برق کے کرشمے بھی بتانے جاتے تھے۔ دور الموحدین میں ابن سبعین نے تاریخ وفات ۶۹۶ھ، ۱۲۹۶ء فنِ موسیقی پر کتاب الادوار المنسوب تصنیف کی۔ بہت سے عربی یا عربی کے توسط سے مشرقی الفاظ یورپ کی زبانوں میں آلاتِ موسیقی وغیرہ کے لئے مستعمل ہیں۔ مثلاً ANAFAL انیفرا PIANDERA پندیرو تنبورہ GIETAIRM، HKAR قیتار، نقارہ ASANJASO SAM، صنوج۔

رباب REBEC (ETC) فریڈرک دوم ہوہنسٹا وفن نے ابن سبعین اور مشرق میں کمال الدین بن یونس نے فلسفیانہ وحکیمانہ امور کے متعلق چند استفسارات کئے اور جواب آنے پر انعام بھی بھیجا۔ لیکن ابن سبعین نے انعام قبول نہیں کیا۔

علمائے اندلس مسلم اسپین کا سب سے جید عالم اور جدت پسند دماغ کا انسان علی بن حزم تھا۔ ۳۸۴ھ، ۹۹۴ء، ۴۵۶ھ، ۱۰۶۴ء جس کی کتابیں متعدد شعبہ جات علم وحکمت پر لکھی گئی تھیں۔ یہ خود اپنے آپ کو ایرانی النسل سمجھتے تھے۔ لیکن اہلِ یورپ کہتے ہیں کہ اس کا دادا ہسپانیہ کا عیسائی تھا جو مشرف باسلام ہوگیا۔ وہ بنی اُمیہ کے آخری ہسپانوی دَور کے شکستہ حال بادشاہوں عبدالرحمٰن المستظہر اور ہشام المعتمد کے دربار میں خدمتِ وزارت پر ممتاز تھا۔ بنی امیہ کا دَور ختم ہو جانے پر وہ گوشہ نشینی اختیار کر کے مطالعہ اور تصنیف میں مشغول رہا۔ ابن خلکان اور القفطی نے لکھا ہے کہ اس نے ۴۰۰ کتابیں ادب، مذہب، تاریخ اور حدیث پر لکھیں۔ ان میں سب سے مشہور طوق الحمامہ عشقیہ مضامین کے اشعار کا مجموعہ ہے اور الفصل فی الملل والاہوا والنحل مختلف مذاہب کی تفہیم وتنقید ہے۔

القالی ۲۸۹ھ، ۹۰۱ء، ۳۵۰ھ، ۹۶۷ء جامعہ قرطبہ میں پروفیسر تھا۔ اس کا مقام پیدائش اہنستان ہے اور اس نے تعلیم بغداد میں پائی۔ اس کا سب سے قابل شاگرد محمد ابن الحسن الزبیدی ۳۱۶ھ، ۹۲۸ء، ۳۷۰ھ، ۹۸۰ء اشبیلیہ میں پیدا ہوا اور اس کو الحکم نے اپنے بیٹے ہشام کی تعلیم وتربیت کے لئے منتخب کیا۔ لسانیات کے ماہرین کے سوانح حیات کے مصنف علامہ جلال الدین السیوطی نے اپنی کتاب کی تالیف میں اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔ عربی گرامر ہی کو پیشِ نظر رکھ کر یہودی مصنف نے عبرانی گرامر، ابوزکریا یحییٰ بن داؤد نے قرطبہ میں گیارہویں صدی میں عربی اصول پر عبرانی گرامر لکھی۔ اصطلاحات اور تعریفات بالکل عربی ہی کے ترجمے ہیں۔

ابوحیان ۶۵۴ھ، ۱۲۵۶ء، ۷۴۵ھ، ۱۳۴۴ء غرناطہ کا بربر النسل عالم متعدد

زبانوں پر حاوی تھا اور موشح کہتا تھا اس نے ایرانی اور ترکی گرامر لکھی اور کہا جاتا ہے کہ حبشی ELHUOP زبان پر بھی ایک نامکمل کتاب شروع کی۔

اسپین کے مؤرخین میں ابوبکر بن عمر بن اسقوطیہ قرطبہ میں پیدا ہوا اور وہیں ۳۶۰ھ ۹۷۷ء میں فوت ہوا۔ اس کی تصنیف تاریخ افتتاح الاندلس میں عربوں کی فتوحات سے لے کر عبدالرحمٰن ثالث کے دور تک کے حالات مذکور ہیں۔

ابومروان حیان ابن خلف ۳۷۷ھ ۹۸۷ء، ۴۶۹ھ ۱۰۷۶ء نے پچاس کتابیں لکھیں جن میں سے المتین ساٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تصانیف میں سے صرف المقتبس فی تاریخ اندلس بچ رہی ہے۔

دور الموحدین پر سب سے بہتر تاریخ عبدالواحد المراکشی کی لکھی ہوئی ہے جو ۶۲۱ھ، ۱۲۲۴ء میں شائع ہوئی۔ المعجب فی تلخیص اخبار المغرب اس کا نام ہے۔

قرطبہ کا ابوالولید عبداللہ بن محمد ابن الفرضی تاریخ ولادت ۳۵۱ھ ۹۶۲ء جامعہ مذکور میں معلم تھا۔ بعد کو قیروان ہوتا ہوا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا حج کیا۔ واپسی پر بلنسیہ کا قاضی مقرر ہوا اور قرطبہ کی لوٹ مار میں مقتول ہوا۔ اس کی نعش کئی دن بعد پہچانی گئی۔ الفرضی تاریخ علمائے اندلس کا مصنف تھا۔

اس کے بعد ابن بشکوال ابوالقاسم خلف بن عبدالملک ۴۹۵ھ، ۱۱۰۱ء۔ ۵۷۹ھ ۱۱۸۳ء مقام ولادت قرطبہ نے اس کتاب کا ضمیمہ بلقب الاصلاح فی تاریخ ائمۃ الاندلس ۵۷۹ھ، ۱۱۱۳ء میں شائع کیا اور بعد ازاں ابوعبداللہ محمد بن الابانہ ۵۹۶ھ، ۱۱۹۹ء، ۶۵۹ھ، ۱۲۶۰ء بلنسی نے اصلاح کو لکھ کر مکمل کیا۔ اس نے الحلتہ السیر بھی لکھی۔

ابوجعفر احمد بن یحییٰ ملبنی تاریخ وفات ۶۰۰ھ، ۱۲۰۳ء مرشیہ میں نشوونما پایا اور بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس تصنیف کی تاریخ سائنس پر ابوالقاسم سعید بن احمد الطلیطلی نے جو ذوالنون حضرات کے عہد میں طلیطلہ کا قاضی تھا اور خود مؤرخ، ریاضی دان اور ماہر مشاہدات فلکی تھا۔ ایک کتاب طبقات الامم لکھی ۴۲۰ھ، ۱۰۲۹ء، ۴۶۳ھ

۱۳۷۴ء نصرانی درباروں کے سب سے بڑے اور مشہور مؤرخ ابن الخطیب اور ابن خلدون ہیں۔ علامہ عبداللطیف وہ فردِ وحید ہے جس نے مصر پر جو کتاب تصنیف کی اس میں نباتات کے متعلق بھی مفید معلومات پائی جاتی ہیں۔

ابوالعباس النباتی اشبیلی نے بارھویں صدی کے آغاز میں اسپین اور شمالی افریقہ اور عرب کے ساحل کا دورہ کرکے نباتات فراہم کئے۔ بحرِ قلزم کے کنارے اس نے متعدد نئے نباتات دریافت کئے اور اپنی کتاب الرحلہ میں اُن کے مفصّل حالات بیان کئے۔

فلسفہ اندلسی عربوں نے فلسفہ میں بڑی ترقی کی۔ اندلس میں بڑے بڑے فلسفی ہوئے۔ ابوبکر محمد بن یحییٰ جو عام طور سے ابن ماجہ کے لقب سے مشہور ہیں، یہ علاوہ فلسفہ کے بے مثل طبیب ریاضی دان اور ہئیت میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ ۴۹۳ھ، ۱۱۰۰ء میں انتقال ہوا۔ ابن طفیل ابوبکر محمد بن عبدالملک مثل ابن ماجہ کے تھا۔ یہ وادی آش میں پیدا ہوا۔ ۵۸۱ھ، ۱۱۸۵ء میں مراکش میں فوت ہوا۔ ابوبکر ابن زہر ساکن اشبیلیہ متوفی ۵۹۶ھ، ۱۱۹۹ء اس کے معاصر ابوالولید محمد بن احمد ابن رشد فیلسوف اسلام تھا۔ اشبیلہ اور قرطبہ کا قاضی رہا ۵۹۵ھ، ۱۱۹۸ء میں انتقال کیا۔ اس کے حالات مفصّل میری کتاب "فلاسفۂ اسلام" میں دیکھئے۔

اندلسی مشہور منجم البطروجی الزرقالی جابر بن فلاح متوفی ۵۵۰ھ، ۱۱۴۵ء یوسف المتوطن فتیلہ میں ہوا۔ ۴۷۴ھ، ۱۰۸۱ء، ۴۷۸ھ، ۱۰۸۵ء امیر سرغوسا ریاضی دان تھا۔ اس کی کتاب استکمال مشہور ہی اقلیدس اور المجسطی کے مانند ہے۔

قطب نما عربوں نے قطب نما ایجاد کیا جس سے بحری و بری سفروں میں کام لیتے تھے۔ نماز کے لئے سمتِ قبلہ کا اندازہ لگاتے تھے[1]۔

---

[1] تاریخ عرب صد۷۴۷

کاغذ علاوہ ہتھیار اور دباغت کئے ہوئے چمڑے کے عربوں نے کاغذ ایجاد کیا۔ [1]

توپ و بارود توپ اور بارود، ان دونوں چیزوں کے موجد عرب ہیں۔ اونوش یازدہم کی تاریخ میں ہے:-

در شہر کے مسلمان بہت سی گرجنے والی چیزیں اور لوہے کے گولے بہت بڑے سیب کے برابر پھینکتے تھے۔ یہ گولے اس قدر دور جاتے تھے کہ بعض فوج کے اس پار جاتے تھے اور بعض فوج میں گرتے تھے۔" [2]

بری و بحری قوت بحری اور بری فوج کا اعلیٰ افسر خود خلیفہ تھا۔ ۱۳۲۴ء میں غرناطہ کے تاجدار اسمٰعیل نے شہر بابطہ کا محاصرہ کیا تو بارود کا استعمال کیا۔ توپوں سے گولے پھینکے۔ ایک عہدہ فوج میں امیر المنجقین تھا۔ بحری افسر کو قائد الاساطیل کہتے تھے۔ قلعہ شکن آلات ایجاد کئے تھے۔ دبابہ سے قلعہ کو تباہ کر دیا جاتا تھا۔

ڈاک خانہ یہ بریدہ کا محکمہ دمشق کی تقلید تھی۔ مگر عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ نے کبوتروں سے نامہ رسائی کا کام لیا۔ عموماً اس سے فوج میں کام لیا جاتا تھا۔

عہدہ قضاۃ اس عہدہ پر بڑا فاضل اور جلیل القدر عالم مقرر کیا جاتا۔ یہ قاضی اپنے آپ کو صرف حکومت کی طرف سے منصب دار قاضی نہ سمجھتے بلکہ مخاصمین کے درمیان اپنے کو ایک حکم تصور کرتے تھے اور مخلوق کے ساتھ بجز شاذ و نادر مواقع کے ہمیشہ رفق و ملاطفت کیساتھ پیش آتے تھے۔ [3]

صناع اندلس کے عرب اور لوگوں سے صناعی میں بہت ہی فائق تھے معادن مطرقہ لوہا چاندی وغیرہ) نکالیں اور دیگر معدنیات کی کانیں بھی دریافت کیں۔ پارہ کی کان نکالی۔ ملقا بجادیکا مرسیہ کے پاس کانوں سے یاقوت نکالا کرتے۔ سواحل اندلس کے سمندر سے مرجان اور طراغونہ سے موتی نکالتے۔

---

[1] تمدن عرب ص۴۸۴ [2] ایضاً [3] تاریخ عرب ص۳۳۲

دباغت کا کام اعلیٰ درجہ کا جانتے تھے۔ روئی کتان اور سن کے کپڑے خوب بُنتے تھے۔ حریر اور پشمینہ بافی میں وہ انتہا درجہ کمال کو پہنچ گئے تھے۔

طلیطلہ کے نیزے تلوار، غرناطہ کا حریر، قرطبہ کی زین اور چمڑہ تونسیہ کی سبز باغات، دلنسیہ کے خوشبودار مصالحے اور شکر۔ علاوہ ازیں روغن زیتون، سرخ رنگ عنبر، خام معدنی پتھر بلور، گندھک، زعفران اور زنجبیل کی تجارت کرتے تھے۔ ان کے یہاں ہنڈیوں اوراق حوالہ کا رواج تھا۔[1]

اصولِ سیاست عربوں نے بغرض نظم ونسق جو اصول قائم کئے تھے وہ بہت ہی آسان اور صاف تھے۔ خلیفۂ وقت کل امور مذہبی مالی اور فوجی کا مالک تھا۔ کام ریاست کا چار محکموں (فینانس) امور خارجہ عدالت، فوج ہر محکمہ کا ایک وزیر تھا۔ وزیر اعظم کو حاجب کہتے تھے وزراء کے ماتحت کو خطیب الدولہ کہتے تھے۔ ایک عہدہ خطیب الرسائل کا تھا۔[2]

خطیب الزمام جس کے ذمہ نصاریٰ اور یہود کی جائداد کی حفاظت تھی صاحب الاشغال اس کے سپرد اخراجات کا حساب کتاب تھا۔ یہ سب میں ممتاز تھا۔ کوتوال کا عہدہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ ہوتا تھا۔ عدالت کا کام قاضی القضاۃ کے سپرد تھا۔ کوتوال کو صاحب الشرط اور شہر کے منتظم صاحب المدینہ اور صاحب اللیل کہلاتے تھے۔

ترقی تجارت اسپین اور ایشیا کے ممالک کے درمیان تجارتی سلسلہ قائم تھا۔ اسپین کا ملک اپنے کارخانوں کی ساختہ اشیاء اور ارضی پیداوار شکر چاول، روئی، زعفران، سونٹھ، عنبر، ارترق، پستہ، بادام، توت، حنا اور ثعلب اور معدنی حاصلات از قسم گندھک، پارہ، تانبا اور لوہے وغیرہ سے دیگر ملکوں کی پیداوار تبادلہ میں لیا کرتا تھا۔ اہلِ ایشیا پر اسپین کے بنے ہوئے خود اور زرہیں، قرطبہ کے ساختہ فرش (چمڑے) کے طلیطلہ کی بنی ہوئی نیزوں کی انیان مرسیہ کی پانات غرناطہ اور المریلہ اور اشبیلہ کے

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۲۰۵ [2] خلافت اندلس حصہ سوم صفحہ ۱۹۰

بُنے ہوئے ریشمی کپڑے اور شہر القصیلہ کا بنا ہُوا کاغذ بڑے شوق سے خریدا جاتا تھا۔

اندلس میں شہر اشبیلہ کے عام اطراف میں زیتون کے کثرت سے درخت تھے۔ ان مواضع میں ایک لاکھ بڑے بڑے زیتون کے مزرعے یا روغن زیتون تیار کرنے کے کارخانے تھے۔

اندلس کے صوبہ طلیطلہ کے جنوبی ملکوں سے میوہ جات یوروپ بھیجے جاتے۔ اہل اسپین کے ملک کے شہروں ملاغہ قرطاجنہ برسلونا اور قادس کے بنے ہُوئے سامان غیر ممالک کو بغرض تجارت روانہ کیا کرتے [1]

تنعم و شان اسپین کے عرب حکمران تنعم اور شان نمائی میں اپنے معاصر خلفائے بنی عباس سے آگے بڑھ گئے۔ اس کا اثر افراد پر بھی تھا۔ غرناطہ کی خواتین پیٹیاں زرکار کپڑے اور سنہری روپہلی گنگا جمنی کام کے طوق وغیرہ پہنا کرتی تھیں۔ یہ لباس حد درجہ حسین وخوشنما ہوتا تھا [2]

جہاز رانی خلفائے اندلس نے بحری جنگوں کے لئے کافی قوت حاصل کرلی تھی۔ موسیو سیدیو لکھتا ہے :-

"نصاریٰ ان کے سامنے کچھ نہ تھے ان کے پاس بندرگاہائے قادس جزیرہ منقار، مریہ طوطوس اور طراغونہ، رطاجنہ، اشبیلہ میں جہاز سازی ہوتی تھی امراء نے علیحدہ جہاز بنا رکھے تھے جن میں تجارتی مال جاتا آتا رہتا تھا اور مشرق سے تجارتی اشیاء اندلس کو جاتی تھیں اور ان میں ایسے جہاز رعایا کے بھی تھے جو بحری رہزنی کے لئے بنائے جاتے تھے ان میں بیٹھ کر لوگ فرانس اٹلی کے سواحل پر چھاپے مارا کرتے تھے"

جنگی فنون اندلس کے عرب زرہیں بھی پہنتے تھے اور ان کے سرداروں نے نوجوانوں کو برچھیاں مارنے اور تلواریں چلانے کی تعلیم خاص طور پر دی تھی جن سے وہ نصاریٰ کے مقابلہ میں بہت کام لیتے تھے۔

---

[1] تاریخ عرب سدیو ص ۱۱۷۔ [2] تاریخ عرب صفحہ ۲۲۶۔

مذہبیت اندلس کے عربوں کی عقلوں پر دین کی سطوت بہت غالب تھی۔ قرآن پاک کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا صحیح شوق تھا۔ جو اکتساب فضائل اور اعمال صالحہ کی اہمیت کی ہدایت کرتا ہے۔

خلفاء مخلوق کو کاروبار میں مشغول رہنے کا شوق دلاتے۔ ظلم، تعدی وعدوان سے باز رکھتے اور لوگوں کو ایک دوسرے کی جائداد و املاک کے تحفظ کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

مردم شماری اندلس کے اسلامی دور میں شہر طلیطلہ کی آبادی دو لاکھ نفوس کی تھی اور اشبیلیہ میں تین لاکھ آدمی آباد تھے۔ شہر قرطبہ کا دور چالیس میل کا تھا۔ شہر اشبیلیہ میں پارچہ بافی کے چھ ہزار کارخانے تھے۔ سلامنقہ کے صوبہ میں اس وقت ایک سو پچیس نہایت بارونق شہر و گاؤں تھے صوبہ لیعان میں چھ سو سے زیادہ شہر اور بستیاں ایسی تھیں جہاں ریشمی کپڑوں اور ریشم کی تجارت ہوا کرتی تھی۔ یہ سیاح ادریسی کا بیان ہے جس نے اسپین کا جغرافیہ لکھا ہے[1]

اخلاق و عادات موسیو سیدیو فرانسیسی لکھتا ہے۔ اندلس کے عرب علوم وفنون صنعت وحرفت اور اخلاق میں اہل فرہنگ سے بدرجہا لائق و فائق تھے۔ وہ ایسے کریم تھے کہ جان تک دینے سے دریغ نہ کرتے۔ مگر ان کا جان دینا وحشیانہ طور پر نہ تھا۔ وہ اپنی جان کی قدر و عزت کو خوب پہچانتے تھے۔ اُن کی بہادری اور جنگی سرگرمی نے آپ اپنی نگاہ میں نہایت وقیع وگراں قدر بنا دیا تھا۔ اس سے عزت نفس کا جذبہ ان میں نہایت شدت کے ساتھ تھا۔ قسطیلہ اور نوارہ کے فرنگی بادشاہوں کو اندلس کے عربوں کی صداقت کا بڑا یقین تھا اور وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ اپنے مہمانوں کی بڑی خاطر تواضع اور اکرام کیا کرتے ہیں[2] مراعات عدل و انصاف میں نہایت شدت برتتے تھے۔ ان میں امیر غریب سب یکساں تھے کوئی شخص کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو وہ بڑے سے بڑے مناصب تک پہنچ سکتا تھا۔

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۴۷۱ [2] تاریخ عرب صفحہ ۲۷۲

رواداری خلفائے اندلس کے ساتھ سرحد کے نصرانیوں نے ہر زمانہ میں بغاوت کی۔ مسلمانوں کو لُوٹا۔ عورتوں بچوں کو شبخون مار کر قتل کیا۔ مگر ان سلاطین نے جب ان ظالموں پر فتح پائی ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اندلس کے یہود و نصاریٰ کے لئے ترقی کے دروازے کھلے رکھے۔ اور ان کو اپنے دربار میں معزز عہدے عطا کئے۔ تعلیم گاہوں میں عیسائیوں کو داخل کیا۔ جب وہ لائق ہُوئے ان کو مدرس کیا۔ بلکہ بعض مواقع پر پرنسپل تک کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ ان کی معابد گاہوں کی حفاظت کی اور جاگیریں عطا کیں۔ وہ گرجے جو سیاسی طور سے خطرناک تھے اور وہاں تنوں اور راہبوں کی غلط کاری اور سیاہ کاری کے اڈے بنائے گئے تھے ان کو البتہ ڈھا دیا۔ لارڈ بشپ کا انتخاب سلاطینِ اندلس خود کیا کرتے تھے۔ طلیطلہ میں اسقف اعظم رہا کرتا تھا۔ مذکورہ اوراق سے شاہانِ اندلس اور علمائے اندلس کی سرگرمی، علم و فضل ظاہر ہے۔ موسیو سیدیو فرانسیسی لکھتا ہے :-

> "جب تمام یورپ جہالت کی تاریکی اور ظلمت میں تھا اُس وقت عربوں کی آنکھیں انوارِ علم کی چمک سے کھل چکی تھیں۔ ممالک اسپین، اشبیلہ قرطبہ، غرناطہ، مرسیہ اور طلیطلہ میں بڑے بڑے کتب خانے اور مدرسے قائم ہُوئے۔ ان مدارس میں علوم ریاضیہ پڑھائے جاتے اور ان مدرسوں سے بڑے بڑے کامل اور ماہر مدرس پیدا ہُوئے جن کی شاگردی کا فخر علمائے یورپ کو ہے"

یورپ میں اسپین سے علوم و فنون کا ذخیرہ پہنچتے ہی وہاں علم و فضل کی گرم بازاری ہو گئی۔ اگر عربی تمدن اور علم و حکمت کے ہر شعبہ کی یورپ میں ... تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکے گی۔

○

تاریخ ملت جلد اوّل ختم ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

القرآن الکریم

ترجمہ

یقیناً ان کے قصے میں عقل والوں کے لیے بہت بڑی عبرت ہے

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ۔ ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل جامع کتاب جو تاریخ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ سلیس زبان، عام فہم اور آسان طرزِ بیان۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے۔



ادارہ اسلامیات

لاہور — کراچی

